دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دار العلوم

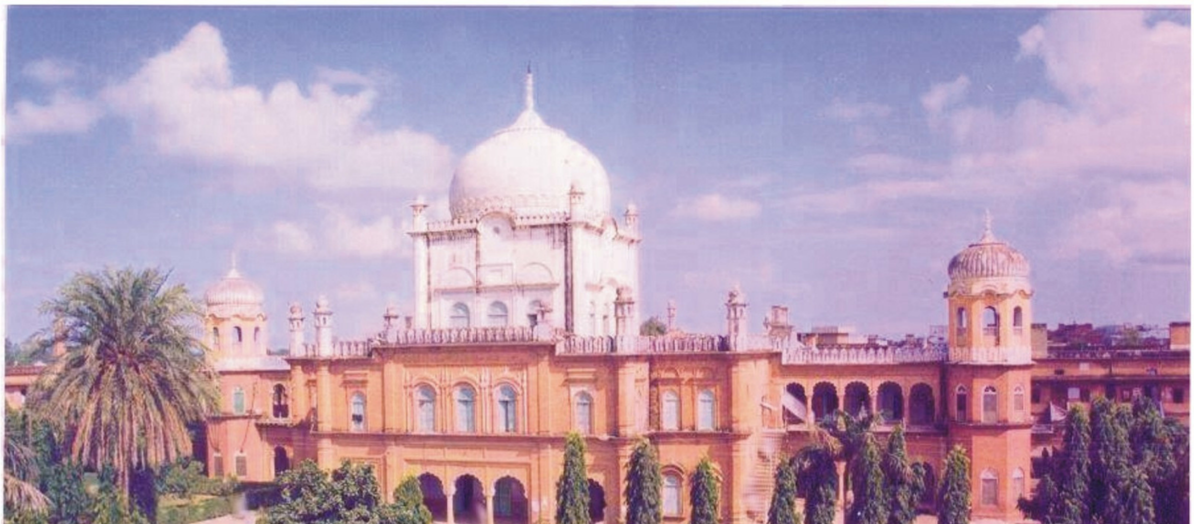

مدیر حبیب الرحمٰن اعظمی

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ:۱	محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق جنوری ۲۰۰۸ء	جلد:۹۲

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۸۰۰ روپئے

بنگلہ دیش سے سالانہ -/۲۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۲۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبرشمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	اسلام امن وسلامتی کا مذہب (مسلمانوں کی تاریخ حکمرانی سے چند نمونے)	مفتی اختر امام عادل قاسمی	۷
۳	قطع حیات بہ جذبۂ رحم (Euthanasia)		
۴	کی شرعی حیثیت	مفتی محمد شمیم اختر قاسمی	۲۰
۵	مولانا احمد اللہ شاہ شہیدؒ	مولانا محمد میاں صاحبؒ	۳۳
۶	تحریر میں رموز اوقاف کی اہمیت وضرورت	فاروق اعظم عاجزؔ کھگڑیاوی	۵۱

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

اسلام ایک زندہ مذہب ہے، تاریخ کے مختلف ادوار میں وہ خواہ کسی حال اور پیمانے میں رہا، اور راہ حیات میں اسے چاہے کیسے ہی ناسازگار حالات سے گزرنا پڑا، مگر وہ اپنی مکمل شکل میں کائنات ہست و بود میں موجود رہا، اور بغیر کسی پس وپیش اور ادنیٰ تردد کے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس پر کوئی ایسا زمانہ نہیں آیا کہ اس کی اساسی حیثیت پورے طور پر مٹ گئی ہو، اور اگلے زمانہ میں پھر نئے سرے سے طلوع اسلام ہوا ہو۔

دین اسلام کی اصل غایت اللہ تعالیٰ سبحانہ کی معرفت، اس کی رضا کی طلب، اور اس کے احکام کی تعمیل ہے۔ خدائے وحدہ لاشریک لہ، شاہراہِ اسلام کی آخری منزل ہے، سارے پیغمبر اسی ایک کی طرف دعوت دیتے رہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ”مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ“ کا آوازہ بلند کرکے دنیا کو بتایا کہ میں خدائے واحد کی طرف بلانے والا ہوں، رحمتِ عالم خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی منزل کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمائی ”قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِی ادعوا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس شاہراہ کے داعی صحابۂ کرام تھے، وہ اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اللہ کے بندوں کو اس کی دعوت دیتے رہے، اور آئندہ آنے والے لوگ ان ہی سے اس شاہراہ کا نشان لیتے رہے۔ جس طرح خدائے واحد کی طرف بلانا تمام پیغمبروں کا اجتماعی نقطہ تھا، ساری امت کو نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر لانا تھا، اصحاب رسول کا اجتماعی نقطہ تھا، حضرت

فاروق اعظم نے ایک موقع پر حضرات صحابہ کے اس داعیانہ کردار کو ان الفاظ میں واضح فرمایا تھا:
"ایھا الناس قد سنّت لکم السنن، وفرضت لکم الفرائض، وترکتم علی الواضحۃ الا ان تضلّوا بالناس یمیناً وشمالاً" اے لوگو! تمہاری راہیں متعین ہوچکی ہیں، اور تمہاری ذمہ داریاں طے کی جاچکی ہیں، تم ایک شاہراہ پر چھوڑے گئے ہو، دیکھنا دائیں بائیں دیکھ کر، (اور دوسری قوموں کے متوازی نظریات سے متاثر ہوکر) گمراہ نہ ہوجانا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شاہراہ اسلام کے اولین قافلے سے متصل رہنے کی تلقین وہدایت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

من کان مستنّا فلیستنّ بمن قدمات فان الحیّ لا تؤمن علیہ الفتنۃ، اولئک اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ، ابرّھا قلوبًا واعمقھا علمًا، واقلّھا تکلفاً، اختارھم اللّٰہ لصحبۃ نبیّہ ولاقامۃ دینہ، فاعرفوا لھم فضلھم، واتبعوھم علی اثرھم، وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم، وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المتسقیم"

جس کو کسی راہ پر چلنا ہو، اسے چاہئے کہ ان لوگوں کی راہ پر چلے جو اس دنیا سے جاچکے ہیں، کیونکہ زندوں پر فتنہ وآزمائش (میں مبتلا ہوجانے سے بالکلیہ) امن واطمینان نہیں ہے، وہ وفات یافتہ جن کی راہ اختیار کرنی چاہئے وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں، یہ طبقہ اسلامی امت کا بہترین طبقہ تھا، ان کے دل بہت نیک تھے، ان کا علم سب سے عمیق اور گہرا تھا، ان میں تکلف اور بناوٹ نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت ورفاقت اور اپنے پسندیدہ دین کی اقامت کے لئے منتخب کرلیا تھا، ان کی فضیلت اور برتری کا اعتراف کرو اور پہچانو، بلاشبہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔

درسگاہ نبوت کے تربیت یافتہ، فقیہ امت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد محض ایک اتفاقی اور وقتی نصیحت نہ تھی، وہ آئندہ برپا ہونے والے فتنوں میں امت کو راہ حق بتارہے تھے۔

کھول کر آنکھیں میرے آئینۂ گفتار میں   آنے والے دور کی دھندلی سی ایک تصویر دیکھ

حضرات صحابہ سے اسلام کا یہ دینی وعلمی ورثہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کو پہنچا، غرضیکہ اسلام کی شاہراہ مسلسل جو "خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم" کی بشارت

نبوی میں صحابہ وتابعین سے مسلسل چلی آرہی تھی، اکابر محدثین، وفقہائے مجتہدین نے اس پر پہرہ دیا اوراس کے کل وجز کی مکمل صیانت وحفاظت کی، اسی سے تمسک دین مسلسل سے وابستگی ہے،اوریہی دین قیم،اورایک زندہ و پائندہ مذہب ہے، پھراسلام کی پندرہ صدیوں میں ہرصدی میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ، وحکمتِ بالغہ سے ایسے لوگ پیدا کرتے رہے جنھوں نے اسلام کے اصول وعقائد،اوراساس اعمال واخلاق کو ہر قیمت پر زندہ رکھا،اوراس کی تاریخ میں کوئی ایسا دورنہیں آیا جب کہ قرآن وحدیث اوراسلام کی تعبیر کلیتہً تحریف کی نذر ہوگئی ہو، اگرایسا ہوا ہوتا تو اسلام ایک زندہ مذہب نہ رہتا، اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ان اولوالعزم بندوں نے اپنی حیات کے لمحے لمحے کواظہارحق اورابطال باطل کے لئے وقف کردیا، نامساعد حالات،اور الحادوزندقہ کی لہریں اٹھیں مگرانھیں ایک انچ بھی اس شاہراہ عظیم سے نہ ہٹاسکیں، یہی اسباب کی وہ دنیا ہے جس کے ذریعے دین حق کی ابدی حفاظت ہوئی،اورخدائے حکیم وقدیر کا یہ وعدہ پورا ہوتا رہا ”اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَه لَحَافِظُونَ“

صحابۂ کرام سے چلا یہ سلسلہ نسلاً بعدنسلٍ بارہویں صدی میں مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان تک پہنچا،اوراپنے بعدوالوں کے لئے یہی خاندان روشنی کا مینار رہا۔

حضرت شاہ صاحب کے خلف رشیداورفرزند اکبرحضرت شاہ عبدالعزیز نے حدیث وفقہ کی مسند سنبھالی، اوراپنے والد ماجد کے افکار ونظریات کو بروئے کار لانے میں اپنی ساری توانائیوں کو داؤ پر لگا دیا، بعد میں آنے والے سب اہل علم اسی خانوادے سے استناد پکڑتے ہیں،اوربطورخاص برصغیر میں یہی خاندان اہل حق کا مرکز اعتماد ہے۔

دارالعلوم دیوبند درحقیقت انھیں محدثین دہلی کے نظروفکر کی نشأۃ ثانیہ ہے،جس نے اپنے ابتدائے قیام سے اسلامی علوم وثقافت کی ترویج واشاعت میں جونمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ ہماری تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ دارالعلوم سے وابستہ علماء مکمل طور پر صحابہ سے لے کر محدثین دہلی تک اسناد اسلام کی ہرکڑی سے پورے وفادار رہے اورسلف صالحین کی اتباع کی یہاں تک پابندی کی کہ چھوٹی سے چھوٹی کسی ایجاد بندہ کو دین نہیں بننے دیا۔

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
یہ اہل عشق ہیں کہ جہاں تھے وہیں رہے

تسلسل اسلام اور اسناد دین کو کمزور کرنے والے مختلف طبقوں سے دارالعلوم اور اس کے اکابر نے کوئی اختلاف کیا تو یہ اس لئے نہیں کہ وہ اختلاف پسند ہیں بلکہ محض اس لئے کہ اسلام جس مبارک سلسلے سے ہم تک پہنچا ہے اس سے پوری وفا کی جائے ان طبقوں کے الحادی اور اسلام مخالف نظریات کی تخریب اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر اسلام کی تعمیر اور بقا کی کوئی صورت نہیں ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہم نوا علماء دین کا یہی وہ طرۂ امتیاز ہے، جو اسلام مخالف طاقتوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام بیزار طاقتیں آج متحد ہوکر دارالعلوم دیوبند اور علماء دین کے درپئے آزار ہیں اور نت نئے حربوں سے انھیں نشانہ بنارہی ہیں، اور حد تو یہ ہے کہ بعض بیرونی طاقتوں کی خوشنودی میں ہماری قومی حکومت بھی اس مہم میں شریک ہوگئی ہے، جس کی تفصیل انشاء اللہ کسی موقع پر پیش کی جائے گی؛ لیکن ان طاقتوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ علماء دین اور ان کے ادارے بالخصوص دارالعلوم دیوبند، ماضی میں بھی اسلام کے سچے وفادار رہے ہیں، زمانۂ حال میں بھی وہ اسلام ہی کے وفادار ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں بھی اسلام کے ساتھ ان کی مکمل وفاداریاں قائم ودائم رہیں گی۔ حلیہ وتدبیر، کذب و بہتان، دجل وفریب، مکاری وعیاری، اور جبر وتشدد کے ذریعہ اسلام کے ساتھ ان کی وفاداری کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ادھر آ اے ظالم ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

❁ ❁ ❁

اسلام امن وسلامتی کا مذہب

(مسلمانوں کی تاریخ حکمرانی سے چند نمونے)

از: مفتی اختر امام عادل قاسمی
مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف (بہار)

اسلام سے قبل دنیا اندھیری تھی، ہر طرف ظلم وجور کا دور دورہ تھا، امن وامان نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی؛ کبھی رنگ ونسل کے نام پر، کبھی زبان وتہذیب کے عنوان سے اور کبھی وطنیت وقومیت کی آڑ میں انسانیت کو اتنے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا اوران ٹکڑوں کو باہم اس طرح ٹکرایا گیا تھا کہ آدمیت چیخ پڑی تھی، اس وقت کی تاریخ کا آپ مطالعہ کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ پوری دنیا بدامنی وبے چینی سے لبریز تھی، وہ پسماندہ علاقہ ہو یا ترقی یافتہ اور مہذب دنیا، روم وافرنگ ہو یا ایران وہندوستان، عجم کا لالہ زار ہو یا عرب کے صحرا، وریگزار؛ ساری دنیا اس آگ کی لپیٹ میں تھی اسلام سے قبل بہت سے مذہبی پیشواؤں اور نظام اخلاق کے علمبرداروں نے اپنے اپنے طور پر امن ومحبت کے گیت گائے اوراپنے اخلاقی مواعظ وخطبات سے اس آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی جس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے مگراس عالمی آتش فشاں کو پوری طرح ٹھنڈا نہیں کیا جاسکا۔

اسلام نے پہلی بار دنیا کو امن ومحبت کا باقاعدہ درس دیا اوراس کے سامنے ایک پائیدار ضابطۂ اخلاق پیش کیا جس کا نام ہی ”اسلام“ رکھا گیا یعنی دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب“ یہ امتیاز دنیا کے کسی مذہب کو حاصل نہیں، اسلام نے مضبوط بنیادوں پر امن وسکون کے ایک نئے باب کا آغاز کیا اور پوری علمی واخلاقی قوت اورفکری بلندی کے ساتھ اس کو وسعت دینے کی کوشش کی، آج دنیا میں امن وامان کا جو رجحان پایا جاتا ہے اور ہر طبقہ اپنے اپنے طور پر کسی گہوارۂ سکون کی تلاش میں ہے یہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی دین ہے۔

اسلام میں امن سکون کی ہدایات

جس معاشرہ کا شیرازۂ امن بکھرتا ہے اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے۔اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت واحترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ قرآن کریم میں ہے:

☆ من اجل ذلك كتبنا على بنى اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس آو فساد فى الارض فكانما قتل الناس جميعا و من احياها فكأنما احيا الناس جميعا (المائدہ:۳۲)

ترجمہ:''اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمینی فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے اس نے گویا ساری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی انسانی جان کی عظمت واحترام کو پہچانا اس نے گویا پوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔''

انسانی جان کا ایسا عالم گیر اور وسیع تصور اسلام سے قبل کسی مذہب وتحریک نے پیش نہیں کیا تھا۔

❁ اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علمبر دار قرار دیتا ہے۔ارشاد باری ہے:

فاى الفريقين احق بالامن ان كنتم تعلمون، الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون (الانعام:۸۱،۸۲)

ترجمہ:''دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے؛ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم وشرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انہی لوگوں کے لئے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔''

❁ اسلام قتل وخونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولا تفسدوا فى الارض بعد اصلاحها (الاعراف:۵۶)

ترجمہ:''اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا مت کرو''

ان اللّٰه لايحب المفسدين (القصص:۷۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتے۔''

اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں موجود ہیں۔

❁ امن ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن نے اس کو عطیۂ الٰہی کے طور پر ذکر کیا ہے۔

فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع وآمنھم من خوف (القریش:۴،۵)

ترجمہ: ''اہل قریش کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہئے جس رب نے انہیں بھوک سے بچایا کھانا کھلایا اور خوف وہراس سے امن دیا''

اسلام میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت (حرم مکہ) کو گہوارۂ امن قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

من دخله کان آمنا.

ترجمہ: ''اس کے سایہ میں داخل ہونے والا ہر شخص صاحب امان ہوگا۔''

احادیث میں بھی زمین میں امن وامان برقرار رکھنے کے سلسلے میں متعدد ہدایات موجود ہیں مثلاً:

❁ رسول اکرم ﷺ نے ''صاحب ایمان'' کی علامت یہ قرار دی ہے کہ اس سے کسی انسان کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمؤمن من آمنه الناس علی دمائھم واموالھم (ترمذی: حدیث نمبر ۲۶۲۷)

ترجمہ: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔''

❁ ایک اور موقعہ پر ظلم وتنگ نظری سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة واتقوا الشح فان الشح اھلك من کان قبلکم حملھم ان سفکوا دمائھم واستحلوا محارھم (مسلم: حدیث نمبر ۲۵۷۸)

ترجمہ: ''ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم قیامت کی بدترین تاریکیوں کا ایک حصہ ہے، نیز بخل وتنگ نظری سے بچو اس چیز نے تم سے پہلے بہتوں کو ہلاک کیا ہے اسی مرض نے ان کو خونریزی اور حرام کو حلال جاننے پر آمادہ کیا۔''

❁ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ کہ اللہ کی قسم! مومن نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم مومن نہیں

ہوسکتا، کسی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کون مومن نہیں ہوسکتا؟ فرمایا کہ جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔'' (بخاری: حدیث نمبر ۶۰۱۶)

❁ حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس (بخاری: حدیث نمبر ۷۳۷۶)

ترجمہ: ''اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔''

❁ ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

خیرکم من یرجی خیرہ یومن شرہ؛ وشرکم من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ.

❁ ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے عصبیت و تنگ نظری کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ ہم میں سے نہیں؛ جو عصبیت کی طرف بلائے اور جو عصبیت کی بناد پر قتال کرے'' (ابوداؤد: کتاب الآداب، باب العصبۃ، حدیث نمبر ۱۵۲۱)

❁ نیز اہل معاہدہ اور کمزوروں پر ظلم کی نکیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

الا من ظلم معاهدا او انتقض او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیامة . (ابوداؤد: کتاب الخراج والامارۃ: حدیث نمبر ۳۰۵۲)

ترجمہ: ''خبردار! جو کسی معاہد پر کوئی ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز حاصل کرے گا؛ تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف دعویٰ پیش کروں گا۔''

❁ اسی طرح ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

''جس نے کسی معاہد (ذمی غیر مسلم) کو قتل کیا؛ وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔''

(مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۰۴۶۴، ابن ماجہ کتاب الدیات: حدیث نمبر ۲۶۸۶، نسائی باب القسامہ، حدیث: ۴۷۵۲)

اس طرح کی متعدد روایات کتب احادیث میں موجود ہیں جن میں ظلم و جبر سے بچنے، پرامن زندگی گذارنے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، فتنہ و شرانگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عمل خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت، روئے زمین میں ایک امن پسند خوشگوار اور مثبت ماحول کی تشکیل، عام انسانوں کے ساتھ (خواہ وہ کسی بھی مذہب وقوم سے تعلق رکھتا ہو) فراخدلی و رواداری اور ہر مذہب وقوم کے مذہبی روایات و شخصیات کے احترام کی پرزور تلقین کی گئی ہے۔ نیز اس سلسلے میں عہد رسالت کے جو قیمتی ''علمی'' نمونے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

مسلم تاریخ حکمرانی سے امن وامان کے چند نمونے

امت مسلمہ نے ان اخلاقی اور قانونی ہدایات اور عہد رسالت کے علمی نمونوں کو ہر دور میں پوری اہمیت دی اور روئے زمین پر ایک پرامن قوم کی حیثیت سے اپنی پہچان قائم کی۔ مسلمانوں نے اس مقصد کے لئے غیرمسلموں کے ساتھ بھی فراخدلانہ رویہ اختیار کیا، ان کے حقوق وجذبات کی رعایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح قیام امن کا عمل متاثر نہ ہو خواہ اس کے لئے ان کو بڑی سے بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ مسلمانوں کی انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی صدیوں پرانی تاریخ میں فرقہ وارانہ فسادات اور خونریز ہنگاموں کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔ مسلمانوں کے امن پسند ہونے کی اس سے بڑی شہادت کیا ہوسکتی ہے؟

اسلامی عہد حکومت کے مختلف ادوار سے بعض نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

عہد صدیقی

عہد رسالت کے بعد تاریخ اسلامی کا سب سے قیمتی عہد؛ عہد صدیقی ہے۔ اس عہد کا ابتدائی حصہ اگرچہ ہنگامی حالات سے لبریز ہے مگر اس کا زیادہ تر تعلق خارجی ہے۔ داخلی طور پر ملک میں کوئی بدامنی نہیں تھی اور بالخصوص غیرمسلموں کے ساتھ پوری رواداری اور فراخدلی کا ماحول قائم تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے؛ وہاں غیرمسلم آبادی کے حقوق کا مکمل لحاظ رکھا گیا۔ حیرہ فتح ہوا تو وہاں کے عیسائیوں سے یہ معاہدہ ہوا کہ ان کی خانقاہیں اور گرجا گھر منہدم نہ کئے جائیں گے، ان کا وہ قصر نہیں گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ان کے ناقوس اور گھنٹے بجانے پر پابندی نہ ہوگی، تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے پر ممانعت نہ ہوگی، اسی معاہدہ میں یہ بھی تھا کہ یہاں کے ذمیوں کو فوجی لباس کے علاوہ ہر طرح کی پوشاک پہننے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔

آپ کے عہد خلافت میں ایک غیرمسلم عورت کا ہاتھ ایک مسلمان افسر نے صرف اس جرم میں کٹوادیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گاتی تھی۔ حضرت صدیق اکبر نے اس افسر کو تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ عورت مسلمان تھی تو کوئی معمولی سزا دینی چاہئے تھی اور اگر ذمی تھی تو جب ہم نے

اس کے کفر وشرک سے درگذر کیا تو یہ تو اس سے فروتر چیز تھی۔

عہد فاروقی

حضرت فاروق اعظمؓ کا عہد پوری دنیائے حکمرانی کی تاریخ میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ ملک کی ترقی وخوشحالی، امن وامان کی بحالی، داخلی سلامتی، خارجی سیاست، پیداوار میں اضافہ، ایجادات واکتشافات اور علمی تحقیقات کے لحاظ سے یہ عہد اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت فاروق کے بعد چشم فلک نے اس سرزمین پر اتنا خوبصورت عہد حکومت دوبارہ نہیں دیکھا جس میں ہر شخص اپنے کو محفوظ اور ترقی پسند محسوس کرتا تھا اور مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ بھی مکمل رواداری ملحوظ رکھی جاتی تھی۔

آپ کے عہد میں بیت المقدس فتح ہوا تو خود حضرت عمر فاروق کی موجودگی میں وہاں کے لوگوں سے یہ معاہدہ ہوا کہ: یہ وہ فرمان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین نے ایلیاء کے لوگوں کو دیا؛ کہ ان کا مال، گرجا، صلیب، تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہیں۔ اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ ہی ان کے صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان ومال لے کر یونانیوں کے ساتھ منتقل ہونا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے؛ یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائے اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسول کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ وہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔" (الفاروق، شبلی ۲/۱۳۷)

ایک مرتبہ غسان کا نصرانی بادشاہ حضرت عمر سے ملنے آیا تو اتفاقاً ایک اعرابی نے نادانستہ اسے دھکا دیا اس پر بادشاہ نے خفا ہوکر اسے مارا۔ اعرابی کی نالش پر حضرت عمر نے یہ فیصلہ سنایا کہ وہ بادشاہ کو مارے اس پر بادشاہ نے کہا: اے امیر المومنین! کہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ حضرت عمر نے جواب دیا: اسلام کا قانون یہی ہے۔ انصاف کے باب میں اسلام کے نزدیک امیر وغریب، بادشاہ اور رعایا سب برابر ہیں۔ (اسلام کا نظام امن ص:۴۹ مفتی ظفیر الدین صاحب)

اسی طرح ایک مرتبہ مصر میں گھوڑوں کی ریس ہورہی تھی حضرت عمرو بن عاص (جو مصر کے

فاتح اوراس کے پہلے اسلامی گورنر تھے) ان کے صاحبزادہ بھی اس ریس میں شریک تھے۔ مقابلہ میں ایک قبطی کا گھوڑا ان کے گھوڑے سے آگے بڑھنے لگا تو انھوں نے اس کے گھوڑے کو ایک کوڑا رسید کیا۔ وہ احتجاج کر گیا تو انھوں نے اس قبطی کو ایک کوڑا لگایا اور کہا کہ: میں ایک شریف زادہ ہوں تم نے مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش کیوں کی؟ قبطی نے اس واقعہ کا مقدمہ حضرت عمر فاروق کے یہاں پیش کیا۔ آپ نے گورنر صاحب اور ان کے صاحبزادہ دونوں کو طلب کیا اور فرمایا: تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے؟ حالاں کہ سارے انسان اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں، پھر آپ نے قبطی کے ہاتھ میں کوڑا دے کر حکم فرمایا کہ: اس شریف زادہ کے سر پر ویسا ہی پھیرو جیسا کہ اس نے تمہارے سر پر پھیرا تھا۔'' (خلفاء اربعہ ص۲ مولانا علی میاں ندویؒ)

حضرت عمر فاروق ہی کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ جب ملک شام کے ایک بڑے حصہ پر مسلمان قابض ہوگئے تو ہاں کے لوگوں نے انطاقیہ کے حکمراں ہرقل کو ایک زبردست فوج لے کر حمص کی طرف بڑھنے پر آمادہ کیا جہاں حضرت ابوعبیدہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ حضرت ابوعبیدہ کو غنیم کے لشکر جرار کی خبر ملی تو انھوں نے مجلس مشاورت منعقد کیا جس میں یہ رائے طے پائی کہ حمص کو خالی کرکے دمشق کو محاذ بنایا جائے؛ مگر حمص چھوڑنے سے پہلے حضرت ابوعبیدہ نے یہ حکم جاری کیا کہ اب وہ اس کے باشندوں کو دشمنوں سے بچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے ان سے جزیہ یا خراج کے نام پر جو کچھ لیا گیا تھا وہ انہیں واپس کردیا جائے؛ کیوں کہ یہ جزیہ حفاظت کی خاطر وصول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل حمص کو ان کی پوری رقم واپس کردی گئی۔ اس رقم کی واپسی سے اہل حمص بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ: ہم مسلمانوں کی فوجوں کے کاندھے سے کاندھا ملاکر ہرقل کی فوج سے آخری دم تک لڑیں گے۔'' یہودیوں نے بھی توارۃ کی قسم کھاکر یہی بات کہی۔ اہل حمص نے مسلمانوں کو دعائیں دیں کہ خدا تمہیں دوبارہ فتح عطا کرے اور یہاں واپس لائے۔ آج تمہاری جگہ اگر رومی ہوتے تو وہ کچھ بھی واپس نہ کرتے بلکہ ہماری باقی ماندہ چیزیں بھی لوٹ لیتے۔'' (فتوح البلدان ج:۱ص:۱۴۴، الفاروق ج۱ص:۱۲۷، ۱۲۸)

۲۱ھ میں اسکندریہ فتح ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تصویر تھی۔ تصویر اسلام میں ناپسندیدہ امر ہے۔ اس بناء پر کسی مسلم سپاہی نے اپنے تیر سے تصویر عیسیٰ کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اس پر عیسائیوں کو تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے عیسائیوں نے حضرت عمرو بن عاص کے پاس مقدمہ کا پھر مطالبہ کیا کہ: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک تصویر بناکر ان کو دی جائے؛ تاکہ وہ بھی ان

کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالیں؟ حضرت عمرو نے جواب دیا: تصویر کی کیا ضرورت ہے؟ ہم لوگ موجود ہیں؛ تم جس کی آنکھ چاہو پھوڑ ڈالو!! پھر اپنا خنجر ایک عیسائی کے ہاتھ میں دے کر اپنی آنکھیں سامنے کردی۔ یہ سن کر عیسائی کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا اور وہ اپنے دعوی سے یہ کہہ کر دستبردار ہوگیا کہ: جو قوم اس درجہ دلیر، فیاض، انصاف پسند اور فراخدل ہو اس سے انتقام لینا بے رحمی اور بے قدری ہے۔'' (خطباب شبلی ص:۳۰،۴۷،۷)

عہد عثمانی

حضرت عثمان غنیؓ کا عہد بھی امن وامان کی بحالی، مختلف قوموں کے ساتھ رواداری، داخلی سلامتی اور ترقی وخوشحالی کے لحاظ سے مثالی تھا۔ متعدد ممالک کی داخلی صورت حال سے باخبر رہنے کیلئے آپ سرکاری وفود بھیجا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن منبر پر پہنچ کر اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور عام اعلان کرتے کہ: اگر کسی کو کسی سرکاری افسر سے شکایت ہو تو حج کے موقع پر آکر بیان کرے۔ اس موقعہ پر تمام افسروں کو بھی فوری طور پر طلب کرلیتے تھے؛ تاکہ شکایتوں کی تحقیقات ہوسکے۔'' (مسند احمد بن حنبل ص:۳۰،۷)

آپ کے دور میں نجران کے عیسائیوں کو بعض مسلمانوں سے کچھ شکایات پیدا ہوئیں تو آپ نے فوراً ان کی طرف توجہ کی۔ حاکم نجران ولید بن عتبہ کے نام خصوصی مکتوب تحریر فرمایا اور امن وامان کی صورت حال بگڑنے نہ دی۔ (کتاب الخراج لابی یوسف، ص:۲۷۶)

عہد حضرت علیؓ

حضرت علی کا عہد بظاہر سخت انتشار وخلفشار سے پر ہے اور سخت ہنگاموں سے حضرت علیؓ کو فرصت نہ مل سکی مگر اس کے باوجود غیر مسلم اقلیتوں، اسی طرح غیر جانبدار طبقات کی سلامتی کے باب میں کسی جزء پر انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کے عہد میں ایک گورنر عمرو بن مسلم کی سخت مزاجی کی بعض شکایات آپ کو ملیں تو آپ نے فوراً اس کے ازالہ کی طرف توجہ فرمائی۔

اسی طرح غیر مسلموں کی آب پاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی حضرت علی نے وہاں کے گورنر طرفہ بن کعب کو لکھا کہ: اس نہر کو آباد کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ میری عمر کی قسم! مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے۔ (تاریخ اسلام، ج:۱،ص:۳۶۸ شاہ معین الدین)

یہ تو خیر خلفائے راشدین کا عہد تھا جس سے بہتر اسلامی حکمرانی کا نمونہ ملنا مشکل ہے؛ لیکن بعد کے ادوار میں بھی مسلم حکمرانوں نے غیرمسلموں کے ساتھ رواداری اور مروت کی اس روایت اور نظام امن کے اس سلسلے کو باقی رکھا اور تاریخ حکمرانی میں اس کی زریں مثالیں قائم کیں۔

محمد بن قاسم

خود ہمارے ہندوستان میں مسلم حکمرانی کا دور۷۱۲ء میں شروع ہوا محمد بن قاسم ۷۱۲ء میں پہلی بار سندآئے ان کی عمر اس وقت سولہ (۱۶) برس تھی۔ انھوں نے سندھ آکر اپنی پالیسی کا اعلان اس طرح کیا: ''ہماری حکومت میں ہر شخص مذہب میں آزاد ہوگا، جو شخص چاہے اسلام قبول کرلے جو چاہے اپنے مذہب پر رہے، ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔''

محمد بن قاسم صرف ساڑھے تین سال ہندوستان میں ٹھہرے، بہت سے مندر بنوائے بہت سوں کی مرمت کرائی، مندروں کو جاگیریں دیں اور برہمنوں اور پجاریوں کے وظائف بحال رکھے، ان کے دورحکومت میں بڑے بڑے عہدے غیرمسلموں کے پاس تھے۔ (ہندوستان میں اسلام، جناب عبدالباری ایم،اے)

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کی عدل پروری اور محاسن کا رعایا پر اتنا اثر پڑا کہ جب وہ سند سے رخصت ہوئے تو ان کی یاد میں ایک دھرشالہ تعمیر کیا گیا کچھ ہندوؤں اور بودھوں نے محمد بن قاسم کا اسٹیچو بنا کر ان کی پرستش شروع کردی۔ (آئینۂ حقیقت ۱/۱۰۱ بحوالہ اسلام امن وآشتی کا علمبردار ص:۷۳)

سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود غزنوی کے عہد کو غیرمسلموں کے خلاف شدت پسندی کے عنوان سے بدنام کیا جاتا ہے۔ سومناتھ مندر کا حوالہ دے کر محمود کو متعصب ثابت کیا جاتا ہے جبکہ سومناتھ کا مندر اس وقت محمود کے مخالفین کی سرگرمیوں کا مرکز تھا، سارے شکست خوردہ راجاؤں نے وہاں اپنا مرکز بنالیا تھا۔

محمود اگر ایسا ہی کٹر پنتھ تھا تو اس دور میں ہزاروں مندر کیوں محفوظ رہے؟ اور جو غیرمسلم تھے ان کو بزور اس نے مسلمان کیوں نہیں بنالیا تھا؟؟

محمد غزنوی کے یہاں ہندوؤں کی باقاعدہ فوج موجود تھی جس میں ''تلک سندر اور بیجناتھ'' جیسے جنرلوں کے نام کافی نمایاں ہیں، محمود غزنوی کے بیٹے مسعود کو پنجاب میں امن قائم کرنے کیلئے اپنے ہی بھائی سے جنگ کرنا پڑی تو اس نے تلک سندر کی سرکردگی میں اپنی فوج بھیجا۔ (مذہبی رواداری، بحوالہ پالی ٹکس ان پری مغل ٹائمس ص:۴۵،۴۶)

غیاث الدین بلبن

غیاث الدین بلبن کا عہد (۱۲۶۵ تا ۱۲۸۶ء) ملک کی ترقی وخوشحالی، ہندو مسلم تعلقات اور قیام امن کے باب میں کافی مثالی ہے۔اس دور کی رعایا پروری، عدل گستری اور رواداری کا اندازہ سنسکرت کے اس کتبہ سے بھی ہوتا ہے جو''پالم'' میں پایا گیا اور دہلی کے آثار قدیمہ کے عجائب گھر میں موجود ہے؛ اس میں بلبن کے متعلق لکھا ہے:

''جب سے اس سلطان ذیشان نے دنیا کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا ہے؛ دنیا کو سہارا رکھنے والے شیش ناگ دھرتی کے بوجھ سے سبکدوش ہو بیٹھے ہیں اور وشنو بھگوان نگہبانی کا خیال چھوڑ کر اطمینان سے دودھ کے سمندر پر محو استراحت ہے۔'' (دیکھئے: ہندوستان کے معاشرتی حالات ازمنۂ وسطی میں ازعبداللہ یوسف علی ص:۹۸)

علاء الدین خلجی

علاء الدین خلجی کو ایک متعصب حکمراں سمجھا جاتا تھا لیکن اس نے ہندوؤں کے پیشواؤں کی بڑی عزت وتوقیر کی۔ کہا جاتا ہے کہ فرقۂ دیگر کے پیشوا ''پورنا چندر'' اور ''سوئمبر یوگی'' کے ''رام چندر سوری'' کی پذیرائی سلطان کے یہاں بہت تھی۔ (اسلام امن وآشتی کا علمبردار ص:۴۷ حیدرآباد)

مغلیہ عہد

ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں مغلیہ حکومت کی بنیاد ڈالی۔ بابر مذہبی رواداری کی ایک اعلیٰ مثال تھا اس کے بارے میں مؤرخین کی شہادت ہے کہ اس نے ہندو عوام کی دلداری کا ہمیشہ خیال رکھا اس نے مرض الموت میں اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت کی: اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہوئی ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اس کی بادشاہت عطا کی۔

تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصّبات کو مٹا دو اور ہر مذہب کے طریقہ کے مطابق انصاف کرو۔'' (حوالۂ بالا)

بابر کے بارے میں پروفیسر شری رام شرن شرما لکھتے ہیں:

''ہمیں کوئی ایسی شہادت دستیاب نہیں ہوئی کہ بابر نے کسی مندر کو منہدم کیا ہو اور کسی ہندو کو ہندو ہونے کی وجہ سے ایذاء دی ہو۔'' (مغل امپائر آف انڈیا ص:۵۵)

پروفیسر رام پرساد کھوسلہ نے لکھا ہے:

''بابر نمایاں طور پر مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے پاک تھا'' (مغل کنگ شپ اینڈ نوبلٹی، ص:۲۰۷)

بابر نے رانی چندیری کو اپنی بہن بنایا تھا بعد میں ہماریوں نے بھی اس رشتے کو نبھایا اور رانی چندیری کی مدد کیلئے وہ باقاعدہ لشکر لے کر راجپوتانہ گیا۔ (مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیوں وضاحتوں کا یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، ص:۱۶)

بابر کے بعد دوسرے حکمرانوں نے بھی اس اعلیٰ روایت کو برقرار رکھا اور کبھی بھی ملک میں نقص امن کی صورت پیدا نہیں ہونے دی۔

اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے افسانے تراشے گئے؛ لیکن آج تک وہ وثیقے محفوظ ہیں جن کے ذریعہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں، اورنگ زیب کے سپہ سالار غیر مسلم تھے اورنگ زیب کی اصل طاقت راجہ جے سنگھ تھا۔''

بنگالی مؤرخ سرجادوناتھ سرکار نے ''تاریخ اورنگ زیب'' میں اعتراف کیا ہے:

''اورنگ زیب کی تاریخ ہندوستان کی ۶۰ سال کی نہایت شاندار تاریخ ہے۔ اس نے کبھی ہندو کو جبراً مسلمان نہیں بنایا، نہ امن کی حالت میں کسی ہندو کی جان لی۔''

(غلط فہمیاں وضاحتیں، ص:۱۶)

''تاریخ ہند'' کے مصنف رام پرساد کھوسلہ لکھتے ہیں:

''اورنگ زیب نے ملازمت کے لئے اسلام کی شرط کبھی نہیں لگائی۔ بادشاہ کو اسلام کا محافظ ضرور سمجھا جاتا تھا مگر غیر مسلم رعایا پر کوئی جبر اور دباؤ نہیں تھا، بابر سے اورنگ

زیب تک مغلوں کی تاریخ تنگ نظری اور فرقہ پرستی سے پاک ہے۔‘‘ (حوالۂ بالا)

سلطان ٹیپو شہید

مزید آگے بڑھ کر جب ہم ماضی قریب کے مسلم حکمرانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو سلطان ٹیپو شہید ان میں سرفہرست نظر آتے ہیں۔ سلطان ٹیپو ایک وطن پرور اور اسلام نواز بادشاہ تھا؛ مگر اس کے عہد میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ہندوؤں، برہمنوں اور غیرمسلموں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا اور انہیں اعزاز بخشا۔ ٹیپو سلطان کا وزیراعظم ایک برہمن تھا جن کا نام ’’پونیا‘‘ (Punnayya) تھا۔ اور ٹیپو کا فوجی سپہ سالار بھی ’’کرشنا راؤ‘‘ نامی برہمن تھا اور ٹیپو ایک سو چھپن (۱۵۶) مندروں کو سالانہ امداد دیا کرتا تھا۔ (مذہبی رواداری، ۳/ ۳۱۷، اسلام امن وآشتی کا علمبردار، ص: ۷۵)

دکن کا اسلامی عہد

❁ دکن میں مسلم حکمرانوں کا عہد بھی اس سلسلے میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ خوشحالی، فارغ البالی اور امن وامان کے لحاظ سے یہ پورا دور مثالی مانا جاتا ہے۔ بلالحاظ مذہب وملت، ہندو، مسلم، پارسی، سکھ، عیسائی سب اس عہد میں مل جل کر رہتے تھے۔

❁ قطب شاہی عہد کے فرمانروا سلطان ابراہیم قطب شاہ کی رواداری کے متعلق ڈاکٹر حمیدالدین شرفی لکھتے ہیں:

’’سلطان ابراہیم بڑے عزم والا تھا، اس نے گولکنڈہ کو استحکام بخشا، اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان محبت وبھائی چارگی کو فروغ دیا۔‘‘ (تاریخ حیدرآباد، ص: ۸)

اسی طرح سلطان ابوالحسن تاناشاہ نے غیرمسلموں کو بڑے بڑے عہدوں سے سرفراز کیا ’’مادنّا‘‘ (جو ایک برہمن تھا اس) کو وزیر اعلیٰ بنایا اور اس کے بھائی ’’اِکنّا‘‘ کو فوج کی کمانڈری کا عہدہ سونپا اور یہ دونوں بھائی چند دنوں میں سلطنت کے مختار کل بن گئے۔ (تاریخ حیدرآباد، ص: ۱۰)

رواداری کا یہ ماحول سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے دور حکومت میں پورے آب وتاب کے ساتھ پروان چڑھتا نظر آتا ہے، زندگی کا کوئی شعبہ اور حکومت کا کوئی محکمہ ایسا نہ تھا جس میں ہندو مسلمان دوش بدوش کام نہ کرتے ہوں، دونوں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، دونوں کو برابر کا مرتبہ حاصل تھا۔‘‘ (آصف سابع میر عثمان علی خان اوران کا عہد، ص ۲۹، از طیبہ بیگم)

❁ قطب شاہی عہد کے بعد دکن میں آصف جاہی سلطنت کی بنیاد پڑی اس عہد میں امن واماں اور مذہبی رواداری کو جوفروغ ہوا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل تھی، مسجد، مندر، گرودوارے، کلیسا، اور آتش کدے سبھی کوعزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اذان کے ساتھ مندر کے ناقوس کی گونج بھی سنائی دیتی تھی، آتش کدوں میں آگ دہکتی اور گرجاؤں میں گھنٹے بجتے۔ (حوالۂ بالا ص:۳۲)

آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں نے اس باب میں ایسی مثال قائم کی جس کا متعصب سے متعصب شخص بھی انکار نہیں کرسکتا۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور خوشحالی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھی، مسلمانوں کے ساتھ ہندوقوم کو بھی اعلیٰ عہدے حاصل تھے۔ ان کے دورحکومت میں مہاراجہ ''کشن برشاد'' وزیراعظم تھے۔ وینکٹ رامار یڈی، کوتوال بلدہ مسٹر تاراپوروالی مشیر مال حضور نظام تھے۔ راجہ نرسنگ راج مہتمم سیونگ بینک نظامت ٹپہ تھے۔ جہاں آصف سابع نے مسجدوں، عاشورخانوں، درگاہوں کی امداد کی وہیں مندروں، گرودواروں، کلیساؤں اور آتش کدوں کی مالی سرپرستی بھی کی۔ پارسیوں کونوروز کی، عیسائیوں کوکرسمس کی، سکھوں کوگرونانک کے جنم دن کی، اور ہندوؤں کو دیوالی، دسہرہ اور دوسرے تہواروں کی، اور مسلمانوں کوعیدوں اور میلادوں کی تعطیل ملتی تھی۔ دورعثمانی کی رواداری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت حکومت کے زیرنگرانی ۲۷ مساجد، ۱۰ عاشورخانے، ۱۲ الاوے، ۲۷ درگاہیں، ۱۳ تکئے، ۲۱ مندر، ۱۲ مٹھ، دوگرودوارے اور ۳ آتش کدے تھے۔'' (آصف سابع میر عثمان علی خاں ص:۳۳، ۱۰۱)

غرض! اسلامی حکمرانی کی پوری تاریخ امن واماں اور رواداری کے واقعات سے لبریز ہے۔ دنیا کی کوئی تاریخ ایسی شاندار مثالیں پیش نہیں کرسکتی۔ آج ضرورت ہے کہ دنیا کی حکومتیں اس سے سبق حاصل کریں اور ان خوبصورت نمونوں کو پیش نظر رکھ کر ایک خوبصورت سماج پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اقبال نے کہا تھا ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

❁ ❁ ❁

قطع حیات بہ جذبۂ رحم (Euthanasia) کی شرعی حیثیت

(۲)

از: مفتی محمد شمیم اختر قاسمی
ریسرچ اسکالر: شعبۂ دینیات (سنی)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

احکام شریعت میں مرض کی رعایت:

بیماری کی وجہ سے مریض کے ہونے والے خطرات اوراندیشے کا اسلام کو پوری طرح اندازہ ہے۔ اسلام نے شریعت کے احکام کے نفاذ میں اس کی پوری رعایت رکھی ہے۔ چنانچہ نماز جو دین کا اہم ستون ہے بیماری کی حالت میں اگر حرکت کرنے سے اس کے مرض میں اضافہ کا خطرہ ہے تو ایسے وقت میں وہ بیٹھ کر یا اشارے سے نماز پڑھے۔ حدیث رسول ﷺ میں اس کی صراحت موجود ہے:

"صلی قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب". (۳۸)

جسم کو پاک رکھنے کے لیے غسل ضروری ہے۔ لیکن مرض کی حالت میں پانی کا استعمال اس کے لیے خطرہ کا سبب بن سکتا ہے تو وہ پاکی حاصل کرنے کے لیے تیمّم کرے۔ اسی طرح سردی کے زمانہ میں پانی کے استعمال سے مرض بڑھنے یا جسم وجان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت میں نماز ادا کرنے کے لیے پانی سے وضو کرنے کے بجائے تیمّم کی اجازت ہے۔ (۳۹) حالت سفر میں نہ صرف نماز فرض کے قصر کی اجازت ہے بلکہ وہ روزہ بھی نہ رکھے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ شارع کی طرف سے رخصت ہے۔ البتہ بعد میں اس کی قضا ضروری ہے۔ رمضان کے مہینہ میں کوئی مریض روزہ رکھنے کی حالت میں نہیں ہے تو وہ اس کی قضا کرسکتا ہے۔ قرآن کریم میں اس سہولت پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے:

وَمَنْ كَانَ مَرِيضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ، يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ:۱۸۵)

(تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزہ کی تعداد پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی نہیں۔)

حفظانِ صحت کے لیے محرمات سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے:

اللہ نے بیماری بھی پیدا کی تو اس کا علاج بھی پیدا کر دیا۔ اور تاکید فرمائی کہ حلال چیزوں کے ذریعہ علاج کرایا جائے۔ مگر بعض وقت ایسا بھی آتا ہے کہ مریض کا حلال اشیا کے ذریعہ علاج نہیں ہو پاتا۔ البتہ محرمات کے ذریعہ اس کا علاج آسانی سے ہو جاتا ہے۔ یہی حال حفاظت جان کے لیے حلال چیزیں میسر نہ ہو اور حال یہ ہو گیا ہو کہ اگر اسے کھانے پینے کی اشیا نہ ملے تو اس کو جان کا خطرہ ہے اور اس وقت اس کے سامنے سوائے حرام اشیا کے کچھ بھی نہیں ہے تو ایسی بے بسی کے عالم میں اسلام اجازت دیتا ہے کہ وہ حرام چیزوں کا استعمال کر کے اپنی جان کو بچالے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور اس کی جان ختم ہو جاتی ہے تو اسے خودکشی قرار دی جائے گی اور اس پر خودکشی کے احکام نافذ ہوں گے۔(۴۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ:۳)

(جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر حرام چیزوں کا استعمال کرے اور اس کا رجحان گناہ کی طرف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بے شک اللہ معاف کرنے والا ہے)

ایک دوسرے مقام پر حفظانِ صحت کے لیے مردار چیزوں اور سور کے گوشت کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ قرآن میں ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (البقرہ:۱۷۳)

(اللہ نے تمہارے لیے مراد اور خون اور سور کا گوشت اور جس جانور کو اللہ کے نام کے علاوہ دوسرے کے نام پر ذبح کیا گیا ہو ان کو حرام قرار دیا ہے؛ لیکن اس کے باوجود جو شخص اضطرار کی حالت میں ہو وہ ان میں سے کسی چیز کا استعمال کر سکتا ہے اور اس کا ارادہ نافرمانی اور زیادتی کا نہ ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے)

بعض مواقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ناپاک اشیا کے ذریعہ علاج کرانے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ذکر ہوا ہے کہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ کچھ دنوں تک یہ لوگ مدینہ ہی میں مقیم رہے، مگر اس درمیان یہاں کی آب و ہوا ان کے لیے سازگار نہ ہوئی اور وہ بیمار پڑ گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ سے باہر ایک اونٹ کے چراگاہ میں جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم اونٹ کا دودھ اور پیشاب استعمال کرو، اس طرح تم صحت یاب ہوجاؤ گے۔ جب ان لوگوں نے ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا تو وہ صحت یاب اور تندرست ہوگئے:

”عن ان قال قد اناس من عكل او عرينة فاجتووا المدينة فامرهم النبى ﷺ فلقاح وان يسربوا من ابوالها والبانها فانطلقوا فلما صحوا“. (۴۱)

ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہے۔ (۴۲) کی روشنی میں علمائے اسلام نے یہ مسئلہ استخراج کیا ہے کہ جو شخص مردار خون اور سور کا گوشت کھانے پر مجبور ہونے کے باوجود اسے نہ کھائے اور وہ ہلاک ہوجائے تو وہ جہنم میں جائے گا الا یہ کہ اللہ اسے معاف کردے۔

”وقد قال علماء من اضطر الى اكل الميتة والدم ولحم الخنزير فلم يأكل دخل النار الا ان يعفو الله عنه“. (۴۳)

علامہ ابوبکر جصاص نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مضطر کے لیے مردار کا کھانا فرض ہوجاتا ہے اور اضطرار ممانعت کو ختم کردیتا ہے۔ اس لیے مضطر اگر اسے نہ کھائے اور اس کی موت واقع ہوجائے تو وہ خود اپنا قاتل ہوگا اس شخص کی طرح جس کے مکان میں روٹی اور پانی ہو اور وہ کھانا پینا چھوڑ دے اور مرجائے تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور خودکشی کرنے والا ہوگا۔

”اكل الميتة فرض على المضطر والاضطرار يزيل الحرز ومتى امتنع المضطر من اكلها حتى مات صار قاتلا لنفسه فمنزلة من ترك اكل الخبز وشرب الماء فى حال الامكان حتّٰى مات كان عاصيا للّٰه جانيا علىٰ نفسه“. (۴۴)

اسی طرح فقہائے کرام نے علاج کے مسئلہ میں یہ رعایت پیش کی ہے کہ اگر حلال چیزوں کے ذریعہ علاج ممکن نہ ہو اور تحقیق سے یہ بات عیاں ہوچکی ہو کہ مریض کا علاج حرام اشیا کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے تو ایسی صورت میں حرام چیزوں کا استعمال جائز ہوجائے گا۔ (۴۵) نیز کسی مضطر کے سامنے مردار اور دوسرے شخص کا کھانا دونوں موجود ہو، مگر دوسرے شخص کے کھانے کے سلسلے میں اسے شک کا گمان ہو تو ایسی صورت میں بعض فقہا مردار کھانے کی اجازت دیتے ہیں،

بسا اوقات دوسرے کا کھانا نتائج کے لحاظ سے زیادہ ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔(۴۶)

جن لوگوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کہ ''اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی ہے'' (۴۷) کو دلیل بنا کر حرام چیزوں سے علاج نہ کرنے کی ممانعت کی ہے وہ عمومی کیفیت میں ہے، اضطراری کیفیت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کا مطلب ردالمحتار میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج رکھا ہے۔ اگر یہ علاج کسی حرام چیز سے ہو تو اس کی حرمت ختم ہو جائے گی اور وہ مباح قرار پائے گی۔ اس لیے کہ اللہ نے کسی حرام چیز میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی ہے۔(۴۸) حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو وجود بخشا ہے اس کی حفاظت اور اس کو تندرست رکھنے کی بھی تدبیر بیان کردی ہے، اگر وہ ان تدبیروں سے مستفید نہیں ہوتا تو اپنی جان کو خود ہی ہلاک کرنے والا شمار کیا جائے گا جس کو اسلام نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ البتہ اس اجازت کو بلا ضرورت کام میں لانا، ضرورت کی حد سے تجاوز کرنا، غلط استعمال کرنا یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔ شریعت کی جو رخصتیں اور سہولتیں ضرورت کی بنا پر ہوتی ہیں وہ بس ضرورت ہی کی حد تک معتبر ہوتی ہیں، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

خودکشی حرام ہے:

اسلام نے موت کی دعاء کرنے کی ممانعت کی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مصائب و مشکلات اور بیماری وغیرہ سے دوچار ہونے کے بعد انسان کو خودکشی کی اجازت دے دے۔ اگر کوئی شخص خودکشی کرتا ہے تو وہ فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اَلْكَبَائِرُ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسِ.(۴۹)

(کبیرہ گناہوں میں ہے: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی نفس کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔)

انسان کتنا ہی متقی اور پرہیزگار ہو اور کتنی ہی نیکیاں کمائی ہو اور بھلائی کا کام کیا ہو، اگر وہ دنیاوی پریشانیوں اور ناکامیوں سے دوچار ہو کر یہ اقدام کرتا ہے تو اس کے سارے اچھے اعمال رائیگاں اور برباد ہو جائیں گے اور اس کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ اور کہیں نہ ہوگا۔ موت کا وقت متعین ہے اور جس نے انسان کو پیدا کیا ہے وہی اس کا اختیار رکھتا ہے کہ کب تک اسے زندہ رہنا ہے اور

رہنا چاہیے۔ارشاد ربانی ہے:

فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ. (النحل:۶۱)

(جب موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔)

خودکشی کا اقدام مشکلات سے فرار کا راستہ ہے۔ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ ہر وقت اور ہر منزل پر آدمی کا واسطہ نئے نئے مسائل سے پڑتا ہے اور وہی شخص اس میں کامیاب ہے جو ہر طرح کی پریشانیوں کا جم کر مقابلہ کرے اور زندگی کی آخری منزل تک پہنچ جائے۔ جو شخص شدائد ومشکلات میں صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور جلد بازی و بے صبری میں متاع حیات ہی کو ختم کردے وہ موت کے بعد جو اس کی دوسری زندگی شروع ہونے والی تھی کو اپنے ہی کرتوتوں سے درہم برہم کردیا۔اس دوسری زندگی میں بھی وہی شخص کامران ہوگا اور اس کا لطف اٹھائے گا جس نے اس دنیا میں نازک ترین لمحات میں بھی خدا کا بندہ ہونے کا ثبوت دیا اور زندگی کے آخری سانس تک وہ اس پر قائم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس دنیا کو آنے والی دوسری دنیا کا ضمیمہ قرار دیا ہے۔ یہاں جو عمل اچھا یا برا کیا جائے گا اس کا بدلہ اسے دوسری زندگی میں مل کر رہے گا۔خودکشی بھی ایک غلط اور ناپسندیدہ عمل ہے۔جس سے آدمی کی آخرت خراب ہوگی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں بڑی شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا اور ہر محاذ پر دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا۔اس کی اس بہادری کو دیکھ کر ہر طرف سے تحسین وتعریف ہونے لگی۔ بالآخر وہ لڑتے لڑتے شدید زخمی ہوگیا،اور زخم کی تکلیف برداشت نہ کرسکا تو وہ اپنی ہی تلوار کی نوک اپنے سینے میں پیوست کرلی جس سے اس کی موت ہوگئی۔ رسول ﷺ کو اس کے اس فعل کی خبر ہوئی تو آپ نے اسے جہنمی قرار دیا۔(۵۰)

اسی طرح حضرت جندب بن عبداللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تم میں سے پہلے جو قومیں گزرچکی ہیں،ان میں کے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اسے زخم لگا وہ اس کی تکلیف برداشت نہ کرسکا اور چاقو سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔اس سے اس قدر خون بہا کہ اس میں اس کا انتقال ہوگیا۔اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندہ نے جلدی کی قبل اس کے کہ میں اس کی روح قبض کرتا،اس نے خود ہی اپنے آپ کو ختم کردیا۔لہٰذا میں نے اس کے لیے جنت حرام کردی:

”کان فیمن کان قبلکم رجل به جرح فجزع فاخذ سکینا فحزلها یده فما رقا الدم حتی مات قال الله عزوجل بادرنی عبدی بنفسه فحرمت علیه الجنة“(۵۱)

خودکشی کرنے والے کے ساتھ نہ صرف خدا کا معاملہ دردناک ہوگا بلکہ دنیا میں بھی ایسے

لوگوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اوراس کے برے نتائج سے اس کے گھر والے اور عزیز واقارب دوچار ہوتے ہیں اوران کے گھر والوں کے ساتھ طعن وتشنیع کا معاملہ کرتے ہیں اورسماج ومعاشرہ کی ہمدردی سے بھی وہ محروم ہوجاتا ہے۔خودکشی کرنے والا تو چلا گیا مگراس کے اس غلط عمل سے ان کے احباب کوکتنا نقصان پہنچتا ہے اس کا اندازہ اگراسے ہوجائے تو کوئی شخص اس فعل حرام کا مرتکب نہیں ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کوایک مسلمان کے خودکشی کرنے کی خبرملی تو آپ برہم ہوگئے اور فرمایا کہ میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔(۵۲)

اسلام نے کسی بھی حال میں خودکشی کی اجازت نہیں دی ہے۔ اندازہ لگایئے جس نے انسان کو پیدا کیا، ماں کے شکم سے لے کر زندگی کے آخری حصے تک اس کی حفاظت ونگرانی فرمائی اوراس نے اپنے بندوں کوسکون وراحت کی نعمت سے سرفراز کیا۔تو وہی اللہ اپنے بندوں کومصائب ومشکلات میں مبتلا کرتا ہے۔ جب اس کوخوشی ملتی ہے تو وہ عیش کرتا ہے اور جب پریشانی آتی ہے تو وہ اس سے فرار کی راہ اختیار کرتا ہے اوراپنے اوپر موت کوطاری کرتا ہے، یہ کیسی بوالعجبی ہے۔ کچھ لوگ خودکشی کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ انسان اپنی جان کا مالک ہے اوراسے اختیار ہے کہ وہ اسے ختم کردے یاباقی رکھے۔مزید طرفہ تماشا یہ کہ بعض مواقع پر تواس عمل کووہ پسند نہیں کرتے مگر بیماری اورتکلیف کی حالت میں اس عمل کو بروئے کارلانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ایسا شخص زندگی کواس لیے ختم کررہا ہے کہ وہ تکلیف کا باعث بن گئی ہے اوراس کی وجہ سے وہ سخت اذیت محسوس کررہا ہے، وہ معاشرہ کے حقوق ادا کرنے کی حالت میں جب نہیں ہے تو ان سے گریز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

کسی کی جان کب لی جائے گی؟

کوئی شخص کسی شدید بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو نہ صرف اس کے قریب ترین رشتہ دار اور احباب کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی بیماری کا جو بہتر سے بہتر علاج ہوسکتا ہے اور جو اس کی احتیاطی تدابیر ہوسکتی ہیں اسے بروے کارلائے۔اسی طرح معالج کا بھی فریضہ ہے کہ مریض کی بیماری کورفع کرنے کی سنجیدہ کوشش کرے۔ایسا نہ ہوکہ اس کی تکلیف کودیکھ کراس کے زندہ رہنے کا حق ہی ختم کردے۔ جب کوئی شخص کسی کوایک لمحہ کی زندگی نہیں دے سکتا تو اسے اس کا بھی اختیار نہیں ہے کہ کسی کی جانب ایک لمحہ پہلے ختم کردے۔ اسلام نے ہرشخص کی جان کومحترم قرار دیا ہے تواس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ احترام کا معالہ کیا جائے۔ البتہ کسی وجہ سے حالات ایسے

ناسازگار ہوجائیں اور کسی نفس کا قتل کرنا ضروری ہوجائے تو اس صورت میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ سماج کے ایسے ناسور کو ختم کردیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ. (الانعام:۱۵۱)

وہ حالات کیا ہیں جن کی وجہ سے انسان کا قتل مباح ہوجاتا ہے اس کی تفصیل قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِیْ الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الاناس جمیعا. (المائدہ:۳۲)

(جوکوئی کسی نفس کو قتل کرے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد پھیلایا ہو تو اس نے گویا سب انسانوں کا قتل کیا، جس نے کسی نفس کو زندہ رکھا گویا اس نے سب انسانوں کو زندہ کیا۔)

فقہائے اسلام نے ان تمام حالات اور مواقع کی تفصیل بیان کردی ہے جس میں بطور سزا یا دیت کے انسان کا قتل روا ہے۔(۵۳)

قطع حیات کے لیے مریض کی رائے قابل اعتبار ہوگی:

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں انسان کی جان محترم ہے۔ اس سے اس بات پر بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ جس اسلام نے ہلکی پھلکی تکلیف پر نہ صرف دواؤعلاج کو ضروری قرار دیا بلکہ مرض کی تکلیف سے دوچار ہوکر موت کی تمنا کرنے کی بھی ممانعت کردی، اس کے بعد خودکشی کو مصائب ومشکلات سے فرار کی راہ قرار دیتے ہوئے اور سماجی ودینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی وجہ سے جو نقصانات ہوتے ہیں اس کے پیش نظر اسے حرام قرار دیا۔ ایسی صورت میں یوتھینیز یا (Enthunasia) پر عمل کرنے کی اسلام کیسے اجازت دے سکتا ہے اور اس سلسلے میں اسلام کی ہمدردی کیوں کر ہوسکتی ہے جو بہ جذبہ رحم قتل ہے۔ نہ تو مریض پریشانیوں سے دوچار ہوکر اپنی مرضی سے اسے بروئے کار لاسکتا ہے۔ جیسا کہ ہمفری کی رائے ہے اور نہ وہ ڈاکٹر کو اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ پریشانی بسیار کے وقت اس کی جان ختم کردے، تاکہ اسے تکلیف سے نجات مل جائے۔ چہ جائے کہ یہ اجازت ہوش وحواس کی سلامتی کے وقت دے یا بے ہوشی کے عالم میں۔ کسی بھی طرح اس کا یہ اقدام یا اجازت معتبر نہ ہوگی اور اگر وہ خود سے اس عمل کو انجام دیتا ہے تو وہ خودکشی کرنے والا قرار پائے گا اور ایسے وقت میں سماج

ومعاشرہ کی ہمدردی بھی اس سے ختم کرلی جائے گی۔خودکشی یا یوتھینیزیا پرعمل کرنے سے جو مفاسد سماج ومعاشرہ پر مرتب ہوں گے اسے بہرصورت ذہن میں رکھنا ہوگا۔ کیوں کہ اس سے نہ صرف لوگوں کا مفاد وابستہ ہے بلکہ یہ سماج اور معاشرہ کے ساتھ دھوکہ وفریب دینے کی بھی ایک صورت ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی شخص کسی کا قرض لیے ہوا ہے یا وہ بینک سے بھاری رقم لے چکا ہے جس کو بروقت وہ ادا کرنے کی حالت میں نہیں ہے اور اس کی وجہ سے بعض حدود وقیود کا بھی پابند ہونا پڑے گا۔ پریشانی سے نجات پانے کے لیے مقروض اس عمل کو رازدارانہ طریقے سے بھی انجام دے سکتا ہے اور ڈاکٹروں سے وہ کہہ سکتا ہے کہ چوں کہ میری تکلیف میں کمی نہیں ہورہی ہے اور مرض بھی لاعلاج ہے تو ایسی صورت میں تارحیات کاٹ دیا جائے۔ اسی طرح وہ انسورنش سے بھی قبل از وقت فائدہ اٹھانے کے لیے یہ عمل اختیار کرسکتا ہے۔

بیماری اور تکلیف ایک اضافی چیز ہے جو ہر ایک کے ساتھ لاحق ہوتی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام میں بیماری کو گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا ہے اور مسلمان بندہ اس تکلیف کو بہ طیب خاطر برداشت کرتا اور اسے عطیہ خداوندی سمجھتا ہے تو آخرت میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ فقہ اسلامی میں یہ اصول موجود ہے کہ المشقة تجلب التيسير. (۵۴) مشقت اپنے ساتھ سہولت لاتی ہے۔ اسی لیے فقہا نے لکھا ہے:

”اس دنیا میں انسان کی ساری حالتیں مشقت کی ہیں، حتی کہ کھانا پینا اور دوسرے تمام کام مشقت سے خالی نہیں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی قدرت وطاقت دی ہے کہ وہ ان مشقتوں پر حاوی ہے نہ یہ کہ مشقتیں انسان پر حاوی ہیں۔“ (۵۵)

شریعت کے اس اصول کو اگر انسان نے اپنے ذہن میں جگہ دے دی تو وہ زندگی بھر کے مشکلات ومصائب اور تکالیف کو بآسانی جھیل سکتا ہے اور اس طرح نہ خودکشی کا فعل انجام پاسکتا ہے اور نہ ہی لاعلاج اور شدید تکلیف میں مبتلا مریض اپنے لیے موت کو دعوت دے سکتا ہے اور نہ ہی مریض کے رشتہ دار اس کے تارحیات کو کاٹنے کا خیال ذہن وفکر میں لاسکتے ہیں۔ قتل بہرحال قتل ہے چاہے مریض کی مرضی سے کیا جائے یا اس کے احباب کی اجازت سے اور قتل کے لیے چاقو استعمال کیا جائے یا بندوق کی گولی، یا پھر مہلک دوا یا زہریلے مادے۔ ہمدردی کے رشتہ سے کیا جائے یا دشمنی سے۔ ہرصورت میں قتل ہی ہوگا جو قابل مواخذہ ہے۔ اس پس منظر میں مندرجہ ذیل اقتباس قابل ملاحظہ ہے:

”اسلامی نقطۂ نظر سے قتل کا جرم اس وجہ سے ہلکا نہیں ہوتا کہ کسی کو اس کی اجازت

سے قتل کیا گیا، کوئی شخص جیسا کہ عرض کیا گیا اپنی ذات کا مالک نہیں ہے۔اس وجہ سے جس طرح اسے خودکشی کا حق حاصل نہیں ہے، اسی طرح اسے یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے فرد کو اپنی زندگی ختم کرنے کی اجازت دے۔فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مضطر اور مجبور انسان کو یہ پیش کش کرتا ہو کہ اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر کھالے تو وہ اسے کھا نہیں سکتا، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حالت اضطرار میں بھی انسان کا گوشت جائز نہیں ہے، نہ وہ اسے قتل کرکے اپنا اضطرار دور کرسکتا ہے اور نہ اس کی پیش کش سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یہ اس احترام کے خلاف ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں پیش کش کرنے والے کی ہلاکت کا خطرہ ہے جس طرح مجبور و مضطر شخص کی جان محترم ہے، اسی طرح اجازت دینے والے کی جان محترم ہے۔'' (۵۶)

یہ تصریح دراصل اس خیال کی تردید کرتی ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے چاہے تو قطع حیات کراسکتا ہے اور شدید تکلیف میں مبتلا ہونے سے قبل وہ اپنے رشتہ دار یا ڈاکٹر کو اس عمل کے انجام دینے کی پیش کش کرسکتا ہے۔مگر مریض نے شدید تکلیف میں مبتلا ہونے کے دوران یہ پیش کش کی تو اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ شدید کرب میں مبتلا شخص ذہنی لحاظ سے اس لائق نہیں ہوتا کہ وہ اپنی موت و حیات کے بارے میں کوئی سنجیدہ فیصلہ کرسکے۔ایسے مریض بھی ہوتے ہیں جو بولنے اور مافی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔بعض آدمی اچانک اس صلاحیت سے محروم ہوجاتے ہیں، اس طرح کے افراد زندہ رہیں یا نہ رہیں اس کے فیصلہ کرنے کا حق کس کو دیا جائے ڈاکٹر یا ان کے رشتہ دار کو؛ لیکن ان میں سے کسی کو بھی یہ حق دینا مریض کے حق حیات پر شب خوں مارنے کے ہم معنی ہے۔(۵۷)

قطع حیات کی اجازت کا اختیار مریض کے رشتہ داروں کو حاصل ہے:

جہاں تک قریبی رشتہ داروں کا تعلق ہے کہ وہ کب تک مریض کی وجہ سے اپنے روزمرہ کے معمولات اور نظام زندگی کو متاثر کریں گے۔تو کیا مریض کی پریشانی اس پریشانی سے زیادہ ہے کہ جب اس کی ماں نے اسے ۹ ماہ اپنے شکم میں رکھا تھا، پھر ولادت کے بعد اسے دو سالوں تک دودھ پلاتی رہی، اس کے بعد بھی پرورش و پرداخت کا سلسلہ بند نہیں ہوجاتا بلکہ یہ سلسلہ اس کی بلوغیت تک جاری رہتا ہے اور اس پرورش پرداخت میں باپ کا جو رول ہوتا ہے وہ سب پر عیاں

ہے۔ مرض تو عطاء خداوندی ہے اور جو اس کے اعمال کا کفارہ ہے، اسے یک دم کیوں ختم کرنے کا اختیار ان کے رشتہ داروں کو حاصل ہوسکتا ہے اور کون یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ مریض زندہ ہی نہیں رہے گا یا اس کی تکالیف میں کمی نہ ہوگی یا وہ سرے سے صحت یاب نہیں ہوگا۔ ایسی کئی مثالیں ہیں کہ جس مریض کو ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا اور اس کی زندگی کے بارے میں یہ رائے ظاہر کردی کہ مریض نہیں بچے گا باوجود اس کے بعض مریض کی صحت بحال ہوگئی اور وہ زندہ ہیں۔ اس لیے مریض کے رشتہ داروں کو بھی اس کا حق نہیں کہ مریض سے ہمدردی جتا کر اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مریض کی دوا روک دینے یا آلات تنفس ہٹانے کی اجازت ڈاکٹر کو دے۔ ہمفری نے جو کہا ہے کہ شدید تکالیف کو نہ برداشت کرتے وقت مریض اپنی مرضی سے اس کی اجازت دے، اس میں اس کے رشتہ داروں کو دخل نہ دیا جائے۔ (۵۸) جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہونے سے قبل کسے اندازہ ہوتا ہے کہ کل اس پر کیا گزرے گی اور اسے کس طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ ایک شخص عمر کے آخری حصے میں ہے باوجود اس کے وہ تندرست ہے اور اچانک اس کی موت آجاتی ہے۔ یا ایک شخص کمزور و ناتواں ہے مگر شدید تکلیف میں مبتلا نہیں ہے۔ رہی بات جب وہ ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہے تو اس وقت وہ اپنی مرضی سے اس رائے کا اظہار کرے تو یہ بھی محال ہے، اس وقت کی رائے اس کی کیوں کر معتبر ہوسکتی ہے۔ آدمی کو اس سے ہلکی تکلیف ہوتی ہے مثلاً وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اس کو برداشت نہیں کر پاتا اور جزع وفزع کرنے لگتا ہے تو پھر بات آ کر رکے گی اس کے رشتہ دار پر کہ اس وقت اس سے زیادہ بہی خواہ، ہمدرد، اس کی دیکھ بھال اور خدمت کرنے والے یہی لوگ ہیں وہ اس کے بارے میں بہتر فیصلہ کریں گے کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے یا ماردیا جائے۔ اگر انہیں یہ حق دے دیا جائے تو کتنے مفاسد سے سماج دوچار ہوگا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

> ''یہاں اس پہلو کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ انسان مفاد کا بندہ ہے۔ مسائل پر سوچتے وقت خودغرضی اس پر چھا جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مریض کی خدمت سے نجات پانے کے لیے اور اس کے مال و دولت پر جلد از جلد قبضہ کرنے کے لیے اسے ختم کردے۔ اسے مریض کی صحت اور زندگی سے زیادہ اسے دنیا سے رخصت کرنے کی فکر بھی ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں ناقابل علاج مریض کے رشتہ داروں کو اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے کا حق دینے سے بڑی پیچیدگی پیدا

ہوسکتی ہے۔ اس سے بہت سے قابل علاج مریض بھی نا قابل علاج قرار پا سکتے ہیں اور مریض نا قابل برداشت ہونے سے پہلے ہی اس دنیا کو چھوڑنے اور سفر آخرت اختیار کرنے پر مجبور ہوسکتے ہیں۔ اسی خطرہ کے پیش نظر اسلام نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ القاتل لا یرث یعنی قاتل مقتول کی وراثت کا حق دار نہ ہوگا۔ اس حدیث کے الفاظ عام ہیں، اس لیے امام شافعی اور فقہائے احناف نے یہاں تک کہا ہے کہ غلطی سے بھی اگر کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو اس کا وارث نہ ہوگا۔'' (۵۹)

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی بڑا ہی اہم ہے کہ لا علاج بیماری میں مبتلا شخص کی مالی حیثیت بہت کمزور ہے جس کی بنا پر وہ شدید تکلیف دہ پریشانی سے نجات پانے کے لیے مہنگا علاج نہیں کراسکتا۔ یہی حالت اس کے رشتہ داروں کی بھی ہے۔ ایسی صورت میں اس کا کسی بھی طرح علاج نہ ہوسکے گا۔ ایسے وقت میں اسلام میں اس مریض کے ساتھ کیا رعایت برتی گئی ہے، یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ کیا وہ یوتھینیز یا پر عمل کرکے آسانی سے اپنے اوپر موت طاری کرسکتا ہے۔ کیا یہ شقاوت نہ ہوگی؟

معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا واقعہ تو کم ہی رونما ہوتا ہے۔ اسپتال میں سارے مریض ایسے نہیں ہوتے اور نہ سارے مسلمان اس طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ ہمدردی کے جذبہ کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ نوبت نہیں آسکتی۔ جب مسلمانوں کو امت محمدیہ کہلانے کا اعزاز حاصل ہے اور وہ اس کا دم بھرتے ہیں اور سارے مسلمانوں کو اپنا بھائی تصور کرتے ہیں تو دوسرے بھائی کو یہ احساس ضرور ہونا چاہیے کہ میرا ایک بھائی بستر مرض پر موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہے اور تکلیف سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے صرف اس وجہ سے کہ اس کے پاس علاج کے پیسے نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں محلّہ و پڑوس کے لوگ اور اس سے آگے بڑھ کر ثروت و دولت والے مسلمان بھائی کے لیے ضروری ہے کہ سب مل کر اس کے دواؤ علاج کی فکر کریں اور انہیں تڑپتا ہوا نہ چھوڑیں۔ تبھی جا کر مسلمان امت محمدیہ کا صحیح دم بھرنے والے ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.

(حجرات: ۱۰)

قرآن کریم میں اصلاح اور فساد کی اصطلاح بڑی معنی خیز ہے اور جسے بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اس میں وہ سب چیزیں داخل ہیں کہ جس سے سماج اور معاشرہ میں خرابی آتی ہے اس کی اصلاح کی جائے۔ مریض کے ساتھ ہمدردی اور ان کا تعاون کرنا بھی تو صلاح میں داخل ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اسی لیے تو فرمایا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اس طرح ہیں جیسے جسم کا کوئی عضو کہ اگر جسم کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس تکلیف سے سارا جسم متاثر ہوتا ہے، آنکھوں کی نیند ختم ہوجاتی ہے اور جسم حرارت و بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

تَرَی الْمُومِنِیْنَ فِی تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادُهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکَی عَضُواً تَدَاعَیی لَهٗ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِاَسْهَرِ وَالْحُمیِ. (۶۰)

اگر یہ تصور عام ہوجائے تو انشاء اللہ یہ نوبت ہی نہیں آئے گی کہ ایک مسلمان قبل از وقت ہی روپے کی مجبوری کی وجہ سے موت کی آغوش میں چلا گیا۔

کیا ڈاکٹر کو قطع حیات کی اجازت ہوگی؟

ڈاکٹر کا دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ وہ مریض کے ساتھ ہم دردی کا معاملہ کرے، اس کی بیماری کو سمجھے اور ہر ممکن مریض کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایسا نہ ہو کہ ذرا سی حالت نازک ہوئی اور اس نے ہمت ہاردی اور بڑی آسانی سے یہ رائے ظاہر کردی کہ اس کا علاج ناممکن ہے۔ یا پھر تکلیف میں مبتلا شخص کی خواہش سے یا اس کے احباب کی اجازت سے کسی تدبیر کے ذریعہ اسے موت کی نیند سلادے۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس رائے کا اظہار تو کرسکتا ہے کہ مریض قابل علاج ہے یا لاعلاج، اس کی صحت کی توقع کی جاسکتی ہے کہ نہیں؛ لیکن اسے یہ حق ہرگز نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ مریض کو زندہ رہنے دیا جائے یا نہیں۔ اگر ڈاکٹر مریض یا اس کے رشتہ داروں کی اجازت سے مریض کی حیات کو ختم کرتا ہے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا اقدام قابل مواخذہ ہے اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ قتل چھری سے کیا جائے یا بندوق کی گولی سے، یا تلوار سے یا زہریلی دوا پلاکر یا زہریلے انجکشن کے ذریعہ۔ تمام صورتوں میں اس اقدام کو قتل پر محمول کیا جائے گا۔ (۶۱) فقہا نے لکھا ہے اگر کسی شخص کو قتل کرنے پر مجبور بھی کیا جائے اور اس میں خود اس کی جان جانے کا بھی خطرہ ہو تو اسے قتل نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ بھی گنہ گار ہوگا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مجبور کرنے والا قاتل متصور ہوگا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ لیکن امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ قتل پر مجبور کرنے والا اور عملاً قتل کرنے والا دونوں ہی قاتل ٹھہریں گے اور دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔ (۶۲)

بیماری اور صحت یہاں تک کہ موت وحیات کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ اس نے علاج ومعالجہ

کے لیے ڈاکٹروں کو ذریعہ بنایا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی ساری صلاحیت اور تجربات کو اس کے علاج کے لیے آخر تک صرف کرتا رہے جب تک کہ اس کی زندگی باقی ہے۔ اگر مریض کی صحت فوری طور پر بحال نہیں ہوتی ہے تو وہ مریض کی صحت کے تعلق سے مایوس نہ ہو اور نہ مریض کے رشتہ داروں کو مایوس اور حراساں کرے۔ ایسا نہ ہو کہ مریض کی صحت نے نازک رخ اختیار کیا اور دوا نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا تو وہ ہمت ہار کر اس کے علاج سے الگ ہو گیا جس کی وجہ سے مریض کی تکلیف میں افاقہ کی جو بھی ٹوٹی پھوٹی امید تھی وہ بھی فوت ہوگئی اور مریض ایڑی رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ ایسی حالت میں ڈاکٹروں سے مریض کا رشتہ مشکوک ہو کر رہ جائے گا جو کسی دوسرے بڑے سانحہ سے کم نہ ہوگا۔ جیسا کہ مولانا جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

> ''طب کا مقصد انسان کی زندگی کو بچانا اور اسے آرام پہنچانا اب تک رہا ہے اور یہی اس کا مقصد ہے۔ انسان کی زندگی کو ختم کرنے کے لیے اس کا استعمال اس کے مقصد ہی کو بدل کر رکھ دے گا۔ اس کی بعض صورتیں بڑی معصوم معلوم ہوتی ہیں اور مصیبت زدہ انسانوں کی ہمدردی کی شکل میں ہمارے سامنے آرہی ہیں؛ لیکن اس کے بڑے خطرناک نتائج رونما ہو سکتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ اگر یہ تصور پیدا ہو جائے کہ مریض کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے تو اسے بچانے کی کوشش کم زور پڑے گی اور یہ طبی دنیا کے لیے کسی سانحہ سے کم نہ ہوگا۔'' (۶۳)

جہاں تک لاعلاج بیماری میں مبتلا مریض کی نئی اضافی تکلیف کا سوال ہے کہ اس کا علاج کیا جانا چاہیے یا نہیں کیوں کہ وہ پہلے سے ہی مہلک بیماری میں مبتلا ہے۔ اس نئی بیماری کے علاج سے اس کی صحت پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ یہ تو یقینی نہیں ہے کہ اس اضافی بیماری سے اس کی صحت پر خاصا اثر پڑے گا؛ مگر یہ یقینی ہے اس اضافی بیماری کے علاج سے اور اس کی تکلیف کے انسداد سے اس کی پہلے والی بیماری کی تکلیف میں کمی ہوگی۔ کبھی کبھی چھوٹی بیماری بڑی بیماری کا پیش خیمہ ہوتی ہے، یعنی یہ اس اضافی تکلیف کے ختم ہونے سے پہلے والی بیماری ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اطبا کا خیال ہے۔ ہر نئی بیماری کا پہلی بیماری یا تکلیف سے تعلق ہوتا ہے۔ کبھی ڈاکٹر پہلے واقع ہونے والی بیماری کا علاج نہیں کرتا، بلکہ بعد میں ہونے والی ہلکی پھلکی تکلیف کا علاج کرتا ہے اور اس طرح اس اضافی تکلیف میں افاقے کا اثر ماقبل بیماری میں مفید ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

❁ ❁ ❁

مولانا احمد اللہ شاہ شہیدؒ

از: حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ

عزم وہمت، حمیت ملّی اور غیرتِ وطن کا وہ شعلۂ جوالہ جو ''چنیا پٹن'' (۱) سے اُٹھا، دہلی اور آگرہ میں چمکا، سرزمین اودھ میں چٹخا، روہیل کھنڈ میں شعلہ افشاں ہوا۔ پھر اسی کے ایک گوشہ میں محوِ سکون ہوگیا۔ اس کو ۱۸۵۷ء کی جانِ مضطرب کہا جائے یا شہداء ۱۸۵۷ء کا سرتاج، دونوں درست۔ اپنے تو اپنے غیر بھی (۲) اس کے علم وعمل، قوتِ روحانی اور جرأتِ ایمانی کے معترف ہیں۔

اصل نام، ولدیت اور سلسلۂ نسب

تاریخِ آزادی کے ہیرو، وطنِ عزیز کے بہادر فرزند، فدا، ملک وملّت، سلطان فتح علی عرف سلطان ٹیپو (شہید) کے ایک مصاحب، سیّد محمد علی نواب چنیا پٹن تھے۔ انہیں نواب محمد علی کے یہاں ۱۲۰۴ھ میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ باپ کے نام کی مناسبت سے احمد علی نام رکھا گیا۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اصل نام سے شہرت بہت کم ہوئی۔ پہلے ضیاء الدین عرف رہا، دلاور جنگ خطاب۔ اور جب یہ لڑکا عمر عزیز کی تقریباً چھ دہائیاں طے کرنے کے بعد جدوجہد آزادی کا علمبردار ہوا تو احمد اللہ شاہ کہلانے لگا۔ رحمہ اللہ۔

سیّد محمد علی، سیّد جلال الدّین عادل کے فرزند ارجمند تھے۔ سیّد جلال الدّین جو خاندانِ قطب شاہی (فرمانروائے گولکنڈہ) کی یادگار (۳) تھے۔ ایک طرف چنیا پٹن کے رئیس اور نواب تھے تو دوسری جانب ایک باخدا بزرگ تھے جو اپنے زمانہ کے ولی اور قطب سمجھے جاتے تھے۔

تعلیم وتربیت اور طبعی رجحانات

خاندانی عظمت کے بموجب آپ کی تعلیم وتربیت امیرانہ ہوئی اور اس زمانہ کے رواج کے مطابق علومِ دینی کے ساتھ فنونِ حرب کا بھی ماہر بنایا گیا۔ ہوش سنبھالا تو طبیعت کا میلان اورادو

وظائف کی طرف تھا۔ نماز، روزہ اور احکامِ شریعت کے سخت پابند تھے۔ ہر عمل میں سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری سمجھتے تھے۔ والدین سے ٹیپو سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کی تباہی کا حال سُنا تو حکومت اور مال و دولت سے دل بیزار ہو گیا۔(۴)

سیاحت و بیعت

جوانی کا آغاز تھا کہ سیاحت کا شوق ہوا۔ پہلے حیدر آباد گئے۔ پھر یورپ کا سفر کیا۔ انگلستان جا کر ملکہ وکٹوریہ کے مہمان ہوئے۔ وہاں سے واپس ہو کر عربی ممالک کا دورہ کیا۔ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ پھر ایران ہو کر چمن کے راستہ سے ایک عرصہ کے بعد ہندوستان پہنچے۔ یہاں ''سانبھر'' کے علاقے میں ڈیرے ڈال دیئے۔(۵)

پھر مراحلِ سلوک طے کرنے اور رُوحانی کمالات حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی حضرت قربان علی شاہ کی شہرت سن کر جے پور گئے۔ ریاضت و مجاہدہ اور چلّہ کشی کے انوار پہلے سے موجود تھے۔ بیعت نے فوراً ہی نسبت مشائخ کا کیف پیدا کر دیا۔ حضرت قربان علی شاہ صاحب نے جس طرح رُوحانی فیوض و کمالات سے مالا مال کیا، اصلاح صوفیاء اور تنظیمِ مجاہدین کا فرض بھی آپ کے ذمہ کر دیا، اور ہاں محفلِ سماع کی بھی اجازت دے دی۔(۶) بہر حال مولانا احمد اللہ شاہ صاحب جے پور سے ٹونک تشریف لے گئے نواب وزیر الدولہ سے مجلسیں گرم رہیں۔

ٹونک کی آب و ہوا آپ کے ذوقِ سماع کے موافق نہیں تھی۔(۷) مگر ذوقِ جہاد کے لئے سب سے موافق آب و ہوا اسی ٹونک کی تھی۔(۸) جو حضرت سیّد احمد شہید کے پس ماندگان کا مرکز تھا اور ابھی چند سال ہوئے، حضرت مولانا نصیر الدین صاحب دہلوی کا جہادی قافلہ، وزیر الدولہ کے دماغ کو سرشار کرتا ہوا یہاں سے گذرا تھا۔

حضرت مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب ٹونک سے رُخصت ہو کر گوالیار پہنچے یہاں ایک بزرگ محراب(۹) شاہ قلندر تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کے مشائخانہ اطوار نے آپ کے دل کو موہ لیا۔ یہ قلندر صاحب بھی عجیب تھے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر، مگر راہ و رسمِ انقلاب سے باخبر۔ ظالم فرنگی کے دشمن اور استخلاصِ وطن کے دلدادہ۔

مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب نے قلندر صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا چاہا تو داخلہ کی شرط یہ تھی کہ جہاد کی سوکھی رگوں میں تازہ خون دوڑائیں گے اور وطنِ عزیز کو انگریزوں سے نجات دلائیں گے۔ شاہ صاحب نے بسر و چشم یہ شرط منظور کی اور سلسلۂ قادریہ میں آپ سے

بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کرلیا۔(۱۰) یہ بتانا مشکل ہے کہ کتنے عرصہ آپ نے گوالیار میں قیام کیا۔ البتہ اس موقعہ پر یہ فراموش نہ ہونا چاہئے کہ تقریباً تیس سال پہلے جب حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تھے تو سب سے پہلے تقریباً دو ہفتہ تک آپ کا قیام یہیں رہا تھا۔ پھر راجہ ہندوراؤ اسی ریاست کے مدار المہام تھے جن کے نام سیّد صاحب نے مرکزِ جہاد سے خط لکھ کر اُن کو جنگِ آزادی کے لئے اُبھارا تھا۔

دہلی مرکزِ سیاست اور اس کی موجودہ حالت

جہادی قلندر حضرت محراب علی شاہ کے دستِ مبارک پر عہدِ جہاد کرنے کے بعد عزم وعمل کا وقت آیا تو قدرتی طور پر حضرت مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کی نظر دہلی کی طرف اُٹھی کیونکہ:

(۱) اگرچہ انگریزی اقتدار کا مرکز کلکتہ اور اس کا فورٹ ولیم تھا مگر ہندوستانیوں کی سیاست کا مرکز اب بھی دہلی تھا۔

(۲) یہاں مغل سلاطین کا جانشین موجود تھا جو سیاسی لحاظ سے مفلوج و مجبور ہونے کے باوجود اُن بیشمار ہندوستانیوں کے جذبات پر حکمراں تھا جو مغلِ اعظم ہی کے کسی وارث کو سلطنت وحکومت کا صحیح مستحق سمجھتے تھے۔

(۳) یہی دلّی تھی جس کی ولی اللّٰہی تربیت گاہ میں ''رُوحِ انقلاب'' نے جنم لیا تھا۔ جہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کی تربیت گاہِ سیاسی میں وطنِ عزیز کو نجات دلانے کی تحریک پروان چڑھی تھی اور اُس نے اپنا دورِ شیرخوارگی پورا کیا تھا۔ جہاں جنگ حریت کے سب سے علمبردار سید احمد شہید کو پرچم قیادت عطا ہوا تھا۔ جہاں سے چند سال پہلے مولانا نصیرالدین صاحب دہلوی کی زیرِ سیادت سرفروشانِ حریّت کا آخری قافلہ روانہ ہوا تھا۔

(۴) یہی دلّی تھی جہاں بقول مولانا عبیداللہ سندھی اب بھی ولی اللّٰہی تحریک کی وہ مرکزی جماعت موجود تھی جس کی رہنمائی حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب اپنی ہجرت گاہ مکہ معظّمہ سے فرمارہے تھے۔

اس قسم کی متعدد وجوہات تھیں جن کی بنا پر مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کا قدم سب سے پہلے دہلی کی سمت اُٹھنا ضروری تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن اس وقت کی صورتِ حال نے جو نزاکتیں پیدا کردی تھیں، اُن کا احساس مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کو گوالیار میں نہیں ہوسکا یا پوری طرح نہیں ہوسکا۔ مثلاً:

(۱) گذشتہ چالیس سال میں جس طرح دہلی حضرت سیّد احمد شہیدؒ، حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا نصیرالدین دہلوی شہیدؒ، حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تحریکات کا مرکز رہی۔ اس کا تقاضا تھا کہ بقول مولانا عبیداللہ سندھی:

''یہاں ریزیڈنٹ کی نگاہ بہت سخت ہو۔''

(۲) شاطرانِ انگریز یہ طے کر چکے تھے کہ بہادر شاہ پر بادشاہت کے موجودہ طمطراق کو بھی ختم کر دیا جائے۔ لال قلعہ جو عظمتِ ہندوستان کا آخری نشان سمجھا جاتا تھا، اس کو بہادر شاہ کے جانشین سے خالی کرالیا جائے۔ اس کے لئے جو تدبیریں عمل میں لائی جارہی تھیں اور جس طرح شاہزادوں سے ساز باز کا سلسلہ جاری تھا، اس کا یہی تقاضا تھا کہ ریزیڈنٹ کی نگاہیں سخت اور محتاط رہیں۔

(۳) حضرت مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کے دہلی تشریف لانے کا سال معین نہیں ہوسکا۔ قیاس[۱] یہ ہے کہ ۱۸۴۶ء یا ۱۸۴۷ء میں آپ دہلی تشریف لائے ہوں گے یعنی تقریباً ۱۲۶۴ھ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ پنجاب میں سکھ حکومت کو ختم کیا جارہا تھا۔ جس سے پورے پنجاب میں بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ علاقہ ملتان کی فوجیں زیر قیادت دیوان مول راج انگریزوں سے جنگ کی تیاریاں کررہی تھیں۔ پٹھانوں نے زیر قیادت سلطان محمد خاں و دوست محمد خاں علمِ بغاوت بلند کررکھا تھا۔ بالاکوٹ کا رئیس سیّد ضامن شاہ انگریزوں کے دوست گلاب سنگھ مہاراجہ کشمیر سے برسرِ پیکار تھا اور اُس کی امداد کے لئے مرکز صادق پور سے مجاہدین کا ایک دستہ مولانا ولایت علی صاحب کی زیر قیادت بالاکوٹ پہنچ چکا تھا اور شہادتِ مجاہدانہ کی پُرانی تمنائیں سرفروشی سے پوری کررہا تھا۔ اور جیسا کہ اسی سلسلہ کی تیسری جلد میں بیان کیا گیا ہے بقول مسٹر دیبی پرشاد مصنّف گلشنِ پنجاب، پورے ہندوستان بالخصوص شمال مغربی صوبہ (پنجاب و فرنٹیئر و کشمیر) میں غلغلہ مچ رہا تھا۔

ان نزاکتوں کے علاوہ سیاسی مصلحتوں کا بھی تقاضا یہی تھا کہ جو تحریک موجودہ حالات کے مطابق چلائی جائے، اُس کا مرکز دہلی نہ ہو۔

اسلامی جہاد کی نوعیت سے جو تحریک سیّد احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے بعد مولانا نصیرالدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے چلائی تھی، اس کی ناکامی ثابت ہوچکی تھی، اب ایک عوامی تحریک کی ضرورت تھی۔ دہلی اگرچہ مرکزِ سیاست تھی، مگر یہاں تحریکِ حریت ایک خاص حلقہ سے مخصوص تھی۔ یہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں اور مریدوں کا حلقہ تھا۔ بے شک اس حلقہ کے اثرات پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے مگر شاطرانِ برطانیہ نے وہابیت کے جس الزام سے حضرت سیّد احمد صاحب کی تحریک کو سرحد میں ناکام کیا تھا۔ جیسا کہ

شاندار ماضی کی جلد دوم میں واضح کیا جاچکا ہے وہ الزام اگر چہ قطعاً بے بنیاد تھا مگر کچھ اپنوں کی ناعاقبت اندیشی اور زیادہ تر کلکتہ کے سرکاری دارالافتاء نے مسلسل پروپیگنڈہ کر کے اس بیس سال کے عرصہ میں اس الزام کو اس حد تک حقیقت کا درجہ ضرور دے دیا تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت سیّد احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والا حلقہ صرف سیاسی نہیں رہا بلکہ مذہبی نقطۂ نظر سے ایک مکتبہ خیال بن گیا تھا۔

اب تدبّر اور سیاسی دُور اندیشی کا مطالبہ یہ تھا کہ آئندہ تحریک کی دعوت ایسے انداز سے دی جائے کہ جو عناصر اس مکتبۂ خیال سے تعلق نہیں رکھتے وہ بھی تحریک سے وابستہ ہوں اور مکتبۂ خیال کی حد بندی ان کی شرکت یا قیادت کے راستہ میں حائل نہ ہوسکے۔ اس مصلحت کے پیش نظر حضرت مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب بہترین شخص تھے جن کی قدرت کے پوشیدہ اشاروں نے خود بخود دہلی کے سیاسی مدبّرین کے پاس پہنچا دیا تھا۔

دہلی کے بعد آگرہ

شاہ جہاں آباد (دہلی) اور اکبر آباد (آگرہ) کا پُرانا رشتہ اگر چہ اب کمزور ہو چکا تھا مگر تعاون اور اعتمادِ باہمی کی رُوح ابھی فنا نہیں ہوئی تھی، اور اگر چہ چند سال پہلے آگرہ ملّی رجحانات اور قومی جذبات کے لحاظ سے ایک شہر خموشاں[۱۲] بن چکا تھا مگر جب سے وہ برطانوی صوبہ کا دارالحکومت بنا تھا اس میں پھر چہل پہل ہوگئی تھی اور ذی استعداد صاحبِ فکر علماء وفضلاء کا ایسا مجمع اس کو میسر آ گیا تھا جس کی نظیر کوئی دوسرا شہر مشکل سے پیش کرسکتا تھا۔ ان علماء میں اگر چہ زیادہ وہ تھے جو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سے تلمذ اور (بالواسطہ یا بلاواسطہ) شاگردی کا تعلق رکھتے تھے۔ مگر غالباً ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو ایک مکتبۂ خیال کے پابند کی حیثیت سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ یا حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے وابستہ ہو۔

مختصر یہ کہ مختلف مکاتبِ خیال اور مختلف سلسلہ تلمذ کے اور فضلاء یہاں رونق افروز تھے اور آگرہ گلہائے رنگارنگ کا گلدان بنا ہوا تھا۔ ایک عوامی تحریک کا لالہ زار ایسا ہی گلستان بن سکتا تھا۔ دہلی کے اربابِ بصیرت نے اسی مصلحت سے آگرہ کو منتخب کیا اور حضرت مولانا سیّد احمد اللہ صاحب شہید کی عنانِ توجہ دہلی کے آگرہ کی طرف منعطف کی۔

لیکن آگرہ حضرت مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کے لئے بالکل اجنبی شہر تھا۔ اس کے لئے ایک عرصہ درکار تھا کہ مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب آگرہ پہنچ کر اعتماد حاصل کریں اور وہاں کے

سربراہوں اور کلیدی حضرات تک پہنچ سکیں۔

حضرت مولانا مفتی صدرالدین صاحب جیسا اعلیٰ مدبّر جس نے حضرت سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کی سیاسی تگ ودو کے لئے آگرہ کا میدان منتخب فرمایا۔ آپ نے خود ہی اس کی ذمّہ داری بھی لی کہ حضرت مولانا شاہ احمد اللہ صاحب جیسے ہی آگرہ پہنچیں، بلاکدوکاوش کلیدی حضرات تک اُن کی رسائی ہوجائے اور یہ اُن کا اعتماد حاصل کرلیں۔ چنانچہ حسبِ روایت مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی:

> مفتی انعام اللہ خان بہادر جو محکمہ شریعت کے مفتی رہ چکے تھے، اب سرکاری وکیل تھے۔ حضرت آزردہ (مفتی صدرالدین صاحب آزردہ) کے خط کے ذریعہ شاہ صاحب (مولانا احمد اللہ شاہ صاحب) اُن کے یہاں آکر مقیم ہوئے۔ اُن کا گھر علماء کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مفتی صاحب کے صاحبزادے مولوی اکرام اللہ صاحب ''تصویر الشعراء'' مرید ہوئے۔

مجلسِ علماء

علماء وفضلاء کرام کا یہ گلدستہ جس کی شیرازہ بندی اب تک علمی اور ادبی ذوق نے کررکھی تھی، مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کے پہنچنے کے بعد اُس میں سیاسی رنگ پیدا ہونا شروع ہوا، اور مجلس کی شکل میں اس اجتماع کی تشکیل کی گئی اس کے ارکان کی مختصر فہرست ملاحظہ ہو۔

مولوی شیخ اعتقاد علی بیگ صاحب، مولوی امام بخش صاحب، سیّد باقر علی صاحب ناظم محکمہ دیوانی، مولوی نورالحسن صاحب، سیّد مراتب علی صاحب، مولوی خواجہ تراب علی صاحب، سیّد حسن علی صاحب، رحمت علی صاحب، مفتی ریاض الدین صاحب، مولوی غلام جیلانی صاحب، غلام مرتضی صاحب، شیخ محمد شفیع صاحب، مولوی عبدالصمد صاحب، مولوی منصب علی صاحب، مولوی محمد عظیم الدین حسن صاحب، رسول بخش صاحب، باسط علی صاحب، مومن علی صاحب، محمد قاسم صاحب داناپوری، معین الدین صاحب، مولوی کریم اللہ خان صاحب صدرالصدور، قاضی محمد کاظم علی صاحب، تاج الدین صاحب، طفیل احمد صاحب خیرآبادی، مولانا غلام امام شہید، مفتی عبدالوہاب صاحب گوپامئوی، ڈاکٹر وزیرخاں صاحب، مولوی فیض احمد صاحب بدایونی، مفتی انعام اللہ صاحب۔

یہ حضرات صدارت نظامت کے مختلف عہدوں پر فائز تھے، یا وکلاء تھے، جنھوں نے اس

مجلس کی رُکنیت منظور کی، اور دامے درمے قدمے شاہ صاحب کی تائید و اعانت شروع کردی۔

حلقۂ ارادت

حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات شاندار ماضی جلد دوم میں گذر چکے ہیں۔ انہیں کا نمونہ حضرت مولانا سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کے حالت میں بھی نظر آتا ہے۔فرق یہ ہے کہ جو گرمی وہاں صرف ذکر اللہ سے پیدا کی جاتی تھی، شاہ احمد اللہ صاحب کے یہاں اس کے لئے ''سماع'' سے بھی کام لیا جاتا تھا۔(۱۳)

بہرحال حضرت سیّد احمد اللہ شاہ صاحب کے حلقۂ بیعت وارادت نے وسعت اختیار کی۔ محفلِ سماع خود ایک کشش رکھتی ہے۔ یہاں علم وفضل کے ساتھ قوتِ خطابت کا یہ عالم تھا کہ جہاں آپ کے وعظ کا اعلان ہوتا، ہندو مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم ہوجاتا۔ اب ایک وقت ذکر و شغل اور مراقبہ کا سلسلہ ہوتا، دوسرے وقت محفلِ سماع کی گرمجوشی(۱۴) کبھی عام جلسے ہوتے جن میں دس دس ہزار کا اجتماع ہوتا۔ سُننے والے بے قرار ہوجاتے۔ ہر شخص قربان اور فدا ہونے کا عہد کرتا۔ دوسرے تیسرے روز نمازِ عصر کے بعد قلعہ اکبرآباد کے میدان میں فنِ سپہ گری کی مشق کرائی جاتی۔ خود شاہ صاحب بہترین نشانہ باز تھے۔تلوار کے ہاتھ بھی بہت جچے تُلے ہوتے تھے۔

آپ کہیں تشریف لے جاتے تو مریدین کا ہجوم ساتھ ساتھ رہتا۔آگے آگے ڈنکا بجتا۔اس لئے آپ کو ڈنکے والا پیر یا ڈنکا شاہ کہا جاتا۔

وہی آگرہ جس کی جامع مسجد کو جمعہ کے روز بمشکل بیس پچیس نمازی نصیب ہوتے تھے۔ اب اس کی ایک ایک مسجد میں سینکڑوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ جو مسجدیں عرصہ سے ویران تھیں، اب اُن کی آبادی پر لوگ حیرت کرتے تھے۔آگرہ شہر اس طرح مسخر ہوگیا تو آپ نے مضافات کا قصد کیا۔ جہاں آپ پہنچتے، مریدین کی جماعت ساتھ رہتی اور ایک ہی دورہ میں اس کا رنگ بدل جاتا۔عوام کو یاد ہو یا نہ یاد ہو، مگر انگریز کو حضرت سیّد احمد شہیدؒ کا دَور یاد تھا۔حضرت مولانا سیّد احمد اللہ شاہ کے اس دَور میں وہی رنگ دیکھا تو تیس سال پہلے کی تمام تاریخ سامنے آگئی۔

حضرت شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والوں پر مقدمہ

انگریز بہادر نے حضرت شاہ صاحب پر ہاتھ نہیں ڈالا، یا بقول مولوی سیّد طفیل احمد صاحب مرحوم، پولیس نے اُن کو (مجسٹریٹ کے حکم پر) گرفتار کرنے سے انکار کردیا(۱۵) البتہ وہ جماعت

جوانگریزوں سے ملازمت کا تعلق رکھتی تھی اوراب شاہ صاحب سے وابستہ ہوگئی تھی اورانہیں کے ذریعہ حضرت شاہ صاحب آگرہ میں قیام کرکے اپنا اثر جما سکے تھے، اُس پر رشوت کا مقدمہ چلادیا۔ مرادآباد کے جج مسٹر ولسن مقدمہ کی سماعت کے لئے مقرر کئے گئے۔ حضرت شاہ صاحب اس وقت قصبات ومضافات کے دورہ پر باہر تشریف لے گئے تھے۔ آپ کو سفر ہی میں اس مقدمہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ یہ امتحان کی پہلی منزل ہے۔ گھبرائیں نہیں، انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔ کسی پر بھی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

بہرحال مقدمہ شروع ہوا۔ پولیس نے گواہ پیش کئے۔ مگر یہ بناوٹی گواہ بیکار ثابت ہوئے۔ خدا جانے پولیس نے کیا کہہ کر اُن کو تیار کیا ہوگا۔ مگر جب وہ اجلاس میں یہ دیکھتے کہ جس کے برخلاف وہ گواہی دینا چاہتے ہیں، وہ ایک باخدا عالِم دین ہے تو گھبرا جاتے اور بقول مفتی انتظام اللہ شہابی:

''جھوٹی گواہی دینے کی جرأت نہ ہوتی۔''

بہرحال جوں توں کرکے ابتدائی عدالت میں سخت سخت سزائیں تجویز کی گئیں۔ مولوی غلام جیلانی وکیل صدر، مولوی غلام احمد شہید پیش کار اور مفتی سراج الدین پیش کار کو چار چار سال کی قید بامشقّت، مفتی محمد قاسم صاحب داناپوری مسل خواں کو تین سال مولوی بدرالحسن صاحب مسل خواں اور مولوی آل حسن منصف کو دو دو سال۔

ایک اخبار ''سعدالاخبار'' نے اس خبر کو شائع (۱۶) کرتے ہوئے لکھا:

''دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم داناپوری جن کا شمار اولیاء کرام میں ہے اور اُن کے ہزارہا مرید صاحبِ ریاضت ومجاہدہ ہیں، اُن کو رشوت سے متہم کیا جاتا ہے، تعجب ہے۔ دوسرے صاحب مولانا غلام امام شہید جو عاشقِ رسول کہلاتے ہیں، اُن کے بھی ہزارہا مرید آگرہ حیدرآباد و مرادآباد میں ہیں، اُن پر بھی رشوت کا الزام ہے۔''

بہرحال فوراً ہی اپیل دائر کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب حضرات بری کردیئے گئے۔ بقول حضرت شاہ صاحب کسی کا بھی بال بیکا نہ ہوا۔

خان بہادر مفتی انعام اللہ صاحب(۱۷) وکیل صدر جن کے نام شاہ صاحب حضرت مولانا مفتی صدرالدین صاحب آزردہ کا خط لائے تھے، جو سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب کے میزبان بنے تھے، یہ بھی معطل کئے گئے۔ الزام یہ تھا کہ مُشتبہ خطوط اُن کے یہاں سے برآمد ہوئے ہیں۔(۱۸)

آگرہ سے کانپور اور لکھنؤ

مولانا احمد اللہ شاہ صاحب آگرہ میں مقیم تھے کہ اودھ میں مولانا امیر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا ہنگامہ پیش آ گیا۔ آپ کو اس کی تفصیلات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ''اب ہمارے کام کا وقت آ گیا۔'' چنانچہ آپ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ مریدین کا بھی ایک جم غفیر ساتھ ہو لیا۔ اس طرح کہ ہر ایک مرید نے توشہ ساتھ لے لیا تھا اور گھربار کا معقول انتظام کر دیا تھا۔ ماؤں نے بیٹوں کو اجازت دی تھی، اور بیویاں شوہروں کو رخصت کر رہی تھیں۔ ہر ایک کا دل مگن تھا۔ مرشد ساتھ ہے کوئی خطرہ نہیں ہے۔[19]

شاہ صاحب آگرہ سے روانہ ہو کر پہلے کانپور پہنچے۔ وہاں عظیم اللہ خاں وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں۔ پھر آپ اُناؤ ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔ گھاس منڈی میں قیام کیا۔ وہیں مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی سے ملاقات ہوئی۔ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی تحریر فرماتے ہیں:

> ''مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی جو خالص سرکاری آدمی تھے اُن دنوں لکھنؤ میں صدر الصدور تھے۔ کچھ دن گذرے تھے کہ مولوی عبدالرزاق صاحب فرنگی محلی کی تائید میں مولانا امیر علی شاہ[20] صاحب کے خلاف فتویٰ صادر کر چکے تھے۔ وہ (مولانا خیر آبادی) شاہ صاحب سے ملنے آئے۔ شاہ صاحب سے ایسی گفتگو ہوئی کہ گھر جاتے ہی صدر الصدوری سے استعفیٰ دیدیا اور الور چلے گئے اور انگریزوں کے جتنے خیر خواہ تھے، اُتنے ہی[21] دشمن ہو گئے۔[22]

لکھنؤ نے تقریباً چالیس سال پیشتر حضرت سیّد احمد شہید کا استقبال بھی بڑی شان سے کیا تھا۔ وہی روح وہاں بھی کارفرما تھی، اور اہلِ لکھنؤ حضرت سیّد صاحب کے زمانہ کی بہ نسبت اب زیادہ زخم خوردہ ہو چکے تھے۔ انتہا یہ کہ اُن کا بادشاہ واجد علی شاہ جس کو انگریز خواہ کچھ بھی کہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ لکھنؤ والوں کی آنکھ کا تارا اور باشندگانِ اودھ کی آزادی کا آخری نشان تھا، وہ بھی انتہائی ذلّت وخواری کے ساتھ اُن سے جُدا کر دیا گیا تھا، یا جدا کیا جانے والا تھا۔

بہر حال حضرت سیّد صاحب شہیدؒ کی طرح حضرت مولانا احمد اللہ شاہ صاحب بھی مقبول اور محبوب ہونے لگے اور باشندگانِ لکھنؤ کی والہانہ وابستگی آپ سے دن بدن بڑھنے لگی۔ مگر اس انتہائی نازک دَور میں کہ بارک پور والی فوج برخواست کی گئی تھی جس کے سپاہی زیادہ تر اودھ کے رہنے والے تھے۔ ادھر واجد علی شاہ کو معزول کر کے گرفتار کر لیا گیا تھا یا گرفتار کرنے کا منصوبہ تیار کیا جا رہا تھا۔ حضرت مولانا احمد اللہ شاہ صاحب جیسے انقلابی امام کا لکھنؤ میں قیام کرنا خود شاہ صاحب کے لئے خطرناک تھا، اور تحریک کے لئے بھی تشویش ناک۔ اس لئے شاہ صاحب نے لکھنؤ کا قیام

مختصر کر کے فیض آباد کا رُخ کیا۔اب شاہ صاحب نے تمام تکلفات برطرف کردیئے تھے اور بقول مولانا فتح محمد تائب لکھنوی:

نصاریٰ سے جو حکم پیکار تھا ہر ایک شخص سے اس کا اظہار تھا

اس عریانی کا نتیجہ ظاہر تھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے عمال نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا۔مگر عوام کے ہجوم اور اُن کی بے پناہ عقیدت کے باعث پولیس یہ جرأت نہ کرسکی،تو فوج سامنے آئی۔حضرت شاہ صاحب اور آپ کے ساتھیوں نے مقابلہ شروع کردیا۔مگر چونکہ فوج کا یہ اقدام دفعتہً تھا،شاہ صاحب اور آپ کے ساتھی پہلے سے تیار نہ تھے اس لیے یہ مقابلہ بھی ناکام ہی رہا۔حضرت شاہ صاحب کسی فوجی کی تلوار کی ضرب سے بے ہوش ہوکر گر پڑے۔آپ کو فوراً گرفتار کرکے جیل خانہ بھیج دیا گیا۔آپ کے ساتھی بھی گرفتار کرلئے گئے۔

تحریکِ انقلاب ۱۸۵۷ء کا آغاز

یہ ۱۸۵۶ء کے اواخر یا ۱۸۵۷ء کے شروع کا واقعہ ہے چند ماہ بعد ۱۰رمئی ۱۸۵۷ء کی طوفان انگیز تاریخ آئی جس نے پورے شمالی ہند کی زمین ہلادی۔حضرت شاہ صاحب اس وقت جیل میں تھے۔فیض آباد میں عنانِ قیادت ایک اور صاحب نے سنبھالی۔اُن کا اسم گرامی مولانا سکندر شاہ صاحب فیض آبادی تھا۔آپ نے جیل خانہ پر دھاوا بول کر حضرت شاہ صاحب کو تو چھڑا لیا لیکن خود انگریزی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔مگر مولانا احمد اللہ شاہ صاحب نے جھنڈے کو گرنے نہیں دیا۔اپنی رہائی کے بعد پورے ہندوستان کی رہائی کے لئے پرچم لہرایا،اور جو فدایان وطن جمع ہوئے تھے اُن کو ساتھ لے کر لکھنؤ کا رُخ کیا۔(۲۳)

بقول مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی مرحوم:

> جس طرح میرٹھ وغیرہ کے باغی سمٹ کر دہلی میں جمع ہوئے تھے اور ظفر کو ہندوستان کا شہنشاہ بنایا تھا، ویسے ہی الہ آباد اور فیض آباد کے باغی بھی ۱۸۵۷ء میں جوش و خروش کے ساتھ لکھنؤ پہنچے۔اُن کے آتے ہی یہاں کے بہت سے بے فکرے اُٹھ کھڑے ہوئے اور برجیس قدر کی بادشاہی قائم کردی۔تھوڑی سی انگریزی فوج اور یہاں کے تمام یورپین عہدہ دارانِ مملکت جو باغیوں کے ہاتھ سے جاں بر ہو سکے ''بیلی گارڈ'' میں قلعہ بند ہوگئے۔(گذشتہ لکھنؤ)

بہرحال مولانا شرر کے الفاظ استعمال کیجیے یا ان کو انقلاب پسند محبانِ وطن کہیے، تاریخی

حقیقت یہ ہے کہ برجیش قدر جن کی عمر صرف دس سال تھی، بادشاہ [۲۴] بنائے گئے۔ اُن کی والدہ حضرت محل جو ایک بہادر خاتون تھیں، اُن کی ولی اور سرپرست مقرر ہوئیں۔ ناصر الدولہ علی محمد خاں عرف مموخاں وزیر اعظم یا مدار المہام مقرر ہوئے، لیکن اس قیامت خیز دَور میں جس کے بل بوتے پر یہ سب کچھ ہوا، وہ مولانا احمد اللہ شاہ صاحب تھے جن پر سُنّی اکثریت پورا اعتماد کرتی تھی۔

مقابلہ، ناکامی اور وجوہاتِ ناکامی

بے شک کا نقشہ قائم ہوگیا۔ عام ہندو مسلمانوں نے دلوں کی گہرائیوں سے وفاداری کا عہد بھی اس حکومت سے کرلیا مگر جو مرض دہلی میں تھے، وہی بیماریاں لکھنؤ کی فضا میں بھی موجود تھیں بلکہ اُن سے کسی قدر زیادہ۔

یہاں شیعہ سُنّی کا مسئلہ بھی موجود تھا۔ اربابِ اقتدار کی جنگی نااہلیت بھی اپنا رنگ جمائے ہوئے تھی، اور مرزا مغل کی طرح مموخاں کی ریشہ دوانیاں بھی احمد اللہ شاہ جیسے بہادر اور دیانت دار جرنیل کے راستہ میں ہر قدم پر رکاوٹ کے لئے موجود تھیں۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ یعنی بہادرانہ معرکوں کے باوجود ناکامی۔ جس کی تفصیل کے لئے مستقل جلد کی ضرورت ہے۔

مولانا احمد اللہ شاہ صاحب لکھنؤ سے ہٹ کر شاہ جہان پور پہنچے۔ شاہزادہ فیروز، جنرل بخت خاں، تجمل حسین خاں رئیس فرخ آباد، جنرل اسمٰعیل خاں (فتح گڈھ)، نانا راؤ پیشوا، غرض تمام ہی سرغنہ جنھوں نے بار بار شکست اُٹھانے کے بعد بھی ہمت نہیں ہاری تھی اور جو پورے عزم کے ساتھ طے کرچکے تھے ع

یا جاں رسد بجانا یا جاں زتن برآید

یہ سب جمع ہوگئے۔ شاہ جہان پور میں جو معرکے ہوئے، اُن کا مختصر تذکرہ واقعات شہاجہان پور کے سلسلہ میں پہلے گذر چکا ہے، اور جب یہاں بھی ناکامی ہوئی تو شاہ صاحب اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ قصبہ محمدی پہنچے اور یہاں از سرِ نو تنظیم کی۔ ایک عارضی حکومت بھی قائم کرلی۔ جس کی کابینہ کے ارکان یہ تھے:

جنرل بخت خاں	وزیر جنگ
مولانا سرفراز علی صاحب	قاضی القضاۃ (جیف جسٹس)
نانا راؤ پیشوا	دیوان (وزیر مال)

مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب اکبر آبادی، مولانا فیض اللہ

صاحب بدایونی، شاہزادہ فیروز شاہ — ارکانِ حکومت۔

سکّہ زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ

حامیِ دین محمد احمد اللہ بادشاہ

پھر کیا ہوا؟ تاریخ شاہ جہان پور اور صحیفۂ زریں کے حوالہ سے مفتی انتظام اللہ شہابی تحریر فرماتے ہیں:

ابھی شاہ صاحب پوری طرح جمنے نہ پائے تھے کہ سر کالن کیمبل نے قصبہ محمدی پر حملہ کر دیا۔ خوب خوب مقابلہ رہا۔ شاہ صاحب کے ہٹتے ہی محمود خاں(۲۵) معہ حضرت محل اور نانا راؤ، عظیم اللہ خاں اور بخت خاں وغیرہ نیپال کی طرف چلتے ہوئے۔

لیکن شاہ صاحب نے پوائیں کا رُخ کیا جو بنڈیل کھنڈ اور اودھ کی سرحد پر شاہ جہان پور سے شمال مشرق تقریباً ۱۸ میل ہے۔ راجہ پوائیں اگر تعاون کے لئے آمادہ ہو جاتا تو شاہ صاحب کو پھر سانس لینے کا موقع مل سکتا تھا۔ مگر اُس نے غداری کی۔ اوّل وہ آپ سے گفتگو کے لئے آمادہ ہوا، اور جب شاہ صاحب گفتگو کے لئے پہنچے تو راجہ نے اپنی گڑھی کا پھاٹک بند کر لیا اور اُوپر سے گولیوں کی بوچھاڑ کر کے شاہ صاحب کو شہید کر دیا۔ اب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی کا بیان ہے کہ:

راجہ بلدیو سنگھ نے سر مبارک جسم اطہر سے اُتارا، اور صاحب کلکٹر بہادر شاہ جہانپور کے سامنے پیش کر دیا جو عرصہ تک کوتوالی پر لٹکا رہا۔ نعش کو آگ میں پھونک دیا۔ اس پر سرکار برطانیہ نے پچاس ہزار روپیہ نقد اور خلعتِ فاخرہ راجہ پوائیں کو عطا کیا۔ یہ واقعۂ شہادت ۵/جون ۱۸۵۸ء مطابق ۱۳/ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو پیش آیا۔ دریا پار محلّہ جہاں آباد متصل احمد پور مسجد کے پہلو میں سر دفن کر دیا گیا۔ مولوی سیّد طفیل احمد صاحب (علیگ مصنف روشن مستقبل و حکومت خود اختیاری) نے کتبۂ تاریخ نصب کرا دیا۔ (۲۶)

شاہ صاحب کے متعلق جو لکھا گیا، اس کی تصدیق کے لئے چند انگریز مؤرخین کے بیانات ملاحظہ فرمائیے۔ چارلس نال لکھتا ہے:

ایک لمبا، لاغر مگر مضبوط آدمی، دُبلے جبڑے، لمبے پتلے ہونٹ، اُونچا بانسہ، بڑی بڑی آنکھیں، تیغ نما ابرو، لمبی داڑھی، سخت کالے بالوں کی زُلفیں دونوں کانوں پر پڑی رہتی تھیں۔

چارلس نال حلیہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس مولوی کو انگریزی حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمال مغربی صوبجات میں ظاہرً ا مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکے تھے۔ لیکن فرنگیوں کے لئے یہ راز ہی رہا۔

اپنے سفر کے دوران وہ ایک عرصے تک آگرہ میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر شہر کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل وحرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصہ بعد یقین ہوگیا، کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کررہے ہیں لیکن پھر بھی اُن کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے۔ آخرکار جب بغاوت رونما ہوئی اور فیض آباد کے فوجیوں میں بھی یہ لوگ پہنچے تو یہ مولوی جو سابقاً غیر منظّم طریقے پر اپنے مریدوں کو اُبھار رہا تھا، گارڈ کی نگرانی میں تھا۔ ہنگامہ کرنے والوں نے اُن کو چھڑا کر اپنا سردار بنالیا۔ اس طرح مولوی صاحب ایک طاقت ور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔ اگرچہ کچھ عرصہ تک دوسرے باغی سرداروں کی طاقت چھپی رہی لیکن اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا لیکن یہ قابل آدمی تھا، اور ظلم کے دھبے سے پاک تھا جو نانا صاحب کے انتقامی جوش کی خصوصیت تھی، اس سے یہ بالکل پاک صاف تھا۔ اس لئے برطانیہ بھی ایک حد تک ان کو اچھا اور قابل نفرت نہیں سمجھتی تھی۔ (۲۷)

جنرل ٹامسن جو ایک بہادر انگریز تھا اور ہنگامۂ ۱۸۵۷ء میں شریک تھا، شاہ صاحب کی بابت لکھتا ہے:

مولوی احمد اللہ شاہ بڑی لیاقت وقابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اُس کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ یہ عزم کا پکا، ارادہ کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اُس نے دومرتبہ سر کالن کیمبل کو میدانِ جنگ میں ناکام رکھا۔ وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محبّ وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی برپا ہوگئی ہو، سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں، تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محبّ صادق تھا۔ اُس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا وہ بہادرانہ اور معجزانہ طور پر ان سے معرکہ آرا ہوا جنھوں نے اُس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی

ساری قومیں اس کو تعظیم وادب کے ساتھ جو شجاعت وصداقت کے لئے لازمی تھیں اور جن کا مستحق تھا، اس کو یاد کریں گی۔ (۲۸)

فارسٹر کا ایک اور نذرانۂ عقیدت ملاحظہ فرمائیے:

جن کو فیض آبادی مولوی کہا جاتا ہے، اُن کے متعلق یہ بتادینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا۔ رُوحانی طاقت کی وجہ سے صوفی اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ اس کی طبیعت ظلم سے پاک تھی۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ (۲۹)

رفقاء

مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی نے چند اسماء گرامی اس عنوان کے تحت نقل کیے ہیں۔ ان فداکارانِ حریت کے نام ہم بھی زیبِ صحیفہ کرتے ہیں:

امیر احمد، شاہ آفاق، قطب شہید، رستم علی، اسمٰعیل خاں، غلام محمد خاں، کفایت اللہ تلہری، فرقان علی، محمد شاہ خاں شہید، سعد اللہ خاں شہید، نور احمد، احمد یار خاں تحصیل دار، نواب غلام قادر خاں (بٹول) عبدالرؤف خاں۔

اکثر انڈمان بھیجے گئے۔ کچھ کو دار نصیب ہوئی۔ کچھ گوشہ گیر ہوئے۔

نہ شیشہ، نہ مے، نہ ساقی رہا
فقط شکوۂ بخت باقی رہا

❁ ❁ ❁

حواشی:

(۱) واقعات ۱۸۵۷ء کے ممتاز مؤرخ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی جن کی مشہور اور مسلّم تصنیفات سے اس مضمون میں خوشہ چینی کی گئی ہے، چنیاپٹن کی تاریخ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''پامان گھاٹ'' کے راجہ رانل کے زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارندوں نے کاسری کے زمیندار اور اُس کے دیوان سے اتحاد واتفاق کرکے دریائے شور کے کنارے تجارت گاہ تعمیر کرنے کے لئے ایک موضع ''مکدراس کویم'' حاصل کیا۔ جو تعلقہ ''پونا ملی'' سے متعلق تھا۔ راجہ نے اس کی سند طلائی لوح پر کندہ کراکے کارندوں کے حوالہ کی اور ایک ہزار دوسو 'ہون' سالانہ اس کا پیش کش مقرر کیا، اور موضع کی مناسبت سے اس کا نام 'مدراس' رکھا۔ کچھ دنوں بعد چند مواضع اور حاصل کرلئے گئے۔ چم، نایک، کویم، ارپوکم اور پپل پنہ۔ یہ بھی تعلقہ پونا ملی سے متعلق تھے۔ چم، نایک، کویم چونکہ مدراس کی آبادی میں شامل کرلئے گئے تھے، اسلئے قدیم نام کی مناسبت سے اس کا نام 'چنیاپٹن' رکھا گیا۔

(۲) جی، ڈبلیو، فارسٹر کی شہادت ملاحظہ فرمایئے:

وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا اور جنگی مہارت کی وجہ سے وہ سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ احمد شاہ نام تھا۔ ظلم طبیعت میں نہیں تھا۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ (ہسٹری دی انڈین نیوٹی)

(۳) ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے ''گولکنڈہ'' پر قبضہ کرکے قطب شاہی خاندان کا خاتمہ کیا۔ آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ تھے جو عبداللہ قطب شاہ کے داماد تھے۔ جب اس خاندان میں حکومت نہ رہی تو ابوالحسن کے پوتے ''چنیا پٹن'' جا بسے اور وہاں کے نواب کہلائے۔ اس خاندان کے نامور بزرگ سید جلال الدین عادل تھے۔ رحمۃ اللہ (مفتی انتظام اللہ شہابی)

(۴) مولوی احمد اللہ شاہ اور پہلی جنگ آزادی، از مفتی انتظام اللہ شہابی۔

(۵) ایضاً ص: ۱۰۔

(۶) ایضاً ص: ۱۰۔

(۷) نواب وزیر الدولہ نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیلؒ صاحب شہید سے تربیت پائی تھی۔ یہ بزرگ سماع کے سخت مخالف تھے۔ پھر نواب صاحب موصوف حضرت مولانا سید نصیر الدین صاحب دہلوی سے بیعت ہوئے تھے۔ مولانا نصیر الدین صاحب بھی حضرت سید صاحب شہید سے تربیت یافتہ اور اُن کے خلفاء میں سے تھے۔ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

(۸) منشی ذکاء اللہ خاں صاحب کی شہادت پہلے گذر چکی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے جہاد میں شریک ہونے والے وہابی مجاہدین سب سے زیادہ ٹونک سے آئے تھے جن کی تعداد دو ہزار تھی۔

(۹) آپ گوالیار کے ایک رئیس کے یہاں پیادوں میں ملازم تھے۔ رئیس کا نام سردار ستولے تھا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص: ۹)

(۱۰) مولوی احمد شاہ اور مفتی انتظام اللہ صاحب۔

(۱۱) چند صفحات بعد آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ آگرہ میں مولانا سید احمد اللہ شاہ کے ہم نواؤں پر ایک مقدمہ چلایا گیا تھا۔ مارچ ۱۸۵۰ء میں ابتدائی عدالت سے اس کا فیصلہ سُنایا گیا۔ مولانا سید احمد اللہ شاہ صاحب دہلی سے آگرہ تشریف لے گئے تھے۔ آگرہ پہنچ کر حلقۂ اثر قائم کرنے اور اس درجہ رسوخ حاصل کرنے میں (کہ حکومت اُن کے اُن ہمنواؤں پر جو حکومت کے اعلیٰ منصبوں پر فائز تھے مقدمہ چلانے پر مجبور ہوئی) تین چار سال یقیناً صرف ہوئے ہوں گے۔

(۱۲) مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی آگرہ کے قدیم باشندے تھے۔ آپ سے زیادہ آگرہ کے حالات اور ماضی قریب کی تاریخ سے کون واقف ہوسکتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

جاٹوں اور مرہٹوں کے زمانہ میں آگرہ کی حالت بیحد زبوں ہوچکی تھی۔ (۱) مُلا ولی محمد شاہ کی درس گاہ محلّہ بالوگنج میں تھی۔ مولوی شمس الضحیٰ اور مولوی بدرالدّجی اور میر اعظم علی اعظم اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل عالم تھے۔ (۲) مولوی محمد معظم جن سے مکتب میں مرزا غالب نے پڑھا۔ (۳) میاں نظیر کا مکتب محلّہ مائی تھان میں تھا۔ یہاں ہندوؤں کے چند بچے تعلیم پاتے تھے۔ حکیم غلام قطب الدین خاں باطن (صاحب نغمۂ عندلیب) وخلیفہ گلزار علی اسیر یہ اُن کی درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ (۴) مولوی امجد علی اصغر کا مدرسہ محلّہ تاج گنج میں تھا۔ یہ تھی کل کائنات اکبرآباد کے درس وتدریس کی۔ گنتی کے چند لوگ پڑھے لکھے تھے قاضی سید باسط علی خاں ہمدانی آگرہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ مرہٹوں نے اُن کو معزول کرکے للّو بھٹ کو قاضی القضاۃ بنادیا۔ باسط علی خاں مرافعہ کرنے شاہ عالم ثانی کے پاس دلی پہنچے۔ البتہ مرہٹوں نے کچھ خانقاہوں کو جاگیریں ضرور دیں۔ بہرحال حکمران طبقہ کا اثر یہ تھا کہ مسلمان شعائر اسلامی سے دُور ہٹ گئے تھے۔ نماز روزہ کی طرف سے تغافل برتا جاتا تھا۔ متولیانِ مسجد جامع اکبری نے مسجد کی زیریں دکانیں ہندوؤں کے ہاتھ رہن رکھ دی تھیں۔ جامع مسجد کا مصرف صرف یہ رہ گیا تھا کہ اس کے صحن میں کبوتروں کی قلقلیں کھڑی کی جاتی تھیں اور سوتی رسی بٹنے کے کرگھے لگے ہوئے تھے۔ بیچ کے در میں چند چٹائیاں پڑی رہتی تھیں۔ گنتی کے لوگ نماز پڑھتے تھے۔ جمعہ

کی نماز میں بیس پچیس مسلمان شریک ہوتے تھے۔امیر الامراء ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے زمانہ سے البتہ تعزیہ داری کا رواج بڑھ گیا تھا۔تعزیوں پر عرضیاں چڑھتیں۔ چڑھاوا صدہا روپیہ کا چڑھتا۔تعزیہ کا ساتویں اورنویں کی شب میں ''ناف شہر'' کا گشت کرایا جاتا تھا۔عمائدشہر باندھ کر ساتھ ساتھ تعزیہ کے ساتھ چلتے اور کاندھا دیتے۔دسویں کی صبح الوداع پڑھی جاتی۔ہزارہا مسلمان عورت مرد جمع ہوتے تھے حتیٰ کہ مولانا غلام امام شہید الوداع پڑھتے تھے۔بچوں کو تعزیہ پر رہن رکھا جاتا وغیرہ وغیرہ۔مسلمانوں میں عام طور سے ہندوانی رسوم کی گرم بازاری تھی۔دیوالی اور ہولی میں برابر ہندوؤں کے شریک ہوتے۔اس کیفیت کا پورا نقشہ میاں نظیر نے اپنی نظمیات میں کھینچا ہے۔اُن کے پوتے سوانگ بھرتے تھے اور شہر کا گشت لگاتے۔سیتلا کے مندر کے ہندو اور مسلمان ہر دو مجاور اور مہنت چڑھاوے کے برابر کے حصہ دار ہوتے تھے۔یہی حال کمال خاں کے کنویں کا تھا۔یہ تھی عام حالت مسلمانوں کی۔صدر نظامت ۱۸۲۵ء میں الہ آباد سے آگرہ آیا تو علماء جو وابستگانِ صدر تھے وہ بھی ساتھ آئے۔تب یہاں علماء کی صورتیں نظر آنے لگیں۔پہلے جمعہ میں مولی سراج الاسلام پیش کار نے نماز جمعہ پڑھائی تو اسّی (۸۰) آدمی اس میں شریک تھے۔ تمام شہر میں یہ شہرہ تھا کہ عظیم الشان جمعہ ہوا (مولوی احمد اللہ شاہ از مفتی انتظام اللہ شہابی،ص:۱۲تا۱۴)

(۱۳) مولوی احمد اللہ شاہ از مفتی انتظام اللہ شہابی،ص:۱۵۔

(۱۴) مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی راوی ہیں کہ شاہ صاحب کے یہاں محفل سماع کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔مریدین پر توجہ ڈالی جاتی۔ادھر لوہے کے کڑاہوں میں کوئلہ کے انگارے بھرے رہتے تھے۔وہ مجلس میں پھیلا دیئے جاتے تھے۔اُن پر مریدین لوٹتے تھے۔آگ اُن پر بالکل اثر نہ کرتی تھی۔میری پھوپھی محترمہ عمدۃ النساء زوجہ خواجہ غلام غوث خاں بہادر ذوالقدر بیخبر الہ آبادی فرمایا کرتی تھیں کہ اُن کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم پر شاہ صاحب کی خاص توجہ تھی اور وہ اُن کے مرید تھے۔وہ بھی شریک محفل سماع ہوتے اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر مثل ماہی بے آب تڑپتے،مگر جسم پر نشان تک نہ پڑتا۔(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء،ص:۲۳)

(۱۵) روشن مستقبل،ص:۸۰(بار چہارم)

(۱۶) سعد الاخبار،ص:۱۴۸ جلد اوّل مورخہ ۱۷؍جمادی الاوّل ۱۲۶۶ھ مطابق مارچ ۱۸۵۰ء ۔

(۱۷) خان بہادر مفتی انعام اللہ ابن مفتی محمد اسحاق سہروردی ابن مفتی محمد ولی نبیرہ ملّا وجیہ الدین (یکے از ترتیب دہندگان فتاویٰ عالمگیری)۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔والد ماجد سے علوم عربی کی تحصیل کی۔فراغت کے بعد لکھنؤ گئے۔عرصہ تک نظامت کی تمنا میں رہے۔ناکامی پر مرشد آباد گئے۔پھر کلکتہ پہنچے۔وہاں سر ایڈورڈ کولبرک سے تعلق ہوگیا۔ان کا لڑکا مسٹر شیران اُن سے فارسی پڑھتا تھا۔کولبرک دلی کے ریزیڈنٹ مقرر ہوئے تو مفتی صاحب اس کے ہمراہ دلّی آئے۔اُس نے اپنے محکمہ کا سررشتہ کردیا۔عرصہ تک وہاں رہے۔محکمہ قضا میں بعہدہ وکالت (مفتی) مقرر ہوئے۔جس زمانہ میں صدر نظامت الہ آباد میں قائم ہوا،محکمہ قضا شکست ہوگیا۔آپ الہ آباد آئے اور محکمہ صدر میں وکیل مقرر ہوئے۔صدر آگرہ آیا تو آپ بھی اس کے ہمراہ آگرہ آگئے۔۱۲۶۶ھ عہدہ دارانِ صدر پر رشوت کا مقدمہ چلایا گیا،تو آپ کو بھی اس الزام میں معطل کردیا گیا کہ آپ کے یہاں سے کچھ خطوط برآمد ہوئے تھے۔اپیل میں آپ بحال کردیئے گئے لیکن آپ اس تعلق سے خاطر برداشتہ ہوچکے تھے۔بحالی کے بعد آپ نے استعفیٰ دیدیا۔پھر آپ نواب وزیر الدولہ کے پاس ٹونک چلے گئے۔وہاں آپ کو بندوبست کا مہتمم بنادیا گیا۔وہیں سے آپ حضرت مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کو امداد پہنچاتے رہے۔انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ۲۱؍ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء کو آپ کا انتقال ہوا۔(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء،ص:۲۷و۲۸)

(۱۸) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء،ص۲۷۔

(۱۹) ایضاً ص:۳۳۔

(۲۰) مولانا رحمان علی صاحب مصنف تذکرہ علماء ہند نے آپ کا پورا نام امیر الدین علی لکھا ہے۔وطن عزیز امیٹھی تھا۔یہی اجودھیا جہاں ۱۹۵۰ء سے بابری مسجد کا قصہ چل رہا ہے کہ ہندوؤں نے اس بناء پر کہ اس مسجد کے ایک حصہ کو وہ رام چندر جی کا

رسوئی گھر کہتے ہیں، اس پر قبضہ کرکے اس میں مورتی رکھ دی ہے، مسلمان اس کے خلاف قانونی کارروائی کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ مقدمہ چل رہا ہے۔ اسی اجودھیا میں ایک قطعہ کا نام ہنومان گڑھی ہے جہاں عالمگیر کی بنوائی ہوئی ایک قناتی مسجد تھی۔ سو سال پیشتر ۱۸۵۵ء میں بھی یہاں یہی شورش ہوئی تھی۔ چنانچہ اس قناتی مسجد پر اور ساتھ ہی بابری مسجد پر ہندوؤں نے قبضہ کرلیا تھا۔ واجد علی شاہ کا دَورِ حکومت تھا۔ وہ بذاتِ خود کمزور ہو یا مضبوط۔ مگر اس کی حکومت کے ساتھ انگریزی ریزیڈنٹ کے غیر معمولی اقتدار اور جابجا مداخلت نے جو دوعملی کررکھی تھی، اُس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نظامِ حکومت معطل اور مفلوج ہوکر رہ گیا تھا۔ اجودھیا اور اس کے قرب وجوار کے ہندوؤں نے بذاتِ خود یا کسی کے ایما سے اس کمزوری کا فائدہ اُٹھایا اور من مانی کارروائی کرلی۔ واجد علی شاہ کے عُمّال نے اس دست درازی کو ختم کرنا چاہا تو آس پاس کے زمیندار اور بااثر ہندو مقابلہ پر آگئے۔ واجد علی شاہ کے افسروں کے پاس مصالحت کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔ لیکن مسلمان ایسی صلح پر راضی نہ تھے جس کے نتیجہ میں اُن کو مسجد سے دستبردار ہونا پڑے۔ چنانچہ غلام حسین شاہ کی زیر قیادت مسلمانوں کی ایک جماعت خانۂ خدا کو دوبارہ اذان ونماز سے آباد کرنے کے لئے وہاں پہنچی۔ اُن کے رفقاء اور معاونین میں مولوی محمد صالح، حسن علی خاں ابن احسان علی خاں رسالدار، رستم علی خاں و بہادر علی خاں کسی قدر ذی حیثیت اور نمایاں تھے۔ باقی ساتھی وجاہت دُنیا سے بے نیاز، شوقِ شہادت سے سرشار تھے۔ انگریز اور ہندوستانی افسر بھی پولیس اور فوج کی جمعیت کے ساتھ وہاں پہنچے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان سب کی موجودگی میں ان تمام مسلمانوں کو جو مسجد میں دو تین روز سے بھوکے پیاسے پڑے تھے، ذبح کردیا گیا۔ ان کی تعداد ۲۶۹ بتائی جاتی ہے (قیصر التواریخ جلد دوم، ص:۱۱۲ و تاریخ اودھ جلد ۵، ص:۲۰۶) عذر یہ کیا گیا کہ حملہ آوار ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی جس پر پولیس اور فوج کی موجودہ تعداد قابو نہیں پاسکتی تھی۔ یہ حادثہ ۱۲/ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ، ۲۸/جولائی ۱۸۵۵ء کو پیش آیا۔ بلغ العُلیٰ بکمالہٖ (۱۲۷۱ھ) سے اس کی تاریخ نکالی گئی۔ بہرحال اس ہنگامہ سے پورے ہندوستان میں بے چینی پھیل گئی۔ واجد علی شاہ کی حکومت نے کچھ ہندوؤں سے معذرت کرا کرا اور کچھ تحقیقات کا سلسلہ شروع کرا کرا اس قصہ کو رفع دفع کرانا چاہا۔ مگر دوسری طرف عام اضطراب جو دن بدن بڑھ رہا تھا۔ بقول سیّد کمال الدین حیدر حسنی الحسینی مصنف قیصر التواریخ، جب فساد و ہنگامۂ ہنود بڑھا اور بظاہر ثابت ومتحقق ہوا کہ رعایت و پاسداری ہنود بطمع دنیا اراکین دولت کو منظور ہے۔ مولوی سیّد امیر علی بندگی میاں کے پوتے ساکن قصبہ امیٹھی نسبتی بھائی شیخ حسین علی کارندہ راجہ نواب علی خاں رئیس محمود آباد، بہ سبب جوشِ حرارت اہلِ اسلام چاہا کہ دفع توہین اسلام کریں۔ چنانچہ پہلے سندیلہ میں اہلِ اسلام نے مولویوں کی تحریک سے بعد مشورہ اجماع کمر جہاد پر باندھی۔ (قیصر التواریخ، ص:۱۲۰)۔ بہرحال یہ پس منظر تھا مولوی امیر علی شہید کے جہاد کا۔ مولانا امیر علی رحمۃ اللہ علیہ نے جب علم جہاد بلند کیا تو مولانا رحمان علی کے الفاظ میں، علماء سُنّی وشیعہ بہ پس وپیش افتادند کسے بفقدانِ شرائطِ فرضیتِ جہاد لب کشادہ، دیگرے شرط امامت پیش نہادہ۔ علماء کی یہ پس وپیش اور واجد علی طفل تسلّی اور لیت ولعل جاری رہی۔ مگر جو موت کو زندگی پر ترجیح دے چکا تھا۔ جس کو مولانا رحمان علی صاحب امیر المجاہدین فرماتے ہیں وہ ''عزم بالجزم بسوئے مقصود کردہ روانہ شد''۔ واجد علی شاہ اب بھی پس وپیش ہی میں تھے۔ ریزیڈنٹ نے کپتان بارلوگی کو حکم دیا وہ لشکرِ جرّار اور توپ خانہ لے کر پہنچا۔ شجاع گنج میں تمام مجاہدین کا محاصرہ کرکے توپ دم کردیا۔ مجاہدین کی تعداد چھ سو تھی۔ سب ہی شہید ہوگئے۔ مگر مقابلہ بھی ایسا کیا کہ توپوں کی زد میں ہونے کے باوجود اپنے سے دو چند ۱۲۵۰ کو مقتول و مجروح کردیا۔ خاص معرکہ کے وقت کسی ارادت مند نے حضرت شاہ امیر علیؒ سے عرض کیا۔ حالات اچھے نہیں۔ کسی محفوظ مقام پر نکل چلئے۔ شہید کی زبانِ حق ترجمان نے فوراً جواب دیا۔ ''سرِ میدان کفن بردوش دارم''۔ عجیب اتفاق، شہادت کے بعد تاریخ کی جستجو ہوئی تو یہی مصرعہ موزون ہوا منشی ظہیر الدین خلف منشی مسعود بلگرامی نے اس کی تظمین کرکے یہ قطعہ بنادیا۔

بتاریخ شہیدانِ کفن پوش — چہ حاجت تاسنش من برنگارم

کہ خود فرمود آں میرِ شہیداں — سرِ میدان کفن بردوش دارم

(تذکرہ علماء ہند، ص:۳۰) ۱ ۲ ۷ ۱ ھ

(۲۱) بے شک یہ حضرت شاہ صاحب کی گفتگو اور اُن کی قوتِ ارادی کا اثر ہے کہ حضرت مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کی زندگی میں انقلاب برپا ہوگیا۔ لیکن یہاں حضرت مولانا صدرالدین صاحب آزردہ کی فرزانگی اور دُوراندیشی کی بھی داد دینی چاہئے کیونکہ اگر زمامِ قیادت حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کے کسی جانشین کے ہاتھ میں ہوتی، اور مرکز دہلی ہوتا تو شاید مولانا خیرآبادی میں یہ انقلاب اب بھی برپا نہ ہوتا۔

(۲۲) باغی علماء، ص:۳۸

(۲۳) لکھنؤ میں مولانا احمد سعید سبط شاہ غلام علی نے عَلمِ محمدی اُٹھا رکھا تھا اور عوام میں عام بے چینی پیدا ہوگئی تھی مگر کرتا دھرتا کوئی نہیں تھا۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے پہنچتے ہی ہر ایک ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا اور تمام منتشر مجاہدین آپ کے پاس جمع ہوئے۔ سرہنری لارنس چیف کمشنر لکھنؤ نے حتی الوسع بغاوت کو فرو کرنا چاہا مگر سعی بے نتیجہ رہی۔ (باغی علماء، ص:۳۸)

(۲۴) جولائی ۱۸۵۷ء کو رسالدار سیّد برکات احمد اور راجہ لال سنگھ اور شہاب الدین وغیرہ نے شہزادہ مرزا برجیش قدر خلف واجد علی شاہ کو اودھ کا بادشاہ بنا کر تخت پر بٹھا دیا۔ مسند نشینی کے وقت جہانگیر بخش صوبہ دار توپ خانہ فیض آباد نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی دی۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم علی خاں کو خلعت وزارت عطا ہوا۔ جرنیلی کا خلعت حسام الدولہ کو ملا۔ مگر کل وجزو کے اختیارات ناصرالدولہ علی محمد خاں عرف مموخاں کے ہاتھ میں تھے۔ (باغی علماء، ص:۳۸)

(۲۵) مموخاں، اصل نام علی محمد خاں، داروغہ دیوان خاص۔ برجیش قدر کو مسند حکومت تک پہنچانے میں ان کی کوشش کو خاص دخل تھا۔ حضرت محل کے خاص معتمد تھے۔ مگر اس عارضی شوکت واقتدار کے دور میں بھی زیادہ ستانی اور خویش پروری کی شکایت رفع نہیں ہوئی، بلکہ زیادہ ہوگئی جس کی بناء پر حضرت مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کو بار بار مداخلت کرنی پڑی۔ جس کی وجہ سے مموخاں حضرت شاہ صاحب سے بھی برگشتہ ہوگیا تھا۔ حضرت محل کے ساتھ لکھنؤ سے نکلا اور جب حضرت محل اور برجیش قدر نیپال روانہ ہوئے تو یہ بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ دونوں ماں بیٹوں کو نیپال کے افسروں نے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دی۔ اُن کے لئے بطور مدد معاش ایک ہزار روپیہ ماہانہ جاری کردیا۔ مگر مموخاں کی آشفتہ مزاجی اور تندخوئی اس نازک موقع پر بھی ختم نہ ہوئی۔ اُس نے نیپالی افسروں سے ایسا انداز اختیار کیا کہ انھوں نے مموخاں کو اجازت نہیں دی۔ دوسرے سپاہیوں کی طرح یہ بھی انگریزوں کی گرفت میں آگیا۔ گرفتار ہوا۔ مقدمہ چلا۔ مموخاں نے انگریزوں کی وفاداری کے ثبوت میں بہت سی چٹھیاں بھی جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ملی تھیں، پیش کیں۔ بڑے شدومد سے دعویٰ کیا کہ میر واجد علی جس کو کمپنی نے دس لاکھ روپیہ عطا کیا ہے میرا نائب تھا۔ اُس نے جو کچھ انگریزوں کی وفاداری میں کارروائیاں کیں وہ سب میرے مشورہ سے کیں۔ بہرحال ان تمام صفائیوں کا نتیجہ اتنا ہی برآمد ہوا کہ پھانسی کی سزا منسوخ ہوئی۔ چندسال کی قید تجویز کی گئی۔ مگر آپ نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ کوشش ناکام رہی۔ دوبارہ گرفتار ہوئے اور انڈمان بھیج دیئے گئے۔ تقریباً پانچ سال جزیرہ انڈمان میں گذارے۔ پھر سراوک بھیج دیئے گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔ (قیصرالتواریخ جلد دوم، ص:۳۶۷ و ۳۶۸ وتواریخ عجیب، ص:۴۳ و ۴۴)

(۲۶) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص:۴۹۔

(۲۷) انڈین میونٹھ۔ از جی، ڈبلیو فارسٹر اسکولر، ص:۲۴؛ باغی علماء، ص:۴۳۔

(۲۸) تاریخِ شاہ جہان پور بحوالہ باغی علماء، ص:۴۹ و ۵۰۔

(۲۹) ہسٹری دی انڈین نیوٹی۔

❁ ❁ ❁

تحریر میں رموز اوقاف کی اہمیت وضرورت

از: فاروق اعظم عاجزؔ کھگڑیاوی
شعبہ انگریزی، دارالعلوم دیوبند

انسان جب آپس میں گفتگو کرتا ہے، تو اس کے مختلف اسلوب وانداز ہوتے ہیں، بات کبھی مثبت ہوتی ہے تو کبھی منفی، کوئی لمحہ غم کا ہوتا ہے تو کوئی خوشی کا، لہجہ کبھی سخت ہوتا ہے تو کبھی نرم، کوئی بات اسے تعجب میں ڈالتی ہے تو کبھی اسے خوف کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ غرض کہ روزمرہ میں نرمی، سختی، خوشی، غم، تعجب، استفہام، خوف، غصہ؛ اس طرح کے نشیب وفراز اور اتار چڑھاؤ پائے جاتے ہیں اور یہی حال قلم کا بھی ہے؛ اس لیے کہ قلم بھی انسان کی خاموش زبان ہے اور زبان کے ذریعہ نکلنے والے دلی احساسات وجذبات کا ترجمان بھی۔

انسان جہاں اپنی گفتگو کو مؤثر بنانے کے لیے اس کے آداب کی مکمل رعایت کرتا ہے، وہیں اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ زبان کے ساتھ اپنے قلم سے نکلی ہوئی تحریر میں بھی اس کو ملحوظ رکھے؛ اس لیے کہ ایک قلم کار اپنی تحریر کے ذریعہ دنیا کو عظیم پیغام دیتا ہے اور اپنے طبقہ کو ترقیات کے بامِ عروج پر دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے؛ اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک کہ آلہ کو آلہ کے اصول کے مطابق نہ چلایا جائے، یعنی قلم بھی ایک آلہ؛ بلکہ ابلاغ کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور اس کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں جن کی رعایت ناگزیر ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فصیح وبلیغ ہوا کرتا تھا جس کی شہادت قرآن میں صراحتاً موجود ہے۔

قلم کے مسافر کے لیے جس طرح دیگر اصول وضوابط کی ہم رکابی ضروری ہے، اسی طرح اپنی تحریر میں ''رموز اوقاف'' کا توشہ بھی ناگزیر ہے؛ اور نہ صرف رموز اوقاف کی محض معلومات؛ بلکہ ان کا برمحل استعمال مقصود ہے۔

آج ایک طبقہ تو شاید ''رموز اوقاف'' کے رموز سے واقف ہی نہیں اور اگر ہے بھی، تو ان کی

رعایت ''آٹے میں نمک'' کے برابر ہے؛ ہاں ادبی تحریروں میں تو ان کی رعایت کی جاتی ہے؛ لیکن رموز اوقاف کا تعلق محض ادبی تحریروں ہی سے نہیں ہے؛ بلکہ مطلق اس کا تعلق کسی زبان کے تحریری مواد سے ہے۔

اسی جذبہ کے پیش نظر رموز اوقاف سے متعلق مختلف کتابوں۔ بطور خاص بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کی معروف کتاب ''قواعد اردو'' -کو سامنے رکھ کر چند باتیں سپرد قرطاس کی جاتی ہیں۔

تحریروں میں استعمال ہونے والی علامات اور اس کے نام:

(۱) سکتہ	(،)	(۲) وقفہ	(؛)
(۳) رابطہ	(:)	(۴) تفصلیہ	(:-)
(۵) ختمہ	(۔/.)	(۶) سوالیہ	(؟/?)
(۷) مجائیہ،ندائیہ	(!)	(۸) قوسین	(()/[])
(۹) خط	(—)	(۱۰) واوین	('' '')

سکتہ (،) ان چھوٹے چھوٹے جملوں کے درمیان اس کا استعمال ہوتا ہے جن سے مل کر ایک بڑا جملہ بنتا ہے اور ایک بات مکمل ہوجاتی ہے۔ جیسے:- استاذ محترم آئے، درسگاہ میں داخل ہوئے، کرسی پر بیٹھے اور سبق پڑھایا۔

مختلف اسما کو جوڑنے کے لیے بطور حرف عطف کے بھی استعمال ہوتا ہے؛ خواہ وہ معطوف معطوف علیہ ہوں۔ جیسے:- حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ایک ہی شمع کے چار پروانے تھے۔ یا اسم مصدر ہوں۔ جیسے:- لڑنا، جھگڑنا اور گالی دینا بری بات ہے۔ یا ایک موصوف کی کئی صفتیں ہیں، تو متعدد صفات کے درمیان اس علامت کو لائیں گے۔ جیسے: عادل ذہین، محنتی، باادب اور خوش خلق طالب علم ہے۔ اسی طرح کئی منادیٰ ہوں تو ان کے درمیان میں بھی اس کو لایا جاتا ہے۔ جیسے:- میرے بھائیو!، بزرگو! اور دوستو! ایسے ہی شرط وجزا اور صلہ وموصول کے درمیان اس کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:- جب حق آیا، تو باطل خود بخود چھٹ گیا۔ انسان وہ ہے، جس کے اندر انسانیت ہو۔

اسی طرح اس کو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے درمیان بھی لایا جاتا ہے۔ جیسے:- آج کا دور، ترقیاتی دور کہلاتا ہے، لیکن سکون مفقود ہے۔ انگریز ہندوستان سے تو گئے، مگر دو ٹکڑے کر کے۔ درسگاہ

پابندی سے آؤ، پر موبائل نہ لاؤ۔

مبتدا اور خبر کے درمیان جب موصوف اور صفت کا اشتباہ ہونے لگے، تو اس وقت سکتہ کا لانا ضروری ہے۔ مثلاً: اردو زبان میں سیرت کی سب سے شاہکار کتاب، سیرت النبی ہے۔ ہندوستان کے اسلامی مصنّفین میں ایک نمایاں نام، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا بھی ہے۔

وقفہ (؛) اس کا استعمال جملوں کے بڑے بڑے اجزا کے درمیان ہوتا ہے، جہاں سکتہ کے (،) بالمقابل زیادہ ٹھہراؤ کی گنجائش ہو۔ جیسے: ''سرخیاں بنانے کے طریقے؛ سرخیوں کی قسموں؛ ان کے لیے مطلوبہ صلاحیتوں؛ اخبار کی زینت کاری وغیرہ کے مسائل کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری کو کسی خشکی کا احساس نہیں ہوتا۔''

اسی طرح جملوں میں ''ورنہ''، ''اس لیے''، ''لہٰذا''، ''اگر چہ''، ''لیکن'' وغیرہ جیسے ربط دینے والے الفاظ سے پہلے وقفہ کی علامت ہوگی۔ جیسے: مشک کی تعریف کرنا خود اپنی قیمت کو بڑھانا ہے؛ ورنہ مشک تعریف وتوصیف سے اعلیٰ اور کہیں برتر وبالا ہوتا ہے۔ ❁ مستقل مزاجی سے تھوڑا کام بھی بہتر ہے اس کام سے جو مستقل مزاجی سے نہ ہو؛ اس لیے کسی بھی فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے استقلال ضروری ہے۔ ❁ ادب واحترام، پابندی وقت انسان کو آگے بڑھانے والی چیزیں ہیں؛ لہٰذا: ادب کے ساتھ وقت کی انمول دولت کی حفاظت کرو!۔ ❁ محنت اور جد وجہد کو نہ چھوڑو؛ اگر چہ بھوک کی تکلیف برداشت کرنا پڑے اور رات کی نیند قربان کرنا پڑے۔ ❁ دنیا روشن پیدا کی گئی ہے؛ لیکن یہی روشنی کبھی تاریکی میں بھی تبدیل ہوجاتی ہے۔

رابطہ (:) مقولہ یا کہاوت وغیرہ کو بیان کرنے کے لیے اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے: علامہ اقبالؒ نے کہا: ''دیوبندی نہ فرقہ ہے نہ مذہب، ہر معقول پسند، دین دار آدمی کا نام دیوبندی ہے''۔ سچ ہے: ''وقت ایک انمول سرمایہ ہے''۔ کہتے ہیں: ''زبان شیریں ملک گیری''۔

تفصیلیہ (:-) کسی لمبے اقتباس یا کسی فہرست کو پیش کرتے وقت اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال اب متروک سا ہوگیا ہے؛ لیکن پرانی تحریروں میں اس کا استعمال کثرت سے دیکھنے کو ملتا ہے۔ جیسے: ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے ہیں:- مسلمان، ہندو، سکھ اور عیسائی وغیرہ۔ اسی طرح جملوں میں ''خلاصہ کلام یہ ہے''، ''مختصر کلام یہ ہے''، ''غرض کہ'' کی جگہ بھی یہ کام آتا ہے۔ جیسے: ہندوستان میں مسلمان آئے، یہاں کی زمین ہموار کی، خونِ جگر سے اسے سینچا، بے شمار خوب صورت عمارتیں تعمیر کرائیں:- آج بھی بڑے بڑے فنکار محوِ حیرت

ہیں۔ایسے ہی ''مثلاً'' یا ''جیسے'' کی جگہ بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: صرف علم ہی کارآمد نہیں ہے:-ابلیس ہی کو لے لیجیے!

ختمہ (-/٠) اس علامت کو وقف تام بھی کہا جاتا ہے۔اس کا استعمال بات یا جملہ کے مکمل ہوجانے پر کیا جاتا ہے۔ جیسے: مذہبِ اسلام امن عالم کا عَلَم بردار ہے۔ ہندوستان گنگا جمنی تہذیب کا عظیم گہوارہ ہے۔

نوٹ: (-) یہ علامت عام طور پر اردو زبان میں مستعمل ہے؛ لیکن عربی وانگریزی زبان میں (٠) اس علامت کو استعمال کیا جاتا ہے۔

واوین ('' '') کسی مضمون میں موضوع کی مناسبت سے بعینہ کسی مصنف وادیب کے قول یا کسی کتاب کے اقتباس کو نقل کرتے وقت اس کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: ''شورش لکھتے ہیں: ایک نورانی جزیرہ ہے، جس میں فضیلتوں کے آبشار بہہ رہے ہیں، احد سونے کا پہاڑ ہے، اس کے دامن میں شہدا کی جھیل ہے، اس جھیل میں چاندی کا پانی بہہ رہا ہے اور سونے کی موجیں اچھل رہی ہیں۔'' ٹیپو سلطانؒ فرماتے ہیں: ''گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔''

اسی طرح جملوں کے درمیان میں، اہمیت کے پیش نظر، کسی خاص نام ومقام کو بھی واوین میں لکھا جاتا ہے۔ جیسے: ''عصری علوم سے مسلمانوں کو آراستہ کرنے میں ''سرسید احمد خاں'' کا اہم کردار رہا ہے جو ''علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی'' کی شکل میں آج ''ہندوستان'' میں قائم ہے''۔

فجائیہ وندائیہ (!) کسی خاص کیفیت اور جذبہ کے اظہار کے وقت یہ علامت لگائی جاتی ہے۔ جیسے: حیرت، خوف، غصہ اور حقارت وغیرہ کے وقت اس کا استعمال ہوتا ہے، ایسے ہی جذبہ کی شدت میں کمی وبیشی کے اعتبار سے ایک سے زیادہ علامتوں کا استعمال بھی ہوتا ہے۔

جیسے: سبحان اللہ! بہت خوب!، معاذ اللہ!، اللہ پناہ!، خبر لیتا ہوں!، بس کرو! رہنے دو!!، فرقہ واریت اور ملک کی ترقی!!! محال ہے۔

ندائیہ: (!) خطاب کے وقت اسی علامت کو ندائیہ کہا جاتا ہے۔ جیسے: بچو! محنت، مشقت، ادب اور وقت کی قدر تمہیں ستاروں سے آگے پہنچا سکتی ہے۔ سہیلیو! آنکھیں ترسیں گی ساری عمر ساتھ کی جھولا جھولنے والیوں کو، دل ڈھونڈے گا زندگی بھر پاس بیٹھ بیٹھ کر اور لیٹ لیٹ کر کہانی سننے والیوں کو!۔

سوالیہ (؟/?) کچھ پوچھنے یا دریافت کرنے کے وقت اس علامت کا استعمال ہوتا ہے۔

نوٹ: داہنی طرف سے لکھی جانے والی زبانوں میں اس کی علامت اس طرح (؟) ہوگی۔ جیسے: عربی، فارسی اور اردو وغیرہ، اور بائیں طرف سے لکھی جانے والی زبانوں میں اس طرح (?) مثلاً: آپ کا نام کیا ہے؟ تقریر میں عطاء اللہ شاہ بخاری اور تحریر عبدالماجد دریا آبادی بننا چاہتے ہیں؟ عقابی روح آپ کے اندر بیدار ہے؟ کبھی آپ نے سوچا؟ کہ آپ کی منزل آسمانوں میں ہے؟۔

خط (—) جملہ معترضہ کے لیے اس کو کام میں لایا جاتا ہے۔ جیسے: جگن ناتھ آزاد اور فراق گورکھپوری کا کہنا ہے- اگرچہ ان کی اپنی رائے ہے- کہ علامہ اقبال شاعر اسلام نہیں؛ بلکہ شاعر اعظم تھے۔

قوسین (( )) اس کا کام بھی تقریباً وہی ہے جو خط کا ہے؛ ہاں کسی غیر مانوس لفظ کی وضاحت کے لیے عام طور پر قوسین ہی کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: وہ ''ادارہ'' (دارالعلوم دیوبند) استعماریت سے آزادی کی جنگ کا اعلان بھی تھا اور اپنے قومی مذہبی، تہذیبی تشخص کی بقا کی جدوجہد کا آغاز بھی۔ عبدالرحمان (صدر سجاد لائبریری دارالعلوم دیوبند) ذہین وفطین، محنتی اور انتہائی فعال شخص ہے۔

نقطے (.....) کسی محذوف عبارت کی جگہ اس کا استعمال ہوتا ہے؛ یعنی کسی لمبی عبارت کو نقل کرتے وقت، اختصار کے پیش نظر عبارت کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں اور بقیہ عبارت کی جگہ ان نقطوں کا استعمال کرتے ہیں؛ عام طور پر قلتِ جگہ یا قلتِ وقت کی بنا پر ایسا کیا جاتا ہے۔ جیسے: اردو شعراء کے مشہور تذکرہ نویس ''محمد حسین آزاد'' نے ''ولی دکنی'' کو شعراء کا ''باوا آدم'' کہا ہے، اور.....

اسی طرح جب کسی شعر وغیرہ کو مضمون کی سرخی بنانا ہو، اور مقصد صرف آدھے مصرع ہی سے پورا ہو رہا ہو، تو بھی نقطے کا استعمال کرتے ہیں؛ ہاں اگر مصرع کے جزو اول کو لینا ہے تو جزو آخر کی جگہ نقطے لگائیں گے، اور جزو آخر کو لینا ہو تو جزو اوّل کی جگہ اس کا استعمال ہوگا۔ جیسے:

ع- ......لوح وقلم تیرے ہیں۔ ع- من اپنا پرانا پاپی ہے......

چند علامات اور جن کا تحریروں میں کثرت سے استعمال ہے۔

(۱)	؎	علامت شعر وہندسہ	(۲)	ع	علامت مصرع
(۳)	ؔ	تخلص	(۴)	؏	علامت ہندسہ
(۵)	〃	علامت ایضاً (بھی)	(۶)	۱۲	بات ختم ہونے کی علامت
(۷)	ر	تاریخ یا اعداد شمار کے اختتام پر	(۸)	ص، صـ	صفحہ کا مخفف

(۹) ج جلد کا مخفف	(۱۰) ق م قبل مسیح کا مخفف
(۱۱) م متوفی کا مخفف	(۱۲) ف فوت کا مخفف
(۱۳) ر (وفات) رخصت کا مخفف	(۱۴) پ پیدائش کا مخفف
(۱۵) ء عیسوی کا مخفف	(۱۶) ھ ہجری کا مخفف
(۱۷) الخ الیٰ آخرہٖ کا مخفف	(۱۸) اھ انتہی کا مخفف
(۱۹) ؐ،صلعم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخفف	(۲۰) ؑ علیہ السلام کا مخفف
(۲۱) ؓ رضی اللہ عنہ کا مخفف	(۲۲) رح رحمۃ اللہ علیہ کا مخفف
(۲۳) ج/ص جلد وصفحہ کا مخفف	

رموز اوقاف کے متعلق یہ چند باتیں تھیں جو سپرد قلم کردی گئیں، اس سے پہلے بھی اس سلسلے کی بے شمار تحریریں آئی ہیں اور آئندہ بھی آتی رہیں گی؛ لیکن مقصد اتنا ہے کہ ہم اپنی تحریروں میں ان کا لحاظ کرنے لگیں۔ تحریر کے لیے جہاں تحسین خط اور صفائی ستھرائی ضروری ہے، وہاں رموز اوقاف کی پابندی بھی انتہائی ناگزیر ہے؛ ایک قلم کار کی تحریر اپنی معنویت کے ساتھ ساتھ ظاہری خوبیوں سے بھی معمور ہو، تو پڑھنے والے کا ذہن ودماغ فطری طور پر متاثر ہوتا ہے اور وہ مصنف کی بات کو لیتا ہے، اس کے پیغام سے ملنے والے لعل وجواہر سے اپنا دامن دل بھرتا ہے؛ گویا لکھنے والا جس مقصد کے پیش نظر کچھ لکھتا ہے اس میں اسے بھرپور کامیابی ملتی ہے اور ایک قلم کے شہسوار کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہوسکتی۔

❁ ❁ ❁

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۹۲	صفر المظفر ۱۴۲۹ھ مطابق فروری ۲۰۰۸ء	شمارہ: ۲

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۸۰۰ روپئے

بنگلہ دیش سے سالانہ -/۲۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۲۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

صفحہ	نگارش نگار	نگارش	نمبرشمار
۳	حبیب الرحمٰن اعظمی	حرفِ آغاز	۱
۶	ڈاکٹر محمد مسعود عالم قاسمی	ہجرت حبشہ مسلم اقلیت کے لیے اسوہ	۲
۱۹	مولانا سعید احمد جلال پوری	ٹی وی پر علماء کرام کا آنا مثبت و منفی پہلو	۳
۲۹	پروفیسر بدرالدین الحافظ	قیام دارالعلوم دیوبند کا دینی وسیاسی پس منظر	۴
۳۵	ڈاکٹر ظہورالحق	دارالعلوم دیوبند- میرے چند مشاہدات و تجربات	۵
۳۹	مفتی تنظیم عالم قاسمی	خواب کی حقیقت اوراس کے احکام	۶
۴۵	مفتی محمد شمیم اختر قاسمی	قطع حیات بہ جذبۂ رحم (Euthanasia) کی شرعی حیثیت	۷

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

۞ ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔

۞ چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔

۞ پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

۞ ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ہمارے ملک ہندوستان کو بجاطور پر دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا اعزاز حاصل ہے، جمہوریت کی مستحکم و پائیدار روایت کے سبب کوئی بھی طاقت مطلق العنان نہیں ہوسکتی، اس کے باوجود کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی جزوی واقعہ یا فرد کے ناروا اور ناپسندیدہ عمل کو سامنے رکھ کر پورے فرقہ کو نشانہ بنادیا جاتا ہے، یہ روش اور وطیرہ کبھی سیاسی حکمت عملی، کبھی سرکاری افسران کی بداعمالیوں اور کبھی دیگر اعلیٰ اداروں کے افراد کی بددیانتی کی بناء پر فروغ پارہا ہے۔ بسا اوقات یہ رویہ اس قدر قوی ہوجاتا ہے کہ تمام سماجی رویوں کو متاثر کرنے لگتا ہے، اس کی بدترین مثال دہشت گردی کے نام پر سرکاری ایجنسیوں کی کارروائیاں ہیں، جن کا نشانہ بطور خاص ملک کی سب سے بڑی اقلیت بنتی رہی ہے۔ ہماری حکومتوں کی اس عادت بدنے کہ وہ ملک کے دستور، اس کے سیکولر نظام، اور قانون وانصاف کی بجائے بیرونی طاقتوں کے چشم وابرو کو دیکھتی ہیں، صورت حال کو مزید سنگین بنادیا ہے کہ دہشت گردی کے عنوان سے پوری قوم مسلم کو مشکوک ومشتبہ بنانے کی شرمناک اور مجرمانہ پالیسی کو بروئے کار لانے کے لئے سرکاری اہل کار سرگرم ہیں، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، شیوسینا جیسی کھلی مسلم دشمن تنظیموں کی پالیسیاں سب کو معلوم ہیں، لیکن سیکولرزم اور جمہوریت پر یقین کا دعویٰ کرنے والے اور اقلیتوں کی بہی خواہی کا دم بھرنے والے جب اس سازش میں ملوث ہوجائیں تو یقیناً ہم کو زیادہ چوکنا ہونا پڑے گا، اور از سرنو اپنے رویہ کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔

ملک میں قائم دینی مدارس صرف علم دین ہی کے محافظ نہیں بلکہ انسانیت، اخلاق، تہذیب و شرافت، حب الوطنی اور وفاداری کے مضبوط قلعے ہیں، یہی ایثار وقربانی کے وہ مراکز ہیں جہاں سے جہاد آزادی کی تحریک کو اصل سرمایہ ملا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، سید احمد شہید بریلوی، مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا عبدالحئی بڈھانوی، مولانا محمد جعفر تھانیسری، مولانا سید نصیرالدین دہلوی، مولانا ولایت علی صادق پوری،

مولانا عنایت علی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا سرفراز علی گورکھپوری، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا عبدالقادر لدھیانوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداداللہ تھانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود حسن شیخ الہند، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الاسلام، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد شاہد ناصری، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، وغیرہ مجاہدین آزادی جن کی فہرست بڑی طویل ہے، انھیں دینی مدارس کے ساختہ پرداختہ تھے، جنھوں نے نہ صرف انگریزوں سے مقابلہ کیا بلکہ دوسروں کے اندر بھی اس کا جذبہ پیدا کیا، ملک عزیز کے لئے خود تڑپے اور دوسروں کو بھی تڑپایا، ملک کی عزت وآزادی کی خاطر ہر قربانی دی، اور دوسروں کو قربانی کا حوصلہ بخشا۔

یہ مدرسے صدیوں سے قائم ہیں، حکومتیں آئیں اور چلی گئیں، بساط سیاست بچھی اور لپیٹ دی گئی، لیکن حق وصداقت اور انسانیت وشرافت کے یہ قلعے محفوظ رہے، اور انشاء اللہ آئندہ بھی محفوظ رہیں گے۔

آج ان مدارس کو دہشت گردوں کا اڈہ بتانا، ان پر قدغن لگانے کے لئے ان کی فہرست تیار کرانا، ان سے منسلک طلبہ وعلماء کو بیجا طور پر پریشان کرنا اور بغیر کسی معتبر ثبوت کے انھیں گرفتار کرنا ایک ایسا گھناؤنا اور بدترین جرم ہے جسے کسی طرح برداشت نہیں کیا جائے گا، ان مدرسوں کے طلبہ کی شرافت، انسانیت اور بلند اخلاق کا اعتراف ہر ضلع اور شہر کے حکام کو ہے، ان مدارس کا کوئی طالب علم نہ بسوں کے شیشے توڑتا ہے، نہ ریلوں کی چین پلنگ کرتا ہے، نہ پتھر چلاتا ہے نہ کسی پر بیجا ہاتھ اٹھاتا ہے، نہ اس نے کسی مندر کو توڑا، نہ دھرم شالہ کو، اس نے احتجاج اور مظاہروں کے عام طریقوں کو بھی اختیار نہ کیا پھر بھی اس پر الزام تراشی، اس کو بدنام کرنے اور قومی مجرم بنانے کی سازش حکومت اور اس کے اہل کاروں کا کھوکھلا پن، اور ایک دہشت گردانہ کارروائی ہے۔ کیا حکومت کے ذمہ داروں کو ملک میں لاکھوں نہتے، اور بے گناہ مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کرنے والے مجرم دکھائی نہیں دیتے، کیا انہیں بابری مسجد شہید کرنے والوں کی دہشت گردی اور درندگی نظر نہیں آتی، دہشت گردوں کو تلاش کرنا ہے تو کورٹ سے ان مجرموں کی فہرست طلب کی جائے جنھوں نے گجرات جیسے پرامن شہر میں بربریت اور وحشیت کا ایسا ننگا ناچ کیا جس سے چنگیز اور ہٹلر کی روحیں بھی شرمشار ہوئے بغیر نہیں رہ سکی ہوں گی۔ دہشت گردوں کو تلاش کرنا ہے تو آر ایس، ایس، وشو ہندو پریشد اور شیوسینا کے اداروں میں تلاش کیا جائے، اور کیا بعید ہے کہ

دہشت گرد خود انتظامیہ میں چھپے ہوں، اور اپنی دہشت گردی کا سبق پرامن شہریوں کو نہ پڑھایا جائے ورنہ پورا ملک خون کے سمندر میں ڈوب جائے گا۔

ان مذکورہ بالا حقائق کا تقاضا ہے کہ ہم مندرجہ ذیل امور پر بطور خاص توجہ دیں:

(۱) دینی مدارس ملّی تشخص کے پاسبان ہیں، انھیں مدارس سے آپ کو علماء، فضلاء، داعی، مرشد، مفسر، محدث، فقیہ اور ملّی قائدین ملتے رہے ہیں۔ اگر ان کی عزت پر آنچ آتی ہے اور ان کا وقار مجروح ہوتا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پوری ملت کی آبرو اور عزت پر حملہ کیا جارہا ہے، جس کو ملت کبھی گوارا نہیں کرے گی۔

(الف) لہٰذا تمام مسلم خواص وعوام اور تمام تنظیموں کے ذمہ دار متحد ومتفق ہوکر جمہوری تقاضوں کے مطابق مدارس کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہوجائیں۔ اور مرکزی وریاستی حکومتوں سے مطالبہ کریں کہ وہ اعلان کردیں کہ یہ دینی مدارس انسانیت اور تہذیب وشرافت کے محافظ ہیں، ان کا دہشت گردی سے کوئی سروکار نہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ بار بار کی تفتیش کے باوجود بھی انتظامیہ کو ان مدارس میں کوئی مجرم نہ مل سکا۔

(ب) آئندہ ایسی تمام کارروائیوں کا سدباب کیا جائے تو دینی مدارس کے وقار کو مجروح کرتی ہوں، اور آئین ہند سے حاصل دینی، تعلیمی اور تہذیبی ورثہ کی حفاظت وترویج کے حق میں قدغن لگاتی ہوں۔

(۲) ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے خلاف پورے ملک میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلائی جارہی ہے، کھلے اور چھپے فسطائی عناصر ہمارے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہمیں اشتعال دلاکر اور ہمارے جذبات بھڑکاکر ہمیں پولیس اور فوج کی گولیوں کا نشانہ بنانے کی مسلسل منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔

(الف) اس صورت حال میں ہمیں ہوشیار رہنا ہے اور اپنے اندر شعور کی پختگی اور بالغ نظری پیدا کرنا ہے، اپنے دین اور سنت رسول ﷺ پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے اپنی دینی قیادت کا ساتھ دینا ہے۔

(ب) ہم اپنے عوام سے خصوصی طور پر کہتے ہیں کہ فرقہ پرست طاقتوں سے ہوشیار رہیں، اور ملک کے پرامن شہریوں سے اپنے تعلقات استوار رکھیں، ان سے کبھی بھی اشتعال کی بات نہ کریں، اور انھیں اطمینان دلائیں کہ ہمارا آپ سے کوئی اختلاف نہیں ہے، ہم اور آپ ایک کشتی کے سوار ہیں، ہمارا اختلاف اور لڑائی صرف ان طاقتوں سے ہے جنھوں نے ملک کی سیکولر قدروں کو پامال کرکے ظلم وجارحیت کو اپنا شیوہ بنالیا ہے۔

ہجرتِ حبشہ مسلم اقلیت کے لیے اسوہ

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود عالم قاسمی
صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسوۂ رسول ﷺ کی بڑی اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔ یہ اسوہ مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بھی ہے اور معیار ہدایت بھی ہے۔ اسی لیے مسلمان جہاں کہیں اور جن حالات میں ہوتا ہے اپنے مسائل کا حل رسول اللہ ﷺ کے اسوہ میں ڈھونڈتا ہے اور اپنی زندگی کا سفر اسی کی رہنمائی میں طے کرتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو راستہ سے بھٹک جائے گا، منزل اس سے دور ہوجائے گی، وہ اپنی قومی پہچان اور تہذیبی تشخص کو بھی کھودے گا اور مقصد حیات سے بھی محروم ہوجائے گا۔

اس وقت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسے ملکوں میں آباد اور مقیم ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت اور اکثریت نہیں ہے۔ اکثریت دوسری قوموں کی ہے اور حکومت بھی انھی کی ہے۔ ان میں بعض ممالک تو وہ ہیں جہاں کسی عہد میں مسلمانوں کی حکومت تھی مگر انقلاب زمانہ نے ان کی حکومت کو ختم کردیا اور ان کی جگہ وہاں کے دوسرے باشندوں نے لے لی۔ مثلاً بھارت، یوگنڈا، ہسپانیہ، گرجستان وغیرہ۔ اور بعض ممالک وہ ہیں جہاں مسلمان تلاش معاش اور ملازمت و تجارت کی خاطر گئے، وہاں جاکر آباد ہوگئے اور وہاں کی شہریت اختیار کرلی، یا وہاں کے مقامی باشندوں نے قبول اسلام کیا۔ جیسے برطانیہ، امریکہ، اسٹریلیا، جاپان وغیرہ اور بعض ممالک وہ بھی ہیں جہاں مسلمان ابتدا، ہی سے قبول اسلام کے بعد مقیم ہیں اور اقلیت کے طور پر رہ رہے ہیں، مثلاً نیپال اور چین وغیرہ۔ ان ممالک میں مسلمانوں کو مختلف قسم کے سماجی، معاشی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے مسائل ملکوں، حکومتوں اور معاشروں کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں اور بہت سے مسائل مزاج اور نوعیت کے اعتبار سے یکساں ہوتے ہیں۔ مسلمان اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے جہاں ملکی قانون اور معاشرتی طور وطریق کا سہارا

لیتا ہے وہاں وہ اپنے مذہبی حوالہ اور تہذیبی ورثہ کی طرف بھی دیکھتا ہے۔ یعنی وہ مقصد زندگی اور ضرورت زندگی دونوں میں توازن اور ہم آہنگی قائم کرکے اپنے وجود کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں رہتی اور بستی ہیں اور ایک مذہب کے بجائے کئی مذاہب اور ایک قومیت کے بجائے کئی قومیتوں کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، اسوۂ رسول سے استفادہ اور راہ نمائی حاصل کرنے کی اگر سعی کی جاتی ہے تو ہمارا ایک مذہبی طبقہ رسول کریم ﷺ کی مکی زندگی کو اسوۂ کاملہ قرار دیتا ہے، کیونکہ کفار و مشرکین کے درمیان رہ کر جن مشکلات ومصائب کا آپ نے مقابلہ کیا اور جس طرح صبر و استقامت اور حکمت کے ساتھ دین کی دعوت دی اس سے بڑھ کر کوئی اور قابل تقلید نمونہ نہیں ہوسکتا۔

دوسرا مذہبی طبقہ مدنی زندگی کو اسوۂ کاملہ کے طور پر دیکھتا ہے، کیونکہ احکام کی تکمیل، سماجی اور سیاسی اصولوں کی تطبیق اور تکمیل اسلام کا مرحلہ یہی ہے اور ہمیشہ کے لیے رہنما ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مکی اور مدنی دونوں زندگیاں احتیاج واختیار کے لحاظ سے اپنی اپنی اہمیت رکھتی ہیں اور اجتماعی معاملات میں ہمارے لیے دلیل راہ کا کام دیتی ہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا اتباع اور انطباق مومن کا نصب العین ہے۔ اس لیے اس کے ہر پہلو کو نظر میں رکھنا ضروری ہے اور ہر مرحلہ دعوت سے رہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوتی زندگی میں ایک اہم مرحلہ جو عموماً نظر انداز ہوجاتا ہے حالانکہ کثیر قومی معاشرہ میں براہ راست ہماری رہنمائی کرسکتا ہے وہ ہجرت حبشہ کا ہے۔ ہجرت حبشہ ۶۱۵ء یعنی نبوت کے پانچویں سال ہوئی تھی اور حبشہ سے مسلمانوں کی واپسی مختلف وقتوں میں ہوئی آخری وفد میں حضرت جعفر طیار مدینہ منورہ ۷ھ میں تشریف لائے۔ اس طرح حبشہ میں مسلمانوں کے قیام کی مدت اوسطاً پندرہ سال ہوتی ہے۔

محدثین اور سیرت نگاروں نے ہجرت حبشہ کا بیان اختصار سے کیا ہے۔ مہاجر صحابہ کرام کی حبشہ کی زندگی کی تفصیلات اور مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے تعلقات اور لین دین کی جزئیات کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود جو کچھ معتبر روایات اور تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے وہ بجائے خود اتنا روشن اور حوصلہ بخش ہے کہ آج ہم ان کی روشنی میں تکثیری معاشرہ میں مسلمانوں کے اجتماعی حالات کو دیکھ سکتے ہیں اور لائحہ عمل طے کرسکتے ہیں۔

ہجرت کی اسلام میں جو اہمیت ہے اس کے متعلق اتنا جان لینا کافی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اسے تمام گناہوں کا خاتمہ کرنے والا بتایا ہے۔ الاسلام یهدم ما كان قبله والهجرة

تهدم ما كان قبلها. (۱) اسلام ماقبل کے سارے گناہ ختم کر دیتا ہے اور ہجرت ماقبل کے سارے گناہ مٹا دیتی ہے۔

ہجرت حبشہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔ یہ ہجرت جن حالات میں ہوئی وہ اسلام اور پیغمبر اسلام اور جاںنثارانِ اسلام کے لیے نہایت صبر آزما اور حوصلہ شکن تھے، قریش کی مخالفت کا طوفان تضحیک، طنز اور دشنام طرازی کی حدوں سے گذر کر جسمانی اذیتوں، ناقابل برداشت زیادتیوں اور قتل و غارت گری میں داخل ہو چکا تھا، ایمان آزمائش میں اور جان خطرہ میں تھی۔ ابن اسحاق کے بیان میں اس کی ہلکی سی جھلک ملتی ہے۔

''کفار نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر دشمنی کی انتہا کردی، ہر قبیلہ اپنے اندر کے مسلمانوں پر حملہ آور تھا، وہ ان کو قید کرتا، ان کو مارتا پیٹتا اور ٹارچر کرتا، ان کو بھوکا پیاسا رکھتا اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا، جو کمزور مسلمان ہوتے ان کو اذیت دے کر دین سے باز رکھتا، چنانچہ بعض مسلمان ناقابل برداشت ظلم سے مجبور ہوکر دین سے پھر جاتے اور بعض ہمت اور حوصلہ سے کام لیتے اور اللہ ان کی حفاظت کرتا۔'' (۲)

نبی ﷺ کیلئے ان حالات میں ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو مکہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا حکم دیں۔ مگر سوال یہ تھا کہ آخر کہاں جائیں، کونسا ملک ان کو اپنے یہاں پناہ دیگا؟ جس طرح قریش اختلاف مذہب کی بنا پر قتل و غارت گری پر آمادہ تھے اسی طرح ہر ملک کے لوگ اپنے مذہب کا مخالف سمجھ کر یہی سلوک کریں گے۔ سرزمین حجاز سے ملی ہوئی سرحد ملک یمن کی تھی، آپ ﷺ اہل یمن کی حکمت کے قائل تھے اور یمن میں آپ کے بعض صحابہ بھی موجود تھے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمن ہی کے رہنے والے تھے، رسول پاک کے پاس حاضر ہوئے، ایمان لائے اور ایمان وعمل کی اصولی تعلیمات حاصل کرکے یمن واپس چلے گئے۔ (۳) مگر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو یمن ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا، کیونکہ وہاں کا حکمراں ظالم تھا، جس سال آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی اسی سال وہاں کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کیلئے مکہ پر حملہ کردیا تھا۔ حضور کے دادا عبدالمطلب نے اس موقع پر رب کعبہ سے جو التجا کی تھی اس کا یہ مشہور شعر ہے۔

لاهمّ ان العبد يمنع رحله فامنع حلالك

لا يغْلبو في صليبهم ومحالهم ابدا محالك (۴)

اے اللہ! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما، کبھی ان کی صلیب اور ان کی تدبیریں تیری تدبیروں پر غالب نہ آئیں۔

دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اہل یمن سے اہل مکہ کی شناسائی تھی، مسلمان وہاں ہجرت کر کے جاتے تو اہل مکہ بآسانی اہل یمن کو ان کو واپس کرنے پر آمادہ کر لیتے، ہجرت کا عمل بے معنی ہو کر رہ جاتا اور کفار کا تشدد اور بڑھ جاتا۔

رسول پاک ﷺ کی نگاہ انتخاب جزیرہ نمائے عرب سے باہر دوسرے براعظم افریقہ کے ملک حبشہ پر اٹھی۔ اگرچہ اس ملک کا بھی سرکاری مذہب عیسائیت تھی، مگر وہاں کا حکمراں انصاف پسند تھا۔ عرب اور حبشہ کے درمیان سمندر حائل تھا، وہاں سے مہاجرین کو واپس لانا قدرے آسان نہ تھا۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

”لو خرجتم الی الارض الحبشة فان فيها ملكا لا يظلم عنده احد وهی ارض صدق حتى يجعل الله لكم خرجا مما انتم فيه“(۵)

(تم لوگ سرزمین حبشہ کو نکل جاؤ، وہاں کا بادشاہ ایسا انصاف پسند ہے کہ اس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ تم کو ان مصیبتوں سے نجات دے جن میں آج تم گھرے ہوئے ہو)

اس ہجرت میں خود رسول کریم ﷺ شامل نہ تھے، بلکہ آپ مکہ میں مقیم رہے، کفار کے ظلم وستم برداشت کرتے رہے اور دین کی دعوت پر لگے رہے۔ شاید اس میں یہ مصلحت شامل رہی ہو کہ ساتھیوں کو حبشہ بھیج کر اور خود مکہ میں رہ کر اسلام کے پیغام کو آفاقی سطح پر پیش کر سکیں گے۔ اس طرح اسلام کے لیے دو مراکز عرب اور افریقہ میں بن جائیں گے۔

حضور ﷺ حبشہ کی حکومت اور معاشرت سے متعارف تھے۔ آپ کے گھر میں دایہ حضرت ام ایمن کا تعلق حبشہ سے تھا اور حضرت بلال حبشی کے والدین بھی حبشہ ہی کے تھے۔

بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے رسول اللہ ﷺ کے خاندانی مراسم بھی تھے، اسی لیے نجاشی کی شخصیت پر اعتماد کر کے اپنے صحابہ کو ان کے ملک بھیج رہے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت جعفر طیارؓ کو ہجرت کے وقت رسول پاک نے ایک خط بھی دیا تھا کہ اسے نجاشی کو دے دینا۔ حدیث وسیرت کے موجودہ ریکارڈ کی بنا پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی زندگی کا یہ پہلا خط تھا، اس سے پہلے غالباً آپ نے کوئی خط کسی کو نہیں لکھا، اس خط میں تحریر تھا کہ:

”میں اپنے چچازاد بھائی جعفر کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں اس کے ساتھ کچھ اور مسلمان ہیں، جب یہ آپ کے پاس پہنچیں تو ان کی مہمان نوازی کریں۔“(۶)

دوسرا منظوم خط حضرت ابو طالب نے نجاشی کو اس وقت لکھا تھا جب مکہ کے سردار مہاجرین کو

واپس لانے کے لیے دونفری وفد حبشہ روانہ کرر ہے تھے، اس خط میں لکھا تھا:

الا لیت شعری کیف فی النای جعفر
وعمـرو واعـداء العـدو اقـارب
فهل نـال افعـال النجاشی جعفـرا
واصحابـه او عـاق ذالك شاغب
تعـلّم ابیت اللعـن انك مـاجـدٌ
کـریم فلا یشقی لـدیك المجانب
تعـلـم بـان اللّٰه زادك المجـانب
واسباب خیـر کلهـا بك لازب
وانك فیض ذو سجـال غـزیـرة
ینـال الاعـادی نفعها والاقارب (۷)

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ دور دراز علاقہ میں جعفر اوران کے شدید ترین ہم وطن دشمن عمرو بن العاص کے درمیان کیا معرکہ ہوا، کیا جعفر اوران کے ساتھیوں سے نجاشی نے حسن سلوک کیا، یا رکاوٹوں نے اس کا فیض روک دیا؟ اے نجاشی لعنت آپ سے دور ہے، آپ شریف اور معزز ہیں، آپکے دربار میں کوئی اجنبی محروم نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و دولت اور ہر قسم کے اسباب خیر عطا کیے ہیں۔ آپ سخاوت کا گہرا سمندر ہیں جس سے دوست اور دشمن سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہجرت حبشہ کا سب سے مفصل بیان ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں ابن ہشام نے سیرۃ النبی میں اور ابونعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں مکمل نقل کیا ہے۔ ماحصل اس روایت کا یہ ہے کہ دربار رسالت سے ہجرت کا حکم ملا تو حضور ﷺ کے جانثار ساتھی حبشہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں، ان کے نام اس طرح ہیں:

(۱) عثمان بن عفانؓ	(۲) ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنت محمدؐ
(۳) عبدالرحمٰن بن عوف	(۴) زبیر بن عوام
(۵) ابوحذیفہ بن عتبہؓ	(۶) ان کی بیوی سہلہ بنت سہل
(۷) مصعب بن عمیر	(۸) ابوسلمہ بن عبدالاسد
(۹) ان کی بیوی ام سلمہ	(۱۰) عثمان بن مظعون

(۱۱) عامر بن ربیعہ (۱۲) ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ

(۱۳) سہیل بن بیضاء (۱۴) ابوسیرہ بن ابی رہب عامری

(۱۵) ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہل بن عمر (۱۶) حاطب بن عمر۔(۸)

یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی تھی۔ سولہ افراد پر مشتمل مہاجرین کا یہ قافلہ جب شعیبہ کی بندرگاہ پر پہنچا تو ان کو حبشہ جانے والی دو کشتیاں مل گئیں اور وہ فوراً روانہ ہوگئے۔ اہل مکہ کو جب یہ اطلاع ملی تو انھوں نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے مگر اس وقت تک کشتیاں ساحل سے دور جا چکی تھیں، لہٰذا وہ ناکام واپس لوٹے۔(۹)

حبشہ میں نجاشی نے مہاجروں کا خیر مقدم کیا اور ان کو پناہ دی۔ شعبان اور رمضان کے دو ماہ حبشہ میں گذرے تھے کہ مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ مکہ کے کفار مسلمان ہوگئے ہیں اور ظلم وستم بند ہوگیا ہے، اس لیے یہ حضرات مکہ لوٹ آئے۔ مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ اطلاع غلط تھی۔ چنانچہ بااثر مہاجرین اپنے کفار دوستوں کی پناہ لے کر مکہ میں مقیم رہے۔(۱۰) کفار مکہ نے نئے سرے سے مسلمانوں پر مظالم ڈھانا شروع کیا اور اب زیادہ زور وشور سے اذیت پہنچائی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ مسلمانوں کو مکہ سے حبشہ ہجرت کرنے کی تلقین فرمائی، اس ہجرت میں ۸۳ مرد اور ۱۸ خواتین یعنی کل ۱۰۱ اصحابہ وصحابیات شریک رہے۔(۱۱)

اہل مکہ نے جب یہ سنا کہ نجاشی نے مہاجروں کو اپنے یہاں پناہ دی، ان کا خیر مقدم کیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ اسے برداشت نہ کرسکے اور طے کیا کہ ہر حال میں مہاجروں کو حبشہ سے نکلوانا ہے اور مکہ واپس لانا ہے۔

حبشہ سے اہل مکہ کا تجارتی رابطہ تھا، چنانچہ دو تجربہ کار نمائندوں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو نجاشی اور ان کے وزراء کے لیے تحفہ تحائف دے کر حبشہ روانہ کردیا۔ ان تحائف میں بیش ترچمڑے کی مصنوعات تھیں۔ کفار کے نمائندوں نے حبشہ پہنچ کر نجاشی کے تمام وزیروں کو تحفے پیش کیے اور ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ بادشاہ کو مہاجرین کو واپس کرنے پر آمادہ کریں گے۔ قریشی نمائندے آخر میں نجاشی کی خدمت میں تحفے لے کر حاضر ہوئے اور عرض مدعا رکھا:

> ”چند بے وقوف نوجوان اپنے قومی دین کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں مگر آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے؛ بلکہ ایک ایسے دین کا اتباع کرتے ہیں جس سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ۔ ان کی قوم کے بزرگوں نے ہمیں آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ان کو لوٹا دیں، کیونکہ وہی لوگ ان کے سرپرست ہیں، وہی

جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے اور کیوں ان سے ناراض ہیں۔'' (۱۲)

نجاشی سے وفد نے گذارش کی کہ ان مہاجروں کو اپنی بات کہنے کا موقع دیے بغیر ان کے حوالے کیا جائے۔ وزیروں نے بھی وفد کی تائید کی اور بغیر مہاجروں کی بات سنے ان کو وفد کے حوالہ کرنے کی درخواست کی مگر بادشاہ انصاف پسند تھا فطری انصاف کے تقاضوں سے واقف تھا اس نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اس طرح ان کو تمہارے حوالہ نہیں کرسکتا، جو لوگ میرے ملک میں آئے، میرے پڑوس میں رہے، میری پناہ کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح دی، میں ان کو ضرور بلاؤں گا اور ان سے تمہارے عائد کردہ الزامات کے سلسلہ میں ضرور پوچھ گچھ کروں گا اگر وہ تمہارے الزامات کی تصدیق کریں گے تو میں ان کو تمہارے حوالہ کردوں گا اور واپس بھیج دوں گا اور اگر وہ دوسری بات کہتے ہیں تو میں ان کو ہرگز حوالہ نہیں کروں گا، بلکہ بدستور حسن سلوک کروں گا۔ (۱۳)

مسلمانوں کی پریشانی یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس قدر دوری پر تھے کہ براہِ راست ان سے رہنمائی حاصل کرنا ممکن نہ تھا، ہر مشکل کو خود ہی باہمی مشورہ سے حل کرنا تھا، ان کے پاس حضور کی اصولی رہنمائی تھی قریش کے نمائندے کے الزام اور مطالبہ کا جواب دینے کے لیے جب نجاشی نے صحابہ کرام کو بلوایا تو حضرات صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس وقت کیا حکمت عملی اختیار کی جائے جس سے وہ کفار کے شکنجہ میں پھنسنے سے محفوظ رہ سکیں، اسلام کی تاریخ میں اجنبی ملک میں مسلمانوں کا یہ پہلا مقدمہ تھا اور اس پر اسلام کے مستقبل کا انحصار تھا۔ حضرت جعفر صحابہ کرام کے سربراہ تھے اور حضرت ابوہریرہؓ کے بقول نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان تھے۔ (۱۴) صحابہ کرام نے اس وقت جو موقف اپنایا وہ دو نکتوں پر مشتمل تھا، پہلا نکتہ یہ تھا کہ ہم اپنے نبی کی تعلیم کے خلاف کوئی بات نہیں کہیں گے چاہے جو کچھ بھی ہو جائے۔ (۱۵)

دوسرا نکتہ یہ تھا کہ وہ بادشاہ کے نظام انصاف کا سہارا لیں گے۔

صحابہ کرام کو حضور ﷺ سے معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ انصاف پرور ہے اور خود ان حضرات نے بادشاہ کے پڑوس میں رہ کر اس کی انصاف پسندی کا عملاً مشاہدہ اور تجربہ کرلیا تھا لہٰذا ان کو اعتماد تھا کہ حق وانصاف کی جنگ میں وہ فتح یاب ہوں گے لہٰذا انھوں نے اسی انصاف کے نظام میں اپنے دفاع کی راہ نکالی۔

نجاشی نے وزراء، علماء، مشاہدین، مدعی اور مدعا علیہ سے بھرے دربار میں جب ان کے سامنے قریش کے وفد کا مقدمہ رکھا تو مہاجرین کے قائد حضرت جعفر طیار نے نجاشی کے ذریعہ اپنے دفاع میں تین سوالات قریش کے نمائندوں سے کیے۔

(۱) کیا ہم کسی کے غلام ہیں؟ جو اپنے آقا سے بھاگ کر آئے ہیں، اگر ایسا ہے تو ہمیں ضرور واپس کیا جائے۔

نجاشی نے عمرو بن العاص سے جواب طلب کیا تو انھوں نے کہا کہ نہیں یہ لوگ آزاد اور شریف ہیں۔

(۲) کیا ہم کسی کو قتل کرکے بھاگے ہیں؟ اگر ہم نے ناحق خون کیا ہے تو ہمیں مقتول کے وارثوں کے حوالہ کردیا جائے۔

نجاشی نے وفد سے جواب طلب کیا تو عمرو بن العاص نے کہا کہ نہیں ایک قطرہ خوں بھی نہیں بہایا۔

(۳) کیا ہم کسی کا مال لے کر بھاگے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہم اس کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

نجاشی نے وفد سے جواب مانگا تو انھوں نے کہا نہیں ایک پیسہ بھی لے کر نہیں بھاگے۔(۱۶)

حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کی عدالت میں قریش کے الزامات کے جواب میں جو سوالات اٹھائے تھے وہ اتنے معقول، برمحل اور عام ذہن کو اپیل کرنے والے تھے کہ عدالت میں موجود ہر شخص نے مہاجرین کی بے گناہی اور کفار قریش کی ایذا رسانی کا اندازہ لگالیا، پھر بھی نجاشی نے مقدمہ خارج نہیں کیا بلکہ قریش کے وفد کے لگائے الزامات پر بحث شروع کی، انھوں نے حضرات صحابہ سے اس سوال کا جواب طلب کیا کہ وہ کونسا دین ہے جس کے باعث تم نے اپنی قوم کو چھوڑا، نہ ہمارے مذہب میں داخل ہوئے اور نہ دنیا میں موجود دوسرے مذاہب میں شامل ہوئے؟۔

اس سوال کے جواب میں حضرت جعفر نے اپنے دینی موقف اور مذہبی تعلیم کی وضاحت نہایت معقولیت اور بصیرت کے ساتھ کی، انھوں نے کہا۔

''بادشاہ سلامت! ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری کا ارتکاب کرتے تھے، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، ہمارا طاقت ور کمزور کو دبالیتا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہمارے درمیان ایسا رسول بھیجا جس کے نسب، سچائی، امانت اور پاکدامنی سے ہم واقف ہیں۔

انھوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہم صرف ایک معبود کی پرستش کریں، اس کے علاوہ پتھر وغیرہ کے وہ تمام بت جن کی ہم اور ہمارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے چھوڑ دیں، انھوں نے ہمیں سچ بات بولنے کی، امانت داری کی، صلہ رحمی کی، پڑوسیوں سے حسن سلوک کی، حرام کاموں اور دوسروں کا خون بہانے سے پرہیز کرنے کی تعلیم دی۔

انھوں نے ہمیں بدکاری سے، جھوٹی بات کہنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، پاک دامن عورتوں پر الزام لگانے سے روکا۔ انھوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، نماز، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لے آئے، اور اللہ کی طرف سے لائے ہوئے احکام میں ان کی پیروی کی، ایک اللہ کی عبادت کی، شرک چھوڑ دیا، جس کو حرام کہا اسے حرام جانا، جسے حلال کہا اسے حلال سمجھا۔

بادشاہ سلامت! یہی وہ جرم تھا جس کی بنا پر ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی ہمیں ٹارچر کیا، ہمارے دین کی خاطر آزمائش میں ڈالا تاکہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر ہم پھر بتوں کی پوجا کرنے لگیں، اور جاہلیت کی طرح گندے کاموں کو جائز سمجھیں۔ جب انھوں نے ہم پر قہر ڈھایا، ہم پر ظلم کیا، ہمارا جینا دوبھر کر دیا اور ہمارے مذہب کے درمیان رکاوٹ ڈالی تو ہم وطن سے نکل کر آپ کے ملک میں چلے آئے، دوسروں کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دی، آپ کی ہمسائیگی اختیار کی اس امید پر کہ آپ کے یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ (۱۷)

نجاشی اور ان کی عدالت عالیہ جب مطمئن ہوگئی کہ قریش کا الزام غلط اور مسلمانوں کا بیان درست ہے، تو نجاشی نے آخری سوال مہاجرین صحابہ سے یہ کیا کہ جس خدائی حکم اور تعلیم کا تم حوالہ دے رہے ہو اس کے متن کا کوئی حصہ تمہارے پاس ہے؟۔

تب حضرت جعفر طیارؓ نے کہا جی ہاں موجود ہے اور موقع کی مناسبت سے سورہ مریم کے ابتدائی رکوع کی تلاوت شروع کی۔ تلاوت کیا کی ع از دل خیزد بر دل ریزد، کا سماں باندھ دیا، حضرت جعفر سورہ مریم کی تلاوت کی تو باران خشت برسنے لگی، نجاشی نے روتے روتے داڑھی تر کر لی، پادریوں نے روتے روتے اپنے صحیفے بھگو لیے، حضرت جعفر کے تین نکاتی سوالات نے عدالت کو پہلے ہی مطمئن کر دیا تھا اور اب ان کی تلاوت قرآن نے عدالت عالیہ کے دلوں کو فتح کر لیا۔ نجاشی انصاف پرور ہی نہیں، صاحب دل اور صاحب معرفت بھی تھے، انھوں نے عدالت میں فیصلہ سنا دیا۔

”ان هـذا والذی جاء به عیسیٰؑ لیخرجن من مشكاة واحدة، انطلقا فلا والله لا اسلمهم الیكما“ (۱۸)

(بے شک یہ تعلیم اور جس تعلیم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے وہ ایک ہی سرچشمہ نور کی ضیاپاشیاں ہیں۔ قریش کے نمائندو تم واپس جاؤ میں ہرگز ان مہاجرین کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔)

قریش کے نمائندے مقدمہ ہار گئے، مگر نچلے نہ بیٹھے، انھوں نے طے کیا کہ اگلے دن وہ نئے

الزامات لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور مہاجر مسلمانوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دیں گے۔ عبداللہ بن ربیعہ نے عمرو بن العاص کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرنا اگر چہ وہ ہمارے دھرم کے مخالف ہیں مگر ہیں تو ہمارے ہی بھائی بندے، مگر عمر بن العاص نے نہیں مانا اور کہا میں ضرور بادشاہ کو بتاؤں گا کہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو عبد یعنی بندہ سمجھتے ہیں۔ (۱۹)

اگلے دن پھر دربار لگا، قریش کے وفد نے نئی چارج شیٹ داخل کی اور بادشاہ سے درخواست کی کہ مسلمانوں سے جواب طلب کریں۔ مہاجرین عدالت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ قریش کے نمائندوں نے یہ سوچ کر چال چلی تھی کہ گذشتہ دن ان کے مشرکانہ مذہب کی خلاف مسلمانوں نے جو بیان دیا تھا اس معاملہ میں بادشاہ اور مسلمانوں کا موقف ایک تھا اس لیے بادشاہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگیا۔ آج جب کہ بادشاہ کے عقیدہ کے خلاف مہاجروں کو بیان دینا ہوگا تو یقیناً بادشاہ بھڑک جائے گا اور فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے گا۔

مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے طے کیا تھا کہ جس عقیدہ کی خاطر انھوں نے وطن چھوڑا ہے اسے بادشاہ کی پسند و ناپسند پر نہیں چھوڑیں گے بلکہ حق بات کہیں گے، چنانچہ بھری عدالت میں حضرت جعفر طیار نے بیان دیا۔

”ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے کہا ہے کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے جسے کنواری مریم پر اللہ نے القا کیا تھا“ (۲۰) نجاشی نے یہ سن کر زمین سے ایک لکڑی اٹھائی اور کہا جو تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ اس سے اس لکڑی کے برابر بھی مختلف نہ تھے، تم لوگ جاؤ اور میرے ملک میں امن وسکون کی زندگی گزارو، جو تم پر زیادتی کرے گا اس سے مواخذہ ہوگا۔“ (۲۱)

بعض سیرت نگار یہ بھی لکھتے ہیں کہ نجاشی نے نہ صرف مہاجر مسلمانوں کے عقیدہ کی تائید کی تھی بلکہ رسول کریم کی رسالت کی شہادت دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ (۲۲) ابن سعد کا بیان ہے کہ نجاشی سن ۷ ہجری میں اس وقت اسلام لائے جب رسول پاک ﷺ نے ان کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ (۲۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ نجاشی نے فرمایا اگر میرے اوپر ملک کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کی جوتیاں اٹھاتا۔ (۲۴)

اجنبی ملک میں یہ پہلا مقدمہ تھا جو مسلمانوں نے جیتا تھا۔ اس کے بعد مسلمان تقریباً ۱۵

سال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ وہاں انھوں نے شادی بیاہ کی، ان کی اولادیں ہوئیں اور ایک پرامن شہری کی زندگی گذارتے رہے۔ قرائن سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان نجاشی کے قریب آباد تھے، سوآدمیوں پر مشتمل ایک کالونی آباد ہوگئی تھی اور حبشہ کی یہ پہلی مسلم کالونی تھی مگر ان کا ذریعہ معاش کیا تھا، سماجی معاملات کیسے تھے، کتب سیرت میں اس کی جزئیات نہیں ملتیں البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی نے مہاجرین کی لباس اور طعام کی شکل میں امداد کی۔ (۲۵) مسلمان وہاں چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے تھے اور محنت ومشقت سے روزی کماتے تھے۔ مہاجرین جب تک حبشہ میں رہے ملک کے خیرخواہ اور نجاشی کے لیے دعا کرتے رہے چنانچہ جب نجاشی کے خلاف اس کے ایک شہری نے بغاوت کی تو مسلمانوں نے نجاشی کی کامیابی کے لیے خشوع وخضوع کے ساتھ دعائیں کیں۔

حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں:

”فدعونا اللّٰہ تعالیٰ للنجاشی بالظھور علی عدوہ والتمکین لہ فی بلادہ“ (۲۶)

ہم لوگوں نے نجاشی کے لیے دعا کی اللہ اسے دشمن پر فتح عطا کرے اور اس کے ملک پر اس کا اقتدار جمادے۔

حضرت جعفر نے اسلام کے تعارف پر مشتمل جو تقریر نجاشی کے دربار میں کی تھی اس میں رسول پاک کی چودہ تعلیمات کا ذکر تھا:

(۱) توحید (۲) سچائی (۳) امانت داری (۴) صلہ رحمی (۵) پڑوسیوں سے اچھا سلوک (۶) حرام کاموں سے پرہیز (۷) خونریزی سے گریز (۸) بدکاری سے پرہیز (۹) جھوٹی بات سے پرہیز (۱۰) مال یتیم سے پرہیز (۱۱) عورتوں پر الزام تراشی سے گریز (۱۲) نماز قائم کرنا (۱۳) زکوٰۃ دینا (۱۴) روزہ رکھنا۔

ان تعلیمات میں، مذہب، اخلاق اور سماج سب کچھ کی رہنمائی موجود ہے۔ یہی وہ بنیادی تعلیم ہے جو اسلامی معاشرہ کی اساس ہے۔

مہاجرین صحابہ کی اجتماعیت کو ایک دھکا اس وقت لگا جب کہ ان میں سے ایک مہاجر عبیداللہ بن جحش نے اسلام چھوڑکر عیسائیت اختیار کرلی۔ خواہ اس کی وجہ معاشی حالت رہی ہو یا تربیت کی کمی رہی ہو یا نجاشی کے حسن سلوک سے متاثر ہوکر اس نے یہ اقدام کیا ہو، بہرحال اس کے ارتداد سے مسلمانوں کو ذہنی اذیت پہنچی اور ان کی اجتماعیت کو دھکا لگا۔ مگر مسلمانوں نے اس صدمہ کو برداشت کیا، عبیداللہ بن جحش کا اسی حال میں انتقال ہوگیا۔ اس کی بیوی ام حبیبہؓ جو سردار مکہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں، اب بیوہ ہوچکی تھیں، رسول کریم نے نجاشی کو خط لکھا کہ وہ ان سے نکاح

کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لہٰذا غائبانہ عقد کرکے ان کے پاس مکہ بھیج دیں۔ چنانچہ سن ۷ ہجری میں نجاشی نے عقد کے ساتھ اپنی طرف سے مہر کی رقم ادا کرکے حضرت ام حبیبہ کو رسول پاک کے پاس بھیج دیا۔ رسول پاک نے اس طرح ان کو شوہر کے ارتداد کی وجہ سے سماجی رسوائی کا صدمہ سہنے سے بچالیا اور اپنی زوجیت میں رکھ کر ان کا رتبہ بھی بڑھادیا۔ (۲۷)

کتب سیرت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر مسلمانوں نے حبشہ کے مقامی باشندوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کردی تھی، چنانچہ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں چالیس پچاس حبشیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ (۲۸)

مہاجرین حبشہ کے مقدمہ، بیانات اور اجمالی حالات سے مختصراً یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) مسلمان جہاں کہیں ہوں وہ حق پر قائم رہیں اور حق بات ہی کہیں حالات جیسے بھی ہوں، یہی ان کی مذہبی اور تہذیبی زندگی کی اساس ہے۔

(۲) دین کی دعوت، حکمت، معقولیت اور مدلل طریقہ سے اپنے ہم وطنوں کو دین اور ہمیشہ طاقت کا مقابلہ حکمت سے کرنے کی سعی کریں۔ اقلیت کے لیے یہ ہتھیار زیادہ کارگر ہے۔

(۳) جس ملک میں رہیں اس کے خیر خواہ اور محبّ وطن بن کر رہیں، چنانچہ نجاشی کے لیے دعاؤں کا اہتمام کرکے صحابہ نے اسی خیر خواہی کا ثبوت دیا تھا۔

(۴) ملک کے نظام عدل سے واقفیت حاصل کریں اور اسے اپنے تحفظ کے لیے اور اپنا حق حاصل کرنے کیلئے استعمال کریں، حضرت جعفر نے نجاشی کی عدالت میں یہی کارنامہ انجام دیا تھا۔

(۵) جس ملک میں رہیں وہاں امن پسند شہری کی حیثیت سے رہیں اور تخریبی کارروائیوں ملوث نہ ہوں۔ حضرت جعفر کی تقریر کا یہ جملہ کہ ''رسول اللہ نے ہمیں پڑوسیوں سے حسن سلوک کی، حرام کاموں سے بچنے اور خونریزی سے گریز کرنے کی تعلیم دی'' یہی سبق اور نصیحت دیتا ہے۔

(۶) مسلمان جہاں بھی ہوں باہمی اتحاد و اتفاق، مشاورت اور یک جہتی سے کام لیں، اپنا کوئی امیر بھی منتخب کریں، چنانچہ حضرت جعفر طیار کی امارت میں مہاجر صحابہ کا باہمی مشورہ سے ایک موقف طے کرنا ہمیں یہی اسوہ فراہم کرتا ہے۔

(۷) اپنے موقف، مقصد حیات اور طرز زندگی سے ہم وطنوں کو واقف کرائیں تاکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ ان کے لیے تحفظ کے مسائل پیدا نہ کریں اور اسلام کو حریف کے طور پر نہ سمجھیں۔ حضرت جعفر کی پوری تقریر کا لب لباب یہی ہے۔

(۸) ہم وطنوں کے مذہب، مزاج اور تہذیبی شعار سے ضروری واقفیت حاصل کریں تاکہ بقائے

باہم کی راہ ہموار ہو۔ ہجرت حبشہ سے قبل سورہ مریم کا نزول اور نجاشی کی عدالت میں حضرت جعفرؓ کی تلاوت سے اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

(۹) مسلمانوں کو اگر کوئی مذہبی یا سماجی صدمہ سے دوچار ہونا پڑے تو وہ صبر واستقلال اور دوراندیشی سے کام لیں، عجلت اور جذباتیت سے ممکن حد تک گریز کریں، جیسا کہ عبیداللہ بن جحش کے ارتداد پر مسلمانوں کے محتاط ردعمل سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱۰) مسلمان جس ملک میں ہوں محنت ومشقت اور حلال روزی کو اپنا وطیرہ بنائیں۔

مختصر یہ ہے کہ آج کے وہ ممالک جہاں حکومت اور اکثریت دوسرے مذاہب کے حاملین کی ہے اور مسلمان وہاں اقلیت کی حیثیت سے جی رہے ہیں، حبشہ کے مہاجر صحابہ کے حالات سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے پرامن زندگی گذارنے کا منصوبہ بنا سکتے ہیں۔

ملک کے آئین اور عدالت سے حق حاصل کرسکتے ہیں اور اپنے حقوق وفرائض کو یقینی بنا سکتے ہیں۔

❀ ❀ ❀

حوالہ جات

(۱) الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب فضل ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ

(۲) عبدالملک ابن ہشام، سیرۃ النبی جلد۱، ص:۳۳۹، دارالفکر ۱۹۸۱ء

(۳) ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد۲، ص ۳۵۹ مکتبہ مثنی بغداد

(۴) اسماعیل ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، جلد۴، ص ۵۸۵ (سورہ الفیل) دارالخیر دمشق ۱۹۹۰ء

(۵) سیرۃ النبی جلد۱، ص ۳۵۶ (۶) محمد حمیداللہ، خطبات بھاول پور، ص ۶۳ نئی دہلی ۱۹۹۷ء

(۷) سیرۃ النبی جلد۱، ص ۳۵۶ (۸) ایضاً، ۳۵۳، نیز دیکھیے فتح الباری، جلد۷، ص ۱۴۳

(۹) ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد۱، ص ۲۰۴، بیروت ۱۹۶۰ء (۱۰) ایضاً ص ۲۰۶

(۱۱) ایضاً، نیز دیکھیے احمد بن محمد القسطلانی، المواھب اللدنیہ، جلد۱، ص ۲۵۹، گجرات، سیرۃ النبی جلد۱، ص ۳۵۳

(۱۲) سیرۃ النبی، جلد۱، ص ۳۵۸، نیز ابونعیم اصفہانی، دلائل النبوۃ جلد۱، ص ۸۲، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۳۲۰ھ

(۱۳) ایضاً، نیز دیکھیے مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر ۱۷۴۰، جلد۲، ص ۳۵۶، دارالحدیث قاہرہ، ۱۹۹۵ء

(۱۴) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد۱، ص ۲۳۷ (۱۵) سیرۃ النبی جلد۱، ص ۳۵۸

(۱۶) دلائل النبوۃ جلد۱، ص:۸۰ (۱۷) سیرۃ النبی جلد۱، ص ۳۵۹، نیز دیکھیے مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۱۷۴۰

(۱۸) سیرۃ النبی جلد۱، ص ۳۵۹ (۱۹) ایضاً ص ۳۶۰ (۲۰) ایضاً (۲۱) ایضاً

(۲۲) المواھب اللدنیہ جلد۱، ص ۲۵۹ (۲۳) الطبقات الکبریٰ جلد۱، ص ۲۰۷

(۲۴) مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۴۴۰۰، جلد۴، ص ۲۴۶

(۲۵) دلائل النبوۃ جلد۱، ص ۸۱ (۲۶) سیرۃ النبی جلد، ص ۳۶۰

(۲۷) المواھب اللدنیہ جلد۲، ص ۸۵ (۲۸) خطبات بھاول پور، ص ۲۰۸

ٹی وی پر علماء کرام کا آنا مثبت و منفی پہلو

از: مولانا سعید احمد جلال پوری

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ آج کل میڈیا اور ٹی وی چینلوں پر یہودی لابی، ان کے وفاداروں اور نمک خواروں کا قبضہ ہے، وہ اسلام اور احکام اسلام کو مسخ کرکے پیش کرتے ہیں، وہ مسلمانوں کو تشدد پسند، دہشت گرد اور اسلام کو ناقابل عمل دین و مذہب باور کراتے ہیں، اسی طرح وہ روز مرہ مسائل اور عقائد و نظریات پر جو مکالمے دکھاتے ہیں، اس میں بھی باطل اور باطل پرستوں کے عقائد و نظریات کو حق و صواب اور اہلِ حق کے موقف کو اس طرح بے وزن کرکے پیش کرتے ہیں کہ سیدھا سادا قاری حق و سچ اور باطل و جھوٹ میں امتیاز نہیں کر پاتا، وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے؛ بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اور اہلِ حق سے وابستہ افراد بھی اپنے عقائد و نظریات کے سلسلہ میں شکوک و شبہات کا شکار ہوجاتے ہیں، اور یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ بتلایا اور پڑھایا گیا تھا، شاید حقائق اس سے مختلف ہیں، ایسی پریشان کن صورت حال سے بے چین ہوکر، دین کا درد رکھنے والے مسلمانوں کی خواہش اور شدید تقاضا ہے کہ اہلِ حق علماء کو ان ٹی وی پروگراموں میں آنا چاہئے اور اس فتنہ کا مقابلہ اس میدان میں اتر کر کرنا چاہئے اور عوام کو اصل حقائق سے آگاہ کرنا چاہئے، اور ٹی وی، سی ڈیز اور کیبل چینلز کے جواز کا فتویٰ دے دینا چاہئے، چنانچہ ایسے ہی ملی درد رکھنے والے بعض علماء سے بھی سنا گیا ہے کہ اب تو ٹی وی، سی ڈیز اور کیبل چینلز کی اس دلدل اور کیچڑ میں گھس کر اس میں غرق ہونے والے مسلمانوں کو نکالنا چاہئے، اگر اس سے تغافل برتا گیا تو وہ دن دور نہیں جب اسلام اور اسلامی اقدار کا تشخص نابود ہوجائے۔

ان ہمدردانِ قوم و وطن اور دین و ملت کا اصرار ہے کہ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کوئی ایسا اسلامی چینل کھولا جائے جس کو دیکھ کر مسلمان اپنا دین، مذہب اور ایمان و عقیدہ محفوظ رکھ سکیں، اور اس کے ذریعے مادر پدر آزاد اور لادین ٹی وی چینلوں کے زہر اگلتے پروگراموں سے نئی نسل کو محفوظ کیا جاسکے اور دین و مذہب، ایمان و عقیدہ اور علم و عمل کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر رکھ کر دنیا بھر کی مسلم

امت کی راہنمائی کی جاسکے۔

دیکھا جائے تو ان ''مخلصین'' کی فکر وسوچ اخلاص پر مبنی ہے، اور ان کا جذبہ صادق ہے، اور بادی النظر میں ایسا کرنے کی ضرورت بھی ہے، اس لئے کہ ٹی وی اور سی ڈیز کے مادر پدر آزاد پروگرام، لچر وواہیات ڈرامے، ننگی فلمیں اور حیا سوز مناظر اتنا نقصان نہیں پہنچا رہے، جتنا یہ نام نہاد دینی پروگرام مسلمانوں کے عقائد ونظریات کو برباد کررہے ہیں، اس لئے کہ کوئی شخص فلم کو نیکی اور ثواب سمجھ کر نہیں دیکھتا، اور نہ ہی اس کے کرداروں کو حق وصواب جان کر اپناتا ہے، بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی ان کو قبیح، بُرا اور گناہ سمجھ کر دیکھتا ہے، جب کہ اس کے برعکس ان نام نہاد پروگراموں کو دینی اور مذہبی پروگرام سمجھ کر دیکھا جاتا ہے اور ان کی روشنی میں ہی ناظرین اپنی زندگی کے خطوط متعین کرتے ہیں، اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ ٹی وی چینلوں کے نام نہاد دینی پروگرام نئی نسل کے لئے ننگی اور بلیو پرنٹ فلموں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا سدباب کیونکر اور کیسے ہو؟ اس سلسلہ میں دو قسم کی آرا پائی جاتی ہیں، ایک طبقہ کا خیال ہے کہ ٹی وی چینل میں ثقہ علماء کو آنا چاہئے اور ٹی وی کے میدان میں اتر کر دشمنانِ دین سے دو بدو مقابلہ کرنا چاہئے یا پھر اپنا الگ ٹی وی چینل قائم کرکے اس کا توڑ کرنا چاہئے، جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جاچکا ہے۔

مگر علماء امت کی ایک قابل اعتماد جماعت کو اس سے نہ صرف اختلاف ہے بلکہ شدید ترین اختلاف ہے، ان کا موقف ہے اور بالکل بجا موقف ہے کہ:

۱- ان السیئة لا تدفع بالسیئة. گناہ کا ازالہ گناہ سے نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ٹی وی پر آکر ٹی وی کی خباثتوں کا سدباب کرنا، ایسا ہی غلط ہے جیسے پیشاب کی غلاظت کو پیشاب سے دھونا یا پیشاب کی ناپاکی کو پیشاب سے پاک کرنا، جیسے یہ غلط ہے ایسے وہ بھی غلط ہے۔

۲- ٹی وی اور سی ڈیز کا کوئی پروگرام تصویر کے بغیر نہیں ہوتا اور تصویر بنانا یا بنوانا مطلقاً ناجائز اور حرام ہے، اس پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، تصویر خواہ پرانے اور دقیانوسی زمانے کے لوگوں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہو، یا جدید سائنسی اور ترقی یافتہ دور کی، اس کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

۳- تصویر سازی پر آنحضرت ﷺ نے بدترین عذاب کی وعید ارشاد فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ: قیامت کے دن تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم نے جاندار کی تصویر بنا کر

میری ہمسری اور برابری کی کوشش کی تھی، لہٰذا آج اس تصویر میں روح پھونک کر اوراس کو زندہ کر کے دکھلاؤ، ظاہر ہے یہ انسانی اختیار میں نہیں ہوگا تو اس کی پاداش میں ان کو سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس وضاحت کے بعد کیا کوئی عقل مند انسان اس کی اجرأت کرسکتا ہے کہ جان بوجھ کر عذابِ الٰہی کو گلے لگائے؟

۴- چونکہ ٹی وی اور ڈی وی ڈی کی وضع اور ساخت ہی لہو ولعب کے لئے ہے، اس لئے ان کو دینی مقاصد کے لئے استعمال کرنا نہ صرف غلط ہے، بلکہ دین کی توہین و بے حرمتی کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ اگر شریعت مطہرہ نے شراب کے مخصوص برتن مثلاً حنتم، دبا، نقیر، مزفت کو پاک کر کے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی؛ بلکہ ان کو توڑنے کا صرف اس لئے حکم فرمایا کہ وہ شراب کی علامت اور ایک حرام مشروب کے لئے مخصوص وموضوع تھے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے وفد عبدالقیس کی آمد پر بطور خاص ان برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا، جیسا کہ ارشاد ہے:

”و نهاهم عن اربع عن الحنتم و الدباء و النقير و المزفت“ (بخاری، ص:۱۳)

”یعنی آپ نے ان کو شراب کے لئے مخصوص وموضوع چار قسم کے برتنوں: حنتم، دبا، نقیر اور مزفت کے استعمال سے منع فرمایا تھا۔“

اگر شریعت مطہرہ اور پیغمبر اسلام نے ایک حرام و ناپاک مشروب کے لئے مخصوص برتنوں یا شراب کی علامت شمار ہونے والے ظروف کو استعمال کرنے یا ان سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں دی، تو ٹی وی، ڈی وی ڈی یا اس طرح کی دوسری چیزیں جو لہو ولعب کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال ہی نہیں ہوتیں، ان سے نفع اٹھانے کی کیونکر اجازت ہوگی؟ یا ان کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے؟

۵- اسی طرح یہ منطق بھی ناقابلِ فہم ہے کہ دوسروں کو گناہ اور گمراہی سے بچانے کے لئے خود اسی گناہ اور گمراہی کی راہ اختیار کرلی جائے، جس سے دوسروں کو منع کیا جارہا تھا، کیا کوئی معمولی عقل وفہم کا انسان یہ گوارا کرسکتا ہے کہ ایک گناہ کو دور کرنے کے لئے دوسرے گناہ کا ارتکاب کیا جائے؟ جب کوئی شخص دوسرے کی زندگی بچانے کے لئے اپنی دنیاوی زندگی داؤ پر نہیں لگاسکتا تو محض اس امکان پر کہ شاید دوسرا راہِ راست پر آجائے، کیا اپنی آخرت کی دائمی زندگی برباد کی جاسکتی ہے؟ یا اس کو داؤ پر لگایا جاسکتا ہے؟ یا کوئی اس کے لئے تیار ہوگا؟ اگر کوئی عقلمند ایسا کرے تو شرعاً، اخلاقاً اس کی گنجائش ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو علماء کو اس

خودکشی کا درس کیوں دیا جاتا ہے؟ اور اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا آنحضرت ﷺ سے لے کر آج تک کی چودہ صدیوں سے اس کی کوئی ایک آدھ مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ کہ کسی نے دوسرے کی ہدایت کی خواہش پر خود گمراہی اختیار کرلی ہو، اگر ایک لمحہ کے لئے اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ یا انسان اس کا مکلّف ہے؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔

۶- اگر علماء کرام اور مقتدیانِ ملت ٹی وی پر آنا شروع کردیں تو سوال یہ ہے کہ پھر عوام کو اس آلہ لہوولعب کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جاسکے گا؟ بلکہ اس وقت تو معاملہ اور بھی مشکل اور سنگین ہوجائے گا، جب علماء کرام خود ٹی وی کی اسکرین پر تشریف فرما ہوں گے اور دوسروں کو اس کے دیکھنے اور استعمال کرنے سے منع فرمارہے ہوں گے، کیا اس وقت ان کا روکنا ممکن ہوگا؟ یا ان کی تلقین مؤثر ہوگی؟

اسی طرح دنیا بھر میں امت مسلمہ کی ایک قابل قدر جماعت آج تک اس کے استعمال کو ناجائز اور نئی نسل کے لئے مہلک وسم قاتل سمجھتی آئی ہے، کیا اس اجازت یا نرمی سے وہ متاثر نہیں ہوگی؟ کیا ان گھروں میں جدید تہذیب یا بے دینی کے داخلہ کے ذمہ دار وہ علماء نہیں ہوں گے جو ٹی وی کے جواز کے لئے کوشاں ہیں؟

۷- بالفرض اگر علماء کرام عوام کو اس سے روکنا بھی چاہیں، تو کیا عوام کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ جس طرح آپ دینی پروگراموں کے لئے ٹی وی پر تشریف لاتے ہیں...اور یہ جائز ہے تو... اگر ہم نے محض دینی پروگرام دیکھنے کی غرض سے ٹی وی خریدا ہے، اور اس غرض سے ٹی وی دیکھتے ہیں، تو یہ کیونکر ناجائز ہے؟ بتلایا جائے اس کا کیا جواب ہوگا؟

اگر بالفرض علماء کرام جائز پروگرام دیکھنے کے لئے ٹی وی کو جائز قرار دے دیں اور ٹی وی گھروں میں گھس جائے تو پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس پر لچر، واہیات، فحش اور ایمان سوز پروگرام نہیں دیکھے جائیں گے؟ یا اس پر دنیا جہاں کی ننگی فلمیں نہیں دیکھی جائیں گی؟ کیا اس سے گناہ اور بدکاری کی راہ نہ کھل جائے گی؟ کیا گھر میں ٹی وی آجانے کے بعد جائز وناجائز کی تحقیق ثانوی درجہ میں نہیں چلی جائے گی؟

۸- اگر علماء کرام ٹی وی پروگراموں میں آنا شروع کردیں اور ٹی وی مباحثوں میں شریک بھی ہونا شروع کردیں تو اس کی کیا ضمانت ہے؟ کہ یہود وہنود کی اولاد، علماء کے افکار و ارشادات کو ہوبہو ٹی وی میں نقل بھی کردیں؟

جب کہ صورت حال یہ ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ جب کسی عالم دین نے حقائق کا اظہار کرنا شروع کیا تو نہ صرف اس کو بولنے کا موقع نہیں دیا گیا؛ بلکہ اس کی جو بات ٹی وی اور بین الاقوامی قوتوں کے ذوق ومزاج کے خلاف تھی، اسے سنسر کر دیا گیا۔ چنانچہ طالبان حکومت کے موقع پر حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ اسی قسم کے ایک مکالمہ میں شریک ہوئے، تو انھوں نے خود بتلایا کہ مذاکرے کا میزبان پہلے تو مجھے بولنے نہ دے رہا تھا، جب میں نے بولنا شروع کیا تو اس نے بارہا میری بات کاٹنے کی کوشش کی، لیکن جب میں نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو اگرچہ اس نے مداخلت تو بند کردی، لیکن میرے انٹرویو کے وہ حصے جو حکومت اور بین الاقوامی قوتوں کے ذوق ومزاج کے خلاف تھے، حذف کردیئے گئے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے خود فرمایا کہ:

”میں نے سوچا تھا کہ شاید اس طرح عوام کے سامنے حقائق آجائیں گے...اور اسی لئے میں شریک بھی ہوا تھا...مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ میری سوچ صحیح نہیں تھی اور ایسے پروگراموں میں شریک ہونا درست نہیں؛ کیوں کہ ان مذاکروں کا مقصد حقائق کی نشاندہی نہیں؛ بلکہ حقائق کو مسخ کرنا ہوتا ہے۔“

۹- دنیا جانتی ہے کہ ٹیوی اور سی ڈیز کا مقصد اصلاح نہیں، بگاڑ ہے، بلکہ دیکھا جائے تو ٹی وی اور ڈی وی ڈی کا مقصد مغربی تہذیب وتمدن اور لادین کلچر کا فروغ ہے، ظاہر ہے جس پروگرام میں دین وشریعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی صحیح صحیح نشاندہی کی جائے گی، اسے یہودی لابی اور ان کے ایجنٹ کیونکر برداشت کرسکیں گے؟

۱۰- اگر بالفرض مسلمان اپنا ٹی وی چینل ایجاد کرلیں تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جانداروں کی تصویر کے ہوتے ہوئے وہ کیونکر جائز ہوجائیگا؟ اور تصویر کے بارہ میں حکم شرعی پہلے آچکا ہے۔

چلو اگر ایک منٹ کے لئے تصویر کو برداشت بھی کرلیا جائے تو کیا عام ناظرین ایسے ٹی وی چینل کو دیکھنا پسند کردیں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو بتلایا جائے کہ محراب ومنبر کی آواز پر کان کیوں نہیں دھرے جاتے؟ حالانکہ محراب ومنبر سے بھی یہی بات کہی جاتی ہے، آپ ہی بتلایئے کہ جو بات محراب ومنبر سے کہنے پر نہیں سنی جاتی وہ ٹی وی سے کیوں سنی جائے گی؟ دراصل لوگ ٹی وی دیکھتے ہی صرف اس لئے ہیں کہ ٹی وی اسکرین پر اور ”بہت کچھ دیکھنے کو ملتا ہے“ جو محراب ومنبر سے نہیں دیکھا جاسکتا، لہٰذا ایسا ٹی وی جس میں عوام کی مطلوبہ رنگینی نہیں ہوگی اس کو کوئی بھی نہیں دیکھے گا۔

عوام کی اس رنگین مزاجی پر میراثی کا وہ لطیفہ بالکل فٹ بیٹھتا ہے، جس میں اس نے اہلِ

جنت وجہنم کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے سامعین کو مخاطب کرکے کہا:

''ارے سنتے ہو! ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ میں مرگیا ہوں، مجھے دفن کردیا گیا، میرا حساب وکتاب ہوا تو فرشتوں نے کہا: تیرے گناہ اورنیکیاں برابر ہیں، جہاں چاہے، تجھے بھیج دیتے ہیں، میں نے مولویوں سے سن رکھا تھا کہ جنت بہت اچھی جگہ ہے،اس لئے میں نے کہا: مجھے جنت بھیج دو، جب مجھے جنت لے جایا گیا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، وہاں کوئی رونق تھی نہ راگ ورنگ تھا اورنہ تفریح طبع کا دوسرا سامان، بس مسجد کے میاں جی، چند داڑھیوں والے جن کے ہاتھ میں لوٹے اورمصلّے تھے، یا پھر علاقے کے غریب غربا اوربس۔

میں نے فرشتوں سے کہا: اس سے کوئی اچھی جگہ بھی ہے؟ انھوں نے کہا اس سے اچھی جگہ تو کوئی نہیں، البتہ اگر چاہو تو تمہیں جہنم دکھاسکتے ہیں، میں نے کہا ضرور! چنانچہ جب مجھے جہنم لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں: اپنے گاؤں کے چودھری صاحب، ملک صاحب، خان صاحب علاقہ کے سارے نامی گرامی لوگ موجود تھے، وہاں کچھ گلوکارائیں گانا گارہی تھیں اورکچھ اداکارائیں ناچ بھی رہی تھیں، محفل جمی ہوئی تھی، چلم بھری تھی اور سارے روشن خیال اور ترقی پسند دوست و احباب جمع تھے،وہاں جاکر تو مزہ ہی آگیا۔''

اگرچہ یہ ایک لطیفہ ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو عوام آج کل اس رنگینی کی تلاش میں ہیں چاہے اس کے لئے ان کو جہنم ہی کیوں نہ جانا پڑے اوران کو سادگی اور خالص دین وشریعت کے پروگرام ناقابل قبول ہیں، چاہے اس کے عوض جنت ہی کیوں نہ ملتی ہو۔

چلو اس کو بھی مان لیا جائے کہ لوگ ''خالص دینی اورشرعی ٹی وی'' کو دیکھیں گے تو سوال یہ ہے کہ یہودی ایجنٹ اور بین الاقوامی لابیاں اس چینل کو چلنے بھی دیں گی؟ نہیں ہرگز نہیں، چنانچہ ''الجزیرہ'' ٹی وی کی نشریات کا جام کیا جانا سب کے سامنے ہے، اس کے علاوہ کیا وہ ٹی وی چینل پوری دنیا کے ٹی وی قوانین کی مخالفت مول لے کر اپنا کام جاری رکھ سکے گا؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں، چنانچہ اس کے لئے افغانستان کی طالبان حکومت بطور مثال کافی ہے کہ امریکا بہادر اوراس کے اتحادیوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ صرف اورصرف اس لئے بجائی ہے کہ وہ بین الاقوامی کافرانہ نظام کا حصہ بننے کے لئے تیار نہیں تھی، ٹھیک اسی طرح ایسی ٹی وی چینل کا بھی حشر ہوگا۔

۱۱- رہی یہ بات کہ اربابِ کفر والحاد نے اگر ٹی وی کو اسلام کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا ہے تو کیوں نہ ہم بھی اس کو اشاعت اسلام کے لئے استعمال کریں؟ نظر بظاہر یہ جذبہ نیک ہے، مگر اس میں مشکل وہی پیش آتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے کسی ناجائز اور حرام ذریعہ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر اشاعت اسلام کے لئے ناجائز ذرائع کے اپنانے کی اجازت ہوتی تو چوروں کی اصلاح کے لئے چوروں اور زانیوں کی اصلاح کے لئے زانیوں کے گروہ میں شامل ہونا بلکہ کافروں کی اصلاح کے لئے کافروں کے گروہ میں شامل ہونا بھی جائز ہوتا، مگر دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی مہذب قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ اگر بالفرض اشاعت اسلام کے لئے کسی منکر، ناجائز اور حرام کو اپنانے کی اجازت بھی دے دی جائے تو کیا آئندہ کے لئے نہی عن المنکر کا دروازہ بند نہیں ہو جائے گا؟ اس لئے کہ ہر مجرم اپنے جرم کی یہی تاویل اور جواز پیش کرے گا کہ میں نے یہ سب کچھ اسلام کی اشاعت کے لئے کیا ہے، چنانچہ جہاں کہیں کوئی چور، ڈاکو، زانی، شرابی یا قاتل رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا، وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائے گا کہ میں چور، زانی، ڈاکو، شرابی اور قاتل نہیں ہوں، بلکہ میں نے تو ان لوگوں کی اصلاح کے لئے یہ شکل اختیار کر رکھی ہے، بتلایا جائے اس سے سارا معاشرہ جرائم اور گناہوں کی آماجگاہ نہیں بن جائے گا؟

۱۲- اشاعت اسلام کے لئے ہم اس کے تو مکلّف ہیں کہ جتنا حلال و جائز اسباب و ذرائع مہیا ہوں ان کو ممکنہ حد تک استعمال کریں اور کفر و باطل کی راہ روکنے کی کوشش کریں، لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ ہم خواہ مخواہ نت نئے انداز اور جائز و ناجائز حربے استعمال کرنے کی سعی و کوشش میں ہلکان ہوا کریں۔

اگر اس کی ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس کی اجازت دیتے اور وہ تمام اسباب و ذرائع جو کفر و شرک کی اشاعت میں استعمال ہوتے ہیں، ان کی پیغمبر ﷺ کو بھی اجازت ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اغوائے انسانی کے لئے اولاد آدم کے قلوب میں وساوس ڈالنے، دور بیٹھ کر ان پر تسلط حاصل کرنے کا اختیار دیا ہے، مگر نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا، اسی طرح حدیث نبوی کے مطابق: شیطان انسان کے بدن میں ایسے

دوڑتا ہے جیسے خون دوڑتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت ﷺ کو انسانی خون میں دوڑنے کی اجازت تھی؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

ایسے ہی شیطان انسانی قلوب واذہان کی اسکرین پر اپنے وساوس کے ذریعے گناہوں اور بدکاریوں کی ننگی اور بلیو پرنٹ فلم دکھا کر ان کو گناہوں اور بدکاریوں پر آمادہ کرتا ہے، جبکہ آنحضرت ﷺ کو انسانی قلوب واذہان پر تسلط نہیں دیا گیا بلکہ فرمایا گیا: "ان انت الا نذیر" (فاطر:۲۳) ''آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں'' اسی طرح دوسری جگہ فرمایا: "لست علیھم بمصیطر" (غاشیہ:۲۲) ''یعنی آپ ان کے نگراں نہیں ہیں کہ نہ مانیں تو آپ سے پوچھ ہوگی''۔

اگر اس کی اجازت یا ضرورت ہوتی جس قدر شیطان کو کفر و شرک کی اشاعت کے لئے یہ قوت واستعداد دی گئی تھی، اس سے زیادہ ضروری تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بھی اشاعت اسلام کے لئے ان چیزوں سے نوازا جاتا، مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی تو کیا نعوذ باللہ! ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ اشاعت اسلام کے خواہاں اور انسانوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے فکر مند ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو ہمیں شرعی حدود سے نکل کر اشاعت اسلام کے لئے زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

۱۳- اسی طرح ٹی وی کے جواز اور ضرورت کیلئے یہ استدلال بھی کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اگر ہم نے ٹی وی پر آکر مسلمانوں کی راہنمائی نہ کی تو لادین قوتیں اس کو دین کے بگاڑنے کیلئے استعمال کریں گی؟ اور اسلام کا حلیہ بگڑ جائیگا اور اسلام اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہے گا۔

اس لئے کہ سنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ بے شک اسلام کو ڈھانے اور مٹانے کی کوششیں تو ضرور ہوں گی اور ہوتی بھی آئی ہیں، مگر اسلام ختم ہو جائے یا اس میں تحریف ہو جائے یا اس کا حلیہ بگڑ جائے یا اسلام اپنی اصلی حالت میں نہ رہے، ایسا ناممکن ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: ''مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی رہے گی جو اسلام کو اصلی حالت پر برقرار رکھنے میں محنت و کوشش کرتی رہے گی، اور اہل ہوا و بدعت کی اڑائی دھول کو صاف کرتی رہے گی اور ان پر کسی مخالفت گر کی مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوگا''

چنانچہ سوا چودہ سو سال ہو گئے ہیں، الحمد للہ! آج بھی اسلام اسی طرح تر و تازہ ہے۔ حتی کہ شیطان کے انسانی قلوب پر تسلط حاصل ہونے کے باوجود اگر آج تک اسلام محفوظ ہے تو آئندہ بھی انشاء اللہ محفوظ ہی رہے گا، اور آئندہ بھی اس کو تحریف سے بچایا جائے گا۔

۱۴- ٹی وی اور ویڈیو فلم سے تبلیغ کا کام لینا یوں بھی ناقابل فہم ہے کہ ٹی وی دیکھنے والے کسی نیک جذبے اور اصلاح کی غرض سے یہ پروگرام نہیں دیکھتے بلکہ تفریح طبع کے لئے یہ پروگرام دیکھے جاتے ہیں، اس لئے کہ دنیا جانتی ہے کہ ٹی وی پر آنے والے لوگ قابل اعتماد اور ثقہ نہیں بلکہ بازاری اور شہرت کے خواہاں ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج تک نہیں سنا گیا کہ کسی نے ٹی وی کی ''برکت'' سے اسلام قبول کیا ہو، اس سلسلہ میں حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا ایک جواب پڑھئے اور سر دھنئے!

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ویڈیو فلم اور ٹی وی سے تبلیغ اسلام کا کام لیا جاتا ہے، ہمارے یہاں ٹی وی پر دینی پروگرام بھی آتے ہیں لیکن کیا میں بڑے ادب سے پوچھ سکتا ہوں کہ ان دینی پروگراموں کو دیکھ کر کتنے غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے؟ کتنے بے نمازیوں نے نماز شروع کردی؟ کتنے گناہ گاروں نے گناہوں سے توبہ کرلی؟ لہٰذا یہ محض دھوکا ہے، فواحش کا یہ آلہ جو سرتاپا رجس العین ہے اور ملعون ہے اور جس کے بنانے والے دنیا وآخرت میں ملعون ہیں وہ تبلیغ اسلام میں کیا کام دے گا؟ بلکہ ٹی وی کے یہ دینی پروگرام گمراہی پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ ہیں، شیعہ، مرزائی، ملحد، کمیونسٹ اور ناپختہ علم لوگ ان دینی پروگراموں کے لئے ٹی وی پر جاتے ہیں اور اناپ شناپ جوان کے منہ میں آتا ہے کہتے ہیں، کوئی ان پر پابندی لگانے والا نہیں اور کوئی صحیح وغلط کے درمیان تمیز کرنے والا نہیں، اب فرمایا جائے کہ یہ اسلام کی تبلیغ واشاعت ہورہی ہے یا اسلام کے حسین چہرے کو مسخ کیا جارہا ہے؟؟ رہا یہ سوال کہ فلاں یہ کہتے ہیں اور یہ کرتے ہیں، یہ ہمارے لئے جواز کی دلیل نہیں۔'' (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۷، ص:۳۹۸)

۱۵- علماء کو ٹی وی پر آنے کے مشورہ کو اس زاویہ سے بھی دیکھنا چاہئے کہ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر میں ٹی وی پر آنے والے حضرات خود ہی بے وزن ہوجائیں، اس لئے عین ممکن ہے کہ یہ بھی ایک شیطانی چال ہو کہ جو حضرات ٹی وی پر آنا شروع کریں گے کم ازکم وہ متفق علیہ تو نہیں رہیں گے، خصوصاً جو حضرات ٹی وی کی حرمت کے قائل ہیں، ان کے ہاں ایسے حضرات کے کسی قول، فعل اور عمل بلکہ فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا، گویا دوسروں کی اصلاح ہو یا نہ ہو، کم ازکم یہ تو متنازعہ بن جائیں، اور کیونکہ ہادیانِ قوم ووطن کا متنازعہ بن جانا، شیطان

اوراس کے پجاریوں کے لئے بہت بڑی فتح ہے۔اس لئے کہ باطل پرستوں کی کبھی یہ خواہش نہیں رہی کہ مسلمان، کافر یا مشرک بن جائے، بلکہ ان کی خواہش اور کوشش یہ رہی ہے کہ مسلمان، مسلمان نہ رہے، یا کم ازکم قابل اعتماد نہ رہے، اگرایسا ہوتو سوچنا چاہئے کہ ٹی وی پر آنے والے اوراس کے جواز کے قائل علماء جب ٹی وی پر آئیں گےتو وہ اپنے موقف کی حقانیت وصداقت اور مخالفین کی تغلیط فرمائیں گے، ٹھیک اسی طرح جوحضرات مخالف ہوں گے، وہ بھی اپنے موقف کو دلائل وشواہد سے مبرہن کریں گے، اوراپنے مخالفین کے موقف کی تغلیط کریں گے... جوان کا فطری اور منطقی حق ہے... یوں اختلافات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجائے گا،اوراہل حق کے آپس میں دست وگریبان ہوتے ہی اسلام دشمنوں کا مقصد پورا ہوجائے گا، کیونکہ وہ دراصل مسلم امہ اور علماء کے اتفاق واتحاد سے ہی سب سے زیادہ خائف اورالرجک ہیں۔

۱۶- ٹی وی پر وعظ وبیان اورتقریرومکالمہ کی ضرورت پرزوردینے والوں کواس انداز سے بھی سوچنا چاہئے کہ جس اسٹیج اور جس جگہ پرعصیان وطغیان پر مبنی حیاء سوز اور ایمان کش فلمیں، لچر واہیات پروگرام اور گانے گائے جاتے ہوں اور وہاں ''خدا کے لئے'' جیسی خالص کافرانہ اور ملحدانہ فلمیں اورڈرامے دکھائے جاتے ہوں، وہاں اللہ کا پاک، پاکیزہ کلام، احادیث مبارکہ اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی لیکچروں کا سنانا اور دکھانا جائز بھی ہوگا؟ کہیں یہ قرآن وسنت اور دین وشریعت کی توہین وتنقیص یا سوء ادبی تونہیں ہوگی؟

کیونکہ سیّدابراہیم الدسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''اپنے منہ کوتلاوت قرآن مجید کے لئے پاک وصاف رکھا کرو، کیونکہ جوشخص منہ کو حرام بات یا حرام کھانے سے آلودہ کرکے بغیرتوبہ کے قرآن مجید پڑھنے لگے،اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قرآن کوناپاکی پر رکھے، ایسے آدمی کو جوحکم ہونا چاہئے وہ سب کومعلوم ہے، بعض اولیاء اپنے مشاہدے میں اس کو باطنی گندگیوں سے زیادہ پلید دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔'' (معارف بہلوی ص:۴۱، ج:۴)

نیز اس پر بھی غور فرمایا جائے کہ گندی اور ناپاک جگہ اور غلاظت خانہ یا باتھ روم میں اللہ کا ذکر کرنا اگرممنوع ہےتوٹی وی ایسے غلاظت کدہ میں کیااس کی اجازت ہوگی؟

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین.

قیام دارالعلوم دیوبند کا دینی وسیاسی پس منظر

از: پروفیسر بدرالدین الحافظ
جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

ایشیا کی مایۂ ناز دانش گاہ اور ہزاروں فیض یافتگان علوم اسلامیہ کی مادر علمی دارالعلوم دیوبند جس کو آج بجا طور پر ازہر الہند کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کن حالات اور اسباب کی بنا پر وجود میں آئی اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں بہت دور تک تاریخ کی چھان بین کرنی ہوگی کیونکہ اس کی جڑیں ہندوستانی تاریخ کی کئی صدیوں میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس سلسلے میں بظاہر تو ۱۶۱۵ء میں انگلستان کے فرماں روا جیمز اوّل نے اپنے سفیر سرٹامس رو کو جہانگیر کے دربار میں بھیج کر تین سال کے لیے تجارتی مراعات حاصل کی تھی۔ جو تجارت کے بہانے ہندوستان میں عیسائیت کی جڑیں جمانے کا عیارانہ حربہ تھا ع

سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مگر حقیقت میں مختلف ملکوں کی عیسائی مشنریز یہاں بہت پہلے سے سرگرم عمل تھیں اور کم فہم نادان عوام کو لالچ دے کر یا زبردستی مسیحیت میں داخل کرنے کا عمل جاری تھا۔ اس کے بعد شاہ جہاں کے عہد میں انگریزوں نے ہوگلی بنگال کے قریب کچھ دیہاتوں کو اپنی گرفت میں لے کر عیسائی تبلیغ کا کام زور وشور سے شروع کیا اور رفتہ رفتہ یہ تحریک شہری علاقوں میں پھیلنے لگی۔ یہاں تک کہ جو کمزور آدمی نظر آتا، اسے عیسائی بنا کر انگلستان بھیج دیا جاتا۔ مرنے والوں کا مال ضبط کرلیا جاتا، نابالغ ہندو مسلمان یتیم بچوں کو عیسائی بنا کر غلام بنالیا تھا۔

۱۶۹۳ء میں کچھ مسلمان حج کے لیے جارہے تھے، ان کو گرفتار کیا۔ جو مسلمان جہاز پر تھے، ان کو لوٹنے کے بعد برہنہ کیا۔ مستورات کی بے حرمتی کی جس کی وجہ سے شرم کی ماری بہت سی عورتیں ڈوب کر مرگئیں۔(۱) اس کے علاوہ عیسائی مذہب پھیلانے کے لیے پرتگیزیوں اور

انگریزوں نے بڑے رکیک ہتھکنڈے بھی استعمال کرتے ہوئے اپنی لڑکیوں کو بادشاہوں کے حرم میں پہنچانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ چنانچہ اکبر بادشاہ کی بیوی مریم زمانی، عالمگیر کی بیوی مسیح النسار، شاہ عالم کی بیوی مس ہنری، اور نصیرالدین حیدرشاہ کی بیوی مخدرہ عالیہ ہوئیں جنھوں نے عیسائی مذہب کی ترویج وترقی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، مگران تمام کوششوں کے باوجود عام طور پر مسلمانوں نے اس کا اثر قبول نہیں کیا۔ سوائے گنے چنے چند کمزور لوگوں کے اوراس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں مسلمانوں کا معاشی اور مذہبی نظام کافی حد تک مستحکم تھا۔ لیکن جوں ہی بادشاہ عالمگیر کا وصال ہوا، یہاں سے مسلمانوں کا اقتدار کمزور ہوتا چلا گیا۔ ذہنوں پر بے حسی، بے بسی طاری ہوگئی۔ پھر ۱۷۴۷ء میں مدراس پر انگریزوں کے قبضے نے حالات میں اور ابتری پیدا کردی۔

اب انگریزوں کا معمول بن گیا تھا کہ جس مقام پر قبضہ کرتے، وہاں برطانوی، امریکی اور جرمنی عیسائی مشنریوں کی ٹڈی دل فوج شہروں، قصبوں، دیہاتوں اور محلوں میں پھیل جاتی اور مسیحی مذہب کی ہر ممکن طریقے سے تبلیغ کرتی۔ اسکول کھولے جاتے، اسپتال قائم کیے جاتے، طالب علموں اور مریضوں میں ہر طریقے سے نصرانیت کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی اور اسلام کی تہذیب وتحقیر کی بھرپور کوشش ہورہی تھی۔ اسی طرح ۱۸۹۱ء میں بشپ کالج کلکتہ میں قائم کیا گیا۔ اس کے ہر طالب علم کو یہ قسم کھانی پڑتی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مشنری کے کاموں میں حصہ لے گا۔ اور یہی نہیں دوران تعلیم لڑکوں کو انجیل کے اقتباسات پڑھائے جاتے اوران سے سوال کیے جاتے کہ تمہارا خدا کون ہے؟ نجات دہندہ کون ہے؟ اس کا جواب عیسائی مذہب کے مطابق بتانے والے کو انعام دیا جاتا۔

اسکولوں کالجوں کے علاوہ فوجیوں کو بھی اپنے مذہبی شعار اختیار نہ کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ چنانچہ ۱۸۰۸ء میں پہلی بار مقام ویلور مدراس میں ایک کمانڈران چیف نے فوجی قوانین میں تین باتوں کا اضافہ کیا اور حکم دیا، فوجی اپنے ماتھے پر تلک نہ لگائیں، داڑھیاں منڈوائیں اور اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپیاں چھوڑ کر انگریزی ہیٹ استعمال کریں۔

اس کے علاوہ عام محلوں سڑکوں اور بازاروں میں جو عیسائی مذہب کی تبلیغ کی جارہی تھی بعض کمزور مسلمانوں پر اس کا اثر ہونے لگا تھا جیسا کہ عمادالدین پانی پتی مع اپنی اولاد کے عیسائی ہوگئے اوران کے والد چراغ الدین، بھائی خیرالدین نے بھی اسلام کو خیرباد کہہ کر عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا۔ اسی طرح صفدر علی بھی اسلام سے برگشتہ ہوکر عیسائی ہوگئے تھے۔

مگر عیسائیوں کی ان تمام کوششوں کے باوجود جن لوگوں نے اپنی ذات مصالح کی بناپر اس مذہب کو قبول کیا، ان کی تعداد بہت کم تھی، جس کا خود عیسائی مبلغ گارسان رتاسی اپنے ایک خطبہ میں ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندوستان میں ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے جنھوں نے دین مسیح کو قبول کیا۔(۲) اوراس کے ساتھ وہ یہ بھی شکوہ کرتا ہے کہ یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ ہندولوگ اسلام میں شامل ہورہے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی بعض عیسائی نہ معلوم کیوں اسلام قبول کرکے اوراپنی وضع قطع بدل کراسلام کی تبلیغ کرتے پھر رہے ہیں۔(۳)

غرض تبدیلئ مذہب کے واقعات اورعیسائیوں کی بھرپور کوششوں کے علاوہ یہاں مرہٹوں جاٹوں اورسکھوں کی مسلم مخالف جنگجویانہ سرگرمیوں نے بھی مسلمانوں کے لیے مشکلات میں اور اضافہ کردیا تھا جس کو دردمند قلوب بخوبی محسوس کررہے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نجیب الدولہ کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں ”اگر غلبہ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام فراموش کردیں گے اورتھوڑا ہی زمانہ گزرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اورغیراسلام میں تمیز نہ کرسکے گی“۔(۴)

اس کے علاوہ ۱۷۳۲ء میں جب حضرت شاہ صاحب زیارت حرمین شریفین سے واپس تشریف لائے اور یہاں کے معاشرہ کا حال دیکھا تو تڑپ اٹھے کیونکہ اس دور میں حکمراں طبقہ اپنی رنگ رلیوں میں مست تھا۔ علماء وقت جو کچھ درس وتدریس کا کام کررہے تھے، وہ بھی دین کی روح سے کوسوں دور تھے اورعوام تو بے روک ٹوک شکم پروروں کے چکر میں افعال دین سمجھ کر بے دینی کے غلیظ تالابوں میں غوطہ زن تھے۔ ان مندرجہ بالا حالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں دعوتِ دین اورتبلیغ اسلام کی صحیح کوشش کی کتنی اہم ضرورت تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو باصلاحیت علماء نے عیسائی مشنریز اورنصرانیت کے مبلغین پر قدغن لگانے اور بے دینی کے سیلاب کو روکنے کی بھرپور کوشش کی اوران کے مقابلے میں سینہ سپر ہوگئے۔ چنانچہ ۱۸۴۴ء میں مولانا آل حسنؒ نے ردنصاریٰ پر ایک کتاب استفسار شائع کی، جس میں پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کے اعتراضات کے جوابات بھی تھے۔

اس کے بعد مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے رد نصاریٰ پر بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں تحریر فرمائیں جن میں اظہار الحق میزان الحق کا ایسا بھرپور اورمدلل جواب تھا جس کا اب تک توڑ نہ کیا جاسکا اورآج بھی اس کے تراجم مختلف ملکوں میں پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگرہ میں پادری فنڈر کی کوٹھی پر اسلام کی حقانیت ثابت کرنے اور عیسائیت کی تکذیب کے لیے خود پہنچے اور اس کو مناظرہ کی دعوت دینے کی کوشش کی۔ اتفاقاً وہ اس وقت نہیں ملا تو بعد میں اپریل ۱۸۵۴ء میں ایک دوروزہ مناظرہ کا آگرہ میں اہتمام کیا گیا جس میں پادری فنڈر نے اعتراف کیا کہ انجیل مقدس میں تحریف ہوئی ہے۔ اس تاریخی مناظرہ سے صرف ہندوستان کے مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ یہاں کی ہر قوم میں انگریزوں کے خلاف ایک بیداری پیدا ہوئی اور یہ مناظرہ ذہنی آمادگی پیدا کرنے کے لیے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ مولانا رحمت اللہ کے حامیوں نے کس طرح عیسائیوں کی کوشش کا قلع قمع کیا اس کی تفصیلات مولانا امداد صابری مرحوم کی کتاب فرنگیوں کے جال میں دیکھی جاسکتی ہے۔ پھر اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مشہور مناظرے، شاہجہانپور، روڑکی وغیرہ کی طرف اشارہ کافی ہے۔ جن کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے۔

مختصراً یہاں پر یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ دینی مدارس کے قیام کے اسباب میں انگریزوں کے مندرجہ ذیل عزائم بھی کارفرما تھے جیسا کہ برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر ملکنگلیس نے آغاز ۱۸۵۷ء میں دارالعلوم میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ خداوند نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیرنگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیحؑ کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت پورے ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنا چاہیے اور اس میں کسی طرح کا تساہل نہ کرنا چاہیے۔(۵)

پھر اس عزم و ارادوں کی تکمیل کے لیے انگریزوں نے تبلیغ کے علاوہ جو تدابیر اختیار کیں ان میں مال و منال چشم غزال نوکریوں کا لالچ جیسے ہر ہتھکنڈے کو اختیار کیا گیا تھا۔ انگریزی اسکولوں میں مفت تعلیم اور غربت و افلاس میں ہر ممکن اضافہ کرکے عیسائیوں کی جھولیوں میں آنے کے لیے مجبور کرنا شامل تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ علوم اسلامیہ کو مٹانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی جیسا کہ شاہ عبدالرحیمؒ کا قائم کردہ مشہور مدرسہ رحیمیہ مہندیان میں ختم کیا گیا۔

پھر لارڈ میکالے نے صاف لفظوں میں کہہ ڈالا کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے اعتبار سے انگلستانی۔(۶)

ان تمام حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد جو ہم بارہویں صدی ہجری میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور آپ کے اہل خاندان کی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

ایک طرف تو آپ نے رجوع الی القرآن کے مقصد سے آسان تفہیم کے لیے فتح الرحمٰن نامی فارسی ترجمہ کی خدمت انجام دی اور آپ کے صاحبزادوں میں حضرت شاہ عبدالعزیز نے فارسی میں ایک عظیم تفسیر لکھنی شروع کی جو مکمل نہ ہوسکی اور اس تشنگی کا آج بھی اہل علم میں احساس پایا جاتا ہے۔ پھران کے بعد آپ کے برادران حضرت شاہ عبدالقادر وفات ۱۲۳۰ھ اور شاہ رفیع الدین وفات ۱۲۳۳ھ نے بامحاورہ اور تحت اللفظ ترجمے تحریر فرمائے جو بعد کے تفسیری کام کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ دینی مدارس کے نصاب کے لیے آپ نے مختلف علوم وفنون پر کتابیں مدون فرمائیں جو آئندہ مدارس کے لیے ایک مشعل ہدایت ثابت ہوئیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ملک کے سیاسی حالات سے بھی یہ لوگ بے حد فکرمند تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ وفات ۱۲۳۹ھ نے انگریزوں کی دین مخالف تحریکات کو دیکھتے ہوئے جب یہ سنا کہ مغلوں کی لڑکھڑاتی سلطنت کے شہنشاہ شاہ عالم کی حکومت اب دہلی کے پالم علاقہ تک محدود رہ گئی ہے تو ۱۸۰۳ء میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا، جس نے ایک طرف مسلمانوں کے حوصلے بلند کردیے اور حریت وطن کی خاطر سینہ سپر ہوجانے کا جذبہ عطا کیا۔ دوسری طرف انگریز حکومت اس فتوے سے لرزہ براندازہوگئی، کیونکہ وہ ولی اللّٰہی خاندان کے فتوے کی اہمیت سے بخوبی واقف تھی۔(۷)

اس کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے ہمنوا علماء کرام نے ایک انقلابی جماعت کی بنیاد ڈالی جس کے تیسرے امام حضرت شاہ عبدالغنیؒ اور آپ کی وفات کے بعد چوتھے امام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (وفات ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء)(۸) مقرر ہوئے۔ نیز آپ کے شرکا میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (وفات ۱۳۲۳/۶/۸ھ) اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ خاص طور پر شامل تھے۔ ان حضرات نے ایک طرف عملاً انگریز کے خلاف جہاد کا آغاز کیا جو بہمہ وجوہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوا۔ دوسری طرف حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (وفات ۱۲۹۷ھ-۱۸۸۰ء) اور آپ کے رفقاء نے اپنی فراست ایمانی اور دیدہ بصیرت سے اندازہ لگایا تھا کہ ان نازک حالات میں اگر مسلمانوں کو قرآن وحدیث اور دیگر علوم اسلامیہ سے واقف کرانے کا کوئی معقول اور مستحکم بندوبست نہ کیا گیا تو سخت خطرہ ہے کہ مسلمان کہیں نصرانیت کے جال میں نہ پھنس جائیں۔ بس انھیں خیالات کے پیش نظر مورخہ ۱۵رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۷ء بروز جمعرات کو دیوبند کی مبارک سرزمین پر چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ہدایت کا یہ

شجرطوبیٰ وجود میں آیا۔اس طرح ابتدا میں یہ مدرسہ عربی اور پھر دارالعلوم کے معروف نام سے موسوم ہوا۔

اس کی مقبولیت کا اندازہ صرف ان اعداد وشمار سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۲۸۷ھ سے لے کر ۱۴۲۷ھ تک یعنی تقریباً ۱۴۴ سال میں ایک لاکھ پچھتّر ہزار اٹھارہ فضلاء دارالعلوم سے فارغ ہوکر دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکے ہیں۔(۹) اور دین مبین کی والہانہ خدمت کا فریضہ انجام دینے میں مصروف ہیں۔اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبولیت سے نوازے اور دارالعلوم کا چشمہ فیضان تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرتا رہے۔آمین۔

❁ ❁ ❁

حوالہ جات

(۱) سوانح علماء دین دیوبند اوّل،ص:۳۸۲۔

(۲) تاریخ ہند۔ذکاء اللہ (جلداوّل) ص:۲۹۹۔بحوالہ سوانح علماء دیوبند اوّل،ص:۳۸۸ تاریخ ہند۔

(۳) پروفیسر خلیق احمد نظامی۔شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات،ص:۲۲-۲۳۔

(۴) حوالہ سابقہ

(۵) علماء حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے،ص:۱۶ بحوالہ سوانح علماء دیوبند (جلد دوم) ص:۲۲۔

(۶) اخبار مدینہ،بجنور۔اشاعت ۲۸/جنوری ۳۶۔بحوالہ سوانح علماء دیوبند (۲) ص:۲۵۔

(۷) فتاویٰ عزیزیہ جلد:۱،ص:۷۔بحوالہ باغی ہندوستان ترجمہ:الثورۃ الہندیہ،ص:۲۰۸۔المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

(۸) ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا حصہ،مرتبہ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی۔۳،اشاعت جنوری ۲۰۰۸ء۔

(۹) فیاض وفا،دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۷ھ۔

❁ ❁ ❁

دار العلوم دیوبند
میرے چند مشاہدات و تجربات

از: ڈاکٹر ظہور الحق

میرے خاندان کے افراد دینی علوم کی تحصیل کے لیے مظاہر العلوم سہارنپور جایا کرتے تھے۔ میں وہ پہلا شخص ہوں جو عربی اور دینی تعلیم کی تکمیل کے لیے دارالعلوم، دیوبند گیا۔ اِس مخزنِ علوم اور مایۂ ناز ادارے کی کشش کے جہاں بہت سے اسباب تھے ان میں سے ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ یہاں کے اساتذۂ کرام اور طلبہ نے برطانوی استعماریت اور اس کے تند و تیز طوفان کے خلاف جس جہد مسلسل اور بلند حوصلگی سے کام لیا اور اپنی ملت کی بقا، قوم و ملک کے تحفظ اور ایک علمی، اخلاقی اور ملی نصب العین کے لیے انھوں نے جو بے لوث قربانیاں دیں اُن سے میرے دل و دماغ پر ایسے اثرات مرتب ہوئے تھے جن کی گرفت روز بروز مضبوط ہوتی جارہی تھی اور دارالعلوم پہنچنے کی لگن تیز سے تیز تر۔ اس کے علاوہ میرا یہ خیال تھا کہ وہاں میرے علمی ذوق کی تشنگی کا سامانِ سیرابی بڑے پیمانے پر مہیا ہوسکے گا اور بحث و مباحثے کی صلاحیتوں اور قوتوں کے اظہار کے لیے مجھے وسیع میدان ملے گا، تعلیم و تدریس کے اصول و قواعد سیکھنے اور انھیں برتنے کا سلیقہ آئے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملت کے قابل فخر رہنماؤں اور ان کی عظیم شخصیتوں کا قرب میرے لیے اخلاقی و روحانی فیض کا باعث بنے گا۔

مجھے اندیشہ تو یہ تھا کہ میرے خاندان والے میرے خیال کی تائید نہ کرتے ہوئے میرے اس باغیانہ اقدام کو ناپسند کریں گے اور میرا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا مگر برخلاف اس کے جب میری خواہش اور میرے فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا اور بخوشی مجھے دارالعلوم جانے کی اجازت دے دی گئی تو میری مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

دارالعلوم دیوبند میں قدم رکھتے ہی میرا خیال یقین میں بدل گیا۔ تصور ایک جیتی جاگتی حقیقت بن گیا۔ مجھے اپنے فیصلے پر خود ہی رشک آنے لگا۔ مظاہر العلوم کے مقابلے میں یہاں اساتذہ اور طلبہ کی تعداد دوگنی سے بھی زیادہ تھی۔ روح پرور ماحول، دینی و مذہبی افکار سے سرشار

فضا، علم کے شیدائی کا اجتماع، گویا مجھے پکار پکار کر دعوتِ فکر وعمل دے رہا تھا۔ میں نے یہاں اکابرِ ملت اور اساتذۂ کرام کی شفقت ومحبت، محنت ولگن اور استغنا، وتوکل کے وہ نمونے دیکھے جنھیں میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ طلبہ کو یہاں تعمیر سیرت اور کردار سازی کے مواقع دوسرے اداروں کی بہ نسبت اس لیے زیادہ ملتے ہیں کہ یہاں کے اساتذہ اپنے مثالی کردار، بلند اخلاق اور پاکیزگیٔ افکار کے گہرے نقوش ان پر ثبت کرتے ہیں۔ کتابوں سے کہیں زیادہ اساتذہ کا حسنِ عمل اور بے غرضانہ خلوص طلبہ کی شخصیتوں اور ان کے اذہان کے لیے موثر ثابت ہوتا ہے۔ میں اِس سلسلے میں اپنے چند مشاہدات وتجربات پیش کرنا چاہوں گا۔ جہاں تک اساتذہ کی شفقت ومحبت کا تعلق ہے تو حقیقتاً وہ اپنے طلبہ سے اِسی طرح پیش آتے تھے جس طرح والدین آتے ہیں۔ اقامت گاہوں میں پابندی سے تشریف لاتے۔ طلبہ کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے۔ ہر طرح سے ان کی خیر خبر لیتے۔ اگر کوئی طالب علم مالی تنگی کی وجہ سے ہوسٹل میں قیام نہیں کرسکتا تھا تو اس کی دلجوئی کرتے، اس کا حوصلہ بڑھاتے اور اس کو ہر ممکن مدد دیتے۔ خود میرے قریب کے کمرے میں ایک نوارد طالب علم کا واقعہ ہے کہ داخلے کے امتحان میں اس کو اتنے اچھے نمبر نہ مل سکے کہ وظیفے کی اتنی رقم پانے کا مستحق ہوتا جس سے وہ اپنے اخراجات پورے کرسکتا اس کو تو تحصیل علم کا شوق کشاں کشاں دیوبند لے آیا تھا ورنہ اس کی معاشی حالت اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ وظیفہ نہ ملنے کی صورت میں اس نے مجبوراً اپنے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اساتذہ تک اس کی خبر کس طرح پہنچی۔ بہر حال چوبیس گھنٹے کے اندر اندر تین استاد باری باری اس لڑکے کے پاس آئے اور صورتِ حال معلوم کی۔ جب ان کو لڑکے کے فیصلے کا علم ہوا تو انھوں نے پوری ذمے داری کے ساتھ اس کے سارے تعلیمی مصارف کی کفالت اپنے سر لے لی۔ اس کو تسلی وتشفی دی اور ہوسٹل میں اس کے قیام کا انتظام کردیا۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے بڑی مسرت ہے کہ وہی طالب علم آج پاکستان کے ایک بڑے دینی مدرسے میں قال اللہ قال الرسول کی صدا بلند کیے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں ایسی ہیں جو استادان دارالعلوم کے پرخلوص رویے، ان کی بے پناہ ہمدردی اور قومی وملی درد سے بھرپور جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

یوں تو دارالعلوم میں رسمی طور پر صرف چھے گھنٹے تعلیم حاصل ہوتی ہے مگر عملاً بعد فجر سے گیارہ بجے رات تک اساتذہ وطلبہ درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں۔ کوئی بھی استاذ بغیر مطالعہ کیے ہوئے درسگاہ میں پڑھانے نہیں آتا۔ شیخ الادب والفقہ استاذی مولانا اعزاز علی نور اللہ مرقدہ فجر کی نماز کے بعد ''ہدایہ آخرین'' کا درس دینے کے لیے درجے میں آجاتے اور ڈھائی گھنٹے اپنی بارعب

آواز میں اس دلچسپی اور محنت سے پڑھاتے کہ طلبہ دنیا ومافیہا سے بے خبر اِس میں محو ہو جاتے۔ حضرت مولانا یہ کتاب کم از کم بیس بار پڑھا چکے تھے مگر اس کے باوجود وہ بغیر مطالعہ کیے ہوئے کبھی نہ پڑھاتے۔ اگر کتاب کے حاشیے کو پڑھ کر کوئی طالب علم سوال کرتا تو جواب دینے کی بجائے اس سے یہ کہتے کہ ''مولوی صاحب آپ نے جہاں سے سوال کیا ہے وہیں اس کا جواب موجود ہے۔'' وہ ہمیشہ طلبہ سے علمی، سنجیدہ اور بلند سطح کے سوالات کرنے کی توقع رکھتے۔ دورانِ درس وہ ایسے طلبہ کی تلاش میں رہتے جو محنتی، مطالعے کے شوقین اور ضرورت مند ہوتے وہ ان کو یا تو اپنے مطالعے کے کمرے میں بلاتے یا خود ان کے کمروں میں جا کر بعد سلام کے ان کی خیریت معلوم کرتے اور سب سے چھپا کر حسب گنجائش امدادی رقم دینے کے بعد سلام کر کے چلے آتے۔ تحفہ اور ہدیہ قبول کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے یہ سنا کہ بڑی منت سماجت کے بعد اس نے حضرت مولانا کی خدمت میں ایک قیمتی رومال تحفہ پیش کیا جس کو انھوں نے بڑی مشکل سے قبول کیا۔ کسی غلطی کی بناء پر یہ طالب علم دارالعلوم کی طرف سے سزا کا مستحق قرار پایا گیا۔ پانچ مہینے بعد یہی طالب علم اپنے اسی معاملے میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپنا مسئلہ رجوع کیا۔ حضرت مولانا کچھ جواب دینے کی بجائے اٹھے، الماری کھولی اور وہ تحفہ جو اسی طرح ابھی الماری میں محفوظ تھا، شکریے کے ساتھ واپس کیا اور فرمایا کہ ''میری طرف سے آپ اس کو استعمال کریں'' پھر کہا ''آپ قاعدے کے مطابق درخواست دیں جو جو مدد ممکن ہوگی میں اس کے لیے حاضر ہوں۔'' دارالعلوم کے قاعدے کے مطابق اس کی سزا معاف نہیں ہوسکتی تھی۔ صرف مہتمم کو اختیار خصوصی کی بنا پر اس سزا کی معافی کا حق تھا۔ حضرت مولانا نے اس کی عرضی پیش کرتے ہوئے مہتمم صاحب سے ہمدردی کی درخواست کی۔ اس طرح وہ طالب علم بری ہو گیا۔ پھر حضرت مولانا اس کے کمرے میں پہنچے اور پہلے اس سے اِس اذیت کے لیے معذرت چاہی جو ان کے سخت رویے سے اُسے پہنچی تھی۔ اس کے بعد اس کو بری ہونے کی خوشخبری سنائی۔

حکیم اسلام استاذ مکرم مولانا طیب صاحب کے انداز تدریس کو کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ وہ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا کرتے تھے حالانکہ ان کی زندگی مصروف ترین زندگی تھی۔ دارالعلوم کے اندر اور باہر کے بے شمار ایسے مسائل تھے جس کی وجہ سے ان کا وقت کبھی خالی نہ رہتا۔ مگر جب بھی مولانا دیوبند میں ہوتے اپنی گوناں گوں مصروفیتوں میں سے وقت نکال کر حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینے مقررہ کمرے میں آتے اور انتہائی پرسکون طریقے سے عالمِ استغراق میں پڑھانا شروع کرتے۔ اِس وقت ان کے ذہن میں کوئی مسئلہ اور اُلجھن نہ ہوتی۔ ان کی تمام تر توجہ

درس پر مرکوز ہوتی۔ وہ علمی مسائل پر اس طرح بحث کرتے اور اس کو اس دلنشیں انداز میں سمجھاتے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہتا۔ مولانا کے حکیمانہ اور متکلمانہ اندازِ بیان، علوم میں ان کی گہری بصیرت اور ان کی بارعب و پرکشش شخصیت کے انمٹ نقوش ہمیشہ میرے ذہن میں رہیں گے۔

یہاں کے اساتذہ میں توکل اور استغنا کی جو کیفیت دیکھی اس سے ادارے سے ان کی وابستگی اور دینی واخلاقی اقدار کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرے اداروں میں اساتذہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ آمدنی کے ذرائع تلاش کریں مگر یہاں کے اساتذہ اپنی قلیل تنخواہوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ادارے کی خدمت کو عین سعادت سمجھتے ہیں۔ کبھی کبھی تو بڑی تنخواہوں کی پیشکش کو بھی قابل اعتنا نہیں سمجھتے اور اپنے عزیز ادارے سے وابستگی کو باعثِ فخر خیال کرتے ہیں۔ میں نے علی گڑھ کے بعض باا ثر ذمہ داروں کی ایما سے وہاں سے استاد کو یہ لکھا کہ ان کی قابلیت واہلیت اور تجربے کے مطابق ایک اچھی آسامی خالی ہے۔ تقرر کی قوی امید ہے درخواست بھیج دیجئے میرے اس خط کے جواب میں ان صاحب نے درخواست کا مقررہ فارم واپس کردیا اور لکھا ''الحمدللہ میں یہاں بہت مطمئن ہوں۔ اکابر کی خدمت کے مواقع میسر ہیں۔ دارالعلوم کی ملازمت میرے لیے صرف ایک ذریعہ معاش نہیں ہے بلکہ ایک سعادت ہے۔ میرے اکابر اور اساتذہ اگر مجھے وہاں کی خدمت کے لیے حکماً بھیجیں تو مجھے انکار کی مجال نہیں ورنہ میں اپنے دارالعلوم کو رہتی زندگی تک چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ کی توجہ اور مہربانی کا میں شکر گذار ہوں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔''

استغناء کی ایسی کئی مثالیں مل جائیں گی جن کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد قوم میں سے ایسے افراد تیار کرنا تھا اور ہے جو ایک طرف دینی علوم کے ماہر اسلامی روح وجذبے سے سرشار شخصیت کے مالک اور اسلامی شعار کے جیتے جاگتے نمونے ہوں تو دوسری طرف قوم وملت کے بےلوث خادم اور بہی خواہ اور اس کے محافظ۔ دارالعلوم کی تاریخ ایسی ممتاز شخصیتوں سے مزین ہے جنھوں نے اپنی زندگیاں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وقف کردیں اور جو اپنے علم وعمل، بلندی اخلاق وکردار اور مثالی کمالات وفضائل کی وجہ سے زندہ جاوید رہیں گی۔

دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے اساتذۂ گرامی کے فیضان ہی کی بدولت میرے افکار کو جلا اور میری زندگی کو صحیح منزل ملی ہے وہاں کی کیف آگیں یادیں اور روح پرور صحبتیں، وہاں کے شب و روز اور علمی مشاغل اور وہاں کے استادوں کی عنایتیں اور شفقتیں، زندگی کا وہ انمول سرمایہ ہیں جو میرے نہاں خانۂ دل میں محفوظ ہیں۔

خواب کی حقیقت اور اس کے احکام

از: مفتی تنظیم عالم قاسمی
استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

انسان کبھی نیند کی حالت میں بہت سی ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو بیداری اور جاگنے کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ عرف عام میں اس کو خواب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلاصۃ التفاسیر میں ہے کہ خواب میں روح جسم سے نکل کر عالم علوی اور عالم سفلی میں سیر کرتی ہے جو جاگنے میں نہیں دیکھ سکتی وہ دیکھتی ہے۔ اسے حسِ روحانی کہنا چاہیے، حس جسمانی صرف حاضر پر حاوی ہوسکتی ہے اور حس روحانی حاضر وغائب دونوں کا ادراک واحساس کرتی ہے، اس لئے خواب میں ایسے احوال وکیفیات مشاہدہ میں آتی ہیں جن سے خود خواب دیکھنے والے کو بڑی حیرت ہوتی ہے، کبھی مسرت انگیز اور کبھی خوفناک تصویریں ذہن میں ابھرتی ہیں اور بیداری کے ساتھ ہی یہ تمام کہانی یکلخت مٹ جاتی ہے۔ قرآن کے متعدد مقامات میں مختلف نوعیّتوں سے خواب کا تذکرہ کیا گیا ہے اور احادیث میں بھی رسول اکرم ﷺ نے اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب کا وجود حق ہے۔ انبیاء کرام کے علاوہ دیگر افراد کا خواب اگرچہ حجت شرعی نہیں تاہم یہ فیضان الوہیت اور برکات نبوت سے ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اس سے مراد علم نبوت ہے یعنی رویاء صالحہ علم نبوت کے اجزاء اور حصوں میں سے ایک جزو حصہ ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم) غور کیا جائے تو اس حدیث میں آپ ﷺ نے اچھے اور بہتر خواب کی فضیلت ومنقبت بیان فرمائی ہے اور اسے نبوت کا پرتو قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: پہلی قسم نفس کا خیال ہے، یعنی انسان دن بھر جن امور میں مشغول رہتا ہے اور اس کے دل ودماغ پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں وہی رات میں

بصورت خواب متشکّل ہوکر نظر آتی ہیں، مثلاً ایک شخص اپنے پیشہ وروزگار میں مصروف رہتا ہے اور اس کا ذہن وخیال ان ہی باتوں کی فکر اور ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے جو اس کے پیشہ وروزگار سے متعلق ہیں تو خواب میں اس کو وہی چیزیں نظر آتی ہیں، یا ایک شخص اپنے محبوب کے خیال میں مگن رہتا ہے اور اس کے ذہن پر ہروقت اسی محبوب کا سایہ رہتا ہے تو اس کے خواب کی دنیا پر بھی وہی محبوب چھایا رہتا ہے۔ غرض کہ عالمِ بیداری میں جس شخص کے ذہن وخیال پر جو چیز زیادہ چھائی رہتی ہے، وہی اس کو خواب میں نظر آتی ہے۔ اس طرح کے خواب کا کوئی اعتبار نہیں۔

دوسری قسم ڈراؤنا خواب ہے، یہ خواب اصل میں شیطانی اثرات کا پرتو ہوتا ہے۔ شیطان چوں کہ ازل سے بنی آدم کا دشمن ہے اور وہ جس طرح عالم بیداری میں انسان کو گمراہ کرنے اور پریشان کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح نیند کی حالت میں بھی وہ انسان کو چین نہیں لینے دیتا۔ چنانچہ وہ انسان کو خواب میں پریشان کرنے اور ڈرانے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے۔ کبھی تو وہ کسی ڈراؤنی شکل وصورت میں نظر آتا ہے جس سے خواب دیکھنے والا انتہائی خوفزدہ ہوجاتا ہے، کبھی اس طرح کے خواب دکھلاتا ہے جس میں سونے والے کو اپنی زندگی جاتی نظر آتی ہے جیسے وہ دیکھتا ہے کہ میرا سر قلم ہوگیا وغیرہ وغیرہ اسی طرح خواب میں احتلام کا ہونا کہ جو موجب غسل ہوتا ہے اور بسا اوقات اس کی وجہ سے نماز فوت یا قضا ہوجاتی ہے اسی شیطانی اثرات کا کرشمہ ہوتا ہے۔ پہلی قسم کی طرح یہ بھی بے اعتبار اور ناقابل تعبیر ہوتی ہے۔ اسی طرح کے ڈراؤنے اور برے خواب سے حفاظت کے لیے حدیث میں اس دعا کی ہدایت دی گئی ہے۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعَذَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنَ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ. (ابوداؤد وترمذی) ”میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس واثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں“۔

خواب کی تیسری قسم وہ ہے جس کو منجانب اللہ بشارت کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے خواب میں بشارت دیتا ہے اور اس کے قلب کے آئینہ میں بطورِ اشارات وعلامات ان چیزوں کو متشکل کرکے دکھاتا ہے جو آئندہ وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہے یا جن کا تعلق مؤمن کی روحانی وقلبی بالیدگی وطمانیت سے ہوتا ہے وہ بندہ خوش ہو اور طلب حق میں تروتازگی محسوس کرے، نیز حق تعالیٰ سے حسن اعتقاد اور امید آوری رکھے، خواب کی یہی وہ قسم ہے

جو لائق اعتبار اور قابل تعبیر ہے اور جس کی فضیلت و تعریف حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ (مظاہر حق جدید)

اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت اور خوشخبری ہوتی ہے کہ وہ بندہ خوش ہو اور اس کا وہ خواب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے حسن سلوک اور امید آوری کا باعث اور شکر خداوندی میں اضافہ کا موجب بنے اور برا خواب شیطانی اثرات کا عکاس ہوتا ہے یعنی برے خواب سے انسان فطری طور پر پریشان اور غمگین ہوتا ہے جس سے شیطان بڑا خوش ہوتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ہدایت دی ہے کہ جو شخص برا اور ناپسندیدہ خواب دیکھے اس کو چاہیے کہ بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اپنی اس کروٹ کو تبدیل کردے جس پر وہ خواب دیکھنے کے وقت سو رہا تھا۔ (مشکوٰۃ:۳۹۴)

دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی اس طرح کا خواب دیکھے تو اس طرف توجہ نہ دے اور نہ اس کو کسی دشمن یا دوست کے پاس بیان کرے، اللہ کی پناہ مانگنے اور تین بار تھتکارنے سے انشاء اللہ وہ اس برے خواب کے مضر اثرات سے محفوظ رہے گا۔ ایسا خواب کسی دشمن یا دوست کے سامنے بیان نہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ سننے والا خواب کی ظاہری حالت کے پیش نظر جب خراب تعبیر دے گا تو اس کی وجہ سے فاسد وہم میں مبتلا ہونا لازم آئے گا۔ دل و دماغ میں مختلف قسم کے اندیشے، وسوسے اور مختلف اوہام وخیالات پیدا ہوں گے جن سے وہ شخص پریشان ہوگا اور خواہ مخواہ اس کا سکون وچین متاثر ہوگا، اسی کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ سننے والے شخص نے جس خراب تعبیر کی نشاندہی کی ہے وہ واقع ہوجائے۔ اس لیے کہ خواب کے وقوع پذیر ہونے میں خواب کو ایک خاص تاثیر حاصل ہے کہ خواب سننے والا جو تعبیر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ویسا ہی وقوع پذیر ہوجاتا ہے، چنانچہ ابورزین عقیلیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وھی علی رجل طائر مالم یحدث بھا فاذا حدث بھا وقعت (مشکوٰۃ:۳۹۶) ''خواب کو جب تک بیان نہ کیا جائے وہ پرندہ کے پاؤں پر ہوتا ہے اور جب اس کو کسی کے سامنے بیان کردیا جاتا ہے تو وہ واقع ہوجاتا ہے''... علی رجل طائر یعنی پرندہ کے پاؤں پر ہونا دراصل عربی کا ایک محاورہ ہے جو اہل عرب کسی ایسے معاملہ اور کسی ایسی چیز کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جن کو قرار وثبات نہ ہو، مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح پرندہ عام طور پر کسی ایک جگہ ٹھہرا نہیں رہتا بلکہ اڑتا اور حرکت کرتا رہتا ہے اور جو چیز اس کے پیروں پر ہوتی ہے وہ بھی کسی ایک جگہ قرار نہیں پاتی بلکہ ادنیٰ سی حرکت

سے گر پڑتی ہے۔اسی طرح یہ معاملہ اور یہ چیز بھی کسی ایک جگہ پر قائم وثابت نہیں رہتی لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ خواب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب تک اس کو کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جاتا اور اس کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا جاتا ہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور نہ وہ واقع ہوتا ہے لیکن جب اس کو کسی کے سامنے بیان کردیا جاتا ہے اور جوں ہی اس کی تعبیر دی جاتی ہے وہ اسی تعبیر کے مطابق واقع ہوجاتا ہے۔ اس لیے کسی کے سامنے اس طرح کے خواب کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے۔اچھے خواب میں اگرچہ ناخوشگوار باتوں کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تاہم اسے بھی کسی جاہل، دشمن اور نااہل کے پاس بیان نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس کے غلط تعبیر بتانے کے سبب خواب کا رخ بدل سکتا ہے، البتہ اہل علم، تعبیر خواب کے ماہر اور دانا دوستوں سے بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

برصغیر کے مایۂ ناز محدث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اچھے اور بہتر خواب کی درج ذیل ۹ صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنا۔

(۲) جنت یا جہنم کو خواب میں دیکھنا۔

(۳) نیک بندوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو خواب میں دیکھنا۔

(۴) مقاماتِ متبرکہ جیسے بیت اللہ کو خواب میں دیکھنا۔

(۵) آئندہ پیش آنے والے واقعات کو خواب میں دیکھنا، پھر وہ واقعہ ویسا ہی رونما ہو جیسا اس نے دیکھا ہے مثلاً دیکھا کہ ایک حاملہ کو لڑکا پیدا ہوا پھر واقعی لڑکا پیدا ہو۔

(۶) گذشتہ واقعات کو واقعی طور پر خواب میں دیکھنا مثلاً دیکھا کہ کسی کا انتقال ہوگیا پھر انتقال کی خبر آئی۔

(۷) کوئی ایسا خواب دیکھنا جو کوتاہی پر آگاہ کرے مثلاً خواب دیکھا کہ کتا اس کو کاٹ رہا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ غصیلا ہے، اپنا غصہ کم کرے۔

(۸) انوار اور ستھرے کھانوں کو خواب میں دیکھنا مثلاً دودھ، شہد اور گھی کا پینا۔

(۹) ملائکہ کو خواب میں دیکھنا۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۲۵۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أصدق الرؤیا بالأسحار (ترمذی) یعنی رات کے آخری حصے کا خواب زیادہ سچا

ہوتا ہے کیونکہ پچھلا پہر عام طور پر دل و دماغ کے سکون کا وقت ہوتا ہے، اس وقت نہ صرف یہ کہ خاطر جمعی حاصل رہتی ہے بلکہ وہ نزول ملائکہ، سعادت اور قبولیت دعا کا بھی وقت ہے۔ اس لیے اس وقت کا دیکھا ہوا خواب زیادہ سچا ہوتا ہے تاہم کسی خواب کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ خواب سچا ہے اور اس کا وقوع یقینی ہے۔ اس لیے کہ اچھا خواب اللہ کی طرف سے محض ایک رہنمائی ہوتی ہے کوئی حجت شرعی نہیں۔ خواب میں دیکھی ہوئی چیز جب واقع ہوجائے تو اس کے متعلق یقین ہوجائے گا کہ خواب سچا تھا، لیکن یاد رہے کہ اگر رسول اکرم ﷺ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو وہ خواب سچا اور صحیح ہوگا، اس میں جھوٹ یا دھوکہ کا کوئی شائبہ نہیں، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے درحقیقت مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ (مشکوٰۃ: ۳۹۴)

غلط خواب کا تعلق شیطان سے ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے کہ مختلف غلط اور جھوٹے خیالات و اوہام دل و دماغ میں پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مبارک تصویر و شباہت پر شیطان حاوی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جس نے بھی حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا درحقیقت اس نے آپ کا ہی مشاہدہ کیا ہے اور یہ خواب دیکھنے والے کے تقویٰ، بزرگی اور قربت الٰہی کی دلیل ہے کہ اس کے کسی عمل سے خوش ہوکر اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی کا دیدار کرایا ہے۔ البتہ اہل تحقیق اور اصحاب نظر نے اس میں کلام کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنا کب معتبر ہوگا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کا جو حلیہ اور صورت احادیث میں بیان کی گئی ہے اسی صورت کیساتھ اگر دیکھا جائے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ گویا اس نے آپ ﷺ ہی کو دیکھا ہے۔ اسی وجہ سے منقول ہے کہ حضرت محمد بن سیرین جو تعبیر فن کے امام تھے، ان کے پاس اگر کوئی آنحضرت ﷺ کو دیکھنے سے متعلق اپنا خواب بیان کرتا تو آپ ان سے دیکھے ہوئے حلیہ اور شکل وصورت کے بارے میں سوال کرتے اگر وہ آنحضرت ﷺ کا حلیہ بیان نہ کرپاتا تو اس سے کہتے کہ بھاگ جاؤ تم نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں نہیں دیکھا ہے۔

اس بارے میں شارحِ مسلم حضرت امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے بہر صورت آپ ﷺ کو دیکھا خواہ اس نے اس مخصوص صورت و حلیہ میں دیکھا ہو جو آپ ﷺ کے بارے میں منقول ہے یا کسی اور شکل و شباہت میں دیکھا ہو کیوں کہ شکل و شباہت کا مختلف ہونا ذات کے مختلف ہونے کو ضروری قرار نہیں دیتا۔ علاوہ ازیں یہ

نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ شکل وشباہت میں اختلاف وتفاوت کا تعلق خواب دیکھنے والے کے ایمان کے کمال ونقصان سے بھی ہوسکتا ہے یعنی جس شخص نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو اچھی شکل وصورت میں دیکھا۔ یہ اس کے ایمان کامل اور عقیدے کے صالح ہونے کی علامت قرار پائے گا اور جس شخص نے اس کے برخلاف دیکھا یہ اس کے ایمان کی کمزوری اور عقیدے کے فساد کی علامت قرار پائے گی۔ اسی طرح ایک شخص نے آپ ﷺ کو بوڑھا دیکھا، ایک شخص نے جوان دیکھا، ایک شخص نے رضامند دیکھا، ایک شخص نے خفگی کے عالم میں دیکھا، ایک شخص نے روتے ہوئے دیکھا، ایک شخص نے شاد وخوش دیکھا اور ایک شخص نے ناخوش دیکھا تو یہ ساری حالتیں خواب دیکھنے والے کے ایمانی احوال کے فرق وتفاوت پر مبنی ہوں گی کہ جو شخص جس درجہ کے ایمان کا حامل ہوگا وہ آپ ﷺ کو اسی درجہ کی مثالی صورت میں دیکھے گا۔ اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھنا گویا اپنے احوال ایمانی کو پہچاننے کا معیار ہے۔ لہٰذا یہ چیز سالکین طریقت کے لیے ایک مفید ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے باطن کی حالت کو پہچان کر اس کی اصلاح کریں۔ (مظاہر حق جدید ۵/ ۳۱۷)

اس حدیث کے تحت اہل تحقیق نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس شخص پر وہ احکام عائد ہوں جو واقعتاً آنحضرت ﷺ کے دیدار وصحبت کی صورت میں ہوتے ہیں یعنی نہ تو ایسے شخص کو صحابی کہا جائے گا اور نہ اس چیز پر عمل کرنا اس کے لیے ضروری ہوگا جس کو اس نے اپنے خواب میں آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا۔ بہرحال اس انسان کی خوش نصیبی کا کیا کہنا جس نے سرکار دوعالم ﷺ کا کم سے کم خواب میں ہی دیدار کیا ہو۔ یہ اس کے لیے عظیم نعمت اور بڑی سعادت مندی کی بات ہے۔ اسی طرح دوسرے اچھے اور بہتر خواب کا دیکھنا بھی خوش آئند بات ہے اسے اللہ کی طرف سے اچھی خبر سمجھنا چاہیے جو انسان کے دل ودماغ کو فطری طور پر خوش کردیتی ہے۔

❀ ❀ ❀

قطع حیات بہ جذبۂ رحم (Euthanasia) کی شرعی حیثیت

(۳)

از: مفتی محمد شمیم اختر قاسمی
ریسرچ اسکالر: شعبۂ دینیات (سنی)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قبل اس کے کہ ہم یوتھینیزیا کے عمل کو بروئے کار لانے کی حلت وحرمت کا فیصلہ کریں ضروری ہے کہ اس سلسلے میں ہونے والے ایک مباحثہ کی تفصیل بیان کردیں تاکہ نفس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھا جاسکے اوراس طرح شریعت کے احکام آشکارا ہوجائیں۔ یہ وہ مباحثہ ہے جو قاضی شریعت مولانا مجاہدالاسلام کی موجودگی میں ہوا تھا اور جس پر قاضی صاحب نے اپنا عالمانہ تبصرہ بھی فرمایا تھا؛ مگر چوں کہ اس وقت یہ مسئلہ نیا تھا اوراس سے لوگ کم واقف تھے کہ اس عمل کو بروئے کار لانے میں کیا نقصان اور فوائد ہوسکتے ہیں، اس لیے اس پر کوئی حکم لگانے کے بجائے موخر کردیا اور اسے فقہ اکیڈمی کے سالانہ سیمینار کا موضوع بحث بنانے کی کوشش کی گئی جس پر کافی عرصہ بعد عمل کیا گیا اور پھر اکیڈمی نے متفقہ طور پر اپنا فیصلہ صادر کیا۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ مذکورہ مباحثہ میں ۸/ممتاز علمائے ہند نے حصہ لیا تھا اوراپنے قیمتی آراء وخیالات سے نواز کر علمائے عظام اور مفتیان کرام کو دعوت ملاحظہ پیش کیا تھا کہ اس صورت میں اسلام کے موقف کو سمجھنے میں غلطی اور تاخیر کی گئی تو بھیانک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ تو نیچے ان آٹھوں علمائے کرام اور قاضی شریعت کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

''مولانا عبدالعزیز صاحب سابق مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور فرماتے ہیں:

ایکٹیو یوتھینیزیا کی وہ صورت جس میں ڈاکٹروں کو مریضوں کی جان لینے کے لئے کوئی مثبت عمل کرنا پڑتا ہے، مثلاً: کوئی تیز انجکشن، یا دوا استعمال کرادی جائے، جس سے مریض کی سانس بند

ہوجائے، یہ جائز نہیں ہے، یہ قتل نفس ہے جس کی قرآن واحادیث میں ممانعت وارد ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ" (سورۂ انعام:۱۵۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا یحل دم امرئ مسلم یشهد أن لا اله الا الله وأنی رسول الله إلا باحدی ثلث: النفس بالنفس، والثیب الزانی، والمارق لدینه، التارك للجماعة" (متفق علیہ)

(کسی مسلمان کی جان لینا جو اللہ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہو درست نہیں، الا یہ کہ وہ قاتل ہو، یا شادی شدہ زانی ہو، یا دین سے نکل جانے والا اور جماعت کو چھوڑ دینے والا ہو)

اگر کسی مریض کی سانس کسی مصنوعی آلہ کے ذریعہ سے چلائی جارہی ہو اگر اس آلہ کو ہٹادیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ ترک تدبیر ہے۔

پیسیو یوتھینیز یا کی دونوں صورتوں میں یہی ترک علاج ہے، ایسے مریضوں کا اگر علاج نہ کیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔

مولانا احمد بیمات، دارالعلوم فلاح دارین فرماتے ہیں:

اطباء اور ڈاکٹروں کی اصطلاح میں ایسے مریض، جن کا علاج ممکن نہیں، ان کی صحت کی امید نہیں، ان کے لئے ایسی دوا تجویز کرنا، جس سے مریض جلدی سے مرجائے، ایسا مثبت علاج، دوا خود مریض استعمال کرے یا ڈاکٹر جائز نہیں، حرام ہے۔

اگر ڈاکٹر، طبیب ایسا علاج کرے گا تو قتل نفس کا گناہ اور مریض کرے گا تو خودکشی کا ارتکاب ہوگا، اسلئے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ:

"یکره تمنی الموت لغضب، أو ضیق عیش، وفی صحیح مسلم: لا یتمنین أحدکم الموت لضرّ نزل بہ" (شامی ۵/۲۷۰)۔

(غصہ یا تنگدستی کے باعث موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے، اور صحیح مسلم میں ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا کسی تکلیف کی وجہ سے ہرگز نہ کرے)

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ کسی ضرر (پریشانی) اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ "مرقاۃ" میں لکھا ہے کہ: "حیات وزندگی اللہ کا امر اور حکم ہے، اور موت کی تمنا حکم الٰہی سے فرار ہے، حکم الٰہی سے عدم رضا ہے، لہٰذا جائز نہیں۔" (حاشیہ مشکوٰۃ ۱/۱۳۹)

مومن کی حالت "سلب ارادہ" اور مولی خالق جن احوال میں رکھے، اس سے راضی رہنا

ہے، لہٰذا طبیب کا فعل قتل نفس ہوگا، اور مریض کا فعل خودکشی کا ارتکاب ہوگا، لہٰذا اس باب میں جو روایات وعید وعذاب کی وارد ہوئی ہیں، ان کا مصداق ہوگا، أعاذنا اللّٰہ منہ.

لیکن ڈاکٹر کی دوا یا طبیب کا علاج صحت کے ارادہ سے تھا، مگر اس کا الٹا اثر ہوا، تو ان وعیدوں کا مستحق نہیں ہوگا، اس لئے کہ مسلم شریف میں موجود ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''سابق زمانہ میں ایک انسان تھا اس کو زخم نکلا، صبر نہیں کیا اور اپنے تیر سے زخمی کرلیا تا کہ مرجائے، اور اس طرح اس کا انتقال ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں نے اس پر جنت حرام کردیا ہے'' (مسلم شریف ۷۲/۱)۔

علامہ نوویؒ نے تحریر فرمایا:

"استعجالا للموت أو لغير مصلحة، فإنه لو كان على طريق المداواة التي يغلب الظن على نفعها، لم يكن حراما" شرح مسلم للنووی ۷۳/۱)

''یعنی کوئی ایسا عمل جس کا مقصد موت کو جلدی بلانا ہو، یا اس میں کوئی مصلحت نہ ہو (درست نہیں) ہاں اگر بطریق علاج معالجہ جس میں غالب امید نفع کی ہو تو حرام نہیں ہوگا۔''

لہٰذا طبیب کا ایسا علاج، جس میں مریض جلد از دم توڑ دے، حرام ہے، اس لئے کہ مریض کو حکم الٰہی سے حالت مرض میں صبر کرنا چاہئے، حکم مولی سے راضی رہنا چاہئے، اس لئے موت تو کیا موت کی تمنا بھی دنیاوی تکلیف کی وجہ سے حرام ہے۔

سوال مذکور دوسری صورت (Passive Euthanasia) یعنی لاعلاج مریضوں کا علاج نہ کرنا، ترک علاج جائز ہے، اور یہ جائز ہو، یا ناجائز، لاعلاج مریضوں کے لئے عدم استعمال کی گنجائش ہے، ترک دوا سے مریض یا اولیاء مریض گنہگار نہیں ہوں گے، لیکن اس باب میں ترجیح مریض کی ہوگی، عالمگیری میں ہے:

''پس اگر کوئی شخص بیمار ہوجائے یا آشوب چشم کا شکار ہوجائے، پس علاج نہیں کرائے یہاں تک کہ مرجائے تو گنہگار نہیں ہوگا، ایسے ہی ''ملتقط'' میں ہے، اور اگر کسی آدمی کو دست آنے لگے یا آنکھ آجائے پس اس نے علاج نہیں کرایا، یہاں تک کہ وہ کمزور ہوکر مرگیا تو اس پر گناہ نہیں۔'' (عالمگیری ۲۳۶/۶)۔

''شامی'' میں ہے:

''علاج معالجہ اگر چہ حلال دواؤں کے ذریعہ ہو، اگر چھوڑ دیا اور مرگیا تو گنہگار نہیں ہوگا،

جیسا کہ لوگوں نے اس کی تصریح کی ہے، اس لئے کہ دواؤں سے شفا (یقینی نہیں) بلکہ ظنی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے" (ردالمحتار ۵/۳۴۳)۔

"مجمع الانہر" میں ہے:

"بخلاف اس شخص کے جو دوا کھانے سے باز رہا یہاں تک کہ مر گیا (وہ گنہگار نہیں ہوگا) اس لئے کہ اس کا یقین نہیں ہے کہ اس کو شفا مل ہی جائے گی۔" (مجمع الانہر ۲/۵۲۵)۔

اور "ملتقی الابحر" میں ہے:

"پس ایسا شخص (جو دوا نہ کھائے) گنہگار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا یقین نہیں ہے کہ یہ دوا اس کو شفا دے گی، اور شاید وہ بغیر علاج ہی تندرست ہو جائے، جیسا کہ "اختیار" میں ہے" (ملتقی الابحر ۲/۵۲۵)۔

فقہاء کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ دواؤں سے بیماری کی شفا یقینی نہیں ہے، ظنی یا وہمی ہے، لہٰذا ان علاج ومعالجات کو چھوڑنا جائز ہے، شافیٔ حقیقی اللہ ہے، اگر دوا کو مؤثر سمجھتا ہے تو کفر ہے، طبیب اور ڈاکٹر کو شافی سمجھے گا تو ایمان سے نکل جائے گا، دوا، علاج، معالجہ اسباب کے درجہ میں ہیں، لہٰذا مؤثر حقیقی، شافی حقیقی پر بھروسہ رکھ کر علاج چھوڑ دے تو جائز ہے، لیکن اس عدم علاج ومعالجہ کو نہ سمجھے کہ وہ اس سے جلدی مر جائے گا، جلدی موت آجائے گی، موت مقررہ وقت پر ہی آنے والی ہے، علاج کرے یا نہیں۔

"الاشتغال بالتداوی، لا بأس به إذا اعتقد أن الشافی هو الله تعالیٰ، وأنه جعل الدواء سببا، أما إيا أعتقد أن الشافی هو الدواء فلا، كذا فی السراجية" (عالمگیری ۶/۲۳۶)

"دوا علاج کرانے میں کوئی حرج نہیں، اگر اعتقاد یہ ہو کہ شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی نے دوا کو شفا کا ذریعہ بنایا ہے، لیکن اگر کوئی شخص دوا ہی کو شفا دینے والا مانے تو پھر یہ صحیح نہیں ہوگا، ایسا ہی سراجیہ میں ہے۔"

عالمگیری میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ ماہر طبیبوں کی رائے ہے کہ مریض لاعلاج ہے، زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں ہے تو علاج کو چھوڑ دے۔

"وإن قيل: لا ينجو أصلا. لا يتداوى بل يترك، كذا فی الظهيرية" (عالمگیری ۶/۲۳۹)

مولانا عبدالجلیل صاحب قاسمی، قاضی شریعت بتیا، مغربی چمپارن لکھتے ہیں:

دوا کے استعمال کے ذریعہ زندگی کو ختم کرنا، اگر مریض خود کرے تو خودکشی ہے اور اگر دوسرا

کرے تو قتل نفس ہے، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اس غرض سے علاج نہ کرنا کہ مریض کی زندگی جلد ختم ہو، جائز ہوگا، اس لئے کہ علاج فرض نہیں ہے کہ جس کا نہ کرانا گناہ ہو، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ صحت کی امید غالب نہ ہو۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند کی رائے مندرجہ ذیل ہے:

ان دونوں تدبیروں کی غرض، مریض کو یا اس کے متعلقین کو تکلیفوں سے نجات دلانا، یا ان کی تکالیف کو کم کرنا مذکور ہے۔... روایت جمع کرنے کا اس وقت محل نہیں ہے، احادیث سے رجوع کر کے اسکی تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے کہ مریض کو جو تکالیف غیر اختیاریہ پہنچتی ہیں، اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، اور اپنے کو خدا کے سپرد کرتا ہے، تو اسکے لئے یہ تکالیف اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں، اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں، اور اچھی زندگی نصیب ہوتی ہے، حتیٰ کہ مرنے والا معصوم یا نابالغ بچہ ہوتا ہے تو اس کی ان تکالیف سے اس کے والدین اور متعلقین و تیمارداروں کو جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں اور کلفت برداشت کر کے تفویض الی اللہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ بھی جھڑتے ہیں اور آخرت سنورتی ہے۔

بالکل یہی حال بالغین وغیر معصومین کے متعلقین اور تیمارداروں کا بھی ہوتا ہے کہ ان کی تکالیف پر صبر کرنے اور ان کی صحت و بھلائی کی تدبیر میں مشغول رہنے والے کے لئے یہ تکالیف کفارۂ ذنوب اور آخرت میں بلندی درجات کا ذریعہ بنتی ہیں، اور پھر ہمیشہ ہمیشہ ابدالآباد تک راحت اور چین ملتا ہے۔

اسلئے ان مذکورہ دونوں تدبیروں میں سے کسی تدبیر کا حکم، یا اجازت شرعاً ہرگز نہ ہوگی، البتہ دونوں تدبیروں کے حکم میں فرق یہ ہوگا کہ: ۱- میں (یعنی غیر طبعی موت دوا وغیرہ کے ذریعہ طاری کرنے میں) تو ایسا کرنے والے پر قتل کا گناہ اور وبال پڑے گا اور بسا اوقات شرعاً دیت یا ضمان وغیرہ بھی لازم آئے گا، اور ۲- میں یہ حکم (قتل کا گناہ) تو نہ ہوگا، لیکن ترک تدبیر اور صحت کے لئے ترک سعی، فعل مذموم و قبیح اور منشا شرع و شارع کے خلاف ضرور ہوگا، اور اگر سستی یا لاپرواہی سے ایسا کیا گیا تو اس پر مواخذہ بھی ضرور ہوگا۔

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ رقم کرتے ہیں:

ڈاکٹروں کا مریض کو موت تک پہنچانے کے لئے کوئی مثبت عمل کرنا، یعنی کوئی ایسی مہلک دوا دینا یا تدبیر کرنا، جس سے عادتاً موت واقع ہوجاتی ہو، شریعت اسلامیہ کی رو سے قطعاً حرام ہے، کیونکہ جب تک انسان میں جان رہتی ہے، وہ نفس محترم ہے، اور کسی بھی ''نفس محترم'' کو ہلاک

کرنے کا ذریعہ بنانا نہ صرف یہ کہ "وَلا تَقتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ" (سورہ انعام:۱۵۱) نص قرآنی سے حرام ہے، بلکہ ایسا کرنے والا بعض شکلوں میں خون بہا، اور بعض میں قصاص کا مستوجب شرعاً ہوگا، رہا یہ احتمال کی یہ مریض صحت یاب نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے اسے موت تک پہنچانا راحت دینا ہے، یہ شرعاً بے وزن ہے، کیونکہ حد مایوسی تک مریض کا پہنچنا اوراس کے بعد موت کا آنا زیادہ سے زیادہ تخمینی اور ظنی بات ہے، اوراس مریض کا اس وقت موجود وزندہ ہونا یقینی ہے، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ بسا اوقات ایسے مریض جن کی زندگی سے مایوسی ہوچکی تھی، اور ڈاکٹروں نے بھی لاعلاج قرار دے دیا تھا، وہ صحت یاب ہوگئے، البتہ وہ آلہ ہٹالینا یا دوا نہ دینا یقینی ذریعہ ہلاکت نہیں ہے (اس لئے کہ یہ سب تدابیر ظنی ہیں) اس وجہ سے (اس طریقہ سے اگر مریض کو موت ہوجاتی ہے) تو یہ عمل ''اہلاک'' نہیں کہلائے گا، بلکہ اسے علاج ومعالجہ کا ترک کہنا صحیح ہوگا، جواصلاً حرام نہیں ہے، جیسا کہ کتب معتبرہ فقہیہ ''عالمگیری'' وغیرہ میں ہے:

"الأسباب المزیلة للضرر تنقسم إلی مظنون کالفصد وسائر أبواب الطب وترکه لیس محظورا" (عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب الثامن عشر)

(وہ سبب جس کے استعمال سے ضرر کے دور ہوجانے کا یقین نہیں ہو بلکہ گمان ہو، جیسے فصد اور دوسری طبی تراکیب، اس طرح کہ اسباب کو چھوڑ دینا ممنوع نہیں ہے)

اس کا جواب بھی مذکورہ بالا جواب میں آگیا کہ ترک علاج اصلاً حرام نہیں ہے، البتہ نیت ''اہلاک'' سے ترک علاج (إنما الاعمال بالنیات) کے قاعدہ سے معصیت بن جائے گا، مگر حقیقی اہلاک سے کم درجہ کی معصیت۔ شامی (۵/۵۱۲) میں ہے:

"بخلاف من امتنع عن التداوي حتی مات (یعنی لایکون عاصیًا)"

(بخلاف اس شخص کے جو دوا علاج سے باز رہا، یہاں تک کہ مرگیا (یعنی وہ گنہگار نہیں ہوگا)

مولانا زبیر احمد قاسمی، ناظم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں لکھتے ہیں:

اسلامی اصول وعقائد کے مطابق تمام ذی روح کی حیات وموت کا ایک دن متعین ہے، قرآن کہتا ہے: "وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إلیٰ حِیْنٍ" (سورہ بقرہ:۳۶) دوسری جگہ قرآن نے یوں تصریح کی ہے: "فَإذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا یَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ" (سورۂ اعراف:۳۴) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں ایک معینہ مدت تک رہنا ہے، اورجب اس کی موت کا وقت آئے گا تو بلا کسی تقدیم وتاخیر کے وہ اس دنیا سے کوچ کرکے

رہے گا، پھر کوئی طاقت اسے اس دھرتی پر زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتی... اس کے ساتھ ہی قرآن کا حکم ہے: "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" (سورۂ بقرہ:۱۹۵) یعنی کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں ڈالے اور دیدۂ ودانستہ کوئی ایسا اقدام کرے جو اس کی ہلاکت وبربادی کا سبب بن جائے، اسی طرح دوسروں کو ناحق قتل کرنا بھی شرعاً ممنوع ہے، قرآن میں صراحت ہے: "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ" (سورۂ انعام:۱۵۱) دوسری جگہ قرآن کہتا ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا" (سورۂ مائدہ:۳۲) حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: "قال: لو أن أهل السماء والأرض اشتركوا في دم مومن لأكبتهم الله في النار" (رواہ الترمذی، مشکوۃ ص ۲۲۰، ترجمہ: اگر آسمان وزمین کے سارے ہی لوگ کسی ایک مومن شخص کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ ان سب کو جہنم میں ڈالے گا)

ساتھ ہی ساتھ احادیث میں کھلی ہدایت موجود ہے کہ کسی کو دنیاوی مصائب وشدائد سے تنگ آکر موت کی تمنا کرنا بھی جائز نہیں۔ "قال النبي ﷺ لا يتمنين أحدكم الموت من ضرّ أصابه" (بخاری بہامش فتح الباری ۱/۱۰۷)

دوسری روایت میں آتا ہے کہ: ایک زخمی شخص نے تکلیف سے تنگ آکر خودکشی کا اقدام کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بادرني عبدي لنفسه فحرمت عليه الجنة" (مشکوۃ:۳۳۰)۔ اس کے علاوہ اسلامی عقیدہ کے مطابق اس دنیا کی تمام مصیبتیں اور تکالیف محض وقتی اور ظاہری ہیں، ورنہ درحقیقت انسانوں کے حق میں یہ ساری مصیبتیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نوازشوں کا ہی ایک دوسرا روپ ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ما يصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا اذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها إلا كفّر الله بها من خطاياه" (بخاری علی ہامش فتح الباری ۱۹/۱۰۔ یعنی مومن کو کوئی بھی غم، تکلیف، مصیبت، ایذا اور دکھ پہنچے یہاں تک کہ کانٹا چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ ان تکلیفوں کو اس کے لئے گناہوں کا کفارہ بنادیتے ہیں)

دوسری حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا يتمنى أحدكم الموت إما محسنا فلعله أن يزداد وإما مسيئا فلعله أن يستعتب" (بخاری علی ہامش فتح الباری ۱۱۰/۱۰)

ان نصوص کی روشنی میں پہلے مسئلہ "یوتھینیزیا" سے متعلقہ سوالات کے جواب یہ ہوئے:

اسلام عمداً کسی ایسی تدبیر اور مثبت عمل کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جو کسی کی موت کا سبب بن جائے کسی کو ناحق مارنے کی جو بھی صورتیں ہوسکتی ہیں وہ شرعاً انتہائی مذموم اور ناجائز ہوں گی، ان کا

مرتکب مجرم و گنہگار ہوگا۔

کسی معذور مریض کی تمام تر تکلیفیں چونکہ خود مریض اور معذور کے حق میں نتیجتاً اور مآلاً رحمت خداوندی اور حقیقتاً باعث خیر ہیں، اس لئے اسے موت کے قریب کرنے کی تدبیریں حقیقتاً رحم و کرم نہیں، بلکہ جور و ظلم ہی کہلائیں گی، اسی طرح مجبور مریض کی تیمار داری اور خبر گیری جوان کے اعزہ واقرباء کا صرف اخلاقی فریضہ نہیں ہے بلکہ "الغرم بالغنم" کے تحت شرعی ذمہ داری بھی ہے، اس ذمہ داری کے نباہنے میں ان کو بھی جن مشکلات اور پریشانیوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ بھی "ما یصیب المسلم من نصب و لا وصب و لاھم و لا حزن (الحدیث)" کے تحت ان کے حق میں کفارۂ سیئات اور موجب اجر و ثواب ہیں، اس لئے نہ تو مریض کی ذات پر ترس کھانے کے عنوان سے اور نہ اعزہ واقرباء کو طویل تکلیفوں سے نجات دلانے کے نام پر ہی اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، کہ کوئی ایسا مثبت عمل اور ایجابی تدبیر اختیار کی جائے جس کے نتیجہ میں اس کی موت جلد از جلد آجائے، قرآن نے کھل کر کہا ہے: عَسٰی أَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی أَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ" (سورہ بقرہ ۲۱۶) (یعنی بسا اوقات تم کچھ چیزوں کو پسند نہیں کرتے لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی ہیں، اور بہت سی چیزوں کو تم پسند کرتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے بری ہوتی ہیں)

"و لَا تُلْقُوْا بِأَیْدِیْکُمْ إِلَی التَّھْلُکَۃِ" (سورہ بقرہ: ۱۹۵) کے تحت نفس و جان کی حفاظت ایک امر مامور بہ ہے، اور حفاظت نفس کے جمیع اسباب و وسائل کا اپنی وسعت کے مطابق فراہم کرنا ہر انسان پر لازم ہے، اس لئے شرعاً یہ بھی جائز نہیں ہوسکتا کہ وسعت کے ہوتے ہوئے کوئی ترک معالجہ کرکے موت کو دعوت دے، ہاں! ممکنہ علاج کے بعد صحت و شفاء سے بظاہر اسباب مایوس ہوکر یا وسائل کے فقدان کے سبب مجبوراً ترک معالجہ کرنا جائز ہوسکتا ہے، یا پھر "إنما الاعمال بالنیات" کے تحت رضا بالقضاء کے طور پر ترک معالجہ کی اجازت ہوسکتی ہے۔ اور بس، واللہ اعلم۔

مولانا عبدالرزاق صاحب، قاضی شریعت کٹیہار کی رائے قابل ملاحظہ ہے:

الجواب و باللہ التوفیق للصواب:

اس کا جواب حسب ذیل تین مقدموں پر موقوف ہے:

پہلا مقدمہ: خودکشی اور دوسرے کو قتل کرنا، دونوں کا ایک حکم ہے۔

دوسرا مقدمہ: کسی کو ناقابل برداشت کوئی تکلیف پہنچی اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے خودکشی کرلی یہ فعل ایسا ہی حرام ہے، جیسا کہ بلاوجہ خودکشی کرلینا حرام ہے۔

تیسرا مقدمہ: یہ کہ تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے بجائے خودکشی کے کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جو منجر الی الموت ہو بحکم خودکشی کے ہے۔

پہلے مقدمہ کا ثبوت

مسلم شریف "کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم قتل الإنسان نفسه" کی پہلی حدیث: عن أبی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم" ومن شرف سما فقتل نفسه (الحديث)" کے تحت (فتح الملہم: ۵۶۲/۱) میں ہے: "قوله فحديدته في يده، قال ابن دقيق العيد: ... ويؤخذ منه أن جناية الإنسان على نفسه كجنايته على غيره في الإسلام، لأن نفسه ليست ملكا له مطلقا بل هي للّٰه تعالىٰ فلا يتصرف فيها إلا بما أذن فيه" عبارت سے معلوم ہوا کہ اپنے کو قتل کرنا اور دوسرے کو قتل کرنا دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

اسی باب کی چھٹی حدیث: "عن أبی هريرة قال: شهدنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حُنيناً فقال (عليه السلام) لرجل: ممن يدعى بالاسلام هذا من أهل النار فلما حضرنا القتال قاتل الرجل قتالا شديدا فأصابته جراحة" ساتویں حدیث میں ہے: "فجرح الرجل جرحاً شديداً فقيل يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! الرجل الذی قلت له: أنفًا أنه من أهل النار، فإنه قاتل اليوم قتالا شديدًا وقدمات، فقال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: أى النار، فكاد بعض المسلمين أن يرتاب فبينما هم على ذلك إن قيل: أنه لم يمت، ولكن به جراحاً شديدًا، فلما كان من الليل لم يصبر على الجراح فقتل نفسه فأخبر النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: فقال: اللّٰه أكبر أشهد أنی عبد اللّٰه ورسوله. (الحديث)"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی تکلیف سے نجات پانے کی غرض سے خودکشی حرام ہے، مذکور فی الحدیث شخص نے اپنی ناقابل برداشت تکلیف سے نجات پانے کیلئے ہی خودکشی کی تھی۔

مسلم شریف باب مذکور کی آٹھویں حدیث ہے: شیبان بن فرح کہتے ہیں: سمعت الحسن يقول: إن رجلاً ممن كان قبلكم خرجت به قرحة فلما آذته انتزع سهما من كنانته فنكأها فلم يرقأ حتى مات قال ربكم عزوجل: قد حرمت عليه الجنة ثم مد (الحسن) يده إلى المسجد فقال: اى واللّٰه لقد حدثنی بهذا الحديث جندب عن

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد“

اس میں مذکور ہے کہ کسی کے پھوڑا نکلا تھا اس کی تکلیف سے نجات پانے کے لئے اس نے تیر کے نوک سے پھوڑے کو بہادیا، پھوڑے سے اتنا خون بہا کہ وہ مرگیا، اس سے ظاہر ہے اس نے خودکشی نہیں کی بلکہ ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو اس کی موت کا ذریعہ بنا، براہ راست خودکشی نہ کرنے پر بھی خدا نے اس فعل کو خودکشی کا حکم دیا۔

دوسرے اور تیسرے مقدمہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ کسی کا اپنی شدید تکلیف سے نجات پانے کی غرض سے خودکشی کرنا اور بجائے خودکشی کے ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جو اس کو موت تک پہنچادے، دونوں حرام ہیں۔

اور پہلے مقدمہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ خودکشی اور دوسرے کو قتل کرنا، دونوں کا ایک حکم ہے، لہٰذا ڈاکٹروں کا کسی ایسے مریض کو جس کے زندہ رہنے کی مظنون توقع نہ ہو، یا اس کی زندگی ڈاکٹروں کے ظنی علم کے مطابق محض ایک بوجھ ہو، اس کی شدید تکلیف سے نجات دلانے کے لئے ”یوتھینیز یا“ کی دونوں قسمیں مریضوں کو قتل کرنے کے حکم میں ہیں اور ڈاکٹر حضرات ان مریضوں کے قاتل شمار کئے جائیں گے۔

اس طرح مسئلہ یوتھینیز یا کا پہلا سوال حل ہوگیا کہ کسی مریض کو اس کی شدید تکلیف سے نجات دلانے کے لئے عمداً مریض کو موت تک پہنچا دینے کی اجازت اسلام نہیں دیتا ہے۔

دوسرا سوال جس کا تعلق ”یوتھینیز یا پیسیو“ سے ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ مریض کی جان لینے کے لئے ”یوتھینیز یا ایکٹیو“ کی دونوں قسموں میں سے کوئی عملی تدبیر نہیں کی جاتی ہے؛ بلکہ اسے زندہ رکھنے کے لئے جو ضروری علاج کیا جانا چاہئے وہ نہیں کیا جاتا ہے، مثلاً کینسر، یا طویل بیہوشی، یا دماغی چوٹ، یا منجائٹس کا مریض جس کے زندہ رہنے کی توقع نہ ہو، یا وہ بچے جو شدید طور پر معذور ہوں جن کی زندگی خود ان کے لئے اور ان کے والدین کے لئے محض بوجھ ہو ایسے مریضوں کو ایک نیا قابل علاج مرض مثلاً: نمونیہ لاحق ہوگیا لیکن ڈاکٹر اس نمونیہ کا علاج نہ کرے تاکہ مریض آسانی سے مرجائے کیا اسلام اس مقصد کی خاطر نمونیہ کا علاج چھوڑ دینے کی اجازت دیتا ہے؟ اس کا جواب اس بات پر موقوف ہے کہ ڈاکٹروں کی ذمہ داری اور ان کا فرض منصبی متعین کیا جائے، ظاہر ہے کہ ڈاکٹروں کی ذمہ داری مریضوں کو بذریعہ معالجہ صحت یاب کرنا ہے، پس جب کوئی شخص اپنا نمونیہ والا مریض جو پہلے سے کینسر، دماغی چوٹ وغیرہ میں مبتلا تھا، ڈاکٹروں کے پاس لے گیا تو اب ڈاکٹروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نمونیہ کا علاج کریں، اس کے برعکس

ڈاکٹروں کا اس خیال سے نمونیہ کا علاج نہ کرنا تاکہ مریض جلد مرجائے اور کینسر کی شدید تکلیف سے نجات پائے، دودھاری تلوار ہے، نمونیہ کی نسبت سے اپنے فرض اور ذمہ داری سے گریز کرنا ہے، اور کینسر کی نسبت سے ایک ایسے (منفی) فعل کا ارتکاب کرنا ہے جو مریض کو موت تک پہنچادینے والا ہے، اور جو پہلے اور تیسرے مقدمہ کے مطابق مریض کو قتل کرنے کے حکم میں ہے، پس نمونیہ کا علاج نہ کرنا ''یوتھینیز یا پیسیو'' ہے اور ایکٹیو بھی، اس لئے اسلام اس علاج کے چھوڑ دینے کی اجازت دونوں وجوہ سے نہیں دیتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا تحریر فرماتے ہیں:

موت میں تعاون:

اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنی اصل کے اعتبار سے کائنات کی کسی شئی کا یہاں تک کہ خود اپنا مالک بھی نہیں ہے، اس لئے جس طرح اس کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی زندگی کے درپے ہو، اور اسے ہلاک کردے، یا اس کے جسم کو جزوی نقصان پہنچائے، اسی طرح یہ بات بھی روا نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کرلے، اور کسی شرعی مصلحت کے بغیر اپنے کسی حصہ جسم ہی کو ضرر پہنچائے، اس کا جسم دراصل اس کے ہاتھوں میں اللہ کی امانت ہے، جس کی حفاظت اس کا فریضہ ہے، اور جس کا استعمال حکم خداوندی کے مطابق اس کو کرنے کی اجازت ہے، مگر اس نوعیت کا تصرف کسی طور پر جائز نہیں ہے۔

یہ طرز فکر بجائے خود اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسی مہلک دواؤں کا استعمال جائز نہ ہوگا، چنانچہ روایت میں ہے: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من تردّی من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم یتردّی فیها خالدًا مخلدًا فیها ابدًا، ومن تحسّی سمًا فقتل نفسه فسمه فی یده یتحساه فی نار جهنم خالدًا مخلدًا فیها ابدًا، ومن قتل نفسه بحدیدة فحدیدته فی یده یتوجأ بها فی بطنه فی نار جهنم خالدًا مخلدًا ابدًا'' (مسلم مع فتح الملہم ۱/۲۶۵)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چاہے قتل کے لئے کسی آلۂ حادہ کا استعمال کیا جائے یا ''آتشیں اسلحہ'' کا یا کسی مشروب کا، ہر ایک خودکشی کے زمرہ میں آئے گا، اسی طرح وہ دوائیں جو جسم میں داخل ہوکر اعضاء کو کاٹ ڈالتی ہوں ''آلہ حادہ'' میں کسی خاص عضو کو اپنی حدت سے جلادیتی ہوں ''آتشیں اسلحہ'' میں، اور اس طرح کی تکلیف کے بغیر زہر بن کر ہلاک کردیتی ہوں،

جیسے بعض انجکشن اور دوائیں وغیرہ ''مشروب زہر'' میں شمار ہوں گی، اور حرام ہوں گی۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ حدیث میں عام حالات میں خودکشی سے منع کیا گیا ہوگا، لیکن اگر شدت اذیت کی وجہ سے محض ایک واقعی تکلیف سے بچنے کا ارادہ ہوتو مصلحتاً اس کی اجازت ہوگی، مگر دوسری احادیث نے اس مسئلہ کو بھی واضح کردیا ہے، چنانچہ حضرت جندب بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”کان فیمن کان قبلکم رجل به جرح فجزع فأخذ سکیناً فحزّبها یده فما رقأ الدم حتی مات قال اللّٰه تعالیٰ: بادرنی عبدی بنفسه فحرمت علیه الجنة“

خود عہد رسالت کا واقعہ حضرت جابرؓ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”إن الطفیل بن عمرو الدوسی لما هاجر النبی ﷺ إلی المدینة هاجر إلیه وهاجر معه رجل من قومه فمرض فجزع فأخذ مشاقص له فقطع بها براجمه فشخبت یداه حتی مات فرآه الطفیل بن عمرو فی منامه وهیئته حسنة ورآه مغطیا یدیه، فقال له: ما صنع بك ربك! فقال: غفرلی بهجرتی إلی نبیه ﷺ فقال مالی أراك مغطیا یدیك، قال: قیل لی: لن نصلح منك ما أفسدت فقصها الطفیل علی رسول اللّٰه ﷺ، فقال رسول اللّٰه ﷺ: اللهم ولیدیه فاغفر“

یہ تصریحات بتاتی ہیں کہ غیر معمولی جسمانی اذیت اور کلفت سے بچنے کے لئے بھی ایسا طرز عمل اختیار کرنا حرام ہے، اس کو آپریشن یا علاجاً بعض اعضاء کی تراش وخراش اور جسم سے قطع وبرید پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ کسی عضو کو علاجاً کاٹنے میں جسم کے دوسرے حصوں کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھنا اور جان بچانا مقصود ہوتا ہے، اور اس اہم شرعی اور جسمانی مصلحت کے پیش نظر کمتر نقصان کو گوارا کرلیا جاتا ہے، جب کہ یہاں مقصود ہی ہلاک کرنا ہے، چنانچہ ایک غزوہ کے موقع سے ایک صحابی کا ہاتھ اس طرح کٹ گیا کہ چمڑا لگا ہوا تھا، اور ہڈیاں لٹک رہی تھیں، نیز اس کی وجہ سے مقابلہ میں دشواری پیش آرہی تھی انھوں نے اپنا ہاتھ کھینچ کر علیحدہ کردیا، اس عمل سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا مقصود نہ تھا بلکہ اپنے آپ کو دفاع کے قابل بنانا تھا، جس میں ان کی جان کی حفاظت مضمر تھی، اس لئے یہ گویا جائز تھا۔ (باقی آئندہ)

❁ ❁ ❁

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ: ۳	ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ مطابق مارچ ۲۰۰۸ء	جلد: ۹۲

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۸۰۰ روپئے

بنگلہ دیش سے سالانہ -/۲۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۲۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبرشمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب	۳
۲	سیرت النبی ﷺ کی ایک جھلک	مفتی صہیب احمد قاسمی	۱۳
۳	نبی ؐ-فکری اور اجتہادی بصیرت کے چند جلوے	مفتی شکیل منصور الحسنی القاسمی	۲۵
۴	''فلم خدا کیلئے'' قہرِ الٰہی کو دعوت	مولانا سعید احمد جلال پوری	۳۶
۵	معاشرہ کو اعلیٰ اخلاق واقدار کی تلاش	مولانا اسرار الحق قاسمی	۴۳
۶	شیطانی تہذیب کا جبر اور اصلاحِ معاشرہ	ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی	۴۷
۷	قرآن، ویلڈرز اور غیر مسلم دانشور!	سعید الظفر ٹانڈوی قاسمی	۵۲

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

خطبہ صدارت

از حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام ۱۷؍صفر ۱۴۲۹ھ موافق ۲۵؍فروری ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ کو مدرسہ ثانویہ دارالعلوم دیوبند کے وسیع میدان میں ”دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس“ کا انعقاد عمل میں آیا جس میں ملک کے تقریباً تمام مسلک و مذہب کے نمائندوں نے بذات خود یا اپنے پیغامات کے ذریعہ شرکت کی اس موقع پر صدر کانفرنس والا مراتب حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے جو وقیع ترین اور اپنے موضوع پر ہمہ گیر تاریخی خطبہ صدارت پیش فرمایا تھا اس کی اہمیت کے پیش نظر بطور حرف آغاز کے ہدیۂ ناظرین ہے۔ (مدیر)

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰة والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ اجمعین. أما بعد:

اللہ رب العزت کا بے پایاں احسان وکرم ہے کہ اس نے ہم سب کو اپنے سچے دین کا پیروکار بنایا اور خاتم النّبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرماکر ہم پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی، نیز صراط مستقیم پر گامزن، سلف صالحین کے کاروانِ رشد وہدایت میں شمولیت کی توفیق سے بہرہ ور فرمایا، مزید یہ کہ ہمیں اسلامی مدارس کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا جو دین مبین کی صحیح و بے غبار تعلیم وتشریح کے حامل، خیر وفلاح کی دعوت کے امین اور امن وسلامتی کے پاسبان ہیں، بلاشبہ یہ سب حق تعالیٰ کے الطاف وعنایات ہیں جن کے لئے ہم اس کی بارگاہِ عزت وکرم میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حیات مستعار کے ہر لمحہ میں خیر کی توفیق سے نواز کر حسن خاتمہ کی دولت سے مالا مال فرمائے آمین۔

مہمانان عالی وقار! بارگاہ الٰہی میں ہدیۂ شکر وسپاس پیش کرنے کے بعد میرا

خوشگوار اخلاقی فریضہ ہے کہ میں آپ حضرات کی خدمت میں اپنی اور تمام خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے نذرانۂ تشکر پیش کروں کہ آپ نے اپنی اہم اور قیمتی مصروفیات سے صرف نظر فرما کر ہماری حقیر دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا اور زحمت سفر برداشت کی۔ اسی کے ساتھ میں دل کی گہرائی سے معذرت خواہ بھی ہوں کہ ہم آپ جیسے موقر مہمانوں کے شایان شان ضیافت کا اہتمام نہ کر سکے، ہمیں امید ہے کہ جس جذبۂ خلوص اور احساس ذمہ داری نے آپ کو آمادۂ سفر کیا ہے وہی آپ کے لئے حسن جزاء کا ضامن بھی ہوگا، خدارا آپ حق ضیافت میں ہماری کوتاہی کو معاف فرمائیں اور دعاء فرمائیں کہ رب کریم اس کانفرنس کو حسن قبول کی دولت اور مقصد میں کامیابی سے ہمکنار فرمائے، آمین۔

حضرات گرامی! جہاں تک اس عظیم الشان دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس کے مقصد کا تعلق ہے وہ اجمالی طور پر دعوت نامہ سے آپ کے علم میں آچکا ہے، دعوت نامہ میں نہایت اختصار کے ساتھ جس صورت حال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کی سنگینی آپ جیسے ارباب بصیرت سے مخفی نہیں ہوسکتی۔ دہشت گردی اور اس کے تعلق سے پیدا ہونے والے حالات آج عمومی طور پر ہر امن پسند انسان کے لئے تشویش کا باعث ہیں؛ لیکن مدارس اسلامیہ اور دینی فکر سے وابستہ لوگوں کے لئے یہ ایک خطرناک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، ایک طرف دہشت گردوں کی سرگرمیاں اور تخریبی کارروائیاں ہیں جن سے امن پسند عوام کا سکون غارت ہوتا رہتا ہے اور بے گناہوں کی جانیں قربان ہوتی ہیں، دوسری طرف قانون وانتظام کے رکھوالوں کا غیر ذمہ دارانہ کردار ہے جو، ہر دہشت گردانہ واقعہ کے بعد بغیر سوچے سمجھے شک کی سوئی، مسلمانوں کی طرف پھیر دیتے ہیں اور حقیقی مجرموں تک رسائی کی سنجیدہ کوشش کئے بغیر کچھ بے قصوروں کو مورد الزام قرار دے کر فرض منصبی کی ادائیگی میں اپنی کوتاہی کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ ان حالات نے مدارس اسلامیہ کی ذمہ داریوں کو دوچند کر دیا ہے اس لئے کہ آج بھی امت مسلمہ صحیح رہنمائی کے لئے انہی مدارس کی طرف دیکھتی ہے اور انہی کا موقف خاص طور پر ہندوستان جیسے ممالک میں امت مسلمہ کے نمائندہ موقف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے وقت کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مدارس اسلامیہ کو اس محاذ پر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ دہشت گردی کے بارے میں اپنے متوازن نظریہ کا واضح اعلان واظہار کر کے دشمنانِ دین وایمان کا منھ بند کرنا ہوگا، ساتھ ہی مسلمانوں اور مدارس سے وابستہ افراد کے خلاف مسلسل جاری ناروا طرز عمل کے مقابلہ کے لئے لائحۂ عمل تیار کرنا ہوگا۔

دانشـــوران قـــوم! اس سلسلے میں سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے بارے میں مدارس اسلامیہ کے اس طے شدہ، متفقہ موقف کا واضح اعلان کردیا جائے کہ ہمارا دہشت گردی سے کوئی واسطہ نہیں، ہم ہر قسم کی دہشت گردی کو مسترد کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کسی تفریق کو قطعاً روا نہیں رکھتے۔ دہشت گردی کلی طور پر ایک غلط اور عاقبت نااندیشانہ عمل ہے خواہ اس کا مرتکب کسی بھی مذہب وملت سے وابستہ ہو اور معاشرہ کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو، دہشت گردی، اسلامی تعلیمات کے بھی سراسر منافی ہے، اسلام دین رحمت ہے، دین امن ہے اس لئے دہشت گردی کی ہر ایسی کارروائی جس کا نشانہ بے قصور افراد بنتے ہوں اسلام کے تصور امن سے متصادم ہے۔

اس بارے میں اسلامی تعلیمات اس قدر واضح اور قطعی ہیں کہ ان کی روشنی میں بلاخوف تردید، یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ آج اگر دنیا کے پاس امن وسلامتی اور صلح وآشتی کا کوئی جامع، بامقصد اور ہمہ گیر تصور موجود ہے تو وہ فقط اسلام کا عطیہ ہے۔ اسلام نے ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ ارشاد ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا. (سورہ مائدہ آیت:۳۲)

جس نے کسی انسان کو بغیر جان کے عوض یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا۔

اسلام نے صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت دی کہ اگر دیگر اقوام کی جانب سے تمہارے جان ومال اور امن وامان کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو تو ان کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا معاملہ کرو، ارشاد ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الممتحنہ:۸)

اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی کرو جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اسلام نے عہد کی پابندی کو لازم کیا:

وَاَوۡفُوا بِالۡعَهۡدِ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡئُولًا. (بنی اسرائیل آیت:۳۴)

اور عہد کو پورا کرو، بیشک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اسلام نے صلح کو بہتر قرار دیا: والصلح خير. (نساء آیت:۱۲۸) اور صلح بہترین چیز ہے۔

اسلام نے تمام انسانوں کی برابری کا اعلان کیا، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا (حجرات آیت:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں کردیا تاکہ آپس میں پہچان ہوسکے۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے، حقوق انسانی کے اولین اور جامع ترین عالمی منشور (خطبۂ حجۃ الوداع) میں ارشاد فرمایا:

لافضل لعربی علیٰ عجمی ولا عجمی علی عربی ولا لأحمر علیٰ أسود ولا لأسود علی احمر كلكم بنو آدم وآدم من تراب، إن أكرمكم عند الله أتقٰكم.

کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت نہیں ہے۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسلام نے بدلہ لینے میں بھی برابری کی تلقین کی، زیادتی کی اجازت نہیں دی، ارشاد ہے:

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ (النحل آیت:۱۲۶)

اگر بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہو۔

اسلام نے دوستی یا دشمنی دونوں صورتوں میں عدل وانصاف پر کاربند رہنے کی تلقین کی:

يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ. (نساء آیت:۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ کی مرضی کے مطابق گواہی دینے والے بنو خواہ اس میں تمہارا یا ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا (مائدہ آیت:۸)

اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں انصاف سے ہٹانے کا باعث نہ بن جائے۔

اسلام نے تمام انسانوں پر رحمت وشفقت کی تلقین کی، ارشاد نبوی ہے:

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء.

رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

اسلام نے تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا، ارشاد نبوی ہے:

الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق إلی اللّٰہ من أحسن إلٰی عیالہ.

اسی مضمون کو حالی مرحوم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

یہ پہلا سبق ہے کتاب ہدیٰ کا
کہ مخلوق ہے ساری کنبہ خدا کا

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے ہر حال میں امن وانصاف اور رحمت وشفقت کی تلقین کی اور فرد وجماعت کو حدود کا پابند بنایا، اسلام کسی بھی حال میں فتنہ وفساد کو روا نہیں رکھتا۔ اس لئے دہشت گردی کی کسی بھی صورت کا تعلق اسلام سے نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا مدارس اسلامیہ جو اسلامی تعلیمات کے حقیقی علمبردار ہیں، کسی تحفظ کے بغیر دہشت گردی سے بیزاری کا واضح لفظوں میں اعلان کرتے ہیں۔

پاسبانان ملت! دہشت گردی کے بارے میں اپنے اس واضح موقف کے اظہار کے بعد دوسری قابل غور چیز وہ صورت حال ہے جو اس حوالے سے خاص طور پر ہمارے ملک میں پیدا کردی گئی ہے جس کا نشانہ عمومی طور پر تمام ہی مسلمان ہیں اور خاص طور پر دین دار مسلمان یا مدارس اسلامیہ کے علماء وفضلاء اور ان سے وابستہ طبقہ، کہ ان میں سے کسی کو بھی کسی دہشت گردانہ کارروائی کے سلسلے میں ملزم یا کم ازکم مشتبہ قرار دینے کے لئے نہ تو کسی غور وفکر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے نہ کسی احتیاط کو کام میں لایا جاتا ہے اور نہ قرائن وشواہد جمع کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے؛ بلکہ ان کے سر الزام ڈالنے کے لئے اتنا کافی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں یا ان کا تعلق مدارس یا کسی دینی جماعت سے ہے۔ اور اب تو صورت حال اس حد تک سنگین ہوگئی ہے کہ فرقہ پرست طاقتیں تمام دہشت گردوں کا تعلق مدارس اسلامیہ سے منسلک کررہی ہیں؛ بلکہ بعض دریدہ دہن لوگوں نے تو مذہبی تعلیم ہی کو دہشت گردی کی اساس اور منبع قرار دے دیا ہے، جیسا کہ اخباری اطلاعات کے مطابق حال ہی میں ''اسلامک مدرسے بے نقاب'' نامی کتاب میں کہا گیا ہے جس میں دینی مدارس اور دین اسلام کے متعلق بہت سی بے بنیاد، اشتعال انگیز باتیں اور بھی مذکور ہیں۔

اور یہ ساری افتراء پردازی اس حال میں ہورہی ہے کہ مسلمانوں کا امن پسندانہ کردار، وطن عزیز سے ان کی بے غبار وفاداری اور تحریک آزادی میں تمام مسلمانوں اور خاص طور پر مدارس کے علماء کی بے مثال قربانیاں تاریخ ہند کی ایسی روشن حقیقت کی حیثیت رکھتی ہیں، جس پر ایوان عدالت سے زندان عقوبت تک اس سرزمین کا ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ کیا کوئی انصاف پسند شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ مدارس اسلامیہ اور ان کے بوریہ نشین علماء کی جدوجہد کے بغیر برطانوی استعمار کے شکنجہ سے وطن کی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا تھا؟ ان بزرگوں نے پسینہ کی جگہ خون بہایا اور وطن کی عزت و سربلندی کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی اور پھر یہ حقیقت بھی تاریخ میں آب زر سے لکھی جانے کے لائق ہے کہ یہ ساری قربانیاں ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواسے بے نیاز ہوکر پیش کی گئیں، اسی لئے حصول آزادی کے بعد یہی علماء مدارس جو دار ورسن کی ہر آزمائش میں سب سے آگے تھے، ہر انعام وجزاء سے دست کش ہوکر یکسوئی کے ساتھ تعمیر انسانیت کے کام میں مشغول ہوگئے۔

یہی کام ان مدارس اسلامیہ کا نصب العین ہے جن کو آج دہشت گردی کا مرکز یا ملک دشمن سرگرمیوں کی آماجگاہ بتایا جارہا ہے۔ جب کہ حقیقت صرف اور صرف یہ ہے کہ یہ مدارس ملک وملت اور انسانیت کے لئے خیر وفلاح کے سرچشمے ہیں، یہ ملک کو امن پسند، ایمان دار اور فرض شناس شہری فراہم کرتے ہیں، یہ انسان دوستی اور صلح وآشتی کا درس دیتے ہیں، یہاں نفرت نہیں محبت سکھائی جاتی ہے، یہاں پڑھنے والے کا فکری خمیر، امن وسلامتی، دردمندی، خیرخواہی، غریب پروری، وطن دوستی اور احترام انسانیت کے جذبات سے تیار ہوتا ہے۔ اور یہ وطن دوستانہ، امن پسندانہ کردار صرف دارالعلوم دیوبند یا چند بڑے مدارس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تمام مدارس اسی طرز فکر کے حامل ہیں اس لئے کہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مرکزی مدارس سے جو رجال کار تیار ہوئے انھوں نے اپنے اکابر کی اسی فکر کو اپنایا اور پورے ملک میں چراغ سے چراغ جلانے کا کام کیا اور اپنی مثبت سوچ اور اعلیٰ ترین کردار سے چپے چپے کو منور کردیا اور اپنے بزرگوں کے پیغام امن وانسانیت کو گاؤں گاؤں پھیلا دیا اس لئے اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ مدارس اسلامیہ دہشت گردی کی راہ میں سد سکندری کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا ایک قوی ترین شاہد یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ مدارس، صدیوں سے اپنے اسی دینی نصاب ونظام کے ساتھ سرگرم عمل ہیں؛ لیکن کبھی بھی ان کے کردار پر حرف نہیں آیا؛ بلکہ ان سے جمہوریت پسند، محبّ وطن، امن پرور اور ملک وقوم کے وفادار علماء دین تیار ہوتے رہے ہیں جن کی وطن دوستی ہر

شک شبہ سے بالاتر رہی اور وہ اپنے بلند کردار اور اعلیٰ تعلیمات کے ذریعہ ہر قسم کی تفریق پسندانہ ذہنیت کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ ان کے اسی کردار نے ہمارے وزیر اعظم کو اس کا موقع فراہم کیا کہ وہ اقوام متحدہ میں فخر کے ساتھ کہہ سکیں کہ ہندوستانی مسلمان دہشت گردی میں ملوث نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مدارس کا کردار بالکل آئینہ کی طرح صاف ہے، یہاں کے نظام میں کوئی چیز راز نہیں ہے سب کچھ کھلا ہوا ہے ایسے شفاف کردار پر جب کیچڑ اچھالی جاتی ہے تو قلب و دماغ ایک حیرتناک اذیت سے دوچار ہوتے ہیں

ع دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں

علماء ذی وقار! اس تاریخی موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے نازک مسئلہ پر اپنی حکومت، برادران وطن اور ارباب مدارس کی خدمت میں کچھ صاف صاف باتیں عرض کردی جائیں۔

جہاں تک حکومت اور اس کے انتظامی اداروں کا تعلق ہے تو ان سے ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ

(۱) امن واستحکام کے قیام اور بدامنی کے خاتمہ کے لئے عدل وانصاف پر مبنی مساویانہ سلوک کی ضرورت کو آپ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟، اگر آپ دہشت گردی کی لعنت کا مقابلہ کرنے میں سنجیدہ ہیں تو نہایت پختگی اور مضبوطی کے ساتھ انصاف کا دامن تھام کر کام کیجئے اور عقیدہ ومذہب کی بنیاد پر کسی بھی تفریق سے کلی اجتناب کیجئے، حقیقی مجرموں کو تلاش کر کے کیفر کردار تک پہنچایئے اور بے قصوروں کی آہوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کیجئے تاکہ ملک کی وحدت وسالمیت برقرار رہے اور وہ تیزی کے ساتھ ترقی کی راہ پر آگے بڑھتا رہے۔

(۲) دہشت گردی کی حقیقت اور اس کے پس منظر کو سمجھئے، واقعہ یہ ہے کہ دہشت گردی، بنیادی طور پر ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ اُن عالمی طاقتوں کی تقسیم کردہ لعنت ہے جن کے نظریات کی بنیاد صہیونیت پر ہے، جن کا واحد ایجنڈہ صہیونی عزائم کی تکمیل ہے اور وہ فساد فی الارض کے علمبردار ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ اربوں ڈالر اور لاکھوں فوجی دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے جھونک دینے کے باوجود آج تک کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے: بلکہ ان کی ناکامی کی انتہا، تو یہ ہے کہ آج تک وہ دہشت گردی کا مفہوم ہی طے نہیں کر پائے۔ ان کے طرز عمل سے تو فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذموم توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں حائل ہونے یا ہوسکنے والا ہر شخص دہشت گرد ہے، جب کہ زمانہ واقف ہے کہ آج دنیا میں

دہشت گردی کی لعنت صہیونی طاقتوں کے ہی دم سے زندہ ہے اسی لئے ان کے طریقۂ کار پر نظر رکھنے والے مبصرین کا کہنا ہے کہ ہمارے وطن عزیز میں پیش آنے والی دہشت گردانہ کارروائیوں کی جانچ بہت گہرائی سے کیا جانا ضروری ہے کیوں کہ بعض واقعات میں طریقۂ کار کی مماثلت محسوس ہوتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری ادھوری یا غلط رُخ پر ہونے والی تحقیقات اصل مجرموں کی پردہ پوشی اور بے قصوروں کو مجرم قرار دینے کی ناانصافی کا ذریعہ بنتی رہیں۔

(۳) حکومت کو دہشت گردی کے مسئلے سے نمٹنے میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ حکومتوں کے مجرم قوموں کے ہیرو کہلائے ہیں، خاص طور پر وہ جن کے شدت پسندانہ رویہ کا سبب، حکومت کی ناانصافی اور ظلم ہو۔ اس تاریخی حقیقت پر نظر رکھتے ہوئے کوشش ہونی چاہئے کہ ہر ایسا عمل ترک کر دیا جائے جس کا ردعمل دہشت گردی کی شکل میں سامنے آسکتا ہے۔

(۴) کسی ایک فرد یا چند افراد کے طرز عمل کے لئے پوری قوم کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا، ورنہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب اور تمام معزز قوموں کو دہشت گرد قرار دینا پڑے گا، جو یقیناً ایک غلط بات ہوگی۔ یہی بات مسلمانوں پر بھی منطبق کیجیے، مسلمان اس ملک کی تاریخ وثقافت کا اٹوٹ حصہ ہیں ان کو غیر مطمئن کر دینا ملک وقوم کے حق میں کسی بھی طرح مفید نہیں ہوسکتا۔

(۵) اس پر بھی غور کیا جائے کہ مسلمان، آج ہی کس طرح دہشت گرد بن جائیں گے جب کہ آزادی کے بعد سے اب تک ہر قسم کے مشکلات ومصائب جھیلنے اور امتیازی سلوک کا نشانہ بننے کے باوجود انھوں نے اپنے وطن کے دوستانہ کردار کو برقرار رکھا، اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے ہمیشہ جمہوری اور آئینی طرز عمل اختیار کیا، شدت پسندانہ رویہ سے احتراز کیا، کبھی کسی طرح کی ملک دشمن سرگرمی میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی ملک کے مختلف علاقوں میں سرگرم شدت پسند تنظیموں سے کوئی رابطہ رکھا، آخر وہ اپنے اس ملک کو کیوں نقصان پہنچائیں گے جس کی آزادی کے لئے انھوں نے اپنی ہر عزیز متاع کو داؤ پر لگایا، خاص طور پر جب کہ کسی بھی دہشت گردانہ کارروائی کا نقصان دوسروں سے پہلے خود انھیں کو پہنچنا یقینی ہے، ان نکات پر غور کر کے ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کا دہشت گرد ہونا خلاف واقعہ بھی ہے اور ناممکن بھی۔

دوسری بات ہمیں برادران وطن سے کہنی ہے کہ ہم اور آپ بھائی بھائی ہیں اور صدیوں سے اس ملک میں اچھے پڑوسیوں کی طرح رہتے آئے ہیں، ہماری مشترکہ قربانیوں سے وہ تہذیب وجود میں آئی ہے جسے گنگا جمنی تہذیب کہا جاتا ہے، ہم نے ملک کی ہر لڑائی شانہ بشانہ لڑی ہے، اگر آپ نے فرقہ پرست طاقتوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کو حقیقت سمجھ لیا اور مسلمانوں کی تابناک تاریخ کو نظر انداز کردیا تو یہ ہماری ہی نہیں آپ کی اور اس ملک کی بھی بدقسمتی ہوگی، اس لئے آپ ہمارے قریب آکر ہمیں دیکھئے اور ملک کے امن وامان اور وحدت وسالمیت کی حفاظت میں مشترکہ جدوجہد جاری رکھئے۔

اکابر ملک وملت! بندے کا یہ مقام ہرگز نہیں ہے کہ وہ آپ سے بات کرتے ہوئے ناصحانہ طرز کلام اختیار کرے اور نہ ہی آپ اس کے محتاج ہیں؛ لیکن وقت کے تقاضے کے تحت ایک بھائی کی حیثیت سے چند ضروری باتیں عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ ہمارے ہاتھ میں ہمارے اسلاف اور ملت اسلامیہ کی نہایت قیمتی امانت کی حیثیت رکھتے ہیں، اس امانت کی ہر پہلو سے حفاظت اور اس کا حق ادا کرنا ہمارا سب سے اہم فریضہ ہے۔

اس فریضہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر وقت مدارس کے نصب العین کو سامنے رکھیں، ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے شریعت اسلامی کے علمی ورثہ کو اس کے مخصوص مزاج اور متوارث منہاج کے مطابق اس کی صحیح شکل میں محفوظ رکھنے کے لئے یہ مدارس قائم کئے تھے، ان کے پیش نظر ایسے رجال کار تیار کرنا تھا جو اسلامی علوم وفنون کے ماہر اور اعلیٰ اسلامی اخلاق وکردار کے حامل ہوں، جو اپنی علمی مہارت، فکری گہرائی وگیرائی اور کردار کی پختگی سے ملت اسلامیہ کی باشعور نمائندگی اور ہوشمندانہ قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

ایسے افراد کی تیاری کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے طلبہ کو ہر قسم کے مضر خارجی اثرات سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کریں، ان کو مادیت کی لہر اور مغربی تہذیب کی لعنت سے بچائیں، ان کی ٹھوس ذہنی تربیت کا اہتمام کریں جس کے نتیجے میں وہ نہ تو کسی اسلام دشمن تحریک کی زد میں آسکیں اور نہ ہی ان کو اسلام کے نام پر کسی غیر قانونی سرگرمی کے لئے آلۂ کار بنایا جاسکے۔

دوسری نہایت ضروری بات یہ ہے کہ مدارس کے حالات، امن پسندانہ کردار اور تعلیمی سرگرمیوں سے اپنے ماحول کو واقف کرایا جائے، بہت سی غلط فہمیوں کی بنیاد ناواقفیت ہوتی ہے اگر ہمارا رابطہ اپنے

ماحول سے مسلسل رہے گا، اور ہماری سرگرمیاں حکومت اور اس کے نمائندوں کے سامنے آتی رہیں گی تو فرقہ پرستوں کے پروپیگنڈے کا ایک مؤثر جواب ہوجائے گا، ہمیں کسی کو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانے یا سمجھنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ اپنے پیغامِ محبت کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

اور آخر میں نہایت دردمندی کے ساتھ ایک گذارش ملت کے تمام ہی مکاتب فکر کے اکابر کی خدمت میں کرنا چاہوں گا اور وہ یہ کہ آج کے پرآشوب حالات میں امت مسلمہ کا اتحاد، گذشتہ ہر دور سے زیادہ ضروری ہوگیا ہے، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنے فروعی اختلافات کو اپنے گھر تک محدود رکھیں اور دشمنوں کے مقابلے میں ایک متحد امت کا کردار پیش کریں؟ کیا ہمارے لئے صحابی رسول ﷺ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بہترین اسوہ نہیں؟ کہ انھوں نے عین اس زمانہ میں جب وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برسرپیکار تھے روم کے بادشاہ کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی دعوت کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور ملت میں تفریق کے اُس داعی کو یا کلب الروم کے الفاظ سے مخاطب کرکے ٹھوس لفظوں میں بتادیا کہ اگر اُس نے حضرت علیؓ کے زیر حکومت علاقوں کی طرف نظر اٹھاکر بھی دیکھا تو حضرت علیؓ کے لشکر کے سب سے پہلے سپاہی کا نام معاویہ ہوگا۔ آج اس کردار کو زندہ کرنا وقت کی آواز ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس آواز کو سنیں اور اسی کے مطابق اپنا لائحۂ عمل تیار کریں۔

اسی کے ساتھ اپنے داخلی نظام کو بہتر بنانا ازبس ضروری ہے، ہمارا مالیاتی نظام آئینہ کی طرح شفاف ہونا چاہئے، اسی طرح ہمارے مدارس کے ماحول کو ایک بہترین معیاری اسلامی ماحول کا نمونہ ہونا چاہئے، جس میں حسن اخلاق، دیانت وامانت، ادائے حقوق، اتباع سنت اور خوف خدا کی حکمرانی ہو، اگر ہم اپنے معاشرہ کو ان خطوط پر ڈھالنے میں کامیاب ہوگئے تو ان شاء اللہ خطرات کے تمام بادل چھٹ جائیں گے اور مدارس کے خلاف ہونے والی سازشیں اپنی موت آپ مرجائیں گی۔

آخر میں ایک بار پھر صمیم قلب سے آپ سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور حق ضیافت میں کوتاہی پر معذرت پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو تمام مدارس اور ملت اسلامیہ کے لئے مثمر خیرات وبرکات فرمائے اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین.

❋ ❋ ❋

سیرت النبی ﷺ کی ایک جھلک

از: مفتی صہیب احمد قاسمی
استاذ فقہ جامعہ حسینیہ، جونپور (یوپی)

رسولِ کائنات، فخرِ موجودات محمد عربی ﷺ کو خالق ارض وسما رب العلی نے نسلِ انسانی کے لیے نمونۂ کاملہ اور اسوۂ حسنہ بنایا ہے اور آپ ﷺ کے طریقہ کو فطری طریقہ قرار دیا ہے۔ محسن انسانیت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے معمولات زندگی ہی قیامت تک کے لیے شعار ومعیار ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیرۃ النبی ﷺ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے یومِ ولادت سے لے کر روزِ رحلت تک کے ہر ہر لمحہ کو قدرت نے لوگوں سے محفوظ کرادیا ہے آپ ﷺ کی ہر ادا کو آپ ﷺ کے متوالوں نے محفوظ رکھا ہے اور سند کے ساتھ تحقیقی طور پر ہم تک پہنچایا ہے، لہٰذا سیرۃ النبی ﷺ کی جامعیت واکملیت ہر قسم کے شک وشبہ سے محفوظ ہے دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالات زندگی، معمولات زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عادات وخیالات اتنے کامل ومدلل طریقہ پر نہیں ہیں جس طرح کہ ایک ایک جزئیہ سیرۃ النبی ﷺ کا تحریری شکل میں دنیا کے سامنے ہے یہاں تک کہ آپ سے متعلق افراد اور آپ ﷺ سے متعلق اشیاء کی تفاصیل بھی سند کے ساتھ سیرت وتاریخ میں ہر خاص وعام کو مل جائیں گی۔

اس لیے کہ اس دنیائے فانی میں ایک پسندیدہ کامل زندگی گذارنے کے لیے اللہ رب العزت نے اسلام کو نظامِ حیات اور رسولِ خدا ﷺ کو نمونۂ حیات بنایا ہے وہی طریقہ اسلامی طریقہ ہوگا جو رسول خدا ﷺ سے قولاً، فعلاً منقول ہے آپ ﷺ کا طریقہ سنت کہلاتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے من رغب عن سنتی فلیس منی جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

عبادات وطاعات سے متعلق آپ کی سیرت طیبہ اور عادات شریفہ پر برابر لکھا اور بیان کیا جاتا رہتا ہے۔ دنیا میں ہر لمحہ ہر آن آپ ﷺ کا ذکرِ خیر کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا آپ کی سیرت سنائی اور بتائی جاتی رہے گی پھر بھی سیرت النبی ﷺ کا عنوان پُرانا نہیں ہوگا یہی معجزہ ہے سیرت النبی

ﷺ کا اور یہی تفسیر ہے "ورفعنالك ذكرك" کی۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی دنیا و آخرت میں کامیابی وسرفرازی کا عنوان اتباع سنت ہے یہی اتباع ہر دور ہر زمانہ میں سربلندی اور خوش نصیبی کی کنجی ہے۔ اگر کسی کو عہدِ رسالت نہ مل سکا تو پھر ان کے لیے عہدِ صحابہ معیارِ عمل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پاکیزہ جماعت سیرۃ النبی کا عملی پیکر ہے ہر طرح سے پرکھنے جانچنے کے بعد ان کو نسلِ انسانی کے ہر طبقہ کے واسطے ایمان وعمل کا معیار بنایا گیا ہے خود رسول اللہ ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی ہے اور اللہ رب العالمین نے ان کے عمل وکردار، اخلاق واطوار، ایمان واسلام اور توحید وعقیدہ، صلاح وتقویٰ کو بار بار پرکھا پھر اپنی رضا وپسندیدگی سے ان کو سرفراز فرمایا، کہیں فرمایا "اولئك الذين امتحن اللّٰه قلوبهم للتقوىٰ" کہ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کے تقویٰ کو اللہ نے جانچا ہے، کہیں فرمایا "آمنوا كما آمن الناس" کہ اے لوگو ایسے ایمان لاؤ جیسا کہ محمد کے صحابہ ایمان لائے ہیں تو کہیں فرمایا اولئك هم الراشدون یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ سب اس لیے کہ سیرت النبی ﷺ کا عکس جمیل تھے ان کی عبادات میں ہی نہیں بلکہ چال ڈھال میں بھی سیرۃ النبی ﷺ کا نور جھلکتا تھا یہی سبب ہے کہ خود رسولِ کائنات ﷺ نے فرمایا "اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم" (ترمذی) میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جن سے بھی اقتداء ومحبت کا تعلق جمالو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

چونکہ صحرا، جنگل میں سفر کرنے کے لیے سمت معلوم کرنے کے لیے ستاروں کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ نفوس قدسیہ شرک وکفر کے صحراء میں منارۂ ایمان ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں سیرت النبی ﷺ کے چند خاص گوشوں کو موضوع بنایا گیا ہے جو آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کردہ ہیں مختصر طور پر ہر اس پہلو کو ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کو عادتاً کم بیان کیا جاتا ہے۔

ولادت شریف اور حلیہ مبارکہ ﷺ: ۹/ یا ۱۲/ ربیع الاوّل عام الفیل کو آپ نے شکمِ مادر سے تولد فرمایا۔ شمائلِ ترمذی حلیہ مبارکہ بیان کرنے کا سب سے مستند وجامع ذریعہ ہے جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے، آپ ﷺ میانہ قد، سرخی مائل، سفید گورا رنگ، سرِ اقدس پر سیاہ ہلکے گھنگھریالے ریشم کی طرح ملائم انتہائی خوبصورت بال جو کبھی شانہ مبارک تک

دراز ہوتے تو کبھی گردن تک اور کبھی کانوں کی لوتک رہتے تھے۔ رخ انور اتنا حسین کہ ماہِ کامل کے مانند چمکتا تھا، سینۂ مبارک چوڑا، چکلا کشادہ، جسم اطہر نہ دبلا نہ موٹا انتہائی سڈول چکنا کہیں داغ دھبہ نہیں، دونوں شانوں کے بیچ پشت پر مہرِ نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر سرخی مائل ابھری کہ دیکھنے میں بے حد بھلی لگتی تھی، پیشانی کشادہ بلند اور چمکدار، ابروئے مبارک کمان دار غیر پیوستہ، دہن شریف کشادہ، ہونٹ یاقوتی مسکراتے تو دندانِ مبارک موتی کے مانند چمکتے، دانتوں کے درمیان ہلکی ہلکی درازیں تھیں بولتے تو نور نکلتا تھا سینہ پر بالوں کی ہلکی لکیر ناف تک تھی باقی پیکر بالوں سے پاک تھا صحابہ کا اتفاق ہے کہ آپ جیسا خوبصورت نہیں دیکھا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ شاعرِ رسول ﷺ ہیں وہ اپنے نعتیہ قصیدے میں نقشہ کھینچتے ہیں:

وأحسن منك لم ترقط عيني　　وأجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرّأً من كل عيب　　كأنك قد خلقت كما تشاء

آپ ﷺ سے حسین مرد میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت مرد کسی عورت نے نہیں جنا آپ ہر قسم کے ظاہری و باطنی عیب سے پاک پیدا ہوئے گویا آپ اپنی حسب مرضی پیدا ہوئے ہیں، نہ کبھی آپ چیخ کر بات کرتے تھے نہ قہقہہ لگاتے تھے نہ شور کرتے تھے نہ چلاکر بولتے تھے ہر لفظ واضح بولتے جو مجمع سے مخاطب ہوتے تو تین بار جملہ کو بالکل صاف صاف دہراتے تھے اندازِ کلام باوقار، الفاظ میں حلاوت کہ بس سنتے رہنے کو دل مشتاق، لبوں پر ہمہ دم ہلکا سا تبسم جس سے لب مبارک اور رخِ انور کا حسن بڑھ جاتا تھا راہ چلتے تو رفتار ایسی ہوتی تھی گویا کسی بلند جگہ سے اتر رہے ہوں نہ دائیں بائیں مڑمڑ کر دیکھتے تھے نہ گردن کو آسمان کی طرف اٹھا کر چلتے تھے تواضع کی باوقار مردانہ خوددارانہ رفتار ہوتی، قدمِ مبارک کو پوری طرح رکھ کر چلتے تھے کہ نعلین شریفین کی آواز نہیں آتی تھی ہاتھ اور قدم ریشم کی طرح ملائم گداز تھے اور قدم پُر گوشت، ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں ہوتے تھے، اپنا کام خود کرنے میں تکلف نہ فرماتے تھے کہ کوئی مصافحہ کرتا تو اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے جب تک وہ الگ نہ کرلے جس سے گفتگو فرماتے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے کوئی آپ سے بات کرتا تو پوری توجہ سے سماعت فرماتے تھے، پھر بھی ایسا رعب تھا کہ صحابہ کو گفتگو کی ہمت نہ ہوتی تھی ہر فرد یہی تصور کرتا تھا کہ مجھ کو ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کا آغاز: تاجِ رسالت اور خلعت نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد رحمۃ للعالمین خاتم النّبیین ﷺ نے ایک ایسے سماج و معاشرہ کو ایمان و توحید کی دعوت دی جو گلے

گلے تک شرک وکفر کی دلدل میں گرفتار تھا، ضلالت وجہالت کی شکار تھی انسانیت، شرافت مفقود تھی، درندگی اور حیوانیت کا راج تھا ہر طاقتور فرعون بنا ہوا تھا۔ قتل وغارت گری کی وبا ہرسُو عام تھی نہ عزت محفوظ، نہ عصمت محفوظ، نہ عورتوں کا کوئی مقام، نہ غریبوں کے لیے کوئی پناہ، شراب پانی کی طرح بہائی جاتی تھی، بے حیائی اپنے عروج پر تھی، روئے زمین پر وحدانیت حق کا کوئی تصور نہ تھا، خودغرضی، مطلب پرستی کا دوردورہ تھا، چوری، بدکاری اپنے عروج پر تھی اور ظلم وستم ناانصافی اپنے شباب پر تھی خدائے واحد کی پرستش کی جگہ معبودانِ باطل کے سامنے پیشانیاں جھکتی تھیں، نفرت وعداوت کی زہریلی فضا انسان کو انسان سے دور کرچکی تھی، انسانیت آخری سانس لے رہی تھی معاشرہ سے شرک کا تعفن اٹھ رہا تھا۔ کفر کی نجاست سے قلوب بدبودار ہوچکے تھے اس دور کا انسان قرآن کریم کے مطابق جہنم کے کنارے کھڑا تھا، ہلاکت سے دوچار ہونے کے قریب کہ رحمت حق کو رحم آیا اور کوہِ صفا سے صدیوں بعد انسانیت کی بقا کا اعلان ہوا کہ ”یآ ایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا“ اے لوگو! لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لاؤ فلاح وصلاح سے ہمکنار رہوگے۔ یہ آواز نہیں تھی بلکہ ایوان باطل میں بجلی کا کڑکا تھا۔

وہ بجلی کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

یہی آوازِ حق ایک عظیم الشان انقلاب کی ابتدا تھی جس نے دنیائے انسانیت کی تاریخ بدل دی یہ اعلان توحید کی حیات نو کا پیغام تھا جس نے مردہ دل عربوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی اور پھر دنیا نے وہ منظر دیکھا جس کا تصور بھی نہ تھا کہ قاتل عادل بن گئے، بت پرست بت شکن بن گئے، ظلم وغضب کرنے والے حق پرست اور رحم دل بن گئے، سیکڑوں معبودانِ باطل کے سامنے جھکنے والی پیشانیاں خدائے واحد کے سامنے سرنگوں ہوگئیں، عورتوں کو جانور سے بدتر جاننے والے قطع رحمی اور کمزوروں پر ستم ڈھانے والے عورتوں کے محافظ، صلہ رحمی کے خوگر اور کمزوروں کا سہارا بن گئے، نفرت وعدوات کا آتش فشاں سرد ہوگیا محبت واخوت کی فصلِ بہاراں آگئی، راہزن راہبر اور ظالم عدل وانصاف کے پیامبر بن گئے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

پھر دنیا نے دیکھا کہ ایک امی لقب اعلیٰ نسب رسول کے فداکاروں نے ایمان وتوحید کی

تاریخ مرتب کرڈالی عدل و نصاف کے لازوال نقوش چھوڑے، وحدت مساوات کی لافانی داستان رقم کردی، فتوحات کی انوکھی تاریخ لکھ دی جہانبانی وحکمرانی کے مثالی اصول مرتب کیے، عفت وپاکدامنی کا ریکارڈ چھوڑ گئے، وفاداری، فداکاری کی انمٹ تحریر دیے، عظمت ورفعت کے ان بلندیوں پر پہنچے جہاں سے اونچا مقام صرف انبیاء ومرسلین کونصیب ہوسکتا ہے ایسا انقلاب دنیا نے کب دیکھا تھا اور کہاں سنا تھا۔

صبرواستقامت: رسول اللہ ﷺ نے دعوت حق اور اعلانِ توحید کی راہ میں اپنے ہی لوگوں کے ایسے ایسے مصائب وآلام دیکھے کہ کوئی اور ہوتا تو ہمت ہار جاتا مگر آپ صبر واستقامت کے کوہِ گراں تھے، دشمنانِ اسلام نے قدم قدم پر آپ کوستایا، جھٹلایا، بہتان لگایا، مجنون ودیوانہ کہا، ساحروکاہن کا لقب دیا راستوں میں کانٹے بچھائے جسم اطہر پر غلاظت ڈالی، لالچ دیا، دھمکیاں دیں، اقتصادی ناکہ بندی اور سماجی مقاطعہ کیا، آپ کے شیدائیوں پر ظلم وستم اور جبر واستبداد کے پہاڑ توڑے، نئے نئے لرزہ خیز عذاب کا جہنم کھول دیا کہ کسی طرح حق کا قافلہ رک جائے، حق کی آواز دب جائے، مگر دورِ انقلاب شروع ہوگیا تھا توحید کا نعرہ بلند ہو چکا تھا، اس کو غالب آنا تھا۔

یریدون لیطفؤا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون. (القرآن)

کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (ایمان واسلام) کو اپنی پھنکوں سے بجھادیں اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کفار اس کا ناپسند کریں۔ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ابتلاء وآزمائش میں جتنا مجھ کو ڈالا گیا کسی اور کونہیں ڈالا گیا۔ اسی طرح آپ کے صحابہ پر جتنے مظالم ڈھائے گئے کسی اور امت میں نہیں ڈھائے گئے۔

ھجرتِ مبارکہ: جب مکہ کی سرزمین آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام پر بالکل تنگ کردی گئی تب بحکم الٰہی آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور صحابہ کرام نے اللہ کے لیے اپنے گھربار، آل واولاد، زمین وجائداد سب کو چھوڑ چھاڑ کر حبشہ ومدینہ کا رخ کیا پہلی ہجرت صحابہ کے ایک گروہ نے حبشہ کی طرف کی تھی، پھر جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ اسلام کا مرکز بن گیا، ہجرت رسولؐ کے بارے میں مفکر اسلام علی میاں ندویؒ کا یہ جامع اقتباس بہت ہی معنویت رکھتا ہے کہ ہجرت کس جذبہ کا نام ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتنی زبردست قربانی دی تھی۔

”رسول اللہ ﷺ کی اس ہجرت سے سب سے پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ دعوت اور عقیدہ کی خاطر ہر عزیز اور ہر مانوس ومرغوب شئے اور ہر اس چیز کو جس سے محبت کرنے، جس کو

ترجیح دینے اور جس سے بہر صورت وابستہ رہنے کا جذبہ انسان کی فطرت سلیم میں داخل ہے۔ بے دریغ قربان کیا جاسکتا ہے، لیکن ان دونوں اوّل الذکر چیزوں (دعوت وعقیدہ) کو ان میں سے کسی چیز کے لیے ترک نہیں کیا جاسکتا (نبی رحمت) اور ہجرت رسول ﷺ کا یہی پیغام آج بھی مسلمانوں کے سامنے ہے کہ ایمان وعقیدہ اور دعوت وتبلیغ کسی بھی صورت میں ترک کرنا گوارہ نہ کریں یہی دونوں تمام دنیوی واخروی عزت وکامیابی کا سرچشمہ ہے۔

غزوات و سرایا: ہجرتِ رسول ﷺ کے بعد ایک طرف آنحضور ﷺ کو دعوت اسلام کی تحریک میں کشادہ میدان اور مخلص معاون افراد ملے جس کے باعث قبائل عرب میں تیزی سے اسلام پھیلنے لگا تو دوسری جانب مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کی برپا کردہ لڑائیوں کا سامنا بھی تھا مکہ میں مسلمان کمزور اور بے قوت وطاقت تھے اس لیے ان کو صبر واستقامت کی تاکید وتلقین تھی مدینہ میں مسلمانوں کو وسعت وقوت حاصل ہوئی اور اجتماعیت ومرکزیت نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے لڑنے اور ان کو منھ توڑ جواب دینے کی اجازت عطا فرمائی اور غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہوا جو اہم غزوات پیش آئے یہ ہیں۔

(۱) غزوۂ بدر ۲ھ میں مومنین ومشرکین مکہ کے درمیان میدانِ بدر میں سب سے پہلا غزوہ پیش آیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے سپہ سالاری میں تین سو تیرہ مجاہدین نے مشرکین کے ایک ہزار ہتھیار بند لشکر کو ہزیمت سے دوچار کیا اور ابوجہل، شیبہ، عتبہ سمیت ستر (۷۰) سردارانِ قریش مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اسی سے مسلمانوں کی دھاک قبائل عرب پر نقش ہوگئی۔

(۲) غزوۂ اُحد ۳ھ شوال میں یہ غزوہ ہوا مسلمان سات سو اور کفار تین ہزار تھے۔

(۳) غزوات ذات الرقاع ۴ھ میں پیش آیا اسی میں آپ نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی۔

(۴) غزوۂ احزاب (خندق) ۵ھ میں ہوا مشرکین مکہ نے قبائل عرب کا متحد محاذ بنا کر حملہ کیا تھا۔ آنحضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے مدینہ کے اردگرد چھ کلومیٹر لمبی خندق کھدوائی تھی اسی لیے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

(۵) غزوۂ بنی المصطلق ۶ھ میں ہوا اسی میں منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی۔

(۶) صلحِ حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تھا اور چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے کہ مشرکین مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور وہیں صلح ہوئی کہ آئندہ سال عمرہ کرسکتے ہیں (پوری تفصیل کتابوں میں دیکھی جائے)

(۷) غزوۂ خیبر ۷ھ میں پیش آیا یہ یہودیوں سے آخری غزوہ تھا اس سے قبل غزوۂ بنونضیر اور غزوۂ بنوقریظہ میں یہودیوں کو جلاوطن اور قتل کیا گیا تھا۔

(۹) غزوۂ تبوک ۹ھ میں پیش آیا ہرقل سے مقابلہ تھا دور کا سفر تھا شام جانا تھا گرمی کا زمانہ تھا اس لیے خلاف عادت آپ نے اس غزوہ کا اعلان فرمایا چندہ کی اپیل کی صحابہ نے دل کھول کر چندہ دیا اور تیس ہزار کا عظیم الشان لشکر لے کر آپ تبوک روانہ ہوئے، مگر ہرقل بھاگ گیا اور آپ مع صحابہ واپس بخیریت مدینہ تشریف لائے اس غزوہ میں بھی بہت سے اہم واقعات پیش آئے جن کی ایک ایک تفصیل سیر کی کتابوں میں درج ہے۔ان غزوات کے علاوہ بہت سے سرایا صحابہ کرام کی سرکردگی میں مختلف مواقع پر روانہ فرمائے۔

کچھ اہم واقعات: ۲ھ میں ہجرت کے بعد سترہ مہینہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے بعد تحویل قبلہ ہوا۔۲ھ میں روزہ فرض کیا گیا،۴ھ میں شراب حرام ہوئی۔

فتح مکہ وغزوۂ حنین :۸ھ میں اسلامی تاریخ کا وہ واقعہ یعنی فتحِ مکہ پیش آیا جس سے کلی طور پر اسلام کو عرب میں غلبہ حاصل ہوگیا اور مشرکین کا سارا زور ٹوٹ گیا فتح مکہ کے بعد واپسی میں غزوۂ حنین پیش آیا جس میں پہلی بار مسلمان تعداد میں بارہ ہزار اور کفارِ طائف چار ہزار تھے ورنہ ہر غزوہ میں مسلمان کم اور دشمن کی تعداد دوگنا، تین گنا ہوتی تھی۔

اشیاء الرسول اور ان کے اسماء: رسولِ خدا ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ آپ اپنی چیزوں کا نام رکھ دیا کرتے تھے زاد المعاد میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے بہت سی چیزوں کے نام شمار کرائے ہیں امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''سیرۃ نبویہ'' میں آپ ﷺ کی اشیاء مبارکہ کے اسماء بیان کیے ہیں، نیز دوسرے سیرت نگار علماء نے بھی اس ضمن میں کام کیا ہے، انھیں کتب سیرت ومضامین سیرت سے مندرجہ ذیل اشیاء کے اسماء کا ذکر پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) عمامہ شریف کا نام سحاب تھا۔

(۲) دو پیالے لکڑی اور پتھر کے تھے ایک کا نام ریان اور دوسرے کا نام مضیّب تھا۔

(۳) آبخورہ تھا جس کا نام صادِر تھا۔

(۴) خیمہ تھا جس کا نام رِکی تھا۔

(۵) آئینہ تھا جس کا نام مُدِلہ تھا۔

(۶) قینچی تھی جس کا نام جامع تھا۔

(۷) جوتی مبارکہ تھی جس کا نام ممشوق تھا۔

(۸) ایک زمانہ میں آپ کے پاس دس گھوڑے تھے ''سکب'' نامی گھوڑے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ اُحد میں سوار تھے ایک گھوڑے کا نام لزاز تھا، جس کو شاہ اسکندریہ مقوقش نے ہدیۃً بھیجا تھا، باقی گھوڑوں کے نام یہ ہیں: ظرب، ورد، ضریس، ملاوح، سبحہ، بجر۔

(۹) تین خچر تھے ایک کا نام دُلدل تھا حبشہ کے بادشاہ نے بھیجا تھا آپ نبوت کے بعد اسی پر پہلے پہل سوار ہوئے آپ کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما اس پر سوار ہوتے تھے ان کے بعد محمد بن حنفیہ کے پاس رہا، دوسرے خچر کا نام فِضّہ تھا جس کو صدیقِ اکبرؓ نے ہدیہ کیا تھا۔ تیسرے کا نام اِیلیہ تھا شاہِ ایلہ نے ہدیہ بھیجا تھا۔

(۱۰) ایک گدھا تھا جس کا نام یعفور تھا۔

(۱۱) سواری کی دو اونٹنیاں تھیں ایک کا نام قصواء اور دوسری کا نام عضباء تھا، ہجرت کے وقت آپ قصواء پر سوار تھے اور حجۃ الوداع کا خطبہ بھی اسی پر سوار ہوکے دیا تھا۔

(۱۲) دو بکریاں خاص دودھ کے لیے تھیں ایک کا نام غوثہ اور دوسری کا نام یمن تھا۔

(۱۳) ایک سفید رنگ کا مرغ بھی تھا جس کا نام ''منقول'' تھا۔

(۱۴) کل نو تلواریں تھیں۔ ذوالفقار نام کی تلوار غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں ملی تھی باقی تلواروں کے نام یہ تھے: قلعی، بتار، قسف، مجذم، رسوب، عضب، قضیب۔

(۱۵) چار نیزے تھے ایک کا نام ان میں سے ''شوی'' تھا اور بیضاء نام کا ایک بڑا حربہ تھا (جو نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے)۔

(۱۶) عرجون نام کی خمدار لاٹھی تھی، چار کمانیں تھیں ایک کا نام ''کتوم'' تھا۔

(۱۷) ترکش کا نام ''کافور'' اور ڈھال کا نام ''زلوق'' تھا۔

(۱۸) ایک خود تھا اس کا نام ''ذوالسبوع'' تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اشیاء مبارکہ کے اسماء سے معلوم ہوا کہ چیزوں کا نام رکھنا سنت ہے۔ یوں تو متمول افراد شوق سے اپنے کتوں کے نام رکھتے ہیں اور یہ سنت کی پیروی میں نہیں بلکہ یورپ کی تقلید میں، ورنہ دوسری اشیاء کے نام بھی رکھتے بعض گھروں میں بکرا وغیرہ پالنے کا شوق ہوتا ہے اوران کے نام بھی رکھ دیئے جاتے ہیں عموماً یہ بھی اتباع سنت کے بجائے شوقیہ ہوتے ہیں۔

آنحضور ﷺ کے غلام اور ان کے نام: آنحضور ﷺ کے پاس مختلف زمانوں میں کل ملا کر ستائیس غلام تھے آپ نے ان سب کو آزاد کردیا تھا بلکہ غلاموں کی آزادی کی تحریک بھی آپ کے مشنِ نبوت کا ایک حصہ تھی آخری وقت میں جب کہ مرض الوفات میں تھے غشی طاری ہوجاتی تھی جب افاقہ ہوتا تو زبانِ مبارک پر صرف دو جملہ ہوتا تھا ”الصلاۃ الصلاۃ، العبید العبید“۔

آپ کے غلاموں کے نام یہ تھے۔ زید بن حارثہؓ ان کو آپ نے اپنا منھ بولا بیٹا بنالیا تھا اور زید بن محمد کہلاتے تھے پھر جب متبنّیٰ سے متعلق آیت نازل ہوئی، تو اپنے والد حارثہ کی طرف منسوب ہونے لگے۔

اسامہ بن زید، ثوبان، ابوکبشہ، انیسہ، شقران، رباح، یسار، ابورافع، ابوموبہہ، فضالہ، رافع، مدعم، کرکرہ، زید جد ہلال، عبید، طہمان، نابورقطبی، واقد، ہشام، ابوضمیر، ابوعسیب، ابوعبید، سقیہ، ابوہند، الحبشہ، ابوامامہ (رضی اللہ عنہم)

باندیاں: باندیوں کی تعداد دس تھی ان سب کو بھی آپ نے آزاد فرمادیا تھا ان کے نام درج ذیل ہیں:

سلمہ، ام رافع، رضویٰ، اُسیمہ، ام ضمیر، ماریہ، سیرین، ام ایمن میمونہ، خضرہ، خویلہ رضی اللہ عنہن۔ سیرین کو آپ نے حضرت حسان بن ثابت کو تحفہ میں دے دیا تھا (یا کسی اور صحابی کو عطا فرمادیا تھا)۔

خدام النبی ﷺ: یوں تو فداکارانِ رسول میں سے ہر پروانہ شمع رسالت پر قربان ہونے کو ہردم تیار رہتا تھا اور کسی بھی ادنیٰ سی خدمت کی سعادت ملنے کو دنیا و مافیہا سے بڑی نعمت سمجھتا تھا، لیکن آپ دوسروں سے کام لینا پسند نہیں فرماتے تھے آپ کے اخلاق حسنہ میں سے تھا کہ اپنا کام خود کرتے تھے پھر بھی آپ کے ذاتی اور گھریلوں کاموں کو انجام دینے کے لیے کچھ خاص خدام تھے جن کی تعداد گیارہ تھی جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ (دس برس تک خادم خاص تھے) ہند بنت حارثہ، اسماء بنت حارثہ، ربیعہ بن کعب، عبداللہ بن مسعود، عقبہ بن عامر، بلال بن رباح، سعد، ذومخمر (شاہ حبشہ کے بھتیجے) بکسر بن شداخ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔

شاہانِ ممالک کے لیے آنحضور ﷺ کے سفراء: آنحضور ﷺ نے

عرب وعجم کے شاہانِ ممالک اور سربراہان حکومت کے پیس دعوتی خطوط بھیجے تھے ان کو ایمان و توحید اختیار کرکے فلاح یاب ہونے کی دعوت دی تھی جن حضرات صحابہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ سفیرِ رسول مقبول ﷺ کی حیثیت سے شہرت پائیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) عمرو بن امیہؓ کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجا۔

(۲) دحیہ کلبیؓ کو قیصر روم ہرقل کے پاس بھیجا۔

(۳) عبداللہ بن حذافہؓ کو کسرائے فارس کے پاس بھیجا

(۴) حاطب بن ابوبلتعہؓ کو شاہ اسکندریہ مقوقس کے پاس بھیجا

(۵) عمروؓ بن العاص کو شاہ عمان کے پاس بھیجا

(۶) سلیط بن عمرؓ کو یمامہ کے رئیس ہودہ بن علی کے پاس بھیجا

(۷) شجاع بن وہبؓ کو شاہ بلقا کے پاس بھیجا

(۸) مہاجر بن امیہؓ کو حارث حمیری شاہِ حمیر کے پاس بھیجا

(۹) علاء بن حضرمی کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کے پاس بھیجا

(۱۰) ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو اہل ایمن کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر روانہ فرمایا۔

کاتبین وحی رسالت: آنحضور ﷺ امی تھے پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، امی ہونا آپ ﷺ کا خصوصی امتیاز ہے اور آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کی ایک واضح دلیل ہے کہ ایک امی لقب رسول نے دنیائے انسانیت کو ایسا کلام دیا جس کی فصاحت و بلاغت اور لذت وحلاوت کے سامنے فصحائے عرب سرنگوں نظر آتے ہیں اور قیامت تک دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا جب قرآن مجید کی آیات کریمہ آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوتی تھیں تو آنحضور ﷺ مختلف صحابہ کرام سے ان کی کتابت کرواتے تھے کاتبین وحی کے اسماء حسب ذیل ہیں، نیز انھیں میں سے خطوط وفرامین لکھنے والے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، اُبی بن کعب، ثابت بن قیس بن شماس، خالد بن سعید، حنظلہ بن ربیع، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ۔ رضی اللہ عنہم۔

جن کو خصوصیت حاصل تھی: حضرت زید بن حارثہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے حد درجہ پیار فرماتے تھے، جب زید بن حارثہ

کہیں سفر سے واپس آتے تو فرطِ شوق سے لپک کر گلے لگاتے تھے حضرت اسامہ بن زید کی کسی بات کو رد نہیں کرتے تھے یہ حب الرسول سے مشہور تھے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین ان سے سفارش کراتے تھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ فرمایا، سلمان منا اہل بیت کہ سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہیں۔ حضرت بلال اور حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر غفاری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم محبوبین مخصوصین میں شمار ہوتے تھے۔

ازواج مطہرات: وفات کے وقت آنحضور ﷺ کے نکاح میں کل نو ازواج مطہرات تھیں، یہ بیویاں تھیں جن کے فضائل قرآن کریم میں آئے ہیں کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، ینساء النبی لستن کأحدٍ من النساء (سورہ احزاب) یہ حرم نبی ہیں ان کو دنیا کی تمام عورتوں میں خصوصی امتیاز وفضیلت حاصل ہے۔

(۱) حضرت سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا ان سے قبلِ ہجرت نکاح فرمایا۔

(۲) حضرت عائشہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہا ان سے بھی ہجرت سے قبل نکاح ہوا اور رخصتی مدینہ میں ایک ہجری میں ہوئی۔

(۳) حضرت حفصہ بن عمر رضی اللہ عنہا ان سے شعبان ۳ھ میں نکاح فرمایا۔

(۴) حضرت ام سلمہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہا ان سے شعبان ۴ھ میں نکاح فرمایا۔

(۵) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ان سے ۵ھ میں نکاح فرمایا یہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔

(۶) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا ان سے ۶ھ میں نکاح فرمایا اور خلوت ۷ھ میں ہوئی۔

(۷) حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ان سے ۶ھ میں نکاح فرمایا۔

(۸) حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا ان سے ۷ھ میں نکاح فرمایا۔

(۹) حضرت صفیہ بنت حی بنت اخطب رضی اللہ عنہا ان سے ۷ھ میں نکاح فرمایا یہ یہودی سردار کی صاحبزادی تھیں۔

(۱۰) حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ عنہا آپ نے سب سے پہلے انھیں کی خواہش و پیغام پر نکاح کیا تھا جب کہ آپ کی عمر شریف ۲۵ سال تھی اور وہ بیوہ چالیس سال کی باعزت مالدار خاتون تھیں آپ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیمؑ کے انھیں کے بطن سے ہیں یہ

ہجرت سے قبل وفات پاگئیں تھیں، آنحضور ﷺ ان کی بہت قدر فرماتے تھے ہمیشہ یاد کرتے رہے۔

(۱۱) حضرت زینب بن خزیمہ رضی اللہ عنہا ان سے ۳ھ میں نکاح فرمایا مگر دو یا تین ماہ کے بعد یہ وفات پاگئیں۔

اولاد الرسول ﷺ: آنحضور ﷺ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم بن محمد علیہ السلام کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جن کا نکاح ابوالعاص سے ہوا تھا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا پہلے رقیہؓ سے، ان کی وفات کے بعد ام کلثومؓ سے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ آنحضور ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے محبوب صاحبزادی تھیں، ان کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا تھا۔

انھیں صاحبزادی سے آپ ﷺ کا سلسلہ نسب چلا ہے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما انھیں کے بطن سے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ کو جاری رکھنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ جن کا لقب طاہر اور طیب ہے اور حضرت قاسم یہ دونوں صاحبزادے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، ہجرت سے قبل مکہ میں وفات پائے حضرت قاسمؑ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے یہ دو تین سال کے بعد وفات پائے۔

سیرۃ النبی ﷺ کی یہ ایک جھلک ہے سیرۃ مبارکہ کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر آپ ﷺ کو ایک مسلمان نمونہ کامل بنانے پر قادر نہیں ہوگا آپ جہاں داعی برحق ہیں تو وہیں انسانِ کامل بھی ہیں۔ آپ شوہر بھی ہیں آپ باپ بھی ہیں، آپ خسر بھی ہیں آپ داماد بھی ہیں، آپ تاجر بھی ہیں آپ قائد بھی ہیں۔ آپ سپہ سالار بھی ہیں آپ مظلوم بھی ہیں، آپ مہاجر بھی ہیں آپ نے زخم بھی کھائے آپ نے مشقت بھی جھیلی آپ نے بھوک بھی برداشت کی آپ نے بکریاں بھی چرائیں آپ نے سیادت بھی فرمائی۔ آپ نے معاملات بھی کیے، آپ نے لین دین بھی فرمایا، آپ نے قرض بھی لیا، آپ نے ایک انسان کی حیثیت سے معاشرہ کا ہر وہ کام کیا جو ایک انسان فطری طور پر کرتا ہے۔ اس لیے آپ کو نمونہ بنائے بغیر نہ کوئی کامیاب باپ، شوہر، خسر، داماد، تاجر و سپہ سالار بن سکتا ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی کما حقہ اپنی طاقت بھر اطاعت و عبادت کرسکتا ہے آپ کی سیرت طیبہ حیات انسانی کے ہر گوشہ کا کامل احاطہ کرتی ہے۔

❁ ❁ ❁

نبیؐ — فکری اور اجتہادی بصیرت کے چند جلوے

از: مفتی شکیل منصور الحسنی القاسمی
استاذ مجمع عین المعارف للدراسات الاسلامیہ، کیرالہ

اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ ''قرآن'' کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی ''سیرت'' ہے۔ دراصل ''قرآن'' اور ''حیات نبوی ﷺ'' معاً ایک ہی ہیں، قرآن متن ہے تو سیرت اس کی شرح۔ قرآن علم ہے تو سیرت اس کا عمل، قرآن ما بین الدفتین ہے تو یہ ایک مجسم و ممثل قرآن تھا جو مدینہ کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا، کان خلقه القرآن.

سیرت نبوی کا اعجاز ہے کہ اس کے اندر ہزاروں روشن پہلو ہیں۔ دنیا کو جس پہلو یا گوشے سے روشنی اور گرمی مطلوب ہو، اس کو سیرت نبوی ﷺ کے بے مثال خزانہ میں وہ اسوہ اور نمونہ مل جاتا ہے جس سے اپنے ہمہ نوعیتی مسائل و مشکلات کا کامیاب ترین حل نکال لے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام ہی پہلو سورج سے زیادہ ظاہر وعیاں ہوکر دنیا کے سامنے موجود ہیں، آپ جس پیغام الٰہی کو لے کر دنیا میں تشریف لائے، وہ ساری انسانیت کیلئے ایک ہمہ گیر، مستحکم و مضبوط اور ''عائمی نظام حیات'' ہے اور اس نے اپنی اس امتیازی شان، ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقاء کی خاطر اپنے اندر ایسی لچک اور گنجائش رکھی ہے کہ ہر دور میں اور ہر جگہ انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور کسی منزل پر اپنے پیروں کی رہبری سے عاجز و قاصر نہ رہے۔

لوگوں کو جس قسم کے مسائل و حالات پیش آسکتے ہیں، ان کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ مسائل جن میں حالات و زمانے کے اختلاف سے کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔ ایسے مسائل کیلئے شروع ہی سے شریعت میں تفصیلی احکام و قواعد ثابت و موجود ہیں۔ جیسے نکاح، طلاق، محرمات اور میراث وغیرہ کے احکام۔

(۲) وہ مسائل جو حالات و زمانے کے بدلنے سے متغیر ہوسکتے ہوں ایسے مسائل کے بارے میں شریعت نے کوئی تفصیلی احکام نہیں چھوڑے ہیں؛ بلکہ اس سلسلے میں عام قواعد اور بنیادی اصول ومبادی وضع کردی ہے اور امت کے بالغ نظر اور بلند پایہ فقہاء کیلئے یہ گنجائش چھوڑ دی ہے کہ شریعت کے مقاصد، اس کے مزاج و مذاق، احکام شرع کے مدارج اور دین کی بنیادی اصول و قواعد کو سامنے رکھ کر ان مسائل کے احکام تلاش کریں؛ لیکن اس مقصد کیلئے یہ ضروری ہے کہ علمائے امت کے سامنے سیرت نبوی کا فکری اور اجتہادی پہلو ہو جس کی رہنمائی میں ہر زمانہ کے علماء وفقہاء غیر منصوص اور نئے پیش آمدہ مسائل میں شرعی غور وفکر کے ذریعہ کوئی شرعی حکم نکال سکیں۔ سیرت نبوی کا اعجاز دیکھئے کہ اس میں وہ قیاس واجتہاد کے ایک دو نہیں متعدد علمی نمونے موجود ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود اپنے قول وسیرت سے یہ راہ کھلی رکھی ہے تاکہ کتاب وسنت کے اصولی ہدایات کی تطبیق پیش آنے والی جزئیات یہ قیامت تک جاری رہ سکے۔ ذیل کی سطروں میں ہم انتہائی اختصار کے ساتھ آپ ﷺ کے اسی گوشہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

نبی ﷺ کا استنباط واجتہاد

علماء اصول کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ غیر منصوص مسائل میں آپ ﷺ کیلئے اجتہاد جائز تھا یا نہیں؟ جمہور علماء اصول کے یہاں جائز ہے۔ معتزلہ اور ابن حزم ظاہری کے یہاں جائز نہیں ہے۔(۱)

پھر جو لوگ اجتہاد نبی ﷺ کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے مابین دو باتوں میں اختلاف ہے:

(الف) کس قسم کے مسائل میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا ہے؟

(ب) آپ ﷺ کب اجتہاد فرمایا کرتے تھے؟

علامہ قرافیؒ، علامہ عبدالعزیز بخاریؒ اور علامہ شوکانیؒ نے اس پر جمہور علمائے امت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگی امور اور دنیوی معاملات کے سلسلے میں اجتہاد فرمایا ہے۔

بخاری کے الفاظ یہ ہیں: کلهم قد اتفقوا علیٰ أن العمل یجوز له بالرأی فی الحروب وامور الدنیا۔(۲)

علامہ قرافی بھی یہی فرماتے ہیں: محمل الخلاف فی الفتاویٰ. امّا الأقضیة فیجوز

الأجتهاد بالاجماع" (۳)

لیکن کیا آپ ﷺ نے شرعی امور میں بھی اجتہاد کیا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اصولیین کا قول مختلف ہے۔ دلائل کی روشنی میں جو قول نکھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شرعی امور میں بھی اخذ واستنباط سے کام لیا ہے۔ (۴) جس کی سب سے بڑی اور واضح دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کیفیت اذان کے سلسلے میں اپنے صحابہ کے ساتھ اجماعی غور وتدبیر کے بعد اپنے اجتہاد وقیاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر ایک فیصلہ فرمایا اور پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا۔ غور کیا جاسکتا ہے کہ ''اذان'' کوئی دنیوی یا جنگی معاملہ نہیں؛ بلکہ خالص اللہ کا حق ہے اور شعائر دین ومذہب ہے؛ لیکن اس میں بھی آپ کا اجتہاد وقیاس ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مزید دلائل کی طرف بعد میں اشارہ کیا جائے گا۔

اجتہاد نبوی کی کیفیت کے سلسلے میں جمہور محدثین اور ائمہ ثلاثہ کا رجحان یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی واقعہ کے پیش آتے ہی اجتہاد کرلیا کرتے تھے اس سلسلے میں آپ وحی کا انتظار نہیں فرماتے تھے؛ لیکن اس بارے میں احنافؒ کا راجح نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ ﷺ پیش آمدہ مسائل میں پہلے ''وحی'' کا انتظار کرتے اگر ''مدت انتظار'' میں وحی نازل ہوجاتی تو فبہا ورنہ آپ ﷺ اجتہاد وقیاس کے ذریعہ ان کا حل بتادیتے۔

علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: وأصح الأقاويل عندنا أنه عليه الصلوة فيما كان يبتلى به من الحوادث التي ليس فيها وحي منزل، كان ينتظر الوحي إلى أن تمضَي مدة الانتظار ثم كان يعمل بالرأي والإجتهاد(۵)

آپ ﷺ فکر واجتہاد کے مامور تھے

(۱) بنونظیر جب مدینہ طیبہ سے شام جلاوطن کردیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اہل بصیرت کو ان کی بدعہدی اور شرارت پہ عبرت دلاتے ہوئے فرمایا: ''فاعتبروا يا أولي الابصار'' ''اعتبار، کہتے ہیں کسی چیز کی حقیقت ودلائل میں غور وفکر کرکے اسی جنس کی دوسری چیز کو جان لینا''

آیت میں ارباب بصیرت، صاحب نظر وفکر لوگوں کو غور وتدبر کا بالعموم حکم دیا گیا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کون بالغ نظر ہوسکتا ہے؟ لہٰذا آیت پاک میں جس غور وفکر کا حکم دیا جارہا ہے آپ ﷺ بھی اس کے عموم میں داخل ہیں اور اجتہاد وقیاس کے مکلّف آپ ﷺ بھی ہوئے۔ (۶)

(۲) واذا جاء هم امر من الأمن اوالخوف أذاعوبه ولوردوهُ إلى الرسول وإلى أولى الامر منهم لعلم الذين ليستنبطونهٗ منهم. امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت پاک میں استنباط وتحقیق کے اندر اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ اور اولی الامر اور حاکموں کو یکساں قرار دیا ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ اخذ واستنباط کے مکلّف تھے، فعلم من ذلك أن الرسول عليه الصلاة والسلام مكلف بالاستنباط (۷)

آیت پاک میں "أمر من الامن اوالخوف" سے اس نظریہ کو بھی تقویت ملتی ہے کہ آپ ﷺ شرعی مسائل میں بھی اجتہاد کرتے تھے، اس لئے کہ لفظ "اَمــــرٌ" مطلق آیا ہے، اور جس طرح سے جنگ وجدال میں امن وخوف کی حالت ہوتی ہے اسی طرح امور دینیہ میں بھی امن وخوف کی حالت کا تحقق ممکن ہے، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح آپ ﷺ جنگی امور میں اجتہاد فرمایا کرتے تھے اسی طرح شرعی امور میں بھی آپ ﷺ اجتہاد وقیاس کے مامور ومجاز تھے۔ (۸)

(۳) لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما أخذتم عذاب عظيم. (۹)

بدر کی لڑائی میں ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوکر آئے، آپ ﷺ نے ان قیدیوں کے سلسلہ میں مشورہ طلب کیا۔ حضرات صحابہ نے اجتماعی غور وتدبر کے بعد ان قیدیوں کے سلسلے میں مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رائی یہ تھی کہ فدیہ لے کر ان تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، حضرت سعد بن معاذؓ کی بھی یہی رائے تھی۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی طبعی رافت ورحمت کی بناء پر حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ پر عمل کیا۔ اور تمام قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ لیکن آپ کے اس فیصلہ کو خدا تعالیٰ کی جانب سے اجتہادی غلطی قرار دی گئی اور پھر آیت مذکورہ میں جو سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ آیت پاک سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں: اوّل: یہ کہ کسی پیش آمدہ مسائل میں کتاب وسنت میں کوئی حکم نہیں ملتا تو آپ ﷺ کیلئے اجتہاد کرنا جائز تھا۔ دوم: یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کیلئے جنگی امور میں اجتہاد کرنا جائز تھا۔ اسی طرح شرعی امور میں بھی آپ اجتہاد کے مکلّف تھے۔ جنگ بدر کا معاملہ صرف ایک جنگی حد تک محدود نہ تھا بلکہ یہ جنگ ایمان وکفر، حق وباطل کی فیصلہ کن لڑائی ہونے کی وجہ سے مذہبی وشرعی معاملہ کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: فالآية صريحة في بيان أن الرسول عليه الصلاة والسلام

كان يحكم بمقتضى الاجتهاد في الوقائع التي لم ينزل بها نص او وحي.(۱۰)

(۴) فتح مکہ کے دن مکہ المکرّمہ کی حرمت وعظمت کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: فهو حرام بحرمة الله تعالىٰ الى يوم القيامة، لا يُعضد شوكة ولا ينفر صيده ولا تلتقط لقطة الّا من عرّفها ولا يختل خلاها.

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! آپ ﷺ تمام گھانسوں کو ممنوع فرمارہے ہیں، حالانکہ ''اذخر'' کی ضرورت ہم لوگوں کو گھر کی چھتوں میں پڑتی رہتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إلا الاذخر" حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا پھر ''اذخر'' کا استثناء کردینا اس بات کی دلیل ہے کہ گھاس وغیرہ کی حرمت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا تھا۔ وهذا مبنى على ان الرسول كان له ان يجتهد في الاحكام(۱۱)

(۵) قریش نے اپنے دور میں خانہ کعبہ جو تعمیر کی تھی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے خلاف تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: ألا تردها على قواعد ابراهيم؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لولا حدثان قومك بالكفر لفعلت(۱۲)

آپ کا یہ ارشاد بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کی تعمیر کردہ بنیاد کو جو باقی رکھا وہ آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔ اس لئے کہ اگر آپ ﷺ عمارت منہدم کرنے کا مامور ہوتے تو خوف فتنہ اس سے قطعاً مانع نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ اجتہاد وقیاس کے مامور ومکلّف تھے، آپ ﷺ نے دینی ودنیوی تمام ہی امور میں اجتہاد کیا ہے۔ ذیل میں قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ کن کن معاملات میں آپ ﷺ نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔

دنیوی امور میں آپ ﷺ کے اجتہادات

(۱) ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں آپ ﷺ نے شہد نوش فرمایا، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو اس کا علم ہوا تو دونوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ ہم میں سے جس کے پاس حضور تشریف لائیں، ہر کوئی یہ کہے کہ حضور آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے! ایسا ہی ہوا، آپ حضرت عائشہ اور حفصہؓ میں سے جن کے پاس تشریف لے گئے آپ سے یہی سوال ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، میں نے زینب کے پاس شہد پیا ہے۔ اگر تم

لوگوں کو اس شہد کی وجہ سے ناراضگی ہوئی تو دیا رکھو! آج سے میں شہد ہی نہیں پیونگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لم یحرم ما احل اللہ لك. (۱۳) آپ ﷺ نے بعض ازواج کی دلجوئی کے واسطے اپنے اوپر شہد کو حرام کیا گیا، یہ محض آپ کا قیاس تھا۔

(۲) آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار مدینہ تر کھجور کا پیوند مادہ کھجور کو لگاتے ہیں تو کھجور زیادہ ہوتی ہے، آپ ﷺ نے انصار کو اس طرز عمل سے منع کر دیا۔ اتفاق سے اس سال مدینہ میں کھجور کی پیداوار بالکل گھٹ گئی تو آپ ﷺ نے پھر اجازت دے دی (۱۴) پہلے تابیر نخلہ کی ممانعت آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔

(۳) آپ ﷺ اکابر قریش کو اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مشغول تھے، اسی دوران حضرت عبداللہ بن ام مکتوم حاضر مجلس ہوئے، آپ ﷺ نے کفار ومشرکین کے قبول اسلام کی امید پر نابینا صحابی سے منھ پھیر لیا، جس پر آیت: عبس و تولّی الخ نازل ہوئی — آپ ﷺ کا یہ اعراض محض اجتہاد تھا۔ (۱۵)

جنگی امور میں آپ ﷺ کے اجتہادات

(۱) بدر کی لڑائی کے سلسلے میں آپ ﷺ نے اپنی رائے سے ایک جگہ متعین کی تھی، بعد میں حضرت حباب بن المنذر کی رائے سے وہ جگہ بدل دی۔ پہلی جگہ کے سلسلے میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا تھا۔ (۱۶)

(۲) اساری بدر کے سلسلے میں آپ ﷺ نے جو کچھ فیصلہ فرمایا تھا — وہ آپ کا اجتہاد تھا۔

(۳) غزوۂ احد کے سلسلے میں مدینہ سے باہر نکلنے یا نہ نکلنے میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا تھا کہ مدینہ ہی میں رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ بعد میں اس تعلق سے آپ ﷺ پر وحی آئی۔ (۱۷)

(۴) ''خندق'' غزوۂ احزاب میں حضرت سلمان فارسی کی رائے پر آپ نے عمل کیا۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ (۱۸)

(۵) غزوۂ خندق میں قبیلہ غطفان کے دوسردار عیینہ بن الحصن اور ''الحارث بن عوف المروی'' سے مدینہ کی ثلث کھجور پر مصالحت کی پیشکش کی تھی۔ یہ صرف آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔ (۱۹)

(۶) غزوۂ تبوک میں بعض منافقوں کے اعذار کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت ورخصت دیدی تھی۔ یہ آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔ (۲۰)

معاملات وقضایا میں آپ ﷺ کے اجتہادات

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ نے اپنی اس بیوی سے رجوع کا حکم دیا تھا جس کو انھوں نے حالت حیض میں طلاق دی تھی۔ (۲۱) یہ آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔

(۲) حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ''ہند بنت عتبہ'' نے جب حضرت ابوسفیانؓ کی بخالت کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "خذی من ماله بالمعروف ما یکفیك و یکفی بینك. (۲۲) عورت کی ضرورت وکفایت کے بقدر شوہر پر نفقہ کا واجب کرنا آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔

عبادات میں آپ ﷺ کے اجتہادات

(۱) کیفیت اذان کے سلسلے میں حضرات صحابہ سے مشورہ کے بعد آپ ﷺ نے جو کچھ فیصلہ فرمایا وہ آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔ اس سلسلہ میں کوئی وحی وغیرہ نازل نہیں ہوئی تھی۔ (۲۳)

(۲) ابتداء میں بیت المقدس آپ ﷺ کا قبلہ تھا اور ۱۶ یا ۱۷ مہینہ ادھر ہی رخ کرکے آپ ﷺ نے نماز ادا کی، لیکن آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ مسجد حرام ہوجائے، چنانچہ آیت نازل ہوئی: قد نریٰ تقلب وجهك فی السماء آپ ﷺ نے مسجد حرام کے قبلہ ہونے میں اجتہاد وقیاس کیا تھا۔ (۲۴)

(۳) منبر سازی کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی درخواست قبول فرمائی۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ (۲۵)

(۴) جماعت کی نماز چھوڑنے والے کے سلسلے میں آپ ﷺ کا اجتہاد تھا کہ لکڑیاں جمع کرکے انہیں جلادیا جائے، لیکن پھر آپ ﷺ نے اس ارادہ سے رجوع کرلیا۔ (۲۶) اگر تارک الجماعۃ کو جلانے کا حکم منجانب اللہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے رجوع نہ فرماتے۔

(۵) رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کیلئے آپ ﷺ نے استغفار کیا تھا۔ یہ آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔ (۲۷)

(۶) حضرت ابوطالب سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا لاستغفرن لك مالم اُمن (۲۸)

فأنزل الله تعالیٰ: ما کان للنبی والذین آمنو ان یستغفروا للمشرکین آپ ﷺ کا اپنے چچا کیلئے استغفار کا ارادہ محض آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ نے تمام ہی قسم کے معاملات میں اجتہاد و استنباط سے فیصلے کیے ہیں۔ البتہ آپ ﷺ کے اجتہاد اور امت کے مجتہدین کے اجتہادات میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ آپ کے اجتہاد میں ''ہدی ہی ہدی'' ہے۔

اگر آپ ﷺ کا اجتہاد مشیت الٰہی کے مطابق نہیں ہوتا تو ہر وقت وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو صحیح واقعہ کی رہنمائی کردی جاتی تھی؛ لیکن اتنا مسلّم ہے کہ آپ ﷺ نے حالات وواقعات میں اپنے اجتہاد واستنباط سے کام لیا ہے۔

آپ ﷺ کے اجتہادات کا حکم

آپ ﷺ نے جن مسائل میں اخذ واستنباط سے کام لیا ہے، تو کیا آپ ﷺ اپنے تمام اجتہاد میں درستگی ہی پر تھے یا آپ ﷺ سے خطاء وچوک بھی واقع ہوا ہے؟ جمہور محدثین کی یہی رائے ہے کہ آپ ﷺ اپنے اجتہادات میں معصوم عن الخطاء تھے، جبکہ احناف کا اس سلسلے میں نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اجتہادات میں خطاء بھی واقع ہوئی ہے۔ البتہ وحی کے ذریعہ اس کو منسوخ کرکے صحیح واقعہ کی رہنمائی فی الفور کردی جاتی تھی۔ دلائل کی روشنی میں احناف کا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی جس اجتہادی غلطی پر خدا کی جانب سے تنبیہ کی گئی ہے، اس میں ''عفا اللہ عنك'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، لفظ ''عفو'' اسی وقت استعمال ہوسکتا ہے جبکہ اس سے پہلے ''خطا'' کو موجود مانا جائے۔

(۲) ''لم اذنت لھم'' میں استفہام انکاری ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ منافقوں کو غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کی اجازت دینا آپ ﷺ کی چوک تھی۔

(۳) حضرت قتادہ اور عمرو بن میمون فرماتے ہیں ''اثنان فعلھما الرسول لم یؤمر بشیء منھما إذنه للمنافقین، واخذہ الفداء فی الأسریٰ، فعاتبه اللہ کما تسمعون''(۲۹)

بہر حال آپ ﷺ کے اجتہادات میں خطاء کا واقع ہوجانا ممکن ہے، لیکن وحی کے ذریعہ اس کو منسوخ کردیا جاتا۔ آپ ﷺ کے خطاء اجتہادی کو برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔ (۳۰)

دور نبوی میں حضرات صحابہ کا اجتہاد

اجتہاد نبی ﷺ کی طرح یہ مسئلہ بھی انتہائی اہم ہے کہ آپ ﷺ کے رہتے ہوئے حضرات

صحابہ کا کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اجتہاد کرنا جائز تھا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء اور احناف کی رائے یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو نئے اور غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت تھی، اسی طرح حضرات صحابہ کیلئے بھی یہ جائز تھا کہ وہ اپنے اجتہاد و قیاس کے ذریعہ نوازل و واقعات کا حل تلاش کریں۔ ذیل میں ہم اس کی بھی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت سعد بن معاذؓ نے حضور ﷺ کے اشارہ سے یہود بنو قریظہ کے سلسلہ میں جو فیصلہ دیا تھا کہ "انی أحکم فیھم ان یقتل الرجال و تقسم الاموال و تسبی الذرایا والنساء.

آپ ﷺ کا یہ فیصلہ آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔ آپ ﷺ نے آپؓ کے اس اجتہادی فیصلہ کی پرزور الفاظ میں تحسین فرمائی: لقد حکمت فیھم بحکم اللّٰہ من فوق سبع ارفعة (سماوات)

(۲) غزوۂ احزاب سے واپسی کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا "لا یصلین احدکم العصر، الا فی بنی قریظة" بعض صحابہ نے اس ارشاد کو حقیقی معنی پر معمول کرتے ہوئے بنی قریظہ میں عصر کی نماز ادا کرلی اور وقت کی تاخیر کی کوئی پروانہیں کی۔ جبکہ دیگر صحابہ نے اجتہاد کیا اور اس ارشاد نبوی کو محض غایت سرعت پر محمول کیا اور یہ خیال کیا کہ بنو قریظہ ہی میں عصر پڑھنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مقصود جلدی پہنچنا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے راستہ ہی میں وقت پر عصر کی نماز پڑھ لی، آپ ﷺ کو جب واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے کسی فریق کو بھی برا بھلا نہیں کہا۔ گویا آپ ﷺ نے ان کے اجتہاد کو بھی معتبر مانا اور عمل بالظاہر کو بھی صحیح قرار دیا۔

(۳) مقام بدر میں مسلمانوں کی چھاؤنی بنانے کے سلسلہ میں، غزوۂ احزاب میں مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کے سلسلہ میں اور غزوۂ احد میں مدینہ کے اندر یا باہر رہ کر مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں حضرات صحابہ نے جو کچھ بھی مشورہ دیا تھا۔ یہ ان کا اجتہاد تھا، آپ ﷺ نے ان کے اجتہاد کو معتبر مانا۔

یہ تو حضرات صحابہ کے وہ اجتہادات تھے جو آپ ﷺ کی موجودگی میں انجام پائے تھے۔ ان حضرات کے بعض ایسے اجتہادات بھی ہیں جو انھوں نے آپ ﷺ کی غیبوبت میں انجام دیں لیکن جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو صحیح قرار دیا، مثلاً:

(۱) کسی سفر میں حضرت عمر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو غسل جنابت کی حاجت ہوئی پانی دستیاب نہیں تھا جس سے غسل کر سکتے۔ تیمّم کی نوبت آئی، دونوں حضرات نے تیمّم غسل کی کیفیت کے سلسلہ میں اجتہاد سے کام لیا۔ حضرت عمارؓ نے مٹی کے استعمال کو پانی پر قیاس کرتے

ہوئے پورے جسم پر مٹی مل لی اور نماز ادا کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ مٹی جنابت دور کیسے کرسکتی ہے؟ انھوں نے نماز ہی نہیں پڑھی ۔ان دونوں کے واقعہ کا آپ ﷺ کو علم ہوا، تو آپ ﷺ نے کوئی ایسی بات ارشاد نہیں فرمائی جس سے ان حضرات کے اجتہاد کی تردید وممانعت ثابت ہوتی ہو؛ بلکہ آپ ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا کہ تیمّم غسل اور تیمّم وضوء میں کوئی فرق نہیں ہے پورے جسم پر مٹی لیپنے کی ضرورت نہیں تھی۔

(۲) حضرت عمرو بن العاص کو غزوۂ ذات السلاسل میں غسل کی حاجت ہوئی، سردی اتنی سخت تھی کہ پانی سے غسل کرنا ممکن نہیں تھا آپ نے تیمّم کیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے ناپاکی کی حالت میں ساتھیوں کو نماز پڑھادی، حضرت عمر بن العاص نے فرمایا: میں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے ولا تقتلوا انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیماً، آپ ﷺ یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔(۳۱) اوران کے اس اجتہاد و استنباط پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

(۳) حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا وہ مشہور واقعہ بھی ہے جس میں انھوں نے آخر میں کہا تھا "اجتہد برائ" آپ ﷺ نے ان کے اس اجتہاد وقیاس کو نہ صرف معتبر مانا بلکہ ان کو شاباشی دی کہ "الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ بما رضی لہ رسول اللّٰہ (۳۲) اگر آپ ﷺ کے رہتے ہوئے حضرات صحابہ کا اجتہاد از رائے شرع ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کی فوراً تردید فرماتے؛ لیکن آپ ﷺ نے مذکورہ تمام واقعات میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادات کو معتبر مانا۔

یہ چند واقعات ہیں، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون وشریعت جامد ومعطل نہیں ہے؛ بلکہ اس میں ایسی لچک موجود ہے کہ نو پیش آمدہ مسائل کو کتاب وسنت کے حدود میں رہتے ہوئے کتاب وسنت کے اصولی ہدایات پر منطبق کیا جاسکے۔ یعنی سیرت نبوی کا اجتہادی پہلو قیامت تک کیلئے یہ دروازہ کھلا رکھتا ہے کہ ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے جدید مسائل پر اسلامی قوانین واصول کو چسپاں کیا جائے اور لوگوں کے مصالح اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ان مسائل کا ایسا حل تلاش کیا جائے جو شریعت کے مزاج اور زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

اخذ واستنباط کی یہ کوشش ممنوع نہیں بلکہ مطلوب ہے اور دراصل یہ ہے کہ اجتہاد نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات میں ائمہ مجتہدین کے آراء کی تطبیق ہے جسے فقہ کی زبان میں "تحقیق مناط" کہا جاتا

ہے۔امام ابواسحاق شاطبی نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی یہ وہ قسم ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔(۳۳)

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے بدلتے ہوئے نظام پر اسلامی قانون کا انطباق ان مسائل ہی میں سے ہے جس کی ضرورت واہمیت سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی ہے؛ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ شریعت اسلامی کو زندہ وحاضر اور عصری ثابت کرنے کی سب سے بہتر اور واحد صورت یہی ہے کہ ہم اسلامی قانون کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کریں کہ وہ جدید مسائل وواقعات کا توازن اور مناسب حل پیش کرتا ہو۔

❁ ❁ ❁

مصادر ومراجع:

(۱) الاحکام للآمدی ۴/۱۶۵، مسلم الثبوت ۲/۳۶۱، تیسیر التحریر ۴/۱۸۳۔

(۲) کشف الاسرار شرح اصول البزدوی ۳/۹۲۶، شرح الاسنوی علی المنہاج ۳/۱۹۴۔

(۳) شرح الاسنوی علی المنہاج ۳/۱۹۴۔ (۴) ارشاد الفحول ۲۵۵۔

(۵) اصول السرخسی ۲/۹۱۔ (۶) الاحکام للآمدی ۴/۱۶۵۔

(۷) التفسیر الکبیر للرازی ۱۰/۲۰۰-۲۰۱۔ (۸) اجتہاد الرسول ۵۳۔

(۹) الانفال ۶۸۔ (۱۰) التفسیر الکبیر ۱۶/۷۴۔

(۱۱) فتح الباری ۴/۴۹۔ (۱۲) فتح الباری ۳/۴۳۹۔

(۱۳) اجتہاد الرسول ۸۷۔ (۱۴) شرح النووی لصحیح مسلم ۱۰/۱۹۰۔

(۱۵) اجتہاد الرسول ۸۸ سورۃ عبس۔ (۱۶) سیرت ابن ہشام ۲/۲۷۲۔

(۱۷) سیرت ابن ہشام ۳/۶۴-۶۷۔ (۱۸) اجتہاد الرسول ۹۴۔

(۱۹) سیرت ابن ہشام ۴/۱۰۴۔ (۲۰) اجتہاد الرسول ۹۶۔

(۲۱) الاحکام لابن دقیق العید ۲/۲۰۱۔ (۲۲) صحیح مسلم کتاب الاقضیہ

(۲۳) فتح الباری ۲/۷۷-۸۲۔ (۲۴) سیرت ابن ہشام ۲/۲۵۷۔

(۲۵) فتح الباری ۱/۴۸۶۔ (۲۶) مسلم، کتاب المساجد۔

(۲۷) تفسیر الرازی ۱۶/۱۴۶۔ (۲۸) فتح الباری ۸/۳۳۷-۳۳۹۔

(۲۹) تفسیر رازی ۱۶/۷۳، الاحکام ۴/۲۱۶۔ (۳۰) التحریر ۵۲۷۔

(۳۱) ابوداؤد ۱/۱۴۱۔ (۳۲) ابوداؤد ۲/۵۰۵۔

(۳۳) الموافقات ۳/۹۷۔

❁ ❁ ❁

’’فلم خدا کیلئے‘‘ قہرِ الٰہی کو دعوت

از: مولانا سعید احمد جلال پوری

آنحضرت ﷺ نے قربِ قیامت کی جو جو علامات ارشاد فرمائی ہیں، کسی قدر معمولی غور و فکر سے دیکھا جائے تو وہ منظر قریب قریب اب ہمارے سامنے ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمارا دور کہیں وہی نہ ہو، نہیں تو وہ دور ہم سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

’’عن موسیٰ بن ابی عیسیٰ المدینیؒ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ’’کیف بکم اذا فسق فتیانکم وطغیٰ نساء کم؟ قالوا یا رسول اللّٰہ! وان ذالک لکائن؟ قال نعم وأشد منہ، کیف بکم اذا لم تأمروا بالمعروف وتنھوا عن المنکر؟ قالوا یا رسول اللّٰہ وان ذلک لکائن؟ قال نعم واشد منہ کیف بکم اذا رأیتم المنکر معروفًا والمعروف منکرًا‘‘۔ (کتاب الرقائق، ابن مبارک ص:۴۸۴)

ترجمہ: ’’اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان بدکار ہوجائیں گے، اور تمہاری لڑکیاں اور عورتیں تمام حدود پھلانگ جائیں گی، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں، اور اس سے بڑھ کر، اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب نہ تم بھلائی کا حکم کروگے، نہ بُرائی سے منع کروگے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں، اور اس سے بھی بدتر، اس وقت تم پر کیا گزرے گی؟ جب تم برائی کو بھلائی اور بھلائی کو بُرائی سمجھنے لگو گے۔‘‘

ہمارے معاشرے کی بدلتی قدروں اور شر و فتنہ کی نت نئی شکلوں کا جائزہ لیجئے تو آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صادق آتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اب ہم جس طرح بڑی بڑی برائیوں اور فحاشی و غلاظت کی ایمان شکن کارروائیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کررہے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ایمان وایقان کی قوت مدافعت جواب دے چکی ہے اور ہمارے

دلوں سے ایمانی غیرت اور دینی حمیت رخصت ہوچکی ہے، اور ہماری ایمانی روح مرچکی ہے۔ ہم ذلت وادبار کی کس گہرائی میں گر چکے ہیں، دین و مذہب سے کس قدر دور جا چکے ہیں؟ اور ہواوہوس پرستی، عریانی، فحاشی، راگ باجے اور خواہش نفس کے سامنے اس قدر مجبور ہوچکے ہیں، کہ نبی امی ﷺ نے جن چیزوں کو ناجائز وحرام قرار دیا تھا، ہم پوری قوت وطاقت سے ان کو حلال و جائز قرار دینے کے لئے کوشاں ہیں۔

آقائے دوعالم ﷺ تو فرماتے ہیں کہ: ”بعثت بکسر المزامیر“ (کنز العمال ص:۲۲۶، ج:۱۵) میں آلاتِ لہو ولعب کو توڑنے اور گانے بجانے کو مٹانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں؛ مگر اسکے برعکس ابنائے کفر اور ذریتِ ابلیس نے ہمیں اپنی مخصوص حکمت عملی اور عیاری سے نبی امی ﷺ، قرآن اور سنت کے مقابلہ میں لاکھڑا کردیا اور ہم خدا کے نام سے منسوب فلم ”خدا کے لئے“ کے عنوان سے پورے دین ومذہب اور شریعت کا مذاق اڑانا شروع ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

چنانچہ نئی نسل کو دین و مذہب اور علماء سے متنفر وباغی کرنے، داڑھی، ارتداد کی شرعی سزا، اسلامی لباس، مذہبی عسکریت پسندی، طالبان کی اسلام پسندی کی بُرائی، قباحت اور شناعت دلوں میں بٹھانے کے علاوہ موسیقی کی حلت، مسلم لڑکی کے غیر مسلم سے نکاح، اوباش اور آوارہ زندگی، بے حیائی و بے شرمی اور خواتین کی مادر پدر آزادی پر مشتمل ایک فلم بنوائی گئی، جس کا نام سن کر ہی دانتوں پسینہ آجاتا ہے کیونکہ: ”برعکس نہند نامِ زنگی کافور“ کے مصداق جس فلم میں اللہ سے عداوت و بغاوت اور کفر وطغیان کی تعلیم دی گئی ہو، اس کا نام ”خدا کے لئے“ رکھ کر کیا نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کے قہر کو دعوت نہیں دی جارہی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب اور قہر کو جوش آئے اور ہم سب ہی نشانِ عبرت بن جائیں؟

اس فلم کی ویب سائٹ اور اخباری اطلاعات کے مطابق اس فلم کا پس منظر یہ ہے کہ ایک گلوکار کو اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ خدا کی برکت سے ہدایت نصیف فرمائی تو اس نے گانے بجانے اور ڈھول تماشے کی گناہ آلود زندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر دین وشریعت کی زندگی اپنالی، جب اس نے اس غلیظ زندگی اور غلاظت بھرے ماحول سے توبہ کرکے معصیت کی جگہ طاعت، گناہ کی جگہ نیکی، بغاوت کی جگہ اطاعت، دنیا کی جگہ آخرت، ظلم کی جگہ عدل، ہواوہوس کی جگہ دین وشریعت، گمراہی کی جگہ ہدایت کو اپنالیا اور ان کی دعوت وتبلیغ شروع کردی، تو ذریت ابلیس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے، ان سے یہ برداشت نہ ہوسکا کہ ایک مسلمان راہ راست پر کیسے آگیا؟

اس پر حقیقت حال کیوں کھل گئی؟ اس نے اپنی خوبصورت آواز کو حمد ونعت اور تلاوت کلام اللہ میں استعمال کرنا کیوں شروع کردیا؟ اس نے گانے باجے اور راگ ورنگ کی مذمت کیوں شروع کردی؟ اس کے اس طرز عمل سے اس کے سینکڑوں پرستاروں نے اس غلیظ کوچہ وبازار سے کیوں منہ موڑ لیا؟ اس نے اور اس کے چاہنے والوں نے مسجد ومدرسہ کا رخ کیوں کیا؟ اس کی دیکھا دیکھی مسلم نوجوان اس کی ہمنوائی کیوں کرنے لگے؟ وہ یورپ وامریکا کی جگہ حرمین شریفین کے چکر کیوں کاٹنے لگے، اس نے نفس وشیطان کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کا دامن کیوں تھام لیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ تھا وہ دکھ اور یہ تھی وہ تکلیف اور درد جس کی وجہ سے ضلالت وگمراہی کے پجاریوں اور دین ومذہب کے غداروں کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے اور ان کو اس کا مزہ چکھانے کے لئے وہ کھیل کھیلا کہ شیطان بھی انگشت بدنداں ہوگا، شاید اس کو بھی یہ ترکیب نہ سوجھی ہوگی کہ کسی غلیظ فلم پر ”خدا کے لئے“ کا ٹائٹل استعمال کیا جائے، کیا کوئی مسلمان یہ گوارا کرسکتا ہے کہ کسی زناکاری، بدکاری، عیاشی، فحاشی اور جسم فروشی کے اڈے پر ”خدا کے لئے“ کا بورڈ سجادیا جائے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ایک ایسی فلم ... میں احکام اسلام، شعائر اسلام اور منصوصات شرعیہ کا انکار کیا گیا ہو، جس میں غنی اور موسیقی جیسی لعنت کو... کے بارہ میں ارشاد نبویؐ ہے: ”الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل“ (کنزل العمال، ص:۲۱۸، ج:۱۵) گانا باجا، دل میں اس تیزی سے نفاق پیدا کرتا ہے جس تیزی سے پانی سبزی کو اگاتا ہے... جائز وحلال باور کرانے کی کوشش کی گئی ہو، جس میں داڑھی جیسے حکم شرعی کا مذاق اڑایا گیا ہو... اس پر ”خدا کے لئے“ کا عنوان لگانا کیوں کر گوارا اور برداشت ہوسکتا ہے؟ نعوذ باللہ! کہیں یہ اس گھناؤنی سازش کا حصہ تو نہیں کہ آئندہ لوگ گناہ کو گناہ سمجھ کر نہیں؛ بلکہ نیکی سمجھ کر کیا کریں؟ کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ آئندہ مسلمان خنزیر کے گوشت کو بکری کا گوشت سمجھ کر کھایا کریں؟ یا شرب اور پیشاب پر زمزم کا لیبل لگا کر استعمال کیا کریں؟ یا پھر نعوذ باللہ! ناچ گانے کے لب پر بیت اللہ کا بورڈ لگا کر اس کنجر خانہ کو بیت اللہ کا نام دیا جائے؟

ہائے افسوس! کہ مسلمان تقلید مغرب میں اس قدر مسخ ہوگیا ہے کہ اب وہ جھوٹ، سچ اور حق و باطل کے درمیان حائل دیوار گرانے پر تل گیا ہے اور جو کام دنیائے کفر اور ذریت ابلیس نہ کرسکی تھی، اس کا ذمہ اس نام نہاد مسلمان نے اٹھالیا ہے؟ کیا کہا جائے ایسے لوگ مسلمان کہلانے کے

لائق ہیں؟ یا کافر؟ کیا صرف اسلامی نام رکھنے سے آدمی مسلمان بن جاتا ہے؟ دیکھا جائے تو ان فلم سازوں نے مسلمانوں کی دینی، ملی غیرت پر حملہ کیا ہے، بلاشبہ یہ فلم محض فلمی کردار نہیں؛ بلکہ دین و مذہب، امانت و دیانت، شرافت و صداقت، عفت و عصمت، حمیت و غیرت، شرم و حیاء، تقویٰ تدین، غرض تمام دینی اقدار کے خلاف کھلی بغاوت اور اعلان جنگ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کافر ومسلمان کے باہمی نکاح کو ناجائز وحرام قرار دے کر، اس پر پابندی لگاتے ہوئے فرمایا تھا:

”ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن ولامة مؤمنة خير من مشركة، ولو اعجبتكم ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبد مومن خير من مشرك ولو اعجبكم، اولئك يدعون الى النار، والله يدعو الى الجنة والمغفرة باذنه ويبين آياته للناس لعلهم يتذكرون“ (البقرہ:۲۲۱)

ترجمہ: ”اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگرچہ وہ (مشرک عورت) تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کرو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے، مشرک سے اگرچہ وہ (مشرک مرد) تم کو بھلا لگے، وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

مگر یہ باغیانِ دین ومذہب کہتے ہیں ہمیں یہ پابندی قبول نہیں: بلکہ نعوذ باللہ مسلمان لڑکی کسی کافر ومشرک کے نکاح میں دی جاسکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اس فلم میں مسلمان لڑکی کے غیر مسلم سے شادی رچانے کو نہ صرف جائز قرار دیا گیا ہے؛ بلکہ گویا اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

کیا یہ دین وشریعت اور قرآن وسنت سے اعلان بغاوت نہیں؟ کیا یہ کتاب اللہ کا انکار نہیں؟ کیا کتاب اللہ کا انکار کفر نہیں؟ کیا کہا جائے کہ یہ فلم کفر وارتداد کی اشاعت وترویج کے لئے بنائی گئی ہے؟ یا مسلمانوں کی گرتی ساکھ بحال کرنے کے لئے؟ کیا اس فلم کے بنانے والے، اس کی اشاعت وترویج کرنے والے مسلمان ہیں؟ کیا سمجھا جائے کہ ایسے لوگ مسلمانوں کے ترجمان ہیں؟ یا دنیائے کفر کے ایجنٹ؟ پھر جو لوگ اس فلم کی خرید وفروخت اور دیکھنے دکھانے کے اعتبار سے اسلام دشمنوں کے مذموم مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بن رہے ہیں، کیا وہ اس میں برابر کے شریک نہیں؟

ہائے افسوس! کہ مسلمان کو اس کا احساس تک نہیں رہا کہ اس کی صلاحیتیں، اس کی جان

ومال کہاں خرچ ہورہا ہے؟ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا وزن اسلام دشمنوں کے پلڑے میں ڈال کر اپنی دنیا وآخرت تباہ کررہا ہے۔

اسی طرح دنیائے کفر اور یہود ونصاریٰ کے ایجنٹ اس فلم کی اشاعت، ترویج اور مقبولیت کے اظہار وبیان کے لئے اخبارات، رسائل اور میڈیا میں بڑے بڑے اور جہازی سائز کے اشتہارات شائع کرکے باور کراتے ہیں کہ اب تک اس فلم کو اتنے اتنے لاکھ افراد دیکھ چکے ہیں۔

گویا وہ اپنے تئیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مقاصد میں اس قدر کامیاب ہوگئے ہیں؟ حالانکہ ان کم نصیبوں کو یہی نہیں معلوم کہ یہ سب کچھ ان کی مخالفت میں جارہا ہے۔

کیونکہ اس فلم کے دیکھنے والے ان لاکھوں افراد کی گمراہی وضلالت کا وبال وگناہ بھی ان کم نصیبوں کے نامۂ اعمال میں لکھا جارہا ہے، اس لئے کہ: ”من سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها“ (مشکوٰۃ ص:۳۳) جس نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا، اس کا وبال اور ان سب لوگوں کا وبال جنھوں نے اس کی تقلید میں اس بُرے عمل کو اپنایا، اس کی گردن پر ہوگا۔

اب بتلایا جائے کہ فلم بنانے، اس کی اشاعت وترویج یا خرید وفروخت کرنے والوں کو اس پر خوش ہونا چاہئے یا رونا چاہئے؟

بلاشبہ جب کوئی شخص دین ومذہب سے بیزار، فکر آخرت سے عاری، اور ہوا وہوس کا پرستار بن جائے، تو وہ نفع نقصان کے احساس سے محروم ہوجاتا ہے؛ بلکہ وہ جائز وناجائز اور حلال وحرام کے تصور سے بھی ناآشنا ہوجاتا ہے، اُسے مضر ومفید بلکہ اسے زہر وتریاق میں کوئی فرق نہیں نظر آتا۔

یہی کچھ اس بدنام زمانہ فلم ”خدا کے لئے“ کے ڈائریکٹر شعیب منصور کے ساتھ ہوا ہے، چنانچہ اس فلم کی ویب سائٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف مصوری اور موسیقی کے عشق میں اتنا آگے جاچکے ہیں کہ خیر سے اب وہ عقل ودانش کی تمام حدیں پار کرچکے ہیں، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

> ”میں اس بات پر کبھی یقین نہیں کرسکتا کہ اللہ دنیا میں اپنی ہی عطا کردہ خوبصورت ترین چیزوں سے نفرت کرے گا، یعنی موسیقی اور مصوری۔“

کیا کہا جائے کہ موصوف کی عقل وخرد اور دل ودماغ درست ہیں؟ کہیں یہ صاحب ذہنی مریض تو نہیں؟ ورنہ کوئی معمولی عقل وفہم کا انسان اس کے سمجھنے سے قاصر نہیں کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، سب ہی اللہ کی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ ان میں سے جو

چیزیں انسان کے لئے مفید و نفع بخش تھیں، ان کے استعمال کو حلال و جائز قرار دیا گیا اور جو انسانوں کے لئے نقصان دہ یا ضرر رساں تھیں ان کو حرام اور ناجائز قرار دیا گیا۔

اس تفصیل کے بعد موصوف کا یہ ارشاد کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ کہ: ''میں اس بات پر کبھی یقین نہیں کرسکتا کہ اللہ دنیا میں اپنی ہی عطا کردہ خوبصورت ترین چیزوں سے نفرت کرے گا، یعنی ''موسیقی اور مصوری'' کیا دنیا میں جتنی حرام و ناپاک چیزیں ہیں، ان کو اللہ کے علاوہ کسی اور نے پیدا یا عطا کیا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا یہ مشرکین مکہ کا عقیدہ نہیں تھا کہ وہ خالق خیر اور خالق شر کو دو الگ الگ خدا مانتے تھے؟ اب بتلایا جائے کہ موصوف کا یہ ارشاد اسلام سے میل کھاتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

چلو اگر موصوف کے اس فلسفہ کو مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام چیزیں حلال و پاک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نفرت نہیں کرتا تو کیا ہم ان سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ جتنی حرام چیزیں ہیں وہ اللہ کی عطا کردہ نہیں ہیں؟ حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے لئے بہت ساری چیزوں کے علاوہ بہت سے ایسے رشتے بھی بنائے ہیں جن سے نکاح شادی حرام ہے، مثلاً ماں، بیٹی، بہن، خالہ، بھتیجی، بھانجی وغیرہ، کیا یہ رشتے اللہ کے عطا کردہ اور خوبصورت نہیں ہیں؟ اگر کسی کی بیٹی اور بہن خوبصورت ہوتو کیا وہ خدانخواستہ اس سے شادی رچا سکتا ہے؟ اسی طرح کیا خنزیر، کتا، بھیڑیا اور سانپ وغیرہ اللہ کے پیدا کردہ جانور نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کیا جناب فلم ساز صاحب ان کے بارے میں فرمادیں گے کہ یہ سب حلال ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ہی عطا کردہ چیزوں سے نفرت نہیں کرتا۔ کیا سمجھا جائے کہ موصوف ان کے حلال ہونے کے قائل ہیں؟ کیا وہ سور خور ہیں؟ کیا وہ اپنی بہن، بیٹی اور ماں سے جنسی تقاضے پورے کرنے کے قائل ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو موسیقی اور مصوری کے بارہ میں اس ہرزہ سرائی کا کیا معنی؟

پھر یہ بات بھی محل نظر ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے موسیقی عطا فرمائی ہے'' اس لئے کہ موسیقی اللہ کی عطا نہیں؛ بلکہ انسان کا اپنا فعل ہے، لہٰذا جیسے یہ کہنا جائز نہیں کہ زنا اور قتل و غارت گری اللہ کی عطا کردہ ہے، اسی طرح موسیقی اور مصوری کو بھی اللہ کی عطا کہنا جہالت و بے عقلی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت اور عقل سلیم نصیب فرمائے۔ آمین۔

الغرض سمجھ نہیں آتا کہ یہ دنیا کے پجاری اس ایمان شکن اور گمراہ کن فلم پر اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ کیا ان کو مرنا نہیں؟ کیا ان کو موت، آخرت اور قیامت پر ایمان نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً

ہے، جیسا کہ فلم سازوں کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر سے وہ بھی مسلمان ہیں، تو بتلایا جائے کہ وہ اس بغاوتِ اسلام پر اللہ کے سامنے کیا جواز پیش کریں گے؟

بھلا جہاں ہر شخص کو اپنی نجات کے لالے پڑے ہوں گے، وہاں یہ لوگ اس ایمان شکن واخلاق سوز فلم کے ذریعہ گمراہ اور بے راہ ہونے والے کروڑوں انسانوں کے ایمان وعمل کو غارت کرنے کا وبال کیونکر برداشت کرسکیں گے؟

اس لیے اس فلم کو خریدنا، بیچنا، اس کی تشہیر کرنا دیکھنا اور دکھانا سب ناجائز، حرام اور گناہ کبیرہ ہے؛ بلکہ اندیشہ ہے کہ اس گستاخی پر ایمان نہ سلب ہوجائے، اسی طرح جن لوگوں نے یہ فلم بنائی ہے ان کو چاہیے وہ اس ایمان شکن فعل سے توبہ کریں اور بغاوت خداوندی کے اس نشان کو ختم کریں، ورنہ خطرہ ہے کہ کہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا نشانہ نہ بن جائیں۔

لہٰذا ہم فلم کے بنانے، بنوانے، اس کی تشہیر کرنے، سنیما ہالوں پر چلانے، دیکھنے اور خرید وفروخت کرنے والوں سے نہایت دل سوزی سے عرض کرنا چاہیں گے کہ اپنی دنیا وآخرت خراب نہ کریں، اور اس گھاٹے کے سودے سے فوراً رجوع کرلیں، ورنہ بہرحال اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

❁ ❁ ❁

معاشرہ کو اعلیٰ اخلاق واقدار کی تلاش

از: مولانا اسرار الحق قاسمی
صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

عہد حاضر میں کوئی اور بات اس سے زیادہ فوری اہمیت کی حامل نہیں ہوسکتی کہ بنی نوع انسان کو مکمل تباہی اور بربادی کے اس خطرہ سے آگاہ کیا جائے جو اسے موجودہ نظام عالم سے درپیش ہے، نوع انسانی آج جس لرزہ دہشت میں جی رہی ہے اس کی ذمہ داری بلاشبہ مغرب پر عائد ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب کا بنیادی روگ مادہ پرستی ہے، جس نے اس کو زندگی کے اقدار سے دور کردیا ہے۔ مغربی نفسیات اور مغربی زندگی سے اس کی قدم قدم پر تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب اپنی جلو میں مادی ترقیات، سائنسی ایجادات واکتشافات کا ایک بحر بے کراں رکھتی ہے، اس لیے دنیا کا کوئی بھی خطہ اس تہذیب وفکر سے آزاد نہ رہ سکا۔ اس طرح اس مادی تہذیب کی بداخلاقیاں، فحاشیاں، سرمستیاں اور انسانیت سوز تباہیاں مسلسل پھیلتی رہیں، اس نے اعلیٰ اقدار حیات کی تباہ کاری کے لیے ایک بڑے فتنہ کی شکل میں پوری شدومد کے ساتھ سر اٹھایا اور دیکھتے دیکھتے پوری دنیائے انسانیت کو اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا۔

مغربی مصنّفین، اہل قلم اور اہل دماغ نے اپنی نگارشات اور شاعری کے ذریعہ انسانی معاشرہ کے اخلاقی اور اجتماعی نظاموں کے خلاف ایک بغاوت برپا کردی۔ انھوں نے معصیت کو خوشنما اور دلفریب بنا کر پیش کیا، طبیعتوں کو ہر قید وبندش، فرد کو ہر ذمہ داری اور جوابدہی سے آزاد ہونے، آزادی مطلق اور بے قیدی کی کھلی تبلیغ، زندگی سے پورے پورے تمتع، مطالبات نفس کی پوری تکمیل اور لذت پرستی کی اعلانیہ دعوت دے کر اعلیٰ اقدار حیات کی نہ صرف دھجیاں اڑائیں، بلکہ نقد لذت اور ظاہر ومحسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا انکار کیا اور تحقیر کی۔ مغربی تہذیب کی بنیاد تصور آزادی پر قائم ہے، لیکن انسانی آزادی کے تئیں اس کا نقطۂ نظر ایک طرفہ ہے جس کی بھاری قیمت آج انسانیت کو چکانی پڑ رہی ہے۔ درحقیقت نہ تو آزادی کا مغربی تصور مکمل ہے اور نہ ہی وہ انسانی خوشحالی کا ضامن ہے۔ مغرب اپنی تاریک فضاء اور فکر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ مطلق

انسانی آزادی کے تصور کی وجہ سے جو بحران پیدا ہو رہا ہے اسے وہ نہیں دیکھ سکتا۔

مغرب میں نشأۃ جدیدہ کے بعد مادی قوت اور ظاہری علم میں تیز رفتار ترقی ہوئی لیکن اخلاق واقدار میں اتنی ہی سرعت کے ساتھ زوال وانحطاط واقع ہوتا گیا۔ کچھ مدت کے بعد مادی قوت اور اخلاق کے درمیان زبردست فاصلہ پیدا ہوگیا اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسی نسل پیدا ہوگئی جو زبردست افراط وتفریط کی شکار ہے۔ یہ نسل اسراف، مبالغہ آرائی اور انتہا پسندی کی علامت بن گئی ہے۔ کمانے میں اسراف، لہو ولعب اور تفریح طبع میں اسراف، خرچ کرنے میں اسراف، جمہوریت میں غلو، آمریت ہو تو اس میں مبالغہ، اپنے خود ساختہ قوانین اور مقرر کردہ اصول اور قدریں ہوں تو اس کی ضرورت سے زیادہ تقدیس، یہاں تک کہ بال برابر اس سے ہٹنا روا نہیں ہوتا اور اس سے انحراف کرنے والا ایسا مجرم سمجھا جاتا ہے جس کے بعد وہ کسی عزت وشرافت کا مستحق اور احترام کے قابل نہیں رہتا۔ اس نسل کے اخلاق میں توازن نہیں، افراد کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں وہ بڑی ایمانداری سے کام لیتی ہے، لیکن جب اپنی قوم کی مصلحت کا تقاضہ ہوتا ہے تو افراد اور قوموں کو نگل جاتی ہے۔ انفرادی زندگی میں ان کا حال یہ ہے کہ اگر ۹ بج کر ۱۲ منٹ پر آنے کا وعدہ کریں تو ٹھیک اسی وقت پہنچیں، لیکن قومی معاملات میں دوسری قوموں کو دھوکہ دینے میں انھیں ذرا تأمل نہیں ہوتا۔

تہذیبوں کا اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، تاریخ کے آغاز سے ہی یہ عروج وزوال تہذیبوں کی تقدیر کا جزو لازم رہا ہے، موجودہ مغربی تہذیب کا دور چار سو برسوں سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے، اس دور میں سائنس، سیاست اور سماجی حالات میں کافی ترقی اور پیش رفت ہوئی ہے۔ لیکن آج مغرب سخت بحران سے دوچار ہے، اپنے افکار وخیالات اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے، وہ لوگ جو مغرب کی تہذیبی تاریخ، ان کے فلسفہ، سائنس اور نئے خیالات کے اظہار سے واقف ہیں وہ کم وبیش ان کے بحرانی نشانات کو دیکھ سکتے ہیں۔ دھیرے دھیرے مغربی تمدن، از کار رفتہ اور کمزور ہو رہا ہے۔ انسانی معاشرہ آج اپنے مستقبل کے لیے ایک نئی بصیرت کا متلاشی ہے اور ایک ایسے تمدن کا منتظر ہے جو نہ صرف اس کی مادی بلکہ روحانی ضرورت کو بھی پوری کر سکے۔

اس لیے دور حاضر اس کا متقاضی ہے کہ عالمی امن کی بقا، قیام امن وسلامتی، عدل ومساوات، مذہب وعقیدہ کی آزادی، رواداری، باہمی امداد وتعاون، انسانی جذبات واحساسات کا احترام، انسانی ضمیر کی تربیت اور آزادی فکر وخیال کے حوالہ سے اسلام کے اقدار حیات کو اجاگر کیا جائے۔ خاص طور سے ہماری دینی قیادت جو امت کا فکری ودینی مقتدا ہے وہ اپنی دانشورانہ کاوش

اور علمی تحقیقات میں انسانی فطرت، انسانی تعلقات اور انسانی ماحول کے تعلق سے اسلامی اہداف و اقدار، اصولوں اور جہتوں کے متعلق منظّم اور مربوط اور سائنٹفک طریقۂ فکر پیش کرے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا معاشرتی و مذہبی تصور سامنے لائے جو زیادہ سے زیادہ کشادگی اور گنجائش رکھتا ہو اور انتہائی متنوع کثرت کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور حکمت و تدبر کے ساتھ انسانی معاشرہ کو اس حقیقت سے بھی روشناس کرایا جائے کہ اعلیٰ انسانی اخلاق و اقدار کی حامل انسانی تہذیب ہی ایک ایسا گہوارہ امن و انصاف ہے جس میں تمام افراد، قوموں اور گروہوں کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی ہے اور مفاہمت واحترام کی بنیاد پر باہم تعاون کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہی وہ درست اور عملی راستہ ہے جو امن وسلامتی، تعاون وشرکت عمل پر مشتمل، قابل عمل عالمی نظام کی منزل تک پہنچا سکتا ہے اور مقاصد، اقدار، فلاح وصلاح اور مفاہمت کے وسیع مشترک انسانی دائرہ بھی تشکیل دے سکتا ہے۔ اس حد تک وسیع کہ انسانی گروہوں کے درمیان پڑوسیوں کی سطح سے لے کر پوری انسانیت پر مشتمل امت واحدہ کی سطح تک قابل عمل اصول زندگی کی بالادستی قائم ہوسکے۔

تاریخ کے ایسے عہد میں جب کہ انسانیت موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی اور رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو جنت کی بشارت دیں، عذاب آخرت سے ڈرائیں، نیکی کی ترغیب دیں، بدی سے روکیں، پاک چیزوں کو حلال، گندی وناپاک چیزوں کو حرام قرار دیں اور ان بندشوں کو اور بیڑیوں کو توڑ کر جنھیں انسانوں نے اپنی نادانی سے یا مذاہب اور حکومتوں نے اپنی طاقت بے جا سے ان کی پاؤں میں ڈال رکھی تھیں، انہیں مادی زندگی کی تنگنائیوں سے نکال کر دنیا وآخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ایک قوم یا ایک ملک کے باشندے نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب تمام انسانوں اور پورے انسانی ضمیر سے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی، لوگوں میں کھڑے ہوکر بآواز بلند فرمایا: ”یا ایھا الناس قولو لا الہ الا اللّٰہ تفلحوا“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کی تاریخ انسانی اور معاشرہ انسانی پر گہرا و وسیع اثر مرتب ہوا، جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتا، اس کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب رونما ہوتا اور وہ شخص پہلا جیسا آدمی باقی نہ رہتا۔ یہ ایمان ایک کامیاب اخلاقی ونفسیاتی تربیت تھی جس نے انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام

عطا کیا۔اس طرح انسانی معاشرہ بے خار گلدستہ بن گیا۔

توحید انسانی زندگی کے خالق مطلق اور اس کی مخلوق کے درمیان براہ راست تعلق کی حیثیت سے ادراک کا نام ہے، جس کے تحت انسان کی زندگی درحقیقت افضلیت اور اہلیت کے امتحان کی ایک مہلت قرار پاتی ہے۔ یہ تصور ایک سوسائٹی کے اندر فیصلہ عمل اور آخری جوابدہی کو براہ راست فرد انسانی سے وابستہ قرار دیتا ہے۔ اس تصور کے تحت انسانوں کے درمیان کسی قسم کی مصنوعی تقسیم اور انسانی تعلقات کی نوعیت یا کسی فرد کے شرف واستحقاق کے تعین کے لیے رنگ، زبان، دولت کے خودساختہ امتیازات کو معیار بنانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔توحید کا تصور معاشرہ کو اجتماعی حیثیت میں اور ہر فرد کو انفرادی حیثیت میں اپنی منزل کے تعین کی آزادی اور حق خوداختیاری عطا کرتا ہے۔مزید برآں توحید کا تصور ہی غیرمسلموں کے تعلق سے مسلمانوں کے تحمل اور رواداری کی بنیاد بھی ہے۔

پہلی صدی ہجری میں اسلامی تہذیب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی، جس نے قیام مذاہب و اخلاق کی تاریخ میں ایک نئے روشن اور انقلابی باب کا آغاز کیا، اس نے نہ صرف تہذیب کے دھارے کا رخ موڑ دیا بلکہ دنیا کے سفر کی سمت بھی بدل دی۔ اس تہذیب کی اقدار حیات آفاقی ہیں جو انسان کے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور روحانی سروکاروں میں توازن وتناسب کو برقرار رکھتی ہیں۔ یہاں ایک ایسا نظام عدل اور جمہوری سسٹم ہے جو پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لیے ان کی مثالی زندگی اور ان کے انقلابی نظریات بھی پوری انسانیت کے لیے مینارۂ نور ہیں۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد ایک روحانی رشتہ پر قائم ہے، جس کے احساس سے سماج کا ہر فرد سرشار ہوتا ہے اور یہ چیز اسے ایک پلیٹ فارم پر متحد کردیتی ہے۔ اسلامی تہذیب میں انانیت یا اکثریت کے مظالم اور اقلیت کا اخراج، ان سب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں انسان صرف انسان ہونے کی وجہ سے معزز ومحترم ہے۔ یہاں صرف مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ تمام انسانوں کے ساتھ عدل اور برابری کا سلوک ہوتا ہے، کیونکہ یہاں یہ احساس عام ہے کہ اگر ایک انسانی گروہ ہمارا دینی بھائی ہے تو دوسرا انسانی گروہ بھی خلقت میں ہم جیسا ہی ہے۔ اسلامی تہذیب، قوموں کے تعلقات میں طاقت کے استعمال، منافقت اور دوہرے رویہ کی تردید کرتی ہے اور اس کے بدلے بین الاقوامی تعلقات میں باہمی عزت واحترام کے اصول ومنطق کو اختیار کرتی ہے۔

❁ ❁ ❁

شیطانی تہذیب کا جبر اور اصلاحِ معاشرہ

از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
۱۵- گاندھی روڈ، دہرہ دون

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کو عمدہ ترین طریقہ پر پیدا کیا۔ کائنات کا ایک ایک ذرّہ اوراس میں کارفرما قوتیں اور طبعی وفطری قوانین اللہ احسن الخالقین کے احکامات میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہاں اس کی سب سے اشرف واحسن تخلیق جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کرنے ”خلقتُ بِیَدِی“ کا شرف بخشا اسے ضرور یہ چھوٹ ملی کہ ”اِما شاکِرًا واِمّا کفورًا“ چاہے تو اطاعت کرے اور چاہے روگردانی کرے اور اللہ کی کائنات میں فساد پیدا کرے۔ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ فساد چاہے وہ کائنات میں ہو اور چاہے انسانی معاشرہ میں وہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اپنی کائنات میں اطاعت اور اصلاح کو اللہ پسند فرماتے ہیں اسی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری فرمایا؛ مگر چونکہ یہ دنیا دارالامتحان اور آزمائش اور کشمکش کا میدان ہے یہاں پر بدی کی قوتوں کو شیطان اوراس کے حمایتیوں کی طرف سے قوت پہنچانے کی چھوٹ بھی اللہ عادل ومنصف نے دے رکھی ہے۔ انسانی تاریخ کے ہر دور میں بلکہ اگر غور کریں تو قصہٴ ہبوط آدم میں تو ملاءِ اعلیٰ میں بھی شیطانی قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کی صفت کے تحت آزادی ملی ہوئی ہے کہ وہ کائنات میں ہر ممکن طریقہ سے فساد پھیلائیں اور وہ آدمؑ وحواؑ کے ہبوط سے لے کر ہابیل و قابیل سے ہوکر آج تک ہر لمحے سرگرم فساد ہے۔ اس کا کام ہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے، ہر طرف سے بہکائے اور اللہ کے راستہ سے ہٹا کر بغاوت کا راستہ اپنانے پر اکسائے اور نتیجتاً اللہ کی دنیا میں ہر طرح کا فساد فکری فساد، عملی فساد، اخلاقی فساد، جنسی فساد برپا کردے۔ چونکہ جن وانسان کے علاوہ کائنات میں کسی کو بھی ”ارادہ“ کی آزادی حاصل نہیں ہے اس لئے شیطانی طاقتوں اور وساوس کا ان پر زور چل ہی نہیں سکتا

صرف انسان ہی ہر لحظہ اس خطرناک ازلی دشمن کی زد پر ہے اور نتائج بھی سامنے ہیں۔

اسلام جب اور جہاں مکمل طور پر نافذ ہوتا ہے وہاں شیطانی قوتوں کو کچل کر رکھا جاتا ہے یہ کام حکومت اپنے تمام اداروں کے ساتھ مل کر کرتی ہے۔ مگر جب سے دنیا میں یہ فریضے ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' ''نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے روکنے'' ادا کرنا برائے نام اور لولا، لنگڑا ہوگیا ہے شیطانی قوتوں کا ہر طرف غلبہ ہوگیا ہے۔ دنیا کی مومن اور غیر مومن آبادی کی اکثریت کے قلوب واذہان شیطانی افکار سے مرعوب ہیں اور ان سے شیطانی اعمال ظاہر ہوکر فساد فی الارض کا باعث ہورہے ہیں۔ تاریخ انسانی کا اتنا ہمہ گیر اور طاقتور فکری بگاڑ کبھی نہیں ہوا ہوگا جتنا ۳۰۰ سال قبل امت مسلمہ کے داخلی انتشار اور فکری ضعف کی بناء پر اور مغرب کے مسخ شدہ مذہبی عقائد کے ردعمل کے طور پر خدا کے انکار یا معاذ اللہ خدا کی تذلیل اور کائنات سے خدا کی ''بیدخلی'' جیسے شیطانی افکار کے اظہار کے طور پر ہوا۔ جب عوام کی یہ فکر بنائی گئی کہ مذہب استیصال کا ذریعہ ہے یہ لوگوں کو بے وقوف بنا کر کم عقل بناتا ہے اور انسان کی ترقی کے لئے مذہب نہیں عقل کی ضرورت ہے اور انسانی زندگی کے معاملات میں الٰہی ہدایت اور رہنمائی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس فلسفہ کے تحت وجود میں آنے والے معاشرہ اور ممالک نے دنیا میں بظاہر جو چمک دمک اور ٹکنالوجی کی ترقی کی اس نے مذہب پسند طبقہ تک پر بھی محسوس یا غیر محسوس طریقہ پر یہ اثر چھوڑا کہ مذہب چند عبادات یا اللہ سے تعلق کی چند رسومات کا نام تو ہوسکتا ہے مگر وہ تمام انسانی معاملات اور معاشرہ کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا۔ وہ اس کا اہل نہیں ہے؛ بلکہ الٹا اس کی پابندی سے انسانی ترقی رک جائے گی؟ اب دنیا بھر میں عوام کی اکثریت عملاً اِسی فلسفہ کو طوعاً اور کرہاً جانتی ہے اور عمل کرتی ہے۔ خدا کے بجائے مادہ انسان کا مطلوب و مقصود ہے۔ خدا پرستی کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی ہے اور انسانی سماج اور حکومتی اداروں کے جبر اور مجبوریوں میں ایسا پس رہا ہے کہ وہ چاہ کر بھی معاشرہ میں پھیلے فساد کے ماحول کے خلاف نہیں چل پارہا ہے۔ وہ شرک کو برا سمجھتا ہے مگر عملاً شرک کرتا ہے وہ ظلم کو برا سمجھتا ہے، قتل، زنا، رشوت، بے حیائی، عریانی کو برا سمجھتا ہے مگر باہر نہیں نکل سکتا؛ کیونکہ برائی بہت ہمہ گیر ہے اس نے سماج کے ہر ادارہ انسان، خاندان، محلّہ، شہر، حکومت، پولیس، اساتذہ، قانون ساز عدلیہ سب کو چنگل میں جکڑ رکھا ہے۔ اتنے سخت حالات میں فکری، معاشرتی، اخلاقی اصلاح کی بات کرنا ایک ناممکن کام ہی لگتا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ اہل اقتدار اور اہل فکر اصحاب خود ہی برائیوں کا حکم دے رہے ہوں اور بھلائیوں سے روک رہے

ہوں تب کامیابی کی کیا صورت نظر آتی ہے؟ اور شاید یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہی ہے کہ مومن جو کچھ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرسکتا ہو اسے بھی نہ ادا کرے جبکہ شریعت نے مومنین مصلحین کا اجران کے کام کے نتائج سے مشروط نہیں کیا ہے بلکہ کام کی کمیت اور کیفیت سے مشروط کیا ہے تو یہ طے ہے کہ معاشرہ کی فکری اور عملی اصلاح کا کام جس قدر بھی منظّم اور موثر انداز میں ہوسکے ہونا ضروری ہے۔ کہ کم سے کم ”معذرۃً“ اِلیٰ ربکم ولعلھم یتقون کے مصداق آخرت کی پکڑ اور دنیا کے عمومی عذاب سے بچا جاسکے۔

آج کی دنیا میں انسانی فکر بنانے کا ہر ادارہ عملاً اللہ سے بغاوت یا دوری ہی بنانے کا کام کررہا ہے۔ گھر، ماں، باپ، گھر کا ماحول، محلّہ، اسکول، ٹی وی، اخبار، دوست واحباب سب کسی فکر کے حامل ہیں۔ آنکھ کھولتے ہی بچہ ٹی وی دیکھتا ہے جس کی بنیاد ہی حرص، ہوس، زرپرستی اور بے حیائی پر ہے اُس کے بعد اسکول کا ماحول وہاں پروان چڑھنے والی ذہنیت جو انہیں پہلے دن سے ہی پڑھ لکھ کر اونچا عہدہ حاصل کرنے کا مقصد تھماتی ہے اور دوستوں کی دنیا جوانی کے مخصوص مزاج کی بدولت انہیں اور زیادہ مادہ پرست اور انسانیت سے دور کرتا جاتا ہے۔ آج کے کھلے پن، صارفیت پسند تہذیب، روشن خیالی کے دور میں سماج کی لگام چند سرمایہ داروں کے پاس مرتکز ہوتی جارہی ہے جن کے پاس صرف ایک مقصد ہے انسانوں کو خواہشات کا غلام بنا کر ان کی جیب سے زیادہ سے زیادہ پیسہ نکالنا اور بس۔ اس ہمہ گیر فساد کے ماحول میں کوئی بھی شارٹ کٹ اور پیوندکاری مطلوبہ اصلاح نہیں حاصل کرسکتی کیونکہ قوت کے سرچشموں پر شیطانی فکر رکھنے والوں کا غلبہ ہے اور وہ اصلاح کی کسی بھی سنجیدہ کوشش کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ایسے میں امت مسلمہ کو اپنا منصب خیر امت دوبارہ زندہ کرنا ہوگا تاکہ انسانیت کے گلستاں میں پھر بہار آئے، پھر توحید وانصاف، امن ومحبت کا دور دورہ ہو۔

فکری تبدیلی کے بغیر کوئی بھی عملی تبدیلی یا اصلاح ممکن نہیں ہے۔ قرآنِ پاک تمام انسانیت کی تعمیری تبدیلی کا نسخہ ہے۔ اس کی تعلیمات کو گھر گھر، محلّہ محلّہ، مسجد مسجد شروع کیے بغیر کسی بھی عملی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ اعمال افکار کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ قرآن کے ذریعہ فکرسازی کیے بغیر خصوصاً نوجوانوں (لڑکے لڑکیوں) اور خواتین میں کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت قرآن پڑھنا ہی نہیں جانتی اور جو جانتی ہے وہ اس کے پیغام رشد وہدایت سے بے خبر ہے۔ اگر ہم بے لاگ طریقہ سے جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ شہر یا آبادی

کی سیکڑوں مساجد میں کہیں بھی قرآن کی تعلیمات کی تفہیم اور تذکیر کا اہتمام نہیں ہے تو گھروں کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ شیطانی فکر کی ہمہ گیری کا حال بھی ہمارے سامنے ہے تو قرآن کے افکار کو عام کئے بغیر کسی اصلاح کی بات کرتے رہیں۔ کیا یہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ممکن ہوا؟ کیا بعد کے ادوار میں قرآنی فکر عام کئے بغیر کوئی پائیدار تبدیلی ممکن ہوئی؟ حضور ﷺ نے قطعی طور پر آگاہ کردیا ہے کہ ''اس امت کی اخیر کی اصلاح بھی اسی کے ذریعہ ممکن ہے جس کے ذریعہ امت کے ابتدار کی ہوئی تھی یعنی قرآن حکیم'' حضرت علی ابن ابی طالبؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ''عنقریب کچھ فتنہ برپا ہونگے میں نے پوچھا ان سے نکلنے کا راستہ کیا ہے آپ نے جواب دیا کتاب اللہ۔ جس میں تم سے پہلے کے لوگوں کی سرگذشت ہے تمہارے بعد کے لوگوں کی خبر ہے تمہارے باہمی اختلاف کا فیصلہ ہے جو قولِ فیصل ہے ہنسی مذاق نہیں ہے یہ وہ کتاب ہے جسے جس زور آور نے چھوڑا اللہ نے اس کی کمر توڑ دی جس نے اس کے علاوہ کہیں اور ہدایت طلب کی اللہ نے اسے گمراہ کردیا یہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ اس سے خواہشات میں کجی نہیں پیدا ہوتی..(بروایت ترمذی باب فضائل القرآن، دارمی اور ابن ابی شیبہ)

اور جب حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے آپ سے پوچھا کہ کیا اس وقت ہم جس چیز سے ہمکنار ہیں اس کے بعد کوئی شر آنے والا ہے جس سے ہمیں بچنا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا ''اے حذیفہ تو کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام رکھ اس کا علم حاصل کر اور جو کچھ اُس میں ہے اس کی پیروی اختیار کر'' آپ ﷺ نے تین بار یہ بات دہرائی۔

سماج کے ہر طبقہ کے لئے مساجد مساجد قرآنی تعلیمات کو عام کرنے (مستدرک حاکم) کا نظم اصلاح کی کسی بھی کوشش کی بنیاد کا پتھر ہے۔ اس کے لئے محلّہ، گھر، مسجد، مکتب، اسکول، کالج، ہاسٹل، لائبریری، Audio-Visual ہر ذریعہ کا سہارا لینا ہوگا۔ نوجوانوں کے لئے شبینہ قرآن کلاس اور طلباء کے لئے سمر قرآن کلاس Summer Quran Clan کے نتائج حیرت انگیز ہوسکتے ہیں۔

(۲) ذرائع تفریح کا میدان فکری تیاری کے لئے بہت وسیع ہے۔ ملکی طور پر نہ سہی مگر کل ملا کر انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ صحت مند تفریحی مواد طلباء وطالبات اور نوجوانوں و عام عوام تک پہنچانا ضروری ہے۔ اس کے نہ ہونے کی صورت میں امت مسلمہ کی اکثریت ذریعہ تفریح کے عوامی ذرائع کا شکار ہوکر خلافِ اسلام انکار واعمال کا شکار ہورہا ہے۔ ذریعہ تفریح کے ذریعہ سب سے

زیادہ نوجوان نسل کا ذہن متاثر کیا جارہا ہے۔ ہر گاؤں یا شہر کی مرکزی آبادی میں ایک اسلامی اطلاعاتی یا ثقافتی مرکز کا قیام جہاں Computer ہو اور آڈیو ویڈیو C.D.S کا ذخیرہ بھی ہو اس کو Cable کے ذریعہ نشر بھی کروایا جاسکتا ہے۔ اور گھروں کے لئے بھی دیا جاسکتا ہے۔ اس کا مرکزی نظم کسی بھی معتبر ادارہ کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔

(۳) ملکی اور علاقائی ثقافی اجتماعات

ملک کے کونے کونے میں علاقائی زبانوں میں ثقافتی اجتماعات منعقد ہوں، جن میں ادب، تاریخ، طنز ومزاح اور کھیل کود کے اجتماعات منعقد کرائے جائیں اور ان کو صحت مند ذرائع تفریح کے ذریعہ اصلاح کے لئے تیار کیا جائے؛ بلکہ بگاڑ کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے۔ نئی نسل کو کر کے بتایا جائے کہ واقعتاً اسلام ایک مکمل نظام ہے۔

(۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر: ملت میں یہ کام کیسے ہو اس پر کافی اختلاف رہا ہے، مگر کم از کم معاشرتی روک ٹوک کا اخلاقی نظام بنانا ضروری ہے۔ اصلاً یہ کام اقتدار کا ہے، مگر اس وقت تو اقتدار اشاعت منکرات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ایسے میں کم سے کم ''نصیحت'' اور ''تذکیر'' کے ذریعہ اس بنیادی فریضہ کی ادائیگی کی شکل عمل میں لانی ضروری ہے، جو محلّہ اور گاؤں میں ایک ''اجتماعی، مربّی'' کا رول ادا کرسکے۔ اور آبادی میں منکرات کے پھیلاؤ پر نظر رکھے۔

(۵) حکومت کے ذریعہ زنا، بے حیائی، قتل، لوٹ مار، نشہ آور ادویہ کی فروخت اور فحش لٹریچر اور پروگراموں کے خلاف غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر مہم چلانی چاہئے، تاکہ نیکی اور بھلائی کا عام ماحول بن سکے۔

❁ ❁ ❁

قرآن، ویلڈرز اور غیر مسلم دانشور!

از: سعید الظفر ٹانڈوی قاسمی
معین مدرس دارالعلوم دیوبند

قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری نازل کردہ کتاب ہے، جو سرور عالم ﷺ پر نازل ہوئی۔ آپ امی تھے، پڑھے لکھے نہیں تھے، چونکہ یہ الہامی کتاب ہے اس لئے اس میں خدائی اعجاز اس کے ایک ایک نقطہ سے واضح ہے۔ مضامین، اسلوب بیان اور طرز ادا پر ہر زبان کا جاننے والا فدا ہے، خواہ وہ اسلام کا حلقہ بگوش ہو یا نہ ہو۔ قرآنی اعجاز ہر ایک سے اپنی معجزیاتی تسلیم کرالیتا ہے۔ پھر اس کا یہ تاریخی اعجاز دنیا کے سامنے ہے کہ اس کے الفاظ اور حرکات وسکنات ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں، جبکہ دیگر آسمانی کتابیں خود انہیں کے ماننے والوں کی نظر میں مشکوک الصحت ہیں۔ یہ تاریخی اعجاز ہم نے اسلئے کہا کہ جب کتابوں کے محفوظ رکھنے کے طریقے وجود پذیر نہیں ہوئے تھے، کبھی چمڑے پر کتابت کرلی گئی، کبھی پتھروں کے ٹکڑوں پر اور کبھی درخت کی چھالوں پر اور اب تو اس میں ردوبدل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ معمولی سے معمولی تحریر کے محفوظ رکھنے کے وہ طریقے وجود میں آچکے ہیں جو انسانی دست برد سے محفوظ رہیں گے۔

اور یوں کہنا چاہئے کہ یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں زبور کا مجموعہ مناجات بھی ہے اور انجیل کا ذخیرۂ امثال بھی، تحریت کا گنجینۂ شریعت بھی ہے اور کتب دانیال اور یسعیاہ کے مواعظ بھی ہیں اور حضرت میاہ کی تاثیر بھی ہے۔ ان حقائق کے باوجود اس کتاب کے ساتھ جو زیادتیاں کی گئیں یعنی اس میں تحریف کی جو بدترین سازشیں کی گئیں وہ ناگفتنی ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ سازشیں ہی دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹ گئیں۔

حال ہی میں اس مقدس کتاب کے خلاف ''ہالینڈ'' کے ''گرٹ ویلڈرز'' نے ایک اور طوفان کھڑا کردیا ہے، ہالینڈ گذشتہ چند سالوں سے اسلام دشمن سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے، وقفے وقفے سے عالم اسلام کے جذبات کو مجروح کرنے والی باتیں سامنے آتی رہی ہیں، اب پھر ہالینڈ کا شیطان حرکت میں ہے۔

ویلڈرز دو سال سے اسلام دشمن بیانات کے سبب سرخیوں میں ہے۔ ویلڈرز گزشتہ سال قرآن پر پابندی کا مطالبہ بھی کر چکا اور دلیل کے طور پر یہ مفروضہ پیش کیا کہ قرآن کریم یہودیوں اور عیسائیوں کے قتل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور خواتین کو مکمل آزادی نہیں دیتا۔

ویلڈر نے اب قرآن پر فلم سازی کی ہے، ایک ایسی فلم جس میں قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) انسانیت کا دشمن اور فتنہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

گرٹ کے مذکورہ دونوں دعویٰ تردید کے لائق ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارا مقصد ان دعوؤں کی تردید یا تنقید نہیں ہے؛ بلکہ ویلڈرز پر ہم یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس کتاب نے ملکوں اور قوموں کو جہالت سے نکالنے اور علوم سے بہرہ ور کرنے، تمدن کو بلند کرنے اور امن عامہ کو مضبوط بنانے میں جو مضامین بیان کئے ہیں وہ ایسے بے نظیر اور لاثانی ہیں کہ جس کا بدل پیش نہیں کیا جاسکتا اور اس حقیقت کی وضاحت ویلڈرز کے ہی طبقہ سے تعلق رکھنے والے غیر مسلم دانشوروں کی شہادتوں کی روشنی میں کی جائے گی۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے پر ہم کو ایسے سینکڑوں افراد مل جائیں گے جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کی بھٹی میں جل کر اپنا وجود مٹادیا مگر وہ بھی قرآن کی حقانیت کو نہ چھپا سکے، چنانچہ دیکھئے مشہور متعصب پادری ''ریورینڈ رجی ایم ایڈویل'' لکھتا ہے:

> ''قرآن کی تعلیم نے بت پرستی مٹائی، جنات اور مادیت کا شرک مٹایا، اللہ کی عبادت قائم کی، بچوں کے قتل کی رسم نیست و نابود کی، ام الخبائث شراب کو حرام مطلق ٹھہرایا، چوری، جوا، زنا کاری اور قتل وغیرہ کی ایسی سخت سزائیں مقرر کیں کہ کوئی شخص ارتکاب جرم کی جرأت ہی نہ کر سکے۔''

اس کتاب نے دنیا کو ایسے قوانین دیئے جس میں ہر مذہب وملت کے ماننے والے کے لئے انصاف ہی انصاف ہے اور ایسے اصول عطا کئے جس میں صرف نسل انسانی کی فلاح ہی فلاح ہے، اس نظریہ کو ملاحظہ فرمایئے ''نپولین بونا پارٹ'' کی زبان میں:

> ''میرا یقین ہے کہ قرآن پاک کے قوانین ہی انسانیت کے لئے سچے اصول ہیں اور نسل انسانی کی فلاح قرآن پاک کے نظام حیات میں ہے۔''

قرآن کریم مذہبی اصول اور احکام کے علاوہ ملکی اور تمدنی نظام بھی رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ''کلاضل'' نامور فرانسیسی فاضل کے الفاظ میں:

> ''قرآن مذہبی قواعد اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے؛ بلکہ اس میں اجتماعی اور سوشل

احکام بھی ہیں جو انسانی زندگی کے لئے ہر حالت میں مفید ہیں۔''

قرآن کریم امن وامان کا ضامن ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب روئے زمین پر قوانین قرآن لاگو ہوئے تو ہر طرف عدل وانصاف، امن وامان اور بھائی چارگی کے سوا کچھ نہ رہا۔ جب کسی قوم نے اس کو چھوڑا تو ہر طرف بدامنی نظر آنے لگی وہ قوم بام عروج سے پستی میں جاگری، پیش خدمت ہے ''موسیو کاسٹن کار'' کا اخبار ''شگارو'' میں لکھا ہوا ایک فقرہ:

''زمین سے اگر حکومتِ قرآنی جاتی رہی تو دنیا کا امن وامان کبھی قائم نہ رہے۔''

قرآن کریم لاثانی کتاب ہے اس نے امن وامان سے لے کر اخلاقیات تک سب کچھ عطا کیا، اس کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق کی کایا پلٹ گئی، عرب کے تندخو گنوار حلم واخلاق اور علم وحکمت کے استاذ بن گئے۔ ''پروفیسر کارلائل'' اسی کی شہادت دیتے ہیں:

''میرے نزدیک قرآن کریم میں خلوص وسچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور یہ بالکل سچ اور کھلی حقیقت ہے کہ اگر خوبی پیدا ہوسکتی ہے تو اسی سے پیدا ہوسکتی ہے۔''

قرآن جہاں امن وامان کا ضامن؛ ملکی اور تمدنی نظام کا سرخیل اور حکمت ودانائی سے پُر ہے وہی محافظ صحت بھی ہے اسی کتاب نے شراب، جوا کو حرام کیا جو صحت ومال کو ضائع کرنے والے ہیں اور قرآن نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، طہارت وغیرہ کو ضروری قرار دیا جو حفظانِ صحت کے زرّیں اصول ہیں۔ دیکھئے کتنا اچھا لگتا ہے جب اس بات کا اقرار ایک ''ایکمکی بولف'' نامور جرمن فاضل نے اپنی زبان سے کیا:

''قرآن نے صفائی، طہارت اور پاکبازی کی ایسی تعلیم دی ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو جراثیم امراض سب کے سب ہلاک ہوجائیں۔''

تاریخ بتاتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جہاں سینکڑوں برائیاں تھیں وہیں بڑی برائی یہ بھی تھی کہ حقوق کا کوئی پاس ولحاظ نہ تھا۔ حاکم رعایا کے حقوق ادا کر رہا ہے نہ ہی رعایا حاکم کے حقوق ادا کررہی ہے باپ اولاد سے اور اولاد باپ سے متنفر ہے، لیکن قرآن حکیم نے اس کو جہاں متمدن اور مہذب زندگی عطا کی وہیں حقوق کی ادئیگی کا حکم دیا اور جب اس کا نفاذ ہوا تو امن وامان اور خوشحالی نظر آنے لگی۔ پیش خدمت ہے ''نومسلم مسٹر مارماڈیوک پکھتال'' کا فقرہ:

''قرآن ہی کے قوانین نے حقوق اللہ اور حقوق العباد پوری طرح بتائے ہیں اور اس کو یہود اور عیسائیوں نے بھی مان لیا ہے۔''

اس کتاب عظیم میں اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے لئے اتنا کچھ بیان کردیا جو زندگی

گزارنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے اور انسان اس کو سمجھ کر زندگی کی راہیں، اچھے برے کی تمیز بخوبی کرسکتا ہے۔ دیکھئے یہی بات کہتے ہیں ''لیوٹاسٹائی'':

''قرآن کریم عالم انسانی کے لئے ایک بہترین رہبر ہے، اگر صرف یہ کتاب دنیا کے سامنے ہوتی اور کوئی ریفارمر پیدا نہ ہوا ہوتا تو بھی یہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی تھی۔''

اسی بات کو ہندوستانی کی مشہور خاتون ''سروجنی نائڈو'' ان الفاظ میں کہہ رہی ہیں:

''جب میں قرآن پڑھتی ہوں تو مجھے زندگی کے برپا کرنے والے اصول نظر آتے ہیں، جو ساری دنیا کی کامیابی وکامرانی کے رہنما اصول ہیں۔''

قرآن کریم دنیا کی لاثانی اور بےنظیر کتاب ہے، فصاحت وبلاغت، ترکیب وبندش کے لحاظ سے بھی اور اصول وقواعد اور تعلیمات نیز ہر اعتبار سے بھی قرآن کریم نے اسلامی تعلیمات کو جس طرح کھول کر بیان کیا اور مسئلہ توحید کو جس سہل انداز میں سمجھایا ہے ایسی بات اس سے پہلے کسی بھی آسمانی کتاب میں نہیں ملتی ہے۔ معمولی عقل وفہم کے لوگ بھی قرآن مجید کے بنیادی مضامین آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے توحید، رسالت، معاد وغیرہ۔ دیکھئے نامور مؤرخ ''ڈاکٹر گبن'' کیا لکھتے ہیں:

''قرآن وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے، ایک مؤحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کرتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ غرض سارے جہاں میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی ہے۔''

اسی مضمون کو ''ہرش فیلڈ'' نے کچھ اس انداز میں پیش کیا ہے:

''قرآن کریم اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت، فصاحت وبلاغت، ترکیب و بندش کے لحاظ سے بےنظیر اور دنیائے سائنس کے شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہے۔''

''ڈاکٹر موریس بوکائی'' نے اس مضمون کا اپنی مشہور زمانہ کتاب ''قرآن، بائبل اور سائنس'' میں ان الفاظ میں اقرار کیا ہے:

''قرآن نے جن سائنسی پہلوؤں پر خصوصی بحث کی ہے وہ میرے لئے بطور خاص حیرت انگیز ہیں، کیونکہ قرآن کے یہ بیانات پوری طرح جدید سائنسی نظریات کے مناسب ہیں۔ میں نے کسی قسم کا پیشگی فیصلہ صادر کئے بغیر قرآن کی ایک ایک آیت کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ یہ حقیقت میرے لئے بطور خاص چونکا دینے والی تھی

کہ قرآن نے بظاہر کائنات کے بارے میں ایسے دقیق اشارے کیے ہیں جن کی تائید کائنات کے بارے میں جدید سائنسی تصورات سے ہوتی ہے۔ توریت میں ہم کو نمایاں طور پر سائنسی غلطیاں ملتی ہیں، مگر قرآن میں اس قسم کی کوئی غلطی نہیں ملتی۔“

ہم نے واضح کیا ہے کہ اسلام تمام مذاہب سے بہتر اور سچا مذہب ہے، رہی بات کہ اسلام عیسائیت پر کیوں فوقیت رکھتا ہے تو سنیے ”ریورنڈ میکسوئیل کنگ“ کی زبانی:

”قرآن الہامات کا مجموعہ ہے، اس میں اسلام کے قوانین، اصول و اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ کے کاروبار کی نسبت صاف ہدایات ہیں اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کی مذہبی تعلیم اور قانون علیحدہ چیز نہیں ہیں۔“

اور ”ڈین شیلی“ نے کھلے الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ:

”قرآن پاک کا قانون بلاشبہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ہے۔“

ہم نے کہا تھا کہ قرآن کریم کے ساتھ ناقابل برداشت سازشیں کی گئیں اور اس کی مخالفت میں ہر ممکن کوششیں کی گئیں مگر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سازشیں حرف غلط کی طرح مٹ گئیں، اس کے برعکس تعصب کی چھاؤں سے دور قلب وعقل نے کیا سوچا اور کیا فیصلہ لیا؟ سنیے:

آریہ سماج کے مشہور ومعروف اپدیشک ”پنڈت لکشمن جی“ نے کہا ہے کہ:

”سوامی درجانند نے دیانند سرسوتی کو اس کا بھی حکم دیا تھا کہ وہ ان کتابوں کو جو قرآن کے خلاف ہوں جمنا میں پھینک دیں۔“

اس سے پنڈت لکشمن جی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ سوامی درجانند قرآن کی مخالف چیزوں کی بیخ کنی کو ضروری خیال کرتے تھے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے بڑے بڑے فلاسفروں اور داناؤں نے قرآن مجید کی صداقت کو تسلیم کیا ہے۔ ”ایکس لیورزون“ فرانسیسی فلاسفر کا قول ملاحظہ فرمائیے:

”قرآن ایک روشن اور پرحکمت کتاب ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے شخص پر نازل ہوئی جو سچا نبی تھا اور خدا نے اس کو بھیجا تھا۔“

ان مذکورہ چند حوالہ جات نے یہ حقیقت واضح کردی کہ قرآن انسانیت کا قاتل نہیں؛ بلکہ امن وامان، ملکوں اور قوموں کو جہالت سے نکالنے اور علوم سے بہرہ ور کرنے، تمدن کو بلند کرنے کا بے نظیر اور لاثانی دستور حیات ہے۔ حقیقت وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ حقیقت خود کو تسلیم کرالیتی ہے، منوائی نہیں جاتی۔

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ: ۴	ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق اپریل ۲۰۰۸ء	جلد: ۹۲

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۸۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۲۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۲۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبرشمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	کم سنی میں حضرت عائشہؓ کا نکاح تحقیق وتجزیہ	مفتی شکیل منصور القاسمی	۸
۳	سماجی انصاف، عدلیہ اورعوام	مولانا محمد ولی رحمانی	۱۶
۴	دینی مدارس اعتدال پسند اور انسانیت نواز ادارے ہیں	سہیل اختر	۲۱
۵	دہشت گردی کے خلاف دارالعلوم دیوبند میں تاریخ ساز کل ہند کانفرنس	مولانا شوکت علی قاسمی بستوی	۲۴

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

دین و مذہب کی آزادی انسان کے ان بنیادی حقوق میں سے ایک ہے جنھیں انسانیت کا فطری خاصہ مانا جاتا ہے، اور ہر مہذب حکومت نے انسان کے اس فطری حق کا پاس ولحاظ رکھا ہے، خود ہمارے ملک میں جو مختلف افکار و مذاہب اور تہذیب و ثقافت کا گہوارہ ہے شخصی عہد سلطنت میں مذہبی آزادی کی کس قدر پاسداری کی جاتی تھی اس کا اندازہ بھارت کے ''انگریزی راج'' کے مصنف پنڈت سندرلال الہ آبادی کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔

وہ عہد مغلیہ میں مذہبی آزادی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اوران کے بعد اورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو مسلم یکساں رہتے تھے۔ دونوں مذاہب کی یکساں توقیر کی جاتی تھی، اور مذہب کیلئے کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانب داری نہ کی جاتی تھی''۔ (روشن مستقبل، ص:۲۴)

مذاہب عالم کی تاریخ اور واقعات و مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ آزادئ مذہب کا مسئلہ اس درجہ نازک اور جذباتی ہے کہ جب بھی کسی حاکم یا حکومت کی جانب سے اس پر قدغن لگانے کی غیر شریفانہ کوشش کی گئی ہے تو عوام نے اسے برداشت نہیں کیا ہے۔ بلکہ اکثر حالات میں حکومت کا یہی بیجا رویہ بغاوت اور انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا ہے۔ آزادئ ہند کی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ برطانوی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی تاریخی جدوجہد کا اہم ترین محرک مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ اندیشہ تھا کہ ان کے مذہب میں رخنہ

اندازی اور اسے خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جنگ آزادی کے نامور مجاہد اور عظیم رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر حکومت برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

''اسلام کے احکام کوئی راز نہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ ہو وہ چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب وروز اس کا درس دیتے ہیں۔ پس گورنمنٹ کو چاہئے کہ صرف اس بات کی جانچ کرے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہیں یا نہیں! اگر یہ ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں یا مسلمانوں کے لئے ان کے مذہب کو چھوڑ دے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ان کے مذہب میں مداخلت ہو یا پھر اعلان کردے کہ حکومت کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ''ان کے مذہب میں مداخلت نہیں ہوگی'' اس کے بعد مسلمانوں کے لئے نہایت آسانی ہوجائے گی کہ وہ اپنا وقت بے سود شور وفغاں میں ضائع نہ کریں اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لئے پسند کرلیں۔ (مسئلہ خلافت وجزیرۂ عرب، ص:۲۰۴)

جہاد حریت کے ہراول حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آج سے تقریباً پچاسی سال پہلے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر اظہار خیال فرماتے ہوئے مذہبی آزادی کے مسئلہ کی نزاکت کو دوٹوک لفظوں میں واضح فرمادیا تھا، ملاحظہ کیجئے حضرت کی اختتامی تقریر کا اقتباس فرماتے ہیں:

''میں ان دونوں قوموں کے اتفاق واجتماع کو بہت ہی مفید اور ضروری سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرکے جو کوشش اس کیلئے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کررہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے برخلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ کیلئے ناممکن بنادے گی اسلئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح وآشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر واستبداد سے شکست دے سکے گی۔

ہاں میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت و آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشیں

کر لیجئے۔اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتی کہ صلح وآشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادانیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دینوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو“۔(جمعیۃ علماء کیا ہے، ص:۱۳۲)

حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہ کے مقام ومرتبہ اوران کی ہمہ گیر مقبولیت سے باخبر اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حضرت شیخ الہند کی اپنی تنہا کی آواز نہیں تھی بلکہ یہ پورے ملت اسلامیہ ہند کی ترجمانی تھی۔حضرت شیخ الہندؒ کی اسی رائے کو جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے لاہور کے عام اجلاس میں بشکل تجویز ان الفاظ میں پیش کیا:

(الف) ہمارا نصب العین آزادیٔ کامل ہے۔

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ان کا مذہب آزاد ہوگا۔مسلم کلچر اور تہذیب آزادی ہوگی۔وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج)…..جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب وثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔(جمعیۃ علماء کیا ہے، ص:۳۳۳)

پھر اپنی مجلس عاملہ منعقدہ ۱۷، ۱۸/اگست ۱۹۴۲ء کے اجلاس میں دین ومذہب کے متعلق مسلمانوں کے اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح الفاظ میں یہ تجویز منظور کی۔

”اس موقعہ پر ہم یہ بھی واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جمعیۃ علماء کو اس امر کا ذرہ بھر بھی وہم ہوتا ہے کہ جدوجہد آزادی کا نتیجہ ہندوستان میں ہندوراج قائم ہوجاتا ہے تو وہ ایک لمحہ توقف کئے بغیر اس کی شدید مخالفت کرتی۔“

”ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں…مسلمان جو انگریز کی غلامی سے

آزادی حاصل کرنے کے لئے بیش بہا اور شاندار قربانیاں پیش کریں گے ان کی نسبت ہندو کی غلامی قبول کرنے کا تصور بھی ان کی سخت توہین ہے۔'' (جمعیۃ علماء کیا ہے، ص:۳۴۳-۳۴۴)

ان تفصیلات سے سمجھا جاسکتا ہے، کہ دین و مذہب کا مسئلہ کس قدر نازک اور جذباتی ہے بالخصوص مسلمان اس بارے میں کس درجہ حساس ہیں مذہب کی اسی حیثیت و اہمیت کا نتیجہ ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد جب آزاد ہندوستان کا دستور مرتب ہوا تو اس میں خصوصی طور پر مذہبی حقوق پر توجہ دی گئی اور آزادی مذہب کو بنیادی اصول میں شامل کیا گیا اور اس کے تحت حسب ذیل دفعات رکھی گئیں:

دفعہ ۲۵: (۱) تمام اشخاص کو آزادئ ضمیر، اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیعات متأثر نہ ہوں۔

دفعہ ۲۶: اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ، اور صحت عامہ متأثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا۔

(الف) مذہبی اور خیراتی اغراض سے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا

(ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا الخ

دفعہ ۲۷: کسی شخص کو ایسے ٹیکسوں کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا جن کی آمدنی کسی خاص مذہب یا مذہبی فرقہ کی ترقی یا اس کو قائم رکھنے کے مصارف ادا کرنے کیلئے صراحتاً صرف کی جائے۔

دفعہ ۲۸: (۱) کسی ایسے تعلیمی ادارے میں جو بالکلیہ مملکتی فنڈ سے چلایا جاتا ہو کوئی مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی۔

(۲) فقرہ (۱) کے کسی امر کا اطلاق ایسے تعلیمی ادارہ پر نہیں ہوگا جس کا انتظام مملکت کرتی ہو لیکن جو کسی ایسے وقف یا ٹرسٹ کے تحت قائم کیا گیا ہو جو ایسے ادارہ میں مذہبی تعلیم دینا لازم قرار دے۔

(۳) کسی ایسے شخص پر جو کسی ایسے تعلیمی ادارہ میں شریک ہو جو مملکت کا مسلمہ ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو لازم نہ ہوگا کہ کسی ایسی مذہبی تعلیم میں حصہ لے جو ایسے ادارے میں

دی جائے یا ایسی مذہبی عبادت میں شریک ہو جو ایسے ادارہ میں یا اس ملحقہ عمارت واراضی میں کی جائے بجز اس کے کہ ایسے شخص نے یا اگر وہ نابالغ ہو تو اس کے ولی نے اس کیلئے اپنی رضامندی دی ہو۔

ثقافتی اور تعلیمی حقوق سے متعلق دفعات

دفعہ ۲۹: (۱) بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط، یا ثقافت ہو اس کو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔

(۲) کسی شہری کو ایسے تعلیمی ادارہ میں جس کو مملکت چلاتی ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو داخلہ دینے سے محض مذہب، نسل، ذات، زبان یا ان میں سے کسی بنا پر انکار نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۳۰: تمام اقلیتوں کو خواہ وہ مذہب کی بنا پر ہوں یا زبان کی اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا۔ (بھارت کا آئین یکم جنوری ۱۹۸۵ء تک ترمیم شدہ شائع کردہ ترقی اردو بیورو وزارت تعلیم حصہ ۳ بنیادی حقوق، ص:۴۶-۴۷)

ان دستوری مستحکم ضمانتوں کے ساتھ دستور ساز اسمبلی میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کے مفادات کا ان کے اطمینان کی حد تک خیال رکھا جائے گا اور اسے اسٹیٹ ایک مشن یعنی کاز کی حیثیت دے گا۔

مگر راج گدی پر بیٹھتے ہی یہ سارے عہد و پیمان اور قول و قرار جوش اقتدار کی نذر ہو گئے اور ایک خاموش تحریک شروع کردی گئی کہ نصاب تعلیم اور سرکاری اسکولوں کے ماحول کے ذریعہ ہندو تہذیب بلکہ صحیح لفظوں میں برہمن ازم کو یہاں کے بچہ بچہ کے دل و دماغ میں اتار دیا جائے۔ اور اسی فکر و نظر کے تحت ایک طرف اسلامی اداروں کو دہشت گردی کا اڈا بتا کر انہیں قومی مجرموں کی صف میں کھڑا کرنے کی ناروا سعی کی جارہی ہے اور دوسرے طرف انہیں مدر بورڈ کے شکنجوں میں کس کران کے دینی و مذہبی کردار کو ختم کرنے کی اسکیمیں تیار کی جارہی ہیں۔ ہوشیار، ہوشیار، ہوشیار، اے ملت اسلامیہ ہوشیار۔

❀ ❀ ❀

کم سنی میں حضرت عائشہؓ کا نکاح
تحقیق و تجزیہ

از: مفتی شکیل منصور القاسمی
مجمع عین المعارف للدراسات الاسلامیہ، کنور۔ کیرالہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کم سنی میں ہوا یعنی ٦ر سال کی عمر میں نکاح اور ۹ر سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، اس سلسلہ میں معاندینِ اسلام کی طرف سے یہ شکوک وشبہات قائم کئے جاتے ہیں کہ اس کم سنی کی شادی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موزوں اور مناسب تھی، چنانچہ ایک یہودی عالم نے انٹرنیٹ پر یہی اعتراض پیش کیا ہے — زیرنظر مضمون میں اسی کا مفصل ومدلل جواب دیا گیا ہے۔

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کم سنی میں ہوا، بیان کیا جاتا ہے کہ ٦ر سال کی عمر میں نکاح اور ۹ر سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ اس سلسلہ میں معاندین اسلام کی طرف سے یہ شکوک وشبہات قائم کئے جاتے ہیں کہ اس کم سنی کی شادی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موزوں اور مناسب نہیں تھی۔ چنانچہ ایک یہودی عالم نے انٹرنیٹ پر یہی اعتراض پیش کیا ہے۔ آپ اس کا تحقیقی وتفصیلی جواب عنایت فرمائیں تو شکرگذار رہوں گا۔
(فاروق عبدالعزیز قریشی — رنگ روڈ مہدی پٹنم، حیدرآباد)

جواب: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی کم سنی میں نکاح فرمایا اور پھر ان کی والدہ حضرت ام رومانؓ (زینبؓ) نے تین سال بعد ۹ر سال کی عمر میں رخصتی کردی، اس پر بعض گوشوں سے اعتراضات اور شکوک وشبہات نئے نہیں ہیں؛ بلکہ پرانے ہیں، علماء اور محققین نے جوابات بھی دیئے ہیں، تاہم ذیل کی سطروں میں ایک ترتیب کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ امید کہ جواب میں تحقیق وتجزیہ کے جو پہلو سامنے آئیں گے، اُن سے ذہنی غبار

ڈھل جائے گا اور ذہن کا مطلع بالکل صاف اور واضح ہو جائے گا۔ اس لیے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر تفصیلی جواب لکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کارگاہِ عالم کا سارا نظام قانونِ زوجی (Law of Sex) پر مبنی ہے اور کائنات میں جتنی چیزیں نظر آرہی ہیں سب اسی قانون کا کرشمہ اور مظہر ہیں۔ (الذاریات:۴۹) یہ اور بات ہے کہ مخلوقات کا ہر طبقہ اپنی نوعیت، کیفیت اور فطری مقاصد کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن اصل زوجیت ان سب میں وہی ایک ہے۔ البتہ انواعِ حیوانات میں انسان کو خاص کرکے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے زوجین کا تعلق محض شہوانی نہ ہو بلکہ محبت اور انس کا تعلق ہو دل کے لگاؤ اور روحوں کے اتصال کا تعلق ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے رازدار اور شریک رنج و راحت ہوں، ان کے درمیان ایسی معیت اور دائمی وابستگی ہو جیسی لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔ دونوں صنفوں کا یہی تعلق دراصل انسانی تمدن کی عمارت کا سنگِ بنیاد ہے اس ربط و تعلق کے بغیر نہ انسانی تمدن کی تعمیر ممکن ہے اور نہ ہی کسی انسانی خاندان کی تنظیم۔ جب یہ قانونِ زوجی خالقِ کائنات کی طرف سے ہے تو یہ کبھی صنفی میلان کو کچلنے اور فنا کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اس سے نفرت اور کلی اجتناب کی تعلیم دینے والا بھی نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس میں لازماً ایسی گنجائش رکھی گئی ہے کہ انسان اپنی فطرت کے اس اقتضاء کو پورا کرسکے حیوانی سرشت کے اقتضاء اور کارخانۂ قدرت کے مقرر کردہ اصول وطریقہ کو جاری رکھنے کے لیے قدرت نے صنفی انتشار کے تمام دروازے مسدود کردیئے، اور ''نکاح'' کی صورت میں صرف ایک دروازہ کھولا۔ کسی بھی آسمانی مذہب و شریعت نے اس کے بغیر مرد وعورت کے باہمی اجتماع کو جائز قرار نہیں دیا۔ پھر اسلامی شریعت میں یہاں تک حکم دیا گیا ہے کہ اس فطری ضرورت کو تم پورا کرو، مگر منتشر اور بے ضابطہ تعلقات میں نہیں، چوری چھپے بھی نہیں، کھلے بندوں بے حیائی کے طریقے پر بھی نہیں؛ بلکہ باقاعدہ اعلان و اظہار کے ساتھ، تاکہ تمہاری سوسائٹی میں یہ بات معلوم اور مسلم ہوجائے کہ فلاں مرد اور عورت ایک دوسرے کے ہوچکے ہیں۔

نبی کریم ﷺ ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے، جو تہذیب وتمدن کے ابتدائی درجہ میں تھی آپ ﷺ کے سپرد اللہ نے صرف یہی کام نہیں کیا تھا کہ اُن کے عقائد وخیالات درست کریں؛ بلکہ یہ خدمت بھی آپ ﷺ کے سپرد تھی کہ ان کا طرزِ زندگی، بود و باش اور رہن سہن بھی ٹھیک اور درست کریں۔ ان کو انسان بنائیں، انہیں شائستہ اخلاق، پاکیزہ معاشرت، مہذّب تمدن، نیک

معاملات اور عمدہ آداب کی تعلیم دیں، یہ مقصد محض وعظ وتلقین اور قیل وقال سے پورا نہیں ہوسکتا تھا، تیس سال کی مختصر مدتِ حیات میں ایک پوری قوم کو وحشیت کے بہت نیچے مقام سے اٹھا کر تہذیب کے بلندترین مرتبہ تک پہنچا دینا اس طرح ممکن نہ تھا کہ محض مخصوص اوقات میں ان کو بلا کر کچھ زبانی ہدایات دیدی جائیں۔ اس کے لیے ضرورت تھی کہ آپ ﷺ خود اپنی زندگی میں ان کے سامنے انسانیت کا ایک مکمل ترین نمونہ پیش کرتے اور ان کو پورا موقع دیتے کہ اس نمونہ کو دیکھیں اور اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق بنائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہ آپ ﷺ کا انتہائی ایثار تھا کہ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبہ کو قوم کی تعلیم کے لیے عام کردیا۔ اپنی کسی چیز کو بھی پرائیویٹ اور مخصوص نہ رکھا۔ حتی کہ ان معاملات کو بھی نہ چھپایا جنھیں دنیا میں کوئی شخص عوام کے لئے کھولنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ نے اتنا غیر معمولی ایثار اس لئے کیا تاکہ رہتی دنیا تک کے لئے لوگوں کو بہترین نمونہ اور عمدہ نظیر مل سکے۔ اسی اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے آپ ﷺ نے متعدد نکاح فرمایا۔ تاکہ آپ ﷺ کی نجی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق اور اعتماد کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیاء اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواجِ مطہراتؓ کے ذریعہ سے ہوجائے۔

تنہائی کے اضطراب میں، مصیبتوں کے ہجوم میں اور ستمگاریوں کے تلاطم میں ساتھ دینے والی آپ ﷺ کی غمگسار بیوی ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کا رمضان ۱۰ھ نبوت میں جب انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے چار سال بعد یہ ضروری سمجھا کہ آپ ﷺ کے حرم میں کوئی ایسی چھوٹی عمر کی خاتون داخل ہوں جھنوں نے اپنی آنکھ اسلامی ماحول میں ہی میں کھولی ہو اور جو نبی ﷺ کے گھرانے میں آکر پروان چڑھیں، تاکہ ان کی تعلیم وتربیت ہر لحاظ سے مکمل اور مثالی طریقہ پر ہو اور وہ مسلمان عورتوں اور مردوں میں اسلامی تعلیمات پھیلانے کا مؤثر ترین ذریعہ بن سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے مشیت الٰہی نے حضرت عائشہؓ کو منتخب فرمایا اور شوال ۳ھ قبل الہجرہ مطابق ۶۲۰ء مئی میں حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا، اس وقت حضرت عائشہ کی عمر جمہور علماء کے یہاں چھ سال تھی اور تین سال بعد جب وہ ۹ سال کی ہوچکی تھیں اور اُن کی والدۂ محترمہ حضرت ام رومانؓ نے آثار وقرائن سے یہ اطمینان حاصل کرلیا تھا کہ وہ اب اس عمر کو پہنچ چکی ہیں

کہ رخصتی کی جاسکتی ہے تو نبی اکرم ﷺ کے پاس روانہ فرمایا اور اس طرح رخصتی کا عمل انجام پایا۔

(مسلم جلد۲، صفحہ ۴۵۶، اعلام النساء صفحہ ۱۱، جلد ۳، مطبوعہ بیروت)

حضرت عائشہؓ کے والدین کا گھر تو پہلے ہی نورِ اسلام سے منور تھا، عالمِ طفولیت ہی میں انہیں کاشانۂ نبوت تک پہنچادیا گیا تاکہ ان کی سادہ لوح دل پر اسلامی تعلیم کا گہرا نقش مرتسم ہوجائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی اس نوعمری میں کتاب وسنت کے علوم میں گہری بصیرت حاصل کی۔ اسوۂ حسنہ اور آنحضور ﷺ کے اعمال وارشادات کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھا اور درس وتدریس اور نقل وروایت کے ذریعہ سے اُسے پوری امت کے حوالہ کردیا۔ حضرت عائشہؓ کے اپنے اقوال وآثار کے علاوہ اُن سے دوہزار دوسودس (۲۲۱۰) مرفوع احادیث صحیحہ مروی ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کو چھوڑ کر صحابہ وصحابیات میں سے کسی کی بھی تعدادِ حدیث اس سے زائد نہیں۔

بعض مریضانہ ذہن وفکر رکھنے والے افراد کے ذہن میں یہ خلش اور الجھن پائی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی حضرت عائشہؓ سے اس کم سنی میں نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ کہ اس چھوٹی سی عمر میں حضرت عائشہؓ سے نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے موزوں اور مناسب نہیں تھا؟ چنانچہ ایک یہودی مستشرق نے انٹرنیٹ پر اس قسم کا اعتراض بھی اٹھایا ہے اور اس طرح اس نے بعض حقائق و واقعات، سماجی روایات، موسمی حالات اور طبی تحقیقات سے اعراض اور چشم پوشی کا اظہار بھی کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے نکاح اور رخصتی اس کم سنی میں کیوں کر ہوئی؟

یہ اعتراض درحقیقت اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ حضرت عائشہؓ میں وہ اہلیت وصلاحیت پیدا نہیں ہوئی تھی جو ایک خاتون کو اپنے شوہر کے پاس جانے کے لئے درکار ہوتی ہے، حالانکہ اگر عرب کے اس وقت کے جغرافیائی ماحول اور آب وہوا کا تاریخی مطالعہ کریں تو یہ واقعات اس مفروضہ کی بنیاد کو کھوکھلی کردیں گے، جس کی بناء پر حضرت عائشہؓ کے نکاح کے سلسلہ میں ناروا اور بیجا طریقہ پر لب کو حرکت اور قلم کو جنبش دی گئی ہے۔ سب سے پہلے یہ ذہن میں رہے کہ اسلامی شریعت میں صحت نکاح کے لیے بلوغ شرط نہیں ہے سورہ ''الطلاق'' میں نابالغہ کی عدت تین ماہ بتائی گئی ہے، واللائی لم یحضن (المائدہ:۴) اور ظاہر ہے کہ عدت کا سوال اسی عورت کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے شوہر خلوت کرچکا ہو؛ کیوں کہ خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں سرے سے کوئی عدت ہی نہیں ہے۔ (الاحزاب:۴۹) اس لیے ''واللائی لم یحضن'' سے

ایسی عورت کی عدت بیان کرنا جنھیں ماہواری آنا شروع نہ ہوا ہو صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کردینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ (احکام القرآن للجصاص جلد۲، صفحہ ۶۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۷ صفحہ ۱۸)

حضرت عائشہؓ کی نسبت قابل وثوق ذرائع سے معلوم ہے کہ ان کے جسمانی قوی بہت بہتر تھے اور ان میں قوت نشو ونما بہت زیادہ تھی۔ ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتوں کے غیر معمولی نشو ونما کی صلاحیت ہے۔ دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح قد وقامت میں بھی بالیدگی کی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔ اس لیے بہت تھوڑی عمر میں وہ قوت حضرت عائشہؓ میں پیدا ہوگئی تھی جو شوہر کے پاس جانے کے لیے ایک عورت میں ضروری ہوتی ہے۔ داؤدی نے لکھا ہے کہ و کانت عائشة شبت شبابا حسنا یعنی حضرت عائشہؓ نے بہت عمدگی کے ساتھ سن شباب تک ترقی کی تھی (نووی ۳/۴۵۶) حضرت عائشہ کے طبعی حالات تو ایسے تھے ہی، ان کی والدہ محترمہ نے ان کے لیے ایسی باتوں کا بھی خاص اہتمام کیا تھا جو ان کے لیے جسمانی نشو ونما پانے میں ممد ومعاون ثابت ہوئی۔ چنانچہ ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۹۸ اور ابن ماجہ صفحہ ۲۴۶ میں خود حضرت عائشہؓ کا بیان مذکور ہے کہ ''میری والدہ نے میری جسمانی ترقی کے لیے بہترے تدبیریں کیں۔ آخر ایک تدبیر سے خاطر خواہ فائدہ ہوا، اور میرے جسمانی حالات میں بہترین انقلاب پیدا ہوگیا'' —— اس کے ساتھ اس نکتہ کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کو خود ان کی والدہ نے بدون اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے رخصتی کا تقاضا کیا گیا ہو، خدمتِ نبوی میں بھیجا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ کوئی ماں اپنی بیٹی کی دشمن نہیں ہوتی؛ بلکہ لڑکی سب سے زیادہ اپنی ماں ہی کی عزیز اور محبوب ہوتی ہے۔ اس لیے ناممکن اور محال ہے کہ انھوں نے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی صلاحیت واہلیت سے پہلے ان کی رخصتی کردیا ہو اور اگر تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ عرب میں عموماً لڑکیاں ۹ ربرس میں بالغ نہ ہوتی ہوں تو اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے کہ استثنائی شکل میں طبی اعتبار سے اپنی ٹھوس صحت کے پس منظر میں کوئی لڑکی خلافِ عادت ۹ ربرس ہی میں بالغ ہوجائے، جو ذہن ودماغ منفی سوچ کا عادی بن گئے ہوں اور وہ صرف شکوک وشبہات کے جال بننے کے خوگر ہوں انھیں تو یہ واقعہ جہالت یا تجاہل عارفانہ کے طور پر حیرت انگیز بنا کر پیش کرے گا؛ لیکن جو ہر طرح کی ذہنی عصبیت وجانبداری کے خول سے باہر نکل کر عدل وانصاف

کے تناظر میں تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہوں وہ جان لیں کہ نہایت مستند طریقہ سے ثابت ہے کہ عرب میں بعض لڑکیاں ۹/برس میں ماں اوراٹھارہ برس کی عمر میں نانی بن گئی ہیں۔ سنن دار قطنی میں ہے حدثنی عباد بن عباد المهلبی قال ادركت فينا يعنی المهالبة امرأة صارت جدة وهی بنت ثمان عشرة سنة، ولدت تسع سنين ابنة، فولدت ابنتها لتسع سنين فصارت هی جدة وهی بنت ثمان عشرة سنة (دار قطنی، جلد۳، صفحہ ۳۲۲، مطبوعہ: لاہور پاکستان) خود ہمارے ملک ہندوستان میں یہ خبر کافی تحقیق کے بعد شائع ہوئی ہے کہ وکٹوریہ ہسپتال دہلی میں ایک سات سال سے کم عمر کی لڑکی نے ایک بچہ جنا ہے۔ (دیکھئے اخبار ''مدینہ'' بجنور، مجریہ یکم جولائی ۱۹۳۴ء بحوالہ نصرت الحدیث صفحہ ۱۷۱)

جب ہندوستان جیسے معتدل اور متوسط ماحول وآب وہوا والے ملک میں سات برس کی لڑکی میں یہ استعداد پیدا ہوسکتی ہے تو عرب کے گرم آب وہوا والے ملک میں ۹/سال کی لڑکی میں اس صلاحیت کا پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی لڑکی ام کلثوم کا نکاح عروۃ بن الزبیر سے اور عروۃ بن الزبیر نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے بھتیجے سے اور عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی نے اپنی لڑکی کا نکاح ابن المسیب بن نخبۃ سے کم سنی میں کیا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد۷، صفحہ ۱۸۰)

ان حضرات کا کم سنی میں اپنی لڑکیوں کا نکاح کردینا بھی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس وقت بہت معمولی عمر میں ہی بعض لڑکیوں میں شادی وخلوت کی صلاحیت پیدا ہوجاتی تھی، تو اگر حضرت عائشہؓ کا نکاح ۶/برس کی عمر میں ہوا تو اس میں کیا استبعاد ہے کہ ان میں جنسی صلاحیتیں پیدا نہ ہوئی ہوں۔ جیسا کہ ابھی ثابت ہوچکا ہے کہ ان کی والدہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام کیا تھا — الغرض شوہر سے ملنے کے لیے ایک عورت میں جو صلاحیتیں ضروری ہوتی ہیں وہ سب حضرت عائشہؓ میں موجود تھیں۔ لہٰذا اب یہ خیال انتہائی فاسد ذہن کا غماز ہوگا اور موسمی، ملکی، خاندانی اور طبی حالات سے اعراض اور چشم پوشی کا مترادف ہوگا کہ حضرت عائشہؓ سے کم سنی میں شادی کرنے کی آپ ﷺ کو کیا ضرورت تھی؟ — علاوہ ازیں حضرت عائشہ کے ماسوا، جملہ ازواج مطہراتؓ بیوہ، مطلقہ یا شوہر دیدہ تھیں، حضرت عائشہؓ سے کم سنی میں ہی اس لئے نکاح کرلیا گیا تاکہ وہ آپ ﷺ سے زیادہ عرصہ تک اکتسابِ علوم کرسکیں۔ اور حضرت عائشہؓ کے توسط سے لوگوں کو دین وشریعت کے زیادہ سے زیادہ علوم حاصل ہوسکیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد

حضرت عائشہؓ (۴۸) اڑتالیس سال زندہ رہیں، زرقانی کی روایت کے مطابق ۶۶ھ میں حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا۔ ۹ر برس میں رخصتی ہوئی آپ کے ساتھ ۹ر سال رہیں اور آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۸ برس تھی۔ (زرقانی، الاستیعاب) اور صحابہ وتابعین ان کی خداداد ذہانت و فراست، ذکاوت وبصیرت اور علم وعرفان سے فیض حاصل کرتے رہے، اور اس طرح ان کے علمی و عرفانی فیوض وبرکات ایک لمبے عرصہ تک جاری رہے۔ (زرقانی جلد۳، صفحہ ۲۲۹-۲۳۶)

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سوا کوئی ایسا آدمی دنیا میں نہیں گزرا جو کامل ۲۳ برس تک ہر وقت، ہر حال میں منظر عام پر زندگی بسر کرلے، سینکڑوں ہزاروں آدمی اس کی ایک ایک حرکت کے تجسس میں لگے ہوئے ہوں۔ اپنے گھر میں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوئے بھی اس کی جانچ پڑتال ہو رہی ہو اور اتنی گہری تلاش کے بعد نہ صرف یہ کہ اس کے کیریکٹر پر ایک سیاہ چھینٹ تک نظر نہ آئے؛ بلکہ یہ ثابت ہو کہ جو کچھ وہ دوسروں کو تعلیم دیتا تھا، خود اس کی اپنی زندگی اس تعلیم کا مکمل نمونہ تھی؛ بلکہ یہ ثابت ہو کہ اس طویل زندگی میں وہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی عدل وتقویٰ اور سچائی و پاکیزگی کے معیاری مقام سے نہیں ہٹا؛ بلکہ یہ ثابت ہو کہ جن لوگوں نے سب سے زیادہ قریب سے اس کو دیکھا وہی سب سے زیادہ اس کے گرویدہ اور معتقد ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی پوری آبادی میں ''انسانِ کامل'' کہلائے جانے کے آپ ﷺ ہی مستحق ہیں اور عیسائی سائنسداں نے جب تاریخ عالم میں ایسے شخص کو جو اپنی شخصیت کے جگمگاتے اور گہرے نقوش چھوڑے ہیں سب سے پہلے نمبر پر رکھ کر اپنی کتاب کا آغاز کرنا چاہا تو اس نے دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور اپنے من پسند کسی سائنسداں کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس کی نظر انتخاب اسی پر پڑی اور اسی سے اپنی کتاب کا آغاز کیا جسے دنیا حضرت محمد ﷺ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کی زندگی جلوت کی ہو یا خلوت کی ایک کامل نمونہ ہے اور اس میں ایسا اعتدال وتوازن پایا جاتا ہے کہ کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور جب کوئی ''یرقانی'' نظر والے آپ ﷺ کی زندگی میں کسی کمی کو تلاش کریں تو حقیقت پسند شاعر یہ کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہوگا۔

فرق آنکھوں میں نہیں، فرق ہے بینائی میں
عیب میں عیب، ہنرمند ہنر دیکھتے ہیں

انٹرنیٹ کی دنیا سے قریبی تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام کے خلاف مختلف شکوک و شبہات اور فتنے پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔اس قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ اور فتنوں کا سدِّ باب وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جولوگ انٹرنیٹ کے ذریعہ فتنے کے شوشے چھوڑ دیتے ہیں ان کا منظّم ومنصوبہ بند طریقہ پر جواب دیا جائے کسی وجہ سے اگر علماء براہِ راست انگریزی میں جواب نہیں دے سکتے تو ان کا علمی تعاون حاصل کرکے جواب کی اشاعت عمل میں لائی جاسکتی ہے، زندگی کا کارواں جب چلتا ہے تو گرد وغبار کا اٹھنا لازمی ہے؛ لیکن منزل کی طرف رواں دواں رہنے ہی میں منزل پر پہنچا جاسکتا ہے؛ لیکن اس کے لئے قدم میں طاقت اور دست و بازو میں قوت چاہئے۔　　ع

اس بحرِ حوادث میں قائم پہنچے گا وہی اب ساحل تک
جو موجِ بلاء کا خوگر ہو رخ پھیر سکے طوفانوں کا

❁　❁　❁

سماجی انصاف، عدلیہ اور عوام

از: حضرت مولانا محمد ولی رحمانی
سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی، مونگیر، بہار

کسی بھی سماج میں اختلاف اور نزاع فطری بات ہے، ایسے معاملات کو حل کرنے کے لئے لوگ خاندان اور سماج کے تجربہ کار بزرگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے فیصلہ کو مانتے ہیں، یہ اختلاف ذرا بڑا ہو، تو اکثر و بیشتر حضرات خاندان اور سماج کے بزرگوں کے بجائے حکومت کی عدالتوں میں جاتے ہیں، صرف اس لئے کہ عدالتیں اپنے فیصلہ کو نافذ کرانے کے لئے پولیس کی طاقت اور حکومت کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ اسی طاقت اور صلاحیت کے لئے قانون اسلامی کی اصطلاح میں قوت نافذہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ قوت نافذہ یا پولیس کی طاقت اور حکومت کی صلاحیت ''فیصلہ'' کا حصہ نہیں ہے، فیصلہ کا مطلب ہے قانون کے مطابق حق اور سچ کا اظہار۔ کسی بھی معاملہ میں سچ کو جھوٹ سے الگ کرنا، دعویٰ اور دلیل کی مطابقت دیکھنا، شہادتوں کا جائزہ لینا، فیصلہ کرنے والے کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

فیصلہ کرنے والوں کی فطری صلاحیت، علمی لیاقت اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی قوت یکساں نہیں ہوتی، جیسے جیسے وقت گذرتا جارہا ہے، فیصلہ کرنے والوں کی غیر جانبداری بھی مشتبہ ہوتی جارہی ہے، یہ غیر جانبداری فیصلہ کرنے والے کے لئے بہت اہم ضرورت اور بڑی قیمتی صفت ہے۔ اسلامی قانون کی زبان میں فیصلہ کرنے والے کے لئے ''عدالت'' کی شرط بھی ہے، جس کے دائرہ میں غیر جانبداری بھی آتی ہے۔ حکومت کی عدالتوں میں فیصلہ کرنے والوں کے لئے بھی یہ شرط موجود ہے، اور ججوں سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ وطن سے محبت اور قانون کے احترام کے جذبہ کے تحت غیر جانبدار رہیں گے، اور ایسا فیصلہ کریں گے، جو ان کی لیاقت، قابلیت اور شہادت کے لحاظ سے درست ہو۔ ان فیصلوں میں سچ کی حمایت اور حق کا اظہار ہوگا، غیر جانبداری اور دیانتداری ہر حال میں برقرار رہے گی۔

اولاً فیصلے کرنے والوں کی فطری صلاحیت اور علمی لیاقت میں بڑا فرق و فاصلہ ہوتا ہے،

دوسرے یہ بھی حقیقت ہے کہ وطن عزیز میں عدالتوں کی غیر جانبداری اور شک وشبہ سے بالاتر دیانتداری پر بھی انگلیاں اٹھنے لگی ہیں اور مختلف پہلوؤں سے ایسے سوالات سامنے آرہے ہیں جو ججوں کی ایمانداری پر پائی جانے والی بے چینی کو ظاہر کرتے ہیں، یہ آوازیں ابھی بلند نہیں ہیں، نہ کسی گروپ یا جماعت نے اس کو اپنے ایجنڈا کا حصہ بنایا ہے، جس کی وجہ احترام عدالت کا قانون (آرٹیکل ۲۱۵) کنٹمپٹ آف کورٹ (Contempt of Court) ہے، لیکن عدالتوں کے بارے میں دانشوروں کا ذہن بہت صاف نہیں ہے اور نہ ان کی ایمانداری اور غیر جانبداری پر بہت زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔

یہ بہت ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے کہ سپریم کورٹ کے فاضل اور قابل احترام ججوں کے سامنے بھی یہ حقیقت رہی ہے، شاید اسی لئے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے جی بالا کرشنن کو یہ کہتے ہوئے ججوں کا دفاع کرنا پڑا کہ ''محض مٹھی بھر جج الزامات کے گھیرے میں ہیں، میرے خیال میں، اونچی عدالتوں کے جج صاحبان میں بڑے پیمانہ پر بھرسٹاچار پھیلا ہوا نہیں ہے۔'' چیف جسٹس محترم نے یہ بھی کہا کہ ''ججوں کو اپنی جائداد کی سالانہ تفصیل بتانا ضروری نہیں۔''

واضح رہے کہ یہ سوال چیف جسٹس محترم سے اسی پس منظر میں کیا گیا تھا کہ جسٹس ایس پی بھروچا نے کہا تھا کہ ۲۰ فیصد جج بے ایمان (بھرسٹ) ہیں۔ اسی طرح ادارہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے ایک سروے کے مطابق ۶۳ فیصد دیس کے رہنے والوں نے عدلیہ کو بے ایمان (بھرسٹ) بتایا تھا۔ چیف جسٹس محترم نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میری رائے ہے کہ موجودہ جسٹس حضرات میں بے ایمانوں کی اتنی بڑی تعداد نہیں ہے، یقینی طور پر یہ اعداد وشمار مبالغہ آمیز ہیں۔'' (بحوالہ روزنامہ ''ہندوستان'' ہندی، دہلی ۲/۵/۷ ۲۰۰ء)۔

مختلف وجوہ کی بناء پر عدالتوں کے نظم کو مرحلہ وار بنایا گیا ہے اور مقامی عدالتوں کے بعد ضلع کی عدالتیں ہیں، پھر صوبہ کی عدالتیں، اور سب کے اوپر سپریم کورٹ ہے، یہ مرحلے اس لئے بھی بنائے گئے ہیں، تاکہ مدعی یا مدعا علیہ کو ''انصاف ملنے میں'' کسی کمی کوتاہی کا احساس ہو، تو وہ عدالت بالا سے رجوع کرسکے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہماری عدالتوں میں انصاف بہت دیر سے ملا کرتا ہے اور انصاف تک پہنچنے کے مرحلے بہت گراں ہوگئے ہیں، عدالتوں پر کاموں کا بوجھ روز بروز بڑھتا جارہا ہے، اور وکلاء کی فیس بڑے شہروں میں رہنے اور مقدمہ کی پیروی کے لئے ہونے والے گرانبار اخراجات بعض دفعہ کمزور حقداروں کو حق سے دستبردار ہونے اور تھک کر گھر بیٹھ جانے

پر بھی مجبور کردیتے ہیں۔

عدالتوں میں وکیلوں کی فیس لاکھ دو لاکھ روپئے عام بات ہے، پھر وکلاء کی باہمی ملی جلی تدبیروں اور دیر سے فیصلہ کرانے کی تکنیک کی وجہ سے بھی فیصلوں میں بہت دیر لگ جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے کورٹ کا یہ بھی ریکارڈ ہے کہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ۱۳۶ سال پر ہوا، جبکہ مدعی اور مدعا علیہ کی کئی پشتیں ختم ہوگئیں، اس دوران ملک غلامی سے آزاد ہوا اور حکومتوں پر حکومتیں بدلتی رہیں، جج آتے اور جاتے رہے۔ فیصلہ ٹلتا رہا اور جب آخری فیصلہ ہوا تو ۱۳۶ سال گذر چکے تھے، حکومت اور عدالتوں کو بھی اس ''تاخیر'' کا پورا احساس ہے، اس لئے ہر سطح پر ججوں کی تعداد بڑھائی جارہی ہے، نئے نئے صوبے بنے تو ان کے ہائی کورٹ بھی نئے بنے۔ اس طرح عدلیہ کو چست درست بنانے اور جلد انصاف دلانے کا جذبہ اور عمل جاری ہے۔

عدالتوں میں پھر بھی فیصلہ میں بڑا وقت لگ جاتا ہے، میرے علم میں ایک پڑھے لکھے گھرانہ کا عائلی مقدمہ ہے، جن میں بیوی اور شوہر دونوں معیاری تعلیم یافتہ تھے اور شادی کورٹ سے رجسٹرڈ کرائی گئی تھی، دو اولاد بھی ہوئی، مگر علیحدگی کی ضرورت پڑگئی، طلاق کا اختیار کورٹ کو تھا؛ معاملہ زیریں عدالت میں پہنچا تو بات علیحدگی سے زیادہ اسباب علیحدگی کی آگئی، پھر گھر کے قضیے عدالت میں بیان ہوئے اور اندرونی جھگڑوں نے عدالت میں رگڑے کی شکل لی اور ایسی بحثیں ہوئی، کہ اللہ کی پناہ۔ تقریباً تیرہ سال بعد نچلی عدالت سے فیصلہ ہوا تو معاملہ اوپر کی عدالت میں لے جایا گیا، پھر تاریخ پہ تاریخیں! — آہ کو چاہئے ایک عمر اثر ہونے تک — مجھ سے ملاقات ہوگئی تو صاحب معاملہ کہنے لگے کہ ''آپ کے یہاں اچھا ہے کہ طلاق دے کر چھٹکارا ہوجاتا ہے، یا خلع اور فسخ کی راہ بن جاتی ہے، میں ریٹائرڈ ہوجاؤں گا تب دوسری شادی کی نوبت آسکے گی۔''

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس میں کاموں کا بوجھ اتنا بڑھ چکا ہے کہ لاکھوں مقدمات برسوں سے فیصلہ کے انتظار میں ہیں اور چند سال پیشتر کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ان عدالتوں میں چھتیس لاکھ سے زیادہ مقدمات پنڈنگ ہیں، مقدمات کو جلد نبٹانے کے لئے مرکزی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ سپریم کورٹ میں ججوں کی تعداد پچیس سے بڑھا کر تیس کردی جائے، لیکن خود سپریم کورٹ میں جتنے مقدمات زیر سماعت یا زیر فیصلہ ہیں، ان کی مجموعی تعداد کے مقابلہ میں پانچ ججوں کے اضافہ سے کوئی بڑی تبدیلی نظر آنے والی نہیں ہے، یہ اضافی تعداد صرف سولہ سترہ فیصد مقدمات کے تصفیہ میں آسانی پیدا کرسکیں گے، اور فیصلہ کی رفتار سولہ سترہ فیصد بڑھے گی، جبکہ

انصاف کا تقاضہ ہے کہ سپریم کورٹ کی رفتار کم ازکم سو فیصد تیز کی جائے، تاکہ روزانہ جتنے مقدمات سپریم کورٹ میں آرہے ہیں، کم ازکم روزانہ اتنے ہی مقدمات فیصل ہوتے رہیں، پھر بھی جو مقدمات پنڈنگ ہیں ان کے فیصلہ کی راہ نکالنا سپریم کورٹ اور حکومت کی ذمہ داری ہے!

یہ ساری حقیقتیں عدالتوں اور حکومتوں کی نگاہ میں ہیں، اسی لئے انصاف جلد دلانے کے لئے مختلف قسم اور درجوں کے کورٹ بنائے گئے ہیں، مختلف ڈپارٹمنٹ کے اپیلیٹ کورٹ ہیں، محکمہ ٹیلی فون کا ڈپارٹمنٹل کورٹ ہے، بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کو دور کرنے کے لئے کنزیومر کورٹ ہے اور مرکز، صوبہ سے لے کر ضلع کی حد تک اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، اس میں جوڈیشیل سروس کے علاوہ سماجی کارکن، قانون داں اور دانشور بھی فیصلہ کرنے والوں میں شامل ہوتے ہیں، چاہے انہیں قانون سے اچھی واقفیت ہو، یا نہیں۔! ہر ضلع میں لوک عدالت بنائی گئی ہے، اس میں جوڈیشیل سروس کا ایک نمائندہ ہوتا ہے، اس عدالت کے ارکان میں وکیل کے علاوہ شوشل ورکر بھی ہوتے ہیں، جو قانون نہ جانتے ہوئے بھی فیصلہ میں شریک ہوتے ہیں، اس کورٹ میں زیادہ تر قرض اور زمین کے معاملات آتے ہیں۔

اسی طرح فاسٹ ٹریک کورٹ کا نظم کیا گیا ہے، جسے ویوہار نیایالے (عملی عدالتیں) کہا جاتا ہے، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ فیصلے جلد اور کم خرچ ہوں، فیملی کورٹس بھی بنائے گئے ہیں، جن کا دائرہ فیملی امور تک محدود ہے، اور اب پنچایتی راج نظام کے تحت ہر ایک سرپنچ کو مختصر ٹریننگ کے بعد فیصلہ کا اختیار دیا جاتا ہے، یہ سرپنچ فیملی معاملات کو بھی اپنے اپنے دائرہ کار میں فیصلہ کیا کرتے ہیں، مکھیا اور وارڈ ممبر، سمیتی ممبر کی الیکشن کے نتیجہ میں ہر گاؤں ذہنی اعتبار سے الگ الگ شخصیتوں کے گرد گھومتا ہے، ان کے درمیان سرپنچ پر فیصلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے، جو لازمی طور پر کسی ایک حلقہ اور گروپ سے وابستہ ہوتا ہے، جس کی تعلیمی صلاحیت کا کوئی معیار نہیں ہے، وہ کتنے صحیح اور غیر جانبدار فیصلے کرسکتا ہے؟ اس پر کسی بھی رائے زنی کی ضرورت نہیں ہے!

حکومت نے ان سارے سسٹم کو نافذ کیا ہے، تاکہ دوسرے معاملات کے ساتھ ساتھ فیملی معاملات طے پائیں، حکومت نے فیملی معاملات کے فیصلہ کا اختیار ان لوگوں کو بھی دیا ہے، جس کا علم نہ ہونے کے برابر اور جن کی غیر جانبداری شک وشبہ کے دائرہ میں رہتی ہے — پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ حکومت ہند نے ناگا قبائل سے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں ان کے رواجی قوانین کو بڑی اہمیت دی گئی، یہ رواجی قوانین نہ مذہبی ہیں اور نہ لکھے ہوئے ہیں، اس معاہدہ کے تحت ناگا قبائل کے

قوانین کو نہ پارلیمنٹ کے ذریعہ بدلا جاسکتا ہے اور نہ سپریم کورٹ کا فیصلہ ان پر اثر انداز ہوسکتا ہے، ناگا قبائل کی پنچایت کا فیصلہ ناگاؤں کے لئے فائنل ہے اور معاہدہ کے تحت عدالتیں ان فیصلوں کے مقابلہ میں کچھ نہیں کرسکتیں۔

مختلف ذاتوں کی اپنی اپنی پنچایت ہے، جہاں ان کے معاملات کا فیصلہ ہوتا ہے اور اس ذات سے تعلق رکھنے والے شادی بیاہ، تقسیم جائیداد، لین دین، مار پیٹ جیسے معاملات کے فیصلے اسی پنچایت میں ہوتے ہیں، اور سماجی تنظیم کے بل بوتے پر انہیں نافذ کیا جاتا ہے، ان میں خاص طور پر گوجر سماج، مینا سماج، ماڑواری سماج کی الگ الگ علاقوں میں پنچایتیں ہیں، جو فیصلہ کیا کرتی ہیں، اسی طرح دلت سماج میں علیحدہ علیحدہ ذاتوں کی علاقہ وار پنچایت کا عام رواج ہے، مختلف علاقوں میں آدی باسیوں کی بھی پنچایت موجود ہے، جو آدی باسی رواج اور روایت کے پیش نظر فیصلے کرتی ہے اور عام طور اسے جھگڑا توڑ کہا جاتا ہے۔

وطن عزیز ہندوستان میں فیصلے کرنے اور انصاف پانے کے یہ بہت سے طریقے ہیں، جن میں بہت سارے سرکاری ہیں اور اچھی خاصی تعداد غیر سرکاری کی بھی ہے، یہ غیر سرکاری عدالتیں یا پنچایتیں بھی انصاف کرتی ہیں اور متعلق لوگ ان کے فیصلوں کو رضا کارانہ قبول کرتے ہیں، سرکاری عدالتیں نہیں سمجھتیں اور نہ حکومت یہ مانتی ہے کہ یہ پنچایتیں یا عدالتیں سرکاری عدالتوں کے متوازی ہیں، یا ان کی وجہ سے اسٹیٹ اندر اسٹیٹ کی صورت پیدا ہورہی ہے، پورے ملک میں پھیلی چھوٹی چھوٹی پنچایتیں سرکاری عدالتوں کے بوجھ کو ہلکا اور کام کو آسان کرتی ہیں۔ پھر آربٹریشن ایکٹ Arbitration Act خود غیر سرکاری طریقۂ فیصلہ کی ہمت افزائی کرتا ہے اور ثالثی کے ذریعہ آسانی کے ساتھ انصاف پانے کی راہ کو قانونی تحفظ دیتا ہے۔

ان شکلوں کی موجودگی میں گھریلو امور کے حل اور عائلی اختلافات کو دور کرنے اور مسلمانوں میں شریعت کے مطابق فیصلہ پانے کے لئے دارالقضاء کے نظم کو قائم کرنا مفید ہے اور اسے پھیلانا سماجی برائی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اور نہ صرف آربٹریشن ایکٹ کے پیش نظر دارالقضاء کو ایک مفید سماجی سسٹم ماننا چاہئے؛ بلکہ حکومت کے طرز عمل ''آسان فیصلہ اور جلد فیصلہ'' کے زاویہ نظر سے اسے دیکھنا چاہئے۔ دارالقضاء کے قاضی شرعی علم، اصولِ شہادت اور رفع نزاع کے ماہر اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں، وہ دیانت اور عدالت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور تصفیہ کے کام کو خدا کی رضا اور باہمی جھگڑوں کو مٹانے کے جذبہ سے کیا کرتے ہیں۔

دینی مدارس
اعتدال پسند اور انسانیت نواز ادارے ہیں

از: سہیل اختر
متعلّم دارالعلوم دیوبند

مدارس اسلامیہ، مکاتب دینیہ شرعی اداروں کے قیام کے مقاصد، اغراض اورفوائد ارباب عقل ودانش پر مخفی نہیں ہے؛ کن عصری مجبوریوں، قومی ضرورتوں اور ملی تقاضوں کی بنیاد پر مدارس، مکاتب اوراسلامی تعلیم گاہوں کا باضابطہ طور پر قدیم اسلوب سے انحراف کرتے ہوئے انہیں روایتی خطوط پر مزید اضافہ، جدید اسلوب اور مفید و مستحکم عناصر کے ساتھ قیام عمل میں آیا؛ مدارس اسلامیہ کے تاریخی حالات سے آشنا حضرات اس پس منظر اور نکتۂ تبدیلی سے بخوبی آگاہ ہیں۔ مدارس اسلامیہ کی اولین ترجیح اسلام کا تحفظ، اسلامی اقدار کی صیانت اورشرعی وملی مسائل کا حل ہے اوراس کا نمایاں ہدف ایسے رجال کار کو پیدا کرنا ہے جوامت کی فلاح و بہبودی کی خواہش لئے ہوئے عصری شرور وفتن کے انسداد، تخریبی وطاغوتی قوتوں کی سرکوبی کے لئے مستعد اور ہرنوعیت کی علمی، عملی، شعوری اورحربی سرگرمیوں کوانجام دینے کی طاقت رکھتے ہوں جوملت اسلامیہ پر منڈلانے والے داخلی وخارجی خطرات کا دفاع کرسکتے ہوں، اسلامی اورقرآنی علوم کی اشاعت اور دینی امور کی تبلیغ کا مخلصانہ جذبہ رکھتے ہوں، امت میں بیداری، جذبۂ حریت اور اسلامی ذہنیت کو وسعت کے ساتھ پھیلانے کی قوت رکھتے ہوں، اخلاص، للّٰہیت اوریکسوئی کے ساتھ خدمات انجام دینے کی سکت رکھتے ہوں، مسائل سے آشنا، حالات سے باخبر اور مخالف عناصر سے بخوبی آگاہ ہو، دعوتی ودینی راہوں میں ناپسندیدہ عوارض پیش آنے سے چراغ پا ہونے کے بجائے ضبط کا مادہ رکھتے ہوں اورقرآنی احکامات، نبوی ارشادات اورصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اصول حیات پر عمل پیرا ہوں۔

مدارس عربیہ اوردینی ادارے صدیوں سے ایک مخصوص نظم ونسق کے ساتھ آزادانہ دینی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں ان مدارس سے ایسے علماء اور قرآن، احادیث اوراس سے متعلقہ علوم

کے ایسے ماہرین پیدا ہو رہے ہیں جو ہر معاملے میں عوام وخواص کی ذاتی وانفرادی نیز اجتماعی زندگی میں راہنمائی کرتے ہیں۔ کل ملا کر مدارس اسلامیہ اور دینی ادارے جن اغراض ومقاصد کے تئیں متحرک وفعال ہیں ان کے بارے میں کسی بھی پہلو سے Rong Fellng نہیں ہوسکتی اور ویسے بھی مدارس اسلامیہ کی صحیح تاریخی اسناد، ملی خدمات اور مدارس کے انسانیت پر احسانات سے آگاہ افراد کا یہی خیال ہے کہ مدارس بے داغ، صاف ستھرے اور انسانیت شناس ادارے ہوتے ہیں، جس سے انسانیت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان مدارس ومکاتب کے ذریعہ ہر زمانے میں قومی مقاصد کی تکمیل ہوئی ہے، تہذیب وتمدن کی حفاظت ہوئی ہے اور قومی سرمایوں کی حفاظت ہوئی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے۔ یہ ایک واشگاف اور حتمی حقیقت ہے۔ نیز جنگ آزادی کے تئیں مدارس کے مخلصانہ خدمات اور جانثارانہ کردار، دینی مدارس ومکاتب کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کی تشریح کے لئے کافی ہے پھر بھی اگر کوئی طبقہ مدارس اسلامیہ کے امیج کو دیدہ ودانستہ غلط کردار میں پیش کرتا ہے یا نادانستہ حقائق سے ناواقفیت کی بناء پر مدارس اسلامیہ کو زک دیتا ہے تو اس میں مدارس اسلامیہ کا کیا قصور ہے؟

موجودہ ہندوستان میں مدارس مخالف جو عام حالات ہیں یا مدارس پالیسی یا طریقۂ کار کے خلاف جو صدائیں بازگشت کر رہی ہیں وہ سب کے سب اسلام دشمنی کے جذبے سے معمور اور مغربی پروپیگنڈوں سے متاثر افراد کا کارنامہ ہے اور سچ یہ ہے کہ مدارس ومکاتب کو جو بعض برادران وطن دہشت گردی کے مراکز سے موسوم کرتے ہیں انہیں آزادی ہند کی صحیح تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

کیونکہ مدارس اسلامیہ کی کوکھ سے جنم لینے والے حضرت مولانا امام قاسم نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت مولانا جعفر تھانیسریؒ، حضرت مولانا حسرت موہانی، حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ، حضرت مولانا شوکت علیؒ اور حضرت مولانا مظہر الحقؒ نیز وہ متعدد علماء کرام جن کے قائدانہ کردار، سپاہیانہ رول اور رضاکارانہ خدمات سے جنگ آزادی کی تاریخ روشن ہے انہی مدارس کے سپوت تھے۔ جنھوں نے آزادی ہند کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے، جنھوں نے تقسیم وطن کی کھل کر مخالفت کی اور مشترک قومی نظریہ کی تائید کی، ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا اور مذاہب کی بنیاد پر آپسی اختلاف کی کھل کر مخالفت کی، جنھوں نے ملک کی آزادی کے لئے تن، من، دھن سب کی بازی لگا دی، قومی سالمیت کے لئے قربان ہوگئے۔ ہندوستان کو خارجی دخل اندازیوں، شورشوں اور

تخریبی عناصر سے پاک کرنے کے لئے سولی پر چڑھ گئے وہ ہزاروں نڈر، بے خوف، جری اور ملک کی محبت لئے ہوئے افراد، علماء اور مجاہدین آزادی انہیں مدارس اسلامیہ اور دینی اداروں کے فرزند تھے۔ مدارس اسلامیہ نے ان کی تربیت کرتے ہوئے جو نقوش چھوڑے تھے وہ فقط انسانیت نوازی، انسانیت دوستی، اعتدال پسندی اور حب الوطنی پر محمول تھے۔ جن مدارس کے اغراض ومقاصد اتنے پاک ہوں؛ جن کے خدمات اتنے بے داغ ہوں اور ملک پر جن کے اتنے احسانات ہوں وہ ملک کی سالمیت کے لئے خطرہ کیسے بن سکتے ہیں؟ وہ دہشت گردی کے مراکز کیسے قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ ان پر انتہا پسندی کے الزامات کیسے لگ سکتے ہیں؟ (عصری ادارے اور جامعات وغیرہ)

یہ ایک تاریخی وتحقیقاتی تجزیہ ہے مزید مدارس اور غیر مدارس کے ملکی وقومی سطح پر موجودہ خدمات کا موازنہ اور نظروں کے سامنے ہو رہے ان کے سپوتوں کی سرگرمیوں کا تجزیہ کیا جائے کہ کس کے اندر انسانیت نوازی، عدم تشدد اور قومی سالمیت کا جذبہ ہے؟ قوانین اور آئین ہند کی پرواہ سب سے زیادہ کس کو ہے؟ مروت، اخوت، قرابت، رواداری اور اعتدال پسندی کس کا شیوہ ہے؟ ذہنی آوارگی، جنسی انارکی اور اخلاقی گراوٹ کس کا وطیرہ ہے؟ ہندوستان کلچر و روایت اور تہذیب وتمدن کی حفاظت کس کا طرۂ امتیاز ہے؟ انسانی قدروں کی بے حرمتی، انسانی اعتبار و وقار کو مجروح کرنا اور مشرقی ثقافت کو مجروح کرنا کس کا پیشہ ہے؟ احتجاج، ہنگامہ آرائی، گروہ بندی، اسٹرائک، سرکاری دفاتر اور گاڑیوں کو نذر آتش کرنا یہ کن کی کارستانی ہے؟ تعلیم کے اساسی مقصد اخلاقی اقدار کی حفاظت کا خیال کس کو ہے؟ اور بابائے قوم گاندھی جی کی مثالی زندگی، سادہ زندگی، بلند خیالی، فکری پاکیزگی اور ان کے بتائے ہوئے رہنما خطوط کو مشعل راہ کون مانتا ہے؟ مدارس اسلامیہ کے طلباء کے کارناموں اور نیورسٹیوں، مخلوط تعلیم گاہوں اور کالجوں کے نونہالانوں کی کارستانیوں کا موازنہ کرنے سے حقیقت عیاں ہوجائے گی۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر بسہولت یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ قومی مقاصد کی تکمیل، ملکی مفاد کی پرواہ اور انسانیت کا خیال طلبہ مدارس کر رہے ہیں نہ کہ کوئی اور...

الغرض مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی کا مرکز اور طلباء مدارس کو شدت پسند، انتہا پسند اور آئی ایس آئی کا ایجنٹ کہنا، یہ الزامات کتنے صحیح ہیں اور کتنے غلط ہیں ایک منصف کیا ایک سیدھا سادہ آدمی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ملک کی یکجہتی، اتحاد واتفاق، ملکی سالمیت، دستور، قانون، عدلیہ اور سیکولرازم کا احترام جتنا دینی مدارس کرتے ہیں شاید ہی کوئی ادارہ کرتا ہوگا۔ بہرکیف دینی مدارس ومکاتب اعتدال پسند، انسانیت نواز اور اپنے ملک کے وفادار ادارے ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف

دارالعُلوم دیوبند میں تاریخ ساز کل ہند کانفرنس

از قلم: مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
استاذ دارالعلوم دیوبند و ناظم
عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ

یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہوچکی ہے کہ ساری دنیا میں دہشت گردی پھیلانے والا، دنیا کا ایک نمبر دہشت گرد، انسانیت کا قاتل، موت کا سوداگر، جارج بش ہے، جس نے دنیا کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے۔ بش نے اپنے تشدد پسند، جارحانہ اور توسیعی عزائم کو بروئے کار لانے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے گھناؤنے صلیبی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ''اسلامی دہشت گردی'' کی اصطلاح وضع کی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں اور صہیونیوں کا متحدہ محاذ قائم کرکے، نام نہاد دہشت گردی کے مقابلے کے لیے حقیقتاً دہشت گردی کا رویہ اختیار کیا گیا اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، افغانستان جیسے پرامن ملک کو تاخت وتاراج کردیا گیا، ایران اور شام نشانے پر ہیں، ہندوستان جیسے گنگا جمنی تہذیب کے حامل ملک کے امن و یک جہتی اور فرقہ وارانہ یگانگت کو ختم کرنے کے لیے یہاں بھی دہشت گردی کا شوشہ چھوڑا گیا۔ ڈور امریکہ سے ہلائی گئی اور دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بعض فرقہ پرستوں نے یہاں کے مدارس اور اسلامی مراکز تبلیغی جماعت کے افراد اور دین دار طبقہ پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کرنے کی کوشش شروع کردی۔

دارالعلوم دیوبند اور مدارس اسلامیہ، جنھوں نے ملک میں امن وامان کے قیام، فرقہ وارانہ یگانگت اور قومی یک جہتی و رواداری کے فروغ واستحکام میں تابناک کردار ادا کیا تھا اور ملک

وبیرون ملک میں ہندوستان کا نام روشن رکھنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی، جب اسلامی تعلیم کے ان میناروں کو دہشت گردی کا اڈہ کہا جانے لگا، ملک کی امن وسلامتی کے لیے انھیں خطرہ بتایا جانے لگا، ان پر قدغن لگانے، مدارس کو حکومت کے زیر کنٹرول لانے کی تدابیر کی جانے لگیں، مدارس اسلامیہ کے تاریخی وقومی کردار کو مجروح کیا جانے لگا، ان سے وابستہ افراد کو دہشت گردی کے نام پر بدنام کرنے کی مہم چھیڑ دی گئی، دہشت گردی کے مقابلے اور عدل وانصاف کے لیے الگ الگ پیمانے بنادیئے گئے اور اس سلسلہ میں حکومت نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور اس کرب ناک صورت حال کو ختم کرنے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی، بلکہ فرقہ پرستوں کی ہمت افزائی کی جاتی رہی، تو اکابر دارالعلوم خصوصاً کاروان دیوبند کے قافلہ سالار، امیر ملت اسلامیہ ہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم، مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ نے ذمہ داران واساتذۂ دارالعلوم کے مشورے سے ۲۵/فروری کو دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا، جس میں تمام اسلامی مکاتبِ فکر کے ذمہ داران اور ملی تنظیموں کے سربراہ اور مدارس اسلامیہ کے نمائندگان شریک ہوئے، مسلمانوں پر ہونے والی زیادتی کے خلاف متحدہ طور پر صدائے احتجاج بلند کی گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، وہ دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔ اسلام ہر طرح کی دہشت گردی کا شدید مخالف ہے، خواہ انفرادی دہشت گردی ہو یا جماعتی دہشت گردی ہو یا حکومتی دہشت گردی۔ کانفرنس کے تاریخی اعلامیہ میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا کہ مدارس اسلامیہ اور مسلمانوں کی کردارکشی کرنے والوں کو لگام دی جائے اور انتظامی مشینری اور حکومتی ایجنسیوں کو پابند کیا جائے کہ ہر قسم کے تعصب اور امتیاز سے بالاتر ہوکر اپنا فرضِ منصبی ادا کریں۔

یہ کانفرنس اس لحاظ سے بے حد اہم، کامیاب ترین اور تاریخ ساز رہی کہ اس میں دارالعلوم دیوبند سے وابستہ مدارس کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر العلوم سہارنپور، جماعتِ اسلامی، اہل حدیث، اہل تشیع اور بریلی مکاتب فکر کے ذمہ داران اور مدارس کے نمائندگان بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے، نیز ان کے علاوہ مسلم پرسنل لاء بورڈ، جمعیۃ علماء ہند، مسلم مجلس مشاورت، ملی کونسل، تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند، ملی وتعلیمی فاؤنڈیشن نئی دہلی، فرنگی محل لکھنؤ کے نمائندگان نے بھی شرکت کی، اظہارِ خیال فرمایا اور اس حساس مسئلہ پر ایک آواز ہوکر ملک میں مسلمانوں کے ساتھ حکومتی ایجنسیوں کے امتیازی سلوک اور ظلم وزیادتی کی مذمت کی اور دہشت گردی کے مقابلے کے لیے یکساں طریقۂ کار اختیار کرنے پر زور دیا اس عظیم الشان کانفرنس میں محتاط اندازے کے

مطابق یوپی، بہار، جھارکھنڈ، اے پی، مہاراشٹر، جموں وکشمیر، مدھیہ پردیش، تمل ناڈو، کرناٹک، راجستھان، اتراکھنڈ، بنگال، آسام، تری پورہ، منی پور، ہریانہ، دہلی، پنجاب، ہماچل، گجرات، اڑیسہ، گوا، دمن، چھتیس گڑھ، کیرالہ وغیرہ کے ۳۰؍ہزار مندوبین، نمائندگانِ مدارس اور برادرانِ اسلام نے شرکت کی۔

کانفرنس کا آغاز:

۱۷؍صفر ۱۴۲۹ھ کو صبح ساڑھے آٹھ بجے (۸ ½) جناب قاری آفتاب احمد صاحب امرہوی استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلاوتِ کلام پاک سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد مولوی شکیل احمد دیناجپوری اور مولوی محمد فرقان بہرائچی طلبہ دارالعلوم نے ترانہ دارالعلوم پڑھا۔ بعد ازاں کانفرنس کی نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے ناچیز راقم السطور نے مہمانانِ کرام کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ: رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقد اس دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس میں مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندہ حضرات، ملک کے کونے کونے سے تشریف لائے ہوئے مندوبین ونمائندگان مدارس اسلامیہ کا پُرتپاک خیر مقدم ہے کہ آپ حضرات نے زحمت سفر برداشت کی اور بڑی تعداد میں تشریف لاکر کانفرنس کی رونق دوبالا فرمائی۔

کانفرنس کی صدارت کا اعلان کرتے ہوئے ناظمِ کانفرنس ناچیز شوکت علی قاسمی بستوی استاذ دارالعلوم دیوبند وناظم عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ نے کہا کہ: ''دہشت گردی مخالف تمام مکاتبِ فکر کے نمائندوں کی اس تاریخ ساز کانفرنس کی صدارت دارالعلوم دیوبند کے گرامی قدر مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب زید مجدہم صدر کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ فرمارہے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کی حالیہ تمام تعلیمی وتعمیری ترقیات کے روحِ رواں، دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کے عظیم معمار، کاروانِ دیوبند کے قافلہ سالار اور امیر ملت اسلامیہ ہند ہیں۔ جب بھی مدارس اسلامیہ پر پُرآشوب حالات آئے، ان کے نہج کو تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی، ان پر ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا بے بنیاد الزام لگایا گیا، ان کے نصاب تعلیم ونظام تعلیم کو فرسودہ قرار دیا گیا، مدارس کو حکومت کے زیر کنٹرول لانے کی اسکیمیں بنائی گئیں تو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے اس کا سخت نوٹس لیا، مدارس کے کل ہند اجلاس طلب کیے اور مدارس کی تحفظ وبقاء کے لیے متحدہ لائحہ عمل طے کیا گیا۔ رابطہ مدارس اسلامیہ کے زیر اہتمام اب تک دارالعلوم دیوبند میں ۱۴؍بڑے کل ہند اجتماعات منعقد ہوئے ہیں جن میں مدارس اسلامیہ کے نظام تعلیم وتربیت، باہمی

ربط واتحاد کے فروغ اور داخلی وخارجی مسائل ومشکلات کے ازالے کے حوالہ سے نہایت دوررَس نتیجہ خیزاور انقلاب انگیز فیصلے کیے جاتے رہے ہیں۔اس تاریخ ساز کانفرنس کے انعقاد سے حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم کو خصوصی دلچسپی رہی، تمام مکاتب فکر کے نمائندگان حضرات کو دارالعلوم کے اسٹیج پر ایک ساتھ جمع کرنے کے لیے حضرات اساتذۂ دارالعلوم کے وفود مختلف اطراف میں روانہ فرمائے، ملت اسلامیہ کے مختلف نمائندگان حضرات کی خدمت میں خصوصی دعوت نامہ پیش کیا گیا، ان حضرات نے وفود کا گرم جوشی سے استقبال کیا، اس کانفرنس کے انعقاد کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا اور جمعیۃ علماء ہند، جماعتِ اسلامی ہند، جمعیۃ اہل حدیث، اور بریلوی مکتب فکر کے مختلف ذمہ داران نے شرکت کا وعدہ فرمایا اور بہت سے حضرات اس وقت اسٹیج پر تشریف فرما ہیں اور کچھ حضرات تشریف لانے والے ہیں''۔

ناچیز راقم السطور نے تاریخ ساز کانفرنس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی اور کہا یہ عظیم الشان کانفرنس نہایت حساس مسئلہ پر ہورہی ہے۔ اسلام، مسلمانوں اور مدارسِ اسلامیہ کو بدنام کیا جارہا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دینِ رحمت اور محسنِ انسانیت ہے۔ اسلام دہشت گردی کو ختم کرنے آیا ہے، امن وسلامتی اسلام کی حقیقت میں داخل ہے۔ اسلام دہشت گردی کی تمام صورتوں کو مسترد کرتا ہے۔ مسلمانوں نے اس ملک کی تعمیر وترقی میں تابناک کردار ادا کیا ہے۔ ملک کے خلاف کسی دہشت گردانہ کارروائی سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کانفرنس اس لیے بلائی گئی ہے کہ تاکہ ملتِ اسلامیہ کا متحدہ موقف دہشت گردی کے خلاف پوری قوت کے ساتھ پیش کیا جائے اور مسلمانوں پر ہونے والی ظلم وزیادتی کے خلاف ملی اتحاد کے ساتھ پرزور احتجاج کیا جائے اور اس تاریخی حقیقت کا ببانگ دہل اعلان کیا جائے کہ: مدارسِ اسلامیہ امن وامان کے داعی، صلح وآشتی کے نقیب اور جمہوری اقدار وروایات کے پاسبان رہے ہیں۔

خطبۂ صدارت:

بعد ازاں صدر کانفرنس حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کا خطبۂ صدارت پیش کیا گیا۔ حضرت کی علالت طبع اور ضعف ونقاہت کے باعث ان کی طرف سے یہ خطبۂ صدارت حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی زید مجدہم، نائب مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے پیش فرمایا۔

حضرت صدرِ کانفرنس زید مجدہم نے خطبۂ صدارت میں فرمایا: سب سے پہلے مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے بارے میں مدارس اسلامیہ کے اس طے شدہ ،متفقہ موقف کا واضح اعلان کردیا جائے کہ ہمارا دہشت گردی سے کوئی واسطہ نہیں، ہم ہر قسم کی دہشت گردی کو مسترد کرتے ہیں اوراس سلسلے میں کسی تفریق کوقطعاً روانہیں رکھتے۔ دہشت گردی کلی طور پر ایک غلط اور عاقبت نااندیشانہ عمل ہے خواہ اس کا مرتکب کسی بھی مذہب وملت سے وابستہ ہو اور معاشرہ کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو، دہشت گردی، اسلامی تعلیمات کے بھی سراسر منافی ہے، اسلام دینِ رحمت ہے، دینِ امن ہے، اس لیے دہشت گردی کی ہر ایسی کارروائی جس کا نشانہ بے قصور افراد بنتے ہوں اسلام کے تصورِ امن سے متصادم ہے۔

اس بارے میں اسلامی تعلیمات اس قدر واضح اور قطعی ہیں کہ ان کی روشنی میں بلاخوف تردید، یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ آج اگر دنیا کے پاس امن وسلامتی اور صلح وآشتی کا کوئی جامع، بامقصد اور ہمہ گیر تصور موجود ہے تو وہ فقط اسلام کا عطیہ ہے۔

حضرت صدر کانفرنس دامت برکاتہم نے صدارتی خطبہ میں نظریاتی اور مسلکی اختلافات فراموش کرنے کی تلقین کی اور دردمندانہ لہجے میں فرمایا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنے فروعی اختلافات کو اپنے گھر تک محدود رکھیں اور دشمنوں کے مقابلے میں متحد ملت کا کردار پیش کریں، حضرت نے حکومت وانتظامیہ اور پولیس وخفیہ ایجنسیوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہا کہ قابل غور بات یہ ہے کہ دہشت گردی کے حوالے سے خاص طور پر ہمارے ملک میں ایسی صورت حال پیدا کردی گئی ہے جس سے پوری قوم پریشان ہے انھوں نے کہا کہ حکومت وانتظامیہ کا نشانہ عمومی طور سے مسلمان اور خاص طور سے دیندار مسلمان یا مدارسِ اسلامیہ کے علماء وفضلاء ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی دہشت گردانہ کارروائی کے سلسلہ میں نہ تو کسی غور وفکر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے نہ احتیاط برتی جاتی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کے علماء نے ملک کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں جس کی گواہی اس زمین کا ذرہ ذرہ دے سکتا ہے۔ مدارس، ملک وملت اور انسانیت کے لیے خیر وفلاح کے سرچشمے ہیں یہ ملک کو امن پسند ایماندار اور فرض شناس شہری فراہم کرتے ہیں۔ حکومت اور اس کے انتظامی اداروں کو مخاطب کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ: اگر آپ دہشت گردی کا مقابلہ کرنے میں سنجیدہ ہیں تو نہایت مضبوطی کے ساتھ انصاف کا دامن تھام کر کام کیجئے اور عقیدہ ومذہب کی بنیاد پر کسی بھی تفریق سے اجتناب کیجئے۔ حضرت صدر کانفرنس نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ دہشت گردی بنیادی طور پر ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں بلکہ ان عالمی طاقتوں کا پیدا کردہ ہے، جن کے نظریات کی بنیاد صہیونیت ہے۔ انھوں نے کہا کہ چند افراد

کے طرزِ عمل سے پوری قوم کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا''۔

وقیع ترین خطبۂ صدارت سامعین کرام نے بڑی توجہ اور انہماک سے سنا، اس کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم، ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند سے افتتاحی خطاب کی درخواست کی گئی۔

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب زید مجدہم کا افتتاحی خطاب:

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب زید مجدہم ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند نے اپنے گراں قدر افتتاحی خطاب میں حمد وصلاۃ کے بعد فرمایا: ''یہ اجلاس اس ادارے کی طرف سے بلایا گیا ہے جو ڈیڑھ سو سال سے اس دینِ اسلام کی حفاظت کرنے والا ہے جو قرآن وحدیث سے صحیح طور پر ثابت ہے، یعنی دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بلایا ہوا اجتماع ہے اور ایک ایسے موضوع پر ہے جو بدقسمتی سے ہمارے ملک میں فرقہ پرستی کی بنیاد پر، عدل وانصاف کا خون کرنے سے متعلق ہے جس کی ٹیس اور تکلیف ہر مسلمان اور ہر عدل وانصاف پسند اپنے اندر محسوس کررہا ہے۔ ہندوستان کے اندر بڑے بڑے فسادات ہوئے۔ ایک ایک فساد میں پانچ پانچ ہزار مسلمان مارے گئے، اربوں کھربوں کی جائداد لوٹی گئی اور اس ہنگامے کو ملتِ اسلامیہ نے ساٹھ سال سے برداشت کیا، لیکن دارالعلوم نے کسی اجلاس بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی''۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ: ''موجودہ صورت حال میں اس طبقے کو نشانہ بنایا جارہا ہے جو مدارس سے نکل کر انسانیت کی بنیاد پر پوری دنیا میں انسانوں کی خدمت کررہا ہے۔ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرتا ہے آج اسی طبقے کو دہشت گرد اور امن دشمن قرار دیا جاتا ہے، جس نے ۱۸۰۳ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ملک کی آزادی کے لیے ہزاروں نہیں اپنے لاکھوں جیالوں کو تختۂ دار پر لٹکایا اور ہندوستان کی گلی گلی میں اپنا خون بہا کر ملک کو آزاد کرایا۔ آج انھیں شہیدوں کی امن پسند اولاد کو ملک کا دشمن بتاکر، شہر شہر، ضلع ضلع، صوبہ صوبہ میں گرفتار کیا جارہا ہے، بدنام کیا جارہا ہے طرح طرح کی اذائیتیں دی جاتی ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ فرقہ پرستی کا گھن ملک کے عوام کو کھائے جارہا ہے، فرقہ پرستی مضبوط ہورہی ہے اور جمہوریت کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی چلی جارہی ہے، لیکن جمہوریت پسند طاقتیں اس فتنہ کو سمجھ نہیں پارہی ہیں۔ آج فرقہ پرستی کو مسلمانوں سے منسوب کیا جارہا ہے، یہ ظلم ناقابلِ برداشت ہے، دہشت گردی کی ذمہ دار ملک کی فرقہ پرست طاقتیں ہیں، مدارس اسلامیہ امن وآشتی اور صلح وسلامتی کا درس دیتے ہیں یہی وجہ

ہے کہ مدارس کے طلبہ کسی ہنگامہ اور تخریب کاری میں مبتلا نہیں ہوتے''۔ حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا: کہ یہ بات میں نے حکومت کے بڑے سے بڑے ذمہ داران کے سامنے کہی وزیر اعظم اور وزیر داخلہ سے کہی کہ جو طبقہ ۶۰؍سال سے فرقہ پرستی کا ننگا ناچ ناچتا تھا قتل کرتا تھا، آج کہاں چلا گیا؟ آپ کہتے ہیں کہ: مسلمان بم ڈالتا ہے میں کہتا ہوں کہ: فرقہ پرست طاقتیں جو پہلے برسر عام قتل عام کرتی تھیں وہی بم بناتی اور پھوڑتی ہیں۔ ہمارے مدارس کے طلبہ بسوں کو آگ نہیں لگاتے وہ لڑکیوں کو نہیں اٹھاتے؛ بلکہ ان کی عزت وناموس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مدارس سے وابستہ طبقہ سراپا امن ہے، خیر پسند ہے''۔

حضرت مولانا نے فرمایا: ''یہ کانفرنس وقت کی ضرورت ہے آج ملک کے تمام طبقے ایک اسٹیج پر جمع ہیں ہم ان کے شکرگزار ہیں، یہ آواز دارالعلوم دیوبند سے اٹھی ہے، یہ صوبے صوبے ضلع ضلع اور شہر شہر پہنچے گی۔ یہ ہمارے عزائم میں، ہم دنیا کو بتائیں گے کہ دہشت گرد کون ہے؟ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند اس کام کو شانہ بشانہ کریں گے''۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب زیدمجدہم کا خطاب:

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب زیدمجدہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند و نائب صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اپنے اہم ترین خطاب میں حمد وصلاۃ کے بعد فرمایا:

''آج کا یہ اجتماع، تاریخ ساز اجتماع ہے اور جس موضوع پر ہو رہا ہے وہ بھی وقت کا اہم موضوع ہے، مسلمان یہاں ایک ہزار سال سے ہیں، اور تاریخ گواہی دیتی ہے کہ مسلمان، امن کے پیامبر اور اس ملک کے خیر خواہ رہے ہیں۔ ملک کی فرقہ پرست طاقتیں اس تاریخ کو بدلنا چاہتی ہیں اور مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن ثابت کر نہیں پا رہی ہیں کیوں کہ پروپیگنڈے سے تاریخ کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ آج باطل پرست طاقتیں، ہتھیاروں سے لیس ہیں لیکن وہ ہمیں شکست نہیں دے سکیں گی۔ مسلمانوں کے پاس ایمانی قوت اور انابت الی اللہ کی طاقت ہے۔ ہمیں اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ قرآن زندہ ہے، سنت زندہ ہے تو آپ بھی زندہ رہیں گے۔ دہشت گردی کی بنیاد دو نظریوں کا تصادم ہے''۔

(۱) حق کا نظریہ جو دلائل سے ثابت ہے، جس کی تعلیمات روشن اور واضح ہیں۔ (۲) کفر کا نظریہ جو بے دلیل اور بے بنیاد ہے۔ چوں کہ باطل دلائل سے شکست خوردہ ہے، اس لیے وہ تلوار

اور طاقت کے ذریعہ حق کا مقابلہ کررہا ہے۔لیکن ہم شکست خوردہ نہیں ہوں گے۔اس لیے کہ اسلام کے پاس واضح دلائل اور بینات ہیں جو باطل کے پاس نہیں ہیں۔اسلام کا نظام تعلیم، نظام تہذیب وثقافت سب براہین سے ثابت ہیں۔اسلام دہشت گردی کا شدید مخالف ہے اسلام ایک شخص کے ناحق قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم آئینی بنیاد پر اپنے مطالبات کو حکومت کے سامنے رکھیں، حکومت کا فرض ہے کہ وہ عدل قائم کرے، انصاف قائم کرے اگر حکومت یہ کام نہیں کرتی تو یہ واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کا قانون سب سے برتر ہے۔خدا کی قدرت سب سے بڑی ہے، کسی زمانے میں برطانوی حکومت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا؛ لیکن وہ آج محدود ہوکر رہ گئی ہے، ظلم وزیادتی کے ساتھ کوئی حکومت چلنے والی نہیں''۔

حضرت مولانا جلال الدین عمری زیدمجدہم امیر جماعت اسلامی ہند کا خطاب:

محترم المقام حضرت مولانا جلال الدین عمری امیر مرکزی جماعت اسلامی ہند، محترم جناب مولانا رفیق قاسمی صاحب اور جناب مجتبیٰ فاروق صاحب پر مشتمل وفد کے قائد کی حیثیت سے تشریف لائے اور کانفرنس میں اپنے اہم خطاب میں فرمایا:

''دارالعلوم دیوبند نے اس کانفرنس کے انعقاد کا بروقت فیصلہ کیا ہے آج ایک شور برپا ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں اور مدارسِ اسلامیہ دہشت گردی کے مراکز ہیں اور قرآن وحدیث میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔قرآنِ کریم چودہ سو سال سے موجود ہے میں دانشوران سے مطالبہ کرتا ہوں کہ بتائیں کہ قرآن کی کس آیت سے اور کس حدیث سے دہشت گردی کی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے۔مدارسِ اسلامیہ سے کتنے دہشت گرد ملے؟ مدارس میں آئیں یہاں کی تعلیم دیکھیں، جس کے جی میں آتا ہے مسلمانوں کو دہشت گرد کہہ دیتا ہے۔دہشت گردی کے اصول وضوابط ہیں اگر دلائل کی روشنی میں کسی کو دہشت گرد کہا جائے تو ہم مانتے ہیں۔لیکن یہ کیا؟ کہ کوئی حادثہ ہوا تو شک کی سوئی سیدھے مسلمانوں کی طرف پھیر دی جاتی ہے۔آج یہ سوال ہوتا ہے کہ مدارس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آتے ہیں، مدارس کا حساب آئینہ کی طرح صاف ہے میں حکومت سے سوال کرتا ہوں کہ یہ سوال ہندوفرقہ پرست تنظیموں کے بارے میں کیوں نہیں اٹھایا جاتا۔ان کے پاس مدارس سے کئی گنا زیادہ پیسہ ہے، یہ مجمع اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ مدارسِ اسلامیہ، دہشت گردی میں نہ پہلے ملوث تھے، نہ اب ملوث ہیں، نہ آئندہ ملوث ہوں گے۔ہم اس ملک کو بتانا چاہتے ہیں کہ نہ ہم دہشت گرد ہیں اور نہ دہشت گردی کو کبھی برداشت کریں گے۔ یہ دہشت گردی کسی

فرد، کسی قوم، کسی طبقہ کی طرف سے ہو ہم اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، ہم اس کا مقابلہ کرتے رہیں گے"۔

حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب زید مجدہم کا خطاب:

حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب ممبر راجیہ سبھا و ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے اپنے خصوصی خطاب میں فرمایا:

"مسئلہ بڑا نازک ہے ملک میں کسی مقام پر بم بلاسٹ ہوتا ہے، لوگ مارے جاتے ہیں، تشدد کا نشانہ بنتے ہیں، ملک بے چین ہوتا ہے، اور میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو دوگنی تکلیف ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ان واقعات میں بے قصور ہندوستانی شہری خصوصاً مسلمان مارے جاتے ہیں دوسری تکلیف یہ کہ مسلمانوں کی پوری قوم کو مجرم بنا کر پیش کیا جاتا ہے، دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، دہشت گردی کو مذہب سے جوڑنا بدترین دہشت گردی ہے، ہم نے بار بار اس کی مذمت کی ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس ملک میں ہزاروں سال سے مختلف مذاہب اور تہذیب کے لوگ متحد ہو کر ایک ساتھ رہتے آئے ہیں، اسی سرزمین دیوبند کے عظیم سپوت دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فرزند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے اس ملک کے سامنے قومی اتحاد کا پیغام دیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف لڑائی میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا اور برادرانِ وطن کو ساتھ لے کر کاندھے سے کاندھا ملا کر جنگ آزادی لڑی، مجھے کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ آج دہشت گردی کا ذمہ دار اور سب سے بڑا دہشت گرد، جس نے دنیا کو دہشت گردی کی اس لعنت میں مبتلا کر دیا ہے وہ جارج بش ہے، میں میڈیا کے ذریعہ اور اس عظیم مجمع کے واسطے سے پورے ملک سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ امریکہ اور یورپ نے دہشت گردی کی جو تعریف کی ہے وہ ہمارے ملک کو نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان اس ملک کی دوسری بڑی اکثریت ہے، مسلمان اس ملک کا مالک ہے کرایہ دار نہیں ہے، مسلمانوں کے ساتھ کرایہ داروں جیسا معاملہ برداشت نہیں کیا جائے گا، ہم اس ملک کے معمار ہیں، ملک بنانے والے ہیں، ہم یہاں رہتے چلے آئے ہیں، رہ رہے ہیں، رہیں گے، یہیں جیے ہیں یہیں مریں گے۔ دہشت گردی کا بہانہ بنا کر ایک خاص طبقہ کو جو دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے ہندوستان کا قیمتی ورثہ ہوسکتا ہے، نشانہ نہیں بنانا چاہیے، دہشت گردی چاہے کسی خاص فرقے کی طرف سے ہو، چاہے ملکوں کی طرف سے ہو چاہے

سرکاری اداروں کی طرف سے ہو، چاہے تنظیموں کی طرف سے ہو ہر حال میں قابلِ مذمت ہے۔ ہمیں متحد ہوکر دہشت گردی کے خلاف لڑنا چاہیے اور دہشت گردی کے نام پر دہشت گردی کرنے والوں کا مقابلہ کرنا چاہیے''۔

پیغام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زید مجدہم:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زید مجدہم صدر مسلم پرسنل لا، بورڈ وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اچانک خرابیٔ صحت کے باعث تشریف نہ لاسکے، ان کا گراں قدر پیغام کانفرنس میں ان کے محترم نمائندے جناب مولانا عبدالقادر صاحب ندوی مدظلہ نے پڑھا جو درج ذیل ہے:

''دہشت گردی مخالف اس کل ہند کانفرنس میں شرکت کرکے مجھے خوشی ہوتی، لیکن صحت کی خرابی کے باعث میں شریک ہونے سے معذور ہوں اس لیے صرف اس پیغام کے ذریعہ شرکت پر اکتفاء کررہا ہوں، دہشت گردی کی مذمت کے ساتھ اس کو مسلمانوں کے ساتھ وابستہ کرنے کو قابل مذمت فعل قرار دینے کے لیے کانفرنس کا انعقاد موجودہ حالات کے اس پس منظر میں ایک ضروری اقدام ہے اس کے لیے ہر مسلک وجماعت کے نمائندے، ملک کے وفادار شہری اپنا صاف اور صحت مندانہ موقف پیش کریں گے اور توجہ دلائیں گے کہ ملک میں آج کل دہشت گردی کا تذکرہ بار بار کیا جاتا ہے اور اس کو مسلمانوں اور مدارس اسلامیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس کو اسلام اور ملت اسلامیہ سے وابستہ کرنا، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بڑی زیادتی کی بات ہے، اسلام میں ہر طرح کے ظلم وزیادتی کو سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے اور مسلمان قوم کے افراد اسلامی تعلیمات کے تحت زیادتی اور ظلم سے بچنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور کسی سے اگر ظلم وزیادتی کا فعل ہوجائے تو اسے بہت برا سمجھتے ہیں، اور اس کو غیر اسلامی عمل قرار دیتے ہیں۔

یہ ملک مختلف مذہبوں اور مختلف طبقات کا ملک ہے اور ان میں ہر ایک میں بعض بعض افراد ایسے ہوسکتے ہیں جو اپنے کسی ذہنی تعصب یا کسی فائدے کی غرض سے ظلم وزیادتی کا ارتکاب کریں، جو اس کا ذاتی فعل ہوگا، اس کا تعلق اس کے طبقے یا مذہب سے جوڑنا صحیح نہیں۔ یہ اسلام جو کہ عربی میں امن کے بھی معنی رکھتا ہے، اس کو ظلم سے بالکل جوڑا نہیں جاسکتا، اس پر ظلم اور دہشت گردی کا الزام لگانا ایک طرح سے اس کے ساتھ ظلم ہے، جس کو مسلمان سخت طریقے سے مسترد کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ یہ بڑی شکایت ہے کہ دہشت گردی جس حرکت کو کہا جاتا ہے اس کے واقعات دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور مسلک کے دوسرے طبقات میں بھی ہوتے ہیں

لیکن ان کو ان کے مذہب کے ساتھ جوڑا نہیں جاتا ہے، جو سراسر ناانصافی ہے۔ اس عظیم کانفرنس کے انعقاد پر دارالعلوم دیوبند کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں“۔ (محمد رابع حسنی ندوی)

پیغام حضرت مولانا سید سرور چشتی صاحب زید مجدہم:

آستانۂ عالیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کے سجادہ نشیں حضرت مولانا سید سرور چشتی کا، خصوصی پیغام کانفرنس کے لیے بذریعہ فیکس موصول ہوا، جس میں مصروفیات کے باعث کانفرنس میں شریک نہ ہوسکنے پر افسوس کا اظہار کیا گیا تھا اور فرمایا گیا تھا:

”مجھے یہ جان کر انتہائی مسرت کا احساس ہوا کہ آپ حضرات مسلمانوں اور بالخصوص مدارسِ اسلامیہ پر دہشت گردی کے مفروضہ وموہومہ الزام کو دفع کرنے کے لیے ایک عظیم الشان اجلاس کا انعقاد کررہے ہیں، اسلام کی روز افزوں مقبولیت سے اسلام دشمن اور انسانیت کُش عناصر حواس باختہ ہورہے ہیں اور اسلام کو دہشت گردی کا علم بردار قرار دے رہے ہیں، جب کہ اس بدترین دہشت گردی کے وہ خود علم بردار ہیں۔ ہمارے وطن عزیز میں جو لوگ مسلمانوں اور مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی کا الزام دے رہے ہیں وہ مغربی ممالک کے شرپسندوں کی نمائندگی کررہے ہیں۔

اس اجلاس میں آپ نے مختلف مکاتب فکر کے ذمہ دارانِ مدارس اسلامیہ کو مدعو کیا ہے یہ ایک خوش آیند قدم ہے، اتحاد ملت کے لیے فال نیک کے ساتھ ساتھ وقت کی اہم آواز بھی ہے اس وقت مسلک ومشرَب سے بلند ہوکر تمام مسلم جماعتوں کو ایک مرکز پر متحد ہونے کی ضرورت ہے؛ تاکہ اجلاس کے واسطے سے جو آوازۂ حق آپ بلند کررہے ہیں وہ صدا بصحرا ثابت نہ ہو، ہندوستان کی تاریخ آزادی گواہ ہے کہ حکومت برطانیہ کا منحوس سایہ دور کرنے کے لیے سب سے پہلی آواز انہی مدارس اسلامیہ ہی سے اٹھی تھی، خصوصاً ہمارے سلسلہ چشتیہ کے ”شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ نے اسی تناظر میں ہجرت فرمائی تھی، پھر ان کے خلفاء نے جو جلیل القدر علماءِ عصر تھے، برطانیہ مخالف تحریک کو جاری رکھا، انہی مدارس اسلامیہ کے فارغین نے حکومت برطانیہ کے ہاتھوں قید وبند، طوق وسلاسل اور دار ورسن کی جان کاہ صعوبتیں برداشت کیں، اوران علمائے مجاہدین نے یہ جاں گداز مصائب، آزادی وطن کے جذبات سے سرشار ہوکر برداشت کیے ان کے پیش نظر کوئی ذاتی غرض نہ تھی اگر غرض تھی تو صرف وطن کی آزادی تھی۔ ایسے بے غرض اور بے لوث افراد کے جنم دینے والے اداروں یعنی مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی کے مراکز قرار دینا اور سمجھنا اپنے عقل وفہم کے دیوالیہ پن کا ثبوت دینا ہے، خدا کرے

آپ کی آواز اربابِ اقتدار تک پہنچے اور وہ بے قصور مسلمانوں کو جان ومال کی زَک دینے سے باز آئیں اور دہشت گردی کے حقیقی مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچائیں“۔ فقط والسلام:

مخلص: سید سرور چشتی

خاک نشیں آستانہ عالیہ اجمیر القدس

یہ پیغام کانفرنس میں جناب مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند نے پڑھ کر سنایا۔

عظیم الشان کانفرنس کا تاریخی اعلامیہ، جسے

حضرت مولانا مفتی محمد ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہم نے پڑھا:

بعد ازاں حضرت مولانا مفتی محمد ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہم رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس نے کانفرنس کا تاریخی اعلامیہ پڑھ کر سنایا، اعلامیہ میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اسلام ساری انسانیت کے لیے دینِ رحمت ہے وہ دائمی امن وسلامتی اور لازوال سکون واطمینان کا سرچشمہ ہے، اسلام نے پوری انسانی برادری کو بلاتفریق قوم ومذہب اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ اسلام ہر قسم کے تشدد اور دہشت گردی کا شدید مخالف ہے۔

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ملت اسلامیہ کے تمام مکاتبِ فکر کے نمائندوں کی یہ دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس ہر قسم کے تشدد اور دہشت پسندی کی سخت الفاظ میں مذمت کرتی ہے۔

اعلامیہ میں اس بات پر گہری تشویش ظاہر کی گئی ہے کہ ”ہندوستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسی بھی سامراجی طاقتوں کے زیر اثر آتی جارہی ہے، نیز سرکاری ایجنسیاں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز اور جانب داری برت رہی ہیں، عام مسلمان اور دینی مدارس سے تعلق رکھنے والے جو نہایت صاف وشفاف ریکارڈ رکھتے ہیں ہر وقت اس دہشت میں مبتلا رہتے ہیں کہ انتظامیہ کے ہاتھ اس کے گریبان تک کب پہنچ جائیں، اور نہ جانے کتنے لوگ آج جیلوں میں بند، ناحق طرح طرح کی کربناک اذیتیں برداشت کرنے پر مجبور ہیں، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ دہشت گردی پھیلانے والے، تھانوں کو لوٹنے والے، برسرعام پولیس افسران کو قتل کرنے والے، آتشیں اسلحوں کی نمائش کرنے والے عناصر آزاد گھوم رہے ہیں“۔

کانفرنس کے اعلامیہ میں پُر زور مطالبہ کیا گیا ہے کہ ''حکومت ہند مدارس اسلامیہ اور مسلمانوں کی کردارکشی کرنے والے عناصر کو لگام دے، اور سرکاری ایجنسیوں کو پابند کیا جائے کہ تعصب وامتیاز سے بالاتر ہوکر اپنا فرض منصبی ادا کریں، تاکہ ملک میں حقیقی امن وسلامتی برقرار رہے''۔(اعلامیہ کا مکمل متن آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

حضرت مولانا مفتی محمد ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے اعلامیہ پیش فرمایا اور کانفرنس میں شریک تقریباً ۳۰؍ ہزار علماء کرام، مندوبین عظام اور مختلف مکاتبِ فکر کے ذمہ داران اور نمائندگان مدارس اسلامیہ نے پرزور الفاظ میں تائید کی اور ہاتھ اٹھا کر اپنی توثیق کا اظہار کیا۔ اعلامیہ کے بعد تائیدی خطابات کا سلسلہ شروع ہوا۔

خطاب حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی زیدمجدہم:

حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی زیدمجدہم رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند و مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ نے اپنے موثر ترین خطاب میں فرمایا: ''یہ تقریباً سبھی حضراتِ مقررین نے فرمایا کہ: اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ ہمارے نزدیک دہشت گردی جتنا بڑا جرم ہے شاید دنیا کے کسی انسان کے نزدیک اتنا بڑا جرم نہ ہو، اسلام کا معنی ہے سر ڈالنا، اطاعت کرنا، فرماں برداری کرنا، سرڈالنے والا دہشت گرد کیسے ہوسکتا ہے؟ دارالعلوم دیوبند ہماری اساس ہے، دارالعلوم دیوبند ہماری متاع عزیز ہے، دارالعلوم دیوبند ہماری مادرِ علمی ہے، اس دارالعلوم میں قرآن وحدیث کی تعلیم ہوتی ہے۔ مظاہر علوم سہارنپور میں، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مدرسہ شاہی مرادآباد اور دیگر بڑے مدرسوں میں قرآن وحدیث ہی کی تعلیم ہوتی ہے، تاکہ قرآن وحدیث پر عمل کرکے ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے نام سے وابستہ ہوجائیں، اس لیے کہ اللہ اللہ جب تک ہوتا رہے گا اس وقت تک عالم سلامت رہے گا۔ ساری دنیا کو بتادیا جائے کہ مسلمان، عالم کے قرار کا ذریعہ ہیں، جب تک اللہ اللہ باقی رہے گا یہ دنیا باقی رہے گی، آج شور ہے پکڑو مسلمانوں کو، مارو مسلمانوں کو لیکن سن لو ؂

جلیں گے، ہم تو جل جائیگا سارا گلستاں مالی
سمجھ مت صحنِ گلشن میں مرا ہی آشیانہ ہے

میں نے لکھنؤ میں کہا تھا آج پھر کہہ رہا ہوں کہ ملک کی سلامتی اور حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ ہندو مسجدوں کی حفاظت کریں اور مسلمان مندروں کی حفاظت کریں، مندر بھی ہماری اور مسجد بھی

ہماری کیوں کہ ملک کے تمام باشندوں کا مسئلہ ہے جیسا کہ ہمارے برادرِ عزیز جناب مولانا محمود مدنی صاحب نے بتایا کہ مسلمانوں نے برادرانِ وطن کو ساتھ لے کر ملک آزاد کرایا ہے۔ ہمارے حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ملک کے مسلمانوں کا صرف مسئلہ نہیں ہے۔ ملک کے تمام باشندوں کا مسئلہ ہے یہ ملک ہم نے بڑھایا، ہم نے بسایا، ہم نے سجایا، ہم اس کے حصہ دار ہیں اور آپ بھی اس کے حصہ دار ہیں، ہم نے سمجھا تھا کہ ہم یہاں باقی رہیں گے، ہم دوسرا ملک نہیں بننے دیں گے، ہم ملک کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے، جمعیۃ علماء ہند نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی لیکن ہم کیا کریں:

یہ سمجھے تھے کہ بوئے گل امینِ رازِ گلشن ہے
مگر یہ خانماں برباد، خود پھولوں کی دشمن ہے

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے جو اعلامیہ پڑھا گیا ہے وہ ہم سب کے دلوں کی ترجمانی کرتا ہے اور ہم سب اس کو قبول کرتے ہیں اور اس کی بھرپور تائید کرتے ہیں“۔

خطاب حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی زید مجدہم:

حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب زید مجدہم رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند و مہتمم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر نے اپنے پرجوش خطاب میں فرمایا:

”ہم اس ربِّ کریم کا شکر ادا کرتے ہیں جس خالق و مالک نے مجھے اور آپ کو اور ہم ہندوستان کے مسلمانوں کو، دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، دارالعلوم دیوبند ہندوستان کے مسلمانوں کی آبرو ہے، دارالعلوم دیوبند ہندوستانی مسلمانوں کا تڑپتا ہوا دل ہے، دارالعلوم نے ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی، ثقافتی، سماجی، ہر لحاظ سے صحیح رہبری کی ہے۔ دہشت گردی کو مسلمانوں اور مدارس اسلامیہ سے جوڑا جارہا ہے۔ دارالعلوم یہ عظیم الشان اجلاس بلاکر ان خیالات کی مذمت کرتا ہے، مسلمانوں اور مدارس اسلامیہ کا دہشت گردی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا فیض ملک کے کونے کونے میں جاری ہے اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا تقدس دارالعلوم دیوبند اور مدارس اسلامیہ کی دین ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا کوئی فاضل آج تک دہشت گردی کے کسی کام میں پکڑا نہیں گیا کسی اور مدرسے کا بھی کوئی استاذ یا طالب علم کسی دہشت گردانہ کارروائی میں ملوث نہیں پایا گیا۔ یہ مدارس کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ اور محض الزام ہے، ایسے حالات میں اہلِ مدارس کی ذمہ داری ہے کہ ہم

چوکنے رہیں، دشمن تاک میں ہے، آپ کی معمولی معمولی بات کو ہائی لائٹ کیا جاتا ہے، ہم کو اپنا نظام بہتر بنانا ہوگا، ہم اپنے تعلیمی نظام کو مستحکم کریں اپنے مالی شعبہ کو صاف ستھرا رکھیں، الحمدللہ مدارس والے جس انداز سے مدارس کا نظام چلاتے ہیں، حکومت والے بھی نہیں چلا سکتے، ہم حکومت کا کام کررہے ہیں، لیکن ہمیں حکومت کی کسی مدد کی ضرورت نہیں، آپ یہاں سے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کا پیغام لے کر جائیں، حضرت کا خطبۂ صدارت لے کر جائیں، اور اپنے صوبے کے مدارس کو اس سے آگاہ کریں، ہمیں دارالعلوم دیوبند کے مزاج کو، دارالعلوم دیوبند کے مسلک کو اور دارالعلوم دیوبند کے پروگرام کو عام وتام کرنا چاہیے"۔

خطاب حضرت مولانا خالد رشید فرنگی محلی زید مجدہم:

حضرت مولانا خالد رشید صاحب فرنگی محلی نے اپنے خصوصی خطاب میں اہل فرنگی محل اور باشندگان لکھنؤ کی جانب سے اس اہم کانفرنس کے انعقاد پر ذمہ داران دارالعلوم کو دلی مبارک باد پیش کرنے کے بعد فرمایا:

"اسلام اور مسلمانوں کا دہشت گردی سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں، اس ملک میں مسلمانوں کو دہشت گردی سے صرف اس لئے جوڑا جارہا ہے تاکہ اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی، ترقی کے راستوں کو روکا جاسکے۔ ہمارے علماء کرام نے اس وطن عزیز کو اپنے خون پسینے سے سینچا ہے، فرقہ پرستوں نے اس ملک کا بٹوارہ صرف اس لیے کرایا تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کو حکومت سے دور رکھا جاسکے۔ لیکن فرقہ پرستوں کو اس میں کامیابی نہ ملی تو انھوں نے آزادی کے بعد ملک میں جگہ جگہ کمیونل رائٹس (فرقہ وارانہ فسادات) کرائے۔ مسلمانوں کا بے پناہ جانی ومالی نقصان کیا اور ان کو ہر میدان میں پیچھے کردینے کی کوشش کی۔ جب وہ اس طرح بھی مسلمانوں کو پسپا نہ کرسکے تو اب ان پر اور مدارس اسلامیہ پر دہشت گردی کا بے بنیاد الزام لگایا جارہا ہے۔

ان مدارس اسلامیہ نے ملک کی آزادی اور ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے حکومت کو ان کے ذمہ داران کا ممنون ہونا چاہیے تھا۔ لیکن انھیں کو بدنام کیا جارہا ہے۔ اس ملک میں بابری مسجد شہید کرنے والوں کو دہشت گرد نہیں کہا گیا، الفا والوں کو دہشت گرد نہیں کہا گیا، ایل ٹی ٹی والوں کو دہشت گرد نہیں کیا گیا، یہودیوں کو دہشت گرد کیوں نہیں کہا جاتا جو معصوم بچوں بوڑھوں عورتوں اور بے قصور لوگوں کا قتل عام کررہے ہیں۔

میں حکومت کے ذمہ داران سے مطالبہ کرتا ہوں کہ بے قصور مسلمانوں کو پریشان نہ کیا جائے، خواہ مخواہ ان پر دہشت گردی کا الزام نہ لگایا جائے اگر کہیں کسی فرقہ کا کوئی فرد دہشت گردانہ کارروائی میں ملوث پایا جائے تو اس کی قوم اور مذہب کو بدنام نہ کیا جائے۔

خطاب حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب زید مجدہم:

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب زید مجدہ سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر وسکریٹری مسلم پرنسل لار بورڈ نے اپنے اہم خطاب میں فرمایا: بڑی مفصل تقریر آپ سن چکے ہیں۔اس کانفرنس سے جو بلاغ پہنچایا گیا، میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ مدارس اسلامیہ کو شک وشبہ کے گھیرے میں لایا گیا ہے ۱۹۸۹ء سے ایک منظّم سازش چل رہی ہے کہ مدارس پر دہشت گردی کا الزام لگایا جائے بیس سال سے الزام کو سنتے سنتے ایک نسل جوان ہوگئی جو اس بات کا یقین رکھتی ہے کہ مدرسوں میں کچھ ہوتا ہے۔آج یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اکابر کا یہ اتحاد نتیجہ خیز رہے گا۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کی خفیہ سیکورٹی کی رپورٹ میں مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی کے مراکز کہا گیا ہے، یہ رپورٹ چار رکنی ایک کمیٹی نے تیار کی ہے، جس کے صدر لال کرشن اڈوانی تھے۔ نیز عجب اتفاق یہ کہ مسٹر اڈوانی نے پارلیمنٹ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مدارس میں دہشت گردی نہیں پائی جاتی ہے۔ہم اس دوغلی پالیسی کی مذمت کرتے ہیں اور مذکورہ رپورٹ کا جو حصہ مدارس اسلامیہ میں دہشت گردی سے متعلق ہے اس کو کالعدم قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مدارس پر دہشت گردی کا الزام اس لیے لگایا جارہا ہے تاکہ مدارس اپنے اصلی منہاج سے ہٹ جائیں، مدارس جو اہم خدمت انجام دے رہے ہیں، معاشرے کی اصلاح کی، لوگوں کو دینی تعلیم، قرآن وحدیث کی تعلیم دینے کی وہ خدمت نہ انجام دے سکیں۔ میں یہ بھی کہوں گا ہمیں الجھنا نہیں چاہیے ہمیں اپنے اپنے مدرسوں کو آباد رکھنا ہے۔ان کے نظام تعلیم وتربیت کو مستحکم کرنا ہے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے: العلماء مصابیح فی الارض۔ چراغ کا کام ہے اپنے کو جلانا اور ماحول کو روشن کرنا، ہمیں اپنی جدوجہد سے اپنے ماحول کو روشن رکھنا چاہیے تاکہ دشمن ہمارے اثاثے پر، ہمارے ایمان پر، ڈاکہ نہ ڈال سکے۔ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ دین کے لیے جئیں گے اور دین کے لیے مریں گے“۔

خطاب حضرت مولانا عبدالوہاب حجازی سلفی زید مجدہم:

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی خصوصی دعوت پر جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ محترم

حضرت مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب تشریف لائے اور کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آج کا یہ بابرکت اور عظیم الشان اجتماع حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر منعقد ہوا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شان دار اجتماع کو اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب فرمائے۔ جو اعلامیہ پیش کیا گیا ہے وہ ہماری دلی آواز ہے۔ مسلمانوں کو دہشت گردی کی جہت سے جو مشکلات درپیش ہیں ان کو دور کیا جائے۔ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے اور اس کا اعتراف غیروں کو بھی ہے کہ اسلام امن ورحمت کا مذہب ہے، مسلمان جس معبود کی پرستش کرتے ہیں وہ رحمٰن ورحیم ہے اور جس نبی کی اتباع کرتے ہیں وہ رحمۃ للعالمین ہے۔ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ سارے جہاں کے لیے رحمت ہے، رحمٰن ورحیم کے پرستاروں اور رحمۃ اللعالمین کے پیروکاروں کے دل سے رحمت کیوں کر ختم ہوسکتی ہے۔ یہ امت تمام انسانیت کے لیے رحمت اور امن کی پیامبر ہے، اس امت کو ظالم اور امن کا دشمن قرار دینا وقت کا سب سے بڑا ظلم ہے۔ یہ کانفرنس وقت کی آواز ہے، آج مسلمانوں کو طرح طرح سے پریشان کیا جاتا ہے مختلف الزامات لگاکر ان کو گرفتار کرلیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ جرم ثابت ہونے سے پہلے مجرموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے یہ قانون اور انصاف کے رو سے بھی صحیح نہیں ہے مسلمان بڑی تعداد میں یہاں رہ رہے ہیں، اس ملک میں طرح طرح کی قومیں۔ مختلف مذاہب، الگ الگ بولیاں اور رنگ وروپ ہیں یہ سب چیزیں زینت چمن ہیں ؎

گلہائے رنگارنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

خطاب حضرت مولانا مفتی محمد منظور صاحب مظاہری زید مجدہم:

حضرت مولانا مفتی محمد منظور صاحب زید مجدہم رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند وقاضی شہر کانپور نے اپنے خاص خطاب میں فرمایا:

''انسداد دہشت گردی کی تحریک چلنی چاہیے، اور خوب زوروں پر چلنی چاہیے۔ اس ملک کو آزاد کرانے میں لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دیں، اگر مسلمان الگ تھلگ ہوتا تو ملک آزاد نہ ہوتا۔ آزادی کے بعد ملک کا دستور سیکولر بنا۔ اس دستور اور آئین کی روشنی میں جو مجرم ہو اس کو پکڑا جائے۔ لیکن جب پولیس کی حکمرانی ہوگی اور اس کو کھلی چھوٹ دیدی جائے گی تو وہ اسی طرح ظلم کریں گے۔ اگر ملک میں پورے طور پر جمہوریت اور سیکولرزم کی حکمرانی ہو تو ہر باشندے کے ساتھ

انصاف ہوگا۔ ابھی پچھلے ہفتے نکسلیوں نے پندرہ پولیس والوں کو اڑادیا۔ اور دو ٹرک اسلحہ لوٹ کر محافظ خانہ سے لے گئے ۔ اگر خدانخواستہ نکسلیوں کی جگہ کسی مسلمان کا کام ہوتا، تو کسی مسلمان کی جان و مال محفوظ نہ رہتی، اس ملک کو جمہوریت اور سیکولرزم کے اصولوں کے مطابق چلانا چاہیے۔ موساد جو اسرائیل کی خفیہ ایجنسی ہے وہ ہمارے حکم رانوں کی مشیر کار ہے، ہمارا کہنا ہے کہ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام ظلم وزیادتی ہے۔ سراسر جھوٹ ہے فریب ہے، اگر اس طرح ظلم وزیادتی ہوتی رہی تو ملک محفوظ نہیں رہے گا‘‘۔

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سجاد نعمانی مدظلہم کا خطاب:

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب زید مجدہم نے اپنے خصوصی انداز میں فرمایا: اس عظیم الشان اجلاس کی طرف سے ایک پیغام تو جانا طے ہوا تھا حکومت وقت کے نام، سرکاری ایجنسیوں کے نام، ایک پیغام طے ہوا تھا میڈیا کے نام اور ایک طے ہوا تھا ہندوستان کے مسلمانوں کے نام، بہت طاقتور انداز میں دردمند دلوں سے آپ نے پیغامات سنے۔ ہمارے اکابرین نے ایک کے بعد ایک آکر اپنا دل نکال کر رکھ دیا اور آئینِ جواں مرداں حق گوئی وبے باکی کا مصداق بن کر بہت قوت کے ساتھ، جرأت وبے باکی کے ساتھ پوری بات صاف صاف رکھ دی ہے، مجھے اس تعلق سے کچھ نہیں کہنا ہے میں ایک پیغام بھیجنا چاہتا ہوں مسلم عوام کے نام۔ آج حق کی آواز لگانے والوں کو گھیرا جارہا ہے اور زمین ان پر تنگ کی جارہی ہے ظلم سے زمین بھر رہی ہے لیکن ہمیں ان حالات میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ رات کی تاریکی صبح روشن کی علامت ہے۔ آج ظلم سے جس طرح زمین بھرتی جارہی ہے یہ باطل کے ہلاک ہونے کی علامت ہے۔ یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ آسمانوں میں ان کے خلاف فیصلے ہورہے ہیں۔ اللہ ضرور ظالموں کو ہلاک کرے گا جس طرح کل کیا تھا لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم گناہوں کو چھوڑ دیں اور امانت دار بنیں۔ اگر بے گناہ ستائے جائیں گے اور قید کیے جائیں گے اور ہم اپنے تعلق کو اللہ سے مضبوط بنائے رکھیں گے تو اللہ حالات ہمارے حق میں پھیر دے گا اور ہمیں زمین کا مالک بنادے گا جس طرح حضرت یوسفؑ کو بنادیا۔ ہمیں جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں ہمیں محبت کے جذبات کو عام کرنا چاہیے اور عفو ودرگذر سے کام لینا چاہیے جس طرح حضور اکرم ﷺ نے کیا تھا۔ لیکن عفو سے میری مراد بزدلی نہیں یہ اجلاس جرأت کا پیغام بھی دیتا ہے۔

جو اعلامیہ آپ کے سامنے پڑھا گیا ہے اس کو گلی گلی، گھر گھر پہنچائیے، اور برادرانِ وطن تک

بھی لے جایئے‘‘۔

خطاب حضرت مولانا عمید الزماں صاحب قاسمی کیرانوی زیدمجدہم:

حضرت مولانا عمید الزماں صاحب کیرانوی زیدمجدہم کارگزار صدر تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: ’’اسلام ہمارا عقیدہ، ہمارا مذہب، ہماری روح، اور ہمارا منہج حیات ہے اور شرعی حب الوطنی کے دائرے میں ہندوستان ہماری محبت، شیدائیت کا مرکز اور محور ہے۔ اسلام عدم تشدد کی ایک فلاسفی پیش کرتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسلام نے انسانیت کو جو مرتبہ ومقام عطا کیا ہے وہ کسی اور مذہب نے عطا نہیں کیا ہے۔ اسلام میں ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ ایسے مذہب کے ماننے والوں کو دہشت گرد قرار دینا سراسر بہتان عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن اسی بہتان کو ایک سازش کے تحت بڑی قوت کے ساتھ پھیلایا جارہا ہے اس سازش کے تانے بانے عالمی سطح پر بُنے گئے ہیں۔ عمل اور ردعمل کے نتیجے میں کچھ سالوں میں دنیا کے بعض علاقوں میں جو حالات پیدا ہوئے، جو واقعات رونما ہوئے، انھوں نے ہمارے ملک میں فرقہ پرستوں کو ایک ہتھیار دیدیا ہے اور ایک ایسا موقع فراہم کردیا ہے جس کو وہ پورے طور پر استعمال کرکے مسلمانوں کو بدنام کررہے ہیں؛ لیکن تشدد کہاں ہے؟۔ دہشت گردی کہاں ہے؟۔ مزاحمت کہاں ہے؟ اس میں فرق کی ضرورت ہے۔ فلسطین کے لوگ اگر اسرائیل کے ظلم وجارحیت کے خلاف کچھ کررہے ہیں تو کیا یہ دہشت گردی ہے؟۔ عراق کے عوام اگر بش کی دہشت گردی کے خلاف مزاحمت کررہے ہیں تو کیا اسے دہشت گردی کہا جائے گا؟۔ ہرگز نہیں۔ مدارس کے حوالہ سے میں عرض کروں گا کہ ایک واقعہ آپ ثابت کریں جس میں مدرسے کا کوئی آدمی دہشت گردی میں ملوث ہوا ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک فنڈ بنایا جائے اور جو مدارس کے لوگ بے قصور گرفتار کئے جارہے ہیں ان کے بارے میں عدالتی چارہ جوئی کی جائے، پیروی کی جائے‘‘۔

حضرت مولانا محمد اسرار الحق صاحب قاسمی زیدمجدہم کا خطاب:

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی زیدمجدہم صدر ملی وتعلیمی فاؤنڈیشن نئی دہلی نے کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ہماری ملت کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں بہت سے موڑ اور نازک مرحلے ایسے آئے کہ ان کی شدت کے سامنے کبھی محسوس ہوتا تھا کہ ہمارا وجود متزلزل ہوجائے گا، لیکن ہماری تاریخ کی

بڑی عظمت ہے کہ جب بھی کوئی بڑی مصیبت آئی، بڑے سے بڑا نازک مرحلہ آیا تو ہماری ایمانی قوت میں اسی درجہ اضافہ ہوا ہے، جس انداز سے آج ہم کو گھیرا گیا ہے، اسلام کی جس طرح غلط تصویر پیش کی جارہی ہے ہم کو اس سے متاثر نہیں ہونا ہے، بلکہ اپنی ایمانی فراست اپنے تدبر اور حکمت عملی سے ان چیزوں کا مضبوطی سے مقابلہ کرنا ہے، پوری دنیا جانتی ہے کہ اسلام میں صرف امن کا تصور ہی نہیں؛ بلکہ اسلام میں امن کی قوت بھی ہے، یہ پاور آف پیس ہے، یہی اسلام ہے جو دنیا میں امن قائم کرسکتا ہے، مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے تو پوری دنیا میں امن ہوگا مسلمان بیٹھ جائیں گے تو پوری دنیا میں بڑے بڑے جھگڑے ہوں گے، آج وہ لوگ جن کے ہاتھ رنگین ہیں ہیروشیما کے خونی بموں سے، جن کی زبان سے آج عراق کا لہو ٹپک رہا ہے، اگر وہ آج اسلام کو دہشت گردی سے جوڑرہے ہیں تو اس سے بڑی دہشت گردی اور کیا ہوگی۔ ہندوستان کے اسلامی مدرسوں کو دہشت گردی سے جوڑرہے ہیں۔ جنوبی ایشیاء کے اندر دہشت گردی کی بنیاد جنھوں نے قائم کی وہ وہی لوگ ہیں جو ''اسلامی مدرسے بے نقاب'' نامی کتاب کے ذریعہ مدارس اسلامیہ کو بدنام کررہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو گاندھی کے قاتل تھے، آج جن مدرسوں کو بدنام کیا جارہا ہے اگر یہ مدرسے نہ ہوتے تو ملک آزاد نہ ہوتا۔ ملک کی آزادی کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے بعد مولانا نے فرمایا: ہم اس ملک میں رہ رہے ہیں ہم اس ملک کے شہری ہیں۔ ہم اس ملک کے مالک ہیں ہم اس ملک کے کرایہ دار نہیں ہیں، ہمارے پاس ملک کا کانسٹی ٹیوشن ہے۔ ہمارے پاس ملک کا عدلیہ ہے۔ اس ملک میں لڑائی ہندو مسلمانوں کی نہیں ہے۔ طبقہ واری اور مذہبی لڑائی نہیں ہے۔ اس ملک میں لڑائی سیکولرزم اور فاشزم کی ہے۔ ہم فاشزم کو اس ملک میں چلنے نہیں دیں گے۔ ہم سیکولرزم کی بنیاد مستحکم کریں گے۔ ہم ظلم وزیادتی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس عظیم الشان کانفرنس کے اعلامیہ کی ہم تائید کرتے ہیں ہندوستان میں امن پسند انصاف پسند لوگوں کو ساتھ لے کر ہم پورے عزم وحوصلے کے ساتھ آگے بڑھیں گے''۔

خطاب حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب زید مجدہم:

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب زید مجدہم استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے بزرگو اور بھائیو! دیوبند کی اس سرزمین پر مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے اس دارالعلوم میں جس نے ظالم اور غاصب انگریزوں کی طاقت سے مورچہ لیا، جب عسکری میدان

میں یہ محسوس ہوا کہ امت مسلمہ شکست کھا چکی ہے، اس نے ایک مرکز، نظریات، اور فکر اسلامی کی نشر واشاعت کا قائم کیا جس کو صرف اس لیے قائم کیا گیا تھا تاکہ اٹھارہ سوستاون کی ناکامی کی تلافی اس کے ذریعہ کی جائے۔ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے اس دیوبند میں جس نے ظالم اور غاصب انگریزوں کی بین الاقوامی طاقت کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے ایک عالمی اور بین الاقوامی تحریک چلائی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے اس دارالعلوم میں جس نے قربانیوں کی ایسی نظیر قائم کی ہے جس کی نظیر اب تک پھر دوبارہ پیش نہیں کی جاسکی۔ اس دارالعلوم میں جو اجتماع بلایا گیا ہے وہ اس مقصد کی خاطر بلایا گیا ہے کہ دہشت گردی مخالفت کا ایک محاذ قائم کیا جائے یہ پلیٹ فارم دفاعی نہیں ہے یہ معذرت کا پلیٹ فارم نہیں ہے۔

یہ پلیٹ فارم اس لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ ملت اسلامیہ بیدار ہو جائے، ملت اسلامیہ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو اچھی طرح سمجھ لے اور ملت اسلامیہ کی صفوں میں ایسا اتحاد پیدا کر دیا جائے کہ کوئی جماعت کوئی تحریک کوئی مرکز کوئی ادارہ اپنی الگ آئڈینٹٹی (شناخت) نہ بنائے آج دیوبند کے، جماعت اسلامی کے، جمعیت اہل حدیث کے اور مختلف اداروں اور تنظیموں کے ذمہ دار یہاں تشریف فرما ہیں۔ جو اتحاد یہاں نظر آرہا ہے وہ جلسہ کے بعد بھی قائم رہنا چاہیے۔ یہ اسٹیج آج کے لیے نہیں سجایا گیا ہے یہ اسٹیج ہندوستان کی قسمت ہے، انشاء اللہ یہ اسٹیج بین الاقوامی حالات کے تبدیل کرنے کے لیے متحدہ اسٹیج ثابت ہوگا۔

آج ہندوستان کو پولیس اسٹیٹ بنادیا گیا ہے، ملتِ اسلامیہ ۱۹۲۴ء سے ظلم وستم کی شکار ہے، دہشت گرد امریکہ ہے جس نے ڈھائی لاکھ عراقیوں کا خون بہایا، دہشت گرد وہ امریکہ ہے جس نے افغانستان کے نہتے بچوں، عورتوں، بوڑھوں، نمازیوں اور پریشان حالوں پر بم گرا کر لاکھوں انسانوں کا قتل عام کیا، دہشت گرد وہ ہے جس نے غلط الزامات لگائے۔ ۱۱ر ستمبر کا واقعہ ایک گھڑا ہوا واقعہ ہے۔ ایک فراڈ ہے۔ یہ صورت حال ہے، اس کو بدلنے کے لیے آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں اس اسٹیج پر کہتا ہوں کہ مولانا ارشد مدنی صاحب ہماری قیادت کیجیے۔ آپ آگے بڑھیے پوری ملت آپ کے ساتھ ہے، یہاں ایک فیصلہ کر کے اٹھیے اگر دلت ہزاروں سال ظلم سہنے کے بعد متحد ہو سکتے ہیں حکومت بنا سکتے ہیں۔ تو آپ کیوں نہیں کر سکتے۔ آپ سے ملک چھینا گیا ہے، آپ کو ملک اپنے ہاتھ میں لینا ہے اور ملک کے حالات کو سیاسی، سماجی، اور اخلاقی اعتبار سے تبدیل کرنا ہے“۔

حضرت مولانا محمد شاہد صاحب مظاہری زید مجدہم کا خطاب:

حضرت مولانا محمد شاہد صاحب مظاہری زید مجدہم امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اس اہم اجلاس کے انعقاد پر میں حضرت مہتمم صاحب زادمجدہم اور دارالعلوم دیوبند کو بصدق دل تہنیت وتبریک پیش کرتا ہوں جامعہ مظاہرعلوم کی طرف سے اس اعلامیہ کی بھرپور تائید کرتا ہوں، جو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے پوری ملت اسلامیہ کی آواز بن کر پورے عالم میں گونج رہا ہے اور گونجے گا۔ دہشت گردی کی حقیقت اور بنیاد پر غور کرنا چاہیے، دہشت گردی ظلم اور ناانصافی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ دہشت گردی ختم کرنے کے لیے اس کی بنیاد کو ختم کرنا ضروری ہے آج دہشت گردی کے نام پر کس قدر ظلم وستم ہورہا ہے۔ ظلم پنپنے والی چیز نہیں۔ ظالم اپنی طاقت کے نشے میں جس کی چاہے پگڑی اچھال دیتا ہے، جس کی چاہے عزت خاک میں ملا دیتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ظالم کی جڑیں کاٹ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کفر وشرک کی حکومت کو برداشت کرلیتے ہیں لیکن ظلم کی حکومت برداشت نہیں کرتے۔

اگر دہشت گردی کو خواہ مخواہ اسلام کے ساتھ، مسلمانوں کے ساتھ، مدارس اسلامیہ کے ساتھ جوڑ دیں گے تو دہشت گردی کا خاتمہ نہیں کرسکتے، یہ ظلم یہ ناانصافی ملک کے ہر فرد کے لیے خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے، اس نے ظلم کرنے کی وجہ سے بڑی بڑی قوموں کا صفایا کردیا ہے''۔

حضرت مولانا فضیل احمد صاحب قاسمی زیدمجدہم کا خطاب:

مرکزی جمعیۃ علماء ہندنئی دہلی کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا فضیل احمد صاحب قاسمی زیدمجدہم نے کانفرنس کو درج ذیل کلمات سے خطاب کیا: ''ہم کانفرنس کے اعلامیہ کی مکمل تائید کرتے ہیں، دارالعلوم دیوبند میں اس اجلاس کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہندوستان کے سب مظلوموں اور مسلمانوں پر رحم ہوگا۔ آزادی کے ساٹھ سالوں میں مسلمانوں پر اتنا ظلم ہوا ہے، ان کا اتنا زبردست قتل عام ہوا ہے، کہ میں قسم کھاکر کہہ سکتا ہوں کہ دوسری قوم ہوتی تو ختم ہوجاتی۔ یہ تو اسلام ہے کہ اس کو جتنا کاٹو اتنا ہی ہرا ہوگا۔ جس وقت مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا مسئلہ پیدا کیا گیا تھا تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے لوہا لیا تھا، پورے ملک کا دورہ کیا تمام مکاتبِ فکر کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ تمام مکاتبِ فکر کے لوگوں کو ایک اسٹیج پر جمع کیا اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا تھا پھر ایمرجنسی کا دور آیا، جبرأنس بندی کا سلسلہ شروع ہوا تو دارالعلوم دیوبند کے جیالے شیر، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نے آواز اٹھائی اور ملک کے ہر ہر صوبے میں اجلاس کیا اور اعلان کیا کہ یہ ظلم ہے۔ آج مادرِ علمی نے اپنی

آغوش میں سب کو لیا ہے دارالعلوم کا یہ اقدام تاریخ ساز اہمیت کا حامل ہے ۔

''یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے''

آج مسلمانوں کو جہادی گروپ بتایا جارہا ہے۔ یہ امریکہ کررہا ہے ہماری صفوں میں اتحاد ہونا چاہیے، دارالعلوم دیوبند ہمارا قائد بنے ہم کو یہاں سے کچھ کرکے اٹھنا چاہیے، ورنہ آپ دیکھئے کہ کتنے مظالم ہورہے ہیں، علماء کو گرفتار کیا جارہا ہے۔ یہ طے کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کو ختم کرنا ہے۔ ہمیں پوری ہمت اور حوصلہ کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کرنا ہے اسی کے ساتھ میں اعلامیہ کی تائید کرتا ہوں ۔ اکابر دارالعلوم اور حضرت مہتمم صاحب جہاں آواز دیں گے انشاء اللہ بندہ کو اپنے قریب پائیں گے''۔

رابطہ مدارس اسلامیہ کے صوبائی ذمہ داران اور دیگر حضرات کی تائیدات:

مذکورہ بالا حضرات علماء کرام کے تائیدی بیانات کے علاوہ کچھ اور اہم شخصیات اور صوبائی رابطہ کے ذمہ داران کے اسماء گرامی اعلامیہ کی تائید کرنے والوں میں شامل تھے جو درج ذیل ہیں۔

حضرت مولانا محمد ازہر صاحب رانچی/رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ جھارکھنڈ، حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم، حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آباد، حضرت مولانا محمد اشہد رشیدی، مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی ورکن عاملہ رابطہ مدارس، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب امیر شریعت ہریانہ وپنجاب، حضرت مولانا صدیق اللہ صاحب چودھری صدر رابطہ مدارس مغربی بنگال، حضرت مولانا مفتی ظفر الدین صاحب صدر رابطہ مدارس دہلی، حضرت مولانا محمد اقبال قاسمی صاحب صدر رابطہ مدارس تامل ناڈو، حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب صدر رابطہ مدارس راجستھان، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدر رابطہ مدارس بہار، حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب ،صدر رابطہ مدارس اسلامیہ گجرات، حضرت مولانا رحیم الدین انصاری صاحب ناظم دارالعلوم حیدرآباد، حضرت مولانا محمد غیاث الدین صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم الرحمانیہ حیدرآباد، حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب صدر رابطہ مدارس جموں کشمیر، حضرت مولانا محمد جابر صاحب صدر رابطہ مدارس اڑیسہ، حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب صدر رابطہ مدارس کرناٹک، جناب مولانا گلزار صاحب قاسمی نمائندہ حضرت مولانا حکیم عبداللہ صاحب اجراڑوی، جناب مولانا محمد پرویز صاحب قاسمی نمائندہ حضرت مولانا بدالدین اجمل صاحب قاسمی/رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند وصدر مرکز المعارف۔ جناب مولانا مفتی

محمد سراج الدین صاحب قاسمی، صدر رابطہ مدارس منی پور، جناب مولانا محمد رفیق صاحب گجرات، حضرت مولانا محمد حسیب صدیقی صاحب منیجر مسلم فنڈ ٹرسٹ وچیئرمین دیوبند، حضرت مولانا عبدالواحد مدنی سلفی سدھارت نگر، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اثری سلفی، مئو، حضرت مولانا محمد احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ سراج العلوم بوڈیہار (گونڈہ)

خصوصی پیغامات:

چند پیغامات کا ذکر اوپر آچکا ہے، حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیری زیدمجدہم، شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند علالت طبع کے باعث تشریف نہیں لاسکے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے نام اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ''دہشت گردی مخالف کانفرنس میں آں مکرم کی جانب سے دعوت نامہ برائے شرکت وتقریر ملا، جس کے لیے مشکور ہوں۔ اپنی ناسازی طبع کی وجہ سے شرکت سے معذور ہوں، تاہم یہ یقین رکھتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کی سربراہی اورآں محترم کی سرپرستی میں یہ اجلاس اپنے مقاصد واہداف کے حصول میں ضرور کامیاب ہوگا''۔ یہ پیغام، حضرت کے صاحبزادۂ محترم جناب مولانا احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند ومہتمم جامعۃ الامام انور شاہ الکشمیریؒ دیوبند نے کانفرنس میں پیش کیا اور مختصر تقریر بھی فرمائی۔

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد صاحب زیدمجدہم شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی کا مکتوب بذریعہ ای میل موصول ہوا جس میں حضرت مہتمم صاحب زیدمجدہم کے نام انھوں نے تحریر فرمایا کہ آپ کا دعوت نامہ موصول ہوا، کل ہند اجلاس عام رابطہ مدارس اسلامیہ کانفرنس کا انعقاد، فتنہ انگیز حالات کے تناظر میں ایک اچھا قدم ہے اس کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں، بعض مصروفیات کے باعث کانفرنس میں شرکت نہیں ہوسکے گی، کانفرنس کو با مقصد بنانے اور حکومت وقت پر اس کے اثرات مرتب کرنے کے لیے ٹھوس لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے اختتام کے بعد حکومت کے رویہ میں مثبت تبدیلی نظر آئے، اور مسلمانوں پر سے دہشت گردی کا الزام واپس لیا جائے''۔ یہ پیغام جناب مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم نے کانفرنس میں پڑھا۔

حضرت مولانا عثمان غنی رضوی صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم انوار مصطفیٰ رضا، جام نگر، گجرات کا مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں آں محترم نے تحریر فرمایا ہے: کہ مدارس اسلامیہ کے تعلق سے جن

چیزوں کی نشان دہی آپ نے کی ہے وہ مبنی برحقیقت ہیں، ایسے پُرآشوب اورخون آشام حالات میں آپ کا یہ قدم انتہائی قابل ستائش ہے۔اس کے لیے جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، حالات کے مدنظر سارے مکاتبِ فکر کو ساتھ لے کر چلنا، یہ وقت کا تقاضا اوراس کی ضرورت ہے اورآپ اپنے وسعت قلبی اور بڑکپن کا مظاہر کرتے ہوئے مختلف مکاتبِ فکر کو دعوت دے کر اس موقع پر ہمیں بھی دعوت شرکت دی اس کے لیے ہم تہہ دل سے آپ کے شکر گزار ہیں، دعوت نامہ ہمیں اس وقت موصول ہوا جب کہ اجلاس کی تاریخ قریب ہوچکی تھی، اس لیے شرکت نہ ہوسکی، ہم معذرت خواہ ہیں مگر ہم آپ کے ہم قدم ہیں، اخیر میں التماس ہے کہ اجلاس میں اہل حل وعقد جو منصوبے تیار فرمائیں اس سے ہمیں ضرور آگاہ فرمایا جائے۔

حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی: رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند اچانک علالت کے باعث تشریف نہیں لاسکے، ان کا پیغام لے کر ان کا ایک نمائندہ وفد کانفرنس میں شریک ہوا، ارکان وفد میں حضرت مولانا شمس الدین صاحب، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ جلالیہ ہوجائی، جناب مولانا عبدالقادر صاحب، ناظم تنظیم المدارس آسام، جناب مولانا پرویز صاحب ناظم مرکز المعارف آسام شامل ہیں۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب بھی مصروفیات کے باعث تشریف نہ لاسکے ان کا بھی ایک اہم پیغام موصول ہوا۔

حضرت مولانا علی کوٹی المسلیار نائب چیئرمین آل انڈیا حج کمیٹی حکومت ہند و پرنسپل جامعہ نوریہ فیض آباد کیرالا کا خصوصی پیغام موصول ہوا جس میں کانفرنس کی کامیابی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا گیا ہے اوراسے بروقت اٹھایا گیا ایک مستحسن قدم بتایا گیا ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب زیدمجدہم کا خطاب:

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب زیدمجدہم نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ: جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے اس عظیم الشان کانفرنس میں تمام مکاتبِ فکر کے نمائندہ حضرات کو شرکت کی خصوصی دعوت دینے کے لیے اساتذہ دارالعلوم کے وفود مختلف مقامات پر روانہ کیے، ان اساتذۂ کرام نے دہلی، اجمیر شریف، کچھوچھہ شریف، بریلی، بدایوں، لکھنؤ، بنارس، بستی، سدھارتھ نگر، اعظم گڑھ، مئو وغیرہ مقامات پر جاکر، جماعت اسلامی، اہل تشیع، اہل حدیث، بریلوی مکتبِ فکر کے نمائندگان اور مدارس کے ذمہ

داران حضرات سے ملاقات کی۔انھوں نے شرکت کا وعدہ فرمایا اور باضابطہ طور پر لکھ کر دیا کہ ہم شریک ہوں گے، بہت سے حضرات یہاں تشریف لائے ہیں، ان کے بیانات بھی ہو چکے ہیں، میں ان سب حضرات مندوبین ومدعوین خصوصی کا بطورِ خاص شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے زحمتِ سفر برداشت کی اوراس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔مجمع الحمدللہ ہماری توقع سے گئی گنا زیادہ ہے، میں تمام مدارس چاہے رابطہ مدارس کے رکن ہوں یا نہ ہوں، اور تمام مکاتب فکر کے ذمہ داران کا دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کی طرف سے، تمام ارکان مجلس شوریٰ کی طرف سے، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے آپ سبھی حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، شہری انتظامیہ کے ذمہ داروں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہر ہر قدم پر ہمارا بھرپور تعاون کیا، میں ضلعی سطح کے سرکاری ذمہ داروں کا بھی شکرگذار ہوں، میڈیا کے افراد کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہمیں بھرپور تعاون دیا، مختصر خطاب کے بعد حضرت قاری محمد عثمان صاحب زیدمجدہم نے کانفرنس کی وہ تجویز پڑھی جو دہشت گردی اور حکومتی رویہ کے خلاف صوبائی اجتماعات کی ضرورت سے متعلق تھی شرکاء کانفرنس نے اس کی تائید کی تجویز آخر میں شامل ہے۔

آخر میں جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب منیجر مسلم فنڈ ٹرسٹ وچیئرمین دیوبند نے بھی اظہار خیال فرمایا، اعلامیہ کی تائید کی اوراس عظیم کانفرنس کے انعقاد کو بروقت اور مستحسن قدم قرار دیا اور تمام مندوبین ومہمانانِ کرام کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت صدر کانفرنس امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب زیدمجدہم، مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی رقت آمیز دعا پر سوا دو بجے کانفرنس اختتام پذیر ہوئی، کانفرنس کی نظامت کے فرائض اولاً ناچیز راقم السطور نے انجام دیے، تکمیل میں جناب مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری کا تعاون شامل رہا۔

حضرت مولانا اصغر امام سلفی زیدمجدہم:

حضرت مولانا اصغر امام سلفی صاحب زیدمجدہم، ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث اور حضرت مولانا محمد اقبال صاحب سلفی، دہلی سے کانفرنس میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے چوں کہ جمعیت اہل حدیث کی مجلس شوریٰ کا ایک روز قبل ہی اجلاس تھا، مصروفیات کے باعث دیر سے روانگی ہوئی اور راستہ میں شدید بھیڑ کے باعث دیوبند پہنچنے میں تاخیر ہوئی، اس لیے موصوف محترم کا کانفرنس میں خطاب نہ ہوسکا۔حضرت صدر کانفرنس دامت برکاتہم اوردوسرے ذمہ داران دارالعلوم

اور ناچیز راقم السطور سے انھوں نے اپنی ملاقات میں اس عظیم الشان کانفرنس کے انعقاد پر تہنیت اور تبریک پیش کی، اس کو نہایت مستحسن اور بروقت اقدام قرار دیا اور تمام مکاتبِ فکر کے نمائندہ حضرات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے پر بطورِ خاص مبارک باد پیش کی، مولانا موصوف کا خصوصی خطاب پروگرام میں شامل تھا اور اس کا اعلان بھی کیا جاچکا تھا لیکن افسوس کہ تاخیر کے باعث ان کے خیالات سے استفادہ نہ کیا جاسکا۔

کانفرنس بے حد کامیاب اور تاریخ ساز رہی:

کانفرنس بے حد کامیاب اور تاریخ ساز ثابت ہوئی پرنٹ اور الیکٹرانک قومی میڈیا نے اسے بڑی اہمیت کے ساتھ پیش کیا، حالاں کہ ذمہ داران دارالعلوم نے میڈیا کو دعوت نہ دی تھی، لیکن مسلسل اخبارات میں خبریں آتے رہنے سے میڈیا اپنے طور پر شریک رہا، بعض مخلص حضرات نے اس میں خصوصی کردار ادا کیا اور ذرائع ابلاغ سے متعلقہ افراد کی بہتر رہ نمائی کی جس سے نہایت مثبت اور مؤثر انداز میں کانفرنس کے پروگرام کو براہِ راست بھی نشر کیا گیا اور بعد میں بھی کیا جاتا رہا، قومی اخبارات نے اردو ہندی اور انگریزی میں خصوصی اداریے اور کالم شائع کیے اور دیوبند کے پیغام کے طور پر کانفرنس کے اعلامیہ کو بے حد سراہا گیا۔ بیرون ملک بھی کانفرنس کو بڑی پذیرائی ملی جس کا اندازہ انٹرنیٹ سے موصول شدہ مبارک بادی کے خطوط اور انگریزی اخبارات کے تبصروں سے ہو رہا ہے جو بڑی تعداد میں موصول ہو رہے ہیں۔

کانفرنس کے انتظامات:

گرامی قدر محترم حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر دفتر اہتمام میں حضرات اساتذۂ کرام دارالعلوم کی ایک اہم مجلس منعقد ہوئی، ملک کی موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال پر غور ہوا کہ حکومتی ایجنسیاں مسلمانوں، مدارس اسلامیہ سے وابستہ افراد اور تبلیغی جماعت وغیرہ کے ساتھ امتیاز اور تعصب کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ملک میں کہیں بھی دہشت گردی کا کوئی بھی واقعہ پیش آتا ہے تو شک کے گھیرے میں مسلمانوں کو ہی لے آیا جاتا ہے اور غیر جانب دارانہ تحقیقات نہیں کرائی جاتی، حالاں کہ مسلمانوں کا ایسی کارروائیوں سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اور جو حقیقتاً مجرم ہوتے ہیں ان کے بارے میں چشم پوشی کی جاتی ہے، غور وخوض کے بعد طے پایا کہ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے زیر اہتمام دارالعلوم دیوبند میں مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران کا

کل ہند اجلاس عام منعقد کیا جائے، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے حکم کے مطابق دعوت نامہ کی تیاری اور طباعت کے بعد مرکزی دفتر رابطہ مدارس سے پورے ملک کے مدارس اسلامیہ عربیہ کے ذمہ داران حضرات کو تقریباً ۶ رہزار دعوت نامے جاری کیے گئے اس اہم کام کی تکمیل کے لیے دفتر رابطہ میں شب و روز کام جاری رہا، دیگر مکاتبِ فکر کے مدارس کے پتے بھی حاصل کیے گئے اور ساڑھے چار سو ایسے مدارس کو دعوت نامے ارسال کیے گئے جو اہل حدیث، جماعت اسلامی، اہل تشیع اور بریلوی مکاتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ دیگر مکاتب فکر کے اہم ذمہ داران اور بڑے مدارس کو دعوت نامہ پیش کرنے کے لیے اساتذۂ دارالعلوم کے چند وفود تشکیل دیے گئے، حضرت مولانا قمرالدین صاحب زید مجدہم، استاذ حدیث دارالعلوم اور ناچیز پر مشتمل وفد نے دہلی کا سفر کیا اور جماعت اسلامی کے امیر حضرت مولانا جلال الدین صاحب عمری اور حضرت مولانا اصغر امام علی سلفی ناظم عمومی جمعیت اہل حدیث کو کانفرنس میں شرکت کی خصوصی دعوت پیش کی یہ دونوں حضرات موقر وفد کی قیادت کرتے ہوئے کانفرنس میں تشریف لائے، اجمیر کے سجادہ نشیں اور ذمہ داران انجمن حضرات کو خصوصی دعوت نامہ پیش کرنے کے لیے جناب مولانا عبداللہ صاحب معروفی اور جناب قاری شفیق الرحمٰن صاحب تشریف لے گئے، جناب مولانا سید سرور چشتی زید مجدہم مصروفیت کے باعث تشریف نہ لاسکے ان کا نہایت اہم پیغام موصول ہوا جو کانفرنس میں پڑھا گیا، لکھنؤ، بارہ بنکی، گونڈہ، بستی، کچھوچھہ، سدھارت نگر، مئو، اعظم گڑہ اور بنارس وجون پور کے جماعت اسلامی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ مکاتب فکر کے ذمہ داران سے ملاقات کے لیے جناب مولانا مفتی محمد راشد صاحب اور جناب مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی تشریف لے گئے۔ ان علاقوں سے متعدد اہم مدارس کے ذمہ داران کانفرنس میں شریک ہوئے۔

جناب مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی اور جناب مولانا محمد ایوب صاحب مظفرنگری پر مشتمل وفد نے مرادآباد، سنبھل، رام پور، بریلی، بدایوں وغیرہ کے علاقوں میں ذمہ داران مدارس سے ملاقات کی، ان علاقوں سے بھی متعدد حضرات، دیگر مکاتب فکر کے تشریف لائے، دہلی میں جناب ڈاکٹر مفتی مکرم صاحب اور بعض شیعہ حضرات کو بھی دعوت نامہ پیش کیا گیا۔

محترم ڈاکٹر مکرم صاحب موصوف، مصروفیات کے باعث تشریف نہ لاسکے، تاہم ان کا اہم پیغام موصول ہوا جو کانفرنس میں پڑھا گیا جن شیعہ قائدین حضرات کو دعوت دی گئی تھی ان میں بعض حضرات ان تاریخوں میں لندن کے سفر پر روانہ ہونے کے باعث تشریف نہ لاسکے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ذمہ دار حضرات نے کانفرنس میں شرکت کی دعوت منظور فرمائی

تھی، تشریف لانے کا وعدہ فرمایا تھا لیکن ایک روز قبل فیکس موصول ہوا کہ انہی ایام میں جامعہ میں سیمینار کا انعقاد ہے جس کی تیاریوں میں مصروفیت کے باعث کانفرنس میں شرکت نہ ہوسکے گی۔

حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے کانفرنس کے انتظامات پر گہری نظر رکھی۔ مندوبین کے استقبال اور ان کے قیام وطعام، پنڈال وغیرہ کی تیاری لٹریچر کی طباعت اور کانفرنس کو کامیابی سے ہم کنار رکھنے والے تمام امور کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے رہے اور بہتر سے بہتر انتظامات کے سلسلہ میں برابر تاکید فرماتے رہے، حضرت کے مشورے اور ہدایات کے مطابق امور کی انجام دہی کو یقینی بنانے کے لیے حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش زید مجدہم کارگزار مہتمم دارالعلوم، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب زید مجدہم نائب مہتمم دارالعلوم، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی زید مجدہم نائب مہتمم دارالعلوم نے بھی بطورِخاص توجہ فرمائی، نیز حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب زید مجدہم ناظم تعلیمات دارالعلوم وصدر جمعیۃ علماء ہند اس اجلاس کے کنوینر قرار پائے تھے انھوں نے بھی خصوصی دلچسپی لی۔

مختلف انتظامی کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں، پروگرام اور تجاویز کمیٹی کے کنوینر حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب زید مجدہم، تیاری طعام کمیٹی کے کنوینر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب زید مجدہم، لاؤڈ اسپیکر ولائٹ کمیٹی کے کنوینر حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی زید مجدہم۔ اجناس کمیٹی کے کنوینر حضرت مولانا قمرالدین صاحب زید مجدہم، کھانا کھلانے والی کمیٹی کے کنوینر جناب مولانا مفتی محمد یوسف صاحب، فراہمی سامان قیام گاہ و پنڈال کمیٹی کے کنوینر جناب مولانا محمد حسیب صدیقی چیئرمین دیوبند، قیام کمیٹی کے کنوینر جناب قاری فخرالدین صاحب، اسٹیج کمیٹی کے کنوینر جناب مولانا خضر محمد کشمیری تھے اور استقبالیہ کمیٹی کے کنوینر کی ذمہ داری اس حقیر راقم السطور کے دوش ناتواں پر رہی۔ تمام کمیٹیوں کے کنوینر حضرات اور ارکان وکارکنان صاحبان نے حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی حسبِ منشاء بڑی جدوجہد اور لگن کے ساتھ انتظامی امور انجام دیئے اور نظم ونسق کو بہتر بنانے اور کانفرنس کو کامیابی سے ہم کنار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

دفتر اہتمام میں منعقد مجلس اساتذہ میں یہ بھی طے پایا تھا کہ کانفرنس کے موضوع کی مناسبت سے درج ذیل رسالے ترتیب دیے جائیں اور انھیں طبع کراکے فائلوں میں مندوبین کو پیش کیا جائے۔

(۱) حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی زید مجدہم استاذ ادب عربی ورئیس تحریر الداعی

نے ''دہشت گردی کا عالمی منظر نامہ'' رسالہ مرتب فرمایا۔

(۲) جناب مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی زید مجدہم، استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث کے مرتب کردہ رسالہ کا نام تھا ''اسلام میں عہد کی پاس داری اور ہندوستانی مسلمان''۔

(۳) جناب مولانا مفتی زین الاسلام صاحب زید مجدہم ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند نے ''اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق'' نامی رسالہ مرتب فرمایا۔

(۴) جناب مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زید مجدہم استاذ دارالعلوم دیوبند نے رسالہ ''مدارس اسلامیہ کے خلاف دہشت گردی کے الزامات کی حقیقت'' مرتب فرمایا۔

(۵) ناچیز راقم السطور شوکت علی قاسمی بستوی خادم تدریس دارالعلوم دیوبند نے ''اسلام میں حقوق انسانی کی حفاظت'' کے موضوع پر رسالہ تحریر کیا، نیز ''اسلام میں دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے حقوق'' کے عنوان پر ایک ۸؍صفحے کا پمفلٹ بھی ناچیز نے مرتب کیا تھا جو اردو میں بھی چھپا اور اس کا بروقت انگریزی ترجمہ جناب مولانا مفتی عبیداللہ صاحب قاسمی مدظلہ استاذ شعبہ انگریزی دارالعلوم اور جناب مولانا محمد اللہ صاحب خلیلی زید فضلہ شعبہ انٹرنیٹ دارالعلوم نے فرمادیا تھا اس لیے وہ بھی طبع کراکے تقسیم کیا گیا۔

مذکورہ بالا سارے رسالے مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند سے بڑی عجلت میں طبع کرائے گئے تاہم بحمداللہ معیار طباعت بہتر رہا، خطبہ صدارت بھی طبع کرالیا گیا تھا، یہ سب رسالے حضرات مندوبین اور شرکاء کانفرنس کو پیش کیے گیے اور بحمدللہ بے حد پسند کیے گئے۔ کانفرنس کا اعلامیہ بھی بروقت طبع کراکے تقسیم کیا گیا۔

مجلس استقبالیہ سے متعلقہ امور کی انجام دہی میں تمام ہی حضرات ارکان مجلس استقبالیہ خصوصا جناب مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری ، جناب مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی، جناب مولانا منیرالدین احمد صاحب گڈاوی اساتذۂ دارالعلوم کا گراں قدر تعاون شامل رہا جس کے لیے بندہ سبھی حضرات کا بے حد ممنون ہے۔

کانفرنس کا تاریخی اعلامیہ:

کل ہند کانفرنس کے دعوت نامے میں یہ صراحت کردی گئی تھی کہ موضوع سے متعلق کوئی تجویز ہوتو ضرور پیشگی ارسال فرمائیں، کچھ اہم تجاویز موصول ہوئیں جن کی روشنی میں کانفرنس کے اعلامیہ کا مسودہ تیار کرلیا گیا جس پر تجاویز کمیٹی کے ارکان گرامی حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم، حضرت

مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب (کنوینر) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، اور ناچیز شوکت علی قاسمی بستوی پر مشتمل مجلس میں غور وخوض کیا گیا، جزوی ترمیمات کے بعد مسودہ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۱۶رصفر ۱۴۲۹ھ - ۲۴رفروری ۲۰۰۸ء میں پڑھا گیا۔ کچھ مزید ترمیمات کی گئیں پھر یہ اعلامیہ کانفرنس میں حضرت مولانا محمد ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہم رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے پڑھ کر سنایا اور تمام شرکاء کانفرنس نے بلند آواز سے اور ہاتھ اٹھا کر بھی اس کی پُر زور تائید کی۔ اعلامیہ کا مکمل متن پیش ہے۔ اعلامیہ کے علاوہ کانفرنس میں صوبائی اجتماعات سے متعلق بھی تجویز منظور ہوئی وہ بھی پیش ہے۔

❁ ❁ ❁

اعـــلامـــیـــه

دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس

اسلام ساری انسانیت کے لیے دینِ رحمت ہے، وہ دائمی امن وسلامتی اور لازوال سکون واطمینان کا سرچشمہ ہے، اس نے پوری انسانی برادری کو بلاتفریق قوم ومذہب اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے، اس کا دامنِ رحمت سارے عالم انسانیت کو محیط ہے، اسلام نے تمام بنی نوع انسان کے ساتھ اخوت ومساوات، رحم وکرم، ہمدردی ورواداری، خدمت وخیرخواہی، عدل وانصاف اور پرامن بقائے باہم کی تعلیم دی ہے۔ اسلام ہر قسم کے تشدد اور دہشت گردی کا شدید مخالف ہے، اس نے ظلم وتعدی، زور زبردستی، فتنہ وفساد، قتل وخوں ریزی، بدامنی وشرانگیزی کو سخت گناہ اور بھیانک جرم قرار دیا ہے۔

رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی، ملت کے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں کی یہ دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس ہر قسم کے تشدد اور دہشت پسندی کی سخت الفاظ میں مذمت کرتی ہے اور اس المناک عالمی اور ملکی صورت حال پر گہری فکر وتشویش اور غم وغصے کا اظہار کرتی ہے کہ دنیا کی اکثر حکومتیں مغرب کی ظالم وجابر اور سامراجی حکومتوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان کو راضی رکھنے کے واحد مقصد سے اپنے شہریوں خصوصاً

مسلمانوں کے ساتھ ایسا رویہ اپناتی جارہی ہیں جسے کسی بھی دلیل سے جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا، ہمارے لیے یہ بات اور بھی زیادہ باعث تشویش ہے کہ ہمارے ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسی بھی ان طاقتوں کے زیر اثر آتی جارہی ہے جن کے ظلم وبربریت اور سرکاری دہشت گردی نے نہ صرف فلسطین، اور عراق وافغانستان بلکہ بوسنیا اور جنوبی امریکہ کے متعدد ممالک میں بھی معلوم انسانی تاریخ کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ جب کہ ہمارا یہ عظیم ملک غیر جانبداری بلکہ اخلاقی وروحانی قدروں کے حوالے سے دنیا میں جانا جاتا رہا ہے۔ اور اب تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہندوستانی مسلمان، خاص کر دینی مدارس سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جو جرائم سے دور اور پاک صاف زندگی کے سلسلے میں عدیم المثال ریکارڈ رکھتا ہے ہر وقت اس دہشت میں مبتلا رہتا ہے کہ انتظامیہ کے ہاتھ اس کے گریبان تک کب پہنچ جائیں اور نہ جانے کتنے لوگ آج جیلوں میں بند، ناحق طرح طرح کی کربناک اذیتیں برداشت کرنے پر مجبور ہیں جب کہ واقعتاً دہشت گردی پھیلانے والے، تھانوں کو لوٹنے والے، برسرعام پولیس افسران کو قتل کرنے والے، آتشیں اسلحوں کی نمائش کرنے والے عناصر آزاد گھوم رہے ہیں اور ان کے اس دہشت گردانہ عمل پر بندش لگانے کی کوئی معقول ومؤثر تدبیر اختیار نہیں کی جارہی ہے جس نے حکومت کے سیکولر کردار پر سوالیہ نشان لگادیا ہے، جو بلاشبہ ملک وقوم کے لیے انتہائی خطرناک امر ہے — اس لیے یہ کل مسلکی متحدہ دہشت گردی مخالف کانفرنس اس رویہ کی پُر زور مذمت کرتی ہے اور سرکاری اہل کاروں کی اس جانب داری پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ ملک میں قانون وانصاف اور سیکولر نظام کی بالادستی باقی رکھنے کے لیے اپنی متحدہ جدوجہد جاری رکھے گی۔

یہ کانفرنس حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ مدارس اسلامیہ اور مسلمانوں کی کردار کشی کرنے والوں کو لگام دی جائے، نیز انتظامی مشینری کو پابند کیا جائے کہ ملک کے امن عام کو تباہ کرنے والے کسی بھی واقعہ کے رونما ہونے پر غیر جانبداری کے ساتھ تحقیقات کی جائیں اور جرم ثابت ہونے پر مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے، نیز کسی خاص فرقے کے لوگوں پر بغیر کسی ٹھوس بنیاد کے شک وشبہ کا اظہار نہ کیا جائے الغرض سرکاری ایجنسیاں ہر قسم کے تعصب وامتیاز سے بالاتر ہوکر اپنا فرض منصبی ادا کریں تاکہ ملک میں حقیقی امن وسلامتی برقرار رہے۔

دہشت گردی مخالف یہ کل ہند کانفرنس اپنے وطن عزیز کے تمام ارباب دانش، اہل قلم اور میڈیا کے ذمے داران سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ملکی وبین الاقوامی مسائل کا آزادانہ ودیانت دارانہ تجزیہ کریں اور کسی خاص تعصب کا شکار ہوکر مسائل کو ایک خاص رنگ دینے کی کوشش سے گریز کریں۔

اسی کے ساتھ تمام اسلامی مکاتب فکر کے نمائندوں کی یہ دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس تمام مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنی اب تک کی روِش کے مطابق آئندہ بھی اپنا وطن دوستانہ اور انسانیت کے احترام پر مبنی اپنا کردار نمایاں رکھیں، حالات کی سنگینی کا بھرپور ادراک کریں، مکمل بیدار مغزی کا ثبوت دیں تاکہ ان میں سے کسی کو بھی اسلام مخالف یا ملک دشمن طاقتیں اپنا آلہ کار نہ بنا سکیں، اپنے ملک سے وفاداری برقرار رکھتے ہوئے عزت وسربلندی کے ساتھ رہیں، اپنی قیادت پر بھرپور اعتماد رکھیں، مدارس اسلامیہ کو اپنی متاعِ عزیز سمجھتے ہوئے ہر حال میں ان کا ساتھ دیں، اور پوری ہمت اور عزم وحوصلے کے ساتھ شریعت وقانون کی مخالفت سے بچتے ہوئے وطن عزیز میں زندگی گذاریں اور یاد رکھیں کہ اہل مسئلہ ہمارے ایمان اور اعمال کا ہے۔

لہٰذا اعمال صالحہ سے آباد زندگی گذارنے کی جانب سب سے زیادہ توجہ مرکوز کریں کیوں کہ حالات کے بننے بگڑنے کا اصل تعلق اعمال کے بننے بگڑنے سے ہے۔

❁ ❁ ❁

تجویز منظور شدہ: دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس

منعقدہ: ۱۷؍صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵؍فروری ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ

دہشت گردی کے خلاف صوبائی اجتماعات کی ضرورت

دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس اس جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتی ہے کہ جس طرح دارالعلوم دیوبند نے حالات کے تقاضے کا احساس کرتے ہوئے اس عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا ہے اسی طرح اس موضوع پر صوبائی اجتماعات کا انعقاد بھی کیا جائے۔ اس وقت دہشت گردی کے تعلق سے جو صورتِ حال پورے ملک میں جاری ہے اس کا تقاضہ ہے کہ دہشت گردی کی مخالفت اور مسلمانوں کے ساتھ انتظامی مشینری کے امتیازی رویہ کی مذمت کے لیے مسلسل اور مربوط کوششیں کی جائیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر صوبے کے مرکزی مقام پر اسی نوعیت کی کانفرنسوں کا اہتمام کیا جائے۔ کانفرنس دارالعلوم دیوبند سے گذارش کرتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں بھی رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔

❁ ❁ ❁

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ	دی الاوّل ھ مطابق ء	جلد

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴

ہندوستان سے فی شمارہ- روپئے، سالانہ- روپئے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ- روپئے

بنگلہ دیش سے سالانہ- روپئے پاکستان سے ہندوستانی رقم- روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P. Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہر□ مضامین

صفحہ	نگارش نگار	نگارش	نمبر شمار
۳	حبیب الرحمٰن اعظمی	حرفِ آغاز	۱
۷	مولا□ شیر محمد امینی	رسول اکرم □ کے عظیم اخلاق وکردار	۲
۱۱	مولا□ □یفہ و□نوی	قرآن کی حفاظت کیلئے اللہ کا حیرت ا□ انتظام	۳
۲۰	جناب عز□ بلگامی	عقل کا استعمال....	۴
۲۹	مولا□ سعید احمد جلال□ری	یہودی مدارس میں عسکر□ کی تعلیم□....	۵
۳۵	ڈاکٹر ا□ □ فاروقی	فتنہ □ور□ اپنے □یان میں جھا□ کر دیکھو	۶
۴۰	□یفہ و□نوی	□ماسونی اصطلاحات...	۷
۴۳	عز□ احمد	اردو □ن کا تحفظ وفروغ - کیسے اور کس طرح	۸
۵۶	....	حضرت مولا□ انظر شاہ کشمیری کی وفات...	۹

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں □ا□ سرخ نشان ہے تو اس □ت کی علامت□ ہے کہ آپ کی مدت □□اری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندو□نی □□ار □ آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روا□ کر □۔
- چونکہ رجسٹری □ میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی □ میں صرفہ زا□ ہوگا۔
- □کستانی حضرات جناب مولا□ شیر محمد صا□ □□ظم جامعہ مد□، کر□□رک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روا□ کر□۔
- ہندو□ن □ □کستان کے تمام □□اروں کو □□اری نمبر کا حوا□ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

جامعہ امام انور د بند کے مؤسس، وقف دارالعلوم کے شیخ الحدی وصدر المدرسین، د بند مکتب فکر کے ای لائق و فائق عالم د حضرت مول سید انظر شاہ کشمیری تقریباً نچ چھ ماہ کی علا کے بعد دہلی کے ای ہسپتال میں ربیع الثانی ھ موافق ا ایل ء وز شنبہ ر سال اس دار فانی کو چھوڑ کر راہی عالم جاودانی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللهم انزل علیه شآبیب رحمتك وارفع درجته واجعله من عبادك المقربین.

شاہ صا رحمہ اللہ کی صحت وتو ئی قابل رشک تھی، اس پنج ماہی ض وفات کے آنے سے پہلے ان کے جسمانی قویٰ کے لحاظ سے ی اچھے تھے، صبح وشام کی ہواخوری اور تفریح ان کا ای قد معمول تھا جس میں شای ی ہی کبھی تخلف ہو تھا۔

حضرت شاہ صا حوم ی خوش اخلاق، م راور غ وبہار طبیعت کے مالک تھے جس مجلس میں ہوتے اپنے لطائف وظرائف سے اسے ز ان زار بنا دیتے تھے، دنوازی، تکلفی اور احباب وری ان کی عادت تھی، وہ اگر چہ علمی ودینی طبقہ کے ای فرد وحید تھے، لیکن ان کے وہ لوگ بھی و ہ تھے جو علم د سے چنداں تعلق رکھتے، وہ عوامی حلقہ میں بھی ا ہی پیارے تھے جیسے طلبہ وعلماء کی میں یہ ان کے وسیع حسن اخلاق کی ای کرامت تھی۔ ذکاوت وذ میں بلا استثناء اپنے ہم وں میں امتیازی شان رکھتے تھے، اور اپنے لئے آپ را پیدا کر لینے کی حکمت عملی میں ی طولیٰ کے

مالک تھے۔ وہ بیک وقت ایک کامیاب ومقبول مدرس، اعلیٰ درجہ کے خطیب ومقرر اور بلند پایہ صاحبِ قلم و ... تھے ان کی تحریر رواں دواں اور ادب کی چاشنی کا ... ہوتی تھیں، اسلامیات میں تفسیر وحدیث ان کا محبوب موضوع تھا۔ اور ان میں وہ اپنی نمایاں پہچان رکھتے تھے، تعلیم وتدریس اور ... و ... کے مشغلہ سے مضبوط ومستحکم وابستگی کے ساتھ ملکی ... سے بھی عملاً وابستہ تھے، اور ... سی حلقوں میں ان کی مقبولیت اور پذیرائی علمی، دینی دائروں سے کم نہ تھی۔

ایسے وقت میں جبکہ فضلاء وفارغین کی تعداد میں کثیر اضافہ کے باوجود کام کے افراد کی قلت اور کمی کا احساس عام ہے، افسوس کہ ملتِ اسلامیہ ہند اپنے ایک ایسے جامع فضل وکمال اور صاحبِ فکر وعمل شخصیت سے محروم ہوگئی جس کی کمی زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک عرصہ تک محسوس کی جاتی رہے گی۔

حضرت شاہ صاحب مرحوم ومغفور ... شعبان ... ھ مطابق ... جنوری ... ء کو محلہ خانقاہ دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ حضرت محدث علامہ انورشاہ کشمیری کی آخری اولاد تھے، والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں اس جہانِ بے ثبات کی ابھی چار بہار ہی دیکھی تھیں کہ ... ء کو وہ اپنے اس نونہال کو مالکِ کائنات کے حوالے کرکے خود راہ گیر عالم آخرت ہوگئے، اس طرح کسی کسب واختیار کے بغیر ... سے یتیمی کی سنت نصیب ہوگئی۔

والد ماجد کی وفات کے بعد والدہ اور بڑی بہن کی زیر نگرانی تعلیم وتحصیل کا آغاز کیا، قرآن مجید کی تعلیم مکمل کرلینے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے فارسی کے پنج سالہ نصاب کی تکمیل کی، بعد ازاں آپ کے خالہ زاد بھائی حکیم اختر نے آپ کا داخلہ پنجاب یونیورسٹی میں کرادیا، جہاں سے انہوں نے اردو ادیب، عالم، ادیب فاضل فارسی اور منشی فاضل کے امتحانات دیئے۔ اس کے بعد کرنال سینٹر سے انگریزی میں ان کے دو پرچوں کا امتحان دیا۔ یہ ہندوستان کی تقسیم کا زمانہ تھا، ہر طرف فسادات اور قتل وخونریزی کا بازار گرم تھا، شاہ صاحب کرنال سے دہلی آگئے، لیکن دہلی میں بھی حالات ویسے نہ تھے کہ وہاں قیام کیا جاسکے۔ اسلئے دہلی سے منتقل ہوکر دیوبند واپس آگئے۔

دیوبند کی مراجعت کے بعد شاہ صاحب کے سرپرستوں نے انھیں حضرت محدث علامہ انور شاہ کشمیری کے تلمیذ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کے خادم خاص قاری اصغر علی صاحب سہسواری رحمہ اللہ کی تربیت میں دیدیا، قاری صاحب موصوف چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کا ستھرا سلیقہ رکھتے تھے، وہ پڑھاتے نہیں بلکہ گھول کر پلاتے تھے ساتھ ہی بچوں کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے ان کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ قاری صاحب کی یہ تعلیم وتربیت شاہ صاحب کے حق میں بڑی مفید ثابت ہوئی اور وہ ہر طرف سے یکسو ہوکر پڑھنے لکھنے اور اپنے مستقبل کی تعمیر میں پوری طرح منہمک ہوگئے، اور چند ہی سالوں میں متوسطات تک کی کتابوں کی تکمیل کرکے دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ داخلہ لے لیا اور آگے کی کتابیں اس وقت کے اساتذہ مولانا معراج الحق دیوبندی، مولانا محمد حسین بہاری، مولانا عبدالاحد وغیرہ سے پڑھ کر اس وقت کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی اور شیخ المعقولات علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی وغیرہ اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کرکے سند فراغت حاصل کی۔

حضرت شاہ صاحب کی علمی صلاحیتوں کو نکھارنے اور پروان چڑھانے میں حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ کا کردار بہت اہم ہے، جس کے معترف شاہ صاحب زندگی بھر رہے اور اس سلسلے کے واقعات کو بڑی دلچسپی سے بیان کیا کرتے تھے۔

تعلیم وتحصیل سے فراغت کے بعد [illegible]ھ/[illegible]ء میں بحیثیت مدرس مادر علمی دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوگیا اور اپنے محسن اساتذہ بالخصوص حضرت شیخ الادب کی نگرانی ورہنمائی میں تدریس کا سلسلہ شروع کردیا جو مسلسل چوبیس سالوں تک جاری رہا، اس مدت میں شاہ صاحب نے نصاب میں شامل اکثر بلکہ بعض کتابوں کے علاوہ سبھی کتابوں کا درس دیا، شاہ صاحب کی قوت حافظہ اور یادداشت بلا کی تھی، قوی، ذہانت و ذکاوت میں بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، اسی کے ساتھ زبان وبیان پر انھیں بڑی قدرت حاصل تھی۔ اس لئے ان کا درس طلبہ میں ہمیشہ مقبول اور وہ خود محبوب رہے۔ [illegible]ء میں دارالعلوم دیوبند سے رسمی تعلق منقطع ہوجانے کے بعد وقف دارالعلوم میں تدریس کا سلسلہ جاری رہا، درس وتدریس

کا وہ سلسلہ جو آج سے چوبیس پچیس سال پہلے شروع کیا تھا، اگرچہ اس کی شکل بدل گئی، لیکن وہ کسی انقطاع کے بغیر جاری رہا۔ اس مدت میں دیگر کتابوں کے علاوہ صرف بخاری شریف کے طلبہ کی تعداد جنھوں نے دونوں جگہوں میں شاہ صاحب سے پڑھا سات ہزار سے اوپر ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء تدریس کے ساتھ تصنیف بھی شاہ صاحب کا محبوب مشغلہ تھا، وہ اپنے ہجوم اور مشاغل ومصروف اوقات میں سے ایک وقت اپنے اس ذوق کی تسکین کے لئے ضرور فارغ کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے اس طویل علمی سفر میں تلامذہ کی کثیر تعداد کے ساتھ قرآن، حدیث، تذکرہ وسوانح وغیرہ مختلف موضوعات پر دو درجن سے زائد تصنیفی یادگار بھی چھوڑی ہیں۔

ان خالص علمی مشاغل کے ساتھ شاہ صاحب ملکی سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے، اور عملی طور پر وہ ہمیشہ کانگریس سے وابستہ رہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کانگریس اگر اپنی قدیم روایت پر عمل پیرا ہو جائے تو وہ اس ملک کو بہت کچھ دے سکتی ہے، کانگریس کا مقابلہ فرقہ پرستی اور علاقائیت سے ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کانگریس کو طاقت کی ضرورت ہے۔ کانگریس سے ان کی یہ وابستگی، کانگریسیوں کے غلط کاموں پر تنقید وتبصرہ سے ان کے لئے کبھی مانع نہیں ہوئی۔

غرضیکہ شاہ صاحب کی ذات مجموعہ کمالات تھی، زندگی کے ہر میدان میں ان کی خدمات اور علم وعمل کے نقوش موجود ہیں جن سے آنے والی نسلیں اپنے ذوق وطبیعت کے مطابق روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی خصوصی عنایات سے نوازے، اعلیٰ علیین میں انھیں مقام عطا فرمائے، اور اپنے مقربین بندوں کے زمرے میں انھیں شامل فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

* * *

رسول اکرم ﷺ کے عظیم اخلاق وکردار

از: مولانا شیر محمد امینی

جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی انسان ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے انسانوں کو سیرت وکردار کی تعمیر کی دعوت دی اور اخلاق واعمال کی درستگی کا درس دیا۔ ان اخلاقی رہنماؤں نے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند پایہ اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ ان ہی رہنماؤں میں سے ایک مقدس وپاک ذات محمد ﷺ کی بھی ہے۔ آپ ﷺ جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت پیدا ہوئے جب پورا عرب شدید اخلاقی بحران کا شکار تھا اور دنیائے انسانیت میں عجیب ہیجان سا بپا تھا۔ اخلاقی اصول لمحہ بہ لمحہ توڑے جارہے تھے اور انسانیت کی سرعام تذلیل کی جارہی تھی۔ انسان سیرت وکردار کی تعمیر سے غافل اور عزت وناموس کی تخریب کاری میں مشغول تھا۔ وہ ساری انسانی صفات سے بے پرواہ اور بلند اخلاقی اصولوں سے نابلد تھے کھلے عام بدکاری کرنا، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دوسروں کی عزت وجان پر حملہ آور ہونا۔ یہ عام سی بات تھی۔ ایسے میں اخلاق وکردار کی بات کرنا کچھ ایسا ہی تھا جیسے صحرا میں صدا لگانا، لیکن اس نبی اُمّی نے اپنی ساری زندگی اخلاقی اصولوں کی تبلیغ اور الٰہی قوانین کی اشاعت میں گزار دی اور ایک دن کے لئے بھی وہ اپنے ماحول کی تیرگی سے مایوس نہیں ہوئے۔ آخر کار وہ دنیائے انسانیت سے اخلاقی [illegible] کی انسانیت سوز فضا کو ختم کرنے میں پورے طور پر کامیاب ہوگئے۔ آپ ﷺ کی محنت شاقہ نے ایک مردہ وافسردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی۔ باہم برسر پرخاش قبیلوں کے مجموعہ متفرقات کو وحدت بخش کر ایک امت اور قوم بنا دیا، جس کا محرک عمل حیات ابدی کی امید تھی۔ روشنی کی جو منتشر شعائیں اس وقت علیحدہ علیحدہ دل انسانی میں بکھری تھیں انہیں لے کر آپ ﷺ نے ایک نقطہ پر مرکوز کردیا۔ معاشرہ کو نہ صرف ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا، بلکہ اس معاشرہ کے افراد کو انسانیت کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور آپ ﷺ نے ان میں روحانی واخلاقی پاکیزگی، فرد کی آزادی، فرد اور معاشرہ کے مابین ایک توازن قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

عام طور د کے دوسرے معلّمین اخلاق کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جن اخلاقی اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن ملکوتی صفات کو ب کرنے زور دیتے ہیں خود ان کی اپنی زگی میں ان تعلیمات کا ا بہت کم ہے، حضور اکرم کی حیات مبارکہ میں آپ کو کہیں بھی یہ نقص نظر آئے گا جو شخص سیرت و کردار ک کی جتنی نیدہ گہرائی میں جائے گا وہ اسی قدر آپ کے بلند اخلاق اور کیزہ کردار کا مدح سرا نظر آئے گا۔ آپ کی زگی کا ب سے ااصول یہ تھا کہ نیکی کا کوئی کام اور ثواب کا کوئی عمل ہو آپ ب سے پہلے اس عمل کرتے تھے۔ آپ ب کسی ت کا حکم دیتے تو پہلے آپ اس کو کرنے والے ہوتے۔

حضرت انس مالکؓ رسول اکرم کے قریبی صحا اور وفادار خادم تھے حضور کو ا اں نے بہت قری ب سے دیکھا تھا اور آپ کی سیرتِ مبارکہ کا ی گہرائی سے مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے رے دس سال رسول اللہ کی مت کی۔ آنحضرت نے کبھی مجھے اُف ہا اور میرے کسی کام یہ فرمای کہ تم نے یہ کیوں کیا اور کبھی یہ فرمای کہ تم نے یہ کام کیوں کیا۔ بلاشبہ آ ر لوگوں میں ب سے نیدہ محاسن اخلاق کے حامل تھے۔

حضرت انسؓ سے نیدہ قری ب رسول اکرم کی سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال کے مشاہدے کا موقع ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو میسر آی تھا کیوں کہ وہ آپ کی ر حیات تھی اور آپ کے ہر ظاہری اور خانگی معمولات و عادات سے واقف تھیں۔ ای تبہ چند صحا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امّ المومنین حضور کے اخلاق اور معمولات بیان فرمایئے۔ تو عائشہ صدیقہ نے جواب دی کہ کیا تم لوگوں نے قرآن ھا؟ کان خلق رسول القرآن ''رسول اکرم کا اخلاق قرآن تھا'' ا داؤد شریف یعنی قرآنی تعلیمات آپ کے اخلاق و کردار میں رچی اور بسی ہوئی تھی۔ اور حضور اکرم ان سے ذرا بھی منحرف تھے۔ خود قرآن کر میں آپ کے بلند اخلاق و کردار کی شہادت دی گئی ہے کہ ''بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیا ہیں'' سورہ القلم آی

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ جو بچپن سے جوانی آپ کی مت میں رہے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ طبیعت کے م اور اخلاق کے تھے، طبیعت میں نی تھی سخت مزاج تھے۔ کسی کی دل سکی کرتے تھے، بلکہ دلوں ہم رکھتے تھے۔ آپ رؤف و رحیم تھے۔ شمائل مذی ب مکہ فتح ہوا تو حرم کے صحن میں قریش کے تمام سردار مفتوح ا از میں ے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ای ی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی جو آپ

کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ ﷺ کی برائی کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس ذات قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے تھے۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو مارتے تھے ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے۔ دہکتے انگاروں سے ان کے جسم کو داغتے تھے۔ آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، قربان جائیے محمد عربی ﷺ کہ اس نے ان تمام جرائم سے قطع نظر، جانی دشمنوں پر ہر طرح سے غلبہ کے باوجود ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور اپنی بلند اخلاق کا کیسا دائمی اور عالمگیری نقش دنیا والوں کے لئے قائم کردیا؟ اس سلسلے میں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

> رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا ”لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء“ آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (نبی رحمت)

ابوسفیان جو غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق وغیرہ میں لڑائیوں کا سرغنہ تھا۔ جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرایا، کتنی دفعہ خود حضور ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا، جو ہر ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے آتا تھا تو اس کا ہر قدم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ پر رحمت عالم ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور عام ابوسفیان سے کہتے ہیں کہ ڈر کا مقام نہیں محمد رسول اللہ ﷺ انتقام کے جذبے سے بالاتر ہیں پھر حضور ﷺ نے نہ صرف اس کو معاف فرمادیا بلکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ”من دخل دار أبی سفیان کان آمناً“ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔

بلند اخلاق کی ایسی جیتی جاگتی، دائمی اور عالم گیر مثال کیا کوئی پیش کرسکتا ہے یا دنیا نے اپنے معرض وجود کے دن سے اب تک اس کی نظیر دیکھی ہے؟ ہرگز نہیں یہ فضل خاص ہے جو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو عطا کیا تھا — رسالت محمدی ﷺ کی بنیادی ذمہ داری قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم تھی اور خود حضور ﷺ کی زندگی اس کا عملی نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اللہ

تعالیٰ قرآن کو راہِ راست کی ضمانت قرار دیتا ہے "بیشک یہ قرآن سیدھے راستے پر گامزن کرتا ہے"
(سورہ بنی اسرائیل) اور دوسری طرف آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کو نمونۂ زندگی بنا لینے کی تلقین
کرتا ہے کہ تمہارے لئے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو
اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہے۔ (سورہ احزاب)

آپ ﷺ جس قرآن کی تعلیم فرماتے اپنی عملی زندگی میں اس کو قابل تقلید بنا کر پیش کرتے
قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت مبارکہ ہے پیغمبر اسلام کی سیرت
واخلاق کی عظمت کے آگے بڑے بڑے حکماء اور معلّمین سرنگوں نظر آتے ہیں اور ان کے قول وعمل
کی صداقت سے سند حاصل کیے بغیر دنیا کا کوئی انسان اخلاق کے اعتبار سے اعلیٰ نہیں ہو سکتا۔ اللہ
تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مثالی نمونہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اور لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ
زندگی کے ہر شعبہ، ہر دور، ہر حال میں اس نمونہ کے مطابق خود بھی بنیں اور دوسروں کو بنانے کی فکر
کریں۔ گویا رسول ﷺ کا اخلاق وسیرت ایک حیثیت سے عملی قرآن ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی دنیائے بشریت کے لئے اسوۂ حسنہ
اور الٰہی فیوض وہدایات واحکام کا ایک مفید وگہرا سمندر ہے جو کبھی خشک ہونے والا نہیں ہے آپ ﷺ
کی زندگی نور ہدایت اور رہنمائی کا ایسا مینار ہے جہاں تاریکی کا گزر نہیں اور مکروفریب کی تاریکیوں سے
بھری ہوئی اس دنیا میں زندگی بسر کرنے والے لوگ اگر سیرت نبوی کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنالیں تو
ان کی زندگی بھی غیر معمولی نور سے منور ومالا مال ہو جائے۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں پاکیزہ زندگی کے تمام پہلوؤں کی مثالیں اور نمونے موجود ہیں
امن وآشتی کی جھلکیاں ہوں تو صلح ومصالحت کی بھی، دفاعی حکمت عملی کی بھی اور مشکل حالات
میں پرسکون کیفیات کی بھی، اپنوں کے واسطہ کی بھی اور بیگانوں سے تعلقات کی بھی معاشرت و
معاملات کی بھی اور ریاضت وعبادات کی بھی۔ لطف وکرم کی بھی اور جود وسخا کی بھی تبلیغ وتقریر کی بھی
اور زجر وتحدید کی بھی ان جھلکیوں میں جاں نثاروں کے حلقے بھی ہیں اور سازشوں کے نرغے بھی،
امیدیں بھی ہیں اور امنگیں بھی گویا انسانی زندگی کے گوشوں پر محیط ایک ایسا کامل اور جامع حیات
طیبہ ہے جو رہتی دنیا تک ساری انسانیت کے لئے رہبر ورہنما ہے۔

اگر کوئی آپ کی مکمل زندگی کا مطالعہ کر کے عمل پیرا ہو جائے تو بلا شبہ زندگی میں چار چاند لگ
سکتے ہیں اور عمل کرنے والے دنیا وآخرت میں قابل رشک بن سکتے ہیں کاش ہم رسول اللہ کی سیرت
مبارکہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔

قرآن کی حفاظت کے لیے

اللہ کا حیرت ا انتظام

از مولا یفہ و نوی
ا ی جامعہ اسلامیہ اشا العلوم
اکل کوا، ور ر

اللہ رب ا ت کا ارشاد ہے ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ سورۃ الحجر پ ہم نے ہی قرآن کو زل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کر گے۔ یہ پہلی وہ آسمانی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا ذ اللہ نے خود ، گو اس کی حفاظت کے لیے یہ وعدہ الٰہی ہے اور قرآن کا اعلان ہے ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ“ سورۃ آل ان پ اللہ کبھی بھی وعدہ خلافی کرتے۔ اللہ نے اپنا یہ وعدہ سچ کر د ۔ اور کتاب اللہ کی حفاظت کا حیرت ا انتظام کیا۔ اس طور کہ اس کے الفاظ بھی محفوظ، اس کے معانی بھی محفوظ، اس کا رسم الخط بھی محفوظ، اس کی عملی صورت بھی محفوظ، اس کی ن ن بھی محفوظ، اس کا ماحول بھی محفوظ، جس عظیم ہستی اس کا ول ہوا اس کی سیرت بھی محفوظ، اور اس کے اولین ین کی یز بھی یعنی ز گیاں بھی محفوظ۔

غرضیکہ اللہ رب ا ت نے اس کی حفاظت کے لیے جتنے اسباب و وسائل اور طریقے ہوسکتے تھے، ا رکئے، اور اں یہ مقدس اور کیزہ کتاب ہر لحاظ اور ہر جا سے مکمل محفوظ ہوگئی۔ ا اللہ آج چودہ سو انتیس سال رنے کے بعد بھی اس میں رتی ا بھی تغیر و تبدل ہوسکا، لاکھ کوششیں کی گئیں، کوئی ا کوشش بھی کامیاب اور کار ہوسکی، اور قیامت ہوسکی ہے۔

کتاب الٰہی کی، کیسے حفاظت کی گئی؟

ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب محاضرات حدی میں تحری فرماتے ہیں ”کتاب الٰہی کے

تحفظ کے لیے اللہ رب ا▯ت نے دس چیزوں کو تحفظ د▯یا، یہ دس چیز▯ وہ ہیں، جو قرآن ▯ک کے تحفظ کی خاطر محفوظ کی گئی ہیں‘‘۔

وہ کون سی چیز▯ ہیں، جو قرآن کے خاطر محفوظ کی گئیں؟

قرآن کی حفاظت کی خاطر نو چیز▯ محفوظ کی گئیں▯

▯▯▯ قرآن کی کا متن یعنی اس کے بعینہٖ وہ الفاظ، جو اللہ رب ا▯ت نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے▯ وحی کے کسی اور طر▯ سے نبی آ▯ الزماں ▯▯▯ زل کیے، آپ ▯ ▯. ▯ وحی ▯ زل ہوتی، تو آپ فوراً کاتبین وحی میں سے کسی سے کتا▯ کروا لیتے، پھر صحا▯ نبی کر▯ ▯ کی ▯ نِ اقدس سے بھی اُسے سنتے، اور جو تحر▯ کیا ہوا ہو▯، اُسے بھی محفوظ کر لیتے، اس طرح ▯▯ رسال▯ ▯ قرآن، ▯ ول کے وقت ہی لکھا جا▯ ▯، صحا▯ نے اسے حفظ بھی ▯ د کیا، کیوں کہ نبی کر▯ ▯ نے اس کے حفظ کی ▯ ی فضیلتیں بیان کی۔ ا▯ روا▯ ▯ کے مطا▯ صحا▯ میں ▯ سے پہلے حفظِ قرآن مکمل کرنے والے حضرت عثمان ا▯ عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

دورِ نبوی ▯ کے بعد دورِ ا▯ بکر میں حضرت ▯ رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحا▯ کے کے مشورے سے اس کی ▯ و▯ عمل میں آئی، یعنی اس کو یکجا کر▯ گیا اور دورِ عثمانی میں اس کی ▯ ‘عمل میں آئی، یعنی اس کے مختلف نسخے بنا کر کوفہ، بصرہ، شام، مکہ و ▯ ہ جہاں جہاں مسلمان آ▯ د تھے بھیج دیے گئے، یہ تو تحر▯ ی صورت میں حفاظت کا انتظام ہوا، اس کے علاوہ اس کو لفظ بلفظ▯ د کرنے کا التزام کیا گیا، وہ الگ۔ اس طرح قرآن سینہ وسفینہ دونوں میں مکمل ▯ محفوظ ہو گیا، اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ آج بھی جاری ہے، قیامت▯ ▯ جاری رہے گا، انشاء اللہ، اللھم اجعل القرآن ربیع قلوبنا و جلاء اعیننا.

▯▯ جہاں اللہ رب ا▯ت نے اس کے متن کی حفاظت کی، وہیں اس کے معنی ومفہوم اور ▯ د کی حفاظت کا بھی انتظام کیا، اس لیے کہ صرف الفاظ کا محفوظ ہو▯ کافی ▯ تھا، کیوں کہ ▯ اد اور معنی اَ▯ محفوظ ▯ ہو، تو اس کی تحریف یقینی ہو جاتی ہے، کتب سابقہ کے ساتھ کچھ ا▯ ہی ہوا، کیوں کہ اس کے الفاظ اَ▯ چہ کچھ ▯ کچھ محفوظ رہے، ▯ اس کے معانی ومفہوم تو ▯ لکل محفوظ ▯ رہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء ▯ السلام کے اقوال وافعال واعمال کو محفوظ رکھنے کا کوئی انتظام ▯ کیا، جس کے نتیجہ میں الفاظ محفوظہ بھی کار▯ ▯ ▯ ہو سکے، مثلاً عیسائی مذہب▯ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں دو اصولوں کی تعلیم دی گئی، اور ہم اس کے علمبردار ہیں ▯ نمبر ا▯ عدل وانصاف۔ نمبر دو محبت والفت۔

اگر آپ، ان سے دریافت کریں کہ عدل وانصاف کس کو کہتے ہیں، تو وہ اس کا مفہوم بیان کر سکتے۔ یہی حال محبت کا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عدل اور محبت کی واہ کیسے لاکھوں، کروڑوں انسانوں کو عیسائیت کے فروغ کی خاطر قتل کردیا گیا، اور یہ سلسلہ ابھی تھما ۔ اسی طرح یہودیت کی اصل بنیاد اس اصول ہے، کہ تم اپنے وسی کے لیے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند کرو۔ لیکن اگر آپ یہودی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا، کہ انہوں نے اپنے وسیوں کو جتنا یا، اتنا د میں کسی نے اپنے وسیوں کو یا ہوگا، اور اب بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، جو اسرائیل کی جارحیت سے عیاں ہے، اسلام، الحمدللہ سنت نبوی کے رے اہتمام کے ساتھ محفوظ رہنے کی وجہ سے، قرآن کی تعلیمات مکمل طور محفوظ چلا آرہا ہے۔ اس طرح اللہ نے سنتِ رسول جس کو احادیث رسول بھی کہا جاتا ہے، کے ذریعہ معانی ومفاہیم اور داالٰہی کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ نبی کریم نے قرآن کی جو تفسیر کی، "تفسیر بالماثور" کہا جاتا ہے، جس امام سیوطی، امام ابن کثیر وغیرہ، شمار علماء نے تفسیر لکھیں، اور ہر آیت کی تفسیر، حدیث رسول سے کر کے دکھائی، وہ درحقیقت اللہ ہی کی جانب سے ہے، کیوں کہ قرآن نے اعلان کیا ہے "ان علینا بیانه" سورۃ القیامۃ پ یعنی اس قرآن کی تفسیر بھی ہم نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ ایک "جمعه وقرآنه" ہے، ایک ارشاد ہے "وما ینطق عن الهوىٰ ان هو الا وحی یوحی" آپ کوئی بات اپنے جی سے کرتے، بلکہ وحی ہوتی ہے۔ اسی کو کسی فارسی شاعر نے کہا

گفتہ او اللہ د

گرچہ از حلقوم عبداللہ د

اس ساری گفتگو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ "تفسیر ماثور" درحقیقت اللہ ہی کی، کی ہوئی تفسیر ہے، اور ظاہر ہے اللہ ہی اپنی مراد کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کی حفاظت سے معانی و مراد او ی بھی محفوظ ہوگئے اللہ ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول مٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قرآن کے الفاظ ومعانی کے ساتھ ساتھ، وہ جس زبان میں نازل ہوا، وہ زبان یعنی عربی زبان بھی محفوظ۔ اس کے لیے بھی اللہ نے عجیب انتظام کیا، اس طور کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا "احبوا العرب لثلاث انی عربی ولسان أهل الجنة عربی والقرآن عربی"

قرآن نے خود اعلان کیا "بلسان عربی مبین" (سورۃ الشعراء پ) ہم نے قرآن کو صاف ستھری عربی زبان میں نازل کیا۔ اگر آپ لسانیات کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا دنیا کی کوئی زبان چار سو سال سے زیادہ محفوظ نہ رہ سکی ہے تو وہ ختم ہوگئی یا کسی دوسری زبان میں ضم ہوگئی ہے یا تغیر وتبدل کی شکار ہوگئی کہ اس کی پہلی ہیئت باقی نہ رہ سکی، عربی زبان مسلمانوں کی توجہ وعنایت کا شہکار ہے، جو بیان سے باہر ہے اولاً خود نبی کریم ﷺ نے صحابہ کی تربیت میں عربی زبان کی نوک و پلک کی درستگی کو خوب اہمیت دی، آپ ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے بھی، اپنی توجہ کو اس پر مبذول کیا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالی عنہ نے تو نحو عربی وصرف عربی کی بنیاد ڈال کر، اسے خاص توجہ کا مرکز بنایا، اور پھر آپ کے بعد اُمت کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا، جس نے اپنی زندگیاں اسی زبان کی حفاظت وترویج میں وقف کردی، ابوالاسود الدُوئلی، امام سیبویہ، امام خلیل فراہیدی، امام کسائی، امام فرار، امام مبرد، امام اخفش، امام یعصم، امام تغلب، امام ثعلب، امام یشکر، امام ابن حاجب، امام ابن ہشام، امام ابن عقیل، امام ابن جنی، امام نفطویہ، امام زازویہ، امام خالویہ، امام راہویہ وغیرہ نے اپنی ساری زندگیاں صرف ونحو، علمِ بیان وغیرہ کی حفاظت کے لیے وقف کردیں، جس کی وجہ سے آج بھی عربی زبان اسی اصل ہیئت پر باقی ہے، جس ہیئت پر وہ نزول قرآن کے وقت تھی، اور قیامت کے وقوع سے پہلے پہلے تک۔ بلکہ اس قرآن کو باقی رکھنے کی اللہ کی مشیت ہوگی، امت کی ایک جماعت اس کارِ خیر میں مشغول رہے گی، انشاء اللہ۔

صرف الفاظ ومعانی اور قرآنی زبان ہی کی حفاظت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے الفاظ ومعانی کی عملی صورت کی حفاظت کا بھی پورے پورے انتظام کیا گیا، اس طور پر کہ قرآن جس لفظ میں نازل ہوتا، نبی کریم ﷺ اس کی مراد وحی کی روشنی میں صحابہ کو سمجھاتے، اور سمجھانے کے بعد اسکو عملاً بطور نمونہ، کرکے بھی بتلاتے تھے، جو آج کی زبان میں تھیوری Theory کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل Practical کا بھی اہتمام کیا جاتا، مثلاً نماز، قرآن نے صرف یہ الفاظ کہے "اقیموا الصلوۃ" (سورۃ البقرۃ) نماز قائم کرو، پورے قرآن میں کہیں اس کی پوری ترتیب نہیں بتائی گئی ہے، کہیں قیام، کہیں رکوع، کہیں سجود کو متفرق طور پر بیان کیا گیا، بلکہ نبی کریم ﷺ نے اس کا طریقہ، ترتیب صحابہ کو بتایا، اور پھر اس کو عملی طور پر کرکے دکھایا اور

کہا "صلوا کما رأیتمونی اصلی" نماز اسی طرح پڑھو جیسی مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ صحابہ نے ایسا ہی کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ نے بھی ہمیشہ اس پر عمل جاری رکھا، اور تابعین بھی ایسا ہی کرتے رہے، گویا انہوں نے بھی ہوبہو ایسا ہی کیا، اس کے بعد تبع تابعین، اس طرح آج تک نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنٍ امت کا اس پر تعامل، اس طرح عملی صورت بھی محفوظ ہوگئی، یہ تو ایک مثال ہے، ورنہ صلوٰۃ العید، صلوٰۃ الجنازۃ، زکوٰۃ، صدقہ، قربانی، تلاوت قرآن وغیرہ سب کی عملی صورت آج تک امت کے ذریعہ اللہ رب العزت نے محفوظ رکھی، اسی لیے جب کوئی قرآن کی تفسیر وتشریح میں من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اُمت میں اس کو تلقی بالقبول یا مقبولیت حاصل نہیں ہوتی، البتہ کچھ افراد جو مفاد پرست ہوں یا ان کی اسلامی تربیت نہ ہوئی ہو یا ضروری علم دین سے واقف نہ ہو، اس کے شکار ہوجاتے ہیں، اور ایسا تو دنیا میں ہوتا ہی ہے، عربی میں محاورہ مشہور ہے "لکل ساقطة لاقطة" ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن کے مفاہیم ومرادوں کو بھی اللہ رب العزت نے تعامل کے ذریعہ محفوظ رکھا، یقیناً دنیا کی کوئی طاقت اللہ کی حفاظت کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ والله غالب علی امره و لکن اکثر الناس لایعلمون (سورۂ یوسف: ۲۱)۔

قربان میرے عزیزو! قربان جائیے اس رب کائنات پر، جس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے ایسے ایسے انتظام کیے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور انسان اس کی کرشمہ سازیوں پر سر دھنتا رہ جاتا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جس ماحول میں قرآن کا نزول ہوا، جس سیاق و سباق میں آیتیں نازل ہوئی، اس ماحول کو بھی تحفظ اور دوام بخشا گیا، حدیث کے ذخیرے نے وہ پورا ماحول اس کی منظرکشی اور نقشہ کشی ہمارے سامنے رکھ دی، جب طالب حدیث اس کو پڑھتا ہے، تو اس کے سامنے اس تصور میں وہ سارا منظر متشکل ہوکر آجاتا ہے، جس منظر میں قرآن کریم نازل ہوا، جس پس منظر اور پیش منظر میں، قرآن مقدس کے احکام وہدایات پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے، صاحبِ وحی رسول اللہ ﷺ کی حاضری اور موجودگی میں عمل درآمد شروع کیا، جس کو علم حدیث میں "حدیثِ مسلسل" کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ راوی نے، حدیث کو جب نبی کریم ﷺ سے سنا یا دیکھا، تو اس وقت جو کیفیت تھی، راوی جس سے روایت بیان کرتا ہے، اس کے سامنے وہی انداز واسلوب اختیار کرتا ہے، جس انداز سے اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو اخذ کیا ہو، اور وہ پوری کیفیت بعینہٖ کرکے دکھاتا ہے، جو نبی کریم ﷺ سے صادر

ہوئی ہو، مثلاً "حدیث مسلسل بالتشبیك" اس کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گناہ اور توبہ کے وقت ایمان کی کیفیت کو بیان کیا، کہ اگر بندہ گناہ کرتا ہے، تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو وہ دوبارہ دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر علیحدہ کیا اور کہا ایمان گناہ کے وقت اس طرح نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر جوڑ کر جس کو تشبیك الاصابع کہتے ہیں بتایا، پھر اس صحابی نے بھی اس روایت کو بیان کر کے، اسی طرح کر کے بتایا، اس طرح یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے بظاہر ایسا کرنے سے کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا، اگر ایسا نہ بھی کیا جاتا تو بات سمجھ میں آجائی گی، لیکن اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے، کہ ذہنی اور جذباتی طور پر انسان اس ماحول میں چلا جاتا ہے، جس ماحول میں رسول اللہ ﷺ اس بات کو بیان فرما رہے تھے، مسجد نبوی میں یا جس مقام پر حضور اقدس ﷺ اس کو بیان فرما رہے تھے، تو روحانی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں وہاں موجود ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے ذریعہ دیکھتا چلا آرہا ہوں بالکل اسی طرح کی کیفیت "اسباب نزول آیات" کے پڑھتے اور سنتے وقت ہوتی ہے۔

سببِ نزول کہتے ہیں، حدیث میں وارد، اُن واقعات کو جو کسی آیت کے نزول کے وقت پیش آئے ہو، اس سے قرآن فہمی میں بڑی مدد ملتی ہے، کیوں کہ جب آیت کا سببِ نزول معلوم ہو جائے، تو اس سے ان احکام کا درجہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، اگرچہ یہ ضروری بھی نہیں قرار کیا گیا، کہ ہر آیت کا سببِ نزول ہو، مستقلاً علماء نے اس پر تصانیف چھوڑی، مثلاً امام جلال الدین سیوطی، امام واحدی وغیرہ نے۔

نیز قرآن کریم کی حفاظت کی غرض سے جہاں بہت ساری چیزوں کو تحفظ بخشا گیا، وہیں سیرت نبوی یعنی نبی کریم ﷺ کی زندگی کے حالات کو بھی محفوظ کیا۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے قرآنی مطالبات پر عمل کر کے بتایا تاکہ کل آ کر کوئی ایسا نہ کہے ہم قرآنی مطالبات پر عمل نہیں کر سکتے، یہ تو بڑے شاق اور دشوار گزار ہیں، تو بطور نمونہ کے آپ نے عمل کر کے بتلایا اور عمل بھی ایسا، جو اس پر عمل کرنے کا حق ہے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے، حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کے بارے میں جب دریافت کیا گیا، تو آپؓ نے کہا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا "كان خلقه القرآن" آپ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ جہاں کوئی امر نازل

ہوا، فوراً عمل کرکے بتا یا، اسی لیے قرآن نے اعلان کر دیا ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ (سورۃ الاحزاب، پارہ ، آیت) آپ کی زندگی، اے مسلمانو تمہارے لیے نمونہ ہے، دنیا میں کسی ہستی کی سیرت وحیات پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا رسول اللہ کی حیات مبارکہ پر ہوا، اور ہو رہا ہے اور چلا جا رہا ہے، آج بھی اس کی افادیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی ہے، بلکہ مزید اس کی افادیت میں اضافہ ہو رہا ہے، اللھم اجعلنا ممن یتبع الرسول و یطیعہ.

نبی کریم کی ذات اقدس کو اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآن کے نزول کے لیے منتخب کیا اور آپ کے لیے آخری دین، دین اسلام کو تجویز کیا، قرآن کی حقانیت کو باقی رکھنے کے لیے اس کے تقدس وعلو شان کو ثابت کرنے کے لیے صاحب قرآن کی عظمت اور تقدس کو باقی رکھنا بھی ضروری تھا، اللہ رب العزت نے اس کے لیے جو حیرت انگیز اور تعجب خیز انتظام فرمایا، اسی میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے نسب مبارک کو بھی مکمل محفوظ کیا گیا، عرب جو امی، اَن پڑھ تھے، اس کے باوجود اقوام عالم میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے انساب کے یاد رکھنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے یہی اہتمام بعد میں چل کر ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا، اور اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں، مثلاً الانساب للامام السمعانی وغیرہ، علم الانساب کہتے ہیں اس ریکارڈ کو جس میں یہ محفوظ کیا جائے کہ کون سا قبیلہ کہاں سے وجود میں آیا، کس قبیلے کے کس آدمی کا باپ کون اس کا دادا کون، اسی طرح اوپر تک اس کی شادی کہاں ہوئی، اس کی اولاد کتنی تھی، عرب قبائل میں کس قبیلے کی کس قبیلے کے ساتھ رشتہ داری تھی وغیرہ۔

اب کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ عربوں کو ان موضوعات سے دلچسپی رہی ہوگی تبھی انھیں اس طرح کی معلومات کے جمع کرنے کا شوق رہا ہوگا، لیکن بات اتنی کہنے سے نہیں ٹلتی، ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک حیرت انگیز بات کا انکشاف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ”جب ہم انساب کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، اور ان کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک عجیب وغریب بات سامنے آتی ہے، بہت عجیب وغریب، اتنی عجیب وغریب، کہ اس کو محض اتفاق نہیں کہا جا سکتا، وہ عجیب وغریب بات یہ سامنے آتی ہے کہ جتنی معلومات محفوظ ہوئیں، وہ مرکوز ہیں رسول اللہ کی ذات پر، حالاں کہ جس وقت انساب کی حفاظت کا کام شروع ہوا، اس وقت تو حضور پیدا بھی نہیں ہوئے تھے“۔

اللہ کو منظور تھا کہ آپ کا نسب مکمل محفوظ اور منسلک رہے تاکہ آپ کے آباء و اجداد کی علو شان، ان کی پاکبازی سے آپ کی خاندانی شرافت اور کرامت کا ثبوت فراہم ہو، اور یہاں صاحب قرآن

کی شان بھی قرآن کے شایانِ شان ہونے کا ثبوت مہیا ہو جائے، اور کسی بھی ذی ہوش و خردمند کے لیے آپ کی تکذیب کا سوال باقی نہ رہے، اور آپ کی تصدیق دل وجان سے قبول کرلے، ہاں یہ کہ اس میں حسد وعناد، شرکشی وشرارت ہو، اس طرح قرآن کی حفاظت اس کے وقار اور اس کی حقانیت کے ثبوت کے لیے اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کے نسب مبارک کو محفوظ کردیا، واللہ علی کل شئ قدیر. (سورۃ البقرۃ پ، آیت) واللہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لا یعلمون. (سورۃ یوسف پ، آیت)

نزولِ قرآن کے وقت اس کے اولین مخاطب اور اس کے اولین حاملین حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو براہِ راست مخاطب تھے، قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ نے ایک انتظام اور بندوبست یہ بھی کیا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات کو محفوظ کروادیا، ایک اندازے کے مطابق صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی، پھر ان میں سے اکثریت آخری دور میں قبولیت اسلام سے شرفیاب ہوئی، اس اولین حاملین، جنہیں قدیم الاسلام یا اولین مؤمنین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد کم وبیش پندرہ بیس ہزار رہی ہوگی، اور جن صحابہ نے آپ سے زیادہ کسبِ فیض کیا، ان کے حالات کو بھی اللہ نے محفوظ کردیا؛ تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ ان کے حالات کا علم ہو جائے اور انہوں نے ایمانی تقاضوں اور اسلامی مطالبات کو، جس حسن وخوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنایا، اس کی معرفت بھی حاصل ہو جائے؛ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے، محمد عربی ﷺ تو رسول تھے، ان کے ساتھ اللہ کی خاص عنایت ورحمت تھی، انہوں نے ایسا عمل کیا، یہ ان کی امتیازی شان تھی، لیکن جب صحابہ کی زندگیاں بھی اسی نقش قدم پر آئی، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی انسان ارادہ کرلے، تو مکمل ایمانی تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے، جیسا کہ صحابہ نے پورا کیا، اسی لیے قرآن نے کہا "امنوا کما آمن الناس" ایمان لاؤ صحابہ کی طرح ایمان لائے۔ اس میں الناس پر الف لام عہدِ خارجی کا ہے، یعنی حضرات صحابہ۔

صحابہ کے حالات میں ایک عجیب پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ جو صحابہ نبی کریم ﷺ سے جتنا قریب تھے، ان کے حالات اتنے ہی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، صحابہ کے حالات کی حفاظت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ صاحب قرآن کے اصحاب واحباب کا. جب علم ہو تو اس سے آپ کے محبّ خیر ہونے کا اندازہ ہو، کیوں کہ آدمی اپنے دوستوں سے جانا جاتا ہے، حدیث شریف میں "فانظر الی من یخالل" کہ. جب تم کسی کے بارے میں جاننا چاہو تو دیکھو کہ

وہ کیسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیسا ہے، انسانی رِیخ میں حضرات انبیاء کرام کے بعد اَ کوئی مقدس اور وہ ہے تو وہ وِہ صحا ہے، لہٰذا قرآن اور صا قرآن کو سمجھنے کے لیے یہ جا بھی ضروری تھا کہ قرآن اجتماعی عمل کیسے ہو؟ سنت اور قرآن کی اجتماعی تشکیل کس طرح ہوں؟ قرآن وحدی کی روشنی میں امت نے کیسے جنم ؟ اور ان سوالات کے جو ت مکمل ہو سکتے تھے، صحا کے احوال کے جانے ، لہٰذا اللہ نے انتظام کیا، اور اولین حاملین قرآن اور اولین عاملین میں سے تقریباً پندرہ ہزار نفوس قدسیہ کے حالات م م نسل نسل د ب ہیں، اورا اللہ امت ب سے لے کر اب اور قیامت ان کے نقوش وخطوط سے ا دہ کرتی رہے گی، اور قرآن عمل کرنے کے لیے اسے معاون سمجھتی رہے گی، واللہ لعباد۔

اب. ب صحا جو قرآن کے الفاظ ومعانی کے ساتھ ساتھ اس انفرادی واجتماعی طور عمل کرنے والے اور د کو یہ بتانے والے ٹھہرے کہ قرآن قابل عمل ہی د وآ ت کی کامیا و کا انی کا ضامن ہے، تو ان کے حالات کے جا کے لیے، ان کے اصحاب جن کو بعین کہا جا ہے، کے حالات کا قلمبند ہو بھی ضروری تھا کہ صحا کے حالات ہم یعنی ان کے بعد والوں طور پہنچے، تو اس کے لیے، ان بعین وتبع بعین کے احوال کا تحفظ بھی ضروری تھا، کرشمہ الٰہی دیکھئے کہ ا چھ لاکھ افراد کے رے میں ر ڈا یعنی مکمل معلومات کو بھی اللہ نے تحفظ بخشا اور وہ بھی سرسری بلکہ ان کی ری تفصیلات کے ساتھ، کہ یہ کون تھے؟ کس زما میں پیدا ہوئے؟ ان کی کس درجہ کی تھی؟ ان کا علم وفضل کس درجہ کا تھا؟ انہوں نے کس کس سے کسب کیا؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ ان میں کیا اچھائیاں تھیں و ہ۔ غرضیکہ اس طور منقی ومصفی کر کے سامنے رکھ دیا گیا ہے، کہ آدمی ان کی سے اطمینان بخش حد معلومات حاصل کر لے۔ اس کو فن ''اسماء رجال'' سے تعبیر کیا گیا۔ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں کہ یہ ا فن ہے کہ اس کی مثال د کے کسی مذہبی و مذہبی فن میں ملتی، مذہبی علوم میں اس کی مثال اور مذہبی علوم میں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ چیز ہیں، جس کو قرآن کی حفاظت کی خاطر اللہ رب ا ت نے حیرت ا ا از میں تحفظ بخشا، اور اپنے کامل قدرت کا مظاہرہ کیا، اللہ ہمیں قرآن کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ظاہر وباطن کو قرآن کے منشاء کے مطا بنادے۔ آمین یا رب العالمین۔

عقل کا استعمال

ابھی سر پہ اپنے جھ وہ ڈھو کہاں ہوں میں

از جناب عز بلگامی

ہم دیکھتے ہیں کہ شتہ چند صدں سے دئے انسا سائنس اور لوجی کی پناہ قیوں کے ثمرات سے خوب ا دہ کررہی ہے۔ ان قیوں کے درمیان د نے یہ منظر بھی دیکھا کہ د کی بعض قومیں اُبھررہی ہیں اور بعض دوسری قوموں کی دت وقیادت اور عظمت و رفعت کا سورج ڈوب ہے۔ ن دہ وقت را۔ د کے اسٹیج کچھ تہذیبیں ابھر اور کچھ کا زوال شروع ہوا۔ تحقیقی نظر رکھنے والے ا انصاف پسند اور ا آزاد انسان کے ذہن میں یہ سوالات ابھرتے رہتے ہیں کہ آ د کا خالق اور مالک کن وجت کی بنا کسی قوم کو اٹھا ہے اور کسی قوم کو پیوِ خاک کردیتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا کوئی کام مصلحت سے خالی ہوسکتا۔ اس د بستہ راز کی ہ کشائی اُس وقت ہوتی ہے، کوئی صا فکر انسان قرآن حکیم کی اکیسو سورۃ الانبیاء کی دسو آ رک کر سوچنے ہے

”انسان بیشک ہم نے زل کی ہے تمہاری طرف ا ا کتاب، جس میں تمہارا کرہ موجود ہے، کیا اب بھی تم عقل کا استعمال کروگے؟“

آ کا آ ی حصہ ھ کرا صا فکر انسان دفعۃً چو جا ہے کہ عقل کے استعمال خالق کائنات نے کس قدر زور ہے۔ د کی کسی اور کتاب میں عقل کے استعمال کی ا کسی کی نظیر ملتی۔ کبھی کبھی میں خود بھی سوچتا رہ جا ہوں کہ آ کی ت ہے کہ جس کتاب میں ایمان رکھتا ہوں، انسانی عقل کو دعوت دینے والی یہ اور ا تمام آیتوں کی تلاوت کر ہوں، ان سے اب کیسے لا واہ کہیں ا تو کہ جس طرح کا ؤ میں نے اس کتاب مقدس کے ساتھ اب روا ر، شا اُسی کے یہ نتائج ہوں کہ آج میں نے عقل کا استعمال

کیا، دنیا کو کچھ دینے کے قابل بنا۔ حاضر کے تیز رفتار گھومتے پہیہ میں میری کوئی وقعت نظر نہیں آتی۔ اجتماعی زندگی میں کوئی مجھ سے کسی Policy Making کے سلسلے میں نہیں پوچھتا۔ نہ کہ کسی معاملے میں تمہاری تجویز کیا ہے اور تم کس رائے کے حامل ہو۔ کبھی کبھی تو یہ احساس کچوکے لگانے لگتا ہے کہ کہیں مجھے اس زمین کا بوجھ تو تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ بڑا کرب ہوتا ہے یہ سوچ کر کہ میری حیثیت اس دنیا میں ایک عضوِ بے کارہ کی سی ہو کر رہ گئی ہے کہ جسے ساری دنیا مل کر کاٹ دینا چاہتی ہے تاکہ یہ دنیا میرے وجود سے خالی ہو جائے۔

حیرت انگیز خوشگوار سوال ایک اور بھی ابھر کر سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ مجھے مٹائے جانے کے سارے جتن کامیابی سے ہمکنار کیوں نہیں ہو رہے ہیں؟ یہ سوال ایسا ہے کہ یہ مجھے غور و فکر یا دوسرے الفاظ میں عقل کے استعمال پر آمادہ کرتا ہے کہ اب تو کم از کم مجھے اپنی عقل کو زحمت دینی ہوگی۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی وجہ ایسی ضرور ہے جس کی بنیاد پر روئے زمین سے ابھی تک ہم نہیں مٹائے جا سکے ہیں اور یہ کہ اب تک ہمارا وجود باقی ہے۔ قدرت کے اصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ ولن تجد لسنة الله تبديلا۔

عقل کے استعمال اور غور و فکر کا سلسلہ چلا تو تیرہویں سورۃ الرعد کی سترہویں آیت کا بیان یاد آیا۔ بطور یاددہانی یہاں ہم درج کرتے ہیں۔ "نازل کیا اللہ نے آسمان کی بلندیوں سے بارش، سو بہہ نکلے ندی نالے اپنی اپنی مقدار میں اور اٹھا لایا بہاؤ جھاگ یا کچرا پھولا ہوا اور معدنیات سے زیورات اور قیمتی کار آمد اشیاء بنانے کیلئے . جب آگ میں تپایا جائے تو اُس میں بھی اسی طرح جھاگ ابھرتا ہے۔ اس طرح بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کو۔ تو جو جھاگ یا کچرا ہوتا ہے وہ چلا جاتا ہے سوکھ کر اور جو نفع بخش ہوتا ہے انسانوں کے لئے، ٹھہراؤ دیتا ہے، establish کرتا ہے اسے زمین میں، اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں۔"

بڑی آسانی سے سمجھ میں آنے والی یہ بات ہے کہ اللہ دنیا میں ان لوگوں کو ہی دوام اور بقا عطا کرتا ہے جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہوں۔ تھوڑی سی ذہنی مشقت کے بعد یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ دنیا کو دینے کے لیے گو کہ میرے پاس بظاہر کچھ نہیں رہ گیا ہے، ایک چیز بہرحال ایسی ہے جو صرف میرے ہی پاس ہے اور دنیا کی قومیں اپنی تمام ترقیوں کے علی الرغم اس گرانقدر نعمت سے محروم ہیں اور وہ ہے کتاب اللہ اور وحی الٰہی کی نعمت جو آیاتِ قرآن مجید کی شکل میں آج بھی پوری حفاظت کے ساتھ زندہ و تابندہ، ہماری تحویل میں ہیں۔ شاید ہم صفحہ ہستی سے اسی لیے نہیں مٹے

رہے ہیں کہ اتفاقاً ایک امانت ہے جو ہمارے پاس رہ گئی ہے اور دنیا کے اُن انسانوں تک ہمیں پہنچانا ہے جو اس سے محروم رہ گئے ہیں۔

پہاڑوں نے جسے ڈھونے سے معذوری جتائی تھی
ابھی تک سر پہ اپنے بوجھ وہ ڈھوئے کہاں ہوں میں
عزیز بگامی

لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جو نعمت ہمارے پاس موجود ہے، اُس کے فہم و ادراک کے لیے عقل ہی کی ضرورت تھی، جو شاید ہم نے استعمال نہیں کیا۔ یہی مجرمانہ کوتاہی تھی جو دنیا کی موجودہ بے راہ روی کی ذمہ دار بن گئی۔ اب تو کم از کم ہمیں عقل کے موجودہ تعطل کو توڑنا چاہیے تاکہ ہم اُس منطقی نتیجے تک پہنچ سکیں جہاں کتاب اللہ ہمیں پہنچانا چاہتی ہے۔ زیر نظر مضمون اسی مقصد کے لیے لکھا گیا ہے کہ ہم اپنی عقل کے استعمال کی اہمیت کو پہچانیں، کہ فی الواقع ہمیں اپنی عقل کو کیسے، کس کے لیے اور کیوں استعمال کرنا ہے۔ خصوصاً آیات قرآنی کے مطالعے کے دوران عقل کا استعمال کتنا ضروری ہے۔ مذکورہ آیت شریفہ میں رب تعالیٰ نے انسانوں سے فرمایا کہ ہم نے ایک کتاب نازل کی، جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے۔ پھر انسانوں کو دعوت دی کہ وہ اپنی عقل اور ذہن کا استعمال کریں۔

یہ کہنا کہ اس کتابِ حق میں تمہارا تذکرہ موجود ہے، دراصل اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ جس دور میں بھی کتاب نازل کی گئی اُس کا موضوع صرف ''انسان'' اور ''اس کی ہدایت'' رہا ہے۔ رب تعالیٰ کی مخاطبت بھی ایک انسان ہی سے رہی ہے اور اسی کے ذکر سے مالکِ کائنات نے اپنی اس کتاب کو معمور فرمایا۔ رب کائنات کا انسانوں سے یہ کہنا کہ میری کتاب میں تمہارا تذکرہ موجود ہے، ایک ایسا بیان ہے کہ انسانوں کو چونک جانا چاہئے۔ اس لئے کہ اپنے تذکرے کی طرف متوجہ ہونا انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ فرض کیجیے کہ کوئی دوڑتے ہوئے آئے اور ہمیں یہ اطلاع دے کہ آج کے اخبار میں آپ کے بارے میں کوئی خبر شائع ہوئی ہے یا پھر خود اخبار کا مدیر یہ اطلاع دے کہ ہمارے اخبار میں آپ کا تذکرہ موجود ہے تو ہم تصور کی آنکھ سے اپنی اُس کیفیت کو دیکھ سکتے ہیں جو اس خبر کے ردّعمل میں ہم پر طاری ہو سکتی ہے۔ ہم بے چین ہو اُٹھیں گے کہ دیکھیں، آخر ہمارے بارے میں کیا لکھا گیا ہے۔ اب یہی بات کتابِ ہدایت میں ہو تو نہ جانے کیوں اسی نوعیت کی بے چینی ہم میں پیدا نہیں ہوتی کہ معلوم کریں کہ ہمارے خالق نے اپنی کتاب میں ہمارا کیا تذکرہ فرمایا ہے۔

اَ ا چینی کسی انسان میں پیدا ہوتی تو وہ د کہ اُس کی اپنی زگی کی حقیقت کیا ہے، کس مقصد حیات کو اُسے اپنا ہے اور اُس کے اپنے انجام کے رے میں کیا خبر ہے جو طور اُسے دی جارہی ہے۔ پھر اس کے معاً بعد یہ سوال کہ. تمہارا ذکر اس میں موجود ہے تو پھر تم عقل کا استعمال کیوں کرتے ؟ اَ نعمتِ عقل کا تم استعمال کرتے تو تم دیکھتے کہ قرآن شریف کی نورانی روشنی تمہاری کے ا ا پہلو کو منور کرتی جارہی ہے۔ تم یہ ہ کھلتا کہ تم اس زمین کے مستقل شندے ہو، بلکہ تم کہیں سے آئے ہو اور ا دن اس مقامِ عارضی سے، تم کرۂ ارض کہتے ہو، چھوڑ کر نقل مکانی کرنی ہے۔ تمہارا یہ کوچ یکے بعد دیگرے اور فرداً فرداً ہوگا۔ گو تم میں سے ہر انسان اپنی پیدائش کے ساتھ اپنی وا کا ٹکٹ Return Ticket اپنے ساتھ لا ہے، جس میں اس کی وا کی ریخ، روانگی کا وقت اور مقام درج ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ جانتا کہ ، کہاں اور کس وقت وہ یہاں سے کوچ کرے گا، گو اُس کے اراجات ا پٹی چپکی ہوئی ہے، وقت آنے اسکریچ کر جائے گا۔ اس حقیقت کو کتاب اللہ کی دسو سورۃ کی آ میں رب تعالیٰ نے بیان فرما ہے ''وہی رب ہے جو زگی دیتا ہے اور وہی موت بھی دیتا ہے اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جا ہے۔''

اس آ میں بھی انسان ہی موضوعِ کرہ ہے۔ زمین ہر انسان کو یہ آزادیٔ ا ر حاصل ہے کہ اُس کا من چاہے تو وہ قدرت کے قانون کی بندی کرے اور چاہے تو من چاہی زگی ارے، لیکن اُس یہ حقیقت واضح ر چاہیے کہ بہر حال ا مقررہ مدت کے بعد اسے لازماً اپنے مالک کی رگاہ میں جواب دہی کرنی ہے۔ وفا شعاری اُس سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اس آزادیٔ ا رکا جا استعمال ہو۔ قانون اور قاعدے کے تحت زگی رنی چاہیے۔ اس لیے کہ تسلیم ورضا کا تقاضہ یہی ہے کہ جس نے زگی دی، اُسی کے قانون کا اتباع انسان کا فر جائے اور اسی کا یہ استحقاق بھی ہو کہ موت کی راہ سے وہ اپنی مخلوق کو جس لمحہ وا طلب کر چاہے، کرے۔

عقل سے . بھی چھا جائے گا کہ کس کا قانون زمین جاری وساری ہو تو یہی جواب ملے گا کہ جس نے اس د کو پیدا کیا، اُسی ہستی کا قانون چلنا چاہیے۔ عقل خود یہ دلیل فراہم کرے گی کہ چونکہ کائنات کی ساری قو اُسی کے نظام اور اُسی کے احکام کی بجا آواری میں مصروف ہیں جو ساری کائنات کے جملہ اسباب ومتاع کا مالک ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں

سارے انسانوں کی جان ہے۔ جو مالک ہے حیات کا بھی اور موت کا بھی۔ پھر یہی عقل اس ضرورت کا احساس دلائے گی کہ خالق کے قانون کو دیکھا جائے، اسے ھا جائے اور سمجھا جائے، اس غور وفکر کیا جائے اور اس عمل کی راہیں تلاش کی جائیں۔ رہی ت عملی مظاہرہ کے لیے کسی کی تو آ ی رسول کا اسوۂ حسنہ اور مثالی کردار ہمارے سامنے ہے۔ تینتیسو سورۃ کی اکیسو آ ی میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ’’بیشک تمہارے لئے ز گی کے ہر پہلو میں اللہ کے رسول میں ای مثالی کردار اور اسوۂ حسنہ موجود ہے۔‘‘ اڑ سورۃ کی چوتھی آ ی میں آپ کے تعلق سے ارشاد فرمایا گیا ’’بلاشبہ آپ اخلاق کے عظیم معیار متمکن ہیں۔‘‘

آنحضرت کے اسوۂ حسنہ، اُن کا کردار و ر، ان کی نشست و خا ، ان کی خاموشی و گفتگو، اُن کی ذات وصفات، اُن کی معاشی وکار ری ز گی، اُن کی ذاتی واجتماعی ز گی، غرض کہ اُن کی کے ہر پہلو کا معروضی مطالعہ Objective Study کی جائے تو یہ معلوم کرنے میں دی لگے گی کہ اخلاق وعمل، کردار و ر کے کسی بھی معیار آپ کی ذاتِ اقدس ای مینارۂ نور کی طرح ہے۔ ای ا بلند قام کے فلک نے کرۂ ارض کبھی دیکھا۔ بیک وقت آپ کی ذاتِ اقدس ای مقرر، ای عظیم فلسفی وقانون ساز، ای بلند حو فوجی کما ر، ای منتظم، ای مشفق والد، ای مثالی شوہر، ای عظیم عوامی رہنما، ای عظیم سی منتظم و ہ کا مجموعہ نظر آتی ہے۔ دل ودماغ کو فتح کرنے والی ای ا جو عقل کے دروازوں کو مسلسل وا کرتی چلی جاتی ہے۔ خیالاتِ خام اور فرسود ں کی قاطع کر اُبھرتی د ئی دیتی ہے، انسا کو توہمات بنی نظر یات سے نجات دلاتی نظر آتی ہے۔ جس نے تصو وں اور بتوں کے آگے سر جھکانے کی رسم کو بیخ و سے اُ ڑدے اُس کا لازمی تقاضہ یہی تھا کہ وہ لا د کی اکثر ی کے دل ودماغ حکوم کرے۔ ای سدابہار ایمانی سلطنت کے نی کی طرح۔ انسانوں کی معلوم ریخ ا مثال کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

کردار کی ان ساری جہتوں میں ای قدرِ مشترک یہ نظر آتی ہے کہ یہ ای رحمت کا کردار ہے، جس کی رحمت انسانوں چھائی ہوئی ہے۔ اس حلے ہمیں جا ہ لے کر د چاہیے کہ اپنے نبی کی طرح، جن کی اتباع کا ہم دعویٰ کرتے ، کیا ہم بھی ساری انسا کے لئے رحمت بنے ہوئے ہیں؟ ی د ہمارے وجود کوا زحمت سمجھنے لگی ہے؟ اکیسو سورۃ کی ای سوساتو آ ی میں رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت

بنا کر ہے۔‘‘اسی طرح اخلاق کے اعلیٰ معیار کو قائم کرنے والے رول ماڈل کی پیروی اور اسوۂ حسنہ کی اتباع کرنے کے لئے۔اللہ تعالیٰ نے تیسری سورۃ کی ای سو بتیسو آی میں یہ حکم ارشاد فرمای کہ ’’اور اطا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی کہ تم کیا جائے۔‘‘ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہمارے س رب العالمین کی کتاب اور رسول اکرم کے اسوۂ حسنہ کی شکل میں منبع ئے ہدای موجود ہیں۔ای طرف ز گی ارنے کا ای را پیکیج ہے تو دوسری طرف اس کا Practical Application بھی موجود ہے۔اَ ہم اپنی ز گی کے ہر پہلو ہدای کے اس پیکیج کو کر گے تو بلاشبہ ہماری عقل وشعور کے لیے ہر زمانے میں فکر ونظر کے اسباق ملتے چلے جائیں گے۔

آج ساری د انگشت اں ہے کہ حدود دار کے اعتبار سے ای وسیع وعر ملک یعنی ارض العرب، جہاں کی شرح خوا گی تقریباً کے ا تھی، کیوں کر محض تیئس سال کے عرصے میں سو فیصد ہو جاتی ہے غور کیا جائے تو یہ نبوی طریقۂ کار ہمارے سامنے آ ہے کہ پہلے تو آپ نے ہر انسان کو وی درجہ عطا فرمای، پھر کسب علم کو صرف عوامی حیثیت بخشی بلکہ ساتھ ساتھ اسے ای دینی فر بھی بنای پھر اس ستزاد یہ کہ ہر انسان کو آپ نے عقل کے استعمال کی دعوت دی۔یہی سب تھا کہ انسا کے جوہر چمک اٹھے اس لیے کہ آپ کی نظر میں یہ کام اس قدر اہم تھا کہ آپ نے اُسے اپنی جیحات میں سے او ر ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان اپنی ذات میں اللہ کا ای منفرد شاہکار ہے۔اتنا منفرد کہ اس سانچے میں ابھی کوئی مخلوقِ او ی ڈھلی ہی اور قیامت کسی کے ڈھلنے کا امکان ہے۔پھر انسانوں میں بھی ان کے چہروں کی بناوٹ الگ، ر وروپ الگ، ن ان اور اُن کی نسل الگ، اخلاق وآداب Etiquettes اور قد وکاٹھ اورا و حیت الگ، حتیٰ کہ انگلیوں کے نشان کے اعتبار سے بھی انسان ای دوسرے سے الگ خلق کیے گئے ہیں۔رب کی ع کی داد دیجیے کہ جس سانچے میں چا ڈھال دی، کسی دوسرے کی تخلیق کے لیے اُسی سانچے پیمانے کی اُسے ضرورت ہی رہی ۔ لکل اسی طرح ہر انسان کے لیے رب تعالیٰ نے مخصوص جوہر بھی متعین فرمائے ۔ کہ اس کی کو نکھرنے اور اس کے کردار کو سنورنے کا موقع ملے۔اسے عزت وعظمت سے نوازا جائے۔اس کی عزت نفس اور اس کے احساسِ حری کو وہ رتبہ دی جائے جس کا وہ ار ہے اور اس کی ذ ں کو اس کے اپنے تجر ت کی روشنی میں پھلنے

پھو کا موقع میسر آئے۔

رسول کر کے اسوۂ حسنہ میں ہم یہ بھی ئیں گے کہ آپ نے اپنے ہر رفیق کو اپنی ذات اقدس سے اٹھانے کے بھر ر مواقع عنای فرمائے، بلکہ بحران کے حالات میں بھی آپ نے اس طرزِ عمل کو ک کیا۔ مثلاً، جنگِ ا اب کے موقع . حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنے تجر اور اپنی سوچ کی بنیاد . کوئی مشورہ دینا چا تو آپ نے اُسے بحران کے حالات کے درمیان قبول فرما کر فارس کے ا مقامی نفس کو وہ شرف بخشا اور وہ عزت افزائی فرمائی کہ ریخ سلوک کے ا انقدر واقعات سے اکثر خالی ہی نظر آتی ہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے ہزاروں صحا کرامؓ کو، اُس وقت کے معاشرے میں عزت وعظمت کا کوئی موقع میسر آ ریخ کا ا درِ روزگار واقعہ ہے۔ کیونکہ اُس وقت کے جاہلیت زدہ معاشرے میں ا انقلابِ فکر ونظر کا کوئی امکان موجود تھا۔ ہم حضرتِ بلالؓ کو عظمت وجلا کا وہ مقام میسر آ ہے کہ وہ قیامت شرفِ صحابیتؓ کے ا سلّم مقام فا ہونے کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے نورِ نظر جاتے ہیں۔

لفظ عقل ہم عقل عام Common Sense انسانی بھی کہہ سکتے ہیں، خود قرآن شریف کا لفظ ہے۔ یہ لفظ جو کتاب اللہ میں تقریباً اُنتا تبہ استعمال ہوا ہے اور رب العالمین نے تو کے ساتھ تمام انسا کو اپنی کتاب میں عقل کے استعمال کی دعوت بھی دی ہے۔ سچی ات تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے وہ بندے مطلق پسند جو عقل کے استعمال سے کرتے ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے پچیسو سورۃ کی چوالیسو آی میں سختی کے ساتھ فرما ''کیا تم سمجھتے ہو کہ ان کی اکثر ، سما کا عقل کا استعمال کرتی ہے؟ ، بلکہ یہ تو محض جانور ہیں ان سے بھی ز دہ ۔''

کلام اللہ میں ر جو الفاظ آتے ہیں لعلکم تعقلون افلا تعقلون لقوم یعقلون فھم لا یعقلون اکثرھم لا یعقلون ان الفاظ مشتمل آیتیں انسانی عقل کو بھی اور انسانی Intellect کو بھی دعوت دیتی ہیں، کہ ہم میں سوچ کا عمل جاری وساری ہو جائے۔ کامن کے استعمال کی ہماری عادت بنے۔ اس طرح ہم انسانی عقل کی قدر و کے ساتھ اس کے استعمال کا سلیقہ بھی سیکھ لیں۔ انسانی سوچ کا یہ عمل دراصل اس کی ساری قیات کا ضامن ہے۔ دنیوی قی کا دارومدار بھی اسی ہے اور اپنی ہمیشہ کی ز گی کی قی کے را ئے د بستہ

بھی اسی فکر و عمل کے ذر کھلنے شروع ہوں گے۔ شرط یہ ہے کہ عقل کو کتاب اللہ اور اسوۃ الرسول کی روشنی میں استعمال کیا جائے، چاہے معا ت د ہوں کہ معا ت دینی۔

کتاب اللہ میں ہے کہ ر ری ی د نی کے بعد بھی جو انسانی ذہن، سوچنے، سمجھنے اور تجر و تجزیہ کرنے اور اپنی اور عقل عام کو استعمال کرنے سے کرتے ہیں تو ان کے حق میں رب تعالیٰ کی ی سخت وعید ہمیں قرآن مجید میں ملتی ہیں مثلاً آٹھو سورۃ کی ئیسو آ میں ارشاد ری تعالیٰ ہے ''بیشک اللہ کے د ی مخلوق وہ لوگ ہیں، جو گونگے ہیں، بہرے ہیں، جو عقل کا استعمال کرتے۔'' ا ہی سخت الفاظ دوسرے ا از میں سورۂ س کی سونمبر کی آ کے آ میں فرمائے کہ ''اور اللہ گندگی میں ے رہنے دیتا ہے ان لوگوں کو جو عقل کا استعمال کرتے۔''

دیگر مخلوقات سے انسانوں کا امتیاز محض عقل کے استعمال کی و ہے، اور اس وجہ سے ہے کہ انسان کو اس کے خالق نے کا مالک بنا ہے۔ کتاب اللہ میں بکثرت مقامات اس ا از ور ی گیا ہے۔ ظاہر ہے انسان کے اوصاف اس کی کمیوں، اس کی ت و کوائف سے اس کے پیدا کرنے والے سے ز دہ طور کون واقف ہوسکتا ہے وہ صرف انسان کی ور ں کو جانتا ہے بلکہ اس کے بھٹکنے اور اپنی راہ کھوٹی کرنے کے اسباب و علل اور Situation اور مواقع سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ انسان کی ہوس و لالچ، تمنا و طمع، حرص و آرزو کو بھی اس کا رب خوب جانتا ہے۔ انسان کے من موجی چنچل دل کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ بند ں کیا ہیں جن سے طمع و حرص کے دروازے بند کیے جا سکتے ہیں اور اس کی میں نکھار اور اس کے کردار میں مضبوطی آسکتی ہے۔ اس کی حیات میں سدھار اور اس کی ز گی سے آشنا ہوسکتی ہے۔ یہ اور ا ساری چیزوں کا احاطہ ہمارے مالک نے اپنی کتاب میں ے احسن طریقے سے کرر ہے۔

رب تعالیٰ نے ا ب سے ا دہ کے لئے جن دو شرطوں کو مقدم کیا ہے، اُن میں سے ا تو یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی سے ی نعمت یعنی اُسے بخشی گئی عقل عقل عام کو استعمال میں لائے اور دوسرے یہ کہ رسول اکرم کے کردہ نظام اور اُن کے اخلاق و کردار کی پیروی اور ان کے اُسوۂ حسنہ کی اتباع کرے۔ کتابِ ہدا کا کمال یہ ہے کہ ا ا انسان کی فرداً فرداً بیت کرتی ہے کہ ا افراد مشتمل ا ا وہ تیار ہو جائے جو اپنی ذ

داری کے احساس سے مر□ □ ہو، اپنے فرائض سے اُسے وا □ ہو جائے۔ اس میں دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا سلیقہ آئے۔ اس لئے کہ کلام اللہ میں انسان کو بتا□ گیا ہے کہ کیا کیا کر□ ہے اور کیا کیا □ کر□ ہے۔ تسلسل کے ساتھ ذاتی تلاوت میں، نمازوں میں، خطبات میں، □ اور حج میں، عید □ میں، غرض کہ ہر □ اور ہر مقام □ اس کے کانوں سے یہ □ د□نی □ رتی ہی رہے □ کہ ہر فرد اپنی ذات کی حد□ □ اپنی گمراہیوں کو دفع بھی کر□ رہے اور اپنے سدھار کے سامان بھی وہ خود ہی کر□ رہے۔ اس لئے کہ انسان اپنا محتسب آپ ہے۔ وہ خود کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ سورہ القیا□ میں چودہ اور پندرہ نمبر کی آ□ □ میں فرم□ گیا ''انسان کو اپنے آپ □□ری بصیرت حاصل ہے۔ یہ □ت دیگر ہے کہ وہ عذر، □ویلات اور بہانے □ کر□ رہتا ہے۔''

کوئی بیرونی قوت □ قانون کا کوئی شکنجہ انسان کو سدھارنے میں کبھی مکمل طور □ کامیاب □ ہوا۔ ا□ ہی طریقہ ا□ ہے جس کے سب□ اس میں کامیا□ کا فیصد □□ سکتا ہے اور وہ ہے، انسان کا خود اپنی جا□ □ سے اپنی ذات کا احتساب□ ا□ وہ خود چاہے تو اس کی ا□ □ح ممکن ہے۔ یہی ہے □ □کتاب اللہ میں ''تقویٰ'' کا□م د□ گیا ہے۔ اس کا عملی □ بھی کتاب اللہ نے □ کیا ہے۔ روزہ جیسی عبادت کو فرض کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ میں فرم□ ''روزے کے عمل سے تم میں تقویٰ کا سلیقہ آئے گا۔'' روزہ ا□ ا□ عبادت ہے جو انسان خود ہی اپنے نفس اور اپنی خواہشات □ خود ہی □ بندی لگا کر ہی □را کر سکتا ہے۔ ا□ انسان کو روزہ □را کروانے □ د□ کی کوئی طاقت، کوئی قانون اور کوئی □ □ قادر □ ہو سکی۔

تقویٰ، احتساب اور اپنی ذات کے تجزیہ کا عمل، ا□ عمل مسلسل ہے۔ احتساب کے □احل کا آغاز ا□ ز□گی میں جاری □ ہوا ہے تو ا□ جاری کر□ ہو گا۔ از خود اپنی ذات □ □ بند□یں و □ بند□یں لگانی ہوں گی۔ اس طرح بصیرت اور عقل جیسی قدرتی نعمتوں کے استعمال کی □ □ و □کید کتاب اللہ میں ہمیں □ر□ رملتی ہے اور ان کے □ استعمال کے سلسلے میں کی جانے والی لا□واہی □ رب تعالیٰ کی □راضی بھی ہمارے سامنے ہے۔ اپنی □ □ کے نکھار کے لئے، اپنی ذات کی تعمیر کے لئے ا□ نسخہ، □ □ کی شکل میں سارے انسانوں کو د□ گیا ہے۔ ہر شخص اپنی عقل کی □ حیت کا، عقل عام کا اور □ □ کا بھر□را استعمال کرے۔ عقل کے استعمال کے ساتھ اللہ کی کتاب اور نبی کر□ □ کا اسوۂ حسنہ اور کردار سامنے ہو تو □صرف ہماری یہ د□ کردار کے حسن و □ل سے آرا□ ہو جائے گی بلکہ د□ کے ساتھ ساتھ، ہماری آ□ □ت بھی سنور جائے گی۔

یہودی مدارس میں عسکری کی تعلیم

اور انتہا پسند یہودیوں کا مسلمانوں کے خلاف وغضب

از مولانا سعید احمد جلال پوری
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اسلام، مسلمانوں، د، دینی مدارس، علماء، طلبہ اور دینی تعلیم کو مطعون و م کرنے، ان کے خلاف و مہم چلانے، کی ان نکال کران کو نقط سنانے والوں اور دینی مدارس کو بند، ان میں رائج تعلیم و نصابِ تعلیم کو ختم یا تبدیل کرنے کی سفارش کرنے والے یہود و نصاریٰ، ان کے ایجنٹوں اور م د مسلمان حکمرانوں کو ذرا اس طرف بھی توجہ کرنی چاہئے کہ سی کے مطا اسرائیل میں یہودیوں کے قاعدہ مذہبی مدارس قائم ہیں، جہاں خالص یہودی مذہبی نصاب اور نظامِ تعلیم رائج ہے، ں خالص یہودی مذہبی افراد تیار کئے جاتے ہیں اور ا اسرائیل جیسی صہیونی اور خالص یہودی حکومت کی سر حاصل ہے۔ صرف یہی بلکہ ان یہودی مذہبی مدارس میں قاعدہ عسکری اور ہ ی کی تعلیم و بیت کا مکمل انتظام ہے اور ں مکمل فوجی ینگ بھی دی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ا مسلمانوں کے دینی مدارس، ان کی خالص دینی، مذہبی، اسلامی تعلیم، نصابِ تعلیم اور و ام قابل دا اور قابل قبول ہے، تو یہودی مذہبی مدارس، ان کا یہودی مذہبی نصاب اور نظام تعلیم کیونکر قابل دا ہے؟ ا اسرائیل اور ان کے سر یہودی مدارس، ان کے نظام تعلیم اور نصابِ تعلیم کو ختم اور تبدیل کرنے زور دیتے ان عسکری پسند مدارس اور ان کے کٹر بنیاد مذہبی راہ نماؤں، طلبہ اور اسا ہ کے خلاف آواز اٹھاتے، تو

آج مسلمانوں کے خالص دینی، مذہبی اور اصلاحی مدارس، ان کے نصابِ تعلیم، ان کے اساتذہ، طلبہ اور مذہبی راہ نماؤں سے کیوں پرخاش ہے؟ اور وہ ان کے خلاف کیونکر برسرپیکار ہیں؟

اگر یہودی ان مذہبی مدارس، عسکریت پسند مذہبی راہ نماؤں اور ان کے طلبہ کو اپنا مخالف نہ سمجھتے تو نام نہاد مسلمان ممالک کے اربابِ اقتدار ان خالص اسلام پسند دینی، مذہبی، اصلاحی اداروں، مدارس، ان کے اساتذہ اور طلبہ کو اپنا مخالف کیوں سمجھتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ یہودی اور اسرائیلی حکومت اپنے جھوٹے دین و مذہب کے ساتھ مخلص ہیں، اور نام نہاد مسلمان اپنے سچے دین و مذہب سے منحرف و باغی ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو بتلایا جائے کہ اس مخالفت و عداوت کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ یورپ، امریکا اور اسلام دشمن طاقتوں کے دباؤ اور ایجنڈے کی تکمیل میں یہ سب کچھ ہورہا ہو؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے تو کیا یہ نام نہاد مسلمان حکمران اور ماتحت حکام ان کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر مسلمانوں کے دینی مدارس اور ان کا نصاب و نظامِ تعلیم قابلِ برداشت نہیں ہے تو یہودیوں کے دینی، مذہبی، مدارس، ان کا نصاب و نظامِ تعلیم اور عسکری تعلیم و تربیت گاہیں کیونکر قابلِ برداشت ہیں؟ اگر مسلمان مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا جاسکتا ہے، ان پر [illegible]سائے جاسکتے ہیں ان کے طلبہ کو دہشت گرد، تشدد پسند کہا جاسکتا ہے، تو یہودی مدارس اور ان کے طلبہ کے خلاف یہ ”پروقار“ القاب کیوں نہیں استعمال کئے جاسکتے؟

الغرض اگر مسلمانوں کے دینی مدارس، جہاں فوجی تربیت، جہادی اور عسکریت و جہاد کی کسی قسم کی کوئی تعلیم نہیں دی جاتی، اگر یہ ہضم نہیں ہوسکتے تو جن یہودی مذہبی مدارس میں باقاعدہ عسکریت کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے، وہ کیونکر قابلِ برداشت ہیں؟ اگر مسلم دینی مدارس اور طلبہ کے خلاف بولا اور لکھا جاسکتا ہے؟ ان کو بدنام کیا جاسکتا ہے؟ یا ان کے خلاف ساری دنیا میں دہشت گردی کا واویلا کیا جاسکتا ہے تو یہودی مذہبی اور عسکریت پسند مدارس کے خلاف کیوں نہیں لکھا اور بولا جاسکتا؟ لیجئے! بی بی سی اردو ڈاٹ کام کی اس سلسلہ کی خبر پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ نام نہاد مسلمان حکام اور متعصب و کٹر یہودیوں کے طرزِ عمل میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق ہے؟ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ گزشتہ دنوں مغربی یروشلم کے اسرائیلی مذہبی اسکول میں ایک شخص نے فائرنگ کرکے آٹھ یہودی مذہبی طلبہ کو قتل کردیا تو اس پر ساری یہودی دنیا چیخ اٹھی، بی بی سی اردو ڈاٹ کام کی خبر ملاحظہ ہو:

”مغربی یروشلم میں ہزاروں کی تعداد میں اسرائیلی اس اسکول کے باہر جمع ہوگئے

ہیں، جہاں ای مسلح شخص کے حملے میں آٹھ افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ یہود اں کے مذہبی اسکول میر ہیراف کے ہر جمع غمزدہ لوگ اس وقت آ یاہ ہوگئے، . ب ای یہودی را نے ہلاک ہونے والوں کی یوں دعائیہ کلمات کہنا شروع کئے۔ سی کے نگار کرسپن ٹورولڈ کا کہنا ہے کہ لوگوں کی طرف سے غم کے اظہار سے اسرائیلی حکومت سخت ردِعمل ظاہر کرنے کا وَ ھ گیا ہے، ہم اسرائیل نے کہاہے کہ وہ امن مذاکرات کوختم کرے گا۔

اس حملے میں ملوث فلسطینی مسلح شخص اسکول کے قری ڈرائیور کے طور زم تھا۔ نے اس شخص کی شنا کرلی ہے اور بتا کہ اس کا م علاؤالد ا دہیم تھا اور مشرقی یوشلم کا ئشی تھا۔ مشرقی یوشلم میں یہ واقعہ غزہ اسرائیلی فوجی کارروائی کے بعد آیا ہے، جس میں ای سوبیس سے زیدہ فلسطینی ہلاک ہوگئے تھے۔

ہمارے نگار کے مطا اسرائیلی سیکورٹی فورسز اس ت کا بغور جا ہ لے رہی ہیں کہ علاؤالد ا دہیم کا تعلق کسی مسلح وپ سے تھا۔ لبنان میں ب اللہ تنظیم کے قریبی ذرائع ابلاغ میں شائع ہونے والی خبروں کے مطا اں کے ای معروف وپ جلیل فری بٹالین یا الشہدا، عماد مغنیہ وشہدا، غزا نے اس حملے کی ذ داری قبول کرلی ہے۔

عماد مغنیہ ب اللہ تنظیم کے ای اعلیٰ اہلکار تھے اور وہ دمشق میں رہ فروری کو ای دھماکے میں ہلاک ہوگئے تھے۔

مذہبی اسکول میں ہلاک ہونے والے تمام اسرائیلی تیس سال سے کم تھے۔ عینی شاہدوں کے مطا ا دہیم اس مدرسے کی لا ی سے ا ردا ہوئے، جہاں اسی طا علم موجود تھے، ا دہیم نے ا ردا ہوتے ہی کلاشنکوف سے ا ھا دھند فا شروع کردی۔ طا ب اں میں بھگڈر مچ گئی اور انہوں نے کیوں سے ہر چھلا لگا شروع کرد ۔ اس سے قبل کہ ای سا فوجی ا دہیم کو ہلاک کرتا ای طا علم نے ا دہیم کو دو گو اں مار ۔

سی کے مشرق وسطیٰ کے امور کے ماہر اور مدی می وَن کا کہنا ہے کہ یہ کوئی عام مدرسہ تھا بلکہ یہ غرب اردن میں یہود اں کی آ دکاری کے نظریہ کا منبع ہے۔

اس میں ز تعلیم ن دہ طا علم مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ عسکری بیت بھی حاصل کر رہے تھے۔

می وٴن کے مطا اس اسکول کے ہر جمع ہونے والوں میں ن دہ وہ لوگ شامل تھے جو پہلے ہی ایہود اولمرت کی طرف سے ں کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لف ہیں۔'' سی اُردو ڈاٹ کام، مارچ ء

ان آٹھ یہودی مذہبی طلبہ کی ہلا ا ہے جیسے د میں کوئی بھونچال آ گیا ہو ور د میں روزا وں ہزاروں م و گناہ قتل ہو رہے ہیں اور ان کو گا مولی کی طرح کا جا ہے۔ ان میں سے دینی، مذہبی، سی اور مختلف ت سے تعلق رکھنے والوں کے علاوہ جوان، ڑھے، دوں، عورتوں کے ساتھ ساتھ م اور شیر خوار بچے بھی ہوتے ہیں ان قصوروں کے قتل عام کسی کے کان جوں رینگتی، صرف یہی بلکہ آئے دن دھماکے، م خودکش حملے، کی بمبار ، را لا اور فاسفورس ائے جاتے ہیں، اور آنِ واحد میں ہنستے بستے گھر، بستیاں اور شہروں کے شہر کھنڈرات میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں، اس کوئی ہنگامی صورت حال ہوتی ہے ایمرجنسی لگتی ہے، سیکورٹی کونسل کا اجلاس بلا جا ہے اور ہی اقوام متحدہ کو اس کی مذمت کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، بلکہ وہ ا معمول کی کارروائی کہلاتی ہے، لیکن دوسری طرف ا ا یہودی اسکول کے آٹھ عسکر پسند طا علم ہلاک ہوتے ہیں تو سیکورٹی کونسل کا اجلاس طلب کر جا ہے، اور اقوام متحدہ اس مذمت کرتی ہے اور ہنگامی اجلاس بلا لیتی ہے، لیجئے اس سلسلہ کی خبر؟ حظہ ہو

''مقبوضہ بیت المقدس.... مقبوضہ بیت المقدس میں یہود ں کے مذہبی اسکول فا کے نتیجے میں ا حملہ آور سمیت افراد ہلاک ہو گئے ہیں، دوسری جا اس واقعے شد عالمی ردِ عمل دیکھنے میں آ ہے اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے فا کے واقعے اظہار مذمت کرتے ہوئے ہنگامی اجلاس طلب کر ہے۔

واضح رہے کہ مقبوضہ بیت المقدس میں یہود ں کے مذہبی اسکول میں فا کر کے آٹھ افراد کو ہلاک اور پینتیس کو زخمی کر گیا تھا، فا کے واقعے کے بعد اسرائیل میں سیکورٹی ئی الرٹ کر دی گئی ہے، اسرائیل نے الزام لگا ہے کہ حملہ آوروں کا تعلق مشرقی بیت المقدس سے ہے۔''

یہودی مذہبی اسکول حملہ آور مسلمان ڈرائیور دہیم، اس عسکری بیت گاہ اور یہودی مذہبی اسکول کے اسلحہ دار طا علم کی فا سے جاں بحق ہوگیا، اس کے وجود حال یہودی بغض وعناد کی آگ کے شرارے فرو ہوئے انہوں نے اس کا انتقام لینے کے لئے کیا منصو بنا؟ اور یہودی مذہبی راہ نماؤں کے اس کیا ت ہیں؟ حظہ ہو

”مقبوضہ بیت المقدس اے د بھر میں مسلم دینی مدارس کو دہشت دی کی آماجگاہ قرار دینے کا و اکرنے والے صہیونی ملک اسرائیل کے چینل ون ٹی وی نے انکشاف کیا ہے کہ یہود کی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں نے اپنی درس گاہ حملے کا مسلمانوں سے لینے کا منصو بنا ہے۔ ٹی وی چینل کے مطا تینوں یہودی نوجوان مسجد اقصیٰ سے وابستہ کسی مور مسلمان حملہ کر چاہتے ہیں۔ یہودی مذہبی درسگاہ حملے کے بعد یہودی طلباء نے اپنے منصو کے حوالے دو ربیوں یہودی مذہبی عالم سے قات کی ا ر نے حملے کا منصو بنانے والے یہودی طلباء کے لئے خواہشات کا اظہار کیا، جبکہ تل ابیب کے نواحی علاقے میں ئش ا ر نے منصو کی منظوری دے دی ہے۔ اس منصو کا ہدف مسجد اقصیٰ سے منسلک ا مسلم عالم د کو جسمانی ضرر پہنچا ہے۔ اس ضمن میں اب کوئی فتاری عمل میں آئی، جبکہ حکام کا کہنا ہے کہ وہ یہودی درسگاہ حملے کے ردِعمل میں کسی بھی واقعے کے لئے تیار ہے۔“ روز امت کراچی مارچ ء

مسلمانوں کے خلاف انتہا پسندی و دہشت دی کا ڈھنڈورا پیٹنے اور بھو ا راگ الاپنے والے شورہ یہود ں نے اپنے چند طلبہ کی ہلا کا لینے کیلئے کس انتہا پسندی، دہشت دی کا منصو بنا ہے؟ اور اس سلسلہ میں وہ کہاں آگے جانے والے ہیں؟ انکے مذہبی پیشوا مسلمانوں، ان کی مقدس عبادت گاہوں اور مذہبی راہ نماؤں کو کیا ہ چکھا چاہتے ہیں؟ حظہ ہو

”بیت المقدس ثناء نیوز اسرائیل کے انتہا پسند مذہبی رہنماؤں نے حال ہی میں مذہبی اسکول حملہ آور کا لینے کے لئے مسجد اقصیٰ حملہ کرنے کا ی ہے۔ مڈل ایسٹ اسٹیڈی سینٹر کی ر رٹ کے مطا اعلیٰ سطحی مذہبی پیشواؤں نے مشترکہ طور جاری ا ے میں کہا ہے کہ یہودی شریعت کی رو سے یہودی

شہریوں کے قتل کے بدلے میں الف مدرسہ کے مقدس مقامات کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ شریعت کی رو سے مسجد اقصیٰ کو یہودی شہریوں کے بدلے مسمار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ فلسطینی مسلمان بھی یہودی آبادکاروں کو نشانہ بنارہے ہیں۔ مشورے میں مزید کہا گیا ہے کہ ان کی شریعت نہ صرف مذہبی مقامات پر حملوں کی اجازت دیتی ہے بلکہ ایک عام یہودی کے بدلے دوسرے مذہب کے اعلیٰ سطحی راہنماؤں کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔‘‘ روزنامہ جنگ کراچی ۔۔ مارچ ۔۔۔۔ء

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہودی اپنے دینی مدرسہ، مذہبی درس گاہوں، اپنے مذہبی طلبہ اور اپنے مذہبی لوگوں کے بارہ میں کس قدر حساس ہیں؟ جو یہودی آئے دن مسلمانوں کی مقدس شخصیات، ان کے عام شہریوں، جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور خواتین کو تہہ تیغ کرتے ہیں اور مسلمان آبادیوں پر بمباری کرکے ان کے شہروں کو کھنڈرات بنارہے ہیں، اگر ان کے چند طلبہ، کسی ردِ عمل میں مارے جاتے ہیں اور ان کا قاتل ان کی جفا سے تنگ آکر بھی ۔۔ جاسکا، تو وہ اس قدر بپھر چکے ہیں کہ انہوں نے یک آواز ہوکر فتویٰ صادر کردیا کہ ان آٹھ عسکریت پسند مذہبی طلبہ کے بدلے اور انتقام میں مسلمان مذہبی راہ نماؤں، ان کی مقدس عبادت گاہوں حتی کہ مسجد اقصیٰ کو بھی نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔

اس موقع پر ہم دنیا بھر کے انصاف پسند افراد، جماعتوں، مسلمانوں، دینی مذہبی راہ نماؤں، اخبارات و میڈیا کے ذمہ داروں اور ارباب قلم سے عرض کرنا چاہیں گے کہ اگر مسلمانوں، مسلمان مدارس، دینی، مذہبی اداروں کے خلاف یہودیوں، ان کے ایجنٹوں، ان کے وفاداروں اور ان کے نمک خواروں اور ان کے زرخرید غلاموں کی زبان و قلم حرکت میں آسکتے ہیں تو حق و انصاف کے علمبرداروں کی زبان و قلم ان یہودی مدارس کے خلاف حرکت میں کیوں نہیں آسکتے؟ صرف اس لئے کہ یہودی مدارس کو یورپ وامریکا اور طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہے؟ اور مسلمان دینی مدارس اس سے محروم ہیں؟ اگر ایسا ہے تو آپ بھی اس حقیقت کو اجاگر کریں اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو حق کا ساتھ دینے کے لئے بروئے کار لائیں، یہ آپ کا دینی، مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور قانونی فرض بنتا ہے، اگر آپ نے اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کی تو نہ صرف یہ کہ آپ اپنا وزن ان ظالموں کے پلڑے میں ڈالنے والے ہوں گے بلکہ تاریخ میں آپ کا نام بھی ان ظالموں کی فہرست میں لکھا جائے گا۔

فتنہ ورو اپنے یبان میں جھا کر دیکھو

از ڈاکٹرا ا فاروقی
-گا ھی روڈ، دہرہ دون

آج ب کہ ری د میں ا ماحول بنا گیا ہے کہ حق وانصاف کی ت کہنا م ہوگیا ہے تو وہ وہ انسا سے ب سے زیدہ نشا رکھ گیا ہے جواس معاملہ میں زیدہ سر م رہتا ہے۔آج کل ملت اسلامیہ د بھر میں جس طرح آزمائشوں کی بھٹی میں تپائی جارہی ہے وہ ب کے سامنے عیاں ہے۔اور ہر طلوع ہونے والا سورج اس سلسلہ وار ول میں ظلم و کی کوئی ی جوڑ دیتا ہے۔اور ں سے بیچارہ آزمائے جارہے ہیں جہاں سے ان کا کوئی مطلب بھی ہے۔مثال کے طور س کی آزادی کی مہم چل رہی ہے س کی را ب ھانی لہاسہ میں ہنگا ہوئے اور احتجاج ہوا۔احتجاجی مارے بھی گئے اور زخمی بھی ہوئے۔تبّتی جو کہ اہنسا کے پجاری بنتے ہیں ا ں نے اپنی تکا کا ں موجود ا سجد کو جلا کر ۔الزام یہ ہے کہ یہاں زیدہ تعداد میں چینی، ہوئی، نسل کے مسلمان آ د ہیں اور وہ یہاں کار ر قا ہیں۔اس لئے اُن کو تبّتی لوگ اچھا سمجھتے اور ا ں نے اپنی پسند گی کا اظہار خا ا کو خاکستر کر کے کیا۔ دوسری مثال ر مارچ کی نیپال کے وراٹ نگر سے ہے۔ جہاں ''نیشنل ڈیفنس آرمی'' کے لوگوں نے مغرب کی نماز ھ کر نکل رہے مسلمانوں سجد کے ہر پھینکا، جس حملہ میں نمازی شہید اور چھ زخمی ہوگئے۔ یہ نیشنل ڈیفنس آرمی ا ہندو کانسٹبل جو'' رتن'' کے م سے جا جا ہے اس نے بنائی ہے۔اس میں بیت فتہ ہی بھرتی ہیں جو ہتھیار اور گو رود سے مسلح ہیں۔اس ہندو دہشت د تنظیم نے ء کے شروع میں کئی دھماکہ کر کے اپنی حاضری درج کرائی تھی اس میں کاٹھ منڈو میں ماؤ نوازوں کا سخت حفاظتی انتظام والا آفس بھی شامل تھا۔ ہندو دہشت د تنظیم کا کہنا ہے کہ وہ نیپال کو ہندو ر بنا چاہتی ہے اُس کے مطا ہمیں د بھر

کے ہندوؤں کی حمایت حاصل ہے۔ ہمارے افراد ہندو ان میں سرحدی اضلاع میں بیت حاصل کرتے ہیں اور وہیں سے ہمارے لئے اسلحہ اور گولہ رود بھی آتا ہے۔ اب ہم القاعدہ کے طرز خودکش کی بیت کر چکے ہیں جن کی تعداد نچ ہے اور وہ کہیں بھی کارروائی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ س آف ا ی ء بحوالہ I.A.N.S

یہ ت نوٹ کرنے کی ہے دونوں مذموم واقعات کوئی بھی م د ''دہشت د لف'' حمایتی مذمت کے دو لفظ کہہ سکا۔ ہمارے م دقومی میڈیا نے تو خبر ڈکار کے ہی ہضم کرد ۔ ں ا ونیشیا، ملیشیا، بنگلہ دیش میں ں کے قوا کے مطا بھی کوئی ایکشن ہوجائے تو ہفتوں ت کے ہ ہوتے رہتے ہیں۔ مسلم د کا طوفان بپا کر جاتا ہے۔ لہاسہ کی مسجد کو جلائے جانے اور وراٹ نگر نیپال کی مسجد حملہ میں ری ''دہشت دی لف'' لا کی منافقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ کہ مسلمانوں جہاں جتنا ظلم توڑا جائے، ان کو عزت کیا جائے ان کے مذہبی شعا کو تباہ و دکیا جائے د کے امن وامان کوئی فرق ۔ ں اس کے عکس ہوتا ہے تو پھر ردعمل کے زہر آلود م سے ہر حرمت ل ہوجاتی ہے۔

''فتنہ'' م کی فلم کا ای آزاد ملک کے رکن رلیمنٹ کے ذریعہ بنا جا اور تقسیم کیا جا اور اس حکومت رلینڈ کا یہ شرا اور نفرت ا بیان کہ ''ہمارے یہاں عوام کو تحر و بیان کی جو آزادی حاصل ہے ہم اس کی حفاظت کر گے۔ لینڈ کی حکومت اس فلم کی حمایت کرتی وہ آزادی اظہار کی حمایت کو یقینی بنائے گی اور مسلم ممالک سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ردعمل کے طور تشدد کو بھڑ د '۔ یہ ہے وہ زخم شی کرتا ہوا سرکاری بیان جو کہ فسادی کو فساد نے کا راحق دیتا ہے، کیونکہ ظاہر ت ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کے تھ بندھے ہوئے ہیں وہ کسی بھی د کے خلاف گالم گلوچ سے بحکم او تعالیٰ روک دئے گئے ہیں۔ ں ''فتنہ'' کا جوا ئل ہے اس کا جواب دیا جا اس لئے ضروری ہے کہ وہ عوام جو متعصّب ہیں اور ھے لکھے مسلم خواص کم سے کم حقیقت جان لیں اور اسلام کے خلاف اس وہ اور نی سازش کے تسلسل کی حقیقت سمجھ لیں کہ جو م د ئل یہ اٹھارہے ہیں ان کو نظر تی اور عملی و ریخی طور اسلام سے کسی نے حل کیا۔ عقیدہ کی آزادی، بین الاقوامی تعلقات، عقیدہ والوں سے رویہ، خوا کا سماج میں مقام اور ان کی ذ داری، انسانی جان کی حرمت اور عزت،

سماجی انصاف کے تمام پہلوؤں کا تقابلی مطالعہ کیا اور ادارہ طور سے شائع کر دیا جائے اور اسلام کے چاہنے والوں کو نظری اور تاریخی طور پر ان کی اوقات بتادی جائے تو یہ ''فتنہ'' بھی خیر کا ہوسکتا ہے۔ مسلم حکمرانوں سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ بیچارے ایمان فروشی اور فروشی کی ہر حد کو پار کر چکے ہیں اور اب بھی زمانۂ تنزلی میں قوم کی قیادت میں ہی سب سے زیادہ بگاڑ آیا ہے جس میں فروش علماء بھی شامل ہیں۔ مخلصین اور مومنین کو یلیت قومی یعلمون ''کاش کہ میری قوم جانتی'' اور طائف کے درد ناک تجربہ کے بعد فرشتوں کی عذاب کی پیشکش کے جواب میں رحمۃ للعالمین کے تاریخی جواب ''شاید کہ ان کی نسلوں میں اہل حق پیدا ہوں'' کے تحت حق کو پہنچانے اور دلائل کے ذریعہ اظہارِ دین کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ ہر مسلمان کی اُس کی وسعت کی حد تک اولین ذمہ داری ہے۔ صرف مغرب کے غلام مسلم حکمرانوں اور علماء واہل دعوت کی تنقید کر کے بیٹھ رہنے سے ہی نبی کے امتی ہونے کی اور خیر امت ہونے کی ذمہ داری ادا ہوگی۔

مغرب اس کے زرخرید ایجنٹوں اور مشرق میں اُس کے فرقہ ... واؤں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ ''جن کے گھر خود شیشہ کے ہوں وہ دوسروں کے گھر پر پتھر پھینکا کرتے'' جس طرح کی خباثت کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات اور احکامات کو من مانی طریقہ سے دکھا کر اس من چاہی تصاویر اور کہانیاں فٹ کی گئی ہیں اسی طریقہ سے مغرب اور اس کے غلام ... واؤں کا تعاقب و جائزہ جائے تو اپنی اوقات سمجھ میں آجائے گی اور دنیا کا ماحول بہت خراب ہو جائیگا۔

رومن- یونانی تہذیب میں عورتوں بلکہ عام انسانوں کی کیا حیثیت تھی؟ رومن تہذیب جو مغربی تہذیب کی ماں ہے اس میں طبقہ امراء اور غلام قاعدہ موجود تھے؟ یہ طبقہ امراء اپنی تفریح کے لئے ... اکھاڑوں میں آدمی آدمی کے مقابلہ کراتے تھے یہاں تک کہ دونوں میں سے ایک مر جائے۔ آدمیوں اور جانوروں بلکہ درندوں کے مقابلہ ہوتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ عورتوں سے ایک دوسرے کی بیویوں سے ... ی تعداد میں تعلق رکھنا شرافت اور طبقہ امراء کی نشانی تھا۔ کیا استحصال اور انسانیت سوز کاموں کا تسلسل آج کے مغرب نے نوآبادیاتی سماج میں جاری رکھا۔

. اِن ظالم انگریز، ڈچ، پرتگالی، فرانسیسی، اطالوی سامراجیوں نے انسانوں کو افریقہ، بھارت سے ... نی کے جہازوں میں جانوروں کی طرح بھر بھر کر اپنی نوآبادیات میں بھیجا گیا۔

ں ان کی نسل کے بعد نسل کو بندھوا مزدور بنا کر رکھا گیا اور انہیں جان بچائے رکھنے کی حد تک غذا دی گئی۔ ان پر ہر طرح کے مظالم کئے گئے۔ ان ظالم …ار… اقوام نے امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ جا کر وہاں کے مقامی ریڈ انڈینز کو مار مار کر ختم کردیا یا دور دراز جنگلوں میں روپوش ہونے پر مجبور کردیا۔ ان کے سب سے بڑے شاعروں میں سے ایک شیکسپیئر نے عورتوں کے بارے میں وہ مشہور ہتک آمیز حملہ کیا جس کا مطلب ہے ''عورت تو سراسر کمزوری ہے'' (Women the name is frailty) اسی مغربی تہذیب کے حامیوں نے یہودیوں کے لئے اپنی مخصوص جانبداری اور تعصب و نفرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشہور ناول ''وینس کا سوداگر'' میں شائیلاک کے کردار کے ذریعہ یہودیوں کو نفرت و ملامت کا نشانہ بنایا۔ … صدی کے آغاز تک بھی یورپ میں عورتوں کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ خصوصاً وراثت اور نکاح و طلاق میں اور …ق کا حق تو یورپ میں اور بھی بعد میں عورت کو ملا۔ جبکہ اسلام میں نبی رحمت … نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے یہ تمام حقوق عورتوں کو عطا فرما چکے تھے۔

سائنس اور تحقیق کے نام سے تو ڈچ پارلیمنٹ کے آباؤ اجداد کو ضد تھی۔ کلیسا کے جھوٹے خیالات کے خلاف آواز اٹھانے کی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ …-… کے درمیان ان تفتیشی عدالتوں (Inquisition) نے … لاکھ چا… ہزار لوگوں کو سزائیں دیں۔ جن میں سے دو لاکھ زندہ جلائے گئے۔ …یقا… نے اپنی کتاب ''اسلام و عیسائیت - سائنس اور تہذیب کے ساتھ'' میں لکھتا ہے کہ ''تاریخ دانوں کا قیاس ہے کہ یورپ میں اپنے تبلیغی مرحلہ میں عیسائیت نے … لاکھ سے ڈیڑھ کروڑ تک انسانوں کا قتل کیا۔ جبکہ اس وقت یورپ کی آبادی بہت کم تھی۔ یورپ کی کیتھولک …رانی میری (Marry) نے اعلان کیا ''چونکہ کافروں کی روحیں جہنم میں ہمیشہ جلیں گی اسلئے خدائی عذاب کی تقلید کرتے ہوئے زمین پر بھی جلا ڈالنا اس سے اچھا اور کوئی کام نہیں ہوسکتا''۔

عیسائیوں نے اسپین میں ابن رشد کے … سے متاثر یہودیوں اور مسلمانوں کو یکطرفہ ظلم کا نشانہ بناتے ہوئے ملک سے اس حال میں … کا حکم دیا کہ معمولی سامان ساتھ لیجا سکتے ہیں … چاندی … اور مسلمانوں کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ وہ اس راستے … جائیں جو مسلم ممالک کو جاتا ہے۔

وائلڈرس … ڈچ … داں کو شید معلوم ہو کہ … میں … کے مشہور مذہبی تقریب کے موقع پر مصری عیسائی عالم آریوس کے ساتھ کتنا … سلوک کیا گیا۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے الوہیت کے قائل نہیں تھے۔ اس کو پھانسی دی گئی ان کے ماننے والوں کو بھی پھانسیاں دی گئیں۔

مارٹن لوتھر نے یورپ میں پروٹسٹنٹ کلیسا کی بنیاد رکھی تو کیتھولک کلیسا نے بڑی طاقت سے اس کی مخالفت کی اور غیر معمولی خون خرابہ ہوا۔ ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو پیرس میں کیتھولک عیسائیوں نے پروٹسٹنٹ علماء کو دعوت دی کہ آپسی اختلاف کو مٹایا جائے گا۔ جب پروٹسٹنٹ آگئے تو رات کے اندھیرے میں ان سب کو ہلاک کر دیا گیا اور صبح پروٹسٹنٹ علماء کے خون سے پیرس کی سڑکیں لال تھیں۔ اس وقت کے پوپ نے چارلس نہم کو اس عظیم کارنامہ پر مبارکباد دی اور تمام کیتھولک عیسائیوں نے اور حکمرانوں نے اسے مبارکباد دی۔ پھر جب پروٹسٹنٹ حاوی ہوئے تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور لوتھر نے حکم دیا کہ کھلے عام خفیہ جتنے کیتھولک قتل کر سکتے ہو قتل کرو۔ یہ داستان بہت طویل ہے اور مہیب اور خون آشام بھی ہے۔ وائلڈرس کو جنگ عظیم اول و دوئم میں مارے گئے کروڑوں انسانوں، بچوں، عورتوں کی تصاویر نہیں ملیں۔ ناگاساکی اور ہیروشیما پر عیسائی امریکیوں کے ذریعہ کی گئی ایٹمی بمباری میں گلے ہوئے انسان، عورتوں و بچوں کی بھیانک تصاویر نہیں ملیں، بوسنیا میں وائلڈرس کے ہم مذہب درندوں کی شکار بوسنیائی مسلم عورتوں کی تصاویر نہیں ملیں جن کی مصدقہ تعداد ۱۰ ہزار سے اوپر ہے؟ ویتنام میں ان لاکھوں بے باپ کے بچوں کی تصاویر نہیں ملیں جو وائلڈرس کے ہم مذہب امریکیوں کی بدکاری کے طفیل ایک مکمل نسل کے طور پر تیار ہوئی؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دنیا میں ہوائی جہاز کا پہلا اغوا امریکیوں کی مدد سے کیوبا کے خلاف کرایا گیا اور اس کا مجرم آج بھی امریکہ میں ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حال کی تاریخ کا پہلا خودکش حملہ آور ہندو تمل تھا؟ کیا حقیقت نہیں کہ ’’مقدس جنگ‘‘ کا بگل ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے بجایا تھا اور اس میں حصہ لینے والے تمام شرکاء کے تمام گناہ معاف کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ غرضیکہ لسٹ بہت لمبی ہے اور وائلڈرس اور دنیا بھر میں اُس کے حمایتی ان مظالم کی کوئی توجیہ نہیں کر سکتے۔ دنیا کے تمام اسلام دشمنوں کو خود سوچنا چاہئے کہ ان کے تمام منفی پروپیگنڈہ کے باوجود آج خود یورپ میں لوگ کیوں مسلمان ہو رہے ہیں خصوصاً ہالینڈ میں عورتیں کیوں اسلام قبول کر رہی ہیں۔ اسلام نے عورت اور مرد کی حیثیت کے بارے میں اتنی خوبصورت بات کہی ہے کہ جس کا سوچ سکنا بھی ناممکن ہے ’’وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو‘‘ (قرآن) اور پھر یورپ کی طرح اسلام نے عورت کے نشیب و فراز پیچ و خم کی پیمائشوں سے اس کی قیمت نہیں لگائی بلکہ اس کے تقویٰ اور علم کی بنا پر لگائی ہے۔ اور اگر اسلام عقیدہ کی آزادی نہ دیتا تو ہر مسلم ملک میں بڑی تعداد میں عیسائی نہ موجود ہوتے۔

ماسونی اصطلاحات

آزادی، وات، اتحاداین

اوراس کی فتنہ ساماں

ا یفہ و نوی

ماسوس دراصل ای خفیہ یہودی تحری ہے جس نے د کی تخری کاری میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ہم یہاں دورِحاضر کے الحاد کے لیے اس تحری کے ای منصو کو بیان کر چاہیں گے، جو چندصد اں پیشتر مذکورہ تحری نے بنائے تھے۔

آزادی، اتحاداین، وات ء میں ماسونیوں نے طا میں ای عظیم کانفرنس کا انعقاد کیا تھا جس میں ا اں نے، آزادی، اتحاداین اور وات تینوں خوشنما اصطلاحات وضع کیں اور ری د کو اس کرنے کی کوشش کرنے کا اعلان کیا، دراصل یہی دورِحاضر کے الحاد اور دینی کی اساس اور بنیا ہوئیں اسلئے کہ ان کا مقصد اس سے اہلا تھا۔

آزادی کا ماسونی مفہوم اس یہودی ماسونی تحری نے آزادی کے م د میں ا عظیم فساد کیا کہ الامان والحفیظ اس لیے کہ آزادی سے اس کی ادمذہب اور د سے آزادی یعنی انسان نفسانی خواہشات کا غلام کر رہ جائے اور مذہب کے تمام مطالبات کو ڈال دے، اس کے لئے ان ائمہ ضلال اور نی چیلوں نے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو محقق مدلل اپنے گمان وزعم کے مطا کرنے کے لئے اکیا، اس نے د کے سامنے اپنی تحقیق اس ااز میں کی ''میں نچ سال اور ی میں زگی کے راوراس کے مبدأ کے رے میں جستجو کر تو اس نتیجے پہنچا کہ یہ د کے ؤ میں ''عمل ارتقاء'' کارفرما ہے''۔ حالاں کہ حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ ، محض ای دھوکہ اور فری ہے، اس کے دہ، اللہ کے وجود، خالقیت وماکیت کا انکار لازم آ ہے، جو انسان کو دہری اور لادینیت کی طرف دھکیل دیتا ہے، اسلام تو اولِ م ہی سے اس کو مسترد کر چکا تھا، ء میں سائنس نے بھی اس نظریہ کے مسترد

کردیا کہ مورس کائے نے فرعون کے لاش کی دریافت ہونے کے بعد اس ہونے والی تحقیقات کے بعد کیا ہے کہ ہزاروں سال انے اس انسان میں بندریا ارتقاء کی ئید کرے، ا کوئی چیز تھ لگی بلکہ اس کی دیا لازم آتی ہے، کی محقق رون یحییٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے، تعجب ہے کہ بہت سے م دمسلمان بھی ''نظریۂ ارتقاء'' تسلیم ہی کرنے بلکہ اس کی دی کی دی کرنے تلے ہوئے ہیں، او ء میں D.N.A. منظر عام آنے کے بعد کلیتہً اس نظریہ کی مکمل دی ہوچکی ہے، پھر بھی د بھر کے اسکولی نصاب میں سے اس کو ہٹایا گیا کیونکہ اس صورت میں مذہب کی ضرورت لازمی ہوجائے گی، لہٰذا قصداً ا کیا گیا۔

اس انیسو صدی میں فرا کو ''نظریۂ جنسیت'' لے کر اکیا، اور مارکس کو ''نظریۂ دی'' لے کر اکیا، کارل مارکس کو ''اشتراکیت'' لے کر اکیا غرضیکہ ثمارا دھوکہ ز، عیار، مفسد، ضال و مضل فلسفیوں کو الحاد اور دینی عام کرنے کیلئے اکیا، ں نے د کو شرارت کی معراج لا اکردیا، یہاں قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ ء یعنی خطرہ ہی خطرہ کی ماسونی مذہب مذکورہ کانفرنس کے بعد ہی یہ تمام تحریکیں وجود میں آئیں، اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وجود میں آئی لائی گئی، اور زیادہ تعجب کن ا یہ ہے کہ تمام سفرا نگریز اور یہودی تھے، تو معلوم ہوا کہ ای منظّم سازش اور پلان کے تحت، یہ کام ہوا ہے، اللہ ہماری ہر طرح کے فتنے سے حفاظت فرمائے۔

وات کا نعرہ اور اس کا تباہ کاریاں وات دوزن کے نعرے کی زگشت بھی اسی ماسونی کانفرنس سے ہوئی اور پھر د میں اس نے کیا کہرام مچایا وہ عیاں ہے، عورتوں کو ہنہ ہنہ کر کے مارکیٹ میں لا اکردیا، ز کاری کے لائسنس دیئے جانے لگے اور اس کو سے تعبیر کیا گیا، اور اب تو کارل ل کا کار رد میں ای نمبر ہے، اس عظیم فتنے نے ا کہرام مچایا کہ بیان سے ہر ہے، ساری انسا کو لپیٹ میں لے، اور ام الفتن کی حیثیت ا رکرلی۔ ''آزادیٔ نسواں''، ''حقوق نسواں''، ''م عاشقاں'' کے م، عورت کی عفت اور کدا کو ر کردیا، اس کی عزت سے کھلواڑ کیا گیا اور کیا جا ہے، اس کے تقدس کو مال کیا گیا اور کیا جا ہے، اب عورت محفوظ رہی، آئے دن اخبارات میں رٹیں اور خبر شائع ہوتی رہتی ہیں کہ عورت کو ہوس کا شکار بنا کر قتل کیا، اس کی عصمت دری کی گئی، یہ اسی دووا اصطلاح کا نتیجہ ہے۔

اتحادِ ادیان اور اس کی فتنہ سامانیاں اتحاد ادیان کے م د میں حق طل کے فرق و امتیاز کو ختم کیا جا ہے، اور یہ ور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے، ''ا ر، اللہ، گوڈ'' ب ای ہی ہے، صرف اہلِ ادیان کے یہاں موں میں فرق ہے، حالاں کہ ا ، کیوں کہ مسلمان کے

دین اللہ کی تعریف ہے، اللہ وہ ہستی ہے جو تمام صفات کمال کی حامل اور تمام صفات رذیلہ وذمیمہ سے مبرہ و پاک صاف ہے، وہی خالق مطلق، رازق مطلق، مالک حقیقی، متصرف عالم، ابدی وازلی، حیّ وقیوم، نہ وہ معطل ہے نہ محتاج، نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، وہی قہار وجبار، وہ بڑے وسیع علم کا مالک، اس کو تھکاوٹ آتی ہے اور نہ ہی اکتاہٹ، وہ قادرِ مطلق ہے وہ اکیلا ہے، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، نہ وہ کسی سے جنا ہے اور نہ اس سے کوئی جنا، کائنات میں کوئی اس کا ہم سر وشریک نہیں، وہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی اطاعت کا حقدار ہے، وہ کائنات کے ذرے ذرے کا پیدا کرنے والا اور اس کو حسن تدبیر کے ساتھ چلانے والا ہے، وہی تعریف وحمد کے لائق ہے، وہی موت وحیات کا مالک ہے۔

غرضیکہ اسلام کا تصور اس باب میں واضح ہے۔ دوسری جانب دیگر مذاہب میں شرک جائز ہے، جائز ہی نہیں بلکہ اصل اساس وبنیاد ہے بلکہ جوہری اساس ہے، لہٰذا یہ کہنا سراسر بے بنیاد ہے کہ صرف اللہ کی ذات کے بارے میں مذاہب کا اختلاف لفظی ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے یہاں جو اللہ کی ذات جل جلالہ کا تصور ہے بالکل اس کے برخلاف عیسائیت، یہودیت اور دنیا کے دیگر مذاہب میں ہے، لہٰذا مسلمان، کبھی بھی اس کا مجاز نہیں کہ وہ اتحاد ادیان یا تقریب مذاہب پر ایمان لے آئے، اور اگر وہ ایسا کر رہے، تو پھر تو وہ مسلمان ہی نہیں رہا۔

یہ تھی اتحادِ ادیان کی فتنہ سامانیاں جو مسلمان کو روح ایمانی ہی سے محروم کر کے رکھ دیتی ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے، اور ایمان کی محبت وعظمت سے ہمارے قلوب کو معمور فرمادے، آمین یارب العالمین۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ماسونیت نے مختلف انداز اور اہداف سے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور دنیا میں فکری تحریکات کے باب میں بڑا اہم رول ادا کیا، اور کرتی جارہی ہے، قادیانیت، بہائیت، شیوعیت، اشتراکیت، صہیونیت، گوہر شاہیت، یہ اسی کے آلۂ کار ہیں۔ ضرورت ہے ہم مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی، ورنہ کیا سے کیا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ ''اتحاد ادیان''، ''آزادی''، ''مساوات''، ''حقوق انسان''، ''حقوق نسواں'' وغیرہ اصطلاحات مذعومہ کے فریب میں نہ آئیں۔ ان اصطلاحات کی حقیقت کو قرآن بیان کرتا ہے

﴿ زخرت القول غرورا﴾ یہ چکنے چپڑے خوش نما الفاظ محض دھوکہ ہے، اللہ ہماری ساری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

اردو زبان کا تحفظ و فروغ - کیسے اور کس طرح؟

از […] عزیز احمد
[…]- آواس وکاس کالونی، بلند شہر روڈ، […]ڑ

جناب محترم،

یہ تشریحی نوٹ ایک عملی پروگرام کے ساتھ منسلک ہے جو اردو زبان کے تحفظ، فروغ اور اس کے حقوق کی بحالی سے تعلق رکھتا ہے۔ اردو بولنے والے معاشرے کا ہر فرد اور فریق اپنے ذوق، احساس فرض، ضرورت اور وسائل کے مطابق اس پروگرام کو فی الواقع عملی بنانے کے عمل میں حصہ لے سکتا ہے دوسرے الفاظ میں یہ حصہ داری صرف انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور بیک وقت انفرادی و اجتماعی بھی۔ یہ پروگرام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں وہ کام ہیں جنہیں ہمیں خود کرنا ہے اور دوسرے حصے میں وہ کام ہیں جنہیں کرانے کے لئے حکومت کو آمادہ کرنا ہے۔ اس پروگرام کے […] نقطۂ نظر اور اس کے مضمرات کی […] درج ذیل ہے

۱- زبان بات ہے صرف لکھنے پڑھنے کی

علم لسانیات سے یہ نکات اب خاصے جانے پہچانے ہوگئے ہیں کہ زبان کی دو شکلیں ہوتی ہیں: بول چال کی زبان اور تحریری زبان۔ اصل زبان بول چال کی زبان ہے اور تحریری زبان اساساً بول چال کی زبان ہی کی نمائندگی کرتی ہے۔ کسی زبان کو پوری طرح جاننے کا مطلب ہے کہ آپ اس کی ان دونوں شکلوں کو جانتے اور انہیں استعمال کرسکتے ہیں۔ اس لئے کسی زبان کو پوری طرح جاننے کے لئے اس کی تمام مہارتیں حاصل کرنا ضروری ہیں۔ زبان کی بنیادی مہارتیں چار ہیں:

(۱) سن کر سمجھنا (۲) بولنا (۳) پڑھنا (۴) لکھنا

جہاں تک مادری زبان کا تعلق ہے پہلی دو مہارتیں یعنی سن کر سمجھنا اور بولنا سیکھنا بچے کیلئے […]ں طور پر آسان ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں مہارتیں بچوں کو کم و بیش چار سال کی عمر تک اپنے ماحول

میں خود بخود آجاتی ہیں۔ ا قی دو رتوں یعنی اور لکھنے کو کوشش کر کے حاصل کیا جا ہے۔ اردو ن کے تعلق سے یہ ت اچھی طرح سمجھ ۔ چاہئے کہ اردو چونکہ ہماری مادری ن ن ہے اس لئے ہم لوگ تعلیم یافتہ ہوں یا تعلیم یافتہ اسے جانتے ہیں اور بلاتکلف لتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ جو لکھنا ھنا جانتے وہ بھی اردو جا والوں میں ہیں۔ قسمتی یہ ہے کہ ہماری بہت ی تعداد اردو لکھنا ھنا جانتی۔ اس میں تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ دونوں شامل ہیں اور اس وجہ سے ہم لوگ اردو کو اپنے بہت سے روز ہ کے کاموں میں استعمال کر سکتے۔

ہمیں اس ت کو ای رپھر چاہئے کہ ہم لوگ اردو جانتے ہیں اور فطری طور اسے کی حد استعمال کرتے ہیں۔ لیکن روز ہ کے بہت سے کاموں میں استعمال کے لئے اس کا لکھنا ھنا جا بھی ضروری ہے جو ی آسان ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ اردو لکھنا ھنا سیکھنا کوئی مشکل کام ہے۔ اردو جا والوں کے لئے اردو ن سیکھنا مشکل ہوسکتا ہے، لیکن جن لوگوں کی مادری ن ن اردو ہے ان کے لئے اس کا لکھنا ھنا سیکھنا ی آسان ہے۔ در کھئے ہمیں اردو سیکھنا ہے۔ اردو تو ہم جانتے ہیں۔ ہمیں تو صرف اس کا لکھنا ھنا سیکھنا ہے۔ اردو کی الف تے لکھنے اور حروف کو کر لکھنا ھنا سیکھنے سے یہ خو بہت تھوڑے وقت میں حاصل ہو جاتی ہے۔ ای ا ازے کے مطا اَ ہم ای ماہ ای گھنٹہ روزا اردو کے حروف اور اعراب وعلامات اور ان کا لکھنا ھنا سیکھیں تو کافی ہوگا اور اَ ماہ اس عمل کو جاری ر جائے تو اچھی خاصی رت حاصل ہو سکتی ہے۔

-اردو کا رسم الخط

اردو کا رسم الخط اس کا اپنا منفرد رسم الخط ہے اور د کے حسین رسم الخطوں میں سے ای ہے۔ یہ ای طویل ریخی عمل سے وجود میں آی ہے۔ ہم اسے صد اں سے اسی شکل میں اور قبول کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں۔ ہمارا رسم الخط ہمارے تلفظ، ہماری شنا اور ہمارے لسانی، اد، علمی اور ثقافتی سرمائے کے تحفظ کی ضما ہے۔ اس ضمن میں کسی بھی نہج سے بعض دوسری ن نوں کا ذکر ریخی دلچسپی کا موضوع تو ہوسکتا ہے لیکن ران کا ذکر عملی اعتبار سے صرف ضروری ہے بلکہ غلط فہمیوں کا سب بنتا ہے۔ جس طرح اردو کا ما اس کے اپنے علاقے کے عوام ہیں اسی طرح اردو کا رسم الخط بھی اپنے علاقے کی ریخ کے سے فطری ا از میں صورت ہوا ہے اور رفع وارتقا کے عمل سے را ہے۔ اسے کسی مذہبی تعصب، سی

قانونی جبر، کسی سیاسی بحران کے دباؤ یا مصنوعی لغت سازی کے توسط سے پہلے سے موجود اور مستعمل ایک معیاری عوامی زبان کے متوازی زبان بنانے کی تحریک کے پس منظر میں نافذ کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس صورت میں جب ہم اپنی مادری زبان اور اس کے رسم الخط سے دستبردار ہوتے ہیں تو اپنی لسانی اصل سے انحراف کرتے ہیں اور اپنے لسانی تشخص کو مجروح کرتے ہیں اور اپنے وسیع الاساس ہندوستانی قومی تشخص اور اس کی نمائندہ زبان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اردو کے حروف سارے کے سارے اس کے اپنے ہیں جو صدیوں ہیں اور ایک طویل تاریخی عمل کے نتیجے میں ہیں۔ ہمارے حساب سے ان کی تعداد ہے اور ان کے ساتھ اعراب و علامات ہیں۔ دونوں کی مجموعی تعداد ہے۔ یہ سب کے سب ہمارے رسم الخط کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ لہٰذا اردو کو صحت کے ساتھ لکھنے کے لئے ان سب کا سیکھنا بنیادی ضرورت ہے۔ اردو زبان کی ابتدائی درسی کتابوں میں ان سب کے ایک ساتھ دینے کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ اردو کی ابتدائی درسی کتابوں کے جائزے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس معاملے میں ہم سے بڑی غفلتیں ہوئی ہیں جن کے نتائج بڑے خراب نکلے ہیں۔ ابتدائی درسی کتابوں میں حروف اور اعراب و علامات کی معیار سازی اور یکسانیت ایک اہم ضرورت ہے اور اردو رسم الخط کی ترسیل اور خود اس کے وجود کے تحفظ کی شرطِ اوّل ہے۔ اردو میں مستعمل اصوات کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوسکتی ہے اور اگر اع، ت ط، س ث ص، ہ ح، ز ذ ض ظ میں سے ہر گروپ کو ایک ایک آواز تصور کریں جیسا کہ عمومی اردو بول چال میں دراصل ہے تو پھر اردو میں کام آنے والی اصوات کی تعداد ہے۔ بہرحال زیادہ تر مستعمل اصوات کا انحصار بولنے والوں کے اسلوب پر منحصر ہے۔ اردو میں کام آنے والی اصوات جتنی بھی ہیں اردو کے حروف اور اعراب و علامات ان تمام اصوات کو بخوبی بناہ لیتے ہیں۔ اردو اس اعتبار سے ایک غیرمعمولی ہندوستانی زبان ہے کہ اس میں مستعمل اصوات کی تعداد فرداً فرداً سنسکرت، عربی، فارسی، انگریزی اور اپنے علاوہ دوسری تمام ہندوستانی زبانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اور اصوات کی اسی افراط کی وجہ سے ہی اردو والے دنیا کی کسی بھی زبان کو نسبتاً جلد سیکھ لیتے ہیں اور اس زبان کا ان کا تلفظ اہل زبان جیسا ہوجاتا ہے۔

اردو کے حروف

ا ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ذ ڈ ر ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن ں و ہ ی ے

□ □ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ □ھ □ھ

□ بھالا، پھل، تھالی، کٹھل، جھاڑو، چھا□، دھنک، ڈھال، تیرھواں، □ھائی، کھجور، گھر، کولھو، □ھار، □□

اردو کے اعراب وعلامات□

زبر	زیر	پیش	الٹا □	کھڑا زبر	کھڑا زیر	سیدھا زیر
ـَ	ـِ	ـُ	□	ـٰ	ـٖ	ـٍ
تنو□	□م	ساکن	مد	تشدید	ہمزہ	نون غنہ
ـً	ـُ	ـْ	ـٓ	ـّ	ء	ـ٘
اَب	اِس	اُن	اؤن	لٰھذا	□ٖیر	کھیِل
فوراً	شکُ	رقْص	آم	□کّر	بھائی	ما□ □

□- ز□ن، کلچر اور تشخص کا تحفظ□

اس دور میں اردو □ □ والے معاشرے کے سامنے ا□ بہت ہی اہم مسئلہ اپنی ز□ن، ثقافت اور تشخص کے تحفظ کا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم جہاں اور □ منا □ سمجھیں تھوڑی سی فعالیت کر کے اپنے بچوں کی □ائمری تعلیم کے □نچ سال میں ان مقاصد کے حصول کے لئے کوشش کر □ ۔ □ائمری تعلیم کے بنیادی مقاصد میں ز□ن اور کلچر کا تحفظ اور نسل درنسل ان کی منتقلی، ز□ن کا لکھنا □ ھنا اور اس کی نظم ونثر کا تعارف، حساب، ماحول کا ادراک اور مل جل کر رہنے کی □ بیت شامل ہیں ۔ □نچ سال بہت ہوتے ہیں بشرطیکہ ہم اپنے □ائمری تعلیم کے □وَ□ام کے ساتھ سنجیدگی □ □ ۔ اُسے منظّم، □□ط اور مو□ بنائیں اور اس کی □ □ی کاری □ توجہ د □ ۔ اعلا درجہ کا نصاب بنائیں، ہر سطح کی معیاری درسی کتا□اں کی تیاری □ توجہ دی جائے اور ان کی فراہمی کو یقینی بن□ جائے۔ اور ٹیچروں کو □ یننگ کی سہو □ فراہم کر □ ۔ □ائمری تعلیم □ نظر رکھنا ہمارے لئے □َ □□ی ہے ۔ □ تھ □□ تھ رکھ کر بیٹھے رہنے کی بجائے اس □ میں خود فعالیت کر □ ۔ اور حکومت □ کو اس ضمن میں اپنی آئینی فرض □َ □اری کے لئے بھی آمادہ کر □ ۔ موجودہ حالات میں یہ □ قابل عمل معلوم ہو□ ہے ۔ □ی رکھنا چاہئے کہ ز□ن اور کلچر کے تحفظ کی ذ□ داری ہمارے او□ ہے اَ □ ہم اپنی ز□ن اور کلچر کو محفوظ □ رکھ سکتے تو کوئی ہماری مدد □ کرے گا۔ یہ بھی □ی د رکھنا

ضروری ہے کہ فطری اور موثر پرائمری تعلیم و تدریس اور تربیت صرف مادری زبان کے توسط سے ہی ممکن ہے۔ ورنہ وہ ہوتا ہے جو ہورہا ہے۔

۔- اردو زبان و ثقافت کے تحفظ کی اہمیت کو سمجھنے کا ایک طریقہ شاید یہ بھی ہوسکتا ہے

ہم جس اردو کے تحفظ کی بات کرتے ہیں اسے اس عام بول چال کی زبان کے تعلق سے دیکھنا چاہئے جو گنگا جمنا کے دوآبے کے کلچر کا حصہ ہے اور جو ایک طویل تدریجی عمل سے گزر کر شمالی اور وسطی ہند وستان کے بڑے علاقوں کی عام بول چال کی زبان بن چکی ہے۔ ہم جس زبان کو ایک عرصے سے ہندوستانی کہتے آئے ہیں وہ ہمارے ملک کے متذکرہ بالا تمام علاقوں کی بول چال کی زبان ہے اور ان علاقوں کے سب لوگ بلا امتیاز مذہب، نسل، رنگ اور ذات پات ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ ملک کے باہر برصغیر میں اس بول چال کی زبان کے بہت سے بولنے والے بھی ہیں۔ عملی طور پر اب یہ بول چال کی زبان الگ الگ زبانیں بولنے والے برصغیر کے ایک سو پچاس کروڑ عوام کے درمیان رابطے کی زبان بن چکی ہے۔ اردو دراصل اسی ہندوستانی بول چال کی معیاری شکل ہے۔ اسی وجہ سے فلمی صنعت کے پہلے دن سے آج تک ہماری فلموں کی مقبول ترین زبان اردو ہی رہی ہے اور اردو فلمیں تمام برصغیر میں اور برصغیر کے باہر بھی جنوبی ایشیا، شرق میانہ اور افریقہ کے کئی ملکوں میں بڑے شوق سے دیکھی جاتی ہیں۔ جو اردو ہمارا موضوع ہے وہ ہمیشہ عام بول چال کے قریب رہتی ہے اور ہمیشہ کی طرح اب بھی اس کے ادبی اور فطری رجحانات کو فطری انداز میں بلامزاحمت جذب کرتی رہتی ہے۔ اس بنا پر کئی سو سال سے اردو ہماری مشترکہ تہذیب کا خوب صورت ترین اور معتبر ترین ترجمان ہے۔ یہ ملی جلی تہذیب برصغیر کی مثالی تہذیب ہے۔ اسے ہم گنگا جمنی تہذیب بھی کہتے ہیں۔ مہذب گفتگو، آداب کا معیار، رواداری، علم و انسان دوستی، مل جل کر رہنے کا شعور، وطن سے محبت، شرافت اور نفاست، پیار اور بھائی چارہ، شائستگی اور ایک دوسرے کا لحاظ و احترام اور خوب سے خوب تر کی تلاش اس کی قدریں ہیں۔ یہ تہذیب اٹھارہویں صدی کے طوفانوں سے متاثر ہوئی۔ ۔۔۔۔ء کے سیاسی تصادم اور بیرونی غلبے سے ختم نہیں ہوئی اور ۔۔۔۔ء کے خونی سیلاب میں ڈوب کر بے نشان نہیں ہوئی۔ یہ تھی، ہے اور رہے گی۔ وجہ ہمارا تہذیب سازی کا فارمولا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے لئے کوئی غیر نہیں ہے۔ ہم فطری انداز میں آنے والے خارجی اثرات کو رضا و رغبت جذب کر لیتے ہیں۔ دوسروں سے بلا تکلف سیکھتے ہیں لیکن خود کو برقرار رکھتے ہیں۔

اردو کے گھر کے بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہندوستان کے بیشتر علاقے اردو کے علاقے ہیں۔ جو علاقے اب ہندی کے کہلائے جاتے ہیں وہ بھی اردو کے ہیں۔ اسی اردو کے جو کبھی ہندی کہلاتی تھی۔ وہ علاقے اب بھی بالکل اسی طرح ہیں جیسے پہلے تھے۔ ان میں اب بھی وہی زبان بولی جاتی ہے جو پہلے بولی جاتی تھی۔ ہم اسے اردو یا ہندی بھی کہہ سکتے ہیں آپ اس علاقے میں گھوم کر خود مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اس زبان کا ایک ہی علاقہ ہے اور ایک ہی زبان بولی جاتی ہے۔ آج کے زمانے میں ہم اس بات کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہندی کا جو علاقہ ہے وہی اردو کا علاقہ ہے۔ البتہ اُس بیچاری ہندی کا کوئی علاقہ دکھائی نہیں دیتا نہ ہی کہیں وہ رابطہ کی زبان ہے جو گذشتہ چھ دہائیوں میں معرض وجود میں لائی گئی ہے۔ کیونکہ وہ کسی بھی علاقہ کی بول چال کی زبان نہیں ہے۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے وہ کبھی بے گھر تھی نہ ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ جس زبان کے کروڑوں بولنے والے ایک ساتھ ایک ہی علاقے میں زندگی گزارتے ہوں، وہ بے گھر کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد یہ سچائی واضح ہو جاتی ہے کہ ایک زندہ عوامی اور علاقائی زبان کی حیثیت سے اردو کے بے گھر ہونے یا ختم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ علاقے کے تعلق سے سچائی یہ ہے کہ اردو کا اپنا ایک وسیع علاقہ ہے۔ وہ اپنے اس علاقے میں بھی ہے اور ماوراء بھی۔ اور اس دور میں تو حالت یہ ہے کہ اپنے علاقے اور برصغیر کے باہر بھی ساری دنیا میں اردو کے علاقے پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مشرق وسطیٰ، جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ، کنیڈا ہر جگہ اردو پہنچ رہی ہے۔ کتنی جگہیں ہیں جہاں اردو والے اپنی دنیا بنا کر رہ رہے ہیں۔ اردو کے اخبارات اور رسائل نکال رہے ہیں، اردو کے ادارے چلا رہے ہیں، اردو کی ادبی انجمنیں بناتے ہیں، شعر و ادب کی محفلیں سجاتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسرے ملکوں میں رہائش پذیر ہیں اور اردو شعری و نثری ادب کی تخلیق میں مصروف ہیں۔ خود ہندوستان میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کے نام سے ایک بڑی یونیورسٹی قائم ہو چکی ہے جس میں تمام علوم وفنون کی تدریس اردو زبان کے توسط سے ہوتی ہے۔ جامعہ اردو علی گڑھ تمام ملک میں اپنے زیر اہتمام کرائے جانے والے اردو زبان و ادب کی درجہ بندیوں کے امتحانات کی بنیاد پر اسناد جاری کرتی ہے جنہیں بہت سے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی رسمیت شناخت حاصل ہے۔ اگر جامعہ اردو والے اپنے کورسوں کو پوری طرح فاصلاتی تعلیم کے طرز پر چلا کر زیادہ مفید معیاری اور معتبر بنانا چاہیں تو اس کے لئے انہیں اپنے طلبہ کو

کتابیں، اسباق، تفویضات اور کیسٹ فراہم کرنے ہوں گے اور اپنے اسٹڈی سینٹر صرف معیاری اداروں میں قائم کرنے ہوں گے۔ حکومت ہند کے تحت ا یک خودمختار ادارے کی حیثیت سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ء سے سرگرم عمل ہے۔ اردو، فارسی اور عربی کے فا تی کورس، کمپیوٹر تعلیم، خطاطی اور گرافک ڈیزائن، اردو یس ومو شن، درسی اور درسی کتابوں اور مجلّوں کی اشا عت، اردو کا رشتہ سائنس اور لوجی سے جوڑنا اور مشاورت و کونسل کی فعالیت کی قابل قدر حصول بیاں ہیں۔ اس کونسل سے بجا طور اور بھی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ ہندوستان میں اور ہندوستان سے ہر بہت سارے ملکوں کی دانش گاہوں میں اردو زبان و ادب کی ریس وتحقیق کے شعبے موجود ہیں اور کے تمام ے اور اہم ریڈیو اسٹیشن چوبیس گھنٹے میں کئی رار دو خبر ، مباحثے اور کلچر پروگرام نشر کرتے ہیں۔ کلاسیکی، ہندوستانی اور مغربی دھنوں کے ساتھ اردو غزلیں اور گیت جنوبی ایشیا میں رات دن گائے جاتے ہیں۔ اس زبان کی موسیقی کو ساری د ہے اور لطف اندوز ہوتی ہے۔ ان توں سے ''سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے'' کے شاعرانہ دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک ہے کہ اب اردو کا شمار کی سے زیادہ لی جانے والی چند زبانوں میں ہوتا ہے۔

ہم تحفظ کی بات کرتے ہیں تو اس اردو کی بات کرتے ہیں جس کی اساس ہندوستانی ل چال ہے۔ اردو سے ہماری ادو ہی زبان ہے جس کا نام کبھی ہندی تھا۔ کاش ہمیشہ رہتا۔ یہ بات ایک بار پھر دہراد کہ ہم جس اردو ہندی کی بات کرتے ہیں وہ ہندی ہے جو گزشتہ ساٹھ سال میں ایک متوازی زبان کی حیثیت سے معرض وجود میں لائی گئی ہے۔ اردو فارسی ہے عربی، سنسکرت، کی، انگریزی۔ ان میں سے کسی بھی زبان کا شمالی ہندوستان میں صدیوں سے ل چال کی زبان کی حیثیت سے استعمال ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت ہے۔ اردو ایک منفرد زبان ہے اور اس کا ایک اچھا سا م ہندوستانی بھی ہے اور اردو صدیوں سے اسی زبان کی معیاری شکل ہے۔ ہمارے آئین میں دفعہ کے تحت اس زبان کے فروغ کے لئے جو ہدایت درج ہے اس کا منشا واضح طور یہ ہے کہ اس کا فروغ اس طرح ہو کہ یہ زبان ہندوستان کی مشترکہ تہذیب وتمدن کے تمام عناصر کے اظہار کے میڈیم کے طور کام آئے۔ لیکن قی و وسعت کے اس عمل میں اس زبان کے مزاج کے ساتھ کوئی د ازی ہونا چاہئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعض سی اغراض کی وجہ سے اس زبان کے ساتھ جو قی کے اعلا

مدارج میں دا ہوچکی تھی دفعہ کی ا ٹ کے خلاف چھیڑ چھاڑ کی گئی اور بعض افراد اور ادارے جو غالباً مشترک تہذیب کو توڑ چاہتے تھے اس زبان کو مسلمانوں کی زبان قرار دینے لگے تھے ا ی ا زبان بنانے میں گئے جو ان کے عم خود صرف ای مخصوص تہذیب کی نی کرے۔ ان لوگوں کے توڑ پھوڑ کے اس عمل میں صدیوں سے مستعمل لفظیات اور اصطلاحات کو خصوصی نشانہ بنای گیا۔ صدیوں سے جاری تہذیبی میل آپ کے فطری عمل سے زبان میں دا ہوئے الفاظ مانوس اور گھڑے ہوئے الفاظ سے ل دئے گئے۔ اور اردو رسم الخط اور ادبیات اور اردو ریس کو زمین دوز کرنے کی کوشش کی گئی۔ بہرحال اس فطری عمل سے ای ا زبان وجود میں آگئی ہے جس میں تلفظ کا کوئی معیار ہے عوامی روز ہ کا لحاظ ہے اصل زبان کے مزاج سے کوئی مناسبت ہے۔ اس لسانی جبر اور تہذیبی سے ای کلچرل اور خلا پیدا ہوگیا ہے اور ں بھی ا ا ہے۔ اردو ہندی ہماری مشترک تہذیب سے منسلک ہے۔ اس کا فروغ اسی تہذیب کے آغوش میں ہوا ہے۔ لہٰذا ای دوسرے سے علاحدہ کیا جاسکتا۔ ای کو کیجئے دوسری فوراً جا جائے گی۔ اس تہذیب کی اساس ہندو مسلم بھائی چارہ اور یہ زبان ہے۔ جس طرح ہندو مسلم اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ ا تمام تحریکیں بند کی جائیں جو ان دونوں فرقوں میں نفاق پیدا کرتی ہیں۔ اسی طرح اردو ہندی جو شمالی ہند کی اصل زبان ہے اور سارے ملک میں رابطہ کی زبان ہے اس کے اصل وجود، لفظیات، تلفظ، رسم الخط اور ادب کو ہر حا میں برقرار جائے اور اس کے مزاج کا احترام کیا جائے۔ یہاں اس فرق کو ضروری ہے کہ اردو والے ہمیشہ سے سی اغراض سے ماوراء اس عوامی زبان کی نوک در کرتے آئے ہیں اور ں نے کبھی بھی شعوری طور اس زبان کی شکل وصورت کو اس طرح کرنے کی غلطی کی ہے۔ اردو کا منبع و ج خارجی بلکہ خود ہمارے عوام ہیں، ہماری زمین اور ہماری ریخ ہے۔ ہم اپنی زمین اور اپنی ریخ سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی مسرتوں اور نیوں میں اخلاقی اور روحانی طور شامل ہیں۔ اپنی زمین اور ریخ سے تو شرماتے ہیں اور ہی ان بیجا فخر کرتے ہیں۔ ان کے تئیں مثبت، ل اور ات مندا رویہ رکھتے ہیں۔ اور ان سے سچائی، حسن، اچھائی اور پیار کے موتی نکالتے ہیں، نفرت ونفاق کے پتھر تلاش کرتے پھرتے۔ اردو کی طاقت اور حسن وخو ل چال کی زبان سے وفاداری کی وجہ سے ہے اور لآ یہی وفاداری اس کے تسلسل، تحفظ اور فروغ کی ضما ہے اور رہے گی۔ ہم اس اردو کی ت کرتے ہیں جس کا

ایک خوبصورت اور منفرد رسم الخط ہے اور جس کی ایک مثال تہذیب ہے اور اس تہذیب کے خمیر میں بھی انسانی واخلاقی قدریں غالب ہیں اور جس سے اس ملک کے سبھی لوگ پیار کرتے ہیں۔ یہ تہذیب اساسی سیکولر ہے اور دنیا میں جہاں کہیں بھی ہے سیکولر اور انسان دوست ہے۔ اس کا فرقہ وارانہ یا کسی بھی دوسری طرح کے منفی طرزِ فکر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اردو اور اس کی شاعری مختلف مذہبوں، زبانوں، نسلوں اور مقامی تمدنوں سے جڑے ہوئے کروڑوں لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔ اس اعتبار سے ملک کے اندر اور برصغیر کے عوام کے مابین رابطہ کے لئے اردو کا کوئی اور فطری اور مناسب متبادل نہیں ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ اردو نہ صرف ہمارے ملک اور برصغیر میں بلکہ تمام جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں لوگوں کے درمیان رابطہ کا فطری وسیلہ یا لنگوا فرینکا ہے۔ اردو کا اپنا رنگا رنگ معیاری علمی و ادبی سرمایہ ہے جو کئی سو سال سے بغیر کسی رکاوٹ کے تخلیق ہوتی رہی ہے اور آج بھی سب کا سب اردو کے اپنے منفرد رسم الخط میں محفوظ ہے۔ اگر اردو کے تعلق سے سن ۱۸۰۰ء سے قبل کی اپنی لسانی تاریخ پر نظر ڈالیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک ہندوستانی بولی دوسری تمام ہندوستانی بولیوں اور چند خارجی زبانوں سے طویل صدیوں کے دوران باہمی اثر اندازی اور اثر پذیری کے نتیجے میں بتدریج ایک طاقتور، پُر معنی، پُرتکلف، دل پذیر اور شائستہ اظہار کی زبان بن گئی اور ایک کثیر لسانی معاشرے میں مہذب گفتگو اور موثر تحریر و تقریر کا وسیلہ قرار پائی۔ صرف اردو ہی ایک زبان کی حیثیت سے آگے آئی جو صدیوں پرانے دفتری اور عدالتی نظام اور مشترکہ ثقافتی اثاثے کے تسلسل کو برقرار رکھنے کا فطری ذریعہ بن سکتی تھی۔ مزید برآں دوسری خوبیوں کے علاوہ وہ اُس فطری اور وسیع الاساس قومی تشخص کی زبان کے اعتبار سے بھی اہم ہوگئی تھی جو صدیوں کے تاریخی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی عمل سے اس وسیع وعریض ملک میں پیدا ہورہا تھا۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ بغیر کچھ سرکاری سرپرستی اور قانونی پشت پناہی کے بغیر ہوا۔ اردو زبان کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ انگریزوں کے زیر تسلط علاقوں اور دیسی ریاستوں میں سو سالوں سے زیادہ انگریزی کے ساتھ اردو کو بھی تعلیمی، دفتری اور عدالتی استعمال کی سعادت حاصل رہی اور ملک کی ایک یونیورسٹی میں تو وہ ہر قسم کی اعلا تعلیم کے میڈیم کی حیثیت سے بھی استعمال ہورہی تھی۔ اردو جس کی زبان تھی پہلی یا دوسری یا تیسری۔ اصل صورت حال اب بھی اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ بہرحال اس ملک کے تعلیم یافتہ لوگ بڑی تعداد میں اس زبان کو بولنے کے علاوہ اس کے ہر ممکن رسمی و غیر رسمی استعمال

سے بھر□را □ دہ کرتے تھے۔قصہ مختصر سن □□□□ء ت□ اردو اپنے فطری رفع وارتقا کے طویل عمل سے □رکر عام □ال چال کے علاوہ ادب، علوم، صحافت، نغمہ سرائی، فلم، میڈ□، تعلیم، عدا□ اور دفتر کی □□ پسند□ہ، مستند اور □صغیر میں رابطے کی □ گیر ز□ن کی حیثیت سے د□ کی □ی ز□نوں میں شامل ہو چکی تھی۔لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ □شتہ نصف صدی کے دوران ہم ا□ ثقافتی بحران میں پھنسے رہے ہیں جس کے اسباب میں ا□ اہم سب□ □تیت زدہ لسانی □لیسی اور اردو ز□ن وثقافت کی □مالی بھی ہے۔یہ اس طرح کا بحران ہے جس میں اردو والوں اور ان کی لسانی و تہذیبی ثقافت کے درمیان د□ار □ □ی کر دی گئیں اور ا□ □رفت کی تمام راہیں گم ہوتی نظر آنے □ ۔□کھلاہٹ میں ہم شا□ یہ بھی بھول گئے کہ □ت صرف روزی روٹی کی □ ہے۔ ا□ فطری لسانی ثقافت ہماری اخلاقی، روحانی اور ذ□ صحت مندی کے لئے ضروری ہے اور یہ ز□گی کے سفر کے لئے ا□ خود کار رہنما بھی ہے۔بہرحال ک□ہ بینی ہماری خوبصورت اور فطری ز□ن وثقافت کی □مالی کا سب□ □گئی اور اب ہمارے لئے ا□ ہی را□ بچا ہے جو یہ ہے کہ اس بحران سے □ □ کے لئے ہم □ل کر مخلصا□ اور بھر□ر کوشش کر □۔

اردو ز□ن وتہذ□□ کے سود □عوامی، قومی اور عالمگیر کردار کے □وجود اس کے تحفظ اور فروغ کی ذ□داری ا□□رے اردو معاشرے کے صرف ا□ □ □ڈالی جاتی ہے جو اس کی وفاداری سے د□ □دار ہونے کو تیار □ ہے تو پھر اس ورثے کے تحفظ کی ذ□داری نبھانے کا جواز معلوم ہو□ ضروری ہے۔ہم جانتے ہیں کہ ہمارے لئے اپنی پیڑھیوں کے درمیان کلچرل اور لسانی تسلسل کو ہر حال میں □قی رکھن□ □ی ہے۔ا□ کئے □ہم اپنے علمی واد□ اور ثقافتی ورثے کا تحفظ □کر سکتے جو ہمارے فطری رفع وارتقا اور □گیر □رفت کی ضما□ فراہم کرت□ ہے اور ہمارے خا□انوں کو ا□ مس□ بخشتا ہے۔اس سے محروم ہو کر ہم □ □وخال اور □ □ ہو جاتے ہیں۔ہمارے □م بگڑ جاتے ہیں، تلفظ □اج ہو جات□ ہے، جملوں کی چولیں ڈھیلی ہو جاتی ہیں، □سیل میں خلا پیدا ہو جات□ ہے اور مہذب گفتگو مشکل ہو جاتی ہے۔ہمارے خا□ان منتشر ہوتے ہیں۔ہماری اقدار تباہ ہو جاتی ہیں۔معاشرتی ز□گی کی بنیاد □ہل جاتی ہیں۔ہمارا □ نظام □سمت ہو جات□ ہے۔ہم اس صورتِ حال □□جتے رہتے ہیں۔اس □ت سے آ□ کون انکار کر سکتا ہے کہ مادری ز□ن کی □شکل وصورت کا تحفظ اور روز□ہ ز□گی میں اس کا مو□ اور آزادا□ استعمال ہی ہماری خوشی، خوشحالی اور بقا کا ضامن ہے۔□ں بھی □ے سکوں کو کھوٹوں سے □لنا

کوئی دانشمندی ہے۔ یہ شای ہمارے وقار اور ت کا سوال بھی ہے۔ ریخ نے اس عظیم لسانی اور ثقافتی ورثے کے تحفظ کی جوذ داری ہمارے او ڈال دی ہے ہم اسے آ کیوں را کر ؟ یہ دراصل ای چیلنج ہے اور ہماری عافیت، خوشی اور روحانی آسودگی کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے بخوشی قبول کرلیں، اس سچائی کو نظر رکھتے ہوئے کہ یہ زن وثقافت جس کا ہم تحفظ کررہے ہیں قومی ورثہ ہے اور اسکا خسارہ کا خسارہ ہوگا اور اس ورثہ کو نقصان پہنچانے کی جو غلطی ہوئی ہے اسے جلدی در کر جائے گا۔ یہ کام مشکل ہے۔ اَ ہم ملک کر توں کے بجائے عمل، اپنے وسائل اعتماد اور اپنی مدد آپ کے اصولوں کو مشعل راہ بنائیں اور رے خلوص کے ساتھ اس کام کو کر شروع کر تو یہ ہمارے لئے لکل آسان ہو جائے گا اور وہ بھی جو ابھی ہمارے ساتھ ہیں ہمارے ساتھ آجائیں گے۔

آنکھیں اَ کھلی ہوں تو صاف نظر آ ہے کہ یہ دور کتنا ہی آشوب کیوں ہو اس کا ای اطمینان بخش پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی طا رکیوں ہو کسی دوسرے کے حقوق زیادہ دی مال کرسکتا۔ کوئی ہمارا حق ئے رکھ سکتا ہے ہم کسی کا۔ ہم کسی کا حق رہے۔ ہمارا صاف ہے۔ لہٰذا ہمیں امید رہنا چاہئے۔

-تحری

یہ وَام اپنے ا را ی تحری بننے کی حیت رکھتا ہے۔ ہم جہاں بھی رہتے ہیں اَ ں ں فکر رکھنے والے چند احباب مل اور ی اردو اردو اردو سینٹر اردو گھر کا تعین کر کے ای مشاورتی جا ہ کمیٹی بنالیں تو کام شروع ہو جائے گا۔ اس وَام کو اردو کی ابتدائی میں ایجنڈے کی حیثیت سے استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس عمل درآمد کی راہیں نکالی جاسکتی ہیں۔ اس وَام کو بتدریج آگے ھی جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں یہ ت ی درکھنا ضروری ہے کہ یہ وَام عملی ہے۔ بیکار بحث اردو کی ریخ و افیہ بیان کرنے کا منصو ہے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً اس وَام کے حوالے سے حلہ وار رفت کا جا ہ لیتے رہنا ضروری ہوگا۔ یقین رکھیے کہ اس کام میں کوئی جبر ہے ، ذاتی مفاد ت صرف اپنی زن و ثقافت سے خلوص و وفاداری کی ہے اور ۔

-اشا اور وتج

اَ آپ قومی ر رکھتے ہیں تو ای قومی ورثہ کے تحفظ اور فروغ کی کوششوں میں اپنے

وہ ان کے مطابق معاون ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی اخبار یا رسالے سے منسلک ہیں تو اپنے موقر جریدے میں اس تشریحی نوٹ اور عملی پروگرام کو تھوڑی سی جگہ عنایت فرما کر اس پروگرام کی وسیع اشاعت اور ترویج میں مدد کر سکتے ہیں۔ اگر کسی یونیورسٹی، کالج یا اسکول میں ہیں تو اس پروگرام کو تحریک بنا سکتے ہیں۔ اگر صحافی، ادیب یا مضمون نگار ہیں تو اپنی تحریروں میں کبھی کبھی اس پروگرام کے عملی پہلو اور اپنی مدد آپ کے اصول کو اجاگر کر سکتے ہیں اور ان موضوعات کی وضاحت اور تشریح کر سکتے ہیں جن کا ذکر اس پروگرام میں مختصراً یا اشارتاً کیا گیا ہے۔ اگر کسی مدرسے میں ہیں تو دین کی حقیقی تفہیم اور اس کی روح تک رسائی کے لئے اور اپنے نصاب کے درس و تدریس کو آسان، عام فہم اور موثر بنانے کے لئے اردو کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بارے کے بارے پروگرام کو اپنے مدرسے میں عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہیں، خطبہ دیتے ہیں یا وعظ کرتے ہیں تو بڑی آسانی سے اس پروگرام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں اور ان میں اپنی مادری زبان سے محبت اور وفاداری کے جذبات کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس پروگرام کی فوٹو کاپیاں بنوا کر تقسیم کرا سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں کچھ بھی کرتے ہوں کسی بھی حال میں ہوں اپنے گردو پیش میں کم از کم مادری زبان کی بقاء شکل و صورت کے تحفظ کا جذبہ تو پیدا کر ہی سکتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر چند مقامات سے بھی دیکھی جنبش ہوتی ہے تو کام بن جاتا ہے۔

۲- اردو کے حقوق کی بحالی

ہمارے دور میں اردو کے حقوق بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ زمینی حقائق یہ ہیں کہ اردو کا استعمال سرکاری اور نجی سطحوں پر یا تو بالکل بند کر دیا گیا ہے یا محدود کر دیا جاتا ہے۔ جب ہم اردو کے ان حقوق کی بحالی کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس ملک کے کروڑوں لوگوں کی مادری زبان کا تحفظ اور ہر سطح کے تعلیمی اداروں اور دفتروں میں اس کے آزادانہ استعمال کے ان حقوق کی بحالی چاہتے ہیں جو اسے تاریخی، اخلاقی اور قانونی طور پر ہمیشہ حاصل رہے ہیں لیکن گذشتہ پچاس سال کے دوران غیر معمولی طور پر پامال ہوئے ہیں۔ ہم واضح طور پر اردو بولنے والوں کے اکثریتی اور اقلیتی دونوں طرح کے علاقوں میں سرکاری اور نجی سطحوں پر اردو کا آزادانہ استعمال چاہتے ہیں۔ ہم ہر حال میں اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان میں دینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہر سطح پر اردو کو کم از کم ایک زبان کی حیثیت سے پڑھنے اور ہر سطح پر اردو میڈیم ادارے قائم کرنے کا حق

چاہتے ہیں۔ یہ وہ حق ہے جو ملک کی دوسری تمام ز□نوں کو اس ملک میں حاصل ہے اور جو پہلے ہمیں بھی حاصل تھا لیکن اب □مال ہو□ ہے اور اس □انصافی کو کوئی معقول وجہ بھی □ ہے۔ اس لئے اردو کو ہند□ن کے □نظام میں اس کا مقام دلانے اور سرکاری نظام تعلیم میں منا□ب تبدیلیوں کے لئے آواز اٹھا□ اور سرکاری و □سرکاری اداروں میں اردو کے استعمال کے حق کو عملی بنانے کی کوششیں کر□ اور □امن □ری مہم چلا□ ہمارے فرائض میں دا□ □ل ہے۔ بہرحال ہماری پیروی کے□وجود ہمارے لسانی حقوق کی بحالی میں□ خیر ہو رہی ہے۔ اس جملہ صورت حال کے □نظر ہمارے لئے اس نکتہ کو □ضروری ہے کہ اردو کے حقوق کی بحالی کا بہت گہرا تعلق ان ب□توں سے ہے جو ز□یا نظر □وَ□ام میں بیان کی گئی ہیں۔ اس □وَ□ام کے مقاصد کے حصول سے اردو کے حقوق کی بحالی کا عمل آسان ہو سکتا ہے۔ پہلے وہ کام کر □جو پہلے کر□ چاہیے۔ اَ□ آپ اس □□ب میں ہیں کہ او □□ □صیں یا □□ □صیں، کیا توکّل کافی □ہوگا، تو ہمارا مشورہ ہے کہ دونوں کام کر □لیکن پہلے اپنا او □□ □ھ لیں پھر توکّل کر □۔

□-□وَ□ام کا عملی اور مقامی کردا□

متاسفا□ یہ □وَ□ام شا□ان لوگوں کے لئے □ہے جو ہر کام کو آل ا□□یا لیول سے شروع کرتے ہیں۔ ہمارے نقطۂ نظر سے اپنی عملی حیثیت کے □نظر یہ□لکل مقامی ہے۔ □□ □ مقامی ذہن کام □کرے گا خاطر خواہ □رفت □ہوگی۔ ہر□ □کام کرے تو □□ کے بھی کوئی معنی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہر □ا□ □صرف چند لوگ ہی فعالیت کر □□ □بھی مجموعی طور□□ اکام □سکتا ہے۔ کام شروع تو کیجئے۔ اس کام کو شروع کرنے کے لئے کسی □ی نقل وحر□ □یا تیاری کی ضرورت □ہے اور □وی عمل درآمد میں تو سرے سے کوئی دقت ہی □ہے۔

اَ□ کچھ اور □کر سکیں ن□

□انخوا □اَ□ضعفِ □، □ا□صحت□ □عمولی عد□ الفر□ کی وجہ سے اس □وَ□ام □عمل درآمد کے لئے آپ کچھ اور کر سکنے سے معذور ہوں تو کم از کم اتنا کرنے کی □لطفاً گوارہ فرمالیجئے کہ تشریحی نوٹ اور عملی □وَ□ام دونوں کی د□ □د□ فوٹو کاپیاں بنوا کرا □افراد□ □پہنچاد □جن کے □□رے میں آپ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ اس ضمن میں کچھ کر سکتے ہیں۔

□ □ □

حضرت مولا انظر شاہ کشمیری کی وفات علمی وادی دینی د کا سانحۂ عظیم

مہتمم دارالعلوم حضرت مولا غوب الرحمٰن صا ب کا پیغام تعزیت

د بند

دارالعلوم د بند میں حضرت مولا انظر شاہ دی کشمیری کی وفات حسرت آیات کی خبر آتے ہی رنج وغم کا ماحول چھا گیا۔ مہتمم دارالعلوم حضرت مولا غوب الرحمٰن صا ب نے مدرسہ میں چھٹی کا اعلان کرا یا اور دعائے مغفرت کرانے کیلئے ای نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں مولا موم کی علمی، اد ، سی، ثقافتی مات روشنی ڈالی گئی۔

مشکوٰۃ شریف اور بخاری شریف کے مستند ذ کی حیثیت سے آپ کے اس قدر کار موں کو سرا گیا۔

اس موقع مہتمم دارالعلوم حضرت مولا غوب الرحمٰن صا ب نے ای خصوصی پیغام میں دارالعلوم د بند کے سا ظم تعلیمات کی حیثیت سے آپ کی مات عالیہ کو اج عقیدت کیا۔ دارالعلوم میں ا ذ حدیث کی حیثیت سے آپ کی علمی مات کو د د کیا جا رہے گا۔ مہتمم صا ب نے م فرما کہ آپ ای علمی خا ان کے و اغ تھے اور بحیثیت مقرر، مفسر، ا ذ حدیث اور مترجم آپ کی مات زر کو احاطہ تحر میں لا دور حاضر کی ضرورت ہے۔ آپ نے وثقافت اور دینی مات کا حسین امتزاج کیا ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید ہے۔ آپ کے اسفار زیادہ علمی نوعیت کے تھے اور بلاشبہ آپ کی دینی اور علمی مات نے عالمی سطح ب سے اج تحسین حاصل کیا ہے۔

ائے رگ و سے دعا ہے کہ وہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ا دعا از من واز جملہ جہاں آمین د

جاری کردہ دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند

مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنا□

دارُالعلوم

شمار□□	□دی الثانی□□□ھ مطا□ جون□□□ء	جلد□□

مد□	نگراں
حضرت مولا□ حبیب الرحمٰن صا□ ا□ذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولا□ □غوب الرحمٰن صا□ مہتمم دارالعلوم دیوبند

□سیل زر کا پت□ دفتر ماہنا□ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ □ □

ہندو□ان سے فی شمارہ-□□ روپئے، سالا□-□□□ روپئے

□دی عرب، افریقہ، □طا□، ا□یکہ، □ڈاو□ہ سے سالا□-□□□ روپئے

بنگلہ دیش سے سالا□-□□□ روپئے □کستان سے ہندو□نی رقم-□□□ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہر□ مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	رسول اکرم □ کی سماجی ز□گی	محمد□ گوتم	۷
۳	اسلام □وں کی نظر میں	مولوی ا□ البرکات حمیدی	۱۵
۴	نصرت الٰہی سے محرومی کے اسباب□	مولا□ سعید احمد جلال□ری	۲۰
۵	کیا آپ اپنی تجارت کو□ □ بنائیں گے؟	محمد □یفہ و□نوی	۳۵
۶	فرد قائم ر□ ملت سے ہے، تنہا کچھ □	مولا□ رضوان احمد□وی قاسمی	۴۳
۷	خود کفا□ سے خودکشی□ □	ڈاکٹر ا□ ا□ فاروقی	۴۹

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں □ ا□ سرخ نشان ہے تو اس □ت کی علامت□ ہے کہ آپ کی مدت □یاری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندو□نی □یار □ آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روا□ کر □۔
- چونکہ رجسٹری □ میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی □ میں صرفہ زا□ ہوگا۔
- □کستانی حضرات جناب مولا□ شیر محمد صا□ □□ظم جامعہ مد□، کر□رک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روا□ کر □۔
- ہندو□ن □ □کستان کے تمام □یاروں کو □یاری نمبر کا حوا□ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ملک کی آزادی میں مسلمانوں اور خاص طور علماء کا کیا کردار رہا ہے اور ں نے ہندو ن کو انگری وں کی غلامی سے نجات دلانے میں کتنی عظیم قر ں دی ہیں، شا آج کے ہندو ن میں اس قطہ رینہ کا کرہ معنی ہے، آج کے ماحول میں غالبًا یہ ی دلا بھی سود ہے کہ اٹھارہو صدی میں علماء ہی کی قیادت میں یہاں کے مسلمانوں نے آزادی کی و کا چم بلند کیا تھا، مسند ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس تحری کے سرخیل تھے، ں نے اپنے کی آواز "فلک کل نظام" کا انقلاب آفر نعرہ بلند کیا تھا، پھر انگری وں نے اپنی مسلسل سازشوں کے ذریعہ حکومت دہلی اپنا تسلط مضبوط و مستحکم کر . تو شاہ ولی اللہ کے فرز جلیل سراج ا شاہ عبدا ی دہلوی نے اپنے یٰ جہاد کے ذریعہ رے ملک کے مسلمانوں میں حری و آزادی کے حصول کے لئے و عمل کی ا ا روح پھو دی سا اجی طاقت اپنی تمام فتنہ سامانیوں کے وجود مضمحل کر سکی، آزادی ہند کی ریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سا اجی طاقت کے ساتھ مجاہد کی نبرد آزمائی کا یہ سلسلہ نصف صدی جاری رہا۔ حتیٰ کہ انگری وں کے ملک مکمل تسلط قائم کر لینے کے بعد بھی ان مجاہد نے ہمت ری اور کسی کسی حد وطن عزی کی آزادی کے لئے اپنی سرفروشا و کا سلسلہ جاری ر ء کا انبا سازش کیس، ء او ء کا عظیم آ دسازش کیس، ء میں مالدہ اور راج محل کا مقد بغاوت، حضرت شیخ ا کی ریشمی رومال تحری اور جلیانوا غ کا خو واقعہ و ہ اسی سلسلہ کی یں ہیں، جن میں

□ جانے کتنے علماء تختۂ دار □ لٹکا دیئے گئے اور کتنوں کو □□یۂ ا□مان اور □□یرہ مالٹا میں جلاوطنی کی اذی□ □□دا□ □ کرنی □ی۔

□زہ خواہ داشتن □ داغہائے سینہ را — گاہے گاہے □ زخواں ا□ قط□ □ رینہ را

یہ صورت حال کس قدر افسوسناک اور □دہ ہے کہ جن مسلمانوں نے ملک عز□ کے لئے □صرف □لوث قر□ں د□ بلکہ دوسروں کے ا□ر بھی اس کا □ □ پیدا کر□، جو وطن عز□ کی آزادی کے لئے خود بھی □ اور دوسروں کو بھی □□، قید و بند، طوق وسلاسل کی سختیاں خود بھی جھیلیں اور دوسروں کو بھی اس کے □دا□ □ کرنے کا حو □□، اور اس وقت □ □ چین سے □ بیٹھے □ □ □ ملک عز□ سا□اج کے □ استبداد سے چھٹکارا □□ گیا۔

آج انھیں مسلمانوں کے ساتھ ا□ □ وَ کیا جا□ ہے کہ گو□ یہ مسلمان اس ملک میں کوئی اجنبی قوم ہیں جو کہیں سے آ کر یہاں □ گئی ہے □ زمین سے اچا□ نکل آئی ہے اور اپنے قول وعمل سے یہ□ □□ جا□ ہے کہ مسلمان بھارت کی دھرتی □ ا□ □جھ ہیں، جنھیں □سی مقاصد کے لئے □قی تو ر□ جائے لیکن □، معاشی، سماجی اور □سی طور □ انھیں اس طرح □حال کر□ جائے کہ وہ □سر اقتدار طبقہ کے ر□ وکرم □ جینے کے لئے □ رہو جائیں، اور انھیں مستقل طور □ □وب وخوف زدہ بنائے رکھنے کے لئے شکوک و □ت کے گھیرے میں ر□ جائے □ کہ وہ اپنی شنا□ □ اور پہچان کو □قی اور قائم رکھنے کی کوشش کے بجائے کسی □ کسی □سی □رٹی کا دم چھلا بنے رہنے ہی میں عافیت محسوس کر □، چنانچہ ا□ □طویل عرصہ □ □مسلمانوں کو ان کے □ کردہ گناہ ملک کے بٹوارے کا مجرم ٹھہر□ جا□ ر□، پھر انھیں □کستان کا ایجنٹ بتا کر ان سے مطالبہ کیا گیا کہ □کستان □ قبر□ان میں سے کسی ا□ مقام کو پسند کر لو تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی اور مقام □، انھیں فرقہ وارا□ فسادات کی آگ میں جھو□ □ □ گیا جس میں وہ □سہا□س □ □ جلتے رہے، ابھی یہ سلسلہ ختم □ ہوا تھا کہ □ری قوم مسلم کو قومی مجرم ٹھہرانے اور انسانی معاشرہ سے الگ تھلگ کر دینے کے لئے ان □ دہشت □دی کا الزام تھوپ □ □ گیا، اب ہندو□ان میں جہاں کہیں بھی دہشت □دی کا کوئی واقعہ □آ□ ہے، □کسی ثبوت وشہادت کے اس کا الزام مسلمانوں کے سر □ □ جا□ ہے۔

یہ دہشت □دی، کسی کی طرف سے کیوں □ ہو آنکھ بند کر کے اس کا مجرم مسلمانوں کو

ٹھہرا□ی جا□ ہے۔ چنانچہ یہ دہشت □دا□ حملے چاہے ملک کی □رلیمنٹ □ہوں□ی عدا □ اور کچہر□اں میں، بنگلور کے انسٹی ٹیوٹ آف سائنس □ہوں□ی اکثر دھام مندر□، اجودھیا کے متنازعہ مندر□ ہو□ی اجمیر کی درگاہ□، بمبئی کی لوکل □ینوں میں ہوں□ی مالیگاؤں کے قبر□ان میں حیدرآ□ د کی مکہ مسجد میں ہوں□ی دہلی کے شاپنگ مال انسل پلازہ□ ہر □مجرم مسلمان ہی ہوتے ہیں، اور دہشت □دی کے واقعات کے وقوع □□ی ہونے کے صرف چند گھنٹوں بلکہ بعض اوقات چند منٹوں ہی میں □کسی □ و تحقیق کے مسلمانوں سے جوڑ دیئے جاتے ہیں اور مسلم نوجوانوں کی □فتار□یاں شروع ہوجاتی ہیں، جبکہ یہ بھی ای□ حقیقت ہے کہ دہشت □دی میں ملوث کیئے گئے بہت سے لوگوں کو عدا □ نے قانون وانصاف کی نظر میں □ گناہ□ کر□ کرد□ی ہے مثلاً عبدالرحمٰن □نی کو□ رلیمنٹ □حملہ کے الزام سے عدا □ عالیہ □ نے □ی کرد□ی ہے۔ گھاٹ کو□ ممبئی □ بلا □ کے تمام ملزمین کو جن □ مکوکا کے تحت مقد□ قائم کیا گیا تھا ممبئی□ئی کورٹ نے □ی کرد□ی، کوئمبٹور □ بلا □ میں ملوث کئی ملزمان کو □مل□ ڈو□ئی کورٹ نے□ عزت □ی کرد□ی، آرایس ایس ہیڈکوا□ □حملہ کے الزام میں ملوث سیمی کے افراد کو عدا □ نے □ قصور□□، غرضیکہ متعدد مقامات □عدالتوں نے بہت سے مبینہ دہشت □دوں کو قانون کی رو سے □قصور□ کر□ عزت □ کرد□ی لیکن اپنی □ گناہی کی سزا میں جیل کی اذیتوں کو □دا□ □ کرنے اور اپنی ز□گی کے کئی اہم سال رائگاں کردینے کے بعد انھیں یہ را □ نصیب ہوئی، اس کے □خلاف بعض مقامات جیسے □راشٹر میں □□□□، اور □آ□د، جالنہ اور □مل□ ڈو میں □□ کسی میں آرایس اور دیگر فسطائی تنظیموں کے افراد کو رنگے□ تھوں دہشت □دا□ کارروائیوں میں □فتار کیا گیا، ان کے گھروں میں □ بنانے کی □ □یں□ □لیں، مسلمانوں کے لباس، داڑھیاں اور □ □ کے □ □آمد ہوئے لیکن ان کا تعلق دہشت □دی سے جوڑ□ تو کجا ان کے خلاف ضروری منا □ کارروائی بھی □کی گئی، علاوہ از □ ملک میں آج کل ہر طرح کی دہشت □دی□ئی جارہی ہے ماؤوادی اور □نکسلی دہشت □دی کو خود وز□ی اعظم ملک کا □ □ سے □ اخطرہ قرار دے چکے ہیں لیکن اسے ہندو دہشت □دی □کہا جا□ ہے۔ اسی طرح شمال مشرق کی ر□ی□ □اں میں موجود دہشت □د تنظیموں کا تعلق عیسائیت سے □ جوڑا جا□ جبکہ او□ مذکور مبینہ دہشت □د

واقعات کو اسلامی دہشت گَدی کا صرف م دیا جاتا ہے بلکہ مختلف ذرائع ابلاغ سے اس کی مسلسل تشہیر بھی کی جارہی ہے، یہ محض اس لئے کیا جاتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ملک میں نفرت کا ماحول کرکے اکثریت کی نگاہ میں انھیں اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے اور اسلام جو اس وقت د کا سے نیادہ قبول کیا جانے والا مذہب ہے، اس کے رے میں عام لوگوں کے دل ودماغ میں وسوسے اور پیدا کردیئے جائیں۔

اور المیہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف پہلے یہ گھناونی حرکتیں ملک کی فسطائی تنظیمیں کرتی تھیں اور اب خود حکومت کے اہل کار اس میں ملوث ہوگئے ہیں جس سے صورت حال بہت نیادہ سنگین ہوگئی ہے۔

حالات کی یہ سنگینی تشویشناک ضرور ہے لیکن ماس کن ہے آج بھی ملک میں ای طبقہ موجود ہے جو مسلمانوں کے خلاف اس کھلی نفرت ا ہم کی ہر مصلحت اور ں سے او اٹھ کر سرعام لفت کرتا ہے اور رپ وا یکہ سے آمد کی گئی اس لعنت کو ملک سے ہر نکال پھینکنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اس لئے سی زی َوں کی جا دیکھنے کی بجائے، اس طبقہ کے ساتھ مل کر منصو بند طریقے فسطائی طا ں اور سی طالع آزماؤں کی جا سے کی گئی اس دہشت َدی کا ہمت و ئت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے۔ دارالعلوم د بند اور اس سے علماء نے اس مہم کا آغاز کردیا ہے ضرورت ہے کہ اسے آگے ھایا جائے۔ انشاء اللہ دل چھٹیں گے اور اَمن و آشتی کا سورج اپنی ری ضیا شیوں کے ساتھ پھر سے طلوع ہوگا، "وما ذلك على الله بعزيز"۔

جوانوں یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چور ہوجائیں جو ہو عزم سفر پیدا

رسول اکرم □ کی سماجی ز□گی

ا□ □ محمد □ گوتم
ڈا□ یکٹر □□ المعارف، جامعہ نگر □ دہلی

□ ریخ عالم میں اَ□ کوئی ا □ ہستی تلاش کی جائے جس کی □ری ز□گی □رے اعتماد کے ساتھ محفوظ ہو، جس کی سیرت انسانی سماج کے ہر فرد کے لیے رہنمائی رکھتی ہو، جس کی حیات طیبہ کو ہر شعبۂ ز□گی کے لیے ا□ □ □ آئیڈیل کے طور □ □ کیا جاسکے یعنی ا □ ہستی جس میں جامعیت، کا□لیت اور □ ر□خیت اپنے □رے □ل وجلال کے ساتھ جلوہ گَ□ ہو، تو ہزار□ □ں کی طویل انسانی □ ریخ میں صرف ا□ ہستی ا □ ملے گی اور وہ ہوگی فخر کائنات سیدالانبیاء محمد عر□ □ کی، جس کے مثل □ تو اس سے پہلے کوئی ہستی عالم وجود میں آئی اور □ آئندہ ا □ جامعیت، کا□لیت اور □ ر□خیت کے اوصاف کسی انسانی وجود کو نصیب ہوسکیں گے۔

رسول اللہ □ جس د □ کو لے کر آئے وہ جامع اور مکمل د □ ہے، اس کی تعلیمات ز□گی کے ہر ہر گوشہ اور ہر ہر □ کے لیے بھر□ رہے، اس د □ کی بنیادی کتاب قرآن مجید میں اس کی کا□لیت کا اعلان کیا گیا ہے□ ”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ“ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا د□ مکمل کرد□ تم □ اپنی نعمت □ری کردی۔ اس کتاب مقدس کی شرح کا □م سنت نبوی ہے اور اسی کا دوسر□ م سرور عالم □ کی حیات طیبہ ہے، سنت نبوی نے کتاب الٰہی کی ہر ہدای□ کو عمل کے سانچے میں ڈھال کر انسانوں کے سامنے □ کیا، اور راہ حیات کو ا□ روشن ومنور کرد□ کہ اس کی □ بھی ا□ ضیاء□ ردن کی ما □ □ گئی، ارشاد ہوا□ تَرَکْتُکُمْ عَلٰی □لۃٍ بَیْضَاءَ لَیْلُھَا کَنَھَارِھَا سَوَاءٌ □ حدی□ □ میں نے تم کو ا □ روشن راہ □ چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح ہے۔

حیات طیبہ کی یہ □ل وجلال آفر□ روشنی اور ضیاء□ رکر □ انسانی ز□گی کے ہر □ □ □ں □تی ہے۔ □سی ز□گی ہو□ معاشی ز□گی، انفرادی ز□گی ہو□ اجتماعی ز□گی، سماجی ز□گی

ہو، زندگی کا کوئی اور ا پہلو، اور پھر زندگی کے کسی بھی کا کوئی بھی مرحلہ در ہو، سیرت طیبہ کے بحر بیکراں میں اس کی ہدای و رہنمائی کی دلیب موجود ملتے ہیں، اس لیے کہنے والے نے در کہا ہے انسانی زندگی اپنے حقیقی روپ میں سماج کے ا رہی جلوہ فگن ہوتی ہے۔ رسول کر کی کیزہ زندگی انسانی سماج کے لیے بیش بہا متاع گراں مایہ ہے، انسانی سماج کی تشکیل اور ہر فرد سماج کی ح و بہبود حیات طیبہ کی وہ بیزی ہے جس کی خوشگوار بھینی بھینی خوشبوؤں سے انسانی چمن ر معطر ہوتا رہتا ہے۔ سماج افراد سے وجود میں آتا ہے اور افراد کی جان عزت اور مال وآبرو کا تحفظ اس کے وجود و بقاء کے لیے لازم ہوتا ہے، رسول کر کی حیات طیبہ نے انسانی جان کو اتنا محترم اور قیمتی بنایا کہ حق کسی انسان کی جان لینے کو صرف بہت ا گناہ بتایا، بلکہ ای انسان کے قتل کو ری انسا کے قتل کے قرار دیا، اور اس دروازے کو سختی سے بند کرنے کا مضبوط نظام قائم فرمایا۔ عزت وآبرو اور دوسرے کے مال کسی قسم کی د درازی کو سخت تعزی م قرار دے کر ہر فرد کی عزت اور مال کے تحفظ کی ضما فراہم فرمائی۔

رسول کر کی سماجی زندگی ای اور مکمل انسان کی زندگی ہے، جس کے اخلاق فاضلہ کی روشنی سے ہر دور کے انسانی سماج کو منور کیا جاسکتا ہے، رسول نے فرمایا ''مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سے اچھے ہوں۔'' آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز سے ملتا ہے'' اخلاق کو اتنی اہمیت اس لیے دی گئی کہ انسانی سماج کی تشکیل اخلاقی خوبیوں کی بنیاد ہی ہوتی ہے، خود آپ کی حیات طیبہ اخلاق کے بلند مقام تھی، قرآن نے کہا 'لِكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' شک آپ اخلاق کے ے درجے ہیں۔

وات و ای اور عدل وانصاف انسانی سماج کی تشکیل کیلئے ضروری

ہیں۔ رسول کی حیات طیبہ میں وات اور انصاف کی روشن مثالیں ملتی ہیں۔ ای تبہ قریش کی ای خاتون چوری کے م میں پکڑی گئی، بعض عزی صحا نے اس کی سفارش کر چاہی تو آپ نے ان کی سنی، اور فرمایا ''تم سے پہلے کی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ ان میں معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو سزا دی جاتی تھی اور ے لوگ کرتے تو ان کا م نظر انداز کردیا جاتا تھا۔''

مظلوموں کو مدد اور محتاجوں کی اعا آپ کا شیوہ رہا ہے، مکہ کی زندگی میں ای مظلوم نے مدد کے لیے خانۂ کعبہ کے پاس فریاد کی تو اس کی مدد کے لیے چند دیگر افراد کے

ساتھ رسول اللہ بھی ے ہوئے، عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ان لوگوں نے باہم مشورہ کر کے ایک انجمن بنائی اور یہ عہد کیا کہ مکہ میں جس شخص پر بھی ظلم کیا جائے گا ہم سب اس مظلوم کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ تاریخ میں ''حَلفُ الفُضُول'' کے نام سے سنہرے حروف میں لکھا گیا ہے۔ ظلم کے خلاف متحد ہو کر آواز بلند کرنا اور مظلوم کو اس کا حق دلانا رسول اللہ کو اس قدر محبوب تھا کہ مدنی زندگی میں بھی ایک بار آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے آج بھی خلف الفضول میں بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔ سماج کے کمزور افراد کی خبر گیری اور مدد آپ کی حیات طیبہ کی روشن مثالیں ہیں۔ ایک صحابی حضرت خبابؓ کسی لشکر میں گئے ہوئے تھے، ان کے گھر میں کوئی دوسرا مرد نہ تھا، اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا، آپ روزانہ ان کے گھر جا کر دودھ دوہ آتے تھے، دوسروں کے کام کر دینا آپ کو اس قدر محبوب تھا کہ ایک دفعہ نماز کے لیے تکبیر ہو چکی تھی، اسی دوران ایک بدو نے آپ کا دامن پکڑ کر کہا میرا تھوڑا سا کام رہ گیا ہے، آپ پہلے اسے کر دیجئے۔ آپ چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لیے، اور اس کا کام پورا کرنے کے بعد نماز کے لیے تشریف لائے۔ مکہ میں ایک بار قحط پڑ گیا۔ اہل مکہ جو مسلمان مدینہ کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے، رسول کریم نے ان کے ساتھ انسانی حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ قائم کرتے ہوئے مسلمانوں کی غربت وتنگدستی کے عالم میں بھی پانچ سو دینار جمع کر کے سرداران مکہ کو بھیجے کہ وہ قحط کے شکار لوگوں کی مدد کر سکیں۔

رسول اللہ کی ذاتی اور گھریلو زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ ایک عام انسان کی طرح روزمرہ کے کاموں اور ہر دکھ درد میں شریک نظر آتے ہیں، بکری کا دودھ دوہ دیتے، خادموں کو ان کے کاموں میں مدد دیتے، بازار سے سودا لاتے اور کوئی دعوت دیتا تو فوراً قبول کر لیتے تھے۔ سماجی تعاون اور خوشی وغمی میں شرکت کے لیے کوئی مذہبی رکاوٹ آپ کی راہ میں حائل نہ تھی۔ ایک یہودی خاتون کی دعوت آپ نے قبول فرمائی، اور اس کا کھانا کھایا، اسی طرح ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو آپ اس کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے، ایک بار نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ آیا، تو آپ نے خود مہمانداری کی، اور وفد کے اراکین کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ حق و انصاف کے معاملہ میں بلاتفریق مذہب ہر انسان آپ کی نظر میں برابر تھا۔ اگر کبھی انصاف ہوتا تو حق کسی مسلمان کا ساتھ نہ دیتے تھے۔

آج جب کہ دنیا ایک عالمی گاؤں بن گئی ہے اور اس گاؤں میں مختلف مذاہب کے ماننے والے پڑوسی کی طرح رہنے لگے ہیں، سماجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے پڑوسیوں کے حقوق

اوران کے ساتھ ز گی ارنے کے آداب انتہائی اہمیت رکھتے ہیں، رسول اللہ کی کیزہ سیرت میں ہمیں ا نما یاں نقوش ملتے ہیں جواس پہلو سے رہنمائیاں فراہم کرتے ہیں، رسول اللہ کی ز گی دیتی ہے کہ وسی کا حق بہت اہے،اور مذہ کے فرق سے قطع نظر وہ شخص سلے ُبرا ہے جس کی دل آزار اں اور تکلیفوں سے اس کا وسی محفوظ ہو، رسول اللہ نے فرما یا کہ جبریل امین نے مجھے وسیوں کے حقوق کی اتنی تلقین کی کہ مجھے ا محسوس ہوا کہ وسی کو بھی میراث میں حصہ دار بنا جائیگا۔

ا سماج کے لوگوں کے درمیان ُپر امن بقائے ہم اور خوشگوار ز گی کا سے اور اصول ’’میثاق مدینہ‘‘ کے م سے ہمارے سامنے موجود ہے، رسول کر . مدینہ آئے تو ں کے مختلف قبائل اور اہل مذاہ کے ساتھ آپ نے معاہدہ فرما یا، یہی معاہدہ میثاق مدینہ ہے،اس کی دفعات کتنی مد ا اور معقول ہیں، اس کا ا ازہ ان کے الفاظ سے کیا جاسکتا ہے۔

- لوگ ا ہی قوم کے فرد سمجھے جائیں گے، یہودی مسلمانوں کے ساتھ ا قوم ہے اور دونوں کو اپنے اپنے مذہ عمل کی آزادی ہوگی۔

- اَ معاہدہ کرنے والے کسی قبیلہ کوئی دشمن حملہ آوار ہوگا تو تمام قبیلے ملک کراس کا مقابلہ کر گے۔

- شر معاہدہ قبیلوں کے تعلقات خیر خواہی، نفع رسانی اور اطواری مبنی ہوں گے کہ جبر ،اور خلاف اخلاق امور میں کوئی اعا کی جائے گی۔

- یہود ں اور مسلمانوں کو ا حقوق حاصل ہوں گے۔

- مظلوم کی ہر حال میں مدد کی جائے گی۔ و ہ

میثاق مدینہ کی ان دفعات نے مختلف مذاہ کے ما والوں کے درمیان ا مشترک سماج کی تشکیل کا اصول فراہم کیا ہے، اوران خطوط آج کے کثیر مذہبی، کثیر تہذیبی اور کثیر لسانی سماج کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔

رسول اللہ کی سماجی ز گی کے یہ وہ نقوش اور خطوط ہیں جن ہم اپنے موجودہ سماج کو ا ار کرکے ز گی کو خوشگوار بناسکتے ہیں۔ ہمارا سماج آج جن ں کا سامنا کر ہے اور افراط وتفریط کی جن نیوں سے دوچار ہے، ان کی نشا ہی کرکے ہر مسئلہ اَ ہم رسول کی حیات طیبہ سے روشنی چاہیں تو یہ ت بلا خوف دی کہی جائے گی کہ محسن انسا کی جامع سماجی ز گی نے اپنے وسیع دامن میں ان تمام ئل کا حل سمیٹ ر ہے،اور حل بھی ا عادلا ،

منصفا□، معقول و □ل کہ اس سے □ کوئی دوسرا حل سامنے □ آسکتا۔ خود غرضی اور مفاد□ □ کی موجودہ دور میں کتنی حق تلفیاں ہوتی ہیں، دیکھئے کہ رسول □ کی ن□ن □□ □ن کیسی ہدای□ فراہم کرتی ہے، اور ارشاد ہو□ ہے□ ”تم میں سے کوئی مومن □ ہوسکتا۔ □□ □ کہ وہ لوگوں کے لیے وہی پسند □ کرے جو اپنے لیے پسند کر□ ہے“ □ری انسانی □ادری کی خیر و□ح کے لیے یہ کیسا زر □ اصول ہے، رسول اللہ □ کا م□□ ارشاد ہے□ ”تم میں سے □ انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے“ نفع رسانی، خیر خواہی اور انسانی □ح و بہبود کا □ □صل مطلوب ہے، سرکار دو عالم □ کا فرمان ہے کہ خیر خواہی کرو، اور د□ خیر خواہی کا □م ہے، انسانوں کو نفع پہنچانے کے لئے طریقے ہو سکتے ہیں، نفع اور خیر و بھلائی کے ہر طریقے کو سر□ گیا ہے، کسی سے دو میٹھے □ل کہہ دینا بھی صدقہ ہے، جس انسان کی ز□گی ہمدردی سے محروم ہو چکی ہو اس کے لیے ہمدردی کے چند جملے کتنی □ رکھتے ہیں، کسی سے خوشدلی اور بشا□ □ کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے، را□ میں کسی □ دہ چیز کو دیکھ کر اسے را□ سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ رسول اللہ □ نے فرم□ بندوں □□ کرو، جو □ □ کر□ اس □□ □ کیا جا□، تم زمین والوں □□ کرو، آسمان والا تم □□ کرے گا۔ رحمت عالم کی یہ شان رحمت صرف انسان□ □ محدود □ تھی، بلکہ انسانی سماج میں انسانوں کے ساتھ رہنے والے ہر جا□ار کے لیے عام تھی۔ چنانچہ جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تعلیم دی گئی۔ جانوروں □ ظلم ہوتے دیکھ کر آپ □ نے سختی سے ممانعت فرمائی، بلاوجہ جانوروں کو پیٹنے، □ نے اور ٹھیک سے □□□نی □ دینے □ رسول اللہ □ نے سخت تنبیہ فرمائی۔ ای□□ ر آپ □ نے ای□ او□ کو دیکھا تو اس کے مالک کو بلا کر فرم□ کہ اس جانور کے □رے میں □ اسے ڈرو، جس کا □ انے تم کو مالک بن□ ہے۔ ای□ دفعہ ای□ صحا□ نے □□ کے دو بچوں کو پکڑ□، □□ او□ منڈلانے لگی، آپ □ نے فرم□ کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اس کو بیقرار کیا، اس کے بچوں کو چھوڑ دو۔ ای□ عورت کے □رے میں آپ □ نے فرم□ کہ اس کو صرف اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے بلی کو □□ھ کر بھوکا ر□ تھا، رحمت عالم □ نے اس سلسلہ میں واضح کیا کہ جس طرح انسانوں کی ای□ ارسانی ای□ شرعی □م ہے اسی طرح جانوروں کی ای□ ارسانی بھی گناہ ہے۔

انسانی سماج کا ای□ اہم حساس اور تشویشناک مسئلہ ماحو□تی آلودگی کا ہے اور اس کی تباہ کار□ں سے انسانی معاشرہ لرز ر□ ہے، رسول اللہ □ کی حیات طیبہ میں اس سے □ اصولی ہدای□ کیسی روشن ہے۔ رسول اللہ □ نے فرم□ کہ جو مسلمان در□ □ لگائے گا اس سے جو انسان □□□ہ بھی کچھ □ئے گا تو اس کا ثواب در□ □ لگانے والے کو ملے گا۔ ہرے بھرے

درختوں کو کاٹنے سے رسول اللہ ▯ نے دوران جنگ بھی منع فرما▯ ہے۔ آپ ▯ نے فرما▯ کہ کوئی شخص کسی ٹھہرے ہوئے ▯نی میں ▯▯▯ب ▯ کرے، ▯نی کے ▯ جا▯چ کورو ▯ کی ہدا▯▯ رسول اللہ ▯ کی ز▯گی میں اتنی تھی کہ کہا گیا کہ اگر کوئی شخص ▯ی کے ▯رے بیٹھ کر ▯نی کا استعمال کرے تو بھی ▯▯ں ضرورت سے ن▯ دہ ▯چ ▯ کرے۔ عام را▯ ▯ں اور ▯ رگا ہوں ▯ کوئی گندی چیز پھینکنے ▯ غلاظت کرنے کو آپ ▯ نے منع فرما▯، بلکہ را▯ ▯ں سے کسی بھی نقصا▯ ہ چیز کو ہٹانے کی تعلیم فرمائی۔ ▯زار کی اشیا، خوردنی میں ▯وٹ اور نفع خوری کے لیے دھوکا دہی آج عام شیوہ ہو▯ جا▯ ہے، رسول اللہ ▯ نے فرما▯ ہ جو دھوکا دہی سے کام لے وہ ہم میں سے ▯ ہے۔ ا▯▯▯ر آپ ▯ ▯زار میں ا▯ ▯ سامان کے ا▯▯ر ہاتھ ڈالا جو ا▯ سے خشک سامان ا▯ر سے ▯ نکلا، آپ ▯ نے فرما▯ کہ یہ دھوکا ہے، ▯ حصہ کو ا▯ کرو۔

صفائی ستھرائی کو رسول اللہ ▯ نے آدھا ایمان قرار د▯، روزا▯▯ ▯نچ و▯ں کی نمازوں کے لیے وضو کرنے کی صورت میں جسم کے ان اعضاء کو دھونے کی ہدا▯ ▯ جو عموماً کھلی رہ کر مختلف ▯ اثیم اور ماحو▯تی عوامل کا نشا▯ بنتے رہتے ہیں، صفائی اور حفاظت کا ▯ ▯ نظام فراہم کرتی ہے۔ رسول اللہ ▯ کی حیات طیبہ میں یہ مثال ملتی ہے کہ مسجد نبوی میں ا▯ جا▯ ا▯ ▯وی نے آکر ▯▯▯ب کر د▯، تو آپ ▯ نے ا▯▯▯ لٹی ▯نی منگوا کر اس کو صاف کر د▯، د▯ار ▯ کسی نے تھوک د▯ تو اسے ▯چ کر اس کی ▯ خوشبو لگا دی، غذائی سامانوں میں جن چیزوں کو ▯ نے سے منع کیا گیا اس کی بنیاد اسی ▯ت ▯ تو رکھی گئی ہے کہ وہ خبیث وگندگی ہیں، اور انسانی جسم وصحت کے لیے مضر ہیں۔ قرآن میں ▯ ”ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائ▯“ یعنی لوگوں کے لیے اچھی وطیب چیزوں کو ▯ل اور گندی اور ▯اب چیزوں کو حرام قرار د▯۔ شہری ز▯گی کے نوع ▯نوع سماجی ▯ئل اور ماحو▯ت سے ▯ سوالات کا ▯ ▯ حل اور جواب ہمیں کہیں مثالوں کی صورت میں اور کبھی اصولوں کی شکل میں رسول اللہ ▯ کی حیات طیبہ میں ▯ ▯ نظر آ▯ ہے۔

آج ا▯ اہم مسئلہ شدت پسندی تشدد اور جارحا▯ مزاج کا ہے جس کے پیچھے مختلف اسباب وعوامل کام کر رہے ہیں۔ ان عوامل سے قطع نظر ہمیں رسول اللہ ▯ کی ▯کیزہ ز▯گی میں ا▯ رہنمائیاں، ہد▯ت اور مثالیں ملتی ہیں جو ▯ی وضا▯ ▯ کے ساتھ اعلان کرتی ہیں کہ کسی ▯ گناہ ظلم اور ▯ دتی ▯ قا▯ تسلیم ہے۔ کسی کو دہشت زدہ کر▯ اور خوف میں ▯ کر دینا قطعاً ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ کسی کے سامنے بلاوجہ تلوار لہرانے کو بھی غلط قرار د▯ گیا ہے۔ جان کی ▯ اور احترام تو واضح ہے ہی کسی دوسرے کا مال بھی اپنے لیے ▯ل ▯ ہے اور ▯ اس کو نقصان پہنچا▯ جا سکتا ہے۔

کسی کے مال کا ذرا سا حصہ بھی اگر کسی انسان نے دبا□ ہے تو اسے وا□ کر□ ہوگا، ور□ اللہ کے □ دی□ اسے جواب دہ ہو□ اور □ار کا حق وا□ کر□ ہوگا۔ رسول اللہ □ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما□ کہ مسلمان تو وہ ہے جس کے □ تھ اور جس کی ز□ان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ ای□ دفعہ ای□ شخص نے آپ □ کی مجلس میں آنے کی اجازت چاہی، آپ □ نے ساتھیوں سے فرما□ کہ وہ اچھا انسان □ ہے، لیکن اسے بلالو، وہ آ□ تو آپ □ اس کے ساتھ اچھی طرح □ □ کرتے رہے، □ وا□ چلا گیا تو کسی صحا□ نے آپ □ سے □ چھا کہ آپ نے بتا□ تھا کہ وہ اچھا آدمی □ ہے، لیکن آپ اس کے ساتھ اچھی طرح □ □ کرتے رہے آپ □ نے فرما□ کہ جس آدمی کی ز□ان کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ د□ وہ وہ □ا ہے۔

ہمارے سماج کو رشوت خوری کے چلن نے ا□ر سے کھوکھلا بنا□ ہے، اور اس کی وجہ سے □لخصوص سماج کے □ور اور غر□ □ □ت اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ □ کی □ کیزہ ز□گی رشوت کو ای□ سماجی لعنت قرار دے کر اس □ ز□د □ بندش لگاتی ہے؟ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں کو گنہگار قرار دیتی ہے۔ اپنے فرائض کی ادا□ □ کے لیے اپنے رب کے سامنے جواب دہی کے احساس کو محرک بنا□ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تم میں ہر شخص ذ□ دار ہے، اور ہر شخص سے اسکی □فوضہ ذ□ دار□اں اور اس کے ما□ □وں کے □رے میں در□فت کیا جائے گا۔ احساس ذ□ داری اور احساس جوا□ہی کا یہ تصور رشوت کے دروازے کو بند کر دیتا ہے، سماجی ز□گی میں آج کچھ سماجی □ □ گھس گئی ہیں، جس میں خوا□گی ز□گی سے تعلق رکھنے والے □ئل میں □ق کی □ھتی شرح اور □و □ کی ما□ □سرفہر□ ہیں۔

رسول اللہ □ اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ نکاح کا رشتہ □ □اری چاہتا ہے۔ بلاوجہ □ق دینا اللہ کو سخت □ □پسند ہے، اور اسی طرح بلاوجہ □ق کا مطالبہ کر□ لعنت کا سب□ ہے، خانگی ز□گی کو خوشگوار اور □ □ار بنانے کے لیے سیرت طیبہ نے قدم قدم □ □ ہدا□ □ دی ہیں۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ان کی □ور□اں سے □ □ثی، ان کے حقوق کی ادا□ □، ان کے ساتھ حسن معاشرت کی □ ہد□ت رسول اللہ □ کی سیرت و حیات میں موجود ہیں، □ کا مطالبہ اور □ کے لالچ میں عورت □ظلم □ □ اور کسی □ □گوارہ □ ہے، سیرت طیبہ کی تعلیم کا تقاضہ ہے کہ اس سماجی لعنت کو □لکل ختم کیا جائے اور خانگی ز□گی کو سنت رسول اللہ □ کے سانچہ میں ڈھالا جائے۔

سماج میں باہمی اعتماد، تعاون اور باہمی محبت کا فروغ سماج کی بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے۔
اس مضبوطی کے لیے رسول اللہ نے خاصا اہتمام فرمایا ہے، تاکید کے ساتھ ہدایت دی گئی ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی برائی کی جائے، کسی کی ٹوہ اور تجسس میں پڑا جائے، کسی کو مدد کے موقع پر بے یارومددگار چھوڑا جائے، کسی کو برے نام اور برے لقب سے پکارا جائے، کسی کے بارے میں بدگمانی رکھی جائے، ہرانسان سے محبت کی جائے، اس کے تئیں حسن ظن رکھا جائے۔ باہمی محبت کو بڑھاوا دینے کا نسخہ ہے آپ نے یہ بتایا کہ ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیئے جائیں، سلام کو رواج دیا جائے، اس سے محبت بڑھتی ہے۔ باہمی مدد اور تعاون کا درجہ اتنا اونچا کیا گیا کہ فرمایا گیا۔ جب تک انسان اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس انسان کی مدد کرتا رہتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا کہ ہرنیکی اور تقویٰ شعاری کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور ظلم وزیادتی میں تعاون مت کرو۔

سماجی زندگی میں ایک اہم مسئلہ مختلف مذاہب کے احترام اور ان کے درمیان بقائے باہم کا ہے۔ سیرت طیبہ میں اس بارے میں بہت واضح ہدایات موجود ہیں، میثاق مدینہ میں تمام مذاہب والوں کے لیے اپنے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کی ضمانت تاریخ میں محفوظ ہے، مذہبی اصولوں میں اپنی شناخت کے ساتھ باقی رہتے ہوئے دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کا احترام اور اپنے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی سیرت طیبہ نے دی ہے، اس نے بتایا کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے، اور مذہب کا فرق باہمی رواداری، باہمی تعاون، باہمی اشتراک، عمل اور سماجی ہم آہنگی میں ہرگز رکاوٹ نہیں بنتا ہے۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اپنے اپنے مذہب پر عمل کی ضمانت کے ساتھ زیادہ مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ کی سیرت و کردار سے اس معاملہ میں کافی روشنی ملتی ہے۔ رسول اللہ کی سماجی زندگی ہمہ گیر، وسیع اور ہر زمانہ کی سماجی ضروریات میں رہنمائی رکھنے والی ہے، سیرت طیبہ کا موضوع ایسے نقوش روشن سے مالا مال ہے جس کی روشنی سے ہم اپنے اپنے سماج کی کسی بھی نوع کی تاریکی کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔
سیرت طیبہ کا سماجی پہلو آج بھی ایک روشن قندیل ہے، ایک منبع نور اور اسوۂ حسنہ ہے۔

اسلام وں کی نظر میں

از مولوی ا البرکات حمیدی
متعلّم دارالعلوم د بند

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک تاریخ اسلام کا کوئی ا دور را جس میں اسلام کے خلاف محاذ آرائی و ہرزہ سرائی کی گئی ہو۔ دشمنانِ اسلام نے اسلام کے صادق و شفاف چہرے کو داغ دار کرنے کے لئے ہر ممکن کوششیں کیں، اسلامی احکام وتعلیمات، شعائر وخصصات، اسلام کی سی، سماجی، معا تی، انفرادی واجتماعی ز گی غرض کہ ہر چہار جا سے اسلام حملہ کیا۔ اشا اسلام کے پہلے دور میں ا ، ا لہب، عتبہ، شیبہ اور امیہ خلف و کفر نے حق کی آواز کو اپنی قوت سے رو چا پھر بعد کی تاریخ میں ، ہلاکو اور جیسی وسفاک قوم نے جنونِ خودداری وبنداری اور اسلام د میں ہزاروں سیکڑوں مسلمانوں کو تہ کیا اور موجودہ م میں سوامی سردھا ، سلمان رشدی اور نسر جیسی بخت قلم کاروں نے اپنی تالیفات، تصنیفات بلکہ فحش نگارشات کے ذریعہ نسل کے ذہن کو اسلام کے تئیں اگندہ کئے اور کررہے ہیں۔ اور اپنی اسلام د کا اظہار کررہے ہیں۔ اس طرح کی تمام سرگرمیوں کا خیمہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے مذہب، مذہبی تعلیمات، مذہبی عقیدت سے دل دا ہوجائیں، ان کے دلوں سے نبی کا تبہ اس عبقری کا ادب واحترام نکل جائے، آنے والی نسل یہ سوچنے لگے کہ اسلام کی تعلیمات ز دتی و ۔ مبنی ہے، محمد کسی ائی پیمبر کا م جس نے اپنے اخلاق فاضلہ کے ذریعہ پتی انسا کو سکون ورا کا سامان، ز گی ارنے کا مکمل قانون و نظام عطا کیا، بلکہ محمد نعوذ اللہ ا شخص کا م ہے جس نے د میں قتل وغارت ی، حوس وفحش کاری غرض کہ جملہ کاری کو فروغ ، لیکن عقل سلیم انصاف کے ساتھ تاریخ اسلام، احکام قرآن اور سیرت نبوی کا مطالعہ کرتی ہے تو خود بخود اعتراف کرتی ہے کہ بخدا یہ تمام

اعتراضات جو اسلام کے خلاف کئے گئے ہیں ب جھوٹ ہیں۔ جو تعصب و تنگ نظری کا نتیجہ ہیں، حقیقت اس سے کوسوں دور ہے اَ میں اپنی جا سے اسلام کے لئے وکا کروں تو میاں مٹھو بننے کا الزام آئے گا۔ لیجئے ان لوگوں کی زنی جن کی گھٹی میں اسلام د ی ہوئی تھی، لیکن . ب ا اں نے اسلام کو انصاف کی نظر سے مطالعہ کیا تو پھر اس کے کیزہ وصاف ستھرے نظام زگی و بندگی، رسول کر کے اعلیٰ وارفع اخلاق وکردار سے متا ہوئے رہ سکے اور اپنے آپ کو دامن اسلام سے وابستہ کر کے اسلام کے عالمی اخوت میں شری ہو گئے، صرف یہی کہ وہ مسلمان ہوئے بلکہ اسلام عا کئے گئے جملہ اعتراض کا توڑ جواب بھی ی اور سچے اسلام گئے تو لیجئے ب سے پہلے وسی ملک کستان کے سا کر ان خاں کی اہلیہ محتر کے ات کو حظہ فرمائیے۔

جمایما خان کستان ہیں۔ اکا شکر ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی میں تثلیث کی قائل تھی اور توحید یقین رکھتی تھی۔ اس لئے. ب میں نے توحید او ی کے رے میں ھا تو میرے ذہن نے اس کی حقاس کو فوراً تسلیم کر۔ اسلام کے اس پہلو نے مجھ کو بہت متا کیا کہ یہ ای مکمل نظام حیات ہے اور زگی کے ای ای شعبے کی رہنمائی کر ہے۔ چنانچہ نے دھونے سے لے کر خا انی تعلقات اور معاشرتی روا کے حوالے سے ای ای معاملہ میں یہ د ٹھوس اور فطری رہبری کر ہے۔

محترمہ امینہ لکھائی ا یکہ فرماتی ہیں۔ اسلام وہ مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں انسانی زگی کی کیزگی زور ی جا ہے۔ خواہ وہ انفرادی زگی ہو ی اجتماعی۔ خصوصاً اللہ کی نظر میں عورت کو ای خاص حیثیت حاصل ہے۔ جبکہ مغر د میں یہ محض تجارتی ا ر زی کا آ ہے اسلام میں عورتوں کے استحصال کی قطعاً کوئی گنجائش ۔ کار ری مقاصد کیلئے تو کسی عورت کو بیچا جا ہے اور ہی اس کے حوالے سے اس کی توہین و ذلیل کی جاتی ہے۔

محترمہ میریولازِیسنی لینڈ ہیں'' چ والوں کا یہ پیچیدہ کہ'' ا اس کا بیٹا اور روح ا ں مل کر ای ہے'' نے مجھے الجھن میں ڈالا جس سے د عیسائیت کی نفرت دل میں بیٹھ گئی پھر جستجو حق نے اسلام کے چوکھٹوں پہ لا ا کیا اور میں نے اسلام قبول کر۔ قرآن کر سے ب سے زی دہ متا ہوئی۔

محترمہ اریکہ سیفرٹ ن نیور کی طالبہ ہیں فرماتی ہیں آزادیٔ نسواں کے م ملنے والی حیائی، عزت موس کو کھلو بنانے اور معراج انسانی نے کا دعویٰ کرنے والی تہذ ب سے نفرت نے اسلامی لٹریچروں کی طرف رہنمائی کی اور اس نے اسلام کی طرف ۔

اسلام ای حقیقت سے پرسید ھارا ہے۔ اسلامی ز گی اسلامی معاشرہ کی بنیادی ہے۔ اسلام خصوصی طور عورتوں کا بہت احترام کرتا ہے اسلام میں خوا و بچوں کو خصوصی تحفظ حاصل ہے۔

محترمہ میری کالونی ا یلیا میں دل ہی دل عیسائیت کے تو ہما و اسرار عقیدۂ توحید اور کراماتی تعلیمات سے بیزار تھی، میری طبیعت کیلئے اس میں کوئی چیز کشش تھی کہ اچا اسلامیات کی ای کتاب تھ لگ گئی۔ اس کو ھنا شروع کیا آہستہ آہستہ نورِ ایمان سے میرا دل منور ہونے لگا اور ب کتاب ختم ہوئی تو میری کیفیت لکل ل گئی تھی اور اب میں مسلمان تھی۔ اگر آپ یہ سوال کر کہ اسلام کے کس پہلو نے آپ کو ب سے ز دہ متا کیا؟ تو میں کہوں گی نماز نے کیوں کہ عیسائیت کی عبادت میں حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو واسطہ بنا کر اسے د وی نعمتیں طلب کی جاتی ہیں، ب کہ نماز میں اہ را اسے تعلق قائم ہوتا ہے۔ بندہ اپنے رب کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اس سے د و آ ت کی نعمتیں و بھلائیاں طلب کرتا ہے، ظاہر ہے دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

محترمہ اونا ولیمز ا یلیا مجھ کو مطالعہ کرنے کا جنون کی حد شوق تھا، اسی شوق و ذوق نے قرآن کے مطالعہ کی طرف راغب کیا میں نے خصوصی طور سورۂ کی تفسیر کا مطالعہ کیا جس سے کے جانکاری حاصل ہوئی۔ قرآن کی صدق بیانی و سحرا ی نے مجھے اسلام قبول کرنے رکیا۔ ا اللہ اب میں مسلمان ہوں پہلے اور اب کی ز گی میں دن رات کا فرق ہے۔ میں مسرور و خوش ہوں کہ اسلام نے مجھے روحانی و قلبی اطمینان و سکون بخشا جو کے کسی بھی مذہ میں جاتا۔

مسٹر ری نوح ا یکہ کہتے ہیں ’’ ب کوئی آ ئی د چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہے تو اس سے اسباب در فت کئے جاتے ہیں۔ جس میں اسلامی خوبیوں کی فہر لگانی ہوتی ہے۔ میں جہاں خیال کرتا ہوں کہ اسلام کے رے میں اس طرح سوال کرنا

اسلام کی خوبصورتی و دلکشی کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ ہم میرے قبول اسلام کے نمایاں سبب تھے۔ اسلام کا نام حساب کا نظریہ، ہر مسلمان کا کسی دری کے واسطے کے قرب الٰہی حاصل کرنا، قرآن کریم کے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی غیر محرف ہونا۔''

محترمہ ثریا ایک انڈین نیور کی نومسلم طالبہ ہیں کہتی ہیں ''اسلام پر یہ الزام ہے کہ وہ عورتوں پر ظلم کرتا ہے۔ ان کو کما حقہ حق نہیں دیتا۔ یہ الزام و بہتان وہی لگا سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہو۔ اسلام عورتوں کو ان کا عرفی حق دیتا ہے، عورتوں پر ظلم اور معیار اسلام میں ہرگز نہیں۔

جناب عبداللہ اڈیار سابق ایڈیٹر روزنامہ تمل ناڈو۔ ہندوستان محسن انسانیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''سارے عالم کو سیدھی راہ دکھانے والے، خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے قائد، عربوں کو حکمت وشعور کی دولت سے مالا مال کرنے والے، روم کی طاقت کو شکست فاش دینے والے آقا حکمت وعمل کی دنیا کے سارے ہی خزانوں کو اسلام کے پیروں پر نثار کرنے والے عظیم قائد شہنشاہ اعظم نے بچپن میں اجرت پر بکریاں بھی چرائیں۔ کتنے حیرت کے آپ شکار ہوئے اس تصور سے ہماری آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اس خلق عظیم سے متصف کی قیادت مسلمانوں کو حاصل ہے۔ یقیناً مسلمان خوش قسمت ہیں۔

ڈاکٹر لیلہ عائشہ عبداللہ ہندوستان جنوبی ہند بنگلور کی رہنے والی ہیں اسلام کے بارے میں ان کا تاثر ہے ''مجھے عبادت کی سادگی و یک رنگی نے بہت متاثر کیا۔ ہر وہ شخص جو کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے، اخوت و بھائی چارگی کے رشتہ سے منسلک ہو جاتا ہے اور رنگ ونسل سے بالاتر ایک طرف ہو کر ایک ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔ اسلام سے پہلے میں برہمن ہونے کی وجہ سے برہمن سے ہی مل سکتی تھی حالانکہ میں میڈیکل سائنس کی اعلیٰ ڈگری یافتہ تھی۔

ڈاکٹر مائیکل ایچ ہارٹ (Dr. Mechel H. Heart)

امریکہ کے ایک مشہور صحافی ہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کیریکٹر سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں ''میں نے دنیا کی دانائی پڑھی، ارسطو کی منطق و فلسفہ پڑھا، بقراط کی طبابت پڑھی، رستم وسہراب کے قصوں کا جائزہ لیا، لینن و کارل مارکس کے فارمولے پڑھے، مشرق ومغرب کی ساری تاریخ پڑھی اور عرب وعجم کے تمام حکمرانوں کا جائزہ لیا، لیکن مجھے ایک قائد جس کی زندگی کا ہر پہلو بے داغ، جس سے اپنے پرائے محبت کرنے پر

ہوجائیں ان میں کوئی نظر آ سوائے محمد عر کے اس لئے کہ دوسرے کسی میں ا کوئی خو ہے تو وہ وقتی، علاقائی یا پھر اس کی اپنی قوم سے تعلق رکھتی ہے۔

''مشت از وارے'' کے تحت یہ ای جھلک ہے جس سے یہ معلوم کر لکل آسان ہوجا ہے کہ اسلام ای کیزہ اور عنداللہ یا دہ د ہے اس کی تعلیمات نقائص سے ک ہے، مکمل ضابطہ ز گی و بندگی ہے، پیار و محبت، اخوت و بھائی چارگی کا د ہے۔ اسلام نے انسانوں کو انسا یا حیوا کی ز گی بسر کرنے والوں کو سلیقہ، تہذیب اور ڈسپلن دیا، ر وروپ قومی تعصب و ی کی ردائے خاردار کو رکیا، عورتوں کو جا حقوق عطا رکیا، ان کو شمع انجمن و رونق محفل بننے سے روکا، دوں کی ہوس سے بچایا، ان کی ز گی کا مقصد و معراج عطا کیا، د سے خوں ری ی، حکمرانوں کی لا د ، بیجا تسلط کو ختم کیا، کو ا کا خوف دلا یا، اسلام کا پیام صرف اور صرف مسلمانوں کے بلکہ ری د کے لئے عام ہے۔ اسی طرح جناب نبی اکرم کی نبوت و رسا بھی آفاقی و عالمگیری ہے آپ کی ذات للعالمین ہے۔ آپ کے مثل د میں کوئی آ آسکتا ہے، د کی مشہور ہستیاں خواہ وہ کارل مارکس ہوں، لی ئے ہوں، روسو ہوں یا اہم لنکن ہو تمام آپ کے سامنے ہیچ ہیں، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ان تمام مذکورہ شخصیات چھٹی صدی میں طلوع ہونے والے آفتابِ رسا کا عکس و تو ہے آپ نے تو دہشت دی کی تعلیم دی ہے اور ظلم کو روا ر، آپ نے رواداری یا، آپ کی بعثت کا مقصد د کو توحید سے خبر کر تھا لوگوں کو احکام ر نی و نور ایمانی سے لبریز کر تھا، آپ نے مٹی کے ذروں، نی کے قطروں، امنڈ تے دلوں، ھتی گھٹاؤں، کو تی بجلیوں، زمین کی ش وں، پستیوں غرض کہ ہر ذرہ کائنات میں ا کے جلوے د ئے۔ دشمن کو اپنی دلفری تعلیم و بیت سے اپنا جاں نثار بنا یا د کے تمام مسلمانوں کو اخوت کے رشتہ میں جوڑا یہ کشا حقیقتیں ہیں جن کو بھلے اسلام د میں چور و مخمور دشمنان اسلام بھلا د لیکن د کا ای بہت ا طبقہ جو حقیقت پسندا و منصفا اور جانبدارا مزاج رکھتا ہے ان حقائق سے کبھی آنکھیں اسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام آج بھی تمام ر دوانیوں کے وجود ی سے پھیلتا جا ہے اور پھیلتا رہے گا اور ری تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ را رہے گا۔

نور ا ہے کفر کی حر پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ اغ بجھا جائے گا

نصرت الٰہی سے محرومی کے اسباب ▯

از ▯ مولا▯ سعید احمد جلال▯ری
مد▯ ماہنا▯ بینات جا▯عۃ العلوم الاسلامیہ
علا▯ بنوری ▯ؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی!

▯شتہ دنوں روز▯ ▯ جنگ کراچی کے توسط سے جناب ▯▯ احمد کراچی کا ای▯ مختصر ▯ ▯ ہوا سوال موصول ہوا کہ ▯ ''آج کل ▯ری د▯ میں مسلمانوں ▯ ظلم ہو▯ ہے اور یہ ظلم کرنے والے ▯ مسلم ہیں تو مسلمانوں ▯ اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں ▯ آتی؟''

بلاشبہ یہ سوال آج کل تقریباً ہر د▯ دار مسلمان کی ز▯ ن ▯ ہے اور اس کے دل و دماغ کو ▯ ▯ان کئے ہوئے ہے اور اسے سمجھ ▯ آ▯ کہ ا▯ مسلمان حق ▯ ہیں اور یقیناً حق ▯ ہیں، تو ان کی مدد کیوں ▯ کی جاتی اور ان کے اعداء و▯ ▯ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین، جو یقیناً ▯طل ▯ ہیں، کے خلاف اللہ تعالیٰ کا جوش انتقام حر▯ میں کیوں ▯ آ▯؟ اور ان کو تہس ▯ کیوں ▯ کر▯ جا▯؟ ▯ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں ▯ فوقیت و ▯▯ی کیونکر حاصل ہے؟ اور ان کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جا رہی ہے؟ اس کے ▯عکس مسلمانوں کو روز▯ وز ذ▯ و ا▯ر کا سامنا کیونکر ہے؟

اس سوال کے جواب میں راقم الحروف نے جو کچھ لکھا، منا▯ ▯ معلوم ہو▯ ہے کہ اسے قارئین بینات کی ▯مت میں ▯ کر▯ جائے، ▯ حظہ ہو▯

▯ ادر عزی▯ آپ کا سوال معقول اور بجا ہے، کیونکہ اس وقت د▯ بھر میں مسلمانوں ▯ جس قدر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور مسلمان جس قدر ظلم کی چکی میں ▯ رہے ہیں، شا▯ ہی کسی دوسری قوم ▯ کبھی ا▯ وقت آ▯ ہو؟ اس ▯ ▯ کے▯ وجود مسلمانوں کے حق میں اللہ کی مدد کا ▯

آ، واقعی قابل تشویش ہے، اور آپ کی طرح ہر مسلمان اس تشویش میں ہے۔

لہٰذا آپ کے سوال کے جواب کے سلسلہ میں چند عرض کر چاہوں گا، ا آپ نے ان کو ذہن نشین کر تو امید ہے کہ انشاٗ اللہ آپ کو مسلمانوں کے حق میں اللہ کی مدد آنے کے اسباب و وجوہ سمجھ آجائیں گے۔

دراصل یہاں دو امور ہیں، ای یہ کہ تمام مسلمان عموماً اللہ تعالیٰ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ دوسرے یہ کہ خاص طور وہ صالح مسلمان، جو واقعی اللہ تعالیٰ کے د کے محافظ ہیں، ان مصائ و بلا کے پہاڑ کیوں توڑے جا رہے ہیں؟ ان کے حق میں اللہ کی مدد آنے میں خیر کیوں ہو رہی ہے؟ اور ان کے د اں کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جا رہی ہے؟

اول سے پہلے یہ کہ تمام مسلمان اللہ کی مدد سے کیوں محروم ہیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے

- اس وقت مسلمان من حیث القوم مجموعی اعتبار سے تقریباً عملی کا شکار ہو چکے ہیں۔

- اس وقت مسلمانوں میں ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت کا فقدان ہے، بلکہ مسلمان بھی ...الا ماشاء اللہ... کفار و مشرکین کی طرح موت سے ڈرنے لگے ہیں۔

- اس وقت تقریباً مسلمانوں کو د ، مذہب، ایمان، عقیدہ سے زیادہ اپنی، اپنی اولاد اور اپنے خا ان کی د وی را وآرام کی فکر ہے۔

- آج کل مسلمان ...الا ماشاء اللہ... موت، مابعد الموت، قبر، حشر، آ ات، اور جنت کی فکر و احساس سے ز ہو چکے ہیں اور انہوں نے کافر اقوام کی طرح اپنی کامیا و کامی کا مدار د اور د وی اسباب و ذرائع کو بنا ہے، اس لئے تقر ہی اس کے حصول و تحصیل کے لئے د وار دوڑ رہے ہیں۔

- اس وقت ...الا ماشاء اللہ... مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات اعتماد، بھروسہ اور توکل ، اس لئے وہ د اور د وی اسباب و وسائل کو کچھ ور کرنے لگے ہیں۔

- سے مسلمانوں کا اللہ کی ذات سے رشتہ عبدی ور ہوا ہے، انہوں نے عبادات و اعمال کے علاوہ قری قری ہی کچھ چھوڑ دیا ہے، حتیٰ کہ رگاہ الٰہی میں ر.. اور دعائیں مانگنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

- جس طرح کفر و شرک کے معاشرہ اور اقوام میں کرداری، کاری، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، حرام کاری، حرام خوری، جبر، تشدد، ظلم اور کا دور دورہ ہے، ٹھیک اسی طرح م

د مسلمان بھی ان ائیوں کی دلدل میں سر غرق ہیں۔

- معدودے چند، اللہ کے جو بندے، اس غلاظت کدہ میں نور کی کرن اور امید کی روشنی ہو سکتے تھے، ان اللہ کی زمین تنگ کردی گئی، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جو مسلمان قرآن و سنت، د و مذہب کی سداری اور اسوۂ نبوت کی راہ نمائی میں زگی ال چاہتے تھے، ا تشدد پسند، دہشت د، رجعت پسند اور ملک وملت کے دشمن و ہ کہہ کر نے لگا گیا۔

- م د مسلمانوں نے کافر اقوام کے و ہ سے متا ہو کر اور ان کی نی کا فر انجام دے کر د و مذہب سے وابستگی رکھنے والے مخلصین کے خلاف ا طوفان تمیزی کیا اور ان کو اس قدر مطعون و م کیا کہ کوئی سیدھا سادا مسلمان، اسلام اور اسلامی شعا کو اپناتے ہوئے بھی گھبرا ہے۔

- اسلام دشمن میڈیا، اخبارات، رسائل و ائ میں اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر خطر ک، نقصان دہ، ملک وملت دشمن اور امن لف ور کرا گیا کہ اب خود مسلمان معاشرہ ان کو اپنانے اور گلے لگانے آمادہ ۔

- مادی پسندی نے م د مسلمان کو اس قدر متا کیا ہے کہ اب اس کو ل وحرام کی تمیز رہی، چنانچہ... الا ماشاء اللہ... اب کوئی مسلمان ل وحرام کی تمیز کرتا ہو، اس لئے مسلم معاشرہ میں بھی، سود، جوا، رشوت، لاری، انعامی اسکیموں کا دور دورہ ہے۔

- جو لوگ سود خوری کے تکب ہوں، اللہ تعالیٰ کا ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ظاہر ہے جو مسلمان سود خور ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے حا جنگ میں ہیں، اور جن لوگوں سے اعلانِ جنگ ہو، کیا ان کی مدد کی جائے گی؟

- جو معاشرہ عموماً چوری ڈکیتی، مار دھاڑ، اغوا ائے وان، جوئے، لاری، انعامی اسکیموں اور رشوت پل رہا ہو، اور جہاں ظلم وتشدد عروج ہو، جہاں کسی غری کی عزت موس اور مال ودو محفوظ ہو، ں اللہ کی رحمت زل ہوگی یا اللہ کا غضب؟ پھر یہ بھی اپنی حقیقت ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت چل سکتی ہے، ظلم کے ساتھ چل سکتی، اس لئے کہ اللہ کی مدد مظلوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ چاہے وہ کافر ہی کیوں ہو اور ظالم چاہے مسلمان ہی کیوں ہو، اللہ کی مدد سے محروم رہتا ہے۔

- جس قوم اور معاشرہ کی غذا، لباس، گوشت، ، حرام مال کی پیداوار ہوں، ان کی

دعائیں قبول ہو ، کہ حدیث شریف میں ہے

”عن ابی ہریرةؓ قال: قال رسول اللہ : ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا و ان اللہ امرالمؤمنین بما امربه المرسلین فقال: ”یاایها الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا“ وقال تعالیٰ: ”یا ایها الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم“ ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیه الیٰ السماء یارب یارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذی بالحرام فانیٰ یستجاب لذالک رواه مسلم.“ مشکوٰة ص

ترجمہ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاکیزہ ہی قبول فرماتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اے رسولوں کی پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اعمال صالحہ کرو“ اسی طرح مومنوں سے فرمایا ”اے ایمان والو ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں“ پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کی وجہ سے غبار آلود اور پراگندہ بال ہے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے اے رب، اے رب، حالانکہ اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا اور اس کی غذا حرام کی ہے، تو اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی؟“

وہ مقبولانِ الٰہی، جو مخلوق کی اس ری اور مقہوری کو دیکھتے ہیں، روتے ہیں، . تے ہیں اور مسلمانوں کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعائیں کرنا چاہتے ہیں، ان کو بارگاہ الٰہی سے یہ کہہ کر روک دیا جاتا ہے کہ اپنی ذات کے لئے اور اپنی ضرورت کے لئے دعا کرو، میں قبول کروں گا لیکن عام لوگوں کے حق میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے

”عن انس بن مالکؓ اراه مرفوعاً قال: یأتی علی الناس زمان یدعوالمؤمن للجماعة فلایستجاب له یقول اللہ: ادعنی لنفسک ولما یحزبک من خاصة امرک فاجیبک واما الجماعة فلا! انهم اغضبونی. وفی روایة: فانی علیهم غضبان.“ کتاب الرقائق ص

ترجمہ ”حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگوں پر ایک دور آئے گا کہ مومن، مسلمانوں کی کے لئے دعا کرے گا، قبول کی جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، تو اپنی ذات

کے لئے اور اپنی □ آمدہ ضرور□یات کے لئے دعا کر، میں قبول کروں گا، لیکن عام لوگوں کے حق میں قبول □ کروں گا، اس لئے کہ انہوں نے مجھے □راض کر□ ہے اور ا□ی□ روا□ی□ میں ہے کہ میں ان سے □راض ہوں۔‘‘

□□□- پھر یہ□ات بھی ذہن نشین ر□ چاہئے کہ آسمان سے اچھے□ برے فیصلے اکثری□ کے عمل اور □عملی کے تناظر میں □زل ہوتے ہیں، اس لئے □ آسانی ا□ازہ لگا□ جاسکتا ہے کہ مسلم معاشرہ کی اکثری□ کے اعمال وافعال اور سیرت وکردار کا کیا حال ہے؟ کیا ا□ معاشرہ جہاں د□، دینی اقدار کا مذاق اڑا□ جا□ ہو، جہاں قرآن وسنت کا انکار کیا جا□ ہو، جہاں اس میں تحریف کی جاتی ہو، جہاں ان کو من مانے مطا□، مفاہیم اور معانی پہنائے جاتے ہوں، جہاں حدود اللہ کا انکار کیا جا□ ہو، جہاں سود کو □ل اور شراب کو □ک کہا جا□ ہو، جہاں ز□ کاری و □کاری کو تحفظ ہو، جہاں ظلم وتشدد کا دور دورہ ہو، جہاں مسلمان کہلا□ دہشت □دی کی علامت□ ہو، جہاں □ قصور □موں کو کافر اقوام کے حوا□ کیا جا□ ہو، جہاں □کار ومجرم معزز اور □م ذلیل ہوں، جہاں توہین رسا□ کو ٹھنڈے پیٹوں □دا□ کیا جا□ ہو، جہاں □ □انِ نبوت کو اقتدار کی چھتری مہیا ہو، جہاں محافظین د□ وشریعت کو □ بند سلاسل کیا جا□ ہو، جہاں کلمہ حق کہنے والوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جا□ ہو، جہاں کافر اقوام کی کاسہ لیسی کی جاتی ہو، جہاں یہود ونصاریٰ کی خوشنودی کے لئے مسلم ممالک □ اسلام د□اں کی □ڑھائی کو سند جواز مہیا کی جاتی ہو، جہاں دینی مدارس و □ □ □ڑھائی کی جاتی ہو، ان □ بمباری کی جاتی ہو، ہزاروں □موں کو خاک وخون میں □□□ جا□ ہو، ان □ فاسفورس □ □ اکران کا □م ونشان مٹا□ جا□ ہو، جہاں مسلمان طالبات اور □دہ نشین خوا□ کو در□گی کا نشا□ بنا□ جا□ ہو، ان کی لاشوں کی □حرمتی کی جاتی ہو، ان کے جسم کے □ے اڑائے جاتے ہوں، ان کو دفن کرنے کے بجائے ان کی لاشوں کو جلا□ جا□ ہو، جہاں □□ری اور □زی مظالم کی دا□ □ دہرائی جاتی ہوں، جہاں د□ دار طبقہ اور علماء و □ء □زمین تنگ کی جاتی ہو، جہاں ا□رکی خوشنودی کے لئے اپنے شہر□اں کے خلاف آ□یشن کلین اپ کئے جاتے ہوں، جہاں ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نقل مکانی □ □رکیا جا□ ہو، جہاں د□ و شریعت کا □م □ □م اور عر□نی فحاشی، پتنگ□زی اور میراتھن ریس کی سر□ □ کی جاتی ہو، جہاں عر□نی وفحاشی کو روشن خیالی واعتدال پسندی کا □م د□ جا□ ہو، جہاں دینی مدارس بند اور قحبہ خانے کھولے جاتے ہوں، جہاں عوام □انِ □ کے محتاج ہوں اور ار□بِ اقتدا□□□□ لاکھ رو□

ایک رات ہوٹل کے قیام کا کرایہ ادا کرتے ہوں، جہاں اپنے اقتدار اور حکومت کے تحفظ کے لئے دین ومذہب اور شرم وحیاء کی تمام حدود کو پھلانگا جاتا ہو، وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی ؟ یا اللہ کا عذاب وعقاب؟؟؟

بلاشبہ آج کا دور دجالی فتنے اور نظریات کا دور ہے، زمانہ بڑھا ہو چکا، ہم جنس کو قانونی جواز حاصل ہو چکا، ناچ گانے کی محفلیں عام ہو چکیں، دیکھا جائے تو یہ قرب قیامت کا وقت ہے، اس وقت مسلمانوں سے اللہ کی حفاظت و مدد اٹھ چکی ہے، مسلمانوں کی دعائیں قبول نہ ہوں، سچی بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی ناراضگی، ظاہرداری، چاپلوسی، بے حسی، خود پسندی اور امت کے زوال کا وقت ہے، فتنہ وفساد عروج پر ہیں، خیر سے محروم لوگوں کی کثرت ہے اور خدا کی لعنت وغضب کا وقت ہے، اور یہود ونصاریٰ کی نقالی کامیابی کی معراج شمار ہونے لگی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں اور معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ چنانچہ ایسے ہی دور کے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ:

”عن مرداس الاسلمیؓ قال النبی ﷺ: یذھب الصالحون الاول فالاول وتبقیٰ حفالة کحفالة الشعیر او التمر لایبالیھم اللہ بالة.“ (بخاری کتاب الرقائق ص، ج)

ترجمہ: ”حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے، جیسے چھٹائی کے بعد ردی جو یا کھجور باقی رہ جاتی ہیں، ایسے بیکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔“

- اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اللہ کی مدد آنے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ:

”یاایھا الذین آمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم“ (محمد)

ترجمہ: ”اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے، اور تمہارے قدموں کو ثابت کر دیں گے۔“

لہٰذا۔ جب سے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد چھوڑ دی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں سے اپنی رحمت وعنایت اور مدد کا ہاتھ اٹھا لیا ہے، چنانچہ آج ہر طرف مسلمانوں پر کافر اس طرح ٹوٹ رہے ہیں جس طرح دسترخوان پر چنے ہوئے کھانے پر لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ چنانچہ

حدیث شریف میں ہے:

”عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشك الامم ان تداعیٰ علیکم کما تداعیٰ الآکلة الیٰ قصعتها فقال قائل: ومن قلة نحن یومئذٍ؟ قال: بل انتم یومئذٍ کثیر! ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن اللہ فی قلوبکم الوهن! فقال قائل: یارسول اللہ! وما الوهن؟ قال: حب الدنیا وکراهیة الموت!“ (ابوداؤد)

ترجمہ: ”حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے۔ جب تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لئے.. مل کر سازش کریں گی... اور ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے دسترخوان پر کھانے والے ... لذیذ... کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہماری قلت تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوگے، البتہ تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ناکارہ ہوگے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دیں گے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔“

بتلایئے جس معاشرہ کا یہ حال ہو، اور جن مسلمانوں کے اعمال واخلاق کا یہ منظر ہو، ان پر اللہ کی مدد آئے گی یا اللہ کا عذاب؟

....

دوم: رہی یہ بات کہ کفار ومشرکین اور ان کے مظالم کا شکار صرف دیندار مسلمان ہی کیوں ہیں؟

اگر بدکردار مسلمانوں اور ارباب اقتدار نے اللہ کو ناراض کررکھا ہے تو ان کی سزا ان نہتے عوام کو کیوں دی جاتی ہے؟ اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نہیں آتی؟ چاہئے تو یہ تھا کہ جرم وسزا کے قانون کے تحت سزا بھی ان ہی لوگوں کو دی جاتی، جنہوں نے اللہ کو ناراض کررکھا ہے، مگر اس کے برعکس ہو یہ رہا ہے کہ نیک صالح مسلمان، اور دین ومذہب کے متوالے، کفار کے مظالم کی تلوار سے ذبح ہورہے ہیں، ان کو قتل عام کیا جارہا ہے، ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا

ہے، ان کی جان و مال اور عزت و ناموس روندی جارہی ہے، ان پر اللہ کی زمین تنگ کی جارہی ہے، اپنے اور پرائے سب ہی ان کے دشمن اوران کی جان کے پیاسے ہیں، کوئی بھی ان کے لئے کلمہ خیر کہنے کا روادار نہیں ہے، بلکہ ان پر ہر طرف سے آگ و آہن کی بارش اور بارود کی یلغار ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟؟

اسی طرح ارشاد الٰہی ”الا ان نصر اللہ قریب“... بے شک اللہ کی مدد قریب ہے... کا وعدہ پورا ہوگا؟

اس سلسلہ میں بھی چند معروضات پیش کرنا چاہوں گا۔

- دنیا مسلمانوں کے لئے قید خانہ اور کفار و مشرکین کے لئے جنت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”عن ابی ہریرة رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ”الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر“ (ترمذی ص)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔“

یعنی دنیا میں عموماً کافر کی نسبت، ایک مومن کو آفات و مصائب کا سامنا زیادہ کرنا پڑتا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ کافر کی دنیوی کروفر اور راحت و آرام اور مومن کی تکالیف و تعذیب کو دیکھ کر پریشان نہیں ہونا چاہئے، بلکہ مومن کی دنیا کی تکالیف و تعذیب اور مصائب و آلام کا، اس کی جنت کے ساتھ اور کافر کی ظاہری کروفر، خوش عیشی اور راحت و آرام کا اس کی جہنم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ جس طرح کافر کی دنیوی راحت و آسائش کی، اس کی جہنم کی سزا کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں، اسی طرح مسلمان کی دنیا کی عارضی تکالیف و مشکلات اس کی جنت اور آخرت کی راحت و آرام کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

- دنیا دارالعمل اور آخرت دارالجزا ہے اور ظاہر ہے جو شخص عملی میدان میں جتنا محنت و مشقت اور جہد و مجاہدہ برداشت کرے گا، بعد میں اسی تناسب سے اسے راحت و آرام میسر آئیگا اور جو شخص میدانِ عمل میں جتنا کوتاہی کرے گا، بعد میں اسی تناسب سے اُسے ذلت و رسوائی اور فضیحت و شرمندگی کا سامنا کرنا ہوگا، ٹھیک اسی طرح مقربین بارگاہِ الٰہی کو بھی آخرت کی کھیتی یعنی دنیا میں مسلسل اور محنت و مشقت کا سامنا ہے، عاقبت و انجام کے اعتبار سے جلد یا

را وآرام ان کا مقدر ہوگا، دوسری طرف کافرا چہ یہاں ہرطرح کی را وآرام سے سرفراز ہیں، نے کے ساتھ ہی عذاب کی شکل میں ان کی را وآرام اورظلم وعدوان کا ثمرہ ان کے سامنے آجائے گا۔

-کسی مسلمان کی تخلیق کا مقصد اوراس کی را ں کا حصول ، بلکہ مسلمان کو جنت اور جنت کی لازوال وا ی نعمتوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور جنت کا حصول کچھ آسان ، بلکہ جنت کے سامنے اردَ د ت ومصائ کی ڑھ لگائی گئی ہے اور دوزخ کے اردَ دخواہشات کی ڑھ کی گئی ہے، کہ حدی شریف میں ہے

”عن انس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: حفت الجنة بالمکاره وحفت النار بالشهوات.“ ذی ص ج

جم ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روای ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جنت کے َد گوار ں اور مشقتوں کی ڑھ کی گئی ہے، اور دوزخ کے َد خواہشات کی ڑھ کی گئی ہے۔“

اس لئے کسی صالح مسلمان کا د میں ت ومصائ اور ت سے دوچار ہو دراصل حصولِ جنت میں کامیا کی نشانی ہے، اور کفار ومشرکین اور معا کیلئے د وی را و آرام خواہشات نفسا کا مہیا ہو ان کے عذابِ روسقر سے دوچار ہونے کی علام ہے۔

-بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آ ت کے عذاب سے بچانے کے لئے د ہی میں ا مصائ وتکا میں فرماتے ہیں، کہ اس کی کمی کو ہیوں کا معاملہ یہیں نمٹ جائے اور آ ت میں ان کو کسی عذاب سے دوچار ہو ے، چنانچہ حدی شریف میں ہے

”عن انسؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اراد الله بعبده الخیر عجل له العقوبة فی الدنیا واذا اراد الله بعبده الشر امسك عنه بذنبه حتی یوافی به یوم القیامة.

وبهذا الاسناد عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان عظم الجزاء مع عظم البلاء وان الله اذا احب قوماً ابتلاهم فمن رضی فله الرضا ومن سخط فله السخط.“

ذی، ج

جم ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روای ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد

فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، تو دنیا میں ہی اس کو فوری سزا دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ کی سزا موقوف کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو پوری سزا دیں گے۔

اور آنحضرت نے فرمایا کہ بندے کو جتنا بڑا ابتلاء پیش آئے، اتنی ہی بڑی اس کو ملتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو اسے ... مصائب و آلام سے ... آزماتے ہیں، پس جو شخص ... ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ... راضی رہا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے اور جو شخص ناراض ہوا اس کے لئے ناراضی ہے۔''

اس حدیث کی تشریح میں حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں دو مضمون ارشاد ہوئے، ایک یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی سزا دنیا ہی میں دے دیتے ہیں، اس کی سزا کو آخرت پر اٹھا نہیں رکھتے، بلکہ مختلف مصائب میں اس کو مبتلا کر کے پاک وصاف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر اس کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور اگر لکھنے والے کے ہاتھ سے قلم گر جاتا ہے تو وہ بھی اس کے لئے کفارہ بن جاتا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ کسی بندۂ مومن کو کوئی تکلیف اور صدمہ پیش آئے اسے اپنے گناہوں کا خمیازہ سمجھنا چاہئے۔ دوسری یہ کہ بندۂ مومن کا مصائب و آلام میں مبتلا ہونا اس کے مردود ہونے کی علامت نہیں، بلکہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کا لطف وانعام ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس کے گناہوں کے کفارہ کا دنیا ہی میں انتظام فرما دیا۔

اس کے برعکس جس بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے گناہوں کے باوجود ڈھیل اور مہلت دیتے ہیں، وہ احمق یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت معزز ہے حالانکہ اس کے ساتھ استدراج کا معاملہ ہو رہا ہے کہ اس کی غلطیوں اور نافرمانیوں کے باوجود اسے ڈھیل دی جا رہی ہے، اور قیامت کے دن جب بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوگا، اسے اس کی بد عملیوں کا پورا پورا بدلہ چکایا

جائے گا، الا یہ کہ حق تعالیٰ شانہ محض اپنے فضل واحسان سے عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائے... بشرطیکہ وہ مسلمان ہو کیونکہ کفروشرک کی معافی نہیں ہے... انتہیٰ بلفظہ۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی حق تعالیٰ شانہ کا لطف قہر کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی قہر لطف کی شکل میں، اس نکتہ کو حضرات عارفین خوب سمجھتے ہیں، ورنہ عام لوگوں کی نظر اس تک نہیں جاتی۔ (دنیا کی حقیقت ص ...، ج ...)

-دنیا کا اصول ہے کہ جس سے زیادہ تعلق خاطر ہو، جس کو کسی لائق بنانا ہو، اس کو کڑی آزمائش وامتحان سے گزارا جاتا ہے، اور اس کی چھوٹی چھوٹی حرکت وسکون پر گرفت کی جاتی ہے، چنانچہ اسی موقع پر فرمایا گیا ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین"... ابرار کی نیکیاں مقربین کی سیئات شمار ہوتی ہیں... یعنی مقربین کا مقام اتنا اونچا ہے کہ جو کام ابرار کریں اور وہ نیکی کہلائے، اگر وہی کام مقربین کریں تو ان کے درجہ کے اعتبار سے وہ بھی بُرا اور گناہ شمار ہوتا ہے، گویا وہ صالح مسلمان درجہ قرب الٰہی پر فائز ہیں اور ان کو آخرت میں جن درجات عالیہ سے سرفراز کرنا ہے، دنیوی تکالیف ومصیبات کی بھٹی میں ڈال کر ان کو کندن بنانے کی سعی کی جارہی ہے۔

-جس کا جتنا اللہ تعالیٰ سے قرب ہوگا اس کو اسی تناسب سے مصائب وبلایا اور شدائد سے دوچار کیا جائے گا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عن مصعب بن سعد عن ابیه قال قلت یا رسول الله! ای الناس اشد بلاءً؟ قال: الانبیاء ثم الأمثل فالأمثل فیتبلیٰ الرجل علیٰ حسب دینه فان کان فی دینه صلباً اشتد بلائه وان کان فی دینه رقة ابتلی علی حسب دینه فما یبرح البلاءِ بالعبد حتی یترکه یمشی علی الارض وما علیه خطیئة." (ترمذی، ج ...، ص ...)

ترجمہ: "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیاء علیہم السلام کی، پھر جوان سے قریب تر ہو، پھر جوان سے قریب تر ہو، آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں پختہ ہو تو اس کی آزمائش بھی کڑی ہوتی ہے، اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اسے اس کے دین کی بقدر آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، یہ آزمائش بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کو ایسا کرکے چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلتا

ہے کہ اس کوئی گناہ رہتا۔"

اس لئے موجودہ کیا، ہمیشہ سے مصائ و ت اور شدائ و اللہ کے مقربین کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

- بعض اوقات مقربین رگاہِ الٰہی کے پیمانۂ خلوص، اخلاص، صبر، تحمل، تسلیم، رضا، عزم، ہمت، دینی پختگی اور تصلّب کو پنے کیلئے ان امتح ات وآزمائشیں آتی ہیں، کہ ارشادِ الٰہی ہے:

الف:- "ولنبلونكم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والأنفس والثمرات وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون." (البقرہ)

(ترجمہ) "اور ہم تمہارا امتحان کر گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے۔ اور آپؐ ا صا کو بشارت سنا دیجئے کہ ان کو کوئی مصیبت تی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے س جانے والے ہیں۔"

ب:- "الٓمّ احسب النّاس ان يتركوا ان يقولوا آمنّا وهم لايفتنون ولقد فتنّا الّذين من قبلهم فليعلمنّ الله الّذين صدقوا وليعلمنّ الكذبين" (عنکبوت)

(ترجمہ) "کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ، کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ لیں گے، اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے، سوا معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور ا معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔"

ج:- "عن خباب بن الارت قال: شكونا الى النّبى صلّى الله عليه وسلم وهو متوسّد بردةً له فى ظلّ الكعبة فقلنا: الا تستنصرلنا الا تدعو الله لنا؟ قال كان الرّجل فى من قبلكم يحفرله فى الارض فيجعل فيها فيجاء بالمنشار فيوضع على رأسه فيشق باثنين وما يصدّه عن دينه ويمشط بامشاط الحديد مادون لحمه من عظم او عصب وما يصده ذلك عن دينه...." (بخاری، ص، ج)

(ترجمہ) "حضرت خباب الارتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت بیت اللہ کے سائے میں اپنی چادر سے ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، کہ ہم نے آپؐ سے... کفار کے مظالم کی شکایت کرتے ہوئے... عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمارے

لئے اللہ سے مدد اور دعا کیوں نہیں مانگتے؟... آپ ﷺ یہ سن کر ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے... اور فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کے لئے گڑھا کھودا جاتا، اسے اس میں کھڑا کیا جاتا اور اس کے سر پر آری چلا کر اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا، لیکن یہ سب کچھ اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکا، اسی طرح کسی کے جسم پر لوہے کی کنگھی چلا کر اس کا گوشت اور پٹھے اس کی ہڈیوں سے اُدھیڑ دیئے جاتے، لیکن یہ سب کچھ اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکتا۔"

گویا ان حضرات کو اپنے دین و مذہب کی خاطر اس قدر اذیتیں دی گئیں اور انہوں نے اس پر صبر و برداشت کیا تو تمہیں بھی ان معمولی تکالیف سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ صبر و برداشت سے کام لینا چاہئے اور اللہ کی نصرت و مدد پر نگاہ رکھنی چاہئے جلد ہی اللہ کی مدد آ کر رہے گی۔

- اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے مقربین کو تکالیف و مصائب سے دوچار کر کے دراصل ان کی نیکیوں اور اعمالِ حسنہ کا اجر و ثواب اور بدلہ دنیا کے بجائے آخرت میں دینا چاہتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"یود اهل العافیة یوم القیامة حین یعطی اهل البلاء الثواب لو ان جلودهم کانت قرضت فی الدنیا بالمقاریض." (ترمذی)

ترجمہ: "قیامت کے دن جب اہلِ مصائب کو ثواب عطا کیا جائے گا تو اہلِ عافیت... جو ان مصیبتوں سے محفوظ رہے... یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے چمڑے قینچیوں سے کاٹ دیئے جاتے۔"

- بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد اور نصرت پر قادر ہے، وہ چاہے تو کسی عام مظلوم کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل کر سکتا ہے اور چاہے تو بنی اسرائیل جیسی بدنہجار قوم کے ہاتھوں اپنے مقرب و مقدس انبیاء علیہم السلام کو جامِ شہادت نوش کرا دے، ... اور اہلِ حق کیوں دل چھوٹا کرتے ہیں اور مایوس و بددل ہوتے ہیں؟ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

الف:- "ویقتلون النبیین بغیر الحق" (البقرہ) ...اور وہ بنی اسرائیل... خون کرتے تھے نبیوں کا ناحق...

ب:- "ویقتلون الانبیاء بغیر حق ذالك بما عصوا و کانوا یعتدون" (آل عمران)... اور قتل کرتے رہے ہیں نبیوں کا ناحق، یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے...

ج:- ”و کأیّن من نّبی قتل معه ربیّون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل الله وما ضعفوا وما استکانوا والله یحبّ الصّابرین.“ (آل عمران)

ترجمہ ”اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہوکر لڑتے ہیں بہت خدا کے طالب، پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے، اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے۔“

۔ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد فوراً آ جائے، بلکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد و نصرت میں بھی اتنی تاخیر فرما سکتے ہیں کہ وہ مایوسی کے قریب ہو جائیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

الف:- ”حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاء ھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد بأسنا عن القوم المجرمین.“ (یوسف)

ترجمہ ”یہاں تک کہ جب... اس بات سے... مایوس ہوگئے اور ان لوگوں کو گمان غالب ہوگیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہنچی، پھر... اس عذاب سے... ہم نے جس کو چاہا وہ بچا لیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا۔“

ب:- ”ام حسبتم ان تدخلوا الجنّة ولمّا یأتکم مثل الّذین خلوا من قبلکم مسّتھم البأساء والضّرّاء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معه متیٰ نصر الله الا ان نصر الله قریب.“ (البقرہ)

ترجمہ ”کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے، یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد؟ سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔“

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں نیک و صالح مسلمانوں کے لئے فوراً نصرت الٰہی کا آنا کوئی ضروری نہیں، اس کے علاوہ مدد و نصرت الٰہی میں تاخیر کا ہو جانا جہاں کفار و مشرکین اور ان کے موقف کی صداقت کی دلیل نہیں، وہاں نیک صالح اور متقین و مومنین کے بارگاہِ الٰہی میں مبغوض و مقہور ہونے کی علامت بھی نہیں، کیونکہ دورِ حاضر کے نیک و صالح مومنین و متقین، اپنی جگہ کتنا ہی مقرب بارگاہ الٰہی کیوں نہ ہوں، بہر حال وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام

کے تبہ ومقام کو پہنچ سکتے، لہٰذا اگر حضرات انبیاء کرام السلام کی مدد ونصرت میں خیر ہو سکتی ہے تو دورِ حاضر کے صالح مومنین ومجاہد کی مدد میں خیر کیوں ہو سکتی؟

-اس سے ہٹ کر سچی ت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودہ صورت حال میں جہاں اہلِ ایمان کو مصائب وآلام سے دوچار کر کے ان کے درجات بلند کرنا چاہتے ہیں، وہاں ان طن کفار ومشرکین اور م دمسلمانوں اتمام حجت کرنا چاہتے ہیں کہ کل قیامت کے دن وہ یہ کہہ سکیں کہ ہمیں غور وفکر کی مہلت اور صورتِ حال کا ازہ ہو سکا تھا۔

الغرض موجودہ صورت حال سے جہاں صالح لوگوں اور مقربین رگاہِ الٰہی کے درجات بلند ہو رہے ہیں، وہاں ان طنوں کو ڈھیل دی جا رہی ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: "واملی لهم ان كيدی متين" القلم ... اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں میری بیرغا ہے، اسی طرح "وانتظروا انا منتظرون" ھود ... تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں... نے کے بعد معلوم ہوگا کہ کون فائدہ میں تھا اور کون نقصان میں؟؟

فسوف ترىٰ اذا انكشف الغبـار

اتحت رجلك فـرس ام حمـار

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين

کیا آپ اپنی تجارت کو
... بنائیں گے؟

از: ... محمد ... یفہ و ... نوی

تجارت میں ... کے نسخے

ا ... اللہ اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے ہمیں ای ... ا ... د ... سے وابستہ کیا جس نے اپنے ما ... والے کو ز ... گی ... ارنے کے لیے عمدہ اصول بنائے، جس کو ... نظر رکھ کر ہر آدمی اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی ز ... گی کی کشتی کو ... رے لگا سکتا ہے، لہٰذا یہ ممکن ... ہوسکتا ہے کہ اسلام نے ہمیں ا ... طریقے ... بتائے ہوں جس سے ہماری تجارت میں ... ہو، تو آیئے ہم قرآن اور حدی ... کی روشنی میں اور صحا ... و اسلاف کے آ ... ر میں اور ... رگوں کے تجر ... میں ان کو تلاش کر ... قرآن کر ... چونکہ ہمارے لئے آسمانی گا ... س ہے لہٰذا ... سے پہلے قرآن ہی میں اس کو تلاش کر ... ۔

تقویٰ

قرآن میں ارشاد ہے: ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا۔ یعنی جو شخص تقویٰ ا ... ر کرے تو اللہ اس کے لئے ہر مصیبت اور ... نی سے ... کی سبیل نکال دیتا ہے۔

پتا چلا کہ ا ... ہم بھی اپنی تجارت میں ہونے والی ... نی سے نکلنا چاہتے ہیں تو ... سے پہلے متقی یعنی اللہ سے ہر حال میں ڈرنے والے ... جائیں، اب تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ اللہ کی چاہت اور ... ضی ... چلنے کو، اور ... ضیات سے بچنے کو، لہٰذا ا ... ہم اپنی تجارت میں کذب بیانی دھوکا دہی، جھوٹی قسم، سود خوری رشوت خوری، ظلم، غضب، چوری، خیا ... ، حرام چیزوں کی ... وفرو ...

سے اجتناب کرتے ہیں، تو ہماری تجارت میں خود بخود برکتیں نازل ہونے لگیں گی۔

شکر

لان شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر گذاری کروگے تو میں ضرور تمہاری نعمتوں میں اضافہ کردوگا۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان جب تجارت کرے اور تجارت کے بعد جو کچھ بھی نفع مل جائے اس پر اللہ کا شکرادا کیا جائے، تو اللہ تجارت میں برکتوں کو نازل کرے گا لہٰذا جو بھی تھوڑا بہت ہاتھ لگے اس پر اللہ کا شکر بجالائے آپ کی تجارت میں خود بخود نفع ہونے لگے گا۔

صدقہ اور خیرات

یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات اللہ رب العزت سود کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور صدقات میں بڑھوتری کرتا ہے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ سود کے ذریعہ اگرچہ ظاہری نظر سے مال میں بڑھوتری نظر آتی ہے، لیکن حقیقتاً وہ بڑھوتری اور اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کمی ہوتی ہے، کیونکہ سود کے سبب مال اور جان پر جوکھم اور طرح طرح کی پریشانیاں درپیش آتی رہتی ہیں اور وہ حرام کے مال کے ساتھ دوسرا مال بھی اس کے پیچھے خرچ ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کو سود جیسی تباہ کن بیماری سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

پھر قرآن آگے ارشاد فرمایا ویربی الصدقات یعنی صدقات کو بڑھوتری دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صدقہ خیرات دینے سے ظاہراً اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال میں کمی ہوگئی، لیکن حقیقت میں مال میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ رب العزت صدقہ کی وجہ سے مال میں برکتوں کو ڈال دیتا ہے، اور مالی پریشانی اور رزق میں تنگی کو دور کردیتا ہے یہ تو دنیا کا معاملہ ہے اور آخرت میں صدقہ کی نیکیاں پھر الگ ہوں گی اللہ رب العزت ہمیں اپنے راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اور قرآن کی اس آیت کو آپ تاریخ کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں کہ ہم سب جانتے ہیں کہ صحابہ میں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کے راہ میں بے دریغ اور بے حساب مال خرچ کیا تو ان کے مال میں اضافہ ہی ہوتا گیا اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اللہ کے را میں تہا شا مال چ کیا تو ان کے مال میں بھی کبھی ہم نے کمی کے رے میں ھا بلکہ یہ لوگ ا تھے کہ ان کی د بھی سنور گئی اور آ ت میں بھی اللہ کی جا سے خوشنودی کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ان کے واقعات کو آپ سیرت صحا اور سیرا و ہ میں کے ساتھ ھ سکتے ہیں۔

ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ

اللہ رب ا ت نے ارشاد فر یا ایھا الذین منوا ھل أدلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب ألیم. یؤمنون با لله و رسوله وتجاھدون فی سبیل الله بأموالکم وأنفسکم ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اے ایمان والو کیا میں تمہاری ا تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تم کو در ک عذاب سے بچالے وے۔اللہ اور اس کے رسول ایمان لے آؤ اور اکی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو اگر تم یہ سمجھو یہ چیز تمارے حق میں ہے۔اس آ میں اللہ نے ارشاد فر کہ انسان کی ی اسی میں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ایمان لے آوے اور پھر اپنی جان و مال کو اس کے را میں کھپا د ے، پتا چلا کہ ایمان میں پختگی اور ثبات قدمی، جہاد فی سبیل للہ سے بھی انسانی حالات در ہو جاتے ہیں اور رزق میں کتیں زل ہوتی ہیں۔

ذکر اللہ، ادائے زکوۃ اور اہتمام نماز اور خوف آ ت

قرآن نے فر رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر الله و اقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ یخافون یوما تتقلب فیه القلوب و الأبصار لیجزیھم الله احسن ما عملوا ویزیدھم من فضله والله یرزق من یشاء بغیر حساب۔ یعنی صالحین تو وہ لوگ ہیں جن کو ا کے ذکر کرنے اور نماز اور زکوۃ دینے سے تو سودا ی اور ہی وفرو غافل کرتی ہے، وہ ڈرتے ہیں اس دن سے دل خوف اور گھبراہٹ کے سے ا جائیں گے، آنکھیں او ھ جائیں گی کہ اللہ رب ا ت ان کو ان کے اعمال کا د ے اور اپنے فضل سے ن دہ بھی کر د ے، اور اللہ رب ا ت چاہتے ہیں حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔

ادران اسلام ہماری ز گی کا مقصد د اورتقوی عبادت اورذکراللہ د مال عیش وعشرت کہ قرآن کی یہ آ بتارہی ہے یعنی تجارت و وفرو ان کواللہ کے ذکر سے جو مقصود مؤمن ہے غافل کرتی ۔

افسوس اکثر اس زما میں اکثر مسلمانوں نے تجارت کومقصودا بنا جس کے نتیجے میں محبت کے رشتے ورہو گئے اور جھگڑوں اور فتنوں کا ای عظیم طوفان ہوگیا۔ای شاعر کا کہنا ہے۔

کل ت محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے

دو دل بھی آج مل سکتے ملتے ہوئے

آج کل اکثر مسلمانوں کی خصوصا مغرب زدہ اور رپ سے متأ تعلیم یافتہ لوگوں کے ش وروز حرکات وسکنات افعال وکردار اقوال واعمال سے ظاہر ہو ہے کہ د ہی ا ب ہے اور وہی ان کا مقصود ہے مذہب کو یہ لوگ محض اس لئے ا ر کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے مصالح د محفوظ رہیں قی د کو حیثیت سے ا ر کرتے اگر ا ہو تو دینی امور کو ازخود ا رکرتے اور ا کو پسند کرتے دوسری قوموں یعنی ر اقوام کی تقلید کرتے اوران کی طرف دیکھتے، ان لوگوں کی ی غلطی یہ ہے کہ یہ لوگ د کو اصل مقصود اور د کو فرما دیتے ہیں حالانکہ اس آ میں تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله کے اسلوب سے صاف معلوم ہو ہے د مقصود بلکہ د ہی اصل مقصود ہے اگر د مقصود ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ ں فرماتے لا يلهيهم ذكر الله عن التجارة و البيع یعنی ذکر اللہ کی لیت ان کو تجارت سے غافل کرتی لیکن اللہ نے ں فرما بلکہ ں فرما کہ تجارت ولا بيع عن ذكر الله کے ذکر سے غافل کرتے اس سے صاف معلوم ہو ہے کہ مقصودا د ہے۔

ت طول پکڑ گئی تو کہنا یہ مقصود ہے کہ. انسان اپنے آپ کو د کا بندا اور بعدار بنا ہے تو اس پہ رزق کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں کہ اس آ سے معلوم ہو ہے کیونکہ اللہ نے اس آ میں ای قانون بیان کیا جو بندی سے صوم و ۃ کرے، اور فر زکوۃ ادا کرے، اور اللہ سے ڈر رہے، تو اللہ ربّ ا ت اس کو دیتا ہے اور پھر آگے فرما ويزيدهم من فضله اوراپنے فضل سے اضافہ کر یعنی ل رزق کی طرف، سیجزی سے اشارہ کیا اورنر دتی کی طرف ويزيدهم سے اشارہ کیا، کیوں کہ اس آ میں اگر اس کے ق و

سباق کو دیکھا جائے تو فضل سے □ درزق ہو□ چاہیے کیونکہ پہلے تجارت کا □ کرہ اور بعد میں واللہ □یازق من □، یعنی اللہ جس کو چاہے □ حساب رزق عطا کرد□ے کا □ کرہ بتا دیتا ہے کہ فضل سے □ درزق ہوگا، اور آگے □ ھ کر میں □اں کہہ سکتا ہوں کہ لا تلھیھم سے نماز اور زکاۃ میں اخلاص کی طرف اشارہ ہو کیونکہ □ کے مدنظر ہمیشہ آ□ ات ہوتی ہے اور قرآن کہتا□ یخافون یوما یعنی وہ آ□ ات سے ڈرتے ہیں اور لیجزیھم پھر اس کے بعد ویزیدھم اور پھر آگے ویرزق من یشاء سے □ حساب □ □ فی الرزق کی طرف اشارہ ہے اور اس کے □□ ریخ میں عثمان ا □ عفان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن ا □ عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں موجود ہے۔

استغفا□

سورہ نوح میں اللہ رب ا □ ات ا ی□ اولوا □ م اور صا □ صبر جمیل □ حضرت نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کو نصیحت و موعظت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں□ وقلت استغفر ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم بأموال و بنین ویجعلکم جنات وجعلکم انھارا۔ یعنی نوح علیہ السلام فرماتے ہیں□ میں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس □ وردگار سے استغفار کرو یعنی گناہوں کی بخشش طلب کرو بیشک وہ بہت ز□ دہ بخشنے والا ہے□ استغفار کی □ □ سے □ تم □ مسلا دھار□ رش □ سائے گا۔ اور مال اور اولاد کے ذریعہ تمہاری امداد کرے گا اور تمہارے لئے□ غات کی ریل پیل کردیگا اور □ وں کو جاری کردیگا۔ قرآن کر□ کی اس آ ی□ سے معلوم ہو□ ہے کہ استغفار سے رزق میں □ کات ا □ تی ہیں اور اولاد کی بھی ولاد □ ہوتی ہیں کیونکہ اک ا □ جلیل ا □ ر نبی جس کی دعوت ساڑھے نو سو سال رہی وہ نبی اپنی قوم کو یہ□ ت کہہ ر□ ہے اور پھر قرآن جیسی عظیم کتاب اس کو نقل کر رہی ہے، پتہ چلا کہ یہ ا ی□ لازمی ا □ ہے کہ استغفار سے رزق میں □ کات اور انوار کا ورود ہو□ ہے۔ قرآن کر□ نے اس کو دوسری □ اس طرح فر□ ی□ کہ□ ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون۔ یعنی اللہ رب ا □ ات آپ کے ان کے درمیان ہوتے ہوئے ا □ عذاب □ دے گا، اور وہ استغفار کر رہے ہوں □ بھی اللہ ان کو عذاب دینے والا □۔ اس آ ی□ سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قوم کے افراد □ ا□ استغفار میں لگے رہے تو اس □ قہر □ او□ ی □ ا□□ چاہے وہ قحط کی صورت میں چاہے وہ □ رزق کی صورت میں ہو□ چاہے وہ طاعون، سارس اور □ ا □ اض کی صورت میں ہو۔ بہرحال

استغفار کی برکت سے آدمی اپنے رزق میں اضافہ کرواسکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اور بھی ان گنت فائدے اس کے ضمن میں ہوسکتا ہے۔ اب استغفار کا طریقہ کیا ہو اور اس کے الفاظ کونسے افضل ہے تو ان شاء اللہ ''اوراد وظائف'' کے تحت ذکر کیا جائے گا۔

صبح سویرے تجارت کا آغاز کرنا

صبح کا وقت بڑا بابرکت وقت ہے اس میں بہت زیادہ برکتیں اور رحمتیں ہیں لہٰذا ہر ایک کو چاہئے کہ وہ جلد از جلد بستر کو چھوڑ دے اور ہوسکے تہجد پڑھے ورنہ فجر کی نماز کا ضرور اہتمام کرے پھر کچھ دیر قرآن کی تلاوت میں صرف کرے اور کچھ دیر ذکر اذکار اور دعا میں صرف کرے اور پھر بجائے دوبارہ سونے کے اگر اشراق کا وقت ہوجائے تو اشراق کی کم سے کم دو رکعت ہی ادا کر لیوے اس سے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یا ابن آدم رکع لی رکعتین فی اول النهار اكفك آخره۔

یعنی اے ابن آدم! تو میرے لیے دو رکعت دن کے ابتدائی حصہ میں پڑھ لے میں دن کے آخری حصہ میں تیرے لیے کافی ہو جاؤں گا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے اے اللہ! میرے دن آغاز کو نیک عمل کا حصّہ بنا کہ مجھے نیک عمل کی توفیق ہو جائے کہ سارا دن اللہ کی نصرت اور مدد میرے ساتھ رہے حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب فرماتے تھے کہ اللہ تعالی نے صبح کا وقت ایسا بنایا ہے کہ اسی کائنات کی ہر چیز میں تازگیاں آتی ہیں کہ سوتے ہوئے لوگ بیدار ہوتے ہیں کلیاں چٹکتی ہیں غنچے کھلتے ہیں پھول کھلتے ہیں پرندے جاگتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں یہ وقت تازگی عطا کرنے والا ہے اگر اس وقت کو اللہ کے ذکر میں گزاروگے تو تمہارے قلب کے اندر رجوع الی اللہ کا نور پیدا ہوگا اتنا نور اتنا نور کہ دوسرے اوقات میں ذکر کرنے سے حاصل نہ ہوگا۔ پھر حضرت والا یعنی مولانا تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ فجر کے وقت مسلمانوں کی کسی بستی سے گزر جاؤ تو ہر گھر میں تلاوت قرآن کریم کی آواز آیا کرتی تھی چاہے وہ عالم کا گھر ہو یا جاہل کا اسی سے معاشرے میں نور سا محسوس ہوتی تھی لیکن اب افسوس یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی بستی سے گزرو تو تلاوت کے بجائے فلمی گانے کی آواز یں آتی ہیں، فا العياذ بالله۔ صبح کے وقت ہمارا حال ایک شاعر مجیدی لاہوری مرحوم اپنے اشعار میں اپنے زمانے کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے۔ پہلے

لوگ سویرے اٹھ جاتے تھے، اور اٹھ کر قرآن پڑھا کرتے تھے، نو بجے اٹھتے ہیں اور اٹھ کر ڈان پڑھتے ہیں۔ تو دن کا پہلا حصہ ہی ایسے کاموں میں لگا دیا اور اللہ کے ذکر سے غافل ہوگئے تو پھر سارے دن کے کاموں میں نور کہاں سے آئے گا؟ بہرحال اللہ نے صبح کے وقت میں بڑی برکت رکھی ہے اور بڑا نور رکھا ہے اگر انسان اس وقت کو تلاوت میں اللہ کے ذکر میں لگائے تو انشاء اللہ اس کا نور حاصل ہوگا۔

صبح کے وقت میں برکت ہے

ایک حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "بارك الله لامتي في بكورهم" یا پھر یہ الفاظ ہے "اللهم بارك لامتي في بكورهم" یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے صبح سویرے میں برکت رکھی ہے یا اے اللہ میری امت کے صبح کے وقت میں برکتیں نازل فرما۔

اور یہ بات آپ ﷺ نے صرف ذکر یا عبادت کی حد تک نہیں فرمائی بلکہ ایک شخص جو تاجر تھے ان سے آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ تم صبح سویرے اپنی تجارت کے کام کو انجام دیا کرو وہ صحابی فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ کے یہ ارشاد سننے کے بعد میں نے اس پر عمل کیا اور صبح ہی اول وقت میں تجارت کا عمل شروع کیا کرتا تھا تو اللہ نے مجھے اس کی برکت سے اتنا مال عطا فرمایا کہ لوگ مجھ پر رشک کرنے لگے۔

کاروبار مندہ کیوں نہ ہو؟

اب ہمارے یہاں ساری قدریں الٹ ہوگئیں دن کے گیارہ نو بجے تک بازار بند رہتا ہے گیارہ بجے کے بعد کاروبار شروع ہوتا ہے گیارہ بجے کا مطلب دوپہر گویا دن کا ایک پہر تو بیکار نیند اور غفلت کی حلت میں نہ نماز نہ زکوٰۃ نہ ذکر نہ تلاوت بلکہ گناہوں میں گزر گیا، کہیں فلم دیکھنے میں، کہیں سریل دیکھنے میں، کہیں گانے سننے میں، کہیں گپ شپ میں، پھر ہر شخص کے زبان پر یہ رونا کہ کاروبار مندہ ہے کہاں سے کاروبار چلے مندہ ختم ہو جبکہ تو نے ہی تلاوت اور ذکر اللہ اور نماز میں مندہ کر رکھا ہے جس ذات کی قدرت میں کاروبار رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان الله هو الباسط القابض المسعر الرزاق اللہ رب العزت وہ ہی رزق میں فراخی اور تنگی کرنے والا، وہ ہی کاروبار میں مندہ ڈالنے والا، وہی قسمتوں کو متعین کرنے والے اور رزق دینے

والا ہے، اب . ہم نے ہی اپنے تعلقات کو اس کے ساتھ ور کردیا جبکہ کارو رمیں قی دینا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر وہ بھی ہم کیوں کتوں کو زل کریگا لہٰذا ضرورت اس ت کی ہے کہ اس سے تعلق قائم کیا جائے اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے را کو اپنایا جائے اور صبح سویرے نماز ذکر تلاوت و ہ سے فارغ ہو کر اپنی تجارت کا آغاز کیا جائے پھر دیکھو کیسی کتیں زل ہوتی ہیں، اللہ ہم کو من یطع اللہ والے وہ میں دا فرماد ے اور د وآ ت میں کامیاب و کا ان فرمائے۔آمین یا رب العالمین۔

نوٹ: امام بیہقی نے ای روای نقل کی ہے جس میں نبی کر نے فجر کے بعد سونے سے منع فرمایا وہ روای یہ ہے ای تبہ نبی کر نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فجر کے بعد تصلا سوتے ہوئے دیکھا تو ان کو جگایا اور فجر کے بعد سونے سے منع فرمایا۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں

از: مولانا رضوان احمد ندوی قاسمی
نائب ایڈیٹر ہفتہ وار نقیب، پٹنہ

اسلام مسلمانوں کو نظم واتحاد کے ساتھ اجتماعی زندگی گذارنے کی تعلیم دیتا ہے وہ انتشار اور خودسرائی کو قطعاً ناپسند کرتا ہے، اس لئے اس نے نظام عبادت کی روح اجتماعیت وشیرازہ بندی رکھی ہے کہ مسلمان ایک لڑی سے وابستہ رہیں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

غور کیجئے کہ نماز ہر شخص تنہا تنہا بھی ادا کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ طریقہ ریا و نمود سے محفوظ اور اخلاص وللّٰہیت سے قریب تر ہے، لیکن پنج وقتہ نمازوں کے لئے جماعت کو واجب قرار دیا، جمعہ وعید کے لئے گاؤں کی بڑی جامع مسجد اور عیدگاہ میں اکٹھا ہوکر ایک امام کے پیچھے ساتھ ساتھ نماز ادا کرنے کو لازم ٹھہرایا تاکہ مسلمانوں کے اندر اخوت ومساوات کی تربیت دی جاسکے اور دلوں میں اتحاد وہم آہنگی کے جذبہ کو فروغ مل سکے، نماز باجماعت ادا کرنے کی حکمتوں اور مصلحتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوستان کے ممتاز مورخ وسیرۃ نگار حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں کہ

”جماعت کی نماز مسلمانوں میں اخوت ومساوات اور انسانی برابری کی درس گاہ ہے، یہاں امیر وغریب، کالے گورے، رومی وحبشی، عرب وعجم کی کوئی تمیز نہیں ہے سب ایک ساتھ، ایک درجہ اور ایک صف میں کھڑے ہوکر ایک کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ یہاں شاہ وگدا اور شریف ورذیل کی تفریق نہیں، سب ہی ایک زمین پر، ایک امام کے پیچھے ایک صف میں دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ (سیرۃ النبی) گویا۔

ای ہی صف میں ے ہوگئے محمود و یاز
کوئی بندہ ر اور کوئی بندہ نواز

نماز میں اجتماع کی وجہ سے اللہ کی طرف سے کتوں کا ول ہو ہے، آسمان سے رحمتیں ا تی ہیں اوران کو اپنے سایہ میں ڈھا لیتی ہیں، ٹھیک اسی طرح ز ۃ میں بھی اجتماعی نظام کو ملحوظ ر گیا، اس کے ذریعہ قوم کے ضعیف و سہارا طبقہ کی ورش وکفا ہوتی ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا خذ من اغنیائھم وترد الی فقراءھم ز ۃ ان کے مالداروں سے لی جائے اور حا مندوں کو وا کردی جائے، اسلام نے اجتماعی طور ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم دیا، ا ہوسکتا تھا کہ ہر ملک کے مسلمان آب و ہوا اور موسم کے لحاظ سے الگ الگ مہینوں میں روزے رکھ لیتے، لیکن تمام مسلمانوں ای ہی مہینہ میں روزہ فرض کیا کہ عتی شان قرار رہے، ری د کے مالدار مسلمانوں ای خاص یام میں حج کا حکم دیا گیا یہ ت بھی ممکن تھی کہ ہر ممالک کے مسلمانوں کے لئے الگ الگ مہینوں میں فر حج ادا کرنے کی کید کی جاتی کہ از م کم ہو اور مناسک حج کی ادا میں کوئی دشواری آتی، لیکن حکم دیا گیا کہ ، بھوں کو ذی الحجہ کے یام میں حج بیت اللہ کا طواف کر ،صفا وہ کا سعی کر اور ارکان حج کو ادا کر ضروری ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعیت اور آفاقیت کا مزاج پیدا ہو اور سارے مسلمان وطنیت ،قومیت، تمدن و معاشرت کے تمام امتیازات کو مٹا کر ای ہی ملت ملت ا اہیمی میں گم ہو جائیں اور ای ہی لی میں اسے کر ۔ حاکم ہو محکوم، عالم و فاضل ہو فقیر نوا اپنی امتیازی حیثیت کو مٹا کر اپنی سے اور خودی کو قربان کر کے مالک کے دروازے بھکاری کر آئے ہیں، یہی وہ وحدت کار ہے جو ان تمام مادی امتیازات کو مٹا دیتا ہے، اسلام کے اسی نظم واتحاد نے انصار کے دو ے قبیلے اوس و رج کو شیر و شکر بنادیا، یہ دونوں ہمیشہ دو مستقل قوموں اور حریفوں کی طرف ای دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا اور نبرد آزا رہتے تھے۔ کسی شاعر نے کہا۔

وہ اوس اور رج کی ہم لڑائی
صدی جس میں آدھی ا ں نے گنوائی

اللہ کے رسول نے کلمہ کی بنیاد دونوں کو متحد کردیا، اب یہ دونوں ای دوسرے کے مونس و ہمدرد اور غمگسار گئے، صحا رسول حضرت بلال حبشیؓ کی سماجی حیثیت مکہ میں کچھ تھی، وہ

غلام تھے، ہ فام تھے م تھے، لیکن ان کا قلب نور ایمان سے منور ہو گیا اور مشرف اسلام ہوئے، تو ا یہ مقام اور تبہ کہ د ار کعبہ ے ہو کر اذان دی، حضرت ا بکر صد اور فاروق کے بیٹھنے لگے، کیوں کہ ایمان کا رشتہ خا انی و رشتوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے اور بقول حضرت مولا الکلام آزاد کہ ”د کے تمام رشتے، عہد مودت، خون ونسل کے ھے ہوئے پیماں وفا محبت ٹوٹ سکتے ہیں، جو رشتہ ا چین کے مسلمانوں کو افریقہ کے مسلمان سے، ا عرب کے وک ر کے وا ہے سے اور ہندو ن کے نو مسلم کو مکہ کے نسب قر سے پیو و جان کرتا ہے، د میں کوئی طاقت جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے۔ جس میں ا کے تھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ یا ہے خطبات آزاد ا رشتوں کی وجہ سے د کے ا رے کسی مسلمان کو تلوے میں کانٹا ہے تو اس کی ٹیس دوسرے رے میں رہنے والے مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ حدی ک میں فرما گیا ترى المومنين فى تراحهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضوا تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى تم مسلمانوں کو ہم دل ہم محبت کرنے والے اور ا دوسرے کی کے احساس کے رے میں ا دیکھو گے کہ ا قا اور ا عضو بیمار جائے تو سارا جسم بخار میں ہو جاتا ہے اور بیداری کے لئے تیار رہتا ہے اللہ کے رسول نے مسلمانوں کی وحدت واجتماعیت کو ا عمارت کی ما قرار ی۔ فرما المومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك اصابعه ا مومن دوسرے مومن کے لئے ا عمارت کی طرح ہے جس طرح مکان کی ا اینٹ دوسری اینٹ کے لئے مضبوطی اور قوت کا ہوتی ہے پھر آپ نے ا تھ کی انگلیاں دوسرے تھ کی انگلیوں سے کر سمجھا، ظریفی یہ ہے کہ جو مذہب عالمگیر وحدت واخوت کا داعی و پیامبر ہے آج خود اس کے پیروکار وہی وعلاقائی عصبیت، خا انی و ی، ن و بیان اور مسلکی ا ف کی بنیاد انتشار وافتراق کے شکار ہو گئے، ا ں نے ر ونسل کے امتیاز وا ف کی اونچی اونچی د ار ی کرد کوئی سید خا ان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کو اپنے عالی نسب ہونے فخر ہے کوئی شیخ و پٹھان ہے تو منصور ں اور ی فروشوں کو نیچی نظروں سے د ہے۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذا ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی ہیں

افسوس کہ . □ قیام□ آئے گی تو یہ سارے خا□انی و □ رشتے اپنا وجود کھود □ گے، فلا انساب بینھم نسب اور رشتہ داری اس دن کام □ آئے گی اس لئے کہ □وہ بندی اور فرقہ بندی شعار جاہلیت ہے۔حضور □ نے فتح مکہ کے موقعہ □□ وَا □ اداور خا□ان کی مفا□ت □□ری قوت سے چوٹ لگاتے ہوئے فرم□ی معشر قریش ان □له اذهب فيكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء قریش کے لوگو□ اللہ نے تم کو جاہلیت کی جھوٹی نخوت سے نجات د□ی اور □پ دادا کی بنیاد □□ ائی □□ لانے کا د □ رختم کرد□ی، □ جس کسی نے بھی شعار جاہلیت کو ز□ہ کیا ذات و □ادری کی بنیاد □ ملت کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا اس کا □□ □ ہوگا، حدی□ شریف میں ہے من دعا بدعوا لجاهلية فهو من □ى جهنم جو جاہلیت کا نعرہ لگائے اس کا □□ □ ہے۔اسلام □وہ بندی اور داخلی انتشار کو قطعاً □دا□ □ کر□۔ رسول اکرم □ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے فرم□ی يا ايها الناس الا ان ربكم واحد لافضل لعربى على عجمى ولا لعجمى□ على عربى ولا لاسود على احمر ولا لاحمر على اسود الا بالتقوى اے لوگو□ تم □ کا رب ا□ ہے کسی عر□ کو عجمی □، اور کسی عجمی کو کسی عر□ اور کسی کالے کو گورے □، اور کسی گورے کو کسی کالے □ کوئی فضیلت □، □ تقویٰ کی بنیاد □ اس لئے کہ حسب ونسب، خا□ان اور قبیلے ا□ دوسرے کے تعارف اور شنا□ کے لئے بنائے گئے ہیں۔قرآن کر□ میں ہے يا ايها الناس انا خلقناكم من ذكر و□ى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند □له اتقاكم اے لوگو□ ہم نے تم کو ا□ □داور ا□ عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لئے □ □□ کہ تم ا□ دوسرے کو پہچانو، □ شک اللہ کے □ د□ تم میں □ سے معزز وہ ہیں جو □ سے ز□دہ □ہیز گار ہیں □ سورہ الحجرات □□□ قرآن کر□ نے انسانوں کی بنائی ہوئی تمام تفریقات کو توڑ د□ی اور بتل□ی کہ فخر وعزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے۔

ملت کے ساتھ رابطہ ا□ار رکھ
پیو□ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اس لئے قرآن کہتا ہے کہ □ل کر اپنے □وردگار کے ساتھ وابستہ ہوجاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے د□ کو مضبوطی سے پکڑلو، واعتصموا بحبل □له جميعا ولا تفرقوا تم □ اللہ کے د□ کو مضبوطی سے پکڑلو اور ٹکڑوں میں □ بٹو، جس طرح بٹی ہوئی رسی ا□ دوسرے کو قوت پہنچاتی ہے تم بھی اتحاد واجتماعیت کی ز□گی □ ار کر اسلام کو فروغ دو، ا□ منتشر رہو گے تو تمہاری اجتماعی

قوت ختم ہوجائے گی، قرآن ۔ک میں ہے ولا تنازعو فتفشلوا و تذهب ريحكم آ ۔ میں ۔جھگڑو، ور۔تمہارے قدموں میں لغزش پیدا ہوجائے گی اور تمہاری ہوا ا ۔ جائے گی، ۔رگوں نے لکھا ہے کہ. ۔لوگ ۔وہ بند۔اں میں تقسیم ہوجاتے ہیں تو ان سے سنجیدگی اور اعتدال کا دامن چھوٹ جا۔ ہے پھر وہ ۔راہ روی کے شکار ہوجاتے ہیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ جا۔ض علوانی نے اپنی ۔نظیر ۔ ''ادب الا ۔ف فی الاسلام'' میں لکھا ہے کہ. ۔ا ۔ف ۔ھتا ہے تو اس کی ۔وسیع سے وسیع ۔ ہوتی جاتی ہیں اور آدمی کے حواس ۔اس کے ا۔ات اس حد۔ ۔ چھا جاتے ہیں کہ وہ نقطہ اتحاد کو بھول جا۔ ہے اس کی نظر میں اسلامی اخلاق کی ابتدائی چیز ۔بھی ۔آ۔ ۔ جس کی وجہ سے اس کا معیار فکر ۔ل جا۔ ہے ۔ص۔۔۔ پھر اس سے وحدت ام۔ کو شدی۔نقصان ۔ ہے۔ حضرت شیخ ا ۔ مولا۔ محمود الحسن صا ۔ مالٹا کی چارسا۔جیل سے ر۔ئی کے بعد د۔بند تشریف لائے تو فر۔ی کہ ہم نے مالٹا کی ز۔گی میں دو ۔سیکھے ہیں پھر فر۔ی کہ میں نے جہاں۔ ۔ جیل کی تنہائیوں میں اس ۔غور کیا کہ ۔ری د۔ میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہورہے ہیں تو اس کے دو سب۔ معلوم ہوئے ا۔ ان کا قرآن کو چھوڑ۔، دوسرے ان کے آ ۔ کے ا ۔ف اور خا۔جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آ۔ ہوں کہ اپنی ۔قی ز۔گی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کر۔ کو ۔ اور ۔ا عام کیا جائے، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکا۔ ۔ ہر بستی میں قائم کئے جائیں، ۔وں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معنی سے روشناس کر۔ جائے۔ اور قرآنی تعلیمات ۔عمل کیا جائے اور مسلمانوں کے ۔ہمی جنگ و ۔ال کو کسی ۔ ۔ ۔دا۔ ۔ کیا جائے۔ وحدت ام۔ ص۔۔۔ ماضی میں اسپین کی مسلم حکوم۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔ کے ختم ہونے کی وجہ بھی مسلمانوں کا ۔ہمی ا ۔ف تھا۔ اسپینی مسلمانوں نے جس وقت مسیحی قوتوں سے شکست ۔ئی اس وقت وہ علم و تہذ۔ ۔ اور سائنس و ۔لوجی کے میدان میں اپنے حریف سے ۔ر جہا ۔ھے ہوئے تھے اس کے ۔وجود ان کے شکست ور ۔ کی وجہ یہ تھی کہ عیسائی۔ ہم متحد و منظّم تھے ۔ کہ مسلمان فرقوں اور ۔عتوں میں ۔ گئے، ا۔ر وعمال نے ۔۔ خلافت سے بغاوت کرکے اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ الاسلام ۔۔۔۔ اسلام نے اسی فکر میں تبدیلی لانے کے لئے ا۔ ۔۔ سے وابستہ رہنے کی تعلیم دی، مسلمانوں کی تنظیم و تکر۔ کو ایمان کی علام۔ قرار ۔ی، حضور اکرم ۔ نے فر۔ی کہ المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه

كربة من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلمًا ستره الله يوم القيامة **مسلمان مسلمان** □ بھائی ہیں □ ا□ دوسرے □ظلم کر□ ہے □اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے، جو اپنے کسی بھائی کی حا□ روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ اس کی حا□ روائی کر□ ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیام□ کی □ ت میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی □دہ□ثی کر□ ہے اللہ تعالیٰ بھی آ□ت کے دن اس کی □دہ□ثی فرما□ ہے۔

دوسری حدی□ میں ہے المسلم اخو المسلم لايظلمه ولا يخذله ولايحقره التقوى ههنا ويشير الى صدره□ل□ مرار بحسب امراء من الشر ان يحقر اخاه المسلم كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه □روا□ ا□ ہر□ل□ مسلمان □ بھائی بھائی ہیں ا□ مسلمان دوسرے مسلمان □□ظلم کرسکتا ہے □□وقت اس کی مدد سے د□کش ہوسکتا ہے اور □اس کو حقیر کرسکتا ہے اس کے بعد آپ نے سینہ کی طرف □□راشارہ کر کے فرم□ کہ اصل تقوی یہاں ہے □ائی کے لئے □اتنی ہی□ت کافی ہے کہ اپنے کسی بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے□درکھو کہ ہر مسلمان □را کا□را قا□ احترام ہ□ ہے اس کی جان بھی، اس کا مال بھی، اور اس کی آ□و بھی □مسلم شریف□ اب وقت آ گیا ہے کہ تمام خود غر□یوں اور مصلحتوں سے او□اٹھ کر ملت اسلامیہ کے اتحاد میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور ا□ا□طاقت بنائی جائے جس کو قرآن□ک نے بنیان □صوص□سیسہ پلائی ہوئی د□ار□ سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ا□ف وافتراق سے بچنے اور اتحاد و اجتماعیت کی ز□گی □ارنے کی توفیق بخشے آمین۔

بتان ر□ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
□تورانی رہے □قی ، □ا□انی ، □ افغانی

□علا□ اقبال□

□ □ □

خودکفا سے خودکشی

از ڈاکٹر ا فاروقی
-گا ی روڈ، دہرہ دون

د کے دس امیر ارب پتیوں میں سے کا تعلق ہندو ن سے ہے ملک میں ہری سرمایہ کی ڑھ آئی ہوئی ہے بیرونی زرمباد میں ار ں ڈالر اکٹھا ہیں ہماری کمپنیاں اور سرمایہ دار بیرونی ممالک اور رو کی صنعتیں ی رہے ہیں ای تصوی یہ ہے، اور یہ بھی ا تصوی کا حصہ ہے کہ یہاں کا %70 عوام شدی بیماری کی حا میں ز گی ار ہے ہے زہ سروے میں کہ دیہات کے عوام سے رو روزا ز گی ار رہے ہیں اور اِن کی تعداد کم از کم کل آ دی کا ہے۔ یہاں مہنگائی لگا ر ھ رہی ہے، بجٹ کے بعد سے روزا ضرورت کی اہم اشیاء میں %20 کی ھو ی ہوئی۔ آٹا، دال، چاول، نے کا ب کا ب روزا کے حساب سے مہنگا ہوا ہے۔ م یہ کہ سرکار اور بین الاقوامی ادارہ حالات بگڑنے، ج کی بین الاقوامی پیداوار کم ہونے، گیہوں چاول و ہ ضروری چیزوں کی کمیا اور کمی متنبہ کر رہے ہیں۔ بتا جا ہے کہ آ دی ھ رہی ہے ماحو ت کا بگ اس کے لئے ذ دار ہے و ہ و ہ، اصل حقائق دہ ڈالا جا ہے۔ قابل غور ت یہ ہے کہ ء سے ء ب آ دی آج کی آ دی کا صرف %10 تھی۔ ب صرف بھارت میں را کال قحط ا سے ء ب بیس رسو ا اور بیس لاکھ لوگ بھکمری کا شکار ہوئے۔ اس ت کو بھی چھپا جا ہے کہ ء میں ہمارے یہاں ج کی پیداوار سالا لاکھ ٹن تھی ء میں لاکھ ٹن ہوگئی۔ د بھر میں گیہوں کا ا ک ملین میٹرک ٹن ہے ج ء میں ملین میٹرک ٹن تھا۔ چاول آج ملین میٹرک ٹن ہے جبکہ ء میں ملین میٹرک ٹن تھا۔ بہت سا سوال پیدا یہ ہو ہے کہ پیداوار کم کیوں ہو رہی ہے؟ اس میں کون کون سے عوامل کارفرما ہیں؟ خوراک کی قلت مصنوعی ہے یا حقیقی؟ کیا یہ د کی ضرورت کیلئے کافی ہے؟ کیا

اس قلت پیداوار کے لئے

حکومتوں کی زرا کم جیح زرا میں سرمایہ دارا استحصالی ذہنیت کی کارفرمائی افسروں کی چور وں کی منافع خوری اور ذخیرہ ا وزی زرا میں ضروری طور ں، مصنوعی داور کیڑے مارا دیات کا استعمال ٹھیکہ کا Contract forming لوگوں کے مقابلہ کم خوشحال لوگوں کے ذریعہ دہ غریب نچ گنا دہ ج کی کھپت روایتی ج کی کھیتی کے بجائے نقد فصلوں کی طرف حکومتوں کی طرف سے پیدا کیا گیا رجحان ماحو تی آلودگی غذائی اجناس کا بطور ایندھن استعمال و ہ و ہ اہم عوامل ہیں جنھیں نظرا از کر کے بلکہ جان جھ کر چھپا کر صرف آ دی کے سر ا پھوڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ہمارا ملک ہی د بھر کی آ دی کا 75% دیہاتوں میں رہتا ہے عالمی بینک کے چیف ا مسٹ فرینکوس اوران کی ربسر زرا ہی ہے۔ اگ راس آ دی کا حصہ مجموعی قومی پیداوار میں کم سے کم ہو ہے۔ ء میں 36.4% تھی اور ء میں لگ بھگ آدھی 18.5% رہ گئی ہے۔ جبکہ مات سروس اور صنعت کی حصہ داری 39% اور 19% ہوگئی ہے۔ ء سرکاروں کی جیح میں زرا بہت نیچے چلی گئی رہوکر اب عالمی بینک کو بھی کہنا اکہ زرا 4% کل بجٹ کے مقابلہ دہ چ کرنے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی زرعی ا ہی ٹیکس کم کرنے کی ضرورت بھی ہے۔ حکومتوں نے زرعی میدان میں ہر حصہ میں کم چ کیا ں مصنوعی دو ہ بسڈی دی کیونکہ اس میں ے سرمایہ داروں کا فا ہ ہ ہے۔ جبکہ اس د کے استعمال نے اب اپنے ے نتائج د نے شروع کر دیئے ہیں۔ فوڈ لیسی کے ح کارد یندر شرما کا کہنا ہے کہ آج کی پیداوار سے ہم سلین لوگوں کی ضرورت ری کرسکتے ہیں، جبکہ آج آ دی سلین ہی ہے۔ اس کے لئے ہمیں سی بحرانوں سے نجات مشینی کرن اور وی دوں کا استعمال کم کر ہوگا روایتی طریقہ کی کھیتی کو اپن ہوگا تو آج بھی ہم اس سطح سے گنا دہ پیداوار کر سکتے ہیں۔

وی د کے نقص ت

آج ہمارے ملک میں اوسطاً کلو دفی ٹر استعمال کی جاتی ہے، پنجاب اور ہر میں

اوسطاً رکلوگرام فی ہیکٹر ہے، جبکہ مدھیہ پردیش میں کلوگرام فی ہیکٹر ہے۔ آج ان کے اس ادھا دھند استعمال سے صحت، ماحولیات، مٹی کے زرخیزی اور لاکھوں ہر چیز ہے۔ اس ادھا دھند استعمال سے زمین شور ہو رہی ہے۔ آج ملک میں کروڑ ہیکٹر زمین بنجر ہو چکی ہے۔ مدھیہ پردیش میں اس کا استعمال زیادہ پھر بھی وہاں ء میں ہزار ہیکٹر زمین بنجر تھی وہ ء میں بڑھ کر ہزار ہیکٹر ہو گئی۔ کیمیاوی کھادیں زمین کا پانی جذب کرتی ہیں نتیجتاً زیادہ سینچائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مٹی زیادہ شور ہوتی جاتی ہے اور اس کی زرخیزی کم ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ء سے گیہوں اور چاول کی پیداوار میں 3.47% اور 3.10% کی بڑھوتری درج کی گئی تھی جو ء کی دہائی میں 2.21% اور 92%. کم ہو گئی۔ جبکہ اس عرصہ میں کیمیاوی کھاد کا استعمال 30% بڑھ گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر کیمیاوی کھاد پیداوار کی کنجی ہے تو شرح پیداوار اور بڑھنی چاہیئے تھی۔ کیمیاوی کھاد سے زمین میں N.P.K. کا تناسب بگڑ گیا ہے اور زنک جیسے ضروری معدنیات کی کمی آ گئی ہے۔ نائٹروجن کی زیادتی مٹی میں فاسفورس کی بھی کمی کر رہی ہے۔ ماہرین بتا رہے ہیں کہ کیمیاوی کھاد کے استعمال کے ذریعہ حاصل کیا گیا جینی تبدیلی اور Blue baby جیسی سنگین بیماریوں کی وجہ بن رہا ہے۔ بچوں میں Blue baby بیماری پیدا ہونے کی اہم وجہ بتا جاتا ہے۔ (ڈاکٹر سنیل شرما، شاہ ٹائمس ء)

آبپاشی، زراعت کے لئے زندگی کا سامان ہے۔ اس پر کتنا خرچ کیا جاتا ہے، اسے اس سے سمجھ لیجئے کہ ء کے بجٹ میں بارانی زمین کی ترقی اور لاکھ ہیکٹر زمین کو سینچائی کے لئے کل کروڑ اور کروڑ روپیہ خرچ کئے جائیں گے۔ پچھلے پچاس سالوں سے قابل آبپاشی زمین کا 30% حصہ ہی آبپاشی منصوبوں کے تحت لایا گیا ہے۔ باقی 70% بارش کے قدرتی پانی پر ہی منحصر ہے۔ اس سے یہ صاف عیاں ہے کہ قابل کاشت زمین کی 30% کو ہی سینچائی کی سہولت پہنچا کر ہم اپنی ضرورت سے فاضل اناج پیدا کر سکتے ہیں، تو سارے رقبہ کو سینچائی کی سہولت بڑھا کر کتنا اناج پیدا کیا جا سکتا ہے؟

نقد فصلوں کا جان لیوا لالچ

زراعت کی پالیسیاں بنانے والوں نے بقول ڈاکٹر دیویندر شرما نقد آمدنی اگانے پر زیادہ زور دینا شروع کیا۔ اس طرح سبزیوں، پھولوں، پھلوں، جڑی بوٹیوں کی پیداوار بڑھی ہے اور

ے کسانوں نے گیہوں، چاول، دال، ہن کی ائی کم کردی ہے۔ پیداوار کم ہونے سے قیمتیں ھ رہی ہیں اور ملک ج میں خودکفا کے بجائے غذائی انحصار کی غلامی کی طرف ھ ھ ہے۔ ڈاکٹر د یندر شرمانے . بی کو بتا کہ ی طا ں اور عالمی ما تی اداروں نے اسی نقد فصل کے غ د کرلاطینی ا یکہ کو روایتی فصلوں سے دور کرکے ا یکہ، آ یلیا کا غلام بنا اور یہی کام تیسری د کے بقیہ مما لک میں کیا جا ہے کہ ہم نقد فصل اگا کر ڈالر کمائیں اور ڈالر سے ا یکہ آ یلیا، ڈا، کر سے گیہوں اور ا یکہ، تھائی لینڈ سے ا ونیشیا سے چاول اور ا ونیشیا سے م آئیل ۔ ا ت یہ ہے کہ ا طرف تو ہماری حکومت ے زوردار طریقہ سے تو ئی میں خودکفا اور پیدا کرنے والے اکثر مسلم مما لک کی ”بلیک میل“ سے آزادی کے لئے ا یکہ سے نیوکلیر تو ئی کا معاہدہ کررہی ہے، ویتنام، میانمار سے اور گیس کے سودے ہورہے ہیں وہیں دوسری طرف غذائی اجناس ا جال میں پھنس رہی ہے جو کہ سیدھے سیدھے ا یکہ، آ یلیا اور ڈا کی غلامی کی طرف پہنچا ہے۔ ظاہر ہے ا پٹرول کے ذریعہ بلیک میل کیا جاسکتا ہے تو کیا گیہوں اور چاول اور نے کا اس سے ز دہ مو بلیک میل کے ذرائع ہوسکتے یہ کہ گوروں کی غلامی کی عادت ہمیں ابھی گئی ہے؟

غذائی لیسی

ہمارے ملک میں تقریباً کروڑ روپیہ تقریباً اتنی ہی رقم جتنی ملک کے کروڑوں کسانوں سے معاف کی جائے گی ملک کی غذائی اجناس، ں، پھل اور دوسری خوردنی اشیاء ہر سال اس لئے ضائع ہوجاتی ہیں کیونکہ ا ذخیرہ کرنے کے لئے منا تعداد میں گودام، کولڈ ا ریج اور پیداوار کو منڈی لے جانے کا منا انتظام ہے۔ یہ ت متعلقہ وزارت کے وز دھ کا سہائے نے وَس میں بتائی۔ ا طرف تو حکومت ہے کہ وہ عام آدمی کے بہبود کے لئے بند ہے دوسری طرف اس کا نوا سڑ، گل جانے د جا ہے۔ ضائع ہونے سے جانے والی مقدار کا صرف 2% خوراک کو ہی ہم ڈ بند وَس Process کر تے ہیں، جبکہ ملیشیا چھوٹا ملک اپنی 80% خوردنی اشیاء کو ڈ بند کر ہے۔ فلپائن، ازیل اور تھائی لینڈ جیسے چھوٹے مما لک بھی لترتیب 78%، 70%، 30% غذائی اشیاء کو ضائع ہونے سے بچا کر ڈ بند کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ خوراک کی ڈ بندی کی صنعت ہماری مجموعی

پیداوار کا 5.5% ہے اور اس میں لاکھ لوگ کام کرتے ہیں اس کو فروغ جائے اور کولڈ اسٹوریج و گودام و ے پیمانہ تعمیر کرائے جائیں تو کسانوں کو اور چھوٹے صنعت کاروں اور مقامی آ دں کو فائدہ ہوگا۔ اب یہ ساری سہو جن، آڑھتی اور کمیشن ایجنٹ کے س ہے وہ فصل کے وقت اونے نے مٹی کے داموں فصل کر گودام بھر ہے اور دو روپیہ کلو آلو کلو روپیہ کلو بیچتا ہے۔ سے ہماری سرکار نے یہ کار ر بیرونی سرمایہ داروں کے لئے کھولا ہے حالات اور بھی اب ہو گئے ہیں۔ بیرونی ا یکی کمپنی کارگل نے ہند نی گیہوں ہندو ان میں کرا ر کر کے روپیہ کلو والا گیہوں روپیہ کلو بنگلہ دیش و ہ کو بیچا۔ یہاں کہ پنجاب، ہر کی منڈ اں اور کے ا ا اں نے بھارت سرکار کی ک میں دم کر FCI۔ کو گندم فرو کرنے کے بجائے کسان کارگل کو اور دوسری ی کمپنیوں کو گندم فرو کرر ہے تھے۔ اور اس ے تجر سے ہماری طا رحکومت ابھی سے پھرڑی ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ ای د کو قا میں کر سکتے تو آپ نے اسے آزاد کیوں کیا؟ کیا اس لئے کہ وہ صرف غر اں کا ہی خون چوسے گا اور افسر تو اچھوتے ہی رہیں گے؟

زرا میں سرکاری لوٹ اور کرپشن

کسان اور چھوٹے کسان عموماً کم ھے لکھے ہوتے ہیں ان کو ہر سطح انتہائی کر سرکاری مشینری سے واسطہ ہے اور اور افسر مل جاتے ہیں تو کسان کی بیچارگی کا ا ازہ لگا مشکل ۔ قانون گو، پٹواری، آب شی محکمہ کے عملدار، تحصیل کے عملدار، بینکوں کا عملہ، ا کے کرپشن، ادھار لینے میں کرپشن غرضیکہ ری کتاب چا اس کینسر کے ا ات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے چھو سا ہے۔

غذائی اجناس کی تقسیم میں لوٹ اور کرپشن

منصو بندی کمیشن کے مطا رعایتی داموں مہیا کرائی جانے والی رعایتی داموں مہیا کرائی جانے والی غذائی اجناس کا 50% سے 80% غلط لوگوں کے تھوں میں پہنچ جاتی ہے۔ پچھلے سالوں میں ہمارے ملک میں کروڑ روپیہ کا رعایتی ج جو کہ رعایتی خ والی سرکاری دوکانوں کے ذریعہ تقسیم تھا قانونی طریقہ سے زار میں بیچ گیا۔ گندم

53.3% اور 39% صرف .U.P میں - ء میں کروڑ روپیہ کا گندم برد کیا گیا۔ Org- Marg اور Nc.A.C.R. کے سروے میں بتایا گیا کہ سے غریب - کروڑ عوام کے لئے مخصوص رعایتی اناج کی سہولت غیر قانونی طریقہ سے تقریباً اس کا 40% ہڑپ کر جاتا ہے۔ آندھرا پردیش میں بہت مشہور چاول گھوٹالہ وزراؤں اور افسروں نے کیا تھا جس میں ہزاروں ٹن غریبوں کا چاول ان تک پہنچنے کے بجائے دوبارہ حکومت کو ہی مارکیٹ میں فروخت کردیا گیا تھا۔ (ٹائمس آف انڈیا ء)

غذائی اجناس کے استعمال میں مشرق ومغرب کا فرق

شمالی امریکی ممالک میں سالانہ ایک آدمی کی اناج کی کھپت کلوگرام، یورپ میں کلوگرام اور برصغیر ہندوپاک میں کلوگرام ہے۔ ڈاکٹر دیویندر شرما کا کہنا ہے کہ اگر ایشیا کا مڈل کلاس بھی امریکہ اور یوروپ کی طرح غذائی اجناس استعمال کرنے لگے تو کیا حشر ہوگا؟ انسان تو انسان امریکہ کی گائے بھی اس معاملہ میں بہت آگے ہے۔ اوسط ہندوستانی کسان 1.4 ہیکٹر زمین میں زندگی گذارتا ہے، جبکہ یوروپ اور امریکہ میں ایک گائے کیلئے چارہ اگانے کیلئے کسان کے پاس اوسطاً دس ہیکٹر زمین مہیا ہے۔ مغربی تہذیب کے صارف کلچر Consumerism کی وجہ سے دنیا میں پائے جانے والے وسائل کی لوٹ میں ہی مغربی کلچر ہے کہ ''خوب کماؤ موج اڑاؤ'' نتیجتاً جہاں یہ لوگ دنیا میں اناج، بجلی، پانی، پٹرول، دودھ کا دنیا میں سب سے زیادہ استعمال کرتے ہیں اس کے نتیجہ میں زہریلی گیس اور ماحول کو کم کرنے والی گیس اور زہریلے مادہ خارج ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے زمین، پانی، سمندر کا پانی، ہوا، ماحول، فضا، گلیشیر، فضائی درجہ حرارت سب ہر طرح متاثر ہوتا ہے اس کے نتیجہ میں سیلاب، سوکھا، فصلوں کی بیماریاں لاحق ہوا اور درجہ حرارت فصلوں کو چوپٹ کررہا ہے، مغربی تہذیب اور ان کے ایشیائی ترقی یافتہ ایجنٹ اور کسیلے پھل دیکھ کر بھی صارف کلچر کو ہوا دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ امریکہ نے قانون بنایا ہے کہ مکا سے بنا Ethanol گاڑیوں کے ایندھن کے لئے 15 ارب گیلن کی مقدار میں تیار کیا جائے گا۔ اس کے لئے ملین میٹرک ٹن مکا Corn درکار ہوگا۔ زرعی اپنی پکڑ بنانے کے لئے ان تمام یوروپ ملکوں اور امریکہ، آسٹریلیا نے کسانوں کو سبسڈی کا کھیل شروع کررکھا ہے۔ امریکی زرعی ہر سال ارب ڈالر کی سبسڈی دیتا ہے۔ وہاں کا کسان

1.2 ارب ڈالر کا چاول پیدا کرتا ہے اس کو 1.4 ارب ڈالر سرکار بطور سبسڈی دیتی ہے۔ ایسے میں غریب ملک کا کسان ان کا مقابلہ کہاں کرسکتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کی تنظیم O.E.C.D اپنے کسانوں کو ارب ڈالر کی سبسڈی دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے غریب ممالک کے کسان کے لئے کھیتی فاقہ ہوجاتی ہے وہ مزدوری کرتا ہے نقد فصل اگاتا ہے اور خودکشی کرتا ہے۔ ایک سال میں صرف چھتیس گڑھ میں کسانوں نے خودکشی کی۔ مہاراشٹر میں سالوں میں خودکشی کرنے والے کسانوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔

''کسانوں کو کروڑ کی قرض معافی پر ہنگامہ مچانے والے سرمایہ دار اور ان کا میڈیا یہ نہیں بتاتا کہ بڑے کاروباری گھرانوں کے اربوں روپیہ کے قرض معاف ہوجاتے ہیں۔ سرکاری بینکوں کے ہزار کروڑ روپیہ بڑے کاروباری گھرانوں کے قرض کی شکل میں ڈوب چکے ہیں۔ ان بڑے گھرانوں کو کارپوریٹ ٹیکس، انکم ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی میں رعایتوں کے ذریعہ مرکزی سرکار کو سال - میں کروڑ روپیہ اور سال - ء میں کروڑ روپیہ گنوانے پڑے۔ سرکار جتنا ٹیکس وصول کرتی ہے اس کا تقریباً آدھا گنوا دیتی ہے۔ اس پر ہمارا میڈیا کبھی ہنگامہ نہیں کرتا اور نہ ماہر کرتے ہیں۔ سرکار کا کل کروڑ روپیہ ٹیکس بقایا ہے جو وصول نہیں کیا جاتا ہے۔ سرکار نے ترقی کی مد میں کل کروڑ روپیہ رکھے ہیں اس میں تقریباً آدھا دفاع کے لئے کروڑ روپیہ ہے۔ ترقی میں قرضہ کی ادائیگی، سرکاری زمین کا خرچہ، سبسڈی، پنشن شامل ہے۔ UPA سرکار نے تعلیم، صحت، زراعت اور دیہی ترقی کے لئے پیسہ کی کمی کا رونا رویا اپنے پانچ بجٹ میں پہلے بجٹ کروڑ سے بڑھا کر کروڑ روپیہ کردیا۔ چار سالوں میں دفاعی بجٹ میں 76% کی ترقی ہوئی۔ بجٹ کا 46% ہتھیاروں کی خریداری کے لئے ہے۔ UPA سرکار نے پانچ سالوں میں صرف ہتھیاروں کی خریداری دفاع زراعت کے بجٹ کا چھ گنا، صحت کا چار گنا اور تعلیم کے ڈیڑھ گنا سے زیادہ خرچ کیا ہے۔ صاف ہے کہ UPA سرکار کے لئے زراعت، صحت، تعلیم سے بڑھ کر ہتھیاروں کی خریداری ہے۔ کیا ہتھیاروں کے لئے یہ دلچسپی سودوں میں ملنے والی دلالی کے چھپائی سرکار سے زیادہ اپنے آپ کو دیش بھگت ثابت کرنے کے لئے۔ وجہ چاہے جو بھی ہو ہتھیاروں سے عشق کی صحت، تعلیم اور زراعت کو چکانی پڑی ہے۔'' آخری سمے وقت میں ''گنگا ن''- آ دھان، جن ء

جوحکومت ارب روپیہ کی لاگت سے صرف V.V.I.P جہاز، تقریباً ارب روپیہ کی لاگت سے سال سے بیکار ے روسی جہاز، چا سال انے ا یکی طیارہ دار جہاز کو رہی ہے اسے اپنے لوگوں کا پیٹ بھرنے کے لئے سستے اور قابل حصول داموں بنیادی غذائی ضرورت گندم، چاول، ، دالیں مہیا کرانے میں نی کیوں ہے؟ ار ں ڈالر ہم ا یکہ، اسرائیل اور روس کے ا میں کیوں بھر رہے ہیں؟ ملک ہمیشہ ہتھیاروں سے ہی مضبوط ہو اس کے لئے خوشحالی، مضبوط عوام ہی آ ی امید ہوتے ہیں۔ ویتنام، افغانستان اور خود ہمارے ملک کا تجر یہی بتا ہے۔ ا عوام ساتھ ہوں تو ہتھیار کیا کر گے؟

رگ صحافی کلد یر کہتے ہیں ''قی کا مقصد یہ ہو چاہئے کہ اس کا فا ہ امیر غری ب کو ں پہنچے۔ منموہن سنگھ کا کردہ متبادل کوئی متبادل ہے یہ کھلا استحصال ہے۔'' راشٹریہ سہار

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۹۲ | رجب ۱۴۲۹ھ مطابق جولائی ۲۰۰۸ء | شمارہ: ۷

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپے، سالانہ -/۱۵۰ روپے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۸۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۲۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۲۰۰ روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبرشمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	نیٹ ورک مارکیٹنگ...	مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۶
۳	عورتوں کیلئے قرآنی دینی تعلیم کی اہمیت	محمد اسماعیل طورو	۲۸
۴	برصغیر میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اولین نقوش	محمد حذیفہ وستانوی	۳۴
۵	دہشت گرد-کون، کیوں، کیسے؟	جناب غلام رسول دیشمکھ	۴۳
۶	بچوں کیلئے آدھا گھنٹہ آفس کیلئے ساڑھے بارہ گھنٹہ	ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی	۴۷
۷	حامیانِ اُردو کی خدمت میں...	الحاج حافظ منشی عبدالغفور	۵۲

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمن اعظمی

سیاسی بول چال میں جب کبھی ''اقلیت'' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ریاضی کے عام حسابی قاعدے کے مطابق انسانی افراد کی ہر ایسی تعداد جو ایک دوسری تعداد سے کم ہو لازمی طور پر ''اقلیت'' ہوتی ہے اور اسے اپنی حفاظت کی طرف سے مضطرب ہونا چاہئے، بلکہ اس سے مقصود ایک ایسی کمزور جماعت ہوتی ہے جو تعداد اور صلاحیت، دونوں اعتباروں سے اپنے کو اس قابل نہیں پاتی کہ ایک بڑے اور طاقتور گروہ کے ساتھ رہ کر اپنی حفاظت کیلئے خود اپنے اوپر اعتماد کرسکے، اس حیثیت کے تصور کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ ایک گروہ کی تعداد کی نسبت دوسرے گروہ سے کم ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ بجائے خود کم ہو اور اتنی کم ہو کہ اس سے اپنی حفاظت کی توقع نہ کی جاسکے، ساتھ ہی اس میں تعداد (Number) کے ساتھ نوعیت (Kin) کا سوال بھی کام کرتا ہے، فرض کیجئے ایک ملک میں دو گروہ موجود ہیں ایک کی تعداد ایک کروڑ ہے دوسرے کی دو کروڑ ہے، اب اگرچہ ایک کروڑ دو کروڑ کا نصف ہوگا اور اس لئے دو کروڑ سے کم ہوگا، مگر سیاسی نقطۂ خیال سے ضروری نہ ہوگا کہ صرف اس نسبتی فرق کی بنا پر ہم اسے ایک اقلیت فرض کرکے اس کی کمزور ہستی کا اعتراف کرلیں اس طرح کی اقلیت ہونے کیلئے تعداد کے نسبتی فرق کے ساتھ دوسرے عوامل (Factor) کی موجودگی بھی ضروری ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اس لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حقیقی حیثیت کیا ہے؟ آپ کو دیر تک غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، آپ صرف ایک ہی نگاہ میں معلوم کرلیں گے کہ آپ کے سامنے ایک عظیم گروہ اپنی اتنی بڑی اور پھیلی ہوئی تعداد کے ساتھ سر اٹھائے کھڑا ہے کہ اس کی

نسبت ''اقلیت'' کی کمزوریوں کا گمان بھی کرنا اپنی نگاہ کو صریح دھوکہ دینا ہے اس کی مجموعی تعداد ملک میں اٹھارہ، بیس کروڑ سے کم نہیں ہے۔ وہ ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح معاشرتی اور نسلی تقسیموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے، اسلامی زندگی کی مساوات اور برادرانہ یک جہتی کے مضبوط رشتے نے اسے معاشرتی تفرقوں کی کمزوریوں سے بہت حدتک محفوظ رکھا ہے، بلاشبہ یہ تعداد ملک کی پوری آبادی میں ایک چوتھائی سے زیادہ نسبت نہیں رکھتی، لیکن سوال تعداد کی نسبت کا نہیں ہے خود تعداداور اس کی نوعیت کا ہے کیا انسانی مواد کی اتنی عظیم مقدار کے لئے اس طرح کے اندیشوں کی کوئی جائز وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک آزاد جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی خودنگہداشت نہیں کرسکے گی؟

چنانچہ مولانا آزاد نے اس حقیقت کو ان لفظوں میں واضح کیا ہے:

''میں مسلمان ہوں، اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے؛ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری راہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر حامل (Factor) ہوں میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا۔

ہندوستان کے لئے قدرت کا یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف نسلوں مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل بنے، ابھی تاریخ کی صبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہوگئی اور پھر ایک کے بعد ایک سلسلہ جاری رہا۔ اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی اور اس کی فیاض گود نے سب کیلئے جگہ نکالی، ان ہی قافلوں میں ایک آخری قافلہ ہم پیروانِ اسلام کا بھی تھا، یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشانِ راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا

اور ہمیشہ کے لئے بس گیا، یہ دنیا کی ''مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملان تھا یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے، لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا، ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا اس دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کے ڈھالنے کا کام شروع کر دیا۔

ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے، یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کر دی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیئے ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی، ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیام پہنچا دیا۔

تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعے پر گذر چکی ہیں، اب اسلام اس سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ رکھتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب کا ہے اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے۔

ہماری گیارہ صدیوں کی مشترک (ملی جلی) تاریخ نے ہماری ہندوستانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے تعمیری سامانوں سے بھر دیا ہے، ہماری زبانیں ہماری شاعری، ہمارا ادب، ہماری معاشرت، ہمارا ذوق، ہمارا لباس، ہمارے رسم ورواج ہماری روزانہ زندگی کی بے شمار حقیقتیں کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر اس مشترک زندگی کی چھاپ نہ لگ گئی ہو، ہماری بولیاں الگ الگ تھیں مگر ہم ایک ہی زبان بولنے لگ گئے، ہمارے رسم ورواج ایک دوسرے سے بیگانہ تھے مگر انھوں نے مل جل کر ایک نیا سانچہ پیدا کر لیا، ہمارا پُرانا لباس تاریخ کی پرانی تصویروں میں دیکھا جاسکتا ہے مگر اب وہ ہمارے جسموں پر نہیں مل سکتا، یہ تمام مشترک سرمایہ ہماری متحدہ قومیت کی ایک دولت ہے اور ہم اسے چھوڑ کر اس زمانے کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے، جب ہماری یہ ملی جلی زندگی شروع نہیں ہوئی تھی، ہم میں اگر ایسے ہندو دماغ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک ہزار برس پہلے کی ہندو زندگی واپس لائیں، تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ کبھی پورا ہونے والا نہیں۔

❁ ❁ ❁

نیٹ ورک مارکیٹنگ
اقتصادی اور اسلامی نقطۂ نظر

از: مولانا اشتیاق احمد قاسمی
دارالعلوم حیدرآباد

آج کے ترقی یافتہ دور میں ایجادات واختراعات کی کمی نہیں، مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نت نئی تبدیلیاں ہورہی ہیں، تجارت ومعیشت کے فروغ کی بے شمار صورتیں وجود میں آگئی ہیں، جب کوئی نئی شکل سامنے آتی ہے تو اسے اختیار کرنے، یا نہ کرنے کے لیے ہر مسلمان جواز اور عدمِ جواز سے متعلق معلومات چاہتا ہے؛ کیوں کہ ان کی تعیین کے بغیر عملی زندگی میں ایک قدم چلنا بھی مشکل ہے، اہلِ فقہ وفتاویٰ کے لیے ان احکام کا بتانا تو مشکل نہیں ہوتا، جو قرآن، حدیث اور فقہ میں صراحت کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں، لیکن تغیر زمانہ کی وجہ سے جو نئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں، ان کا شرعی حکم بتانا، ذرا مشکل ہوتا ہے؛ اس لیے کہ حلت وحرمت کی تعیین کے لیے پہلے علت معلوم کرنی ہوتی ہے، یا نظائرِ فقہیہ کو دیکھ کر علتِ مشترکہ کی بنیاد پر حکم لگایا جاتا ہے، یہ بہت ہی نازک مرحلہ ہے؛ اس لیے کہ جس طرح کسی حرام کو حلال کہنا جائز نہیں، اسی طرح کسی حلال کو حرام کہنا بھی درست نہیں ہے، اس موڑ پر مسئلہ بتانے والا واقعتاً اپنے کو جنت اور جہنم کے درمیان محسوس کرنے لگتا ہے۔

معیشت کے انھیں جدید طریقوں میں نیٹ ورکنگ (Net working) طریقہ آج کل بہت عام ہورہا ہے، پہلے تو کمپنیاں کم تھیں، لیکن آج کل مختلف کمپنیاں اپنے کاروبار کو اس انداز پر پھیلا رہی ہیں، دارالافتاء میں اس طرح کے سوالات کثرت سے آرہے ہیں کہ ان کمپنیوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا ان میں شرکت جائز ہے یا ناجائز؟ زیرِ قلم مقالہ میں اسی سے متعلق تفصیلی بحث پیش کی جارہی ہے، اس کی شرعی عقلی اور معیشتی حیثیت پر بحث کرنے سے پہلے اس طریقۂ تجارت کا تعارف پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تعارف:

''نیٹ ورک مارکیٹنگ'' یہ انگریزی تعبیر ہے، اس کا اردو ترجمہ ''بچھے ہوئے جال نما تجارت'' سے کرسکتے ہیں، اس تجارت میں ایک آدمی کمپنی کا ممبر بنتا ہے، پھر چند دوسروں کو ممبر بناتا ہے، پھر یہ سب بہت سارے لوگوں کو اپنے تحت ممبر بناتے ہیں تو ایک دوسرے سے سلسلہ وار ملی ہوئی تجارت کی یہ صورت ''جال'' کے مشابہ ہوجاتی ہے، اسے ملٹی لیول مارکیٹنگ (Multi Level Marketing) بھی کہتے ہیں، اس کو اردو میں ''مختلف السطح تجارت'' کہہ سکتے ہیں: اس لیے کہ اس میں ہر ممبر کی سطح اور اس کی حیثیت برابر نہیں ہوتی: بلکہ جو پہلے شامل ہوتے ہیں، ان کی اونچی، زیادہ نفع بخش اور بعد والے کی اس سے نیچی اور کم نفع والی سطح ہوتی ہے، اس میں پرامیڈ اسکیم (Pyramid scheme) کے نظریہ کے مطابق کام ہوتا ہے، پرامیڈ ''مخروطی'' اور ''اہرامی'' شکل کو کہتے ہیں، یعنی گاجر مولی کو اُلٹ کر جو صورت بنتی ہے، وہی شکل اس کی ہوتی ہے، یعنی پہلے ایک ممبر ہوتا ہے، پھر اس سے متصل ممبران بڑھتے اور پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ کمپنی کی مصنوعات کھلی مارکیٹ میں فروخت نہیں ہوتیں: بلکہ جو شخص کمپنی کا ممبر بنتا ہے، اسی کو کمپنی کی مصنوعات فراہم کی جاتی ہیں، خریدار کو خریدی ہوئی اشیاء تو ملتی ہیں، ساتھ ہی کمپنی اس کو ترغیب دیتی ہے کہ آپ اپنے تحت مزید ممبر بنائیے، کمپنی کا سامان فروخت کرنے میں تعاون کیجیے، لہٰذا خریدار جن لوگوں کو ممبر بناتا ہے، اور کمپنی سے سامان خریدنے کے لیے آمادہ کرتا ہے، اس پر کمپنی کمیشن (Commission) دیتی ہے، پھر یہ کمیشن صرف ان خریداروں تک محدود نہیں رہتا، جن کو اس نے خریدار بنایا ہے: بلکہ اس کے ذریعہ بنے ہوئے خریداروں سے آگے جتنے خریدار تیار ہوئے ہیں، ان کی خریداری پر بھی پہلے شخص کو کمیشن ملتا رہتا ہے، اور مرحلہ وار یہ سلسلہ بہت آگے تک چلا جاتا ہے، مثال کے طور پر اگر پہلے مرحلہ میں دو ممبر بنے، پھر ہر ایک نے دو دو لوگوں کو ممبر بنایا تو دوسرے مرحلہ میں چار ہوگئے، پھر ہر ایک نے دو دو ممبر بنائے تو تیسرے مرحلہ میں آٹھ ہوگئے، پھر ہر ایک نے دو دو ممبر بنائے تو چوتھے مرحلہ میں ممبروں کی تعداد سولہ تک پہنچ گئی، پہلے ممبر نے صرف دو ممبر خود بنائے تھے لیکن اس کو دوسرے تیسرے اور چوتھے مراحل میں بنے ہوئے سولہ ممبروں کی خریداری تک کا کمیشن ملتا رہے گا اور یہ سلسلہ آگے بھی بڑھے گا، وضاحت کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ ہو:

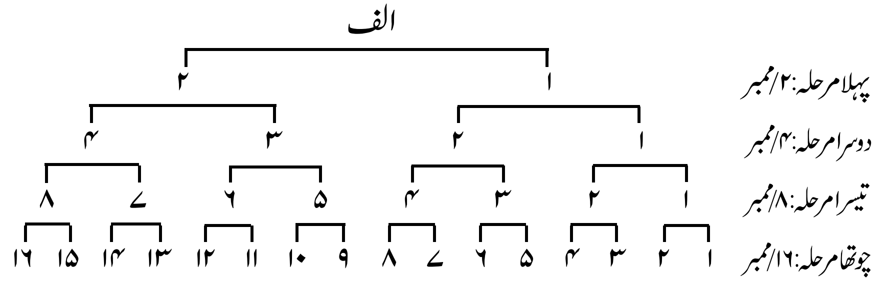

درج بالا نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرحلہ میں ممبران کی تعداد اس سے اوپر کے مرحلہ کے مقابلہ میں دوگنی ہوتی ہے، اور آخری مرحلہ کے ممبران کی تعداد اوپر کے تمام مرحلوں کے ممبران کی مجموعی تعداد سے بھی کچھ بڑھی ہوئی ہوتی ہے، جیسا کہ مذکورہ نقشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ چوتھے مرحلہ میں ممبران کی تعداد سولہ ہے جب کہ اوپر کے سارے ممبران کی تعداد چودہ ہی ہے، اس طرح مجموعی تعداد تیس ہوگئی، اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو دسویں مرحلہ میں ممبروں کی تعداد ایک ہزار چوبیس (۱۰۲۴) اور کل ممبران کی تعداد دو ہزار چھیالیس (۲۰۴۶) ہو جائے گی۔

اس طرح نیچے کے ممبروں کی خریداری کا کمیشن اوپر والے کو ملتا رہے گا، کمپنی کی ماہانہ خریداری جس طرح بڑھتی ہے، اسی طرح ممبروں کو دیے جانے والے کمیشن میں بھی ضابطہ کے مطابق فی صدی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اور اس اضافہ کی حد بعض کمپنیوں میں متعین ہوتی ہے، مثلاً ایموے (Amway) میں اکیس فی صد (21%) تک ہی کمیشن پہنچتی ہے؛ البتہ غیر معمولی کارکردگی ظاہر ہونے اور خریداری کی ایک مخصوص اونچی سطح پر پہنچنے کی صورت میں کمپنی متعینہ کمیشن پر کچھ رقم اعزازی طور پر رائلٹی (Royalty) کے نام سے دیتی ہے۔

اپنے تحت مطلق ممبر بنانا ہی کمیشن پانے کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ مخصوص تعداد کی شرط ہوتی ہے، مثلاً افراد کی مجموعی تعداد کم از کم نو اس طور پر ہونا کہ ہر مرحلہ میں کم از کم تین ممبر ہوں تب ہی کمپنی کمیشن جاری کرے گی، ایک بار کمیشن پا لینے کے بعد پھر نو ممبران کی زیادتی شرط ہوتی ہے۔ (سہ ماہی بحث ونظر ص:۱۶۵،۱۶۶) البتہ ہر کمپنی کے ضابطہ میں تعداد کا تفاوت ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔

اگر کوئی آدمی راست ممبر بننا چاہے تو بعض کمپنیوں میں اس کی اجازت نہیں ہوتی، اس کو بھی کسی کے تحت ہی ممبر بننا پڑتا ہے، اس طرح کی کمپنیوں میں اکثر ایسی ہی ہیں، جن کی مصنوعات

ممبر ہی کے توسط سے خرید ی جاسکتی ہیں، البتہ بعض کمپنیاں بغیر ممبر بنے بھی اپنی مصنوعات کے خریدے جانے کی سہولت دیتی ہیں، مگر رعایت ممبر ہی کے ساتھ خاص ہوتی ہے، ان کے یہاں بھی اوپر والے ممبران کو نیچے اور کافی نیچے والے ممبران کا کمیشن دینا اصول میں داخل ہوتا ہے۔

ممبر بننے کے وقت کمپنی کچھ سامان (ان کے بقول) رعایتی قیمت پر دیتی ہے، اور کچھ متعین روپے ممبری فیس، اور لٹریچر وغیرہ کا معاوضہ بتا کر لے لیتی ہے، رعایت کے نام پر جن پیسوں کو واپس کرنا چاہیے، درحقیقت انہیں کو فیس وغیرہ کے نام سے وصول کرلیتی ہے، گویا ضابطہ میں کمپنی کے پاس ممبر کا ایک روپیہ بھی نہیں رہتا جس کا وہ مطالبہ کرسکے۔

کمپنی میں ممبر شپ (Member ship) کی برقراری کے لیے سالانہ کچھ متعین رقم تجدیدی فیس کے طور پر ادا کرنی پڑتی ہے، اور بعض میں ہر مہینہ کم از کم سو روپے کا مال خریدنا شرط ہے؛ مثلاً R.C.M کمپنی۔

اس تجارت سے وابستہ لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عام طور پر مصنوعات کی تشہیر (Advertise) پر کافی اخراجات آتے ہیں، اس لیے کمپنی کی کوشش ہے، کہ جو رقم تشہیر پر خرچ ہوتی ہے، وہ اس کے بجائے خود گاہکوں (ممبروں) کو دی جائے، اس لیے ممبران کو کمیشن دیا جاتا ہے۔

حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے، اس لیے کہ یہ کمپنیاں تشہیر کے لیے لٹریچر چھاپتی اور تقریباً ہر ماہ ممبران کو بھیجتی ہیں، کیسٹ، اور سی ڈی بھی فراہم کرتی ہیں، ان کے علاوہ مختلف اوقات میں سیمینار کرواتی ہیں، کیا ان سب میں کچھ خرچ نہیں ہوتا؟ اگر مان لیا جائے کہ خرچ نہیں ہوتا تو ان کمپنیوں کے سامان نہایت سستے کیوں نہیں ملتے؟ یہ لوگ عام طور سے ٹھنڈے مشروب (Cold drink) کی مثال دیتے ہیں کہ اس میں ایک روپیہ صرفہ آتا ہے اور وہ دس روپے کے ملتے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو یہ کمپنیاں اپنے سامان کی قیمت بازاری بھاؤ سے دس گنی کم کیوں نہیں رکھتیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ممبر سازی کے ذریعہ روپے بٹورنے کے ڈھکوسلے ہیں، باقی کچھ نہیں۔

ہندوستان میں نیٹ ورک کمپنیاں:

ہندوستان میں غالباً سب سے پہلے ایموے انڈیا (Amway India) کمپنی ۱۹۹۵ء میں آئی، اور لوگوں کو اکٹھا کرکے بے تحاشا روپے بٹورنے لگی، اپنے ممبروں کو جلد سے جلد مالدار ہونے اور راتوں رات لکھ پتی بننے کا خواب دکھانے لگی، ۱۹۹۸ء میں یہ کمپنی بعض ذرائع سے

دیوبند کے عوام اور دارالعلوم دیوبند کے طلبہ میں متعارف ہوئی، اور بہت سے طلبہ جائز وناجائز کی تحقیق کیے بغیر، بظاہر جائز خیال کرکے اس کے جال میں پھنس گئے، ان میں بعض میرے احباب بھی تھے، اس کی شرعی صورت دریافت کرنے کے لیے میں نے اس کے تعارف نامے پڑھے اور پروگراموں میں کئی بار شرکت کی، مجھے چند بنیادی اشکالات ہوئے اور جواز پر انشراح نہیں ہوا، پھر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے جو عدمِ جواز کا فتویٰ شائع ہوا، تو اس کمپنی میں بلاسوچے سمجھے شریک ہوجانے والے ساتھیوں کو افسوس ہوا، مجھے اس بات پر زیادہ افسوس تھا کہ کمپنی نے ہرا باغ دکھلاکر کئی لاکھ روپے طلبہ کے ہاتھوں سے لے لیے تھے، یہ تذکرہ اس لیے کیا کہ اچھے اچھے لوگ اس طرح کی کمپنیوں کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں اور خاص کر بے روزگار نوجوانوں کے لیے ایسی کمپنیاں بہت ہی کشش کا باعث ہوتی ہیں، نوجوانوں کو جلد سے جلد کروڑ پتی بننے کا خواب نظر آنے لگتا ہے، اور نسخہ بھی اتنا آسان کہ جس میں نہ سرمایہ کاری کرنی پڑے اور نہ ہی زیادہ محنت ہو بلکہ بعض مراحل میں محنت بھی نہیں کرنی پڑتی اور سرمایہ تو کمپنی میں سرے سے باقی ہی نہیں ہے، گویا بے محنت و بے سرمایہ بہ عجلت مالداری کی ہوس دماغ میں بھرجاتی ہے۔

''ایموے انڈیا'' کے علاوہ آرسی، سی، ایم (R.C.M) وغیرہ دیگر کئی ناموں سے کافی تعداد میں کمپنیاں میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہیں، اور جلد مالدار ہونے کا جھانسا دے کر ناعاقبت اندیش افراد سے سرمایہ جمع کررہی ہیں، اسی وجہ سے گذشتہ سالوں میں (غالبًا ۲۰۰۶ء میں) روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد میں ہندوستان کے شعبۂ اقتصادیات کی طرف سے ایسی کمپنیوں کے دھوکے اور ضرر سے بچے رہنے کی تلقین وتاکید کی گئی تھی، اس لیے کہ ایسی کمپنیاں ملکی اقتصاد کے لیے زہرِ ہلاہل ہیں، ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے ''ایموے'' کا مالک سارے لوگوں کے پیسے جمع کرکے فرار ہوگیا تھا، جس سے اس کمپنی کے ممبران میں کافی تشویش پائی جارہی تھی، لیکن چند دنوں کے بعد ہی ازسرِ نو اس کمپنی نے سنبھالا لیا، تب جاکر ممبران کی جان میں جان آئی، اس لیے تعارف کراتے وقت اب اس کمپنی کا نام لینے میں وہ لوگ ہچکچاتے ہیں۔

دیگر ممالک میں:

''ملٹی لیول کمپنیاں'' ہندوستان میں تو بیسویں صدی کی آخری دہائی میں متعارف ہوئی ہیں، لیکن اس سے پہلے دیگر ممالک خاص کر یورپی ممالک میں یہ تجربہ کے مرحلے سے گذر چکی ہیں، خود

''ایموے'' کے پروگراموں میں بھی اس کی صراحت کی جاتی رہی ہے، تعارف کرانے والے اس انداز سے بیان بازی کرتے ہیں کہ جیسے یہ کمپنیاں ان ترقی یافتہ ممالک کو فیض یاب کرکے اب ہمارے ملک کو بھی فیض یاب کرنے آئی ہیں، حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اِن کو اُن ممالک سے راندۂ درگاہ کردیا گیا ہے، وہاں کے ماہرینِ اقتصادیات نے انھیں مسترد کردیا ہے اور چونکہ اس کے بنیادی ساخت (System) میں دھوکہ اور تجارتی چال بازی (Busness fraud) ہے؛ اس لیے دنیا کے بیشتر ممالک میں اس پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اور حکومتوں نے ان کے ضرر سے بچنے کی تلقین کی ہے، ان کے نعرے ضرور دلکش ہیں لیکن حقیقت میں پرفریب ہیں، انجام کار ساری رقوم ان کمپنیوں اور اداروں کے مالکان کی جھولی میں چلی جاتی ہیں، ممبران کو سوائے سراب اور دھوکہ کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

پڑوسی ملک پاکستان میں بھی ملٹی لیول مارکیٹنگ کی دھوکہ بازی، غیراخلاقی اور ناجائز لین دین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرکت سے گریز کرنے کی تلقین کی گئی ہے، تفصیل (SECP) کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ (بحوالہ سہ ماہی بحث ونظر ص:۳۶۱)

امریکہ میں اسی طرز کی ایک کمپنی اسکائی بزکوم (Skybiz.com) ہے، اس کمپنی کی شاخیں متعدد ممالک میں پھیلی ہوئی ہیں، مگر خود امریکی حکومت نے مذکورہ کمپنی پر عوام کے ساتھ دھوکہ دہی اور چال بازی (Fraud) کا الزام عائد کیا ہے، اسی کے پیش نظر ''اوکلاہوما اسٹیٹ'' کی عدالت نے کمپنی کی سرگرمیاں روک دینے، اور کمپنی کے کارکنوں اور ایجنٹ حضرات کا سرمایہ اور اجرت انھیں واپس کیے جانے کے پیش نظر اس کمپنی کے اثاثے منجمد کردینے کا فیصلہ کیا ہے۔ (دیکھئے امریکی وزارتِ تجارت کی ویب سائٹ: http://www.Ftc.gov/opa/2001/06sky.htm بحوالہ بحث ونظر شمارہ ۶۸، ۶۹ جنوری-جون ۲۰۰۵ء ص:۱۶۳)

جاپان اور چین میں ۱۹۹۸ء میں ایموے (Amway) اور اس طرز کی کمپنیوں پر پابندی لگ چکی ہے۔ (اخبار منصف: مینارۂ نور ۲۴/۳/۱۴۲۸ھ)

مصنوعات محض بطورِ حیلہ:

جب بھی اس کمپنی کے تعارفی پروگراموں میں سمجھنے کی نیت سے شرکت کا اتفاق ہوا، یا اس کمپنی کے ممبران کو نئے ممبر کی تشکیل کرتے ہوئے دیکھا تو ایک خاص چیز محسوس ہوئی کہ وہ نئے

افراد کی شمولیت سے حاصل ہونے والے کمیشن کا لالچ خوب دلاتے ہیں، اور حقیقت میں بھی نیٹ ورکنگ سسٹم میں کمیشن کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، اور مصنوعات ثانوی درجہ رکھتی ہیں، نئے ممبر کو شمولیت پر راضی کرنے کے لیے خیالی کمیشن کا ذکر ہی کافی سمجھا جاتا ہے، اس کے بغیر مصنوعات کی مارکیٹنگ ناممکن ہے۔

(۱) مصنوعات کے ثانوی درجہ میں ہونے کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ''ایموے کمپنی'' جب شروع ہوئی تھی تو اس کی مصنوعات بہت تھوڑی تھیں اکثر دھونے پونچھنے کے سیال (Liquid) مواد ہی تھے، مثلاً شیمپو (Shampoo) کپڑا فرش اور کار دھونے کا سیال مادہ، ٹوتھ پیسٹ (Tooth paste)، کریم (Cream) وغیرہ اور ساری چیزیں نہایت مہنگی اور گراں قیمت تھیں، اکثر چیزیں بازاری قیمت سے تین، چار بلکہ چھ گنا مہنگی تھیں، اگر چہ یہ دعویٰ تھا کہ یہ چیزیں معیار میں اعلیٰ وارفع ہیں، لیکن وہ شامل ہونے والے ممبران کی معاشی حیثیت سے بھی نہایت ہی وراء الوراء اور بلند تھیں۔ وہ ممبران ایسی بھی چیز لائے تھے، جن کی انھیں کبھی ضرورت پیش نہ آئی، وہ ساری چیزیں دھری کی دھری رہ گئیں، مثلاً کار اور فرش دھونے والے قیمتی مواد وغیرہ یہ صورتِ حال اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انھوں نے کمیشن حاصل کرنے ہی کے لیے شمولیت اختیار کی تھی، آج بھی یہ صورتِ حال باقی ہے کہ شامل ہونے والے محض کمیشن کی نیت سے شامل ہوتے ہیں، اگر انھیں لوگوں سے بالفرض یہ کہا جائے کہ بلا ممبر بنے محض مصنوعات استعمال کرنے کے لیے مذکورہ کمپنی کی اشیاء خریدیں تو وہ ہرگز نہیں خریدیں گے، بلکہ اس کے بالمقابل اسی جنس کی اشیاء دوسری کمپنی کی خریدیں گے، جو بہ نسبت معیاری اور معتدل قیمت کی ہوں گی، انھیں کو اپنے لیے مناسب حال سمجھیں گے، اسی طرح اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے ممبر بن جانے کے بعد کمپنی بند ہو جائے گی اور ان کو کمیشن ملنے کی نوبت نہیں آئے گی، تو بھی ایسی صورت میں وہ ہرگز ہرگز مذکورہ کمپنی کی مصنوعات نہیں خریدیں گے، یہ صورت بھی ببانگِ دُہل یہ پکار رہی ہے کہ ان کمپنیوں میں شامل ہونے والے کمیشن کو ہدف اور مقصدِ اصلی بناتے ہیں، مصنوعات محض بہانہ ہوتی ہیں۔

(۲) اور بالفرض مصنوعات اگر سستی بھی ہوں تو بھی ممبران کی نیت اور ان کا قصد وارادہ نئے ممبران بنا کر کمیشن حاصل کرنا ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ معاشرہ میں کوئی بے عقل ہی ہوگا، جو ابتدائی مرحلہ میں ہی (بقول ان کے) رعایتی قیمت پر سامان حاصل کر لینے پر اکتفاء کرے اور

کمیشن بلکہ بے تحاشا کمیشن حاصل کرنے کی نیت نہ کرے، یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اشیاء کی محض جودت وعمدگی اور رعایت بتا کر ایک ممبر تیار کرنا بھی مشکل بلکہ محال ہوگا، اس لیے کہ دنیا کی ساری کمپنیاں اپنی مصنوعات کی عمدگی اور ارزانی ہی بتا کر اشتہار دیتی ہیں، ایسی صورت میں نیٹ ورک مارکیٹنگ کی سرے سے کوئی خصوصیت باقی نہیں رہ جائے گی۔

(۳) مصنوعات کی حیثیت ثانوی اور کمیشن کی اوّلی ہونے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں کے اصول وضوابط کا اکثر حصہ کمپنیوں میں شرکت اور اسی سے متعلق شرائط واحکام پر مشتمل ہوتا ہے، ان کے تعارف ناموں میں خریداری اور سامان کا ذکر چند فقرات میں ہی ہوتا ہے، اس جگہ یہ بات قابل غور ہے کہ کیا اس طرزِ عمل کا مقصد صرف مصنوعات کی خرید وفروخت ہے؟ اور شرکت وممبر سازی ضمنی ہے؟ یا معاملہ اس کے برعکس ہے؟

(۴) جیسا کہ ''تعارف'' میں یہ بتایا گیا تھا کہ اپنی ممبری باقی رکھنے کے لیے سالانہ متعین رقم جمع کرنی پڑتی ہے اور بعض میں ماہانہ متعین خریداری شرط ہے، یہ اس طرح کی کمپنیوں کے شرائط میں داخل ہے، ظاہر ہے کہ ادائیگی، مارکیٹنگ میں تسلسل باقی رکھنے کا عوض ہی ہے، یہ کوئی اور چیز نہیں ہے، اس لیے کہ مصنوعات کی خریداری اور اس کا معاوضہ تو ابتداء میں ہی پورا ہو چکا ہے، اگر مصنوعات کی فروخت مقصود ہوتی تو یہ رقم بلا سامان نہ لی جاتی۔

(۵) یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہ کمپنیاں ممبر سازی کے لیے پورا تعاون فراہم کرتی ہیں، لیکن مصنوعات کی فروخت میں ان کا کوئی کردار نہیں ہوتا، بلکہ کھلی مارکیٹ میں لاکر فروخت کرنا ضابطہ کے خلاف بتاتی ہیں، ظاہر ہے کہ جہاں کھلی مارکیٹ میں مصنوعات آئیں گی تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا، لوگ جب دوسری کمپنیوں کی مصنوعات سے موازنہ کریں گے، تو ان کی حیثیت گھٹ جائے گی اور حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

(۶) ملٹی لیول کی بعض کمپنیاں خواہش مند حضرات کو مصنوعات خریدے بغیر بھی شرکت کی اجازت دیتی ہے، اگر مصنوعات کی فروخت ہی مقصود ہوتی تو ایسی اجازت ہرگز نہ دیتیں۔

(دیکھئے بحث ونظر، ص:۱۷۴،۱۷۵)

اوپر بیان کردہ ساری تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ اس طرح کی کمپنیوں کا مصنوعات فروخت کرنا درحقیقت پروگرام میں شریک ہونے کا حیلہ اور بہانہ ہے، اصل مقصد ممبر سازی کے ذریعہ کمیشن حاصل کرنا ہے۔

بنیادی خرابی:

بنیادی خرابی جس کی وجہ سے عالمی پیمانے پر اس کمپنی کو مسترد کیا جارہا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نظام میں دوام واستمرار کی صلاحیت نہیں ہے، اس کے ابتدائی مراحل میں تو ممکن ہے کہ آسانی سے کچھ ممبر بن جائیں، لیکن چند مرحلوں کے بعد ممبر بنانا دشوار ہوجائے گا، اور ایک ایسا مرحلہ آئے گا کہ اس کے بعد مزید ممبر بنانے کی گنجائش باقی نہ رہے گی، مثال کے طور پر کسی شہر میں کمپنی ایسے کاروبار کا آغاز کرے اور مختلف گاہکوں کے ذریعہ پہلے مرحلہ کے خریدار ساڑھے چھ ہزار ہوجائیں، اور ہر ممبر کے ذمہ نو ممبر بنانے کی ذمہ داری ہو، جیسا کہ بعض کمپنیوں میں ہے تو چوتھے ہی مرحلہ میں ان کی تعداد چوہتر لاکھ اڑتیس ہزار پانچ سو (۷۴۳۸۵۰۰) ہوجاتی ہے، یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ ہندوستان کے چھ سات بڑے شہروں کو چھوڑ کر پورے شہر کا احاطہ کرتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات عملاً ممکن نہیں کہ کوئی شہر پورا کا پورا اس اسکیم سے جڑ جائے۔ (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ روزنامہ منصف حیدرآباد ۲۴/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ ''مینارۂ نور'' ص:۱) تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسی صورت میں اوپر کے لوگوں کو تو کثیر نفع حاصل ہوگا، لیکن آخری مرحلہ کے ممبران بلاکمیشن حاصل کیے گھاٹے میں رہ جائیں گے، حالانکہ اخیر کے مرحلہ میں اوپر کی بہ نسبت زیادہ ممبران ہوتے ہیں، یہ خرابی ایسی ہے کہ اسے ہر آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس طرح کی کمپنیوں میں کمیشن پانے کے لیے ممبروں کی تعداد اور مراحل کا آگے بڑھانا شرط ہوتا ہے، اس لیے جن کمپنیوں میں مثلاً تین مراحل میں نو ممبران کی شرط ہے، ان میں نیچے سے تین مرحلوں کے لوگ بلاکمیشن رہ جائیں گے، اور یہ خرابی ایسی ہے کہ جس وقت بھی کمپنی موقوف ہوگی، اس سے نیچے کے چند مراحل کے لوگ محروم رہ جائیں گے اور چونکہ نیچے کے مراحل میں ممبروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اس لیے ہر لمحہ اکثر ممبران گھاٹے میں رہتے ہیں، تجزیہ نگاروں کے مطابق اس کمپنی کے پانچ چھ فی صد لوگ تو بہت سارا نفع حاصل کرتے ہیں، بقیہ چورانوے فی صد لوگ امید وبیم میں رہ کر نقصان اٹھاتے ہیں یا یہ کہ اپنی اصل رقم سے بھی ہاتھ دھولیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ چند ممبران کے منافع کی خاطر اکثر ممبران کا نقصان برداشت کرنا، اس نظام کی سب سے بڑی بنیادی خرابی ہے۔

اس نظام کی تائید کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ کمپنی کے ذمہ داران اور چند دیگر لوگوں کے

مفاد کی خاطر عوام کو دھوکہ میں مبتلا ہونے کی تائید کی جائے۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کا مدار ہی ''پھنسنے پھنسانے'' پر ہے، جہاں ایک آدمی ممبر بنتا ہے اور ممبری فیس کی ادئیگی کے ساتھ کچھ اور روپے سامان کی خریداری کے نام پر ہاتھ سے چلے جاتے ہیں؛ بس اُسے اپنے پیسے کی بازیابی اور مزید کی ہوس سوار ہوجاتی ہے، چونکہ کمپنی سے محض سامان حاصل کرنا مقصد نہیں ہوتا؛ بلکہ منافع اور کمیشن حاصل کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے دوسروں کو مختلف انداز میں سچ اور جھوٹ بول کر پھانسنے کی کوشش کرنے لگتا ہے، پھر اگلا آدمی بھی اسی مرض کا شکار ہوجاتا ہے، کمپنی کی خرابیاں سامنے آنے کے باوجود منافع کے لالچ میں اپنی زبان مہر بند رکھتا ہے، تنقید کا ایک لفظ نہ تو بولتا ہے اور نہ ہی بولنے دیتا ہے، اگر مصنوعات کی خریداری ہی مقصود ہوتی تو بات یہاں تک نہ پہنچتی۔

بہت سے لوگ ممبر بن تو جاتے ہیں مگر چرب زبان اور لسّان نہیں ہوتے، یا جھوٹ سچ ملا کر بولنے کی عادت نہیں ہوتی، وہ ممبر بنانے سے یا تو بالکل عاجز رہتے ہیں یا ممبر کی مطلوبہ تعداد مہیا نہ کرنے کی صورت میں وہ کمیشن اور منافع سے محروم رہتے ہیں۔

ماہرینِ اقتصادیات کی رائے:

چونکہ یہ نظام ''سودی نظام'' سے بھی بدتر ہے؛ اس لیے کہ سودی نظام میں مخصوص محتاجوں اور سودی قرض لینے اور سودی معاملہ کرنے والوں کی دولت ساہوکاروں اور سودخوروں کے پاس آتی ہے، نیٹ ورک سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے اتنے مرتب اور وسیع پیمانے پر سود اکٹھا نہیں ہوتا۔

نیٹ ورکنگ کے اس نظام میں کافی بڑے پیمانے پر دولت سمٹتی ہوئی، چند اوپر کے ممبران کے پاس مربوط انداز اور مخروطی (Pyramid) شکل میں جمع ہوتی رہتی ہے، نیچے کے ممبران منافع سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ دولت کی ترکیز دونوں میں ہے مگر نیٹ ورک مارکیٹنگ میں سودی نظام کی بہ نسبت زیادہ ہے، اس لیے عالمی پیمانے پر نیٹ ورک مارکیٹنگ کو مسترد کیا جارہا ہے۔

ماہرینِ اقتصادیات و معاشیات نے نیٹ ورکنگ سسٹم کو ''کینسر کی سوجن'' سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح کینسر آلود خلیہ بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ پورے جسم کو مسموم کرکے جان لیوا ثابت ہوجاتا ہے، اسی طرح نیٹ ورک مارکیٹنگ میں ممبر سازی کے ذریعہ پورا معاشرہ لپیٹ میں آکر اقتصادی بحران کا شکار ہوجاتا ہے۔

''سودی نظام'' میں چونکہ بنیادی خرابی ترکیزِ دولت (Collection of wealth) ہے، اس میں مال دار زیادہ مال دار اور غریب زیادہ غریب ہوجاتا ہے؛ اس لیے اسلام نے اسے مسترد کردیا، تو ظاہر ہے کہ کوئی ایسا نظام یا ایسی معاشری صورت جس میں ترکیزِ دولت سودی نظام سے بھی زیادہ مہلک ہو، تو اس کی تائید اسلام کیسے کرسکتا ہے؟ اور جب خود سودی نظام نے ''نیٹ ورکنگ'' کو مسترد کردیا ہے، تو ''اسلامی نظامِ دولت'' اسے سینے سے لگالے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

یہاں تک پوری گفتگو ''نیٹ ورک مارکیٹنگ'' کا تعارف، اس کے اقتصادی اور اخلاقی پہلو پر کی گئی، ماہرِ اقتصادیات کی آرا، اور عالمی پیمانے پر اس طریقۂ تجارت کی مخالفت کی وجوہات بیان کی گئیں، جن سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اس طرز کی مارکیٹنگ کسی طرح بھی سرمایہ کاروں اور ملک کے حق میں مفید نہیں ہے، اس سے معاشرہ شدید مالی بحران کا شکار ہوگا، دولت سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں اکٹھی ہوجائے گی اور بس۔

شرعی حیثیت:

اسلام نے ہر اس معاملہ کو مسترد کردیا ہے، جس میں دغا فریب اور دھوکہ دھڑی پائی جاتی ہو؛ یا جس میں ملکی بدانتظامی اور لوگوں کی ضرر رسانی کا عنصر پایا جائے، یا جس میں مفادِ عامہ کی چیزوں پر چند افراد کے قبضہ کی صورت پائی جائے، یا جس میں خرید وفروخت کے ساتھ کوئی شرط لگادی جائے، یا وہ معاملہ ایسا ہو کہ جس میں بیع کے ساتھ کسی دوسرے معاملہ کا قصد کیا جاتا ہو اور بیع کا صرف بہانہ ہو، اسی طرح وہ معاملہ بھی شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں، جس میں نزاع اور لڑائی کا احتمال ہو، جس میں دو معاملہ کو ایک کردیا گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ایسے ''نو'' وجود بیان فرمائے ہیں، جن کی وجہ سے شریعت نے معاملات کو مکروہ وناجائز قرار دیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے رحمۃ اللہ الواسعہ ج:۲/۵۶۲ تا ۵۸۴)

نیٹ ورک مارکیٹنگ کا شرعی حکم دریافت کرنے کے لیے مذکورہ بالا اقتباس کو پڑھ کر اگر اس طرزِ تجارت پر نگاہ ڈالی جائے تو ادنیٰ تأمل کے بعد ہی اس کا عدمِ جواز کھل کر سامنے آجائے گا؛ اس لیے کہ اس میں عدمِ جواز کی متعدد وجوہ پائی جاتی ہیں۔

ذیل میں مزید تفصیل سے عدمِ جواز کی وجوہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) نفع حاصل کرنے کے لیے شریعت نے جو اصول بتائے ہیں، ان میں یا تو سرمایہ اور محنت

دونوں ہوتی ہیں، جیسے بیع وشرا؛ یا صرف محنت ہوتی ہے اور سرمایہ دوسرے کا ہوتا ہے، جیسے مضاربت وغیرہ، لیکن ایسی کوئی صورت شرعاً جائز نہیں ہے، جس میں نہ تو محنت ہو اور نہ ہی سرمایہ لگے۔

نیٹ ورٹ مارکیٹنگ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آدمی ممبر بنتا ہے تو کمپنی ممبری فیس لے لیتی ہے، اور اپنی مصنوعات دے کر ان کی قیمت الگ سے لیتی ہے، قانونی لحاظ سے کمپنی کے پاس ممبر کا کوئی رقمی مطالبہ نہیں رہ جاتا، گویا کمپنی میں رقم اور سرمایہ لگا ہوا نہیں ہے۔

پھر جب ممبر سازی ہوتی ہے، تو پہلے مرحلہ میں مان لیا جائے کہ اپنے تحت ممبر بنانے میں محنت ہوئی، صرف انھیں ممبران کی تشکیل کا معاوضہ اگر ملے تو اسے کسی درجہ میں جائز کہا جاسکتا ہے؛ اس لیے کہ سرمایہ نہیں لیکن محنت تو پائی گئی، لیکن دوسرے تیسرے اور بعد کے مراحل میں ممبر سازی میں اس کی کوئی محنت نہیں ہوئی تو بعد کے ممبران کا تشکیلی معاوضہ کس طرح جائز ہوگا، جب کہ وہاں نہ تو محنت ہے اور نہ ہی سرمایہ!

اس تجارت سے منسلک حضرات یہ کہتے ہیں کہ ''آئندہ مراحل میں بھی کارکنوں کے ساتھ تعاون کرنا پڑتا ہے، جیسے لوگوں کو سمجھانا، مال کی اہمیت بتانا، ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنا وغیرہ'' لیکن تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پہلا ممبر براہِ راست ممبر بنانے کے بعد اگر آئندہ مرحلوں میں کوئی تعاون نہ کرے تب بھی وہ کمپنی کے اصول کے مطابق کمیشن کا مستحق قرار پاتا ہے، حاصل یہ کہ آئندہ مراحل میں بلا سرمایہ اور بلا محنت کمیشن آنا اس طرزِ تجارت کی سب سے بڑی خرابی ہے۔

پہلے مرحلہ کی ممبر سازی کا معاوضہ بھی درست نہیں:

اس طرح کی کمپنیوں میں ہر مرحلہ کی ممبر سازی کا معاوضہ الگ الگ نہیں دیا جاتا؛ بلکہ اپنے تحت چند مراحل میں مخصوص تعداد پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، مثلاً بعض کمپنیوں میں یہ شرط ہے کہ جب ممبران کی تعداد ''نو'' ہوجائے اور وہ بھی تین مراحل میں ہوں تب ان سب کی خریداری کا متعین کمیشن اوپر کے ممبر کو دی جائے گی، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اپنے ہی نہیں دوسروں کے بنائے ہوئے ممبران کا معاوضہ بھی ساتھ ہوکر ملے گا، اس لیے حلال وحرام میں اجتماع کی وجہ سے یہ معاوضہ لینا بھی حرام ہوگا۔

فقہ کا قاعدہ ہے: إذَا اجْتَمَعَ الْحَلاَلُ وَالْحَرَامُ غُلِّبَ الْحَرَامُ (الاشباہ والنظائر: ۱/۳۳۵)

ترجمہ: جب حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام کو غالب مانا جاتا ہے۔

(۲) شریعت میں ''سود'' اس لیے حرام ہے کہ اس میں زر سے زر حاصل کرنے کا ذریعہ اور بہانہ بنایا جاتا ہے، اس میں نہ تو کوئی پیداوار سامنے آتی ہے اور نہ ہی محنت پائی جاتی ہے، اس طرح جب زر سے زر پیدا کرنے کی ریت چل پڑتی ہے، تو لوگ بنیادی ذرائع معاش مثلاً کھیتیاں اور کاریگریاں چھوڑ دیتے ہیں اور یہ مثل زبانِ حال سے دہرائی جانے لگتی ہے، ''جب روٹی ملے یوں، تو کھیتی کرے کیوں؟'' (رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵۴۲/۴)

نیٹ ورک مارکیٹنگ میں بھی ممبری فیس کے طور پر تھوڑا سرمایہ لگا کر پیسوں سے پیسے حاصل کرنے کا حیلہ اختیار کیا جاتا ہے، ہر ممبر کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اپنے نیچے زیادہ سے زیادہ ممبران آجائیں تاکہ اچھی خاصی رقم کسی محنت ومشقت کے بغیر کمیشن کے طور پر ان کے پاس جمع ہوجائے؛ حالانکہ زر سے زر کشید کرنا سود ہے، اس طرز کی تجارت کو ربوا سے کافی مشابہت ہے، جسے قرآنِ پاک میں حرام فرمایا گیا ہے:

''أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا'' (بقرہ: ۲۷۵)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے''

(۳) شرعی لحاظ سے ایک اور پہلو بھی قابلِ توجہ ہے، وہ یہ کہ اس کمپنی میں شریک ہونے والوں کا مقصد کمپنی کا سامان خریدنا نہیں ہوتا، بلکہ کمیشن اور نفع کمانا ہی مدِنظر رہتا ہے، گویا مقصود کمیشن ہے سامان نہیں، سامان کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے؛ اس لیے شرعی حکم معلوم کرتے وقت مقصود اور غلبہ کا ہی اعتبار ہوگا، جیسا کہ فقہی قواعد اس کی طرف مشیر ہیں:

(الف) العِبرَةُ فِیْ الْعُقُوْدِ لِلْمَقَاصِدِ وَالْمَعَانِیْ لَا لِلْأَلْفَاظِ وَالْمَبَانِیْ. (قواعد الفقہ ص: ۹۱)

ترجمہ: ''معاملات میں مقاصد ومعانی ہی کا اعتبار ہوتا ہے، الفاظ وعبارت کا نہیں''

(ب) اَلْعِبْرَةَ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لَا لِلنَّادِرِ. (ایضاً)

ترجمہ: ''رائج وغالب حیثیت کا ہی اعتبار ہوتا ہے، نادر وکم یاب کا نہیں''

(ج) التابِعُ لا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْمَتْبُوعِ. (الاشباہ والنظائر ج: ۳۶۵/۱)

ترجمہ: تابع کو متبوع پر مقدم نہیں کیا جاسکتا۔

نیٹ ورک سسٹم میں شمولیت کا اصلی مقصد چونکہ کمیشن اور نفع حاصل کرنا ہی ہے، یہی پہلو

شریک ہونے والوں کے لیے باعثِ کشش ہے؛ اس لیے اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ آدمی ممبر بننے کی فیس دے کر امید وبیم کی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس بہانے کافی منافع ہاتھ آجائیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لگایا تھا وہ بھی ڈوب جائے یہی حقیقت ہے جوئے اور قمار کی۔

”هُوَ كُلُّ لَعِبٍ يُشْتَرَطُ فِيهِ غَالِبًا أن يَّأخُذَ الْغَالِبُ شَيْئًا مِنَ الْمَغْلُوبِ وَأَصْلُهٗ أن يَّأخُذَ الْوَاحِدُ مِنْ صَاحِبِهٖ شَيْئًا فَشَيْئًا فِي اللَّعِبِ“ (ص:۴۳۴)

ترجمہ: قمار (ہار جیت کا) ہر وہ کھیل ہے جس میں اکثر یہ شرط ہوتی ہے کہ جو غالب ہوگا، وہ مغلوب سے کچھ لے گا، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے کھیل میں تھوڑا تھوڑا کچھ لیتا رہتا ہے۔

اور قمار کی تعریف یوں لکھی ہے:

إِنَّهٗ تَعْلِيقُ الْمِلْكِ عَلَى الْخَطَرِ وَالْمَالُ فِي الْجَانِبَيْنِ. (قواعد الفقہ ص:۴۳۴، فتاوی ابن تیمیہ ۱۹/۲۸۴)

ترجمہ: ملکیت کو جوکھم پر معلق کرنا، جب کہ دونوں جانب مال ہو۔

حاصل یہ کہ قمار (جوا) میں معاملہ نفع وضرر کے درمیان دائر ہوتا ہے؛ احتمال یہ بھی ہوتا ہے کہ بہت سا مال مل جائے گا، اور یہ بھی کہ کچھ نہ ملے، اسی کو ”مخاطرہ“ اور قرآن کی اصطلاح میں ”میسر“ کہتے ہیں۔

جوئے کا مدار لالچ، جھوٹی آرزو اور فریب خوردگی کی پیروی پر ہے، جوا کمزوروں کے خون کا آخری قطرہ بھی چوس لیتا ہے، ہارنے والا اگر خاموش رہتا ہے تو محرومی اور غصہ میں خون کا گھونٹ پی کر خاموش رہتا ہے، اور اگر دوسرے فریق سے لڑتا ہے، تو اس کی کوئی نہیں سنتا کیوں کہ ”خود کردہ را علاجے نیست“ جوئے کا تمدن اور باہمی تعاون میں کچھ حصہ نہیں۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۴/۵۴۱)

مفتی بغداد، صاحبِ ”روح المعانی“ علامہ محمد آلوسیؒ نے میسر کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

المَيْسِرُ... إمَّا من اليُسْرِ لأنهٗ أخذُ المال بِيُسْرٍ وَسُهُولَةٍ. (روح المعانی: ۲/۱۱۳)

یعنی ”میسر“ یا تو یُسر سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں، کسی کا مال آسانی اور سہولت سے مار لینا، میسر (جوا) کے ذریعہ لوگوں کے اموال آسانی سے جھپٹ لیے جاتے ہیں۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی موجودہ شکل اگرچہ نئی ہے، لیکن بہرحال اس میں جوئے کی حقیقت پائی جارہی ہے، جیسا کہ غور کرنے والوں پر مخفی نہیں، جوئے کی حرمت سود کی طرح نص قطعی سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا أَیُّهَا الَّذِینَ آمنُوا إِنَّمَا الخمرُ وَالمَیْسِرُ والأنصابُ والأزلامُ رِجسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیطانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ. (مائدہ:۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ ہوجاؤ، تاکہ تم کو فلاح ہو۔ (بیان القرآن)

(۴) نیٹ ورک مارکیٹنگ میں وہی آدمی کامیاب و بامراد ہوتا ہے، جو تیز طرار، باتونی اور لسّان ہو، سامنے والوں کو متأثر کرکے ممبر بنالیتا ہو، جو لوگ اس طرح کی شاطرانہ چال نہیں چلتے، یا یہ صلاحیت ان میں نہیں ہوتی، وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں، ان کی ساری امیدوں پر پانی پھرجاتا ہے اور وہ دھوکہ کھاکر مایوس ہوجاتے ہیں۔

ایسے دھوکہ کی بیع وشراء کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے: نَهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ. (سنن ترمذی:۱/۲۳۳)

مبسوط میں علامہ سرخسیؒ نے غرر کی تعریف اس طرح کی ہے۔ الغَرَرُ ما یَکُونُ مَسْتُوْرَ الْعَاقِبَةِ. (المبسوط:۱۲/۱۹۴)

جس کا حاصل یہ ہے کہ غرر میں انجام معلوم نہیں ہوتا، مذکورہ طرزِ تجارت میں نفع ملنے اور نہ ملنے کا پتا نہیں ہوتا، گویا قمار (جوا) ہی کی دوسری تعبیر ''بیع غرر'' ہے۔

بعض لوگوں نے اس طرزِ تجارت کو لاٹری (Lottery) سے بھی بدتر بتایا ہے؛ اس لیے کہ لاٹری میں ٹکٹ خرید کر آدمی سکون سے انتظار کرتا ہے، لیکن اس میں ممبرشپ حاصل کرنے کے بعد ممبرسازی کے لیے خوب دوڑ دھوپ کرتا ہے، پیسے خرچ کرتا ہے پھر بھی ممبر نہ بنانے کی صورت میں اصل سرمایہ سے بھی ہاتھ دھولیتا ہے، اور کمپنی رُک جانے کے وقت نیچے کے تین درجوں کے لوگ یقیناً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے اس میں نفع کا چانس لاٹری سے بھی کم ہے، اگر یہ معلوم ہوجائے کہ وہی سلسلہ کا آخری آدمی ہوگا، تو ہرگز سامان خرید کردہ ممبر نہیں بنے گا، حقیقت یہ ہے کہ اس میں ''غرر کثیر'' ہے، جس سے باز رہنے کی تلقین سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ (بحث ونظر ص:۱۷۲)

(۵) اسلام نے اپنے تجارتی اصول میں ملکی مصلحت کا خیال رکھا ہے، مصنوعی رکاوٹ ملکی مصلحت کے لیے نہایت ہی مضر ثابت ہوتی ہے، اس سے اشیاء کی قیمتوں میں غیرمعمولی اضافہ ہوجاتا ہے، تجارت کا مال تمام شہریوں تک پہنچنے کے بجائے چند لوگوں کے پاس ہی سمٹ کر رہ جاتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی دیہاتی سوداگر شہر میں اپنا سامانِ تجارت لے کر پہنچتا تھا، تو شہر کے بعض تُجّار اس سے کہتے کہ ابھی تم خود سے سامان نہ بیچو؛ اس لیے کہ ابھی بھاؤ کم ہے، سستا بک جائے گا؛ بلکہ تم ہمارے حوالے کردو! چند دنوں بعد تم کو ہم مہنگا بیچ کر دیں گے، اس میں بائع کا بھی ضرر ہوتا تھا؛ یہ تُجّار جھوٹی قیمت بتا دیتے تھے، اور عوام کو بھی اشیاء مہنگی ملتی تھی، اس کو اصطلاح میں ''بیع الحاضر للبادی'' کہتے ہیں۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس طرزِ تجارت سے منع فرمادیا تاکہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ نہ ہو، اور ''مصنوعی رکاوٹ'' کا رواج ختم ہوجائے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۲/۱، ابواب البیوع، رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵۷۶/۴، میں تفصیل ملاحظہ کیجیے)

زمانۂ جاہلیت میں اسی سے ملتی جلتی یہ شکل بھی تھی کہ جب کوئی تاجر دیہات سے شہر میں آتا تھا تو شہر کے بعض تجار شہر سے باہر نکل کر ان سے پہلے ہی ملتے، اور سارا مال خرید لیتے تھے تاکہ یہ مال شہر میں نہ آسکے اور سارے لوگ ان سے خریدنے پر مجبور ہوں، اس کو اصطلاح میں ''تلقیِ جلب'' کہا جاتا ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان دونوں صورتوں کو اس لیے منع فرمایا ہے، (سنن ترمذی: ۲۳۲/۱) اس لیے کہ دونوں میں اشیاء چند آدمیوں کے ہاتھوں میں جاکر عوام کے لیے مہنگی ہوجاتی ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۱۴۸/۴ رشیدیہ پاکستان)

نیٹ ورک مارکیٹنگ میں بھی یہ خرابی ہے کہ ہر آدمی ان کمپنیوں کے سامان نہیں خرید سکتا، صرف ممبران ہی خرید سکتے ہیں؛ اس لیے بھی اشیاء نہایت ہی گراں ہوتی ہیں۔

(۶) اس طرح کی کمپنیوں میں اشیاء کی قیمت عام مارکیٹ ریٹ (Market rate) کے مقابلہ میں تین گنا بلکہ چھ گنا زیادہ ہوتی ہے، اشیاء کی جودت وعمدگی کا دعویٰ بھی فضول معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اگر وہی اشیاء عام مارکیٹ میں رکھی جائیں، تو لوگ ہرگز اتنی قیمت میں نہیں خریدیں گے، دوسری کمپنیوں کی مصنوعات ہی کو ترجیح دیں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہ گرانی فقہ کی اصطلاح میں ''غبن فاحش'' کہلاتی ہے، جو مکروہ ہے، حتیٰ کہ شریعت نے مشتری کو غبنِ فاحش کی وجہ سے مبیع (خریدی ہوئی چیز) کے واپس کرنے کا حق دیا ہے۔ (رد المحتار: ۱۷۸/۴، رشیدیہ پاکستان)

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ممنوع معاملات کی جملہ ''نو'' وجوہ میں سے چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی ہے:

”وَمِنهَا أن يُّقصَدَ بِهٰذَا البَيعِ مُعَامَلَةٌ أُخرىٰ يَترَقَّبُهَا فِی ضِمنِهٖ أو مَعَهٗ“ الخ

ترجمہ: اور ممانعت کی انھیں وجوہ میں سے یہ ہے کہ اس بیع سے کسی ایسے دوسرے معاملے کا قصد ہو، جس کا وہ بیع کے ضمن میں یا بیع کے ساتھ انتظار کرتا ہو۔

خرید وفروخت کو خالص رکھنا ضروری ہے، اگر خرید وفروخت کے ساتھ کسی اور معاملہ کا قصد ہوجائے تو بیع فاسد ہوجاتی ہے۔نیٹ ورک مارکیٹنگ میں بظاہر تو آدمی کمپنی کا سامان خریدتا ہے؛ لیکن مقصد ممبر سازی کے ذریعہ کمیشن کمانا ہوتا ہے، اس وجہ سے بھی تجارت کی یہ شکل ناجائز معلوم ہوتی ہے۔

(۸) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بیع بالشرط“ کو منع فرمایا ہے: أنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ و سلم نَھٰی عَنْ بَیْعٍ وَ شَرْطٍ. (مجمع الزوائد:۴/۸۵)

بیع اور شرط ایک ساتھ جمع کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ شرطوں کی وجہ سے آدمی معاملہ تو ضرورت کی وجہ سے کرتا ہے اور شرط نہ چاہتے ہوئے بھی مان لیتا ہے، نیٹ ورک مارکیٹنگ میں کمپنی کا مال خریدنے کے ساتھ ہی یہ شرط ہوتی ہے، کہ مثلاً:

(الف) کمپنی کا مال بازار میں رکھ کر بیچ نہیں سکتے۔

(ب) کمپنی کے مال یا اس کے طریقۂ کار کی خامیاں بیان نہیں کرسکتے۔

(ج) کمپنی کا سامان لینے کیلئے ایجنٹ اور ممبر بننا شرط ہے، ممبری فیس ضرور وصولی جائیگی۔

(د) بعض کمپنیوں میں رعایتی قیمت پر سامان لینے کے لیے ممبر ہونا اور ممبری فیس ادا کرنا ضروری ہے، بغیر ممبر بنے سامان خریدنے پر سامان مہنگا ملے گا۔

گویا اس طرزِ تجارت میں بیع کے ساتھ ایسی شرط؛ بلکہ چند شرطیں موجود ہوتی ہیں، جو مقتضائے عقد کے خلاف ہیں؛ اس لیے یہ معاملہ فاسد ہوگا، ہدایہ میں ہے: کُلُّ شَرطٍ لَا یَقتَضِیهِ العَقدُ وَفِیهِ مَنفَعَةٌ لِأَحدِ المُتَعَاقِدَینِ اَوْ لِلمَعقُودِ عَلَیهِ وَهُوَ مِنْ اَهلِ الِاستِحقَاقِ فَیُفسُدُ. (مع فتح القدیر:۳/۲۶، البحر الرائق:۵/۱۸۲)

(۹) نیٹ ورک مارکیٹنگ میں خرید وفروخت کے معاملہ کے ساتھ اجارہ (یعنی ایجنٹ بننے کی ملازمت) مشروط ہے؛ اس لیے ایسے عقدِ بیع اور عقدِ اجارہ کو دو معاملوں کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں، اور یہ حدیث شریف کی رو سے ممنوع ہے، ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے:

نَھٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ البَیعَتَینِ فِی بَیعَةٍ. (ترمذی:۱/۲۳۳، ابواب البیوع)

ترجمہ: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ میں دو معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے“۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:

نَهٰی رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ. (مسند احمد حدیث نمبر:۳۷۷۴)

ترجمہ: ''آپ نے ایک معاملہ میں دو معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

(**نوٹ**: نیٹ ورک مارکیٹنگ کے ناجائز ہونے کی شرعی وجوہات میں سے ساتویں، آٹھویں اور نویں وجوہات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔اشتیاق)

(۱۰) نیٹ ورٹ مارکیٹنگ پر گہری نگاہ ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں درحقیقت لوگوں کو موہوم کمیشن کا لالچ دلا کر باطل اور ناجائز طریقے سے مال کھانے کا طرز اپنایا گیا ہے، اس طرزِ معاملہ کو ماہرینِ اقتصادیات ''تعاملِ صغریٰ'' (Zero sum game) کہتے ہیں، جس میں بعض افراد نفع پاتے ہیں اور اکثر خسارہ میں رہتے ہیں۔ (بحث ونظر ص:۱۷۰) اللہ تعالیٰ نے باطل طریقۂ کسب کو سختی سے منع فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ. (نساء:۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو۔

اہل فقہ وفتاویٰ کی آراء:

نیٹ ورک مارکیٹنگ چونکہ معاشی، اخلاقی اور شرعی ہر لحاظ سے ناقابلِ قبول ہے، اس لیے اکابرِ امت نے اس سے بچے رہنے کی تلقین فرمائی ہے، ذیل میں اختصار کے ساتھ چند اکابر اہلِ علم کے نام لکھے جاتے ہیں۔

عرب علماء میں:

شیخ محمد صالح المنجد، ڈاکٹر عبدالحئ یوسف، ڈاکٹر احمد بن موسیٰ (طائف) اور احمد خالد ابوبکر زید مجدہم۔

پاکستانی علماء میں:

مفتی محمد عصمت اللہ بتصدیق مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہما دارالعلوم کراچی، مفتی محمد ہلال صاحب زید مجدہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ پاکستان، اور مفتی محمد نعیم صاحب زید مجدہ خیرالمدارس

ملتان۔ (تلخیص مقالات سولہواں فقہی سیمینار فقہ اکیڈمی انڈیا)

ہندوستانی علماء میں:

حضرت الاستاذ مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی زیدمجدہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زیدمجدہ مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مفتی کفیل الرحمٰن نشاط صاحبؒ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن صاحب بلندشہری مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث زیدمجدہ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی زیدمجدہ، حضرت مفتی محمد ظہور صاحب زیدمجدہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت الاستاذ مفتی محمد طاہر زیدمجدہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مفتی محمد سلمان منصور پوری زیدمجدہ مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ امارتِ شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، حضرت مفتی محمد جمال الدین صاحب دارالعلوم حیدرآباد، یہ فتاویٰ اور رائیں تو انفرادی طور پر ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے سولہویں سیمینار منعقدہ دارالعلوم مہذب پور اعظم گڑھ میں علماء اور مفتیان کرام کی ایک عظیم جماعت نے اتفاقِ رائے کے ساتھ عدمِ جواز کی تجویز پاس فرمائی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ: ''حوالہ (ب:۶۸۱)... یہ کاروبار نہ تو شرکتِ مضاربت پر مبنی ہے، نہ ہی شرکتِ عنان کے طریقہ پر ہے، بلکہ یہ کاروبار خالص قمار اور سٹے پر مبنی ہے، ۴۴۰۰ آدمی جمع کرتا ہے، اگر کمپنی کے مزاج کے مطابق ممبر سازی میں وہ کامیاب ہوگیا تو اُسے گھر بیٹھے بیٹھے ایک بہت بڑی رقم ملتی رہے گی، اور اگر ممبر سازی میں ناکام رہا تو اس کے روپے بھی سوخت ہوجاتے ہیں، جو کام نفع ونقصان کے درمیان دائر ہو اور مبہم ہو، وہ شریعت کی اصطلاح میں ''قمار اور جوا'' کہلاتا ہے، جو بنصِ قطعی حرام ہے، علاوہ اس کاروبار میں ''صَفْقَةٌ فِيْ صَفْقَتَيْنِ'' کی صورت بھی پائی جاتی ہے، اس میں ''بیع وشرط'' کے ایک ساتھ جمع ہونے کی بات بھی پائی جاتی ہے، جو ''نهى النبيُّ عن بَيْعٍ وَشَرْطٍ'' کے خلاف ہے، اس طرح کی متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں، مسلمانوں کے لیے ایسی کمپنی میں شرکت کرنا جائز نہیں فقط واللہ اعلم، حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۶/۶/۲ھ، الجواب صحیح: (دستخط) ''کفیل الرحمٰن نشاط، محمد ظفیر الدین عفی عنہ'' مع مہر دارالافتاء۔

مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ: حوالہ: (۴۴۲)... ''ایم وے'' کمپنی کا لٹریچر ہم نے دیکھا ہے، اس کے طریقۂ تجارت میں بعض شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں، مثلاً ایک

شرط یہ ہے کہ اس کمپنی کا ممبر کمپنی کے سامان کو بازار میں باقاعدہ دوکان لگا کر فروخت نہیں کرسکتا وغیرہ، جب کہ مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے سے معاملہ بیع فاسد ہوجاتا ہے، نیز اس میں قمار کی بھی مشابہت ہے، اس لیے اس کمپنی میں شرکت ناجائز ہے، ذاتی خریداری کے لیے بھی اس کا ممبر بننا درست نہیں ہے، فقط واللہ اعلم حررہ العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور ۲۰/۵/ ۱۴۲۶ھ، الجواب صحیح (دستخط) ''مقصود احمد ۲۲/۵/۱۴۲۶ھ'' مع مہر دارالافتاء۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا فتویٰ: (۲۳۱۳۶-۱۷۴۵۴)... شرعی اعتبار سے ''ایموے کمپنی'' میں شرکت داری درست نہیں ہے، مسلمانوں کو اس میں شرکت سے احتراز کرنا ہوگا، فقط۔ محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۸/۵/۱۴۲۶ھ، مع مہر دارالافتاء والاحکام۔

نوٹ: مذکورہ بالا فتاویٰ میں ''ایموے کمپنی'' کی صراحت سے یہ خیال نہ ہو کہ فتاویٰ صرف ایک کمپنی کے ساتھ خاص ہیں بلکہ یہ حکم ''نیٹ ورک'' طریقۂ تجارت کے مطابق چلنے والی ساری کمپنیوں کے لیے ہے؛ چونکہ ''استفتاء'' میں ''ایموے'' کی صراحت تھی، اس لیے فتاویٰ میں اسی لفظ کو دہرایا گیا ہے۔

امارتِ شرعیہ پٹنہ کا فتویٰ: حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ نے کسی قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے کہ ''بفحوائے حدیث: نهى رسول الله ﷺ عن بَيْعِ الْغَرَرِ (مسلم، ابوداؤد: ۶۷۳۳) اور بحکم لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِيْ الإسلامِ (الاشباہ والنظائر: ۲۷۳/۱) یہ معاملہ غیر شرعی اور یقینی طور پر سراسر باطل ہے، اگر کوئی اخیر کا ممبر اپنے ذریعہ سے کوئی ممبر نہ بنا سکا، تو اسے کوئی کمیشن یا فائدہ نہیں ملے گا، اور اس کی اصل فیس بھی نہیں ملے گی، تو یہ ایک طرح کا دھوکہ اور غرر ہے۔ (بحوالہ تلخیص مقالات سولھواں سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی)

اشکال وجواب:

(۱) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ممبر بنانے پر کمپنی کا کمیشن دینا انعام ہے، راست ممبر بنانے پر تو دیا ہی جاتا ہے، نیچے کے ممبران کے بنائے ہوئے ممبران؛ چونکہ پہلے ممبر کے واسطے سے ہیں؛ اس لیے کمپنی اگر بعد میں بھی انعام کا سلسلہ جاری رکھتی ہے، تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: نیچے کے افراد سے لے کر اوپر کے لوگوں کو فی صدی کمیشن (Commission) دینا ارتکازِ دولت اور مال ہتھیانے کا حیلہ ہے، یہ میسر کے مشابہ تو ہوسکتا ہے، انعام سے اس کا کوئی

واسطہ نہیں؛ اس لیے کہ انعام صلب بیع میں کبھی داخل اور مشروط نہیں ہوتا۔

(۲) جس طرح ایک کارِ خیر کے ثواب کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، ایک آدمی نے کسی کو کسی نیک کام کی تلقین کی، دوسرے نے عمل کرنے کے ساتھ تیسرے کو تلقین کی، تو ظاہر ہے کہ بعد والے کا ثواب پہلے والے کو ضرور ملے گا، اسی طرح ''نیٹ ورک مارکیٹنگ'' میں بھی کمپنی کمیشن کا سلسلہ جاری رکھتی ہے، تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، اللہ کا فضل کسی ضابطہ کا محتاج نہیں، مذکورہ کمپنی کو ثوابِ آخرت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے؛ اس لیے کہ یہ دنیا کا معاملہ ہے اور بندوں کے ذریعہ تکمیل کو پہنچتا ہے، بندوں کو اللہ تعالیٰ نے قانون کا پابند بنایا ہے، اسی کے لیے شریعت نازل فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کسی قانون کے پابند نہیں، وہاں عدل کے ساتھ فضل کا ظہور ہوگا، بندوں کے معاملے اللہ تعالیٰ کے قانون سے سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتے، ثواب کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔

ہمیں ہمارے اساتذہ نے پڑھایا، ہم طلبہ کو پڑھاتے ہیں، وہ طلبہ دوسرے طلبہ کو پڑھاتے ہیں، ثواب تو نیچے والوں کا اوپر والوں کو ضرور ملتا ہے؛ لیکن نیچے والوں کی تنخواہ کا کوئی حصہ اُوپر والوں کو نہیں ملتا؛ آخر کیوں؟

(۳) ممبر سازی کی اُجرت دلالی کی طرح ہے، جس طرح دلال کو سامان خریدوانے اور بیچوانے کی اجرت ملتی ہے، اسی طرح یہاں بھی نئے ممبر بنانے پر اُجرت ملتی ہے، تو اس میں کیا خرابی رہ گئی؟

جواب: مذکورہ طرز تجارت اور دلالی میں کافی فرق ہے اس لیے کہ:

(الف) دلال کو سامان کی فروختگی پر اُجرت ملتی ہے، یہاں تو ایجنٹ بننے کے لیے خود ایجنٹ ہی اجرت ادا کرتا ہے، معلوم ہوا کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے، مذکورہ تجارت میں سامان فروخت کرنا، اصل مقصد نہیں ہوتا؛ بلکہ نئے ایجنٹ تیار کرنا ہی اہمیت رکھتا ہے۔

(ب) دلال کو کوئی گھاٹا نہیں ہوتا، وہ مال فروخت کراتا اور اجرت وکمیشن پاتا رہتا ہے؛ لیکن یہاں ہر آخری مرحلہ کا ایجنٹ یقینی طور پر گھاٹے میں رہتا ہے، ظاہر ہے کہ کمپنی کبھی نہ کبھی رُکے گی، جب بھی رکے گی، آخری مرحلہ کے ایجنٹ کو کچھ نہیں ملے گا، پھر ظلم یہ کہ ممبری فیس بھی سوخت ہوجائے گی، ''یک نہ شد دو شد''؛ اس لیے ان کمپنیوں کی ممبر سازی کی مہم کو دلالی سے تعبیر کرنا غلط ہے۔

خلاصۂ بحث:

نیٹ ورک مارکیٹنگ دولت اِکٹھا کرنے کی ایک اَہرامی اور مخروطی اسکیم ہے، اس میں مصنوعات بطورِ حیلہ فروخت کی جاتی ہیں، اصل مقصد ممبر سازی کے ذریعہ نفع کمانا ہوتا ہے، اس میں سود سے بھی زیادہ ارتکازِ دولت کی تدبیر موجود ہے، لاٹری (Lottery) اور جوے سے مشابہت ہے، دھوکہ اور غرار اتنا زیادہ ہے کہ دولت مندی کے لالچ میں پوری کی پوری آبادی کو مالی بحران کا شکار بنا سکتی ہے، اس میں چند لوگوں کو منافع پہنچانے کے لیے ایک کثیر تعداد زنجیر میں بندھی رہتی ہے، اخیر کے لواحقین وممبران ہمیشہ دھوکے اور گھاٹے میں رہتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں نیچے کے کئی مراحل بلاکمیشن منھ تکتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ''سودی نظام'' کے ماہرین نے بھی اس طرزِ تجارت کو مسترد کردیا ہے، متعدد ممالک میں اس پر پابندی عائد کی گئی ہے، ساتھ ہی عوام کو اس میں پھنسنے سے متنبہ بھی کیا گیا ہے، یہ اخلاقی اور اقتصادی لحاظ سے بھی قابلِ قبول نہیں ہے، شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے اس میں سود وقمار سے مشابہت؛ بیع مع شرط کا وجود؛ دومعاملوں کو ایک میں جمع کرنا؛ خرید وفروخت کے بہانے دوسری چیز یعنی کمیشن کا ارادہ؛ باطل طریقے سے مال جمع کرنا؛ ملکی مصلحت کا فقدان اور بعض صورتوں میں ''غبن فاحش'' وغیرہ خرابیاں پائی جاتی ہیں؛ اس لیے اس میں شرکت جائز نہیں ہے، ہند وعرب کے مشاہیر علماء اور مفتیانِ کرام نے عدمِ جواز کے فتوے صادر فرمائے ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے سولہویں اجلاس میں اہل علم وفقہ کی ایک عظیم جماعت نے اس کی حرمت پر اتفاق کیا ہے۔

جس شخص کو راست ممبر بنایا جائے اس کی خریداری پر ملنے والا کمیشن اگرچہ فی نفسہ جائز ہوسکتا ہے، مگر وہ بھی چونکہ الگ کرکے نہیں دیا جاتا؛ بلکہ چند ممبران اور چند مرحلے گذرنے ضروری ہوتے ہیں، اور سب کا کمیشن ملاکر دیا جاتا ہے؛ اس لیے حرام وحلال کے ملنے کی وجہ سے پہلے مرحلہ کے ممبران کی وجہ سے آنے والا کمیشن بھی حرام ہوگا، محض مصنوعات خریدنے کے لیے ایسی کمپنیوں کا ممبر بننا بیع مع شرط کی وجہ سے ناجائز ہے، بلاممبر بنے سامان خریدنا جائز تو ہے، مگر ایسی کمپنیوں کا تعاون ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں، ایسی کمپنیاں نہ تو معاشی اور اقتصادی لحاظ سے فائدہ مند ہیں؛ نہ ہی اخلاقی اعتبار سے قابل شرکت اور نہ ہی اسلامی اصول کے تحت جائز ہیں، اس لیے ان کا ممبر بننا اور کمیشن حاصل کرنا، ناجائز اور حرام ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیرِ خلقہٖ محمدٍ وّآلہ أجمعین، وَالحمد للّٰہ رب العالمین.

عورتوں کیلئے قرآنی دینی تعلیم کی اہمیت

از: محمد اسماعیل طورو
راولپنڈی، پاکستان

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن وسنت میں انسانوں اور جنوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا اور پھر انسانوں میں مردوں اور عورتوں کو تخلیق فرمایا اور تخلیق کا مقصد بھی واضح فرمایا، ''مردوں اور عورتوں میں سے جس نے بھی حالت ایمان میں اعمال صالحہ سرانجام دیئے تو ہم انہیں پاکیزہ زندگی عطا کردیں گے۔ اوران کے عمل سے بھی بہت بدلہ انہیں دیں گے''۔ (سورۃ النحل آیت:۹۷)

اور پھر سورۃ آل عمران آیت ۱۹۵ میں بھی یہی بات کہی گئی اور پھر سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ میں بھی فرمادیا گیا کہ ''عورتوں کے حقوق اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مردوں کے حقوق کے برابر ہیں''۔

میری بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد ہو یا عورت ان کی حیات کا مقصد اپنی عبادت ہی بتایا ہے۔ ہر ہر شے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد وپاکی میں مشغول ہے، بالکل اسی طرح پیدا ہونے سے مرنے تک کا مختصر وقت ہمیں دیا گیا ہے تو محض اس لئے کہ دیکھا جاسکے کہ کون ''احسن عمل'' کرکے آتا ہے۔ اس بات کا ذکر سورۃ ملک میں موجود ہے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو مختلف بنایا ہے۔ یعنی دونوں کو مختلف دائرہ کار فراہم کئے ہیں۔ جیسے کائنات کی ہر شے ایک نظام اصول اور دائرہ کار میں موجود ہے۔ بالکل اسی طرح عورت اور مرد کیلئے دائرہ کار بنادیا گیا کہ اپنی اپنی حدود میں اصول شرعیہ کے ساتھ زندگی کو بسر کریں۔ مرد کیلئے گھر سے باہر اور عورت کیلئے گھر کے اندر رہنے کیلئے اصول ونظام بتایا، اور پھر اگر پوری کائنات پر غور کیا جائے، تو بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ ہر شے اپنے دائرے اور حد میں لیکن کچھ کا کام اور ذمہ داری اس کی استطاعت کے مطابق زیادہ ہے اور کچھ کا

کم۔ کچھ کوامیر بنایا، کچھ کو غریب۔ کوئی بادشاہ ہے اور کوئی فقیر، لیکن اس تفریق کا ہرگز ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ محض اس تفریق سے کوئی اعلیٰ یا افضل ہوگیا، یا کمتر ہوگیا بلکہ مقصد اس تفریق سے یہ ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کو متوازن کرے۔ بہتر اور افضل تو صرف وہی ہے جو تقویٰ والا زیادہ ہے۔ (بلاشبہ) یعنی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا کو ''دارالامتحان'' بنایا پھر واضح فرمادیا کہ دارالجزاء کے فیصلے کا معیار، ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ پس عورت اور مرد کو مختلف دائرہ کار دیئے گئے اور پھر مرد کو امیر بنا کر فضیلت دی گئی یعنی کہ مرد کو استطاعت زیادہ دی گئی اور ذمہ داری بھی زیادہ دی گئی لیکن ساتھ ہی عورت کو اس کا مددگار بنایا گیا اور پھر دونوں کو ایک دوسرے کیلئے راحت کی شے بنادیا گیا۔ حدیث پاک میں ہے۔ ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اتنا علم تو سبھی پر فرض ہوا کہ حلال وحرام، پاکی ناپاکی، جائز ناجائز کو جانا جاسکے؛ لیکن اس کے بعد جتنا بھی دینی علم ہے اس کیلئے یہ کہیں پر بھی نہیں کہا گیا کہ عورتیں حاصل نہ کریں جب کہ مردان کو ضرور حاصل کریں۔ اس کے بعد مقصودی علم تو ہر کوئی حاصل کرسکتا ہے۔ جسے شوق ولگن ہو، اگر عورتوں کیلئے مزید علم حاصل کرنا منع ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ''افقہ الناس'' اور ''حسن الناس'' نہ ہوتیں۔ عہد رسالت میں عورتوں کی دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا۔ صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے خصوصی اجتماع میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاکر تلقین و وعظ فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح صحابیاتؓ بھی محدثہ، فقیہ، عالمہ، فاضلہ مفتیہ اور کاتبہ تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فقیہ الامت ہیں۔ ام المومنین ام سلمہؓ فقیہہ ومفتیہ تھیں۔ حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا پڑھنا دونوں جانتی تھیں۔ حضرت خنساءؓ شاعرہ تھیں۔ اسی طرح پہلی اور دوسری صدی ہجری میں پورے عالم اسلام میں احادیث کی روایت وتدوین کا سلسلہ شروع ہوا جن خواتین کے پاس مجموعے تھے ان سے وہ حاصل کئے گئے۔ حدیث کی تحصیل کیلئے محدثین ورواۃ کی طرح محدثات وراویات نے بھی گھربار چھوڑ کر دور دراز ملکوں کا سفر کیا۔ اور ان محدثات وطالبات کیلئے محدثین وشیوخ کی درس گاہوں میں مخصوص جگہیں رہا کرتی تھیں، جس میں وہ مردوں سے الگ رہ کر سماع کرتی تھیں اور اسی طرح ان محدثات میں سے بہت سی حافظات، قاریات اور مفسرات تھیں وعظ وتذکیر میں نمایاں تھیں۔ رشد وہدایت، تزکیہ نفس، شعر وادب، خطاطی وکتاب وانشاء، اذکار کی تعلیم وتربیت میں بھی بہت زیادہ نمایاں تھیں اور رہیں۔

چوتھی صدی میں قرآنی مدارس کا انتظام ہوا۔ بنات الاسلام کی طرف سے سب سے پہلا قرآنی مدرسہ مغرب اقصیٰ کے شہر فاس میں ۲۴۵ھ میں قائم ہوا۔ جو آج بھی جامعہ قزوین کے نام سے موجود ہے۔ ایسی عورت جو علوم دینیہ کا شوق نہ رکھتی ہو، وہ کسی بھی حد تک اپنے شوہر کی معاون ہوسکے گی۔ کیا عورت کا وجود محض گھر کو صاف کرنا، کھانا پکانا اور بچے سنبھالنا (سنبھالنا کہا ہے تربیت نہیں) تک محدود نہیں رہ جائے گا؟ اور شوہر کو خوش رکھنا، کیا یہ محض اس لئے تو نہیں ہوگا کہ بہرحال شوہر کے گھر کے بعد عورت کیلئے معاشرتی پناہ کہیں اور نہیں ہوتی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی امت کی زندگی تو بہت مختصر ہے نا، اس کی وجہ سے اجر بہت زیادہ ملتا ہے۔ نامہ اعمال کھلا ہی رہتا ہے۔ عورت کو صرف ان کاموں میں بند کرکے علمی و عملی کاموں کے اجر و ثواب سے محروم نہیں ہوجائے گی؟

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو اپنے امر سے بنایا اور صرف انسان کو اپنے دست مبارک سے پیدا کیا اور اپنا نائب بنایا۔ اللہ رب العزت اپنے بندے سے ایک ماں کی نسبت ستر گنا زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ رب العزت ہی بہتر جانتے ہیں کہ مرد و عورت کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کن علوم کی پہلے ضرورت ہے۔ چونکہ یہ کتاب خصوصاً عورتوں کیلئے لکھی گئی ہے۔ اس لئے ہم عورتوں کی دینی تعلیم کو بیان کرنا چاہیں گے۔ ارشاد ربانی ہے: "واذکر ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللّٰہ والحکمۃ" (الآیۃ)

"اور یاد کرو اے عورتو! اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اور دانائی کی باتوں کو۔"

سورہ نور میں چونکہ خواتین سے متعلق احکامات عفت، پردہ، استیذان وغیرہ قدرے تفصیل سے درج ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے خواتین کو سورۂ نور کی تعلیم دلانے کی خصوصی ترغیب دی (قرطبی)

اب سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ عورتیں قرآن کی بنیادی علوم سیکھیں کیونکہ قرآنی علوم کا سیکھنا فرض ہے۔ جبکہ ایسے علوم جن کا تعلق معیشت یا سائنسی ترقی سے ہے ان کا سیکھنا مسلمان عورتوں کیلئے ضروری نہیں۔ ہاں مردوں کیلئے اس کا سیکھنا لازم ہے بلکہ فرض کفایہ ہے بلکہ سارے فقہاء و مجتہدین نے لکھا ہے کہ ایسے علوم وفنون جن کی عوام کو ضرورت ہو اور مسلمانوں میں اس کے ماہرین نہ ہوں تو سارے مسلمان گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے۔ اسلام علوم جدیدہ کا بھی داعی ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ عالمگیری، فتاوی سراجیہ)

آج کل عوموی ذہن یہ بنا ہوا ہے کہ موجودہ تعلیم کے بغیر بچی آداب زندگی Manner of life طرز معاشرت نہیں سیکھ سکتی اور امور خانہ داری کما حقہ سرانجام نہیں دے سکتی وغیرہ وغیرہ تو اس سلسلے میں گذارش ہے کہ شرم وحیا چھوٹوں بڑوں کا ادب، والدین اور بھائیوں بہنوں سے محبت حسن سلوک وغیرہ سیکھنے کیلئے اسکول کالج کے علوم نہیں؛ بلکہ آج کل اسکول کی بچیوں کا لباس، چال چلن، انداز، رفتار، گفتار اور مختلف موقعوں پر فحش ونیم عریاں لباس میں ملبوس اسٹیج ڈراموں نے بچیوں کو ادب کیا سکھایا؟ بلکہ الٹا انکو بے حیا بنادیا ہے (نعوذ باللّٰہ من ذلك) شرم وحیا اور ادب کیلئے تو سب سے بہتر قرآن وحدیث کی تعلیم ہے۔ اس میں اپنی زندگی بھی سنورے گی اور معاشرے کا بگاڑ بھی ختم ہوگا۔

متقدمین اور متاخرین دونوں علماء وفقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دینی علم حاصل کرنے کا عورت کو بھی بالکل اسی طرح حکم ہے جس طرح مرد کو ہے۔ اس کے دو سبب ہیں:

شرعی اور دینی احکام میں عورت مرد کی طرح ہے۔ اسی طرح آخرت میں سزا اور جزا کے اعتبار سے عورت مرد کی طرح ہے اس لئے کہ اسلام نے عورت پر تمام فرائض لازم کئے ہیں، اور مرد کی طرح عورت کو بھی ان کا مکلّف بنایا ہے جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نیکی، اطاعت، عدل وانصاف، حسن وسلوک اچھی باتوں کا حکم دینا اور برائی سے روکنا؛ لیکن بعض خصوصی حالات میں اسلام نے عورت سے کچھ فرائض کو اٹھالیا ہے یا تو اس وجہ سے کہ عورت مشقت وتکلیف میں گرفتار نہ ہوجائے یا اس کی صحت کی خرابی کی حالت جیسے ماہواری اور زچگی، حیض، نفاس میں عورت سے نماز کو معاف کرنا اور روزہ، سے رخصت دینا یا اس کی وجہ سے وہ کام عورت کی جسمانی وضع سے اور نسوانی طبیعت سے میل نہیں کھاتا مثلاً یہ کہ وہ میدان جنگ میں لڑائی کرے یا لوہاری یا معماری کرے اور وہ ذمہ داریاں اس سے چھوٹ جائیں جس کیلئے اسے پیدا کیا گیا ہے یا کوئی کام ایسا ہو جس کے کرنے سے کوئی خطرناک معاشرتی فساد مرتب ہو۔ اہل عقل وبصیرت والوں کے ہاں عورت کو اس کے دائرہ کار سے اٹھا کر دوسری جگہ پر لے جانا عورت کی قدر ومنزلت اور عزت کو گھٹانا ہے۔ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف ترغیب دلانے کے بارے میں ارشاد ہے:

من كان له ثلاث بنات او ثلاث اخوات او بنتان او اختان فادبهن واحسن اليهن وزوجهن فله الجنه وايما رجل كانت عنده وليدة فعلمها فاحسن تعليمها وادبها فاحسن تاديبها ثم اعتقها فله اجران (ترمذی)

جس کی تین لڑکیاں یا بہنیں یا دولڑکیاں یا بہنیں ہوں اور وہ انہیں ادب سکھائے اوران کے ساتھ اچھا سلوک کرے اوران کی شادی کرے تواسکو جنت ملے گی۔

دوسری روایت کا ترجمہ ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو وہ اسے تعلیم دے اوراچھی طرح پڑھائے اوراس کوادب سکھائے اور پھراسے آزاد کرکے اس سے شادی کرے تواس کے لئے دواجر ہیں۔اسی طرح صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ مسلمان عورتیں مقررہ دن جمع ہوکر نبی کریم ﷺ سے دین سیکھ لیا کرتی تھیں‘‘۔ام المومنین حضرت عائشہؓ بڑی محدثہ تھیں مرداورعورتیں ان سے سوالات کرتے تھے۔قاضی عیسیٰ بن مسکین صوفی وقت اپنی بچیوں اور پوتیوں کو پڑھایا کرتے تھے اورقاضی عیاضؒ عصر کے بعد بچیوں اور بھتیجیوں کو پڑھایا کرتے تھے۔چنانچہ فقہاء نے لکھاہے کہ جن احکام کی روزمرہ ضرورت پڑتی ہے ان کو حاصل کرنا فرض ہے۔ طلب العلم فریضة بقدر ما تحتاج الیه لامر لابد منه من احکام الوضو والصلوٰة وسائر الشرائع ولامور معاشه وما وراء ذلك لیس بفرض (فتاویٰ سراجیه)

ترجمہ:علم کا طلب کرنا فرض ہے اتنی مقدار جتنی کہ ضرورت پڑتی ہے ضروری طور پر ایسے معاملات کیلئے جن کا حاصل کرنا ضروری ہو وضواور نمازاور دیگر سارے شرائع اوراپنی معیشت کے امورکوسرانجام دینے کیلئے علوم حاصل کرنالازم ہے۔اس کے علاوہ علوم کا حاصل کرنا فرض نہیں۔

دینی تعلیم کے حصول کی شرائط

۱- سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دینی تعلیم گھر کے کسی مرد سے حاصل کی جائے اگرایسا محرم نہ ہو جو دینی احکام سے واقف ہوتو وہ کسی محرم عالم سے احکام سیکھ کراور کتابیں پڑھ کرعورتوں کوسکھائے۔

۲- اگرایسی کوئی صورت نہ نکل سکے کہ گھر کے کسی فرد سے دینی احکام سیکھے جائیں تو ان آداب کا خیال رکھ کرکسی عالم کے پاس باہر نکلا جائے جن کا تذکرہ پہلے گذرچکا ہے۔

۳- دینی علوم دوقسم کے ہیں علوم عالیہ یعنی مقصدی علوم جو یہ ہیں قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ۔علوم آلیہ وہ علوم ہیں جن کوقرآن وحدیث اورفقہ سمجھنے اور حاصل کرنے کے لئے ان کوآلہ کار بنایا جائے۔علوم آلیہ یہ ہیں: صرف،نحو،منطق،فلسفہ،علم معانی،علم ادب وغیرہ۔

ہرلڑکی پراس قدرعلم حاصل کرنا فرض ہے جن کا حصول روزمرہ زندگی کیلئے ضروری ہے مثال

کے طور پر وضو، غسل، ماہواری، زچگی، نماز، حج، زکوۃ وغیرہ کے مسائل، عورتیں اپنے مردوں سے سیکھیں یا کتابوں سے پڑھیں۔ اور اگر یہ صورتیں ممکن نہ ہوں تو پھر کسی عالمہ عورت سے معلوم کرے ان علوم (فرض عین) میں سے اچانک اگر عورت کو کسی مسئلہ کی ضرورت پڑی اور اپنا مرد مسئلہ پوچھ کر نہیں آتا یا اجازت نہیں دیتا اور عالمہ عورت نہ ہو تو اس کے حصول کیلئے عورت باپردہ بغیر مرد کی اجازت کے نیک معتمد عالم دین مفتی کے پاس جاسکتی ہے؛ لیکن علوم آلیہ پر کمال حاصل کرنا عورت کے لئے فرض نہیں۔

۴- صرف ان علوم کے حصول کیلئے گھر بار کو چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ پرفتن دور ہے اور نئے نئے فتنے روزافزوں ابھر رہے ہیں۔ جب دینی مدارس کے بارے میں یہی حکم ہے تو دور جاکر اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے بارے میں آپ حضرات خود فتویٰ لگائیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ لڑکیوں کیلئے اسکول کالج، یونیورسٹی اور دینی مدرسہ میں حافظہ عالمہ بننے کے لئے محرم رشتہ دار سمیت باہر جانا جائز ہے کوئی اس کو ناجائز نہیں کہہ سکتا، لیکن خارجی امور کو دیکھ کر پرفتن دور کو مدنظر رکھ کر عورت کا دائرہ کار سامنے لاکر یہ کہا جاتا ہے کہ اس طرح کی تعلیم جائز تو ہے (جس کی شرائط آگے آرہی ہیں) لیکن بہتر نہیں ہے۔

۵- پڑھانے والی استانیاں عالمات ہوں مرد نہ ہوں اگر عالمہ مل نہ سکے تو پھر مرد پردہ لٹکا کر یا دور بیٹھ کر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سے پڑھائیں اور یہ دوسرا طریقہ بہتر اور فتنوں سے محفوظ ہے۔ لیکن ان امور کا خیال جامعہ کا منتظم کروائے کہ مرد سریلی آواز میں نہ پڑھائے، عشقیہ اشعار نہ کہے بلکہ علمی ضرورت کے علاوہ کوئی شعر نہ لکھے، طالبہ کا رول نمبر پکار کر حاضری لگائے نہ کہ نام لے کر، غیر ضروری اور غیر درسی باتوں سے اجتناب کرے، پڑھانے کے بعد وہاں بغیر ضرورت کے نہ ٹھہرے، افضل یہ ہے کہ شادی شدہ ہوں اور متقی با اعتبار عالم ہو۔ یہ پانچویں شرط صرف اسی صورت کے لئے ہے جبکہ علاقے میں ایسی کوئی عورت نہ ہو جو پوری عالمہ ہو اور عام عورتیں اس سے مسائل پوچھیں۔ جس طرح کہ مؤمنات صحابیات حضرت عائشہؓ سے پوچھتی تھیں۔ اگر علاقے میں کوئی مستند عالم، مفتی ہو تو اس کی بیوی کے ذریعے سے مسائل حل کرائے جائیں۔

اس صورت میں عالمہ بننے کی ضرورت نہیں اگرچہ فی نفسہ جائز ہے۔ اس لئے اس سے جو مقصد ہے وہ درست ہے۔

برصغیر میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اولین نقوش

از: (مولانا) حذیفہ وستانوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم
اکل کوا، نندوربار (مہاراشٹر)

الحمدللہ! جس خطہ میں ہم اہل ہند آباد ہیں وہ ایک ایسا خطہ ہے جو ابتداء آفرینش سے ہی انبیاء اور رسولوں سے وابستہ ہے جس کی برکتوں سے اسلام اس دورِ پرفتن میں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے قلب وجگر میں آباد ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ بعض احادیث کے مطابق حضرت سیدنا وابونا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہبوط سرزمین ہند پر ہوا اور بعض روایات کے مطابق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سرزمین مکہ پر اُتارے گئے، پھر بیت اللہ کی تعمیر کے بعد سرزمین ہند کی طرف تشریف لائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ ہند کو ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ صرف یہی نہیں چونکہ یہ خطہ تاریخ بشر کے آغاز ہی سے آباد ہوتا چلا آیا ہے اس سے آدم علیہ السلام کے بعد بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت وقفہ وقفہ سے یہاں ہوتی رہی ہوگی جیسا کہ سرہند کے قریب ایک دیہات میں دونبیوں حضرت ابراہیم اور حضرت خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبریں آج بھی موجود ہے، یہ دونوں مذکورہ انبیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام والد اور صاحبزادے تھے، صرف اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ نبی آخرالزماں علیہ الف الف تحیۃ وسلام کی بعثت کے ابتدائی مراحل ہی میں اسلام اہل ہند تک پہنچ چکا تھا جیسا کہ بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا کہ ہندوستان کے شہر ''قنوج'' کا بادشاہ سربانک معجزۂ شق القمر کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا، اسی طرح بعض روایات ہیں کہ ایک اور ہندی صحابی بابارتن ہندی کی ملاقات اور نبی کریم ﷺ سے چند احادیث کی روایت بھی ثابت ہے، آج بھی بابارتن ہندی کا مزار مشرقی پنجاب کے شہر بھنڈہ میں موجود ہے، اسی طرح ایک ہندوستانی بادشاہ کا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجنا بھی ثابت ہے جیسا کہ محدث کبیر حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب ''المستدرک'' میں اس

واقعہ کو ذکر کیا ہے، اسی طرح اہل سرندیپ نے بھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عقلمند، ذی شعور اور ذکی الفطرت شخص کو تعلیمات نبویہ کے مشاہدے کے لئے عرب تاجروں کے ساتھ روانہ کیا تھا، جب وہ مدینہ پہنچا تو نبی کریم ﷺ اس دارِفانی سے دارِ باقی کی طرف رحلت فرماچکے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی، اور حضرت عمر خلیفہ منتخب ہوچکے تھے، اس شخص نے اپنے وطن لوٹ کر تعلیمات اسلامیہ کی بہت تعریف کی، اہل سرندیپ اس سے بہت متأثر ہوئے، اس کی برکتیں ہیں جو آج مالدیپ مملکت اسلامیہ کی صورت میں آباد ہے، اس طرح جنگ یمامہ کے بعد حضرت علی کے حصہ میں آنے والی ایک خاتون ''خولہ سندیہ حنفیہ'' تھی، جس کے بطن سے آپ کے ایک صاحبزادے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے، علامہ بن خلکان نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''وفیات الاعیان'' میں خولہ کا ہندیہ ہونا ثابت کیا ہے، یہ تو وہ واقعات تھے جن سے بعض اہل ہند کا انفرادی طور پر اسلام میں داخل ہوکر السابقون الاولون کی فہرست میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے۔

ہندوستان میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آمد:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس نبوت و رسالت سے آراستہ کئے جانے کے بعد چوں کہ جزیرۃ العرب کے کافر ومشرک یہود ونصاریٰ کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا تھا، لہٰذا انہیں لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی سعی میں مشغول رہے اور جس میں الحمدللہ آپ سو فیصدی ہی نہیں بلکہ ہزار اور لاکھ فیصدی کامیاب رہے کہ آں حضرت ﷺ کی ۲۳ رسالہ بے مثال جدوجہد کے نتیجہ میں پورا جزیرۃ العرب اسلام میں داخل ہوگیا، صرف داخل ہی نہیں بلکہ آپ کی صحبت کی برکت اور جانبین کی اخلاص کی وجہ سے مکمل طور پر تعلیمات نبویہ سے سرشار ہوگئے اور ہر اعتبار سے اسوۂ رسول ﷺ میں ڈھل گئے، یہاں تک کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے انہیں اپنی رضا کا پروانہ دے دیا اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اور صحابہ جیسے عظیم القاب سے یاد کئے جانے لگے جو انبیاء کے بعد بنی آدم کے افضل ترین رتبہ پر فائز ہوگئے۔

نبی کریم ﷺ کے اس دارِفانی سے دارِ باقی کی طرف رحلت فرماجانے کے بعد تبلیغ کو انہوں نے اپنا مشن بنائے رکھا اور یہ تہیہ کرلیا کہ پیغامِ حق سے پوری دنیا کو سرشار کریں گے اور الحمدللہ ہمارے صحابہ یہ صرف کہا نہیں بلکہ کر دکھایا۔ اے اللہ! صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرما اور ان کی محبت سے ہمارے قلوب کو سرشار فرما۔ آمین یارب العالمین!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، مگر چونکہ آپ کا دور ''فتنۂ ارتداد'' سے دوچار رہا لہٰذا اس کی سرکوبی میں مختصر سا مگر بابرکت دور پورا ہوگیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہندوستان کی جانب توجہ کا موقعہ نہیں مل سکا اور رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے، چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داخلی فتنوں کو اپنی حکمت عملی اور کامیاب تدابیر سے نسیاً منسیًا کردیا تھا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اب کسی داخلی فتنہ سے خطرہ نہ تھا، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی مکمل توجہ دین اسلام کو اقوامِ عالم تک پہنچانے میں صرف کی اور الحمدللہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے ہدف کو حاصل کرنے یعنی دور دور علاقوں میں اقوامِ عالم تک دین اسلام کو پہنچانے میں کامیاب رہے۔

سرزمین ہند پر صحابہ کے اولین نقوش:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے چار سال بعد سن ۱۵ھ ہجری میں حضرت عثمان بن ابوالعاص کو بحرین اور عمان کا والی مقرر کیا، حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے برادر محترم ''**حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ**'' کو ایک لشکر کا کمانڈر بنا کر ہندوستان کی بندرگاہ ''**تھانہ**'' اور ''**بھروچ**'' کے لئے روانہ کیا اور اپنے دوسرے بھائی ''**مغیرہ بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ**'' کو فوج دے کر ''**دیبل (کراچی)**'' کے لئے روانہ کیا، مگر یہ غیر مستقل جھڑپیں تھیں، کوئی مستقل فوج کشی اور جنگ نہیں تھی، اس لئے عام تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا، اسی طرح ''**مکران، کرمان، رن، بلوچستان، لس بیلا، ملات، ملتان، لاہور، بتوں، کوہاٹ**'' اور دیگر علاقوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مقدس جماعت کا ورود مسعود تاریخ کی بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

مؤرخ اسلامی علامہ قاضی محمد اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق سرزمین ہند کو سترہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی قدمبوسی کا شرف حاصل رہا ہے، جبکہ دورِ حاضر کے مؤرخ محمد اسحاق بھٹی کی تحقیق کے مطابق پچیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقدامِ مبارکہ کی قدم بوسی سرزمین ہند کو حاصل ہوئی، اس طرح قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے

تابعین کے ورودِ مسعود کا ذکر کرتے ہیں (خلافت راشدہ اور ہندوستان) اور محمد اسحاق بھٹی صاحب ۴۲/تابعین اور ۱۸/تبع تابعین کے ورودِ مسعود کا تذکرہ کرتے ہیں۔ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش)

اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہیکہ ان صحابہ کے نام ہی ذکر کردیئے جائیں جن کا ورودِ مسعود ہندوستان کی سرزمین میں ہوا:

(۱)حَکَم بن ابی العاص (۲)حَکَمُ بن عمرو ثعلبی غفَاری (۳)حضرت خریت بن راشد ناجی سامی (٤)رُبَیَّعُ بن زیاد حارثی مَذْحَجِی (٥)سنان بن سلمه هذَلی (٦)حضرت سهل بن عدی خزرجی انصاری (٧)حضرت صحّار بن عباس عبدی (٨)حضرت عاصم بن عَمرو تمیمی (٩)عبدالله بن عبدالله بن عِتبان انصاری (١٠)عبدالله بن عمیر اَشجعی (١١)عبدالرحمن بن سمُره قرشی (١٢)عبیدالله بن معُمَر قرشی تیمی (١٣)عثمان بن ابی العاص ثقَفِی (١٤)حضرت عُمیر بن عثمان بن سعد (١٥)مجاشع بن مسعود سَلَمِی (١٦)حضرت مغیره بن ابی العاص ثقفی (١٧)حضرت منذر بن جارود عبدی (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔ **اللهم اجزهم عنا هؤلاء الصحابة احسن ما جازیت به عبادك الصالحین و انزل علیهم شأبیب رحمتك و رضوانك و اجعلنا معهم یوم الحشر و الحساب و فی الجنه و وفقنا باتخاذهم قدوة لنا فی الدنیا. آمین یا رب العالمین!**

یہ سترہ اسماءِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ جس کو قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' میں تحریر فرمایا۔

اللہ رب العزت، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جزاءِ خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے بڑی جدوجہد اور کاوشوں کے بعد، ان صحابہ کے اسماءِ مبارکہ کو جمع کیا۔

اس کے علاوہ اور چند اسماءِ مبارکہ کو، محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اپنی تالیف لطیف ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہیں:

(١٨)شهاب بن مخارق بن شهاب تمیمی (١٩)نسیر بن دیسم بن ثور عجلی (٢٠)حکیم بن جبله اسدی (٢١)کلیب ابووائل (٢٢)مُهَلَّبُ بن ابوصفره ازدی عتکی (٢٣)عبدالله بن سوّار عبدی (٢٤)یاسر بن سوّار عبدی (٢٥)عبدالله سُوَیْد تمیمی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

ان میں بعض صحابہ کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی۔

صحابہ کے بعد امت کا بہترین طبقہ، تابعین کا ہے۔ اور الحمدللہ تابعین رحمہم اللہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے ہندوستان کی سرزمین پر تشریف لائے۔ تو آیئے اب ان تابعین کے نام معلوم کرتے چلیں:

(۱) حضرت ثاغر بن ذعر (۲) حضرت حارث بیلمانی (۳) حضرت حکیم بن جبلہ، قاضی صاحب نے ان کو تابعی اور محمد اسحاق بھٹی صاحب نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (۴) حضرت حسن بن ابوالحسن یسار بصری (۵) حضرت سعید بن ہشام انصاری (۶) سعید بن کندیہ قشیری (۷) شہاب بن مخارق تمیمی (۸) صیفی بن فسیل شیبانی (۹) نسیر بن وسیم عجلی یہ بھی مختلف فیہ ہیں۔ محمد اسحاق بھٹی صاحب نے دیگر تابعین کے اسماء تحریر فرمائے ہیں وہ یہ ہیں: (۱۰) ابن اُسید بن اَخنس (۱۱) ابوشیبہ جوہری (۱۲) حاتم بن قبیصہ (۱۳) راشد بن عمروالجدیدی (۱۴) زائدۃ بن عمیر طائی (۱۵) زیاد بن حواری عمی (۱۶) ابوقیس زیاد بن رباح قیسی بصری (۱۷) حکم بن عوانہ کلبی (۱۸) معاویہ بن قرۃ مُزنی بصری (۱۹) مکحول بن عبداللہ سندھی (۲۰) عبدالرحمٰن بن عباس (۲۱) عبدالرحمٰن سندھی (۲۲) قطن بن مدرِک کلابی (۲۳) قیس بن ثعلبہ (۲۴) کمس بن حسن بصری (۲۵) یزید بن ابوکبشہ سکسکی دمشقی (۲۶) موسیٰ سیلانی (۲۷) موسیٰ بن یعقوب ثقفی (۲۸) عبدالرحمٰن کِندی (۲۹) عبدالرحمٰن بیلمانی (۳۰) عمر بن عبیداللہ قرشی تیمی (۳۱) شمر بن عطیہ اسدی (۳۲) سعید بن اسلم کلابی (۳۳) حباب بن فضالہ ذُہلی (۳۴) عبدالرحمٰن بن عبداللہ کواعشی (۳۵) حارث بن مرہ عبدی (۳۶) ایوب بن زید ہلالی (۳۷) حری بن حری باہلی (۳۸) عباد بن زیادہ اُموی (۳۹) یزید بن مفرغ حِمیری (۴۰) ربیع بن صبیح سُعدی بصری (۴۱) مجاعۃ بن سعر تمیمی (۴۲) عطیہ بن سعد عوفی (۴۳) ابوسالمہ زُطی (۴۴) محمد بن قاسم ثقفی (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔

یہ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جنہوں نے اِعلاء کلمۃ اللہ اور ابلاغِ دین اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیا اور ہم اہل ہند کو اسلام کی تعلیماتِ صحیحہ سے روشناس کیا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو بھی جاہلیت قرن عشرین کی تاریکیوں سے محفوظ فرماکر، دوسروں کے لئے ہدایت کا باعث بنادے، ہمیں ہمارے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یارب العالمین!

سرزمین ہند کی جانب تبع تابعین:

(۱) اسرائیل بن موسیٰ بصری (۲) کرزُ بن ابوکرز عبدی (۳) معلّٰی بن راشد بصری (۴) جنید

بن عمرو العدوانی المکی (۵) محمد بن زید عبدی (۶) محمد بن غزان کلبی (۷) ابوعینیہ ازدی (۸) سندی بن شماس السمان بصری (۹) عبدالرحیم دیبلی سندھی (۱۰) عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی (۱۱) عبدالرحمٰن بن السندی (۱۲) عمرو بن عبید بن باب السندی (۱۳) فتح بن عبداللہ سندھی (۱۴) قیس بن بسر سندی النصری (۱۵) ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی (۱۶) محمد بن ابراہیم بیلمانی (۱۷) محمد بن حارث بیلمانی (۱۸) یزید بن عبداللہ قرشی سندھی۔ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش)

اللہ رحمت نازل کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔ **اللهم نور قبورهم واسكنهم في جنات عدن تجري من تحتها الانهار خالدين فيها ابدا واجعل قبورهم روضات من رياض الجنة واجعلنا في زمرتهم مع النبيين و الصالحين والشهداء.**

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صحابہؓ، تابعین، اور تبع تابعین کی انتھک محنتوں کے بعد برصغیر ہندوپاک تک پہنچا برصغیر میں اسلام دو طریقے سے پھیلا: (۱) تبلیغ کے ذریعہ۔ (۲) جہاد کے ذریعہ۔

سراندیپ، کلکپدیپ، مالدیپ، مالابارہ، جزیرہ جاوا، سُماٹرہ، سنگاپور، ملایا، کالیکٹ وغیرہ میں اسلام انصاف اور مساوات پر مشتمل تعلیمات کی وجہ اور علاقوں کے بادشاہوں کے زمانہ قدیم سے، اہلِ عرب سے تجارتی تعلقات کی وجہ سے بغیر کسی جہاد و جنگ کے بہت تیزی سے اسلام پھیلا۔ عرب کے تجاروں میں سے مشرف بن مالک اور مالک بن دینار اور مالک بن حبیب کا بھی ان علاقوں میں اسلام کی تبلیغ میں بڑا کردار رہا، مسلمانوں کی کثرت کو دیکھ کر، مالک بن دینار وغیرہ نے کدنکلور کالیکٹ میں، مسجد بھی تعمیر کروائی، ان مذکورہ مسلمان تاجروں کی محنت کے سبب اسلام ساحلی کارومنڈل تک پھیل گیا اور بکثرت مسجدیں بھی بنائی گئیں؛ گویا یہ تمام علاقے حضرت محمد بن قاسم ثقفیؒ کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے قبل ہی اسلام میں داخل ہوگئے'' **ولله الحمد على ذالك**''۔ اللہ ہمارے ان مسلمان تاجروں کو اس کا بہترین بدلہ آخرت مین عطا رفرمائے۔ (آمین یارب العالمین) علاقۂ سندھ، جس کا اطلاق قدیم دور میں ایک عظیم مملکت پر ہوتا تھا، یہ مملکتِ سندھ، موجودہ سندھ سے مغرب میں مکران تک، جنوب میں بحرِعرب اور گجرات تک، مشرق میں مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک، شمال میں ملتان سے اوپر گزر کر جنوبی پنجاب کے علاقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ (فتوح الہند) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ سندھ میں مسلمانوں کی آمد کا آغاز عہدِ فاروقیؓ کے ابتدا ہی سے ہوچکا تھا، جس کے اولین محرک حضرت عثمان بن ابی العاصؓ تھے جنہوں نے اپنے دو بھائی حکم بن ابی العاص اور مغیرہ این ابی العاص کو اس خطہ میں روانہ کیا تھا، پھر حضرت عثمانؓ نے بھی

ہندوستان میں صدائے ''لاإله الله'' کی گونج کے لئے اور حالات دریافت کرنے کے لئے فوج روانہ کی، مگر جنگ کی نوبت نہ آئی، پھر حضرت علیؓ کے عہد میں حارث بن مرہ عبدی، سرہند پر حملہ آور ہوئے، پھر حضرت معاویہؓ کے عہد میں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ حملہ کرنے کی غرض سے آئے اور فاتح ہوئے، اسی لیے تاریخ فرشتہ کے مصنف نے اسلام پر پہلی منظّم جنگ کا شرف اُنہیں کے سر باندھا ہے۔ مگر یہ حملے چھوٹے چھوٹے تھے، بڑا حملہ حجاج کے اشارے پر محمد بن قاسم ہی نے ۹۲ھ میں کیا، اور اقل قلیل مدت میں وہ پورے سندھ کو فتح کرلیا، مگر بدقسمتی سے سلیمان بن عبد الملک نے حجاج کے ساتھ اپنے اختلافات میں، محمد بن قاسم جیسے جواں مرد اور نیک صفت مجاہد اسلام کو، بلی کا بکرا بنادیا ''إن لله وإنا اليه راجعون'' محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کرنے کے بعد، وہاں جامع مسجد تعمیر کروائی، چار ہزار عربوں کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دے دیا، یہاں یہ بات قابل لحاظ رہے کہ ان فتوحات کے بعد بھی مسلمانوں نے اس بات کا حد سے زیادہ خیال رکھا کہ ہماری حکومت سے ملکِ سندھ کے کسی طبقہ کو بھی اذیت نہ پہنچے، مسلمانوں نے پست لوگوں کو اُبھارا توسہی، مگر بلند لوگوں کو پست نہیں کیا، جیسا کہ عام فاتحین کا طریقہ ہوتا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم نے بلقیس کے واقعہ میں کیا ہے، کہ ملکہ سبا بلقیس نے اپنے مشیروں سے کہا ''إن الملوك إذا دخلوا قرية افسدوها و جعلوا اَعزة اهلها اذلة و كذالك يفعلون'' محمد بن قاسم نے ایسا زبردست انصاف کیا کہ تاریخ ہند میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ قاضی کرتے تھے، لیکن ہندوؤں کے لئے ان کی پنچایتیں بدستور قائم رہیں۔

محمد بن قاسم کی یہی رواداری اور انصاف تھا، جس کی وجہ سے ان کی مخالفت کم ہوئی، کئی شہروں نے خود بخود ان کی اطاعت قبول کرلی، بلکہ بلاذوری تو لکھتا ہے، کہ جب محمد بن قاسم قید ہوکر عراق بھیجے گئے، تو ہندوستان کے لوگ روتے تھے اور علاقۂ کچھ گجرات کے لوگوں نے ان کا مجسمہ بنایا۔

محمد بن قاسم جیسے مردِ مجاہد کے بعد، سرزمین ہند پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے یزید بن مہلب نے بھی اپنی خدمات انجام دیں، قبل اس کے ہم دیگر مجاہدین و مصلحین کا اجمالی تذکرہ کریں، قبیلہ ثقیف کی قابلِ قدر خدمات جو انہوں نے سرزمین ہند پر اسلام پہنچانے کے سلسلے میں کی، جس کا آغاز ۱۵ھ سے حضرت عثمان بن ابی العاص اور حکم بن ابی العاص اور مغیرہ بن ابی العاص الثقیفیونؓ سے ہوتا ہے اور اختتام حجاج بن یوسف اور محمد بن قاسمؒ پر ہوتا ہے؛ قبیلہ ثقیف کے اہل ہند پر احسان عظیم کے سلسلہ میں مؤرخ کبیر و محقق عظیم قاضی اطہر مبارکپوری کی عبارت پڑھنے کے قابل ہے۔

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہندوستان طائف اور اس کے قبیلہ بنوثقیف کا یہ

احسان کبھی نہیں بھول سکتا ہے، جس نے ہندوستان کو اپنی دینی وروحانی توجہ کا مرکز بنا کر جب بھی اسے اقتدار ملا اس کی طرف رخ کیا، عہد فاروقیؓ میں حضرت عثمانؓ نے بحرین وعمان کی گورنری پاتے ہی اپنے بھائیوں حکمؓ اور مغیرہؓ کو یہاں اسلام کی برکت دے کر روانہ کیا اور اُموی دورِ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے عراق کی گورنری پا کر، اپنے جواں سال بھتیجے محمد بن قاسم کو خلافت کے زیر اہتمام باقاعدہ اسلامی فوج کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا“۔ (عہد نبوی کا ہندوستان:۲۴۶)

مؤرخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے قبیلہ بنوثقیف کے بارے میں، اہل ہند پر احسان عظیم ذکر کرنے کے ساتھ ہی ذہن اس واقعہ کی طرف منتقل ہوا، جو نبی کریم ﷺ کو امام ابن کثیرؒ کی تحقیق کے مطابق ہجرت سے تین سال قبل یعنی ۱۰/نبوی یا ۱۱/نبوی میں طائف کے سفر کے دوران پیش آیا، جب کہ طائف کے اوباشوں نے نبی کریم ﷺ کو ستایا تھا اور آپ ﷺ کو لہولہان کر دیا تھا، جس کے بارے میں خود نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے استفسار کرنے پر فرمایا تھا: **ما لقيت من قومك كان اشد منه يوم العقبة إذ عرضت نفسي على بن عبد ياليل بن عبد كلال فلم يجب إلى ما اردت**۔ (البدایہ النہایہ ج/۳:۱۱۰)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (جنگِ احد کے بعد) ایک روز رسول اللہ ﷺ سے میں نے دریافت کیا ”**هل أتىٰ عليك يوم كان اشد عليك من يوم احد**“۔ (البدایۃ والنہایۃ)۔۔۔ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ، پر اُحد سے زیادہ سخت دن کوئی گذرا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں احد سے بھی زیادہ سخت دن مجھ پر وہ تھا جب کہ (قبیلہ بنوثقیف کے سردار) عبد یالیل اور عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی، تو انھوں نے میرے گمان کے خلاف مجھے جواب دیا، جب محزون وملول واپس ہوا، اور مقام ”قرن ثعلب“ پر پہنچا، تو میں نے سر اٹھایا، تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، پھر کچھ دیر بعد اسی بادل سے جبرئیل علیہ الصلاۃ السلام نے آواز دی اور کہنے لگے کہ اہلِ طائف نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ رب العزت نے اس کو دیکھا اور ملک الجبال کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، آپ اس کو جو چاہے حکم دے دیں، پھر ”**ملك الجبال**“ نمودار ہوئے اور ”سلام“ کیا اور کہنے لگے، اللہ رب العزت نے مجھے آپ کی جانب ارسال فرمایا، اگر آپ حکم دیں تو اہلِ طائف اور قبیلۂ ثقیف کو دو پہاڑیوں کے درمیان پیس دیا جائے، مگر ہزار جان قربان رحمۃ للعالمین ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”**ارجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد اللهَ ولايشرك به شيئاً**“ مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے، جن کی زبان پر توحید کے زمزمے ہوں گے اور جن کے سینے شرک کی

آلائشوں سے صاف وشفاف ہوں گے، بس اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ میں پیش آنے والا سخت ترین دن کی یہ دعا عرش معلیٰ تک پہنچ گئی۔

مؤمن کی دعا پَر نہیں مگر طاقتِ پرواز رکھتی ہیں، ایک تو نبی اکرم ﷺ کا دعا دینا ہی کافی تھا اور وہ بھی سخت غم اور حزن کی حالت میں بھلا ایسی دعا کی قبولیت میں کیا شک ہوسکتا ہے، اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور اخیر میں محمد بن قاسم نے، ہندوستان کی شرک وکفر کی مسموم فضاء میں توحید خالص کے زمزمے اور صدائیں بلند کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں عرب کے ریگستان سے طویل مسافت پر واقع ملک ہندوستان میں قبیلۂ ثقیف اسلام کی بنیادیں قائم کرنے میں کامیاب ہوا، قیامت تک اہل ہند کے کارہائے خیر کا ثواب قبیلۂ ثقیف کے میزانِ حسنات میں لکھا جاتا رہے گا، انشاء اللہ۔ اہلِ ہند اس قبیلہ کا جتنا بھی شکر واحسان مانے کم ہے ''**جزاهم الله عنا خير الجزاء واحسن الجزاء في الدنيا و الآخرة**''۔ آمین یارب العالمین!

خلاصۂ کلام یہ کہ محمد بن قاسم الثقفی کی شہادت کے (مفتی شفیع صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق) تین سو برس تک مسلمانوں نے ہندوستان پر کوئی بڑی جنگی کاروائی نہیں کی، البتہ اس دوران چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہے، مثلاً محمد بن قاسم نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، حکم کے دستِ راست بن کر فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اسی کے بعد خلافت بنوامیہ کا خاتمہ ہوگیا اور خلافت عباسیہ ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء میں قائم ہوئی۔ خلافتِ عباسیہ کے دور میں ہشام ۱۴۰ھ میں سندھ کے علاقہ میں آیا اور کاٹھیاوار کے علاقہ کو اس نے فتح کیا اور اور گجرات میں سب سے پہلی مسجد بنوائی پھر شمال میں کشمیر کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔ صاحب ''آبِ کوثر'' شیخ اکرم... فرماتے ہیں کہ فتح سندھ کے سات سال تک تو عرب فاتحین کا پلہ بھاری رہا، مگر پھر یمنی اور حجازی آپسی عرب اختلاف کی وجہ سے غیروں فائدہ اٹھایا، چناں چہ جاٹوں نے شمالی سندھ میں اور جنوبی سندھ میں ''میڈ'' قوموں نے اپنا اثر ورسوخ قائم کرلیا اور ۲۳۷ھ مطابق ۸۵۴ء کے آنے تک پھر ہباری خاندان کی موروثی حکومت شروع ہوگئی پھر قرامطہ اسماعیلی شیعہ کا ۲۷۰ھ میں ملتان پر قبضہ ہوگیا، قرامطہ کے تسلط کے بعد سلطان محمد غزنوی ۳۶۷ھ ۹۹۷ء میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور ایک عظیم اسلامی مملکت کی بنیاد ڈالی جو مختلف مراحل اور خاندانوں سے گذرتی ہوئی ۱۸۵۷ء تک باقی رہی سلطان ایک نیک دل عادل بادشاہ تھا سلطان غزنوی تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ ستارہ ہے جس نے مملکت اور عیش کو مقصد نہیں بلکہ احیاء اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کو زندگی کا مقصد بنایا اور وہ اس میں الحمدللہ کامیاب رہا ''**اللهم أنزل شآبيب حرمتك عليه**''۔

دہشت گرد-کون، کیوں، کیسے؟

از: جناب غلام رسول دیشمکھ
انجمن روڈ، بھساول

دہشت گرد کون ہیں؟ کیا یہ کسی تحریک یا نظریہ کا نام ہے؟ یا کسی فرد یا جماعت کا؟ یہ وقت کا اہم موضوع ہے۔ اس موضوع پر کئی سال غور کرنے کے باوجود یو۔این۔او (UNO) بھی اس کی تعریف متعین کرنے سے قاصر ہے۔ وہ جو بھی تعریف متعین کرتی ہے اس کی زد میں وقت کی سپر طاقتیں آجاتی ہیں۔ چونکہ UNO سُپر طاقتوں کی آلۂ کار ہے، اس لئے ان طاقتوں کی خواہش پر ملت اسلامیہ کو ہدف بنایا گیا۔ اور دہشت گردی کا ایک آسان نام ''اسلامی دہشت گردی'' ایجاد کرلیا گیا۔ تاکہ افغانستان، عراق وغیرہ پر حملوں کا جواز فراہم ہوجائے۔ اس طرح وقت کے سب سے بڑے دہشت گرد امریکہ نے اپنے جنگجو مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ان مسلم ممالک میں تباہی اور بربادی مچادی اور وہاں لوٹ گھسوٹ اور قتل وغارت گری کو اپنے لئے جائز قرار دیا۔

اس طرح فلسطین میں عربوں کا قتل عام، اسرائیل کررہا ہے۔ جسے آپ امریکہ کے بعد دہشت گرد ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ جرمنی میں ہٹلر نے یہودیوں کا جو قتل عام کیا تھا (جسے لوہولوکاسٹ کے نام سے جانتے ہیں) اس کا بدلہ وہ عربوں سے لے رہے ہیں۔ ہٹلر نے جو سلوک ان کے ساتھ کیا تھا، اس سے بدتر سلوک وہ فلسطین میں عربوں کے ساتھ کررہے ہیں۔ چونکہ اسرائیل جرمنی سے بدلہ نہیں لے سکتا اور امریکی پالیسی ساز بھی اسرائیل کے ذریعے عربوں کو کچلنا چاہتے ہیں۔

دہشت گردی کے چند نمونے

❁ آزاد بھارت میں آزادی کے فوراً بعد تحریک آزادی کے رہنما مہاتما گاندھی کو دن کی روشنی میں قتل کردیا جاتا ہے۔ قاتل اعلیٰ ذات کا ہندو Nathuram Godse جو سنگھ پریوار کا فرد

تھا۔ گویا آزاد بھارت میں یہ دہشت گردی کا آغاز تھا۔

❁ ملک کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کا قتل اسی کے ایک سکھ محافظ کے ہاتھوں دن دہاڑے گولی مار کر ہوا۔

❁ سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی کا قاتل، جنوبی ہند کا ایک ہندو شخص تھا۔

❁ آسٹریلیا کے عیسائی پادری گراہم اسٹینس اور اس کے بچوں کو زندہ جلادیا گیا۔ جلانے والے بجرنگ دل اور بے جے پی کے لوگ تھے۔

❁ نکسلائیٹ، الفا وغیرہ تنظیموں کے تشدد کے شکار آئے دن لوگ ہوتے رہتے ہیں۔ شمالی ہند میں نچلی ذاتوں کے لوگوں کی جان ومال، عزت وآبرو کو پامال کرنا اعلیٰ ذات کے انتہا پسندوں کا مشغلہ رہا ہے۔

❁ سنگھ پریوار نے مسٹر ایڈوانی کی قیادت میں تاریخی بابری مسجد کو شہید کردیا۔ باوجود اس کے کہ اس کا کیس سپریم کورٹ میں چل رہا تھا، اور اسی کورٹ میں یہ حلف نامہ داخل کرنے کے بعد کہ بابری مسجد کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، قانون کو ہاتھ میں لیا گیا۔

❁ گودھرا میں مودی پیٹنٹ فارمولے کو اپنا کر اس کے تجربے سے گجرات میں مسلم اقلیت کی نسل کشی کی گئی۔

❁ مہاراشٹر میں ناندیڑ، پربھنی، پُرنا، جالنہ، عمرکھیڑ وغیرہ بم دھماکوں کے مجرم آج بھی آزاد گھوم رہے ہیں۔ ان کی آج تک خاطر خواہ تحقیقات نہیں کی گئی۔

❁ ممبئی میں گنپتی جلوس کے موقع پر ایک شخص کے پاس تھیلی میں بم ملے تھے، لیکن کوئی ناخوشگوار واقعہ ہونے سے قبل وہ پولس کی گرفت میں آگیا۔ اس واقعہ کی تحقیق ہونی چاہئے تھی۔ (اگر کوئی حادثہ وقوع پذیر ہوجاتا تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کی ذمہ داری کس پر ڈالی جاتی ؟)

مندرجہ بالا نمونے کے چند واقعات ہیں۔ کیا ان میں دہشت گردی نظر نہیں آتی ؟ ان کو دہشت کہنا تو دور رہا، کوئی انہیں صرف دہشت گرد کہنے کے لئے بھی آمادہ نہیں۔ یعنی یہ فقرہ صرف ملت اسلامیہ ہی سے وابستہ ہے۔

جرائم اور مذہب

زمانے کی یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جرائم اور جرائم پیشہ افراد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور نہ

کوئی ملک ہوتا ہے۔اسی طرح دہشت گرد کا بھی کوئی ذات، مذہب یا ملک نہیں ہوتا۔مگر جب ملت اسلامیہ کا تعلق آتا ہے،فوراً پیمانے بدل جاتے ہیں اوراس کی ہر حرکت وعمل کو مخصوص خوردبین سے دیکھا جاتا ہے کہ کس طرح اور کیسے اس کو بدنام کیا جائے اوراپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے راستے ہموار کئے جائیں۔

اسامہ بن لادن کے گروپ کوامریکہ ہی نے روس کے خلاف افغانستان میں کام کرنے کی تربیت دے کر تیار کیا تھا۔طالبان کو جنم دینے والا بھی امریکہ ہی ہے۔جب ان لوگوں سے اس کا مقصد پورا ہوگیا تو وہ خودامریکہ کی نظر میں دہشت گرد بن گئے۔چونکہ اب وہ امریکہ کے کام کے نہیں رہے۔اس لئے امریکہ کا پروپیگنڈہ ہے کہ ان سے پوری دنیا کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔اس طرح وہ اپنے ظالمانہ عزائم نیز ظلم وستم کو جائز قرار دینے کے لئے جواز فراہم کرلیتا ہے۔یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ امریکہ کی سی۔آئی۔اے اوراسرائیل کی موساد، انتہا پسندوں کی تیاری وتربیت کرکے پوری دنیا میں دہشت گردی کے لئے ان کا استعمال کرتی ہے۔

میڈیا اور پولس کارول

ملک میں جہاں بھی تشدد کا کوئی ناخوشگوار واقعہ ہو،حکومت کے پاس انتہا پسند گروپوں کے ناموں کی فہرست اوراستعمال کئے گئے سامان کی تفصیل پہلے ہی سے موجود رہتی ہے۔پولس اور میڈیا کی جانب سے مسلم نوجوانوں پرشک کی سوئیاں گھما کر،فرضی کہانیاں گھڑکرنوجوانوں کوگرفتار کیا جاتا ہے۔ان کوظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اس طرح پوری مسلم قوم کومجرم ثابت کرنے کی سازش عمل میں آتی ہے۔پوٹا اورمکوکا جیسے قوانین تو بنائے ہی اس لئے گئے ہیں تاکہ اس کا بے دریغ استعمال مسلم اقلیت کے لئے کیا جاسکے۔چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ آج تک ان قوانین کی دفعات کے تحت ملت کے نوجوانوں کو ہی گرفتار کیا گیا ہے۔

تعصب کی انتہا تو یہ ہے کہ مالیگاؤں،حیدرآباد،اجمیر وغیرہ کی مساجد میں ہونے والے بم دھماکوں کے سلسلے میں بھی ملت کے افراد ہی کوحراست میں لے کرٹارچر کیا جارہا ہے۔

ممکن ہے

بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ متذکرہ واقعات میں ہماری قوم کے کچھ نادان، ناسمجھ یا

جنونی نوجوان شامل ہیں تو ان کا تناسب بہت ہی کم ملے گا۔ ان کو کسی خاص مذہب سے جوڑ کر دیکھا نہیں جاسکتا۔ بلکہ دیگر مجرمین کی طرح ہی وہ بھی مجرم ہیں۔ ان معاملات میں انصاف کا تقاضا ہے کہ کسی کا جرم ثابت ہونے پر انہیں سخت سزا دی جائے۔ تاکہ لوگوں کے لئے باعث عبرت ہو۔

لائحۂ عمل

اس وقت ضرورت ہے ملت اسلامیہ کے سامنے حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ رکھا جائے کہ آپ نے نبوت کے ابتدائی ۱۵/سالوں میں کس طرح اخلاص کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیا اور اپنے عمل وکردار سے لوگوں کے دل جیت لئے۔ ان کے دلوں اور دماغوں پر حکومت کی۔ پراگندہ معاشرہ کو صالح معاشرہ میں تبدیل کردیا۔ اسلام ملت اسلامیہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے عمل وکردار سے لوگوں کے دلوں کو جیت لیں۔ دراصل یہی اس ملت کا مقصد وجود ہے۔ اس فریضہ سے غفلت کے نتائج دنیا اور آخرت دونوں جگہ خطرناک اور بھیانک ہوں گے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ ملت اسلامیہ اپنا محاسبہ کرے کہ وہ اتنی بے اثر کیوں ہوگئی ہے؟ اس ملک میں ہم ۲۰ کروڑ ہیں جب کہ دنیا میں دوسو کروڑ۔ اس کے برخلاف بین الاقوامی سطح پر ہمارا کوئی وزن محسوس نہیں ہوتا۔ ہم کوڑا کرکٹ اور جھاگ کی مانند ہوکر رہ گئے ہیں۔

حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عنقریب غیر مسلم قومیں تمہاری سرکوبی کے لئے ایک دوسرے کو بلائیں گی اور (پھر وہ سب مل کر) دھاوا بول دیں گی۔ جیسا کہ بہت سے کھانے والے افراد ایک دوسرے کو بلا کر دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایک آدمی نے عرض کیا: حضور! اس وقت کیا ہماری تعداد تھوڑی ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت تم تعداد میں کثیر ہوں گے۔ لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے کوڑا کرکٹ اور جھاگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ دشمن قوموں کے دلوں سے تمہارا رعب ختم ہوجائے گا۔ اور تمہارے دل ''وہن'' کا شکار ہوجائیں گے۔ کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہن کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداؤد)

❁ ❁ ❁

بچوں کیلئے آدھا گھنٹہ آفس کیلئے ساڑھے بارہ گھنٹہ

از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
۱۵- گاندھی روڈ، دہرہ دون

ملکی اور بین الاقوامی پیمانہ پر گذشتہ دنوں لگاتار مخصوص طرح کے جرم پر مبنی خبروں کا تسلسل رہا جن کا تعلق جنسی جرائم کی خبیث ترین شکلوں سے تھا۔ بطور یاددہانی یاد کیا جاسکتا ہے آسٹریا کے شہر ایمسٹیٹن Amstetten کے قیدخانہ میں ایک ابلیس نما انسان نے اپنی سگی بیٹی الزبتھ کو تہہ خانہ میں ۲۴ سال تک قید رکھ کر جنسی تعلقات بنائے اور اس سے (۷) اولادیں ہوئیں۔ یوروپ میں ہی فرانس کے صدر نکولائی سرکوزی اپنی ''گرل فرینڈ'' کو لے کر دنیا بھر میں سرکاری دورہ کرتے رہے۔ ''اعتدال پسند مسلم ملک'' مصر کے رہنماؤں نے انھیں سرکاری آداب اور سہولیات مہیا کرائیں ہمارے یہاں بھی ان عیاش سربراہ حکومت کو آنا تھا اور ہماری حکومت پریشان تھی کہ سرکاری آداب ''پروٹوکول'' Protocol میں مہمانوں کے خانہ میں ''گرل فرینڈ'' کی کون سی شق پیدا کی جائے۔ کہ سرکوزی نے ہماری حکومت کی خود ہی مشکل آسان کردی کہ ''ناجائز'' مہمان کو ساتھ ہی نہیں لائے۔ اس مسئلہ پر اخبارات میں خصوصاً ہندی انگریزی پریس میں ہوئی بحث قابل تجزیہ بھی ہے اور آنے والے طوفان کے سگنل بھی دے رہی ہے۔ بے حیائی کی انتہا یہ ہے کہ صدر کی بیوی بننے کے بعد اس نے اپنے ماڈل گرل کے زمانہ کی عریاں فوٹوگراف اخبار کو چند لاکھ ڈالر میں فروخت کردی۔ یہ فوٹو آج فرانس میں سب سے زیادہ مقبول عام ہے۔ ہمارے ملک میں تو شاید اس طرح کے جرائم کی باڑھ آئی ہوئی ہے۔ مقامی خبروں کا کوئی کالم ایسا نہیں ہوگا جہاں جنسی جرائم، استحصال اور بدکاری کی خبیث ترین مثالیں نہ مل جائیں اور مقام عبرت یہ ہے کہ ''خیرامت'' کے افراد ان شیطانی جرائم میں پوری حصہ داری کررہے ہیں۔ یوپی کے جے، پی نگر کی خبر جس میں ایک گریجویٹ مسلم لڑکی نے اپنے عاشق کی مدد سے اپنے ماں باپ سمیت خاندان

کے ٦ قریب ترین لوگوں کو زہر دے کر بیہوش کر کے خود فون کر کے عاشق کو بلا کر ٦ قریب ترین افراد کے سر کٹوا دیئے۔ اس کے بعد نوئیڈا میں ہوئے آروشی قتل معاملہ کے ضمن میں مقتولہ کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کا جو جنسی تعلقات کا ریکارڈ سامنے آرہا ہے وہ پورے سماج کے اندر کیا چل رہا ہے اس کی ہلکی سی تصویر بھر ہے۔ جس بے رحمی کے ساتھ فلمی داکارہ ماریا سوسائی راج نے اپنے ایک عاشق بحریہ کے افسر کے اتھ مل کر اپنے دوسرے عاشق کا قتل کر کے لاش کے ۳۰۰ سے زائد ٹکڑے کر کے انہیں پھینکا یہ بھی اسی مجرمانہ جنسی تعلقات اور شیطانی تہذیب کی پکڑ اور اشاعت کو ظاہر کر رہا ہے۔ حقوق نسواں اور آزادی نسواں کے فیوض و برکات وثمرات سامنے آرہے ہیں۔ مطلق آزادی کے نعرہ سے پیدا شدہ سماج کی کریہہ اور گھناؤنی تصویر نظر آرہی ہے، جہاں باپ اپنی سگی بیٹیوں کی عصمت تار تار کر رہے ہیں، اور مظفر نگر میں چھ بہنوں نے مل کر اپنے اس ابلیس صفت سگے بھائی کو قتل کر دیا جو انہیں باری باری نشہ کے ذریعہ ہوس کا نشانہ بناتا تھا۔ یہ سب مثالیں یا سماج کی اس گندگی پر کچھ کہنا لکھنا کوئی بہت خوش کن کام نہیں ہے، مگر آروشی ہتیا کانڈ کے بعد۔ ایک نرسنگ ہوم کی نرس نے جب یہ بتایا کہ ہمارے شہر کے ایک مقامی معروف سماجی کارکن ہمارے یہاں اپنی بیٹی کو لے کر آئے کہ اسقاط کرانا ہے اندر جب ڈاکٹر نے سختی سے لڑکی سے پوچھتا چھ کی تو اس نے بتایا کہ جو باریش بزرگ میرے ساتھ ہیں یہ میرے والد ہیں اور میری کوکھ میں پلنے والی اولاد میرے والد کا ہی نطفہ ہے۔ اور وہ میرے ساتھ یہ شیطانی حرکت بہت تسلسل سے کرتے رہتے ہیں۔ تب راقم السطور کو مجبور ہونا پڑا کہ اس ناسور کو پھیلنے سے روکنے کے لیے جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے اس پر ثابت قدمی کے ساتھ، ساتھ دیا جائے قبل اس کے کہ اللہ کا عذاب یا موت مہلت عمل ہی ختم کر دے۔ اور آخرت میں ہم یہ عذر بھی پیش کرنے کے لائق نہ رہ جائیں کہ برائی سے اگر بازی نہ لے سکے تو کم سے کم سر تو دے سکے۔

پہلی مثال میں نے آسٹریا Austria کی دی تھی افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ وہی سرزمین ہے جہاں سے موجودہ فحاشی، عریانی اور بے قید جنسی تعلقات کے موجد اولین سگمنڈ فرائڈ نے جنم لیا تھا۔ جس نے انسان پر اور انسانی معاشرہ اور انسانی تاریخ کی جو تعبیر بیان کی تھی وہ صرف یہ تھی کہ صرف جنس Sex میں ہے جو تمام کاموں اور رجحانوں اور قوانین کا محرک ہے۔ یعنی انسان کا وجود صرف جنس ہی ہے۔ اور آج اس شیطانی مشن کے ثمرات سامنے آرہے ہیں۔ جس کھلے سماج اور بے قید تعلقات کی آبیاری اور پیروی مغربی تہذیب نے پچھلے دو ڈھائی سو سالوں میں کی ہے آج

اس نے میخانہ میں پینے کی ہر رسم اٹھادی ہے۔نتیجہ سامنے ہے، یوروپ کے بیشتر مما لک میں سرڈھانک کر پبلک مقامات پر جانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ برطانیہ میں قانون بنایا گیا ہے کہ gay لوگوں (ہم جنسوں) کو برا بھلا کہنا قانوناً جرم ہے۔اور امریکہ میں لاکھوں لوگوں نے جلوس نکال کر ہم جنس پرستی کو قانونی شکل اور منظوری دینے کی بات کہی ہے۔ ہمارا ملک اور سماج کس سمت جارہا ہے اور یہ بین الاقوامی جنسی فساد اوراس کے مظاہر کس سمت اشارہ کررہے ہیں یہ سب اب ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ دہلی پولس کے افسر نے بتایا کہ ۲۰۰۷ء میں دہلی میں درج ہوئے عصمت دری کے ۵۸۱ معاملوں میں ۹۸٪ مظلوموں کو ان کے رشتہ داروں نے ہی ہوس کا شکار بنایا۔ ۲۰۰۵ء کے ۶۵۸ عصمت دری کے معاملوں میں ۴۹٪ معاملوں ان کے جان پہچان اور رشتہ داروں نے ہی ہوس کا شکار بنایا۔(ہندوستان ایکسپریس ۳۰/۴/۲۰۰۸ء) اس کے علاوہ اگر آپ دنیا بھر میں جنسی جرائم اور خاندانی تعلقات خصوصاً نکاح اور طلاق کی تعداد پر نظر ڈالیں تو بھی اندازہ ہوگا کہ ہوا کدھر کی بہہ رہی ہے۔ یوروپ کے ۲۷ ملکوں میں سالانہ طلاق کی تعداد تقریباً بارہ لاکھ (۱۲ لاکھ) ہے جبکہ کل آبادی ۱۸ کروڑ کی ہوگی۔اسی طرح زنا اور جنسی زیادتی کے معاملات سکنڈوں کے حساب سے ہیں۔ برطانیہ میں ہر سال ۱۰-۱۵ کی تعداد میں ۱۲ سال کی عمر کی لڑکیاں حاملہ ہوتی ہیں۔ برطانیہ میں ہر سال (۱۹۳۷۷) اسقاط میں سے (۱۷۷۳) اسقاط ان لڑکیوں کے ہوتے ہیں جن کی عمر ۱۸ سال سے کم ہوتی ہے۔یوروپ میں ہر ۳۰ سکنڈ میں ایک طلاق اور ہر ۲۷ سکنڈ میں ایک حمل گرایا جارہا ہے۔(ایجنسیاں ۸/۵/۲۰۰۸ء)

غرضیکہ دنیا بھر میں ایک ماحول جو جنسی اشتعال انگیزی اور شہوت انگیزی کا طوفان منظّم سازشوں کے نتیجہ میں پیدا کیا گیا ہے اس کے نتائج سامنے آنے شروع ہوگئے ہیں۔اس کے بیشتر عوامل میں سے ایک نہایت اہم وجہ یہ ہے کہ نئی نسل کی تربیت کے لئے اس کی کردار سازی کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔آج والدین کے پاس وقت ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی اولادوں کے ذہن اور فکر بناسکیں۔خصوصاً ماؤں پر معاش کی ذمہ داری ڈال کر سارا سماج صرف مادّہ پیدا کرنے میں لگ جاتا ہے انسان کی فکر کسی کو نہیں ہوتی۔ صنفی یکسانیت، صنفی توازن اور صنفی انصاف Gender justice کے نام پر عورت اور مرد دونوں کو گاڑی میں یکساں جوتنے کو ترقی کا نام دیدیا گیا ہے۔اب عورت کے پاس وقت نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنا دودھ ہی پلا سکے، بمشکل ۳ ماہ چھٹی لے کر گذار سکتی ہے اس کے بعد ڈبہ کا دودھ ہی ساتھی ہوتا ہے۔دوسرے خواتین صنفی آزادی

یا حقوق نسواں کے نعرہ پر فریفتہ ہوکر خود بھی احساس کمتری کا شکار ہورہی ہیں۔ وہ نہ چاہ کر بھی اپنی خانگی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بجائے بازار اور فیکٹریوں و آفسوں میں بھی حیران و پریشان ہورہی ہے اور گھر میں بھی احساس جرم کا شکار رہتی ہے کہ گھر والوں کے حقوق ادا نہیں ہورہے ہیں۔ امریکہ میں لاس اینجلس کی خاتون ڈاکٹر اسٹیفن پولٹر نے اپنی کتاب "The mother Factor" میں مسئلہ کے اس پہلو پر بہت زور دیا ہے کہ آج کی نسل کی مائیں اپنی اولاد کی ماں بننے کے بجائے اُس کی دوست بننا چاہتی ہیں اسی کی طرح فیشن کرتی ہیں اسی کی طرح جوان دکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ دن بھر کام کرنے کے بعد والدین اولادوں سے الجھنا نہیں چاہتے اور دونوں اپنی اپنی مرضی کی زندگی گذارتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اولادوں کو دوست ہی نہیں سرپرست بھی درکار ہوتے ہیں۔ اور اگر سرپرست (والد، والدہ) ہی دوست بن جائیں تو انہیں سمجھانے والا دنیا میں کون ہوگا؟ پولٹر کا کہنا ہے کہ آج اسی وجہ سے زیادہ تر نوجوان نشہ آور ادویّہ کے استعمال میں غرق ہیں۔ ڈاکٹر پولٹر نے ہالی وڈ کی متعدد مشہور ترین اداکاراؤں کے حوالہ سے بتایا کہ کس طرح وہ اور ان کی بیٹیاں نشہ کا شکار ہوئیں۔ ڈاکٹر پولٹر نے اپنی کتاب کے کامیاب اولادوں کے گھر کے لئے دس رہنما اصول میں بتایا:

(۱) کہ ماں کو ماں بننا چاہئے دوست نہیں۔

(۲) دوسرے گھر میں قوانین ہونے چاہئیں جن کی پابندی کی جائے۔ یہ کہنا کہ نئی نسل اپنے قوانین خود بنائے گی، بہت گمراہ کن ہے۔ ہندوستان میں حال ہی میں صنعتی تجارتی اداروں کی تنظیم اسوچیم (Assocham) نے ہندوستان کے ۳۰۰۰ کام کاجی جوڑوں کے انٹرویو لے کر بتایا ''ایک کام کاجی خاتون اوسطاً دس (۱۰) گھنٹہ آفس میں گذارتی ہے۔ ڈھائی گھنٹہ آنے جانے میں، ۶-۷ گھنٹہ سونے میں اور ۳ گھنٹہ گھر کا کام کرنے میں۔ اور اسے صرف ۳۰ منٹ بچوں کے لئے ملتے ہیں۔ چھٹی کے دن بھی وہ خرید وفروخت اور بجلی، پانی، فون، اسکول وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی میں ہی لگے رہتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ ایک ''خلاء'' کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ جب آنے والی نسل پیدائش سے ہی اپنائیت، محبت، خلوص اور چاہت و رہنمائی سے محروم رہے گی تو اس کی نفسیات میں یقیناً ٹیڑھ پیدا ہوگا۔ اور محرومی کی نفسیات میں گمراہی کے شیطانی ذرائع ٹی، وی، انٹرنیٹ، ریڈیو، موبائل، اخبارات میں سے ملنے والا فحش، بے حیاء اور عارضی مزہ والا مسالہ اسے بھکا دیتا ہے۔ آج کل IPL کرکٹ میں نوٹنکی کی طرح فحش عریاں نیم عریاں جسموں کی نمائش اور

انٹرنیٹ اور موبائل فونوں پر سہل الحصول فحس لٹریچر اور تصاویر کے کلچر نے اور سڑک، دوکان، مکان، اسکول، آفس، بس ٹرین ہر جگہ جس طرف فحاشی اور عریانی کو عام کیا ہے اس نے شرم، حیاء، قوانین، حرام حلال کے تمام شعور کو ہی ماؤف مسخ کردیا ہے۔ ایسے میں شیطان کا کام ذرا سا ایک محرک یا پیش قدمی بہت آسان بنا دیتا ہے کہ انسان بھٹک جائے اور شیطان کو بھی شرمندہ کردے۔ یہ دہلی پولس کی رپورٹ حقائق کی طرف صرف اشارہ کررہی ہے، حقیقت اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہے۔ مشرقی ممالک کے معاشرے دوہری مار سے پریشان ہیں کیونکہ وہاں ۱۹ویں اور ۲۱ویں صدی ساتھ ساتھ چل رہی ہے ایک طرف انکل، آنٹی اور کزن کی آڑ میں بے روک ٹوک خلط ملط کی آزادی ہوتی ہے اور جب آزادی شیطانی صنفی تعلقات کے طور پر سامنے آتی ہے تو نتیش کٹارا کی طرح کی عزت کے لئے قتل کی وارداتیں ہوتی ہیں۔ ہولناک قتل اور رشتوں کی پامالی ہوتی ہے۔ ایسے تشویشناک حالات میں کیا صرف ''شریفانہ خاموشی'' یا اپنے ''کام سے کام'' رکھنے کی پالیسی سے سماج میں عزت، عصمت، حیاء باقی رہ پائے گی؟؟۔

❁ ❁ ❁

حامیانِ اُردو کی خدمت میں

ـــ: دَعوتِ فِکر وعَملْ :ـــ

از: اَلحاج حافظ منشی عبدالغفور
ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، سہارنپور

اُردو ہندوستانی زبانوں میں سے ایک اہم زندہ وجاوید، دلکش وشیریں، خیرسگالی، اِتحاد پسندی، رواداری، آشتی اور انسانیت سے عبارت بھائی چارہ کی زبان تو ہے ہی زبانوں کی تاجدار بھی ہے، بقول ماہر تعلیم ولسانیات اور عظیم اردوداں پروفیسر گوپی چند نارنگ ''اردو زبانوں کا تاج محل ہے'' یہ کشادہ دل اور وسعت نظر زبان ہے، جس کا اعتراف سبھی لوگ کرتے ہیں، اس کا سب سے پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' ۱۳/ مارچ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا، اردو کی پہلی یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ آندھراپردیش کی راجدھانی حیدرآباد میں ۱۹/۱۸/۱۸۱۷ء سالوں میں سے کسی بھی سال میں قائم ہوئی، آزادی سے قبل اردو ہر شعبۂ زندگی میں رائج تھی اور جنگ آزادی میں اس کا سب سے اہم اور نمایاں رول رہا ہے، آزادیٔ ہند کے ضمن میں اردو اور اردو شاعری نے جو خدمت کی ہے اس کی نظیر کوئی دوسری زبان پیش نہیں کرسکتی ''اِنقلاب زندہ باد'' جیسے تاریخ ساز جوش وولولہ پیدا کرنے والے نعرے نغمے اور مثالی حب الوطنی کے ترانے ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' جو ذہنوں میں گونجتے اور دلوں میں ہلچل پیدا کرتے تھے، اردو کی ہی دین ہے، سیاسی اور تہذیبی طور پر اردو پورے ملک کے رابطے اور اتحاد ویکجہتی کی زبان ہے، یہ یہیں پیدا ہوئی، یہیں پلی بڑھی اور جوان ہوئی؛ لیکن اب حال اس بے چاری کا یہ ہے کہ ؂

اَپنے گھر میں اَجنبی اردو ہے آج
اہلِ اُردو کاش رکھ لیں اِس کی لاج

کی صحیح مصداق ہے، باہمی میل ملاپ کی مستحکم زنجیر وعلامت ہے، یہ ہماری قومی ملکی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب وتمدن کی ضامن ہے، اس کی جڑیں معاشرہ میں تہذیبی اخلاقیات اور ہندوستان کی عظیم جمہوری تاریخ میں پیوست ہیں، اردو کی معیاری اور ٹھوس تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ سماج اور معاشرہ میں آج بھی اپنا ایک مقام ووقار بنارہے ہیں اردو کا دائرہ کار ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، عالمی زبانوں میں اس کا نمبر تیسرا ہے، شاید ہی دنیا کا کوئی ملک ایسا ہو جہاں اردو لکھنے، پڑھنے، بولنے اور سمجھنے والے افراد موجود نہ ہوں؛ لیکن افسوس اس پر ہے کہ آج اردو کے بڑے بڑے محقق، اُدبار، شعراء، نقاد ومبصرین کے بچے اردو سے نہ صرف ناآشنا ہی نہیں بلکہ انہیں اردو سے کوئی سروکار بھی نہیں ہے، یہ لوگ اپنے بچوں کو اردو میڈیم اِسکولوں میں پڑھنا تو دور کی بات اردو سکھاتے تک نہیں، عام طور پر نئی نسل کا اردو سے بتدریج لگاؤ کم تو ہو ہی رہا ہے، بیگانہ بھی ہوتی جارہی ہے اور نابلد طبقہ برابر بڑھ رہا ہے، اردو کے تئیں عدم دلچسپی، بے حسی، بے توجہی کی انتہا ہورہی ہے، اگر ہم نے اپنے بچوں تک اردو کی وِراثت نہ پہنچائی تو ہم مورد ِالزام ٹھہریں گے، اہل اردو کو اردو سے والہانہ تعلق ہونا چاہئے، اردو کے مایہ ناز پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے کہ مغلیہ حکومت نے ہندوستان کو تین چیزیں دیں:

(۱) اُردو (۲) غالب (۳) اور تاج محل

حال ہی میں جموں کے نامور اردو کے صاحب طرز ادیب و پروفیسر آنند لہر صاحب نے وکلاء کے ایک خاص مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو دفتروں میں ہو نہ ہو لوگوں کے دلوں میں ضرور ہے، اردو اُن تمام لوگوں کی زبان ہے، جو اسے بولتے، سمجھتے اور جانتے ہیں، اس لیے نئی نسل میں اردو پڑھنے پڑھانے کا رُجحان پیدا کریں، تاکہ وہ اپنی ادبی وِراثت سے واقف ہوسکیں، حقیقت تو یہ ہے کہ زبانوں میں اردو نہ صرف سب سے زیادہ چاشنی والی زبان ہے، بلکہ سیکھنے میں بھی سب سے آسان ہے اردو میں جو کشش جاذبیت، جامعیت اور اختصاریت پائی جاتی ہے وہ دوسری زبانوں میں ناپید ہے، آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو آزاد بھارت کے پہلے وزیر اعظم اردو لکھتے پڑھتے بولتے تھے، ان کی مادری زبان اردو تھی موصوف کی تقریب شادی خانہ آبادی کا دعوت نامہ اردو میں مختصر اور انتہائی جامع شائع ہوا تھا، مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج اپنے ہی وطن میں اردو بے یارومددگار ہے، یہ تو اپنی اندرونی طاقت اور حسن وکشش کے باعث ہنوز زندہ وتابندہ ہے، حال میں بھی عوام وخواص کے ایک بڑے طبقہ کی زبان ہے، بقول عزیز برنی (ایڈیٹر روزنامہ

راشٹریہ سہارا اردو) آج وہی اردو جو ۱۹۴۷ء تک پورے ملک کی قومی اور رابطہ کی زبان رہی ہے، محض ایک ووٹ کی کمی کی وجہ سے قومی زبان بننے سے رہ گئی تھی گویا اب ؂

ظلمات کی صلیب پہ عیسیٰ بنی ہوئی
زخموں سے چور میر کی اُردو زباں ہے آج

اِس لیے اردو کی اہمیت وافادیت نیز ضرورت کے پیش نظر اس کے فروغ و بقا ترویج واشاعت کی ذمہ داری آئینی اور اخلاقی نیز ملی اور سیاسی طور پر ہم سب اہل اردو پر عائد ہوتی ہے، ہمیں یہ ذمہ داری اپنا فرض جان کر بڑی مستعدی، تندہی اور دلچسپی سے نبھانی چاہئے اردو کی ہمہ جہت ترقی اور بقا کے لیے تن من دھن سے کوشاں رہیں چونکہ آگے آنے والی نسلوں کی اردو تعلیم و ترویج کا انحصار ہماری حال کی کوششوں پر ہے، مدارس عربیہ اردو کی فلاح و بہبود کے لیے بہت منظّم اور مؤثر طرز وطریق پر کام کررہے ہیں، ہمارے یہ مدارس پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، سب ہی محبّ وطن اور اردو دوست ہیں اس کی ترقی اور بقا کے لیے شب وروز کوشاں اورخواہاں ہیں، اب نہ صرف اردو والے کم ہورہے ہیں؛ بلکہ اردو کا شوق اردو کا چلن اور اردو کا تحفظ و تلفظ بھی کھوتے جارہے ہیں، اسکولوں میں جو بحیثیت اردو ٹیچرس لگے ہوئے ہیں وہ بھی ناقص اردو جاننے کے سبب غالب کو گالب، ذوق کو جوق، غلطی کو گلتی، ضرورت کو جرورت، حالات حاضرہ کو ہالات ہاجرہ، عارف انصاری کو آرف انساری لکھتے، پڑھتے، بولتے ہیں، گل اور غل نبات اور بنات کے تلفظ و معنی اور موقع محل میں کوئی فرق نہیں جانتے، اس لیے صحیح اردو کی ترویج و تعلیم کا جہاں تک تعلق ہے اس کے لیے ٹھوس اور گہری کاوشوں کی ضرورت ہے تا کہ اردو لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ اوراس کا دائرہ عمل زیادہ سے زیادہ وسیع ہو، اس لیے حامیان اردو سے گزارش ہے کہ اردو کی بہر نوع تنظیم و ترقی نیز اصلاحات واصطلاحات کے لیے حسب ذیل اُمور پر کمر بستہ ہوکر عمل پیرا ہوں:

(۱) تجربہ ہے کہ بچوں کی علمی صلاحیتیں مادری زبان میں بسہولت اُبھرتی ہیں چونکہ ہماری اور ہمارے بچوں کی مادری زبان اردو ہے، اس لیے اپنے بچوں کو بالخصوص ابتدائی تعلیم مادری زبان اردو میں دیں اور دلائیں۔

(۲) بچے اپنے گرد وپیش اور گھریلو ماحول سے بہت کچھ سیکھتے ہیں، نئی نسل کو اردو سے رُوشناس کرانے کے لیے اپنے گھروں میں اردو کی تعلیم کا بہترین بندوبست کریں، گفتگو بھی صاف وشستہ ردو میں کی جائے اس طرح اردو کو گھروں کے اندر بھی جاری اور ساری رکھیں۔

(۳) اُردو اخبارات و رسائل خرید کر پڑھیں، اردو کی کتابیں خرید کر ناشرین کتب کی حوصلہ افزائی کریں، گھر کے تمام افراد میں اردو اخبارات، دینی رسائل و جرائد کے مطالعہ کا رُجحان پیدا کریں۔

(۴) کاروباری اِداروں، کارخانوں، فیکٹریوں، ساریوں، رہائش گاہوں، دکانوں، مکانوں، بنگلوں، دفتروں نیز مارکیٹ اگر ذاتی ہوتو اس پر بھی نام وغیرہ کے سائن بورڈ و اشتہارات اور تختیاں وغیرہ اردو رسم الخط میں لکھوا کر لگائیں۔

(۵) وزیٹنگ کارڈ، لیٹر پیڈ پر اپنا نام و مکمل پتہ اَوّل اُردو میں لکھوائیں، خط و کتابت ہمیشہ اردو میں کریں، خطوط پر پتے پہلے اردو میں لکھیں، دستخط ہر جگہ اردو میں کریں۔

(۶) شادی بیاہ کی تقریبات، جلسہ و جلوس کے اِشتہارات و اِعلانات کے فولڈر و پوسٹر اور دعوت نامے اردو میں چھپوائیں۔

(۷) گھر اور دُکان کے سامان کی فہرست آمد و خرچ کا حساب اردو میں لکھیں۔

(۸) حامیانِ اُردو جذبہٴ ایثار سے بستی بستی، محلّہ محلّہ اردو کے تعلیمی سینٹر قائم کر کے رضا کارانہ طور پر اردو پڑھائیں، اردو پڑھاؤ تحریک پُرامن طور پر چلائیں۔

(۹) اِنگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے والدین و سرپرستان اردو کو ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھنے کا مطالبہ ذمہ دارانِ اسکول و کالج سے کریں اِن اسکولوں میں پڑھنے والے بچے خود بھی ذوق و شوق سے اردو پڑھیں لکھیں سمجھیں اور فخر سے بولیں۔

(۱۰) مردم شماری کے زمانہ میں مادری زبان کے خانے میں لفظ اردو اپنے سامنے پُر کروا کر بعدہ جانچ بھی کرلیں۔

(۱۱) اپنے بچوں کا داخلہ ایسے اسکول میں کرائیں جہاں اُردو کا مضمون بھی پڑھایا جاتا ہو۔

(۱۲) مرکزی اور ریاستی سرکاروں سے اُردو کے آئینی حقوق کے دائرہ میں رہتے ہوئے محکمہ تعلیمات کے وزیر وزراء، افسران و ذمہ داران سے مل کر اردو کی تعلیم و ترقی کے لیے اردو میڈیم اسکول کھولنے کی مانگ کریں اور قدیم اسکولوں میں مزید ماہر اردو اساتذہ پڑھانے پر بھی زور دیں جہاں اردو نہیں پڑھائی جاتی وہاں شعبہ اردو منظور و رائج کرائیں اردو کے اصحاب فکر و نظر کو اس بارے میں سعی بلیغ کرنی چاہیے تاکہ اردو کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہو اردو کی تنظیم و ترقی اور بقا میں حائل تمام تر دشواریوں کو دُور کرنے کرانے کی

جدوجہد کریں تاکہ اردو کا چلن عام ہوکر اس کی عظمتِ رَفتہ کی بازیابی ہو۔

(۱۳) ہر اردو داں اپنے حلقہ اثر میں ہر جاننے والے کو اُردو پڑھنے کی طرف راغب کرے، نیز اپنے اندر بے لوث خدمات وجذبات کے ساتھ اردو کے لیے کام کرنے کی خواہش وتڑپ پیدا کرے سبھی طبقات کے افراد کو اردو پڑھنے کی ترغیب دیں۔

(۱۴) ان تمام محکموں کے دفاتر میں جہاں اردو کے مترجم موجود ہیں درخواستیں اردو میں ہی دیں، اقلیتی فلاح و بہود کے دفاتر، اردو تنظیموں، اردو انجمنوں، اردو اکاڈمیوں، اردو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی، غالب اکیڈمی جیسے اِداروں میں اردو زبان و اردو رسم الخط میں ہی لکھ کر اپنی عرضیاں پیش کریں۔

(۱۵) اردو کو روزی روٹی سے زیادہ جذبات سے جوڑنا ضروری تو ہے ہی مفید سے مفید تر بھی ہے، اِس لیے حامیانِ اردو، اردو کے فروغ کی خاطر کوشش تن من دھن سے کریں، توقع ہے کہ اردو کا ماضی جیسا شاندار و تابناک رہا ہے، اِنشاء اللہ مستقبل بھی ایسا ہی روشن ہوکر رہے گا۔

(۱۶) ہمارا بیشتر مذہبی اور ثقافتی تہذیبی اور تمدنی تاریخی اور تدریسی سرمایہ اردو زبان میں ہے، اِس لیے اردو کی نئی نسل تیار کرنا ہم سب کا ملی اور اَخلاقی فریضہ بنتا ہے، آنے والی نسل اگر اردو سے ناواقف رہی تو چونکہ ہمارا تمام تر تہذیبی ثقافتی اور دینی سرمایہ ہماری تاریخ ہمارا تشخص و تمدن اردو زبان میں ہے گویا اردو ہمارا ملی، قومی اور مذہبی اَثاثہ ہے، یہ سارے کا سارا اثاثہ ختم ہوکر رہ جائے گا، چنانچہ اردو ہمارے دین کی پہچان ہے، تہذیب وتمدن کی کان ہے، صلح وشرافت کی جان ہے، کتنی لذیذ وشیریں یہ اردو زبان ہے، اس لیے ہم اپنے بچوں کو اُردو سے آراستہ کرنا لازم جانیں۔

❁ ❁ ❁

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارُالعلوم

شمارہ: ۸ - ۹	شعبان - رمضان ۱۴۲۹ھ مطابق اگست - ستمبر ۲۰۰۸ء	جلد: ۹۲

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپے، سالانہ -/۱۵۰ روپے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۸۰۰ روپے

بنگلہ دیش سے سالانہ -/۲۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۲۰۰ روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبرشمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	رسول اللہ ﷺ کے تصرفات کی مختلف حیثیتیں	مولانا محمد عارف جمیل مبارکپوری	۶
۳	قرآنی اعجازِ بیانی کے چند تراشے	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۳۳
۴	ترتیبِ حدیث کا تدریجی ارتقاء.....	مفتی شکیل منصور القاسمی	۴۴
۵	قرآن وحدیث کی روشنی میں خواتین کی تربیت	ڈاکٹر مسرت جمال	۵۶
۶	۱۸۵۷ء کا انقلاب حریت اور علماء اسلام	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۷۰
۷	مزاح اور خوش طبعی اسلام کی نظر میں	....	۱۰۴
۸	مہتمم دارالعلوم کا مذمتی بیان......	......	۱۱۲

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمن اعظمی

شعبان کا مہینہ ہمارے لئے اگر اس حیثیت سے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ رمضان المبارک کی آمد کا منادی ہے اور ہر مرد مسلم کو دعوت دیتا ہے کہ ماہ رمضان (جو گلستان اسلام کا موسم بہار ہے) کے استقبال کے لئے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کرلو۔

وہیں یہ مہینہ اس اعتبار سے بھی علمی و دینی معاشرہ کے لے باعث اہمیت ہے کہ اسلامی دانش گاہوں کا تعلیمی سال اسی ماہِ عظیم میں اختتام پزیر ہوتا ہے۔ ہماری ان دینی تعلیم گاہوں کا تعلیمی وتربیتی آغاز ''شوال'' میں ہوتا ہے۔اس وقت ہزاروں کی تعداد میں طالبان علوم نبوت دینی مدارس میں داخل ہوتے ہیں اوران کے چشمۂ فیض سے اپنے اپنے ظرف وحوصلہ کے مطابق علم وآگہی اور فکروفن کے آبِ حیات سے سیراب ہوتے ہیں، ان طلبۂ علوم میں بہت سے وہ ہوتے ہیں جن کا تعلیمی سفر تعلیمی سال کے اس اختتامی مہینہ میں تکمیل کی منزل سے ہم کنار ہوجاتا ہے، جہاں سے ان کی زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہوتا ہے۔

اس موقع پر ہمارے ان ہونہار نوجوانوں کو خوب اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ ہماری تمام تر علمی ودینی کاوشوں اور محنت و ریاضت کا بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت سے بہرہ ور ہونا ہمارے حسنِ عمل واخلاص نیت پر موقوف ہے۔اگر آپ اپنے اندر اخلاص وللّٰہیت کی صفت پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں تو پھر یقین کرلیجئے کہ کامیابی وکامرانی کی کنجی آپ کے ہاتھ میں آگئی ہے،اور گوہر مقصود آپ کے قبضہ میں ہے۔

اوراگر ہمارا دل اخلاص سے عاری اور للّٰہیت سے ناآشنا ہے تو تمام تر علمی لیاقت وصلاحیت

کے باوجود ہم اپنے آپ کو نامرادی کے اس اندیشہ سے بہرحال محفوظ نہیں رکھ پائیں گے کہ

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اَعرابی
کیں راہ تو می روی بترکستان است

تحصیل علوم دین کا مقصد واحد رضائے الٰہی ہونی چاہئے "من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللّٰہ" کی بشارت کا استحقاق اسی وقت ہوگا جبکہ تعلیم وتحصیل کا مقصود خوشنودیٔ رب کائنات ہو، اسی بناء پر امام بخاری رحمہ اللہ نے "الجامع الصحیح" میں سب سے پہلے حدیث پاک "انما الاعمال بالنیات" کو لاکر واضح اشاروں میں یہ بتادیا کہ تحصیل علوم کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے نیت کا جائزہ لے لینا ضروری ہے۔

آپ اس وقت اپنے تعلیمی سفر کی تکمیل کے بعد جہد وعمل، کے میدان میں قدم رکھنے کے لئے پر تول رہے ہیں تو اس اگلے سفر کو شروع کرنے سے پہلے خانۂ دل کو اخلاص وللّٰہیت سے معمور کرلیجئے، اور بغیر کسی خوف واندیشہ کے تعمیر وترقی کے میدان میں اتر جائیے کیونکہ اخلاص کی مضبوط ومستحکم بنیاد پر جو عمارت بھی قائم کیجائے گی وہ انشاء اللہ استوار و پائیدار ہوگی، بصورت دیگر یہی علوم ومعارف جو دونوں جہان کی صلاح وفلاح کا ضامن ہے ابدی حرمان وخسران کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ نبی صادق ومصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "من طلب العلم لیجاری بہ العلماء، او لیماری بہ السفھاء، او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللّٰہ النار" جسنے علم دین اس غرض سے حاصل کیا تاکہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے گا، یا تاکہ اس کے ذریعہ احمقوں سے حجت بازی کرے گا، یا لوگوں کو اپنی جانب مائل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے نار جہنم میں داخل کریں گے۔

میرے عزیزو! زندگی کے یہ لمحات بڑے اہم ہیں آپ کو اس وقت اچھی طرح اپنے دل کو ٹٹول لینا چاہئے، اگر اخلاص نیت کی جانب سے ذرا بھی بے اطمینانی ہو تو پہلے اس کی فکر کیجئے، اِسے قطعی طور سے مت بھولئے کہ اخلاص نیت اور جذبۂ قربانی کے بغیر صحیح طور پر دین واسلام کی خدمت انجام نہیں دی جاسکتی، اسلام کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد عدل، اور سچی گواہ ہے کہ اسلام کی صحیح معنوں میں خدمت انجام دینے والے، اور اسلام ومسلمانوں پر جب بھی کوئی افتاد پڑی ہے، تو اس کی حفاظت و پاسبانی کا فریضہ انجام دینے والے خدا کے مخلصین بندے ہی تھے، اخلاص وایثار کے انہی پیکروں نے ہمیشہ ملت کی کشتی کو طوفانوں سے بچاکر امن وسلامتی کے

ساحل تک پہنچایا ہے، اپنے اسلاف واکابر کے تراجم اور حالات زندگی کا مطالعہ کیجئے، آپ کو صاف طور پر نظر آئے گا کہ ہمارے بزرگوں نے، تعلیم وتصنیف، تبلیغ وجہاد، دعوت وارشاد وغیرہا دین کے شعبوں میں جو گرانقدر اور تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے ہیں، اس میں اصل کارفرمائی، اخلاص وایثار ہی کی تھی۔

آپ دینی تعلیم گاہوں سے اپنا تعلیمی نصاب مکمل کرکے جارہے ہیں، آپ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ مالک کائنات نے آپ کو وارثین انبیاء کی صف میں شامل کردیا ہے، انسانی مقام ومرتبہ پر نبوت سے بالا وبلندتر کوئی مقام ودرجہ نہیں ہے۔ اس لئے لازمی طور پر وراثت نبوت سے بڑھ کر کوئی وراثت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ آپ کی انتہائی سعادت مندی ونیک بختی ہے کہ رب العالمین نے اس عظیم ترین وراثت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، فالحمد للہ علی ذلک اس لئے ہرگز ہرگز مایوسی واحساس کمتری کا ادنیٰ تصور بھی دل ودماغ کے گرد بھٹکنے نہ پائے، آپ سے عظیم تر دولت اس عالم دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے الا یہ کہ اس وراثت نبوت میں جو لوگ آپ کے شریک ہیں۔ پس اخلاص وایثار کے چراغ سے اپنے دل کو روشن کرلیجئے۔ دنیا آپ سے اکتساب نور کے لئے امنڈ پڑے گی اور ناکامی ونامرادی کے اندھیرے چراغ اخلاص کی ضیاپاشیوں سے اس طرح کافور ہوجائیں گے کہ دور دور تک ان کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

❁　❁　❁

رسول اللہ ﷺ کے تصرفات کی مختلف حیثیتیں

اور فقہی احکام پر ان کے اثرات

بہ قلم: محمد عارف جمیل مبارک پوری

رسول اللہ ﷺ کی ذات سے صادر ہونے والے افعال واقوال مختلف حیثیتوں کے حامل ہوا کرتے تھے، کبھی تو بہ حیثیت امام المسلمین کوئی حکم صادر فرماتے، کبھی بہ حیثیت مفتی، اور کبھی دوسری حیثیتوں سے۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات ان تمام حیثیتوں کی جامع تھی۔ ان حیثیتوں اور مقاصدِ شریعت کی واضح تعیین کے موضوع پر جن علمائے امت نے ابتدا میں کام کیا ان میں (بہ قول ابن عاشور) امام قرافی مالکی کا نام سرِفہرست آتا ہے۔ امام قرافی اسی سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ، امام اعظم، قاضی احکم، مفتی اعلم، امام الائمہ، قاضی قضاۃ، اور عالم العلما تھے، آپ ﷺ سبھی دینی مناصب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کے تصرفات، فی الغالب، تبلیغ کی حیثیت سے تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ پر رسالت کی صفت غالب تھی، بعد ازاں آپ ﷺ کے تصرفات کچھ تو بالاجماع، تبلیغ وفتوے کی حیثیت سے صادر ہوئے، کچھ بالاجماع، قاضی کی حیثیت سے، کچھ بالاجماع امامِ مسلمین ہونے کی حیثیت سے۔ اسی کے ساتھ کچھ تصرفات ایسے تھے جس کے بارےمیں قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل تھا کہ وہ مذکورۃ الصدر کس حیثیت کے حامل تھے۔ اس طرح کے تصرفات میں بعض علمانے ایک حیثیت کو راجح قرار دیا تو بعض نے دوسری حیثیت کو''۔

قرافی آگے لکھتے ہیں:

''ان مختلف اوصاف کے حامل تصرفات کے، شریعت میں الگ الگ آثار ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے وہ افعال واقوال جو بہ حیثیت تبلیغ کے صادر ہوئے، وہ تا قیامت، ثقلین کے لیے، ایک عمومی حکم متصور ہوں گے: اگر وہ مامور بہ ہوں گے تو ہر شخص اپنے طور پر، کسی سے اجازت لیے بغیر اس کا اقدام کرے گا، اور یہی حکم مباح کا بھی ہے۔ اور اگر وہ ممنوع ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اس

سے پرہیز کرے گا۔لیکن اگر وہ تصرف بہ حیثیت امام کے ہے تو امام کی اجازت کے بغیر اسکا اقدام کرنا کسی کے لیے روانہ ہوگا۔اس لیے کہ آپ ﷺ کا تبلیغ کے بجائے بہ حیثیت امام تصرف کرنے کا یہی تقاضا ہے۔اورآپ ﷺ کا جوتصرف قاضی کی حیثیت سے ہے، اس کا اقدام کرنے کے لیے، قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرسکتا۔اس لیے کہ بہ حیثیت قاضی آپ ﷺ نے جس وجہ سے اس میں تصرف فرمایا ہے، اس کا تقاضا یہی ہے۔“

آپ ﷺ کے افعال واقوال کی یہ تین حیثیتیں، امام قرافی نے بیان فرمائی ہیں، لیکن ان کے علاوہ اور بھی حیثیتیں ہیں، جن کا بیان آگے آئے گا۔صحابہ کرام، ان حیثیتوں کو بہ خوبی سمجھتے تھے، اور جہاں کہیں اشتباہ ہوا، آپ ﷺ سے دریافت کرنے میں دیر نہ کی۔اس کی بہت سی مثالیں کتب حدیث میں بہ آسانی مل سکتی ہیں، مثلاً:

۱-حضرت بریرہؓ، جو ایک باندی تھی، (اوران کے شوہر مغیث غلام تھے) اپنے مالکوں سے انھوں نے یہ معاملہ کرلیا کہ اتنی رقم دے کر آزاد ہوجائیں گی۔اس رقم کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے کے لیے وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔بخاری میں حضرت عائشہؓ کا بیان کہ بریرہ میرے پاس آئی کہ میں نے اپنے مالکوں سے، نو اوقیہ چاندی (سالانہ ایک اوقیہ) پر مکاتبت کرلی ہے۔آپ میری مدد کریں۔

حضرت مغیث کو، بریرہ سے بے حد محبت تھی، لیکن بریرہ کو ان سے اتنی ہی بددلی تھی۔شرعی طور پر آزادی کے بعد، بریرہ کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے نکاح کو قائم رکھیں یا توڑ دیں۔چنانچہ انھوں نے اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے، علاحدگی اختیار کرلی۔اس واقعہ سے حضرت مغیث کو بے حد صدمہ پہنچا۔وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ سے سفارش کی درخواست کی۔آپ ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے بات کی، تو انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکم نہیں؛ بلکہ سفارش ہے“۔یہ سن کر انھوں نے رجوع کرنے سے انکار کردیا۔ان کے اس طرزِ عمل پر، رسول اللہ یا صحابہ کرام کسی نے، ان کو برا بھلا نہیں کہا۔(۱)

۲-جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کے قیام کے لیے جس جگہ کا آپ ﷺ نے انتخاب فرمایا، اس طرف کوئی چشمہ یا کنواں نہ تھا، زمین اس قدر ریتیلی تھی کہ اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنس دھنس جاتے تھے، حضرت حباب بن منذر نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے، وہ وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں۔حضرت حباب

نے عرض کیا کہ تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے۔ اور آس پاس کے کنویں بے کار کردیے جائیں، حضرت حباب کے الفاظ تھے:

منزل انزلکه الله لیس لنا ان نتعداه، ولا نقصر عنه، ام هو الرای، والحرب والمکیدة (۲)

علماء اصولِ فقہ نے ''سنت نبوی'' کی بحث میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ افعال جن کا تعلق فطرت و جبلت سے ہے، وہ تشریع کے باب میں نہیں آتے اور ظاہر ہے کہ اس فیصلہ میں انھوں نے یہی مدِنظر رکھا ہے کہ جو افعال، خلقت و جبلت کے اثر کا نتیجہ ہیں، وہ تشریع وارشاد کے باب میں داخل نہیں۔ ہاں جن افعال میں جبلت اور تشریع دونوں کے پہلو موجود ہوتے ہیں (مثلاً: اونٹ پر حج کرنا) ان کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اس دور میں فتویٰ کے باب میں جس تیزی کے ساتھ بے احتیاطی پھیلتی جارہی ہے، اور اس کے نتیجہ میں جس قدر غیر ذمہ دارانہ فتوے آئے دن دیکھنے میں آتے ہیں، نص شرعی کے حقیقی مقصد اور اس کے پس منظر کو نظر انداز کرکے آج کچھ لوگ بے خوف وخطر فتوے جاری کرتے، اور علماءِ سلف کو آڑے ہاتھوں لیتے نظر آتے ہیں، اس کے پیچھے مقاصد شریعت اور انہی حیثیتوں سے ناواقفیت، بڑی حد تک کارفرما ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال عالم عرب میں ایک عالم کا یہ فتویٰ کہ عورتوں اور مردوں کا آفسوں اور دوسرے مقامات پر مخلوط شکل میں کام کرنا جائز ہے اور اس جواز کی شکل یہ ہے کہ عورت اپنے ''ساتھی'' کو دودھ پلادے، جس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی، اور وہ دونوں ''اجنبی کے ساتھ خلوت'' کی حرمت کے گناہ سے بچ جائیں گے۔ اور انھوں نے دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے کہ سہلہ بنت سہیل خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! سالم جب میرے گھر میں آتا ہے تو میں ابوحذیفہ کے چہرہ میں خفگی پاتی ہوں، سالم ابوحذیفہ کا حلیف ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ارضعیه" اسے دودھ پلادو۔ انھوں نے عرض کیا کہ اس کے دودھ کیسے پلاؤں، وہ تو جوان آدمی ہے۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: "قد علمت انه رجل کبیر" مجھے معلوم ہے کہ وہ جوان آدمی ہے۔

عمرو کی روایت میں یہ اضافہ ہے:

وہ بدر میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ اور ابن ابی عمرو کی روایت میں ہے: آپ ﷺ ہنسے (۳)

اس روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں، لیکن کیا یہ تصرف ''تشریع'' کے طور پر تھا؟ جمہور علماء

نے اس حدیث کو عام تشریعی حکم نہیں، بلکہ حضرت سہلہ اور سالم کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔اور رضاعت کے ثبوت کے لیے، دوسری نصوص کی بنیاد پر، یہ شرط قرار دیا کہ وہ مدتِ رضاعت کے اندر ہو۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو ''تشریع'' قرار دیا تھا،لیکن تمام امہات المومنین ان کی اس رائے سے اختلاف کرتی تھیں۔اوراس واقعہ کوان کی خصوصیت قرار دیتی تھیں۔واقعہ کچھ اس طرح تھا کہ ابتداء میں حضرت ابوحذیفہ نے سالم کومنہ بولا بیٹا بنالیا تھا،جس کی وجہ سے وہ ان کے گھر میں آتے جاتے تھے۔لیکن جب حجاب کا حکم آگیا،اور''تبنی'' کا حکم منسوخ ہوگیا تو سہلہ کو اس میں دشواری محسوس ہوئی،جس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ خصوصی رعایت اور رخصت عنایت فرمائی تھی۔اس حدیث کےاور بھی جوابات دیے گئے ہیں۔(۴)

قرافی نے تو صرف تین حالات اور حیثیتوں کی نشاندہی کی ہے؛لیکن ان کے علاوہ بھی ہیں، جن کی ابن عاشور نے وضاحت کی ہے۔ذیل میں ان کا ایک جائزہ اور فقہی احکام پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات کے تجزیہ کی کوشش کی جارہی ہے۔لیکن اس سے پہلے ان مختلف حیثیتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱-فتوے کی حیثیت سے آپ کا تصرف

اس میں اللہ تعالیٰ کا جو حکم آپ ﷺ کو، ادلہ شرعیہ میں نظر آتا ہے، آپ ﷺ اس کی خبر اور اطلاع دیتے ہیں،جیسا کہ ہم دوسرے مفتیان کے بارے میں یہی کہتے ہیں۔تبلیغ کی حیثیت سے آپ کا تصرف ہی رسالت کا تقاضا ہے،یعنی اس تبلیغ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم۔آپ ﷺ مقام رسالت میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے، جو کچھ آپ تک پہنچتا ہے، اس کو مخلوق تک نقل کرتے ہیں۔آپ ﷺ اس مقام میں، رب العالمین کی طرف سے پہنچانے اور نقل کرنے والے ہیں۔جیسا کہ راویانِ حدیث، آپ ﷺ کی احادیث ہم تک نقل کرتے ہیں۔یہ مقام محدثین کو وراثت میں ملا، جیسا کہ مفتی کو، فتوے کا مقام وراثت میں ملا۔راوی اور مفتی کے درمیان یہ فرق معلوم ہونے کے بعد، آپ ﷺ کی مبلغ اور مفتی ہونے کی حیثیت میں فرق بھی واضح ہوگیا۔

۲-حکم اور فیصلہ کی حیثیت سے آپ کا تصرف

حکم اور فیصلہ کی حیثیت سے آپکا تصرف، رسالت اور فتوے کی حیثیت سے آپ کے تصرف سے مختلف ہے۔اس لیے کہ رسالت میں محض تبلیغ اور خالص اتباع ہوتا ہے۔اور حکم وفیصلہ: انشاء، الزام سے عبارت ہے۔جو اسباب اور حاجت کے تقاضے کے موافق ہوتا ہے۔اسی وجہ سے آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انکم تختصمون الی، ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجته من بعض، فأقضی له علی نحو ما أسمع، فمن قطعت له من حق أخیه شیئا، فلا یأخذه، انما أقطع له به قطعة من النار (۵)

''تم لوگ میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو، بعض لوگوں میں قوتِ استدلال زیادہ ہوتی ہے، میں جو سنتا ہوں اسی کے موافق فیصلہ دیتا ہوں، اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دے دوں تو وہ نہ لے، میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قضاء و فیصلہ، حاجت وقوتِ استدلال کے تابع ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں آپ ﷺ کی حیثیت، انشاء حکم کرنے والے کی ہوتی ہے۔ جب کہ فتوے اور رسالت میں آپ ﷺ کا کام تبلیغ اور اتباع ہے۔

حکم وقضاء میں بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے متبع ہوتے ہیں کہ حاجت واسباب کے موافق، احکام کا انشاء کریں، کیوں کہ آپ ﷺ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اس حکم کو نقل کرنے میں متبع ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ کو جس امر الٰہی کی تفویض ہوچکی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منقول نہیں ہوگا۔

حکم وفتوے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ فتوی قابلِ نسخ ہوتا ہے، نہ کہ حکم وفیصلہ کہ اس فیصلہ پر مرتب ہونے والے آثار کے ظہور کے بعد، وہ حکم وفیصلہ قابلِ نسخ نہیں۔ یہ تو عہدِ نبوی کی بات ہے، لیکن آپ ﷺ کے بعد، آپ کا فتویٰ بھی نا قابلِ نسخ ہے، کیونکہ شریعت کے احکام مقرر ہوچکے ہیں۔

''رسالت'' ذاتی طور پر نا قابلِ نسخ ہے۔ ''نبوت'' میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کے پاس کسی چیز کے حکم کی وحی بھیجتے ہیں، جو اسی کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے پاس یہ وحی آئی "اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق (اقرا:۱-۲)'' (اے پیغمبر ﷺ) آپ پر (جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے۔ جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔''

یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ علما کہتے ہیں کہ یہ نبوت ہے، رسالت نہیں۔ اس کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی: "یا أیها المدثر قم فانذر" (المدثر:۱-۲)'' اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو، اپھر ڈراؤ''

تو یہ رسالت ہوئی۔ اس لیے کہ یہ ایسے حکم کا مکلّف بنانا ہے، جس کا تعلق صاحبِ وحی کے علاوہ دوسروں سے ہے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ ہر رسول نبی ہے، اس کے برعکس نہیں۔

۳- بہ حیثیت امام، آپ ﷺ کے تصرفات

بہ حیثیت امام، آپ ﷺ کے تصرفات، نبوت و رسالت، فتوی اور قضاء سے زائد ایک صفت ہے، اس کا مدار، تحقیق مصالح اور دفعِ مفاسد پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز، ماسبق کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، محض کسی چیز کی خبر دے دینے سے، فتوے کی حیثیت پوری ہوجاتی ہے۔ اور نزاعات کے محض تصفیہ اور فیصلہ سے، حکم وقضاء کی حیثیت پوری ہوجاتی ہے۔ اس میں سیاست عامہ کو دخل نہیں۔ خصوصاً اگر کم زور قاضی، جو فیصلوں کو نافذ کرنے کی صلاحیت وقدرت نہیں رکھتا، اگر کسی جابر بادشاہ کے خلاف کوئی فیصلہ صادر بھی کردے، تو یہ محض ''انشاءِ الزام'' ہے، اس کے دل میں بھی یہ نہیں گزرتا کہ وہ اس کو نافذ کرنے کی کوشش کرے؛ کیوں کہ وہ ایسا کر بھی نہیں سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی (بہ حیثیت قاضی) کو صرف ''انشاء'' (فیصلہ صادر کرنے) کا اختیار ہے۔ قوتِ تنفیذ یہ، اس کے منصب قضاء سے ایک زائد چیز ہے۔ لہٰذا ''سلطۂ عامہ'' (اعلیٰ اختیارات) جو امامت کی حقیقت ہے، قضا وفیصلہ سے (بہ حیثیت قضاء) مختلف چیز ہے۔

''رسالت'' میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم رسانی ہے۔ اس میں ''سیاستِ عامہ'' کی تفویض لازم نہیں۔ اس کے بعد یہ عبارت غیر واضح ہے۔

رسالت وامامت کے درمیان فرق واضح ہونے کے بعد، ان دونوں اور نبوت کے درمیان فرق بھی واضح ہوگیا کہ نبوت صاحبِ وحی کے ساتھ خاص ہوتی ہے، دوسرے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (۶)

ان مختلف حیثیات سے آپ ﷺ کے تصرفات کا، شرعی احکام پر اثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں کہ امام قرافی نے صرف تین حیثیتوں کا ذکر کیا ہے؛ لیکن ابن عاشور نے اور بھی دوسری حیثیتوں کی نشاندہی کی ہے، ذیل میں ہر ایک قدرے تفصیل اور ان کے مختلف اثرات کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے حضرات سلف کے اختلافات کے اسباب کی وضاحت بھی ہوگی اور علمی و فقہی حیثیت سے کم یا بے مایہ حضرات کی فتوے کے باب میں عجلت بازی اور حضرات سلف کے ساتھ بدگمانی کی جو لہر چل پڑی ہے، اس پر شاید قدغن لگ سکے۔

(۱) تشریع کی حیثیت:

آپ ﷺ کی فی الغالب، حیثیت تشریع کی تھی؛ اس لیے کہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا۔ جیسا کہ فرمانِ باری: وما محمد الا رسول (سورہ آل عمران/۱۴۴) ''محمد اللہ کے رسول ہی ہیں''

بہ حیثیت تشریع جو افعال واقوال صادر ہوتے ہیں، ان کے قرائن واضح ہیں، جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے چندلوگوں کو مقرر کردیا تھا کہ آپ ﷺ کی بات دور بیٹھے لوگوں تک پہنچائیں۔ نیز حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: لتاخذوا عنی مناسککم(۷) ''مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو''۔

اس کے بعد فرمایا: لیبلغ الشاھد الغائب(۸) ''جو لوگ اس وقت موجود ہیں، وہ ان لوگوں کو سنادیں، جو موجود نہیں''۔

(۲) فتوے کی حیثیت:

اس کی بھی کچھ علامتیں ہیں، جن سے اس کا اندازہ لگ جاتا ہے، مثلاً موطا وصحیحین میں حضرت عمرو بن العاص اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ منی میں اپنی اونٹنی پر رکے، لوگ آپ سے مسائل دریافت کررہے تھے، ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہ میں نے رمی سے پہلے، قربانی کرلی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رمی کرلو، کوئی حرج نہیں''۔

ایک دوسرے نے دریافت کیا کہ میں نے رمی سے پہلے، طوافِ افاضہ کرلیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رمی کرلو، کوئی حرج نہیں''۔

اس موقع پر آپ سے کسی بھی ایسے امر سے متعلق جس کو بھول کر آدمی آگے یا پیچھے کرلے، دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کرلو، کوئی حرج نہیں۔(۹)

اس کی ایک مثال حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند کا واقعہ ہے۔ وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھ کو اور میرے بچوں کو کافی ہو مگر میں ان کے مال میں سے لے لیتی ہوں، اور ان کو خبر نہیں ہوتی۔ تو کیا مجھ پر اس کا گناہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ دستور کے مطابق جتنا تم کو اور تمہارے بچوں کو کافی ہو ان کے مال میں سے لے سکتی ہو۔(۱۰)

امام شافعی نے آپ ﷺ کے اس تصرف کو، فتوے کی حیثیت دی ہے: لہٰذا اگر کسی کو اپنا حق بجنسہ یا بغیر جنسہ (اگر بجنسہ نہ ملے) دوسرے کے پاس مل جائے، اور اس کو بتا کر لینا ممکن نہ ہو تو

بتائے بغیر اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔ حنفیہ نے بھی اس کو فتوے کے باب میں شمار کیا ہے۔ امام مالک کی رائے اس کے خلاف ہے۔ انھوں نے اس کو قضا اور فیصلہ قرار دیا ہے، لہٰذا قاضی کے فیصلہ کے بغیر اپنا حق وصول نہیں کرسکتا۔ یہی رائے حنابلہ کی ہے، ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں قضاء علی الغائب کے جواز پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

بعض حضرات نے تو اس حدیث کو قضا علی الغائب کے باب میں اصول قرار دیا ہے۔ لیکن سبکی نے اس رائے کو ضعیف قرار دیا ہے اور وجہ یہ بتائی کہ ابوسفیان شہر میں موجود اور حاضر تھے، روپوش نہ تھے، اور آپ ﷺ کے مطالبہ پر، دربار میں حاضری سے ان کو گریز بھی نہ تھی۔ اور ایسی صورت میں ''صحیح مذہب شافعی'' میں قضا علی الغائب کی شکل نہیں بنتی۔ (۱۱)

(۳) قضاء و فیصلہ کی حیثیت:

فریقین کے درمیان تصفیہ کی حیثیت سے جو افعال صادر ہوئے، وہ اسی قبیل سے ہیں، مثلاً:

(الف) حضرت زبیرؓ کا بیان ہے کہ ان میں اور ایک انصاری صحابی (جو بدر کی لڑائی میں شریک بھی ہوئے تھے) مدینہ کی پتھریلی زمین کی نالی کے بارے میں جھگڑا ہوا، وہ اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ دونوں حضرات اس نالہ سے اپنا باغ سیراب کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زبیر! تم پہلے سیراب کرلو، پھر اپنے پڑوسی کو بھی سیراب کرنے دو، اس پر انصاری کو غصہ آگیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس وجہ سے کہ وہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے زبیر! تم سیراب کرو اور پانی کو اپنے باغ میں اتنی دیر تک آنے دو کہ دیوار تک چڑھ جائے۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق عطا فرمادیا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے ایسا فیصلہ کیا تھا، جس میں حضرت زبیرؓ اور انصاری صحابی؛ دونوں کی رعایت تھی۔ لیکن جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ ﷺ نے زبیرؓ کو قانون کے مطابق پورا حق عطا فرمایا۔ (۱۲)

(ب) حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ ایک شخص ''حضرموت'' کا اور ایک شخص کندہ کا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرموت والے نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس شخص نے میری زمین دبالی ہے، جو میرے باپ کی تھی۔ کندہ والے نے کہا کہ وہ میری زمین ہے، میں اس میں کھیتی کرتا ہوں، اس کا اس میں کچھ حق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرموت والے سے فرمایا کہ تمہارے پاس گواہ ہیں؟ وہ بولا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اس سے قسم لے'' اس

نے کہا کہ اللہ کے رسول! وہ تو فاجر ہے۔ قسم کھانے میں اس کو باک نہیں۔ وہ کسی بات سے پرہیز نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم کے سوا اب تمہارا اس پر کوئی بس نہیں چلتا۔ پھر وہ قسم کھانے جارہا تھا اور اس نے پیٹھ موڑی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو! اگر اس نے دوسرے کا مال اڑانے کے لیے، ناحق خدا کی قسم کھائی تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے منھ پھیر لے گا''۔(۱۳)

بہرکیف ان دونوں واقعات میں رسول اللہ ﷺ نے فریقین کی موجودگی میں ایک حکم فرمایا؛ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا اور فیصلہ کی قبیل سے ہے۔ اور اگر فریقین کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا حکم آیا ہو تو وہ قضا وفیصلہ کے باب سے نہیں۔(۱۴)

قضاء کے باب سے ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک فریق رسول اللہ ﷺ سے عرض کرے کہ: اقض بیننا (ہمارے درمیان فیصلہ کردیجیے) اور آپ ﷺ فرمائیں: لاقضین بینکما (میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا) اس کی مثال خالد بن زید جہنی کی روایت ہے کہ ایک دیہاتی اپنے فریق کے ساتھ آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کردیجئے۔ دوسرے فریق (جو اس سے سمجھ دار تھا) نے کہا اس نے سچ کہا۔ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کردیجیے، اور مجھے بات کہنے کی اجازت دیں۔ (اس کے بعد ان دونوں نے اپنا واقعہ بیان کیا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کردوں گا۔(۱۵)

(۴) امام وامیر ہونے کی حیثیت:

رسول اللہ ﷺ نے امام وامیر ہونے کی حیثیت سے جو تصرفات فرمائے ہیں، امام وامیر کی اجازت کے بغیر کوئی مسلمان وہ تصرف نہیں کرسکتا۔ یہ تو ایک طے شدہ امر ہے؛ لیکن آپ ﷺ کے بعض تصرفات کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ تصرف بہ حیثیت امام وامیر کے ہے (کہ اس کے لیے امام وامیر کی اجازت درکار رہے) یا فتوے وتشریع کی حیثیت سے آپ ﷺ نے تصرف فرمایا کہ اس کے لیے امام کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

اس کی مثالیں:

۱- فرمان نبوی ہے: من احیا ارضا میتة فھی له (۱۶) ''جس نے کوئی غیر آباد زمین، آباد کی وہ اس کی ہے۔''

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ تصرف بہ حیثیت فتوے کے ہے، اس لیے کوئی بھی امام کی اجازت کے بغیر ''احیاء ارض'' کرسکتا ہے۔ یہی رائے حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابویوسف اور امام محمد کی بھی ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یہ تصرف بہ حیثیت امام مسلمین کے ہے۔ اس لیے امام کی اجازت کے بغیر کوئی یہ تصرف نہیں کرسکتا۔ (۱۷)

۲- فرمانِ نبوی: من قتل قتیلا فله سلبه (۱۸)

'جس نے کسی کو قتل کیا اس کا سامان اسی کو ملے گا''۔

امام مالک کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ تصرف، امام و امیر ہونے کی حیثیت سے تھا، لہٰذا امام کی اجازت کے بغیر، قاتل کو، مقتول کا ''سامان'' نہیں دیا جائے گا، یہی رائے امام ابوحنیفہ کی بھی ہے۔ جب کہ امام شافعی، ابوثور اور داود کی رائے ہے کہ یہ تصرف، فتوے اور تبلیغ کی حیثیت سے تھا، لہٰذا یہ قاتل کا حق ہے، امام کی اجازت پر موقوف نہیں۔ یہی رائے حنابلہ کی بھی ہے۔ (۱۹)

۳- غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے شہری گدھے کے گوشت کھانے سے منع کردیا اور ان دیگچیوں کو انڈیل دینے کا حکم دیا جس میں گوشت پکایا گیا تھا۔ لیکن یہ ممانعت، بہ حیثیت تشریع، و تبلیغ کے تھی کہ آبادی کے گدھے بہ ہر صورت حرام ہوں گے۔ یا ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس غزوہ میں سواری کے لیے گدھے استعمال کیے گئے تھے، لشکر کی مصلحت میں آپ ﷺ نے، بہ حیثیت امیر لشکر یہ حکم فرمایا تھا۔ صحابہ کرام میں یہ دونوں رائیں موجود تھیں۔

مسند ابوعوانہ میں، عبداللہ بن ابواوفی کی روایت ہے کہ

اصابتنا مجاعة ليالى خيبر فلما كان يوم خيبر وقعنا فى لحوم الحمر الاهلية فانتحرناها فلما غلت به القدور نادى منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اكفئوا القدور ولا تاكلوا من لحوم الحمر شيئا.

قال: فقال ناس: انما نهى عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم لانها لم تخمس، وقال آخرون: حرمها البتة. (۲۰)

''غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک رات ہم کو سخت بھوک لگی، جب دن ہوا تو ہم لوگ، شہری گدھوں پر ٹوٹ پڑے، اور ان کو ذبح کرنا شروع کردیا اور جب گوشت دیگچی میں ابلنے لگا تو آپ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ دیگچیوں کو الٹ دو اور گوشت ہرگز نہ کھاؤ۔

اب بعض لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس لیے منع فرمایا کہ ان گدھوں میں سے

''پانچواں حصہ'' نہیں نکالا گیا تھا (ان کی تقسیم نہیں ہوئی تھی) اور بعض لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اسے قطعی طور پر حرام کردیا تھا۔

مسلم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ

لا ادری انما نهی عنه رسول الله ﷺ من اجل انه کان حمولة الناس فکره ان تهذهب حمولتهم او حرم فی یوم خیبر لحوم الحمر الاهلية(۲۱)

''مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے اس وجہ سے ممنوع قرار دیا کہ وہ بار برداری کے کام آتے تھے اور کھانے کی اجازت سے بار برداری کے جانور ختم ہوجانے کا اندیشہ تھا یا خیبر کی لڑائی میں آپ ﷺ نے ''آبادی کے گدھوں'' کو بالکلیہ حرام قرار دیا تھا''۔(۲۲)

(۵) ہدی، وارشاد کی حیثیت:

یہ حیثیت، تشریع کی حیثیت سے آپ ﷺ کے تصرف کے مقابلہ میں عام ہے۔(۲۳) اس لیے کہ بسا اوقات آپ ﷺ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں یا کسی چیز سے نہی فرماتے ہیں؛ لیکن مقصود ''عزم'' (سختی کے ساتھ حکم یا ممانعت) نہیں ہوتی؛ بلکہ اس سے نیکی وخیر کے راستوں کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے۔ چناں چہ ترغیبی نصوص، جنتیوں کی نعمتوں کا بیان، اور اکثر مندوبات ومستحبات، اسی ''ارشاد'' کے باب سے ہیں۔ بہرکیف یہاں ''ہدی، ارشاد'' سے مراد: اعلیٰ اخلاق اور آداب صحبت کی رہنمائی ہے۔ اسی طرح ''صحیح عقیدہ'' کی رہنمائی بھی اسی کے تحت آتی ہے۔(۲۴)

مثالیں: ۱- فرمانِ نبوی: عبیدکم خولکم جعلهم الله تحت ایدیکم، فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل، ولیلبسه مما یلبس، ولا یکلفه من العمل مالا یطیق، فان کلفه فلیعنه.

قال الراوی: فلقیت أبا ذر وغلاما له وعلی غلامه حلة، فقلت لابی ذر: ماهذا فقال: تعال احدث: انی سابیت عبدا لی فعیرته بامه، فشکانی الی رسول الله، فقال رسول الله: "أعیرته بامه یا أباذر؟" قلت: نعم. قال: "انك امرؤ فیك جاهلیة، عبیدکم خولکم"(۲۵)

''تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری ماتحتی میں دے رکھا ہے۔ اس لیے جس کا بھی کوئی بھائی اس کے قبضہ میں ہو، اسے وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے، اور وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے۔ اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ لیکن اگر ان

کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے تو پھر ان کی خود مدد کردیا کرے۔‘‘

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر سے میری ملاقات ہوئی، ان کے غلام کے بدن پر ایک جوڑا تھا۔ میں نے ان سے سبب پوچھا۔ تو انھوں نے بتایا کہ ایک دفعہ میری اپنے ایک غلام سے گالی گلوچ ہوگئی، میں نے اس کو اس کی ماں کی طرف سے عار دلایا۔ اس نے نبی کریم ﷺ سے میری شکایت کردی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے انہیں ان کی ماں کی طرف سے عار دلائی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تم ایسے آدمی ہو، جس میں جاہلیت ہے۔ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔‘‘

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

’’آقا کو یہ حکم جو کھائے وہی غلام کو کھلائے، اور جو پہنے وہی اپنے غلام کو پہنائے؛ یہ حکم وجوب کے لئے نہیں؛ بلکہ استحباب پر محمول ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جہاں تک حضرت ابوذر کا عمل ہے تو انھوں نے استحباب پر عمل فرمایا۔ ہاں آقا کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص کو اس کے لحاظ سے، اور ہر شہر کے لحاظ سے، قاعدہ کے موافق کھانا اور کپڑا فراہم کرے، خواہ وہ اپنے جیسا ہو یا اس سے کم تر یا اس سے اعلیٰ۔ حتی کہ اگر آقا اپنے اوپر خلاف عادت تنگی کرے خواہ زہد کے جذبے سے یا بخل کے سبب؛ غلام کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا، ہاں اگر غلام اس پر راضی ہو تو اور بات ہے‘‘۔ (۲۶)

ابن حجر اس کی شرح میں رقم طراز ہیں:

’’غلام کے ساتھ، اس امر میں، ہر لحاظ سے، مساوات اور برابری ضروری نہیں، البتہ مواسات اور ہم دردی ضروری ہے۔ اگر کوئی اعلیٰ درجہ کو اختیار کرے اور برابری کا سلوک کرے (جیسا کہ حضرت ابوذر نے کیا) تو یہی افضل ہے... موطا اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: للمملوك طعامه وكسوته بالمعروف، ولا يكلف من العمل مالا يطيق. ’’غلام کے لیے، دستور کے موافق کھانا اور کپڑا دیا جائے، اور طاقت سے زیادہ کام کا اس کو مکلّف نہ بنایا جائے‘‘۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں، عرف وعادت کو مدنظر رکھا جائے۔ اور اگر کوئی اس سے بڑھ کر کرے تو یہ تطوع اور نفل ہے۔ (۲۷)

(۶) مصالحت کی حیثیت:

مصالحت کی حیثیت، عدالتی فیصلہ سے الگ ہوتی ہے۔ اس کی کئی مثالیں کتب حدیث

میں ملتی ہیں:

۱- حضرت زبیرؓ کا بیان ہے کہ ان میں اور ایک انصاری صحابی (جو بدر کی لڑائی میں شریک بھی ہوئے تھے) مدینہ کی پتھریلی زمین کی نالی کے بارے میں جھگڑا ہوا، وہ اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ دونوں حضرات اس نالہ سے اپنا باغ سیراب کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زبیر! تم پہلے سیراب کرلو، پھر اپنے پڑوسی کو بھی سیراب کرنے دو، اس پر انصاری کو غصہ آگیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس وجہ سے کہ وہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے زبیر! تم سیراب کرو اور پانی کو اپنے باغ میں اتنی دیر تک آنے دو کہ دیوار تک چڑھ جائے۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق عطا فرمادیا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے ایسا فیصلہ کیا تھا، جس میں حضرت زبیرؓ اور انصاری صحابی؛ دونوں کی رعایت تھی۔ لیکن جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ ﷺ نے زبیرؓ کو قانون کے مطابق پورا حق عطا فرمایا۔ (۲۸)

۲- حضرت عبداللہ بن ابی حدرد پر، کعب بن مالک کا قرض تھا، انھوں نے مسجد میں، اس کا مطالبہ کردیا اور ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ آدھا کردو۔ حضرت کعب اس پر راضی ہوگئے اور آدھا قرضہ وصول کرلیا۔ (۲۹)

(۷) مشورہ کی حیثیت:

بسا اوقات آپ ﷺ کے تصرفات، حتمی امر و نہی کی حیثیت سے نہیں؛ بلکہ کسی کو مشورہ کی حیثیت سے ہوا کرتے تھے۔ اس کی بھی کئی مثالیں، احادیث میں ملتی ہیں، مثلاً:

۱- حضرت عمرؓ نے ایک گھوڑا، اللہ کے راستہ میں صدقہ کردیا۔ لیکن جس شخص کو یہ گھوڑا ملا، اس نے اس کی خبر گیری نہ کرکے، اس کو ضائع کردیا۔ اور اس کو فروخت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو خریدنا چاہا۔ اور انھوں نے یہ سمجھا کہ وہ اسے سستے میں فروخت کردے گا۔ انھوں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لاتشتره وان اعطیته بدرهم فان مثل العائد فی صدقته کمثل الکلف یعود فی قیئه. ''اگر ایک درہم میں بھی ملے تو بھی نہ خریدو، اس لیے کہ اپنے صدقہ کو واپس لینے والے کی مثال ایسی ہے، جیسے کتا قئ کرکے دوبارہ اس کو کھاتا ہے۔'' (۳۰)

آپ ﷺ نے مشورہ کے طور پر، حضرت عمرؓ سے یہ فرمایا تھا، ورنہ کھلے طور پر اسکی ممانعت

نہیں ملتی، اسی وجہ سے جمہور علماء نے اس کو ''نہی تنزیہی'' پر محمول کیا ہے۔ تاکہ صدقہ کرنے کے بعد آدمی کا دل اس کی طرف لگا نہ رہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی صدقہ کرنے کے بعد اسی چیز کو خریدنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ تو فرمایا کہ نہ خریدے تو بہتر ہے۔ (۳۱)

لیکن بعض مالکیہ نے اس کو ''نہی تحریمی'' پر محمول کیا ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اگر بیع ہوگئی تو فسخ کردی جائے گی حالاں کہ اگر یہ ''نہی تحریمی'' ہوتی تو بیع کو فسخ کرنا واجب تھا۔ اس لیے کہ مذہب مالکی کا اصول یہ ہے کہ نہی، فساد کی متقاضی ہے، الا یہ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف ہو۔ حنابلہ نے بھی اس کو نہی تحریمی قرار دیا ہے۔ (۳۲)

۲- حضرت بریرہؓ کے مالکوں نے ان کو فروخت کرنا چاہا اور حضرت عائشہؓ نے ان کو خریدنا چاہا۔ لیکن مالکوں کی یہ شرط تھی کہ حق ''ولاء'' ان کو ہی حاصل رہے گا۔ حضرت عائشہ کو یہ شرط منظور نہ تھی، انھوں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لاعليك ان تشترطي لهم الولاء. ''کوئی حرج نہیں کہ تم ان کے لیے ''ولاء'' کی شرط لگالو''

ایک روایت کے الفاظ ہیں: "خذيها واشترطي لهم الولاء، فانما الولاء لمن اعتق. ''اسے لے لو اور ولاء کی شرط انھی کے لیے کردو، کیوں کہ ولاء تو اسی کو ملے گا جو آزاد کرے''

حضرت عائشہؓ نے یہ معاملہ کرلیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا اور فرمایا: ما بال اقوام يشترطون شروطا ليست في كتاب الله. ''کیا بات ہے کہ لوگ وہ شرطیں لگاتے ہیں، جو کتاب اللہ میں نہیں''۔

آخیر میں آپ ﷺ نے فرمایا: " انما الولاء لمن اعتق" ولاء تو اسی کو ملے گا جو آزاد کرے'' (۳۳)

اب اگر حضرت عائشہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی گفتگو، تشریع یا فتوے کے باب سے مانی جائے، تو یہ شرط پوری ہوئی تھی اور پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ میں جو یہ فرمایا کہ انما الولاء لمن اعتق کے یہ بالکل برخلاف ہوگی۔ لہٰذا واقعہ یہی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ آپ کی گفتگو اس حیثیت سے تھی کہ آپ نے ان کو ایک شرعی حق کا مشورہ دیا تاکہ وہ اس کو حاصل کرسکیں اور بریرہ کی خریداری اور اس کی آزادی کی ان کی خواہش بھی پوری ہوجائے۔ (۳۴)

۳- بخاری میں زید بن ثابت سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں لوگ پھل خرید لیا کرتے تھے، اور جب پھل توڑنے کا وقت آتا اور مالک ان کے پاس (قیمت کا تقاضا کرنے آتے تو

خریدار یہ عذر کرتے کہ پہلے ہی اس کا گابھا خراب اور کالا ہوگیا۔ اس کو بیماری لگ گئی، یہ تو ٹھٹھر گیا۔ بہت ہی کم پھل آئے، اسی طرح مختلف آفتوں کو بیان کرکے مالکوں سے جھگڑتے (تاکہ قیمت کم کرالیں) جب رسول اللہ ﷺ کے پاس اس طرح کے مقدمات کثرت سے آنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: فاما لا تتبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر ''جب اس طرح جھگڑے ختم نہیں ہوسکتے تو تم لوگ بھی میوہ کے پکنے سے پہلے ان کو نہ بیچا کرو''

زید بن ثابت نے کہا کہ گویا مقدمات کی کثرت کی وجہ سے آپ نے یہ بطور مشورہ فرمایا تھا۔(۳۵)

اس حدیث کو اگر صلاح ومشورہ کے طور پر آپ ﷺ کا تصرف مانا جائے تو اس بیع کے جواز میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

''اس میں کئی اقوال ہیں'':

۱- مطلقاً باطل ہے: اس کے قائل: ابن ابولیلیٰ اور ثوری ہیں۔ وہم کی وجہ سے کسی نے اس کے بطلان پر اجماع نقل کردیا ہے۔

۲- مطلقاً جائز ہے (گو پھل درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو) یہ یزید بن حبیب کا قول ہے۔ اس پر بھی وہم کی وجہ سے کسی نے اجماع نقل کردیا ہے۔

۳- اگر کاٹنے کی شرط لگادے تو باطل نہیں ورنہ باطل ہے: یہ قول امام شافعی، احمد اور جمہور کا ہے۔ اور امام مالک سے بھی مروی ہے۔

۴- اگر درخت پر باقی رکھنے کی شرط نہ لگائے تو بیع صحیح ہے۔ اور حدیث میں ممانعت اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ ابھی پھل آیا ہی نہ ہو۔ یہ اکثر حنفیہ کا قول ہے۔

۵- حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔ اور ''نہی'' تنزیہی کے لیے ہے۔(۳۶)

(۸) نصیحت کی حیثیت:

بسا اوقات آپ ﷺ کوئی تصرف، نصیحت کے طور پر فرماتے ہیں، مثلاً:

۱- نعمان بن بشیر کے والد حضرت بشیر بن سعد نے اپنے لڑکے (نعمان) کو ایک عطیہ دیا، انھوں نے اپنے دوسرے لڑکوں کو یہ عطیہ نہیں دیا تھا۔ ان کی اہلیہ: عمرہ بنت رواحہ (نعمان کی ماں) نے ان سے کہا کہ جب تک اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہیں بنالیتے، میں راضی نہیں۔ چناں چہ بشیرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "اكل ولدك نحلت مثله"؟ ''کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اسی طرح عطیہ دیا؟'' انھوں نے عرض کیا کہ نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "لاتشهدني علی جور" "مجھے ناانصافی پر گواہ نہ بناؤ"

ایک روایت کے الفاظ ہیں: أیسرك أن یکونوا في البر سواء؟ "کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ حسن سلوک برابر کریں"؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "فلا اذا" تو ایسا نہ کرو۔ (۳۷)

امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی نے کہا کہ آپ ﷺ نے اولاد کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کے پیش نظر، حضرت بشیر کو اس سے منع فرمایا۔ آپ کا مقصد، اس کو حرام قرار دینا اور اس کو باطل کرنا نہ تھا۔ اسی وجہ سے امام مالک کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی کسی ایک اولاد کو کوئی عطیہ دیا تو جائز ہے۔ ان حضرات کے پیش نظر یہی ہے کہ چوں کہ آپ ﷺ سے، شہرت کے ساتھ اس کی ممانعت منقول نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت، خاندان کے کمال اصلاح کے لیے، نصیحت کے طور پر تھی۔ اس پر پابندی عائد کرنا مقصد نہیں تھا۔ اس کی تائید بعض روایات کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "أشهد غیري" (۳۸) "کسی اور کو گواہ بنالو"۔

طاووس، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، سفیان اور داود کی رائے ہے کہ اس طرح کا عطیہ حرام ہے، ان لوگوں نے ظاہر نص کو اختیار کیا ہے اور اس کے مقصد میں گھسنے کی کوشش نہیں کی۔ (۳۹)

۲- فاطمہ بنت قیس خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے، معاویہ بن سفیان اور ابوجہم نے نکاح کا پیغام دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اما ابوجهم فلا یضع عصاه عن عاتقه واما معاویه فصعلوك لامال له" (۴۰) "ابوجہم تو اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں اتارتا اور معاویہ بن ابوسفیان مفلس آدمی ہے، اس کے پاس مال نہیں"۔

ظاہر ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں کہ فقیر سے شادی کرنا جائز نہیں، البتہ انھوں نے آپ ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کو ایسا مشورہ دیا جس میں ان کے لیے بہتر تھا۔ (۴۱)

(۹) نفس کو اکمل درجہ پر لانے کی حیثیت:

"رسول اللہ ﷺ نے بہت سے مواقع پر ایسے اوامر ونواہی ارشاد فرمائے جن کا تعلق صحابہ کرام کے نفوس کی تکمیل اور ان کو ان کے دینی مرتبہ کے شایان شان، اعلیٰ معیار پر آمادہ کرنے سے تھا کہ اگر عام امت کو اس پر آمادہ کیا جائے تو اس میں ان کے لیے حرج ومشقت ہوگی۔

آپ ﷺ صحابہ کرام کے لیے، خصوصی طور پر صاحب تشریع تھے، آپ ﷺ ان کو اعلیٰ معیار اختیار کرنے پر آمادہ کرتے تھے مثلاً: نہایت نمایاں شکل میں اسلامی اخوت کے رشتہ کو مضبوط قائم

رکھنا، دنیاوی ٹیپ ٹاپ کی زندگی سے صرفِ نظر کرنا اور دین اور دین کی فہم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا؛ اس لیے کہ ان کو اسی لیے تیار کیا گیا تھا کہ وہ دین متین کے حامل اور اس کے علم بردار ہوں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا: محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (فتح/۲۹) ''محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: لو انفق احدکم مثل احد ذھبا مابلغ مداحدھم (۳۷) بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ (۳۶۷۳) ''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرڈالے تو ان کے ایک مد غلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر''

فتح مکہ کے موقع پر، مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ نے سعد بن ابووقاص کے مریض ہونے پر فرمایا: ''اللّٰھم امض لاصحابی ھجرتھم ولا تردھم علی اعقابھم، لکن البائس سعد بن خولۃ، یرثی لہ رسول اللّٰہ ﷺ بمکۃ'' (۴۲) ''اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت پوری کردے اور انھیں الٹے پاؤں واپس نہ کر (کہ وہ ہجرت کو چھوڑ کر اپنے گھروں کو واپس آجائیں) البتہ سعد بن خولہ نقصان میں پڑ گئے۔''

ان کی وفات مکہ میں ہوگئی تھی، افسوس کے طور پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ ان کو موت وحیات دونوں حالتوں میں درجہ کمال حاصل رہے۔ حالاں کہ اگر مہاجر مکہ میں وفات کرجائے، تو بھی اس کی ہجرت ختم نہیں ہوتی۔

۲- حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے روکا۔ جن سات چیزوں کا حکم دیا وہ یہ ہیں: مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے پیچھے جانا، چھینکنے والے کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہنا، قسم پوری کرنا، مظلوم کی مدد کرنا، سلام کو عام کرنا اور دعوت قبول کرنا۔ اور جن سات چیزوں سے ممانعت فرمائی وہ یہ ہیں: سونے کی انگوٹھی پہننے سے، چاندی کے برتن، سرخ زین پوش (جو ریشمی ہو) قسی (ایک قسم کا ریشمی کپڑا) استبرق، دیبا اور ریشم کے استعمال کرنے سے۔ (۴۳)

اس حدیث میں مختلف قسم کی مامور بہ اور ممنوعہ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں بعض (جیسے قدرت ہونے پر مظلوم کی مدد کرنا) کا واجب ہونا، اور بعض (چاندی کے برتن میں پینا) کا حرام

ہونا معلوم ہے۔ جب کہ بعض ماموات (چھینکنے والے کے جواب میں یرحمک اللہ، کہنا اور قسم کو پورا کرنا) کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ واجب نہیں۔ اسی طرح زین پوش اور ''قسی'' کے بارے میں معلوم ہے کہ حرام نہیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ان سے منع فرمایا تو اس کا مقصد ان کو آشائش، ٹیپ ٹاپ کے مظاہر اور غیر مانوس رنگوں کو زینت کے طور پر استعمال سے دور رکھنا ہے۔(۴۴)

اس کی تائید حضرت علیؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ انھوں نے فرمایا: نهى رسول الله ﷺ عن لبس القسى، عن لبس المعصفر، وعن تختم الذهب، وعن القراءة فى الركوع، والسجود، ولا اقول: نهاكم"(۴۵) ''رسول اللہ ﷺ نے ''قسی'' (ایک خاص ریشمی کپڑا) اور گیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑا، سونے کی انگوٹھی پہننے اور رکوع وسجدہ میں قرآن کی تلاوت سے منع فرمایا، میں یہ نہیں کہتا کہ تم کو منع کیا''۔ یعنی ان امور سے ممانعت، پوری امت کے لیے نہیں؛ بلکہ خاص طور پر حضرت علیؓ کے لیے تھی۔(۴۶)

۳- حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الجار احق بصقبه(۴۷) ''پڑوسی اپنے پڑوس کا زیادہ حق دار ہے''۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے آپ ﷺ کے اس تصرف کو ''تشریع'' نہیں؛ بلکہ اس حیثیت سے قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے اندر ہم دردی اور بھائی چارہ کا جذبہ پیدا کرنا اور اس پر عمل پیرا دیکھنا چاہتے تھے۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ تصرف بہ حیثیت تشریع کے تھا، چناں چہ ہر پڑوسی کو ''حق شفعہ'' حاصل ہے۔(۴۸)

۴- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لايمنع احدكم جاره خشبة يغرزها فى جداره(۴۹) ''کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے''۔

حضرت ابوہریرہ یہ حدیث بیان کرکے کہا کرتے تھے: ''کیا بات ہے کہ میں تمھیں اس سے منہ پھیرنے والا پاتا ہوں، قسم اللہ کی! میں اس حدیث کا تمھارے سامنے برابر اعلان کرتا رہوں گا''۔

حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث کو تشریع پر محمول کرتے تھے، امام شافعی، ابوثور وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ واجب ہے، اگر دیوار کے مالک کا اس میں کوئی ضرر نہ ہو، امام مالک اس کو مندوب قرار دیتے تھے۔(۵۰)

۵-حضرت رافع بن خدیج اپنے چچا ظہیر بن رافع سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک بات کا حکم دیا تھا، جس میں ہمارا فائدہ تھا۔

رافع کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جو فرمایا، سچ ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ''تم اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو''؟ میں نے عرض کیا کہ ان کو کرایہ پر چلاتے ہیں اور وہ کرایہ یہ ہے کہ جو نہر پر پیداوار ہو اس کو لیتے ہیں، یا چند وسق کھجور کے یا جو کے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: فلا تفعلوا، ازرعوها او أزرعوها أو أمسكوها'' ایسا مت کرو، یا تو تم خود ان میں کھیتی کرو، یا دوسروں کو کھیتی کے لیے دو (بلا کرایہ) یا یوں ہی رہنے دو''۔ (۵۱)

اکثر علما نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم دردی و مواسات کا سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث پر یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: باب ما کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یواسی بعضهم بعضا۔ (۵۲)

یہ تو عام علما کی رائے ہے؛ لیکن ربیعہ کی رائے تھی کہ سونے چاندی کے علاوہ کسی چیز کو عوض زمین کرایہ پر نہیں چلائی جاسکتی، ابن حزم کی رائے تھی کہ زمین کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے اس تصرف کو تشریع پر محمول کیا ہے۔ (۵۳)

(۱۰) اعلیٰ حقائق کی تعلیم دینے کی حیثیت:

بسا اوقات آپ ﷺ مسلمانوں، خاص طور پر صحابہ کرام کو اعلیٰ حقائق کی تعلیم دینے کے طور پر تصرف فرماتے تھے، مثلاً: ۱- ایک بار آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: یا أباذر! وأتبصر أحدا''؟ ''ابوذر! احد پہاڑ دیکھ رہے ہو؟ ابوذرؓ نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ماأحب ان لی مثل أحد ذهبا أنفقه كله الا ثلاثة دنانير'' اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو بھی مجھے صرف یہی پسند ہے کہ محض تین دینار بچا کر تمام (اللہ کے راستے میں) دے ڈالوں''۔ (۵۴)

حضرت ابوذرؓ نے اس تصرف کو عام امت کے لیے ایک عمومی حکم و تشریع قرار دیا اور اسی وجہ سے وہ مال جمع کرنے سے روکتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے اس نقطۂ نظر پر نکیر کی تھی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ (۵۵)

(۱۱) ادب دینے کی حیثیت:

بعض اوقات آپ ﷺ کے تصرفات، ادب سکھانے کی حیثیت سے ہوا کرتے تھے، ان کا ''مقصد تشریع'' نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس طرح کے تصرفات میں بڑے احتیاط کے ساتھ، غور وفکر کے بعد کوئی پہلو معین کرنا چاہیے۔ اس طرح کے تصرفات میں، دھمکی دینے کے مقصد سے، مبالغہ شامل حال ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک فقیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ طے کرنے کی کوشش کرے کہ کس تصرف کے ساتھ تشریع کا مقصد مناسب ہے اور کس تصرف کے ساتھ، بذاتِ خود تو دھمکی اور تہدید کا مقصد مناسب ہے گو کہ اس میں بھی تادیب کے ضمن میں ایک گونہ تشریع کا پہلو ہوتا ہے۔ (۵۱) مقاصد الشریعہ حوالہ بالا۔

اس کی مثالیں: ۱- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیده لقد هممت ان آمر بحطب فيحطب، ثم آمر بالصلاة فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف الى رجال فأحرق عليهم بيوتهم. والذی نفسی بیده لو يعلم احدهم انه يجد عظما سمينا او مر ماتين حسنتين لشهد العشاء

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کیا ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کا حکم دوں، اس کے لیے اذان ہو، پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پھر ایسے لوگوں کے پاس جاؤں (جو نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہوتے) اور ان کے گھروں سمیت جلادوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر یہ لوگ جان لیں کہ مسجد میں ایک اچھے قسم کی گوشت والی ہڈی مل جائے گی یا دو عمدہ کھر ہی مل جائیں گے تو یہ عشاء کی جماعت کے (مسجد میں) ضرور ضرور حاضر ہوجائیں۔''

ابن عاشور کہتے ہیں: ''بلاشبہ آپ ﷺ مسلمانوں کے گھروں کو اس وجہ سے جلانے والے تھے کہ وہ عشاء کی جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ البتہ آپ ﷺ نے یہ بات ادب سکھانے کے لیے، دھمکی آمیز انداز سے ذکر فرمائی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتادیا ہو کہ یہ لوگ منافق تھے۔ اور آپ کو اجازت دے دی تھی کہ اگر چاہیں تو ان کے گھروں کو جلادیں۔ (۵۷)

۲- ابوشریح سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "والله لايؤمن، والله لايؤمن" ''وہ ایمان والا نہیں، وہ ایمان والا نہیں''۔ ہم نے عرض کیا: کون اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: "من لا يأمن جاره بوائقه"۔ (۵۸) ''جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو''۔

اس حدیث کا مقصد، پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی کی نزاکت کو بیان کرنا ہے، حتی کہ اس سے

ایمان سلب ہونے کا خدشہ ہے۔ اور اس سے مراد ''ایمان کامل'' کی نفی ہے۔ (۵۹)

ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں، اس شخص سے ایمان کی نفی کی گئی ہے، جو اپنے پڑوسی کو اپنے قول یا فعل سے اذیت پہنچاتا ہے۔ امام نووی نے اس طرح کے موقع پر ایمان کی جو نفی آئی ہے، اس کے دو جواب لکھے ہیں: (۱) یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو پڑوسی کی ایذاء رسانی کو جائز و حلال سمجھتا ہے۔ (۲) مطلب یہ ہے کہ وہ مومن کامل نہیں۔ اور جہاں جنت میں داخلہ کی نفی آئی ہے اس سے مراد: یہ ہے کہ مومنوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا، تو یہ اول وہلہ میں جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ زجر و تغلیظ کے طور پر ہو۔ (۶۰)

(۱۲) غیر ارشادی حیثیت:

''اس سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق، تشریع، تدین، تہذیب نفس اور جماعت کے انتظامی امور سے نہیں؛ بلکہ یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق فطرت و جبلت اور مادی زندگی کے تقاضوں سے ہے۔ آپ ﷺ اپنے گھریلو امور اور روزمرہ کی زندگی سے متعلق جو امور انجام دیتے تھے، ان کا مقصود نہ تو تشریع تھا اور نہ دوسروں کو اس پر عمل پیرا کرانا تھا۔ اصول فقہ میں یہ بات آچکی ہے کہ آپ ﷺ کے وہ افعال جن کا تعلق جبلت و فطرت سے ہے، امت اس پر عمل پیرا ہونے کی پابند نہیں۔ بلکہ ہر شخص اپنے حسب حال اس کو انجام دے۔ جیسے کھانا پینے، لباس، لیٹنے، چلنے اور سواری وغیرہ۔ خواہ یہ شرعی امور سے خارج ہوں جیسے: راستہ چلنا، سفر میں سواری کرنا؛ یا وہ امور شرعیہ میں داخل ہوں جیسے: حج میں اونٹ کی سواری۔

اس کی مثالیں: ۱- حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ''محصب'' میں قیام فرمایا، وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز ادا فرمائی، پھر تھوڑی دیر لیٹ گئے، اس کے بعد لوگوں کے ساتھ طوافِ وداع کے لیے مکہ مکرمہ واپس آئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اس کو تشریع کے باب سے مانتے تھے اور وہ پابندی کے ساتھ اس کو بجالاتے۔ اس کے برعکس حضرت عائشہؓ اس کو تشریع کے باب سے نہیں مانتی تھیں، چناں چہ وہ کہتی تھیں ''انما کان منزل ینزله النبی ﷺ لیکون اسمح لخروجه'' ''یہاں آپ ﷺ صرف اس لئے اترے کہ مدینہ نکلنے میں آسانی ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ کی بھی یہی رائے تھی وہ کہتے تھے: لیس التحصب بشیء وانما هو

منزل نزله رسول الله ﷺ "محصب" میں اترنا حج کی کوئی عبادت نہیں، یہ تو صرف رسول اللہ ﷺ کے قیام کی جگہ تھی۔(۶۱)

۲-حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اذا سجد احدکم فلا یبرك کما یبرك البعیر ولیضع یدیه قبل رکبتیه.(۶۲) "جب کوئی سجدہ میں جائے تو اونٹ کی طرح نہ جائے، پہلے ہاتھ رکھے پھر اپنے گھٹنے رکھے۔"

امام مالک نے (ایک روایت میں) اس حدیث کو تشریع پر محمول کیا ہے، اوران کے نزدیک سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے پھر گھٹنے۔ لیکن حنفیہ، شافعیہ اور امام مالک (دوسری روایت میں) کے نزدیک پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ۔ ان کے نزدیک دوسری احادیث ہیں، اورانھوں نے اس حدیث کے کئی جوابات دیے ہیں، ان میں ایک یہ کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کا جسم اطہر بھاری ہوگیا تھا اور آپ ﷺ کی عمر زیادہ ہوگئی تھی۔ حنابلہ کے یہاں بھی دونوں روایتیں ملتی ہیں۔(۶۳)

۳-حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان رسول الله ﷺ طاف بالبیت وهو علی بعیر (۶۴) "آپ ﷺ نے ایک اونٹ پر سوار ہوکر بیت اللہ کا طواف کیا"۔

حنفیہ نے آپ ﷺ کے اس تصرف کو "تشریع" نہیں قرار دیا، لہٰذا ان کے نزدیک بلا عذر سوار ہوکر طواف کرنا جائز نہیں۔ آپ ﷺ کے سوار ہوکر طواف کی وجہ یہ تھی کہ آپ مریض تھے جیسا کہ امام بخاری نے اس حدیث پر یہی باب قائم کیا ہے، یا لوگوں کی تعلیم کے لیے آپ نے ایسا کیا، یا اس وقت کی بات ہے جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی تھی۔ یہ ساری وجوہات بھی ہوسکتی ہیں۔ یہی مالکیہ کی بھی رائے ہے۔ شافعیہ نے اس تصرف کو تشریع پر محمول کیا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک بلا عذر سواری کی حالت میں طواف جائز ہے۔ حنابلہ کے یہاں دونوں روایتیں ہیں۔(۶۵)

۴-حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب موذن صبح کی پہلی اذان دے کر چپ ہوجاتا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور صبح روشن ہوجانے کے بعد، فرض سے پہلے دو رکعت ہلکی ادا کرتے، پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے۔ یہاں تک موذن تکبیر کی اطلاع دینے کے لیے آپ کے پاس آتا۔(۶۶)

سنتِ صبح کے بعد لیٹنا تشریع کے طور پر تھا۔ یہی رائے ابن حزم کی تھی، ان کے نزدیک نماز فجر سے پہلے لیٹنا شرط ہے۔ امام نووی نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ اس کو "تشریع"

نہیں قرار دیتی تھیں، ان کا کہنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنت ہونے کی حیثیت سے نہیں لیٹتے تھے؛ بلکہ اس وجہ سے کہ آپ رات میں عبادت کرتے تھے، اس لیے سنت فجر کے بعد آرام کے لیے لیٹ جاتے تھے۔(٦٧)

شوکانی نے سنت فجر کے بعد لیٹنے کے بارے میں چھ اقوال نقل کیے ہیں، وہ رقم طراز ہیں:

(١) یہ استحباب کے طور پر مشروع ہے، عراقی نے کہا کہ صحابہ کرام میں: ابوموسی اشعری، رافع بن خدیج، انس بن مالک، اور ابوہریرہ کا اس پر عمل یا فتویٰ تھا۔ ابن عمر سے روایت میں اختلاف ہے۔ ائمہ میں امام شافعی اس کے استحباب کے قائل تھے۔

(٢) یہ عمل فرض و واجب ہے۔ یہ ابن حزم کا قول ہے۔

(٣) یہ مکروہ اور بدعت ہے۔ اس کے قائل: ابن مسعودؓ ہیں، ایک قول ابن عمر کا بھی یہی ہے۔ ابن مسعود کہتے تھے کہ کیا بات ہے کہ آدمی سنت فجر پڑھنے کے بعد، گدھے کی طرح پڑ جاتا ہے۔ امام مالک اسی کے قائل تھے۔ قاضی عیاض نے اس کو جمہور کا قول نقل کیا ہے۔

(٤) یہ خلافِ اولیٰ ہے۔ یہ حسن کا قول ہے۔

(٥) تہجد گزار کے لیے مستحب ہے، دوسرے کے لیے نہیں۔ اس کے قائل ابن عربی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے سابقہ قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(٦) لیٹنا مقصود بالذات نہیں، بلکہ سنت اور فرض کی درمیان فصل کرنا مقصود ہے۔(٦٨)

٥- جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کے قیام کے لیے جس جگہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب فرمایا، اس طرف کوئی چشمہ یا کنواں نہ تھا، زمین اس قدر ریتیلی تھی کہ اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے تھے، حضرت حباب بن منذر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے، وہ وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں۔ حضرت حباب نے عرض کیا کہ تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے۔ اور آس پاس کے کنویں بیکار کردیے جائیں۔ حضرت حباب کے الفاظ تھے: منزل أنزلكه الله ليس لنا ان نتعداه، ولا نقصر عنه، ام هو الراى، والحرب والمكيدة(٦٩)

٦- حضرت طلحہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگوں پر گزرا، جو کھجور کے درخت پر تھے، آپ نے فرمایا: یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: پیوند لگاتے ہیں یعنی نر کو مادہ میں رکھتے ہیں، وہ گابھہ ہوجاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ما اظن يغنى ذلك شيئا میں

سمجھتا ہوں کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں۔

یہ خبران لوگوں کو ہوئی تو انھوں نے پیوند کرنا چھوڑ دیا، اس کے بعد آپ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا:

ان كان ينفعهم ذلك فليصنعوه فانى انما ظننت ظنا فلا تواخذونى بالظن ولكن اذا حدثتكم عن الله فخذوه فانى لن اكذب على الله عزوجل.

اگر اس میں ان کو فائدہ ہے تو وہ کریں۔ میں نے تو ایک خیال کیا تھا تو مت مواخذہ کرو میرے خیال پر۔ لیکن جب میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم بیان کروں تو اس پر عمل کرو، اس لیے کہ میں اللہ پر جھوٹ بولنے والا نہیں۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: انما انا بشر اذا امرتكم بشیء من دينكم فخذوه واذا امرتكم بشیء من رايى فانما انا بشر. آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو آدمی ہوں، جب میں تم کو دین کی کوئی بات بتاؤں، تو اس پر چلو، اور جب کوئی بات میں اپنے رائے سے کہوں تو آخر میں آدمی ہوں۔

حضرت انس کی روایت کے الفاظ ہیں: لولم يفعلو الصلح، فخرج شيصا فمر بهم فقال: ما لنخلكم؟ قالوا: قلت كذا وكذا. قال: انتم اعلم بامر دنياكم. آپ نے فرمایا کہ اگر نہ کرو تو بہتر ہوگا۔ (انھوں نے نہ کیا) آخر کھجور خراب نکلی، آپ ادھر سے گذرے اور لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے درختوں کو کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ آپ نے ایسا فرمایا تھا۔ (کہ گابھا نہ کرو) ہم نے نہیں کیا۔ اس وجہ سے خراب کھجور نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے دنیا کے کاموں کو مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ (۷۰)

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا یہ تصرف ''تشریع'' کے طور پر نہیں۔ اور نہ کسی نے اس کو تشریع کے باب میں داخل کیا ہے۔

❁ ❁ ❁

حواشی

(۱) بخاری کتاب الطلاق باب شفاعۃ النبی ﷺ فی زوج بریرہ ۲۰۲۳/۵ (۴۹۷۹)

(۲) اسد الغابۃ از ابن اثیر جزری محدث ۲۱۳/۱ ط: دار المعرفہ، ۱۹۹۷ء۔

(۳) مسلم کتاب الرضاعۃ باب رضاعۃ الکبیر ۱۰۷۶/۲ (۱۴۵۳)

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۶/۴؛ شرح النووی علی صحیح مسلم ۳۱/۱۰؛ فتح الباری ۱۴۹/۹؛ شرح الزرقانی ۳۱۶/۳؛ المبدع ۱۶۶/۸۔

(۵) صحیح مسلم کتاب الاقضیة باب الحکم بالظاھر واللحن بالحجة ۳/۱۳۳۷(۱۷۱۳)

(۶) الابہاج ازعلی بن عبدالکافی سبکی ۳/۹۴۲ ومابعد (وفات ۷۵۶) ط: دارالکتب العلمیہ، بیروت

(۷) مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی جمرة العقبة ...۲/۹۴۳(۱۲۹۷)

(۸) مسلم کتاب القسامة والمحاربین باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال ۳/۱۳۰۵(۱۶۷۹)

(۹) موطا مالک کتاب الحج باب جامع الحج ۱/۴۲۱(۹۴۱) ط: داراحیاء التراث العربی، مصر؛ الابہاج ۳/۲۴۹

(۱۰) مسلم کتاب الاقضیہ باب قضیة ہند ۳/۱۳۳۸(۱۷۱۴)

(۱۱) الابہاج ازسبکی ۲/۲۵۱؛ بدائع الصنائع ازعلاء الدین کاسانی ۴/۲۶ ط: دارالکتاب العربی، بیروت؛ المغنی ۱۰/۱۳۸۔

(۱۲) بخاری کتاب الصلح باب اذا اشار الامام بالصلح ۲/۹۶۴(۲۵۶۱)

(۱۳) مسلم کتاب الایمان باب وعید من اقتطع حق المسلم ....۱/۱۲۳(۱۳۹)

(۱۴) ابن عاشور: مقاصد الشریعہ ۲۱۳۔

(۱۵) موطا مالک کتاب الحدود ۲/۸۲۲(۱۵۰۲)؛ بخاری کتاب الشروط باب الشروط التی لاتحل فی الحدود ۲/۹۷۱(۲۵۷۶)؛ مسلم کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزنا ۳/۱۳۲۵(۱۶۹۷)

(۱۶) سنن ابوداود فی الخراج والامارة والفیٔ باب فی احیاء الموات ۳/۱۷۸(۳۰۷۳)

(۱۷) شرح معانی الآثار ۳/۲۶۸؛ الکافی فی فقہ ابن حنبل ازعبداللہ بن قدامہ ابومحمد المقدسی ۲/۴۳۵ ط: مکتب اسلامی، بیروت؛ موطا مالک ۲/۷۴۴ ط: داراحیاء التراث العربی، مصر؛ المدونة الکبری ۱۵/۱۹۵ ط: دارصادر، بیروت؛ الام از امام شافعی ۷/۲۳۰ ط: دارالمعرفة، بیروت۔

(۱۸) بخاری ابواب الخمس باب من لم یخمس الاسلاب ومن قتل قتیلا...۳/۱۱۴۴(۲۹۷۲)

(۱۹) بدایة المبتدی ازعلی بن ابوبکر مرغینانی ۱/۱۱۷ ط: مطبعة محمد علی صبیح، مصر؛ کفایة الطالب ازابوالحسن مالکی ۲/۱۹؛ الام ۴/۱۴۳؛ المغنی ازابن قدامہ ۹/۱۹۲ ط: دارالفکر، بیروت۔

(۲۰) مسند ابوعوانہ ۵/۳۰۔

(۲۱) مسلم کتاب الصید والذبائح باب تحریم اکل لحم الحمر الاہلیة ۳/۱۵۳۹(۱۹۳۹)

(۲۲) مقاصد الشریعة الاسلامیة ازمحمد طاہر بن عاشور ۲۱۵ ط: دارالنفائس، اردن۔

(۲۳) یہاں ''تشریع'' سے مراد: آپ ﷺ کا وہ قول یا فعل جس سے بہ ظاہر حرمت یا وجوب سمجھ میں آرہا ہو؛ لیکن مقصود حرمت یا وجوب نہ ہو۔ ورنہ ''ہدی وارشاد'' سے بھی کسی نہ کسی درجہ میں، مشروعیت سمجھ میں آتی ہے۔

(۲۴) ابن عاشور: مقاصد الشریعة ۲۱۶۔

(۲۵) بخاری کتاب العتق (۲۷۰۸)

(۲۶) شرح نووی علی صحیح مسلم ۱۱/۱۳۳ ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

(۲۷) فتح الباری ۵/۱۷۵ ط: دارالمعرفہ، بیروت۔

(۲۸) بخاری کتاب الصلح باب اذا اشار الامام بالصلح ۲/۹۶۴(۲۵۶۱)

(۲۹) بخاری کتاب الصلح باب الصلح بالدین ۲/۹۶۵(۲۵۶۳)

(۳۰) موطا مالک ۱/۲۸۲؛ بخاری کتاب الزکاة باب ھل یشتری صدقتہ...۲/۵۴۲(۱۴۱۹)؛ مسلم کتاب الھبات باب کراہیة شراء الانسان ماتصدق بہ ممن تصدق علیہ (۱۶۲۰)

(۳۱) موطا مالک ۱/۲۸۲؛ المنہج القویم ازہیثمی شافعی ۱/۵۰۱ ط: بدون۔

(۳۲) منارالسبیل ازابراہیم محمد بن سالم بن ضویان ۱/ ۱۹۷ط: مکتبۃ المعارف، ریاض۔
(۳۳) بخاری کتاب البیوع باب اذا اشترط وطافی البیع لاتحل ۲/ ۷۵۹ (۲۰۶۰)
(۳۴) ابن عاشور: مقاصد الشریعۃ ۲۱۹۔
(۳۵) بخاری کتاب باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحہ ۲/ ۷۶۵ (۲۰۸۱)
(۳۶) فتح الباری ۴/ ۳۹۴؛ تفصیلات کے لیے دیکھئے: ابن عابدین ۴/ ۵۵۶؛ المغنی ۴/ ۲۷؛ مواہب الجلیل از محمد بن عبدالرحمٰن المغربی ۴/ ۵۰۷ط: دارالفکر، بیروت۔
(۳۷) موطا کتاب الاقضیۃ باب مالا یجوز من النحل ۲/ ۷۵۱؛ بخاری کتاب (۳۹) بدائع الصنائع ۶/ ۱۲۷؛ سرح الزرقانی ۴/ ۵۴؛ اختلاف الحدیث از امام شافعی ۱/ ۱۵۹ط: موسسہ کتب ثقافیہ، بیروت؛ المغنی ۵/ ۳۸۷؛ مقاصد الشریعہ ۲۲۰ باب الھبۃ للولد... ۲/ ۹۱۳ (۲۴۴۶)؛ مسلم کتاب الھبات باب کراہۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ (۱۶۲۳)
(۳۸) مسند ابوعوانہ ۳/ ۴۵۷ (۵۶۷۹)
(۳۹) بدائع الصنائع ۶/ ۱۲۷؛ شرح الزرقانی ۴/ ۵۴؛ اختلاف الحدیث از امام شافعی ۱/ ۱۵۹ط: موسسہ کتب ثقافیہ، بیروت؛ المغنی ۵/ ۳۸۷؛ مقاصد الشریعہ ۲۲۰۔
(۴۰) مسلم کتاب الطلاق باب المطلقۃ ثلاثا لانفقۃ لہا ۲/ ۱۱۱۴ (۱۴۸۰)
(۴۱) ابن عاشور ۲۲۱۔
(۴۲) مسلم کتاب الوصیۃ باب الوصیۃ بالثلث ۳/ ۱۲۵۱ (۱۶۲۸)
(۴۳) بخاری کتاب اللباس باب المثیرۃ الحمراء (۵۸۴۹) مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ... ۳/ ۱۶۳۵ (۲۰۶۶)
(۴۴) مقاصد الشریعہ ۲۲۲۔
(۴۵) سنن ابوداود کتاب اللباس (۴۰۴۴-۴۰۴۶)
(۴۶) مقاصد الشریعہ ۲۲۳۔
(۴۷) بخاری کتاب الحیل باب فی الحبۃ والشفعۃ ۶/ ۲۵۵۹ (۶۵۷۶)
(۴۸) احکام القرآن از جصاص ۳/ ۱۶۲؛ بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۹۳؛ الام ۷/ ۱۱۰؛ کشاف القناع ۴/ ۱۳۸۔
(۴۹) موطا کتاب الاقضیۃ باب القضاء فی المرفق ۲/ ۷۴۵ (۱۴۲۷)؛ بخاری کتاب المظالم باب لایمنع جارہ ان یغرز خشبہ فی جدارہ ۲/ ۸۶۹ (۳۴۶۳)؛ مسلم کتاب المساقاۃ باب غرز الخشب فی جدار الجار ۳/ ۱۲۰۳ (۱۶۰۹)
(۵۰) التاج والاکلیل ۵/ ۱۷۵؛ مغنی المحتاج ۲/ ۱۸۷؛ منارالسبیل ۱/ ۳۵۰۔
(۵۱) مسلم کتاب البیوع باب کراء الارض بالذہب والورق ۳/ ۱۱۸۳ (۱۵۴۸)
(۵۲) بخاری کتاب المزارعہ باب (۱۵) ۲/ ۸۲۴؛ مقاصد الشریعہ ۲۲۴۔
(۵۳) فتح الباری ۵/ ۲۵۔
(۵۴) بخاری کتاب الزکاۃ باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز... ۲/ ۵۱۰ (۱۳۴۲)؛ مسلم کتاب الزکاۃ باب فی الکنازین للاموال... ۲/ ۶۰۹ (۹۹۲)
(۵۵) مقاصد الشریعہ ۲۲۴۔
(۵۶) موطا کتاب الصلاۃ باب فضل صلاۃ الجماعۃ؛ بخاری کتاب الجماعۃ والامامۃ باب فضل صلاۃ الجماعۃ ۱/ ۲۳۱ (۶۱۹) مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ باب فضل صلاۃ الجمعۃ... ۱/ ۴۵۱ (۶۵۱)

(۵۷) مقاصد الشریعہ حوالہ بالا۔

(۵۸) بخاری کتاب الادب باب اثم من لایأ من جارہ بوائقہ (۲۰۱۶) مسلم کتاب الایمان (۴۶)

(۵۹) مقاصد الشریعہ ۲۲۶۔

(۶۰) فتح الباری ۱۰/۴۴۴۔

(۶۱) بخاری کتاب الحج باب الحصب ۲/۶۲۶ (۱۶۷۶-۱۶۷۷)

(۶۲) سنن ابواود کتاب الصلاۃ باب کیف یضع رکبتیہ قبل یدیہ ۱/۲۲۲ (۸۴۰)

(۶۳) مقاصد الشریعہ ص ۲۲۶؛ المبسوط ۱/۳۱؛ بدایۃ المجتہد ۱/۱۰۰؛ المبدع ۴/۱۵۲؛ المہذب ۳/۶۷۔

(۶۴) بخاری کتاب الحج باب المریض یطوف راکبا ۲/۵۸۸ (۱۵۵۱)

(۶۵) بدائع الصنائع ۲/۱۳۰؛ شرح النووی علی مسلم ۹/۱۸؛ المغنی ۳/۲۱۱؛ کفایۃ الطالب ۱/۶۶۷۔

(۶۶) بخاری کتاب الاذان باب من انتظر الاقامۃ ۱/۲۲۵ (۶۶۰)

(۶۷) فتح الباری ۳/۴۳؛ مصنف عبدالرزاق ۳/۴۳ (۴۷۲۲)

(۶۸) نیل الاوطار ۳/۲۷۔

(۶۹) اسد الغابۃ از ابن اثیر جزری محدث ۱/۴۱۳ ط: دارالمعرفہ ۱۹۹۷۔

(۷۰) مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا...۴/۱۸۳۵ (۲۳۶۱-۲۳۶۳)

❁ ❁ ❁

قرآنی اعجازِ بیانی کے چند تراشے

از: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی
مدرسہ حسینیہ کیرلا، الہند

قرآنِ کریم معجزہ ہے جو آخری نبی محمد عربی ﷺ پر جستہ جستہ ۲۳ سالوں میں نازل ہوا، معجزہ کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ انسانی بس اور قدرت سے باہر ہو، لہٰذا قرآن کی مثیل ونظیر بھی انسانی قدرت وطاقت سے ماوراء ہے۔

نیز یہ ایسا معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک کی خلقت کو اپنے لانے والے کی صداقت کا یقین کراتا رہے گا، نتیجتاً لوگ حلقۂ اسلام سے روز افزوں وابستہ ہوتے رہیں گے، رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اسی حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔

ما من الانبياء نبي إلا أعطي ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيت وحيًا أوحاه الله إلي، وأرجو أن أكون أكثرهم تابعًا يوم القيامة(۱)

(ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کا مشاہدہ کرکے انسانیت ایمان لاتی رہی، مجھے اللہ پاک نے ایسا معجزہ وحی کی شکل میں دیا ہے (اس میں غور وفکر کرکے قیامت تک لوگ ایمان لاتے رہیں گے) مجھے امید ہے کہ روزِ قیامت میرے متبعین زیادہ ہوں گے)

لیکن دین کے باغی اور فطرتِ انسانی سے منہ موڑنے والوں نے تکذیب کو اپنا وطیرہ بنایا اور اس معجزۂ قرآن سے متعلق مختلف قیاس آرائیاں کرنے لگے، تو قرآن نے مرحلہ وار تین قسطوں میں ان سے چیلنج کیا اور مطالبہ کیا کہ اگر اس کلامِ الٰہی کی حقانیت میں تمھیں شک ہے تو اس جیسا قرآن نہیں تو دس سورتیں، یا پھر ایک چھوٹی یا بڑی سورت ہی بنالاؤ، ہم تمہاری بکواسوں کو تسلیم کرلیں گے، لیکن بلند وبانگ ڈینگیں ہانکنے والے ششدر رہ گئے، انھوں نے اپنی غیرت نیلام کردی، بہو بیٹیاں دشمنوں کے حوالے کردیں، گردنیں کٹوائیں، حملے بھی کیے اور حملے کا جواب

بھی دیا، سب کچھ گوارہ لیکن یہ نہ ہوسکا کہ صرف ایک آیت ہی بناڈالتے، روز روز کا جھگڑا منٹوں اور سکنڈوں میں مٹ جاتا، قرآن اپنے نزول سے لے کر ہنوز چیلنج کررہا ہے لیکن کوئی اس کا معارضہ ومقابلہ کرنے والا آج تک پیدا نہ ہوسکا جو اپنے مقابلے سے اس کی اعتباریت میں فرق پیدا کرسکے۔

بہرحال قرآن معجزہ ہے جس کا مقابلہ محال ہے، لیکن وجہ اعجاز کیا ہے، صاحب مناہل العرفان کل چوبیس وجوہ: بعض وجوہِ صحیحہ اور بعض وجوہِ معلومہ ذکر کرتے ہیں (۲)

لیکن اکثر اہل علم حضرات کی رائے ہے کہ قرآن پاک اپنی فصاحت وبلاغت یا بزبان دیگر ''حسن بیان'' میں معجزہ ہے، علامہ خطابی فرماتے ہیں:

ذهب الأكثرون من علماء النظر إلى أن وجه الإعجاز فيه من جهة البلاغة(۳)

(اکثر اہل فکرودانش علماء کی رائے ہے کہ وجہ اعجاز بلاغت کی جہت سے ہے)

قریب قریب یہی بات اکثر علماء کے کلام میں پائی جاتی ہے، نیز منطقی لحاظ سے قرینِ قیاس بھی ہے، کیوں کہ یہ کلام جن عربوں میں نازل ہوا وہ ہر علم وفن سے بے بہرہ تھے لیکن فصاحت وبلاغت میں اوج کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ گویا کہ شعروشاعری، زبان وادب، اور تعبیر وبیان ان کے گھر کی لونڈی ہیں۔ اس لیے ان سے کچھ عذر نہ ہوسکا کہ ہم تو اس فن کو جانتے ہی نہیں، جاننے والوں کو چیلنج کرو، احمد حسن الزیات رقم طراز ہیں:

من قائل أنه الفصاحة الرائعة المذهب الواضح والأسلوب الموثق ونحن إلى هذا الرأى أميل؛ فإن القوم الذين تحدوا به لم يكونوا فلاسفة ولا فقهاء حتى يكون عجزهم عن الإتيان بمثله معجزة، إنما كانوا بلغاء مصادع وخطباء مصاقع وشعراء فحولاً، وفي القرآن من دقة التشبيه والتمثيل وبلاغة الإجمال والتفصيل وروعة الأسلوب وقوة الحجاج ما يعجز طوق البشر ويرمي المعارضين بالسُّكات والحَصَر.(۴)

(بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس قرآن میں شاندار فصاحت، واضح فکر ونظریہ اور مستحکم اسلوب پائے جاتے ہیں میری یہی رائے ہے کیوں کہ جس قوم کو للکارا گیا وہ نہ تو منطقی نہ موشگافیوں سے واقف تھے نہ ہی فہم وفراست کے حامل کہ ان کا اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہنا معجزہ ہوتا، ہاں وہ میدان بلاغت کے ہیرو، بلند پایہ مقرر، اور قادرالکلام شاعر تھے، نیز قرآن میں دقیق تشبیہ وتمثیل، ایجاز واطناب، حسین اسلوب اور قوت استدلال نے انسانی قوت کو

درماندہ کردیا اور مخالفین پر سکتہ وسناٹا طاری کردیا)۔

اعجازِ بیانی کا امتیاز

بہرحال ایک طبقہ اس پر مصر ہے کہ قرآن کا اعجاز فصاحت وبلاغت کی وجہ سے ہے لیکن علماء کے مختلف اقوال سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ قرآن کی ہر جہت معجزہ ہے، اس لیے کہ اس کے مخاطبین جہاں عرب کے فصحاء و بلغاء ہیں اسی طرح رہتی دنیا تک کی اقوام ہیں، ان میں یہود و نصاریٰ جیسے دینی پیشوائی کے دعوے دار بھی ہیں اور فلاسفۂ یونان سے لے کر ہندوستان کے ہندو جوگ بھی، یہی وجہ ہے کہ آج اتنی صدیاں گزر گئیں، زمانے نے نہ جانے کتنے پلٹن کھائے، انقلابات کے کیسے کیسے دور آئے اور گزر گئے، سائنس وٹکنالوجی نے کتنی ترقیاں کیں لیکن آج تک کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوسکا جو قرآن کی کسی جہتِ اعجاز کو بے اعتبار کرسکا ہو۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ قرآنِ کریم کا بلیغانہ وفصیحانہ اسلوب ایسا اعجاز سدابہار ہے جس میں کوئی آسمانی کتاب تک شریک وسہیم نہیں، بیانی اعجاز کی یہ جہت اتنی نمایاں ہے کہ جو بھی سنا خواہ وہ عربی زبان وبیان میں پہچان رکھتا ہو یا عربی کی الف با سے بھی واقف نہ ہو لیکن اس کا جذب اندرون پکار اٹھتا ہے۔

واللّٰہ إنه يقوله الذي يقول حلاوة وإن عليه لطلاوة... وإنه ليعلو وما يعلى (۵)

(خدا کی قسم جو یہ کلام بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے، اور یہ کلام غالب ہی رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا ہے)

اعجازِ بیانی کا معجزانہ امتیاز

اعجاز کی معرفت کے لیے کوئی معیار قائم کرنا تقریباً محال ہے، ہرچند کہ بعض علماء نے کوشش کی ہے کہ کوئی منضبط قاعدہ وضابطہ کے تحت اعجازِ بیانی کو داخل کردیا جائے، ان میں غالباً سب سے پہلا نام علامہ خطابی کا ہے جن کی پیروی کرتے ہوئے مختلف مفسرین نے بھی اختیار کیا ہے، علامہ خطابی کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ:

بلغاء وفصحاء کے کلام تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) اعلیٰ درجے کا فصیح وبلیغ (۲) معمولی فصیح وبلیغ (۳) بالکل سادہ وسلیس۔ قرآن پاک کا امتیاز ہے کہ ہر ایک سے اپنے مخاطب کی رعایت

کرتے ہوئے وافر حصہ لیتا ہے جو قرآن ہی کا حق ہے۔(۶)

لیکن علامہ خطابی اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہیں یہ کہنا مشکل ہے، کیوں کہ کسی قدر قاعدہ وضابطہ کو متعین کرلیں لیکن آخری فیصلہ تو ذوق ووجدان ہی کو کرنا پڑتا ہے یہ تو اس خوشبو کی مانند ہے جو پھول کی پنکھڑیوں میں پنہاں ہوتی ہے، جس کو محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس لیے اس کے اعجاز کی شہادت کیلئے یہی کافی ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی کوئی چیلنج قبول نہ کرسکا، بلکہ اپنی درماندگی کا اعتراف ہر صاحب ذوق کو خواہ دبے لفظوں میں ہی سہی کرنا پڑا۔

تاہم ایسے اصول وضوابط کا جائزہ لینا ضروری ہے جن کی رعایت کرنے سے کلام کی شان نرالی ہوتی ہے اور ''تاثیر'' میں چار چاند لگ جاتا ہے۔ دراصل کلام کا مؤثر ہونا ہی بیان کی غرض و غایت ہے، نیز کلام کا مؤثر ہونا چند وجوہ کی بنا پر ہوتا ہے، اس لحاظ سے قرآن کے اعجازِ بیانی کو چار خانوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) مفردات کا اعجاز (۲) جملوں اور ترکیبوں کا اعجاز (۳) اسلوب کا اعجاز (۴) نظم وربط بین الآیات کا اعجاز۔

مفردات کا اعجاز

مفردات کے لحاظ سے اگر قرآن پر غور کیا جائے تو اس کا ہر لفظ اپنی جگہ اتنا فصیح معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جگہ دوسرے کلمے کو خواہ اسی معنی ومفہوم کا ہو نہیں رکھ سکتے ہیں، اس کے برخلاف زبان دانی کے دعوے کرنے والوں کے کلام میں مختلف خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً متنبّی عربی زبان کا مشہور شاعر ہے، اس کو اپنی زبان دانی پر ناز بھی تھا اسی لیے دعوۂ نبوت بھی کر بیٹھا حالانکہ اس کا سارا کمال قرآن سے ہی مستفاد تھا جیسا کہ اس کی تاریخ حیات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے کلام کا اگر موازنہ کیا جائے تو بہت سارا نقص نظر آئے گا اور ایسا محسوس ہوگا کہ اگر اس لفظ کے بجائے یہ لفظ ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا مثلاً اس کا ایک شعر ہے:

إن القتيل مضرجاً بدموعه مثل القتيل مضرجاً بدمائه(۷)

شہید محبت شہید جنگ کی طرح ہوتا ہے۔

لیکن ذرا ''مثل'' کو ہٹا کر ''فوق'' رکھدیں تو دیکھئے حسن کتنا دوبالا ہوتا ہے۔

إن القتیل مضرجاً بدموعه فوق القتیل مضرجاً بدمائه

شہید محبت کا مقام جنگی شہید سے بڑھا ہوتا ہے۔

لیکن قرآن نے لفظ ''مثل'' کو تقریباً چالیس جگہ استعمال کیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی ادھرادھر نہیں کرسکتے ہیں۔

یہ صرف ''مثل'' کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ قرآن کے جس لفظ کو بھی لے لیں اس کی جگہ دوسرا لفظ حتی کہ اسی معنی کا متبادل ومترادف لفظ بھی نہیں رکھ سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے کلام کا مقصود باقی نہیں رہ سکتا ہے مثال کے طور پر قرآن میں ہے:

أتدعون بعلا وتذرون أحسن الخالقین

تم لوگ بت کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو۔

خیال ہوسکتا ہے کہ اگر ''تذرون'' کی جگہ ''تدعُون'' ہو تو معنی میں کچھ فرق نہیں ہوگا؛ بلکہ صنعت جناس کا اضافہ بھی ہوگا۔

لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے، وذر، اور ودع بیشک ہم معنی ہیں لیکن دونوں میں بنیادی فرق بھی ہے۔ وذر میں بالقصد چھوڑنا ملحوظ ہے؛ جبکہ ودع میں بالقصد کی کوئی قید نہیں، قرآن تو کہنا چاہتا ہے کہ تم لوگ بالقصد اپنے خالق کو ترک کررہے ہو، ظاہر بات ہے کہ یہ معنی ''ودع'' سے پیدا نہیں ہوسکتا۔

مفرداتِ قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے الفاظ کا اضافہ ہے جو پہلے سے اس معنی میں معہود ومعروف نہیں ہیں، مثلاً موت کے لیے عرب میں ۲۴ الفاظ استعمال ہوتے تھے، سب میں عرب کے قدیم نظریۂ کفر کی غمازی تھی، لیکن قرآن نے موت کے معنی کے لیے لفظ ''توفی'' استعمال کیا جس کے معنی پورا پورا لینے کے ہیں۔ قرینہ کے اضافے سے موت کا معنی پیدا ہوگا، جو صرف قرآن کا عطا کردہ ہے۔(۸)

بعض معانی کے لیے الفاظ ثقیل ہی استعمال ہوتے ہیں جو کہ فصاحت کے لیے عیب ہے۔ قرآن نے ایسے تمام الفاظ کو چھوڑ دیا اور ضرورت کے وقت ایسا لفظ استعمال کیا جو سنتا ہے عش عش کیے بغیر نہیں رہ سکتا، مثلاً پکی اینٹ کے لیے تین لفظ عربوں میں مستعمل تھے آجرّ، قرمد، طوب، اور تینوں ثقیل سمجھے جاتے تھے۔ قرآن نے اس معنی میں استعمال کیا:

فاوقد لي یا ھامان علی الطین فاجعل لی صرحاً. اے ہامان گیلی مٹی پر آگ روشن

کر کے میرے لیے ایک محل تعمیر کرو۔

اسی طرح "ارض" کی جمع اراضی و ارضون دونوں ثقیل سمجھے جاتے ہیں، قرآن نے ہر دو کو چھوڑ دیا، اوران کی جگہ استعمال کیا۔

الله الذی خلق سبع سماوات ومن الارض مثلهن

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین بھی اتنی ہی۔

ترکیب کا اعجاز

مفردات کے بعد جملوں کی بندش اور ترکیب کی شوکت وسلاست کا نمبر آتا ہے اس حوالے سے اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ زبان از خود ایک جملے سے دوسرے جملے کی طرف پھسلتی جارہی ہے، کہیں اٹکاؤ نہیں یوں لگتا ہے کہ ہموار زمین ہے یا پھر ٹھہرے سمندر کی سطح آب۔

علاوہ ازیں مختلف ترکیبیں قرآن نے ایسی استعمال کی ہے کہ جن سے مختلف گتھیاں سلجھ گئیں، مثلاً قاتل سے انتقام لینا ایک کمال سمجھا جاتا تھا۔اس پر برانگیختہ کرنے کے لیے مختلف جملے زبان زد تھے القتل أنفى للقتل (قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے) القتل إحياء للجميع (قتل اجتماعی زندگی ہے) أكثروا القتل ليقل القتل (قتل زیادہ کرو، قتل کی وارداتیں کم ہوجائیں گی)

لیکن قرآن نے اس کے لیے استعمال کیا ولکم فی القصاص حیوۃ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی، ترکیب مختصر سی لیکن معانی کا ایک سمندر پنہاں ہے۔

کسی چیز کی وسعت کو بیان کرنے کے لیے مختلف جملے تھے، لیکن ساری وسعتوں کی ایک انتہا تھی۔قرآن نے جہنم کی وسعت بیان کرتے ہوئے کہا۔

یوم نقول لجهنم هل امتلئت وتقول "هل من مزيد"

جس روز ہم جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو سیر ہوگئی تو وہ پکار اٹھے گی ''کیا کچھ اور ہے'' اس وسعت کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔

بتوں کی عظمت وہیبت دلوں میں اتنی جاں گزیں تھی کہ اپنی قسمت کا فیصلہ کروانے بھی ان ہی کے پاس جاتے، ان کے ناموں کے احترام اور عقیدت مندانہ جذبات سے ان کے دل لبریز

تھے۔لیکن قرآن نے صرف ایک جملے میں سب کو پاش پاش کردیا: إن هي الا اسماء سميتموها أنتم و آباء کم یہ محض تمہارے اور تمہارے پرکھوں کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ان سے حقیقت کا کچھ واسطہ نہیں اور نہ ہی کوئی نفع ونقصان ان سے متعلق ہے۔

اسلوب کا اعجاز

اسلوب میں سب سے اچھا اسلوب، عربوں کے نزدیک ہی نہیں ہر صاحب ذوق کے یہاں ''شعری اسلوب'' ہے؛ کیوں کہ اشعار کے سنتے وقت غیر محسوس طور پر انسان حلاوت محسوس کرتا ہے؛ لیکن علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کا اسلوب شعر نہیں ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے ''الفوز الکبیر'' میں بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ:

اس کا اسلوب ہے تو نثر ،لیکن شعر کی لذت سے بڑھ کر اس میں لذت موجود ہے۔کیوں کہ شعر کی لذت اور حلاوت کا سارا مدار ''متوازن صوتی آہنگ'' کا کان سے ٹکرانا ہے،لیکن یہ آہنگ پیدا کیسے ہوتی ہے اس کے لیے مختلف ذوق ومزاج ہیں،اور مختلف اصول وضوابط ہیں،عربی اشعار کا سارا دارومدار خلیل بن احمد کی تخلیق کردہ اوزان پھر ردیف کی یکسانیت اور قوافی کی رعایت پر ہے،لیکن فارسی ذوق اس سے الگ ہے،اس میں اوزان کی نئی بحریں بھی ہیں، پھر حرکات وسکنات کی خاص ہم آہنگی بھی،عربی میں ''کبیر'' و''قبور'' ہم وزن ہیں جبکہ فارسی میں مخل فصاحت،عربی میں زحافات اتنی زیادہ ہیں کہ وزن کا باقی رکھنا مشکل ہوتا ہے۔فارسی میں ایسا نہیں۔

اس کے برخلاف ہندی مزاج کا ذوق دوسرا ہے،اس میں تعدادِ حروف پر دارومدار ہے، پھر بسا اوقات تعدادِ حروف میں کافی تفاوت ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم نے ان اصولوں کو نظر انداز کردیا اور صرف ''متوازن صوتی ہم آہنگی'' کو باقی رکھا جو ہر ذوق و مذاق میں قدرِ مشترک ہے،لہٰذا قرآن کو اگر شعر نہیں کہہ سکتے تو نثر محض بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ عربوں نے جب اول وہلہ میں سنا تو شعر کہنے لگے،لیکن چوں کہ شعر کے نوک و پلک اور اصول وضوابط سے خوب واقف تھے،اس لیے اس نظریہ سے منحرف ہوئے سو کہا۔پھر نہ جانے کون کون سے لیبل چسپاں کرنے لگے۔(۹)

پھر علمائے بلاغت کے مطابق اسلوب کی تین قسمیں ہیں: خطابی، ادبی، علمی۔تینوں کی خصوصیات الگ الگ ہیں اور دائرۂ عمل بھی جداگانہ،لیکن قرآن ایک ہی عبارت میں تینوں

اسلوب کو جمع کرتا ہے، کہ علم کی سنجیدگی بھی ہوتی ہے، خطابت کا زور بھی تو ادب کی شگفتگی بھی۔

ہر شاعر و ادیب کا میدان الگ الگ ہے۔ ایک میدان کا مرد دوسرے میدان میں بالکل ناکام ثابت ہوتا ہے مثلاً امرء القیس رزم و بزم، اور غزل کا امام ہے۔ اس سے خوف و ہیبت کا مضمون ادا نہیں ہوسکتا، یہ تو نابغہ ذبیانی کا کام ہے۔ لیکن نابغہ سے حسن طلب نہیں ہوسکتا یہ تو اعشٰی کا کام ہے۔

اسی طرح فارسی شعراء میں نظامی و فردوسی رزم و بزم میں، سعدی وعظ و پند میں تفوق رکھتا ہے۔ ایک فن کا امام و شہ نشیں دوسرے فن میں حیران و خاک نشیں معلوم ہوتا ہے۔

لیکن قربان جایئے قرآن کے اسلوب پر ہر مضمون کو بلیغانہ و فصیحانہ اسلوب میں بیان کرتا ہے خواہ وہ ترغیب و ترہیب ہو، یا رزم و بزم، جنت و جہنم کا بیان ہو یا پھر دنیا کی مذمت کا ذکر، انبیاء و صالحین کے کردار کا تذکرہ ہو یا پھر گزرے ہوئے سرکشوں اور باغیوں کی عبرت آموز داستانِ حیات، ہر ایک کو اسی مضمون کے مناسب جوش و خروش اور پرشوکت و پرعظمت لفظ و نظم میں بیان کرتا ہے۔

پھر مخاطب بھی ہر قسم کے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے ماہرین فنون بھی، تو متوسط طبقہ کے فصیح و بلیغ نیز الھڑ قسم کے انسان بھی، قرآن کریم باوجود کہ بیان کی جملہ اقسام پر مشتمل ہے لیکن اس کے تینوں قسموں کے مخاطب بیک وقت متاثر ہوتے ہیں اور ہر کوئی سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل خطاب اسی سے ہے۔

ربط بین الآیات کا اعجاز

قرآنِ کریم ہدایت کا اتنا جامع مجموعہ اور مختلف الانواع مضامین پر مشتمل ہونے کے باوجود ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر مضمون دوسرے مضمون سے مربوط ہے، بلکہ بسا اوقات دو متضاد مضمون کو اکٹھا کرتا ہے اور انسانی دماغ حیران رہ جاتا ہے کہ خروج کہاں سے ہے اور دخول کہاں پر ہے، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کبھی متضاد رہے ہی نہیں ہیں۔

لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اگر ماقبل کا مضمون سامنے نہ ہو تو مابعد کی آیات غیر مربوط معلوم ہوں گی، بلکہ ہر آیت ماقبل سے مربوط ہونے کے باوجود مستقل مضمون کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ یہی محمل ہے ان علماء کے کلام کا جنھوں نے ربط بین الآیات کا انکار کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کا اعجاز ذوقی ووجدانی ہے، لیکن اصول وضوابط کا اگر پابند بھی تسلیم کرلیا جائے تو ہر اعتبار سے اس کا اعجاز ٹکسالی ہے، بلکہ جو ادیب وشاعر ایک فن میں کامل دسترس رکھتا ہے۔ اگر اس کے کلام کا موازنہ کیا جائے تو بے اختیار زبان پر آجائے گا ''چہ نسبت خاک را باعالم پاک'' اور این الثری من الثریا۔ اس دعوے کی تصدیق کے لیے ایک مثال بطور موازنہ پیش کی جاتی ہے۔

ایک تقابلی جائزہ

امرء القیس عرب کا مشہور شاعر، رزم و بزم کی تصویر کشی کا ماہر پوری عرب برادری میں مافوق العادت قوت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے رزمیہ اشعار میں گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

(الف) مِكَرّ مِفَرّ مقبل مُدْبِر معًا كجُلمود صَخْر حطّه السيل من عَلٍ

وہ گھوڑا حملہ کرنے والا، بھاگنے والا، آگے آنے والا، پیچھے کو مڑنے والا سب ایک وقت میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتھر ہے جس کو سیلاب نے اوپر سے لڑھکا دیا ہے۔

(ب) كُمَيت يُزلّ اللِبْد عن حال متنه كما ذَلّت الصفواءُ بالمتنزّل

وہ گھوڑا سیاہی وسفیدی مائل چتکبرا ہے، اس کی پیٹھ ایسی صاف ہے کہ نمدہ اپنی پشت کے وسط سے اس طرح پھسلا تا ہے جیسا کہ صاف چکنا پتھر اپنے اترنے کی جگہ سے پھسل کر گرتا ہے۔

(ج) على الذَبْل جَيّاش كأن اهتزامه إذا جاش فيه حميُه غليُ مرجلٍ

وہ دبلا پتلا ہے لیکن جوش ایسا کہ اس کے چلنے کی آواز گرمیٔ نشاط کے جوش میں دیگ کے ابلنے کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

(د) إذا ما السابحات على الونى أثرن الغبار بالكَدِيد المُوَكّل

جس وقت تیز رفتار گھوڑے تھک ہار کر پامال شدہ زمین پر غبار اڑاتے ہیں وہ گھوڑا بدستور بارش کی مانند تیز چلتا ہے۔

(ھ) يُزلّ الغلامَ الخِفّ عن صَهواته ويُلوي بأثواب العنيف المثقل

ہلکے پھلکے اناڑی نوجوان کو اپنی پیٹھ سے پھسلا دیتا ہے، اور بھاری بھرکم تجربہ کار شہ سواروں کے کپڑے گرا دیتا ہے۔ (۱۰)

یہ پانچ اشعار ہیں جن میں اکیاون الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو گھوڑے کی تعریف میں مقصود بنا کر کہے گئے ہیں۔ یقیناً سننے والا فصاحت و بلاغت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن قرآن نے ضمناً گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔

والعٰدیٰت ضبحاً، فالموریٰت قدحًا، فالمغیرات صبحًا، فأثرن به نقعًا، فوسطن به جمعًا.

قسم ہے دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی جو ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت دشمنوں کی جماعت میں جا گھستے ہیں۔

ان آیات میں صرف بارہ (۱۲) الفاظ ہیں اور گھوڑے کی ان میں واقعاتی و حقیقی صفات بیان کی گئی ہیں، جب کہ اشعار میں محض تخیلات ہیں۔ شاعر نے گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے اس کے فرار کی بھی تعریف کی ہے حالانکہ ''فرار'' خواہ کسی وجہ سے ہو عیب ہے، کمال نہیں۔ گھوڑے کی پیش قدمی کو دیگ کی آواز سے تشبیہ دی گئی جو کہ واضح نہیں جب کہ آیات میں نہ تو فرار کا ذکر ہے اور نہ گھوڑے کے دوڑنے کا، بلکہ ہانپنے کا بیان ہے جو بالکل واضح ہے۔

اشعار میں کبھی موٹاپے کا بیان ہو رہا ہے تو کبھی لاغری کا جو کہ تعارض ہے اور جھوٹ بھی۔ آیات میں کوئی تعارض نہیں۔ نیز گھوڑے کا پامال شدہ زمین سے مٹی کا اڑانا کوئی کمال نہیں بلکہ اصل کمال تو جب ہے کہ زمین تر بتر ہو پھر تیز چلنے سے غبار اڑے۔

اشعار میں تجربہ کار و ناتجربہ کار دونوں کو یا تو گرا دیتے ہیں یا پھر اس کے سامان کو ضائع کر دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا وفادار نہیں ہے، جبکہ آیات میں گھوڑے اپنے آپ کو جوکھم میں ڈال کر منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں جو وفاداری کی دلیل ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل قرآنِ کریم کے اعجاز بیانی کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن میں بلاغت کے دس وجوہ ذکر کر کے ہر نوع کے اعجاز کو ثابت کیا ہے وہ دس وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) الایجاز (۲) التشبیه (۳) الاستعاره (٤) التلائوم (٥) الفواصل (٦) التجانس (٧) التصریف (٨) التضمین (٩) المبالغه (١٠) حسن البیان۔(۱۱)

خلاصہ یہی ہے کہ قرآن معجزہ ہے جو اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب رہا۔ اس نے

پوری دنیا میں انقلاب عظیم برپا کیا۔ سوئی انسانیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ منتشر اقوام کو متحد کیا اور راہِ راست سے منحرف جماعت کو صحیح راہ پر لگا دیا، اور یہ سب طفیل ہے اس کے اعجاز گراں مایہ قدر کا۔

❁ ❁ ❁

حواشی:

(۱) بخاری شریف:۲/۷۴۴، کتاب فضائل القرآن، باب: کیف نزل الوحی۔

(۲) مناہل العرفان للزرقانی:۲/۲۶۱-۳۲۴، المبحث السابع عشر فی اعجاز القرآن

(۳) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی:۲/۱۲۱۔

(۴) تاریخ الادب العربی:۸۹

(۵) الخصائص الکبری:۱/۱۱۳

(۶) روح المعانی:۱/۳۱-۳۲۔ الاتقان فی علوم القرآن:۲/۱۲۱

(۷) شرح دیوان المتنبی:۱/۱۳۲ شارح: عبدالرحمان البرقوتی مطبوعہ: بیروت ۱۴۰۷ھ

(۸) یتیمۃ البیان للبنوری مقدمہ مشکلات القرآن ۸۸-۸۹

(۹) ماخوذ از العون الکبیر مع الفوز الکبیر:۲۱۶-۲۳۰، الفصل الثانی

(۱۰) سبع معلقات:۸۔ التوضیحات:۲۱-۲۳

(۱۱) اعجاز القرآن للباقلانی علی ہامش الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی:۲/۱۶۰

❁ ❁ ❁

ترتیبِ حدیث کا تدریجی ارتقاء

طبقات کتبِ حدیث-مراتب واحکام

از: مفتی شکیل منصور القاسمی
استاذِ حدیث وادب عربی
مجمع عین المعارف للدّ راسات الاسلامیہ، کنور، کیرالہ

کتابتِ حدیث بلکہ مستقل کتاب کی تالیف کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا، صحابۂ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کے متعلق منقول ہے کہ انھوں نے مختلف تعداد اور متعدد صورتوں میں احادیثِ طیبہ کو تحریری طور پر جمع کر رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا مرتب کردہ مجموعۂ حدیث ''صادقہ'' اہلِ نظر کی نظر سے مخفی نہیں ہے، جو کم وبیش ایک ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت سمرۃ بن جندبؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کے تحریری مجموعوں اور صحائف کا تذکرہ معتمد کتابوں میں موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ بہت سے صحائف لکھے۔ جن میں سے ایک صحیفہ ان کے ممتاز شاگرد ہمام بن منبّہ نے ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' مرتب کیا، جس کا مستقل نسخہ آج بھی دستیاب ہے، نیز حضور ﷺ نے تحریری صورت میں جو کچھ بھی لکھوایا وہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ خاص طور پر وہ نوشتے جن میں کسی قسم کے احکام آپ ﷺ نے لکھوائے۔ مثلاً عمرو بن حزم کے نام آپ ﷺ کا گرامی نامہ- حاصل یہ کہ کتبِ حدیث کی ترتیب وتدوین کا سلسلہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ البتہ ابتداءِ اسلام میں جب کہ عام طور پر مسلمانوں کو قرآنِ کریم کے ساتھ خاص ممارست حاصل نہ ہوئی تھی، اور قرآن کے وجوہِ اعجاز اور حقائق ومعارف پر پوری طرح مطلع نہیں ہوئے، اور انہیں کلام اللہ اور کلام الرسول ﷺ میں فرق وامتیاز پر کامل دسترس حاصل نہیں تھی تو اندیشۂ اختلاط کی بناء پر کتابتِ حدیث سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں جب یہ اسباب مرتفع ہوگئے اور اس طرح کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہا تو آپ ﷺ نے کتابتِ حدیث کی

اجازت مرحمت فرمادی، اور ”لاتکتبوا عنّی“ کا سابقہ حکم منسوخ ہوگیا۔

پھر تدوینِ حدیث کا یہ سلسلہ حضراتِ تابعین میں بھی جاری رہا، اور اکابرِ تابعین مثلاً حضرت سعید بن مسیّبؒ، شعبیؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاءؒ، قتادہ وغیرہم بھی کتابتِ حدیث میں پورے دم خم کے ساتھ مشغولِ کار رہے۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ ترتیب وتدوین کا یہ سلسلہ صرف انفرادی طور پر ہوتا رہا۔ اس کے لئے کوئی باقاعدہ منظّم شکل نہیں تھی۔ حتی کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں فتنوں کی کثرت کے پیش نظر ضیاعِ حدیث کا خطرہ شدید وقوی ہوگیا تو ۹۹ھ میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حدیثِ رسول ﷺ باضابطہ مرتب کرنے کے لئے سرکاری احکام نافذ کئے، چنانچہ والیِ مدینہ ابوبکر بن حزم کے علاوہ دیگر علماءِ دین نے بھی خلیفۂ مذکور کے تعمیل وامتثالِ حکم میں ترتیبِ حدیث کا کام شروع کردیا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے امت مسلمہ کے ہاتھوں جو کتاب آئی وہ امام ابن شہاب زہری متوفی ۱۲۳ھ کی کتاب ہے، جس کو انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں تصنیف کی تھی۔ پھر ان کی اتباع میں مختلف شہروں کے بڑے بڑے جلیل القدر محدثین بھی تدوینِ حدیث کے مقدس کام میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ مکہ معظّمہ میں ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ، مدینہ منورہ میں امام دارالہجرت امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ صاحب المغازی، بصرہ میں ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ، سعد بن ابی عروبۃ متوفی ۱۵۶ھ اور حماد بن سلمہ متوفی ۱۶۷ھ، کوفہ میں سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ، شام میں امام اوزاعی متوفی ۱۵۸ھ۔ یمن میں معمر متوفی ۱۵۳ھ۔ مصر میں لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ۔ واسط میں ہشیم متوفی ۱۸۳ھ۔ رَی میں جریر بن عبدالحمید متوفی ۱۸۸ھ۔ خراسان میں عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ جیسے جہاندیدہ وقت نے تدوین وترتیب حدیث کے باب میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس سرسری تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی باقاعدہ تصنیف وتدوین پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کی ابتداء میں ہوئی۔ اور یہ سلسلہ دوسری صدی کے اواخر تک جاری رہا۔ تدوین وترتیب حدیث کا یہ پہلا دور تھا، اس دور کے مدوّنات میں سے ہم تک صرف ”موطا امام مالکؒ“ پہنچی ہے۔ اس دور میں دو قسم کی تصنیفیں عمل میں آئیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں صحیح اسناد کا التزام نہیں کیا گیا، بلکہ جو حدیث پہنچی وہ درج کردی گئی۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں صحت کا التزام تو کیا گیا، مگر مرفوع ﴿وہ حدیث جس میں کوئی صحابی رسول اللہ ﷺ کے قول یا فعل کی خبر دے﴾ حدیث کے اندراج کا التزام نہیں رہا۔ بلکہ منقطع

﴿وہ حدیث جس کی سند میں سے متعدد راوی مختلف مقامات سے حذف ہوں﴾، مرسل ﴿وہ حدیث جس میں تابعی پہلے صحابی راوی کا ذکر نہ کرے﴾، آثارِ صحابہ حتی کہ مقطوع ﴿اقوالِ تابعین﴾ کو بھی مرفوع کے ساتھ مخلوط وممزوج کردیا گیا۔ چنانچہ ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ، ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ، ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۱ھ، سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ، امام اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ، ابن مبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہم تدوین حدیث کے سلسلہ میں جو بیش بہا خدمات انجام دیئے ہیں وہ سب اسی انداز کے تھے۔ اس دور میں چونکہ علماء وفقہاء کے نزدیک مرسل حدیث مستقل حجت تھی۔ اس لیے مرسل کو مرفوع سے علیحدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بعد میں سب سے پہلے جب حضرت امام شافعیؒ نے مرسل کی حجیت سے انکار کیا اور پھر ان کے دیکھا دیکھی عام محدثین میں بھی یہ خیال زور پکڑا تو اب اس کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ اب ایسی تصانیف عمل میں لائی جائیں جن میں یہ نقص نہ ہو، بلکہ حدیثِ مرفوع کو مراسیل و آثار سے بالکل ممیّز کردیا جائے۔ اس زمانہ کے علماء نے اس ضرورت کے پیش نظر جدید طرز اور انتہائی نئے انداز پر تصانیف مرتب کرنا شروع کردی، اور تیسری صدی کی ابتداء سے تدوینِ حدیث کا یہ دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور کی تصانیف میں احادیثِ مرفوعہ کو دوسری تمام چیزوں سے ممیّز ومحص کردیا گیا، اور احادیث کو صحابہ کی ترتیب پر جمع کیا گیا، جس کی وجہ سے ''مسانید'' کی تالیف کی نوبت آئی۔ مسانید کی تالیف کے اس دور میں بھی بڑے بڑے علماء نے اپنا جوہرِ فن دکھایا۔ چنانچہ کوفہ میں عبداللہ بن موسی۔ بصرہ میں مسدّد بن مسرہد اور مصر میں یعقوب بن شیبہ مالکی نے تو اتنا ضخیم مسند تیار کیا کہ اگر وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا تو تقریباً دوسو جلدوں کا ذخیرہ تیار ہوجاتا۔ اسی طرح سمرقند میں حافظ حسن بن احمد بن محمد نے کئی مسانید لکھیں۔ امام ذہبیؒ کا بیان ہے کہ انھوں نے اتنی بڑی کتاب لکھی تھی کہ جس میں ایک لاکھ بیس ہزار احادیث کا ذخیرہ تھا۔ اسی قبیل سے مسند الامام احمد بن حنبل بھی ہے۔ جس میں انھوں نے اپنی یادداشت سے سترہ لاکھ پچاس ہزار حدیثوں میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث منتخب کرکے جمع کردیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی جانب بھی بعض مسانید منسوب ہیں، لیکن یہ ان کا تصنیف کردہ مجموعہ نہیں ہے، بلکہ ان سے مروی احادیث کا مجموعہ ہے۔ ترتیب مسانید کے دور میں اتنی بلیغ کوششیں ہوئیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اُس دور کی تصانیف میں اس وقت صرف مسندِ احمد بن حنبل شائع اور دستیاب ہے۔ میری ناقص معلومات کی حد تک دوسرے مسانید کا صرف کتب تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے۔

بہرحال اس دور کی تصانیف مرفوع اور غیر مرفوع حدیث سے علیحدہ اور ممتاز تو ہوگئیں لیکن محدثین کی نظر میں ایک نقص اب بھی باقی رہ گیا تھا کہ ان کتابوں میں صحیح اور سقیم سب حدیثیں مخلوط تھیں، جس کی واضح نظیر مسند احمد ہے۔ یعنی اس دور کی تصانیف بھی ایسی نہیں تھی کہ آنکھ موند کے پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ ان پر عمل کرلیا جائے اس لیے امت کیلئے ایک ایسی تصنیف کی ضرورت بہرحال باقی تھی کہ جس میں فقط احادیث مرفوع جمع کی جائیں اور احادیث مرفوع کے ساتھ احادیث غیر مرفوعہ مخلوط نہ کئے جائیں جیسا کہ دور اوّل کی تصانیف میں ہوا۔ نیز احادیث مرفوعہ کی تخریج میں صحت کا پورا التزام کیا جائے۔ اور صرف وہی حدیث مرفوع جمع کی جائیں جو اسنادی حیثیت سے بالکل بے غبار ہو۔ صحیح کے ساتھ غیر صحیح کو مخلوط نہ کیا جائے جیسا کہ دور ثانی میں ہوا۔ تیسری صدی کے نصف میں تصنیف و تالیفِ حدیث کے اس طرز کا آغاز ہوا اور اس سے تالیف کتب حدیث کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو اس خدمت کیلئے قبول کیا۔ وہ اس جہد وسعی میں مصروف ہوئے، رحمتِ خداوندی ساتھ تھی۔ وہ پوری طرح کامیاب رہے۔ ان کے گہربار نوکِ قلم سے ایسی بیش بہا کتاب امتِ مسلمہ کو ملی جو قیامت تک کیلئے بے نظیر رہے گی۔ ان کے بعد ان کی اتباع میں پھر امام مسلمؒ نے ایک انوکھے طرز کی کتاب لکھی۔ ان دونوں کتابوں کو علماء نے ''صحیحین'' کے لقب سے یاد کیا۔ اور ساری امت ان دونوں کتابوں کے قبول واستناد پر متفق ہوگئیں۔ پھر ان ہی کے قریب قریب صحاح ستہ میں سے سنن ابوداؤد، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ وغیرہ مفید کتابیں بھی مدون ہوئیں۔

طبقات کتب حدیث:

احادیث کی جامع کتابوں کی مختلف مراتب ومنازل میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے صحت وقوت کے اعتبار سے کتب حدیث کے پانچ طبقات بتائے ہیں۔

طبقۂ اولی: وہ کتابیں ہیں جن کی جملہ احادیث حجت اور قابل استدلال ہیں بلکہ رتبۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں، جو حدیث قوی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس طبقہ میں تقریباً وہ تمام کتابیں داخل ہیں جو اسمِ صحیح کے ساتھ موسوم ہیں۔ اور بعض ان کے علاوہ ہیں۔ جیسے صحیح امام بخاری، صحیح امام مسلم، موطا امام مالک، صحیح بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ، صحیح بن حبان متوفی ۳۵۴ھ، صحیح ابی عوانہ الاسفرائنی متوفی ۳۱۶ھ اور صحیح محمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی ۶۳۴ھ وغیرہ۔

طبقۂ ثانیہ: وہ کتابیں ہیں جن کی احادیث اخذ واستدلال کے قابل ہیں، اگرچہ ساری حدیث صحت کے درجہ کو نہ پہنچی ہوں اور کسی حدیث کے حجت ہونے کے لئے اس کا رتبۂ صحت کو پہنچا ضروری بھی نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث حسن بھی حجت اور قابل استدلال ہے۔ اس طبقہ میں یہ کتابیں ہیں: ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ کی ''سنن ابی داؤد''۔ ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی جامع (سنن ترمذی)۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ کی ''مجتبیٰ''، جس کو ''سنن صغریٰ'' اور مطلق نسائی بھی کہتے ہیں۔ مسند احمد حنبلؒ بھی اسی طبقہ میں ہے۔ اس لیے کہ اس میں جو بعض روایتیں ضعیف ہیں وہ حسن کے قریب ہیں۔

طبقۂ ثالثہ: ان کتابوں کا ہے جس میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، شاذ، منکر، خطاء، صواب، ثابت اور مقلوب سب قسم کی حدیث ملتی ہیں۔ اور ان کتابوں کو علماء کے درمیان زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل نہ ہوئی ہو۔ ان کتابوں کی بعض روایتیں قابل استدلال ملتی ہیں اور بعض ناقابل استدلال۔ جیسے سنن ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ۔ مسند ابوداؤد طیالسی متوفی ۲۰۳ھ، مسند ابویعلی الموصلی متوفی ۳۰۷ھ، مسند البزار، مصنَّف عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، مصنف ابوبکر بن شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ کی تینوں معاجم: المعجم الکبیر، (مطبوعہ) المعجم الصغیر (مطبوعہ) ''المعجم الوسیط'' (غیر مطبوعہ) احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کی کتابیں: ''السنن الکبریٰ''، دس جلدوں میں۔ (مطبوعہ) ''السنن الصغری'' (ناپید ہے) ''الجامع المصنف فی شعب الایمان'' جو صرف شعب الایمان سے مشہور ہے (مطبوعہ ہے) سنن دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ۔ ابونعیم کی ''الحلیہ''، ''تفسیر بن مردویہ'' اور ''الدرالمنثور'' وغیرہ۔ ان حضرات کا مقصد ان تمام روایتوں کو جمع کرنا ہے جو اُن کو مل جائیں، تلخیص وتہذیب، اور قابل عمل روایات کا انتخاب ان کا مقصد نہیں۔

طبقۂ رابعہ: ان کتابوں کا ہے جن کی ہر حدیث پر ضعف کا حکم لگایا جائے گا بشرطیکہ وہ حدیث صرف اس کتاب میں ہو۔ اوپر کے طبقات کی کتب میں نہ ہو، جیسے شیرویہ بن شہردار متوفی ۵۰۹ھ کی کتاب ''فردوس الاخیار'' جس کا اختصار ان کے صاحبزادے شہردار بن شیرویہ بن شہردار متوفی ۵۵۸ھ نے کیا ہے۔ جس کا نام مسند الدیلمی ہے، جو مطبوعہ ہے۔ خطیب بغدادا ابوبکر احمد بن علی متوفی ۴۶۳ھ کی کتابیں: تاریخ بغداد، الکفایۃ فی علم الروایۃ، (اصول حدیث میں) اقتضاء العلم والعمل، ''موضح اوہام الجمع والتفریق'' وغیرہ۔ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۰۳ھ کی

کتابیں: ''حلیۃ الاولیاء'' ''طبقات الاصفیاء'' اور ''دلائل النبوۃ'' (مطبوعہ) وغیرہ۔ ابواسحاق جُوزجانی احمد بن عبداللہ محدث شام متوفی ۲۵۹ھ کی کتابیں: ''کتاب فی الجرح والتعدیل''، ''کتاب الضعفاء'' (غیر مطبوعہ) وغیرہ۔ حکیم ترمذی کی ''نوادر الاصول'' ابن عدی کی ''الکامل'' عقیلی کی ''کتاب الضعفاء'' ''تاریخ الخلفاء'' اور تاریخ ابن عساکر وغیرہ۔

طبقۂ خامسہ: موضوعات کی کتابوں کا ہے، جن میں صرف احادیث موضوعہ ہی ذکر کی جاتی ہیں۔ علماء محققین، محدثین وناقدین نے بہت سی ایسی کتابیں لکھی ہیں جن میں وہ صرف احادیثِ موضوعہ کو تلاش کرکے لائے ہیں تاکہ عام اہلِ علم ان سے باخبر ہوکر دھوکہ میں آنے سے بچیں۔ چنانچہ علامہ ابن الجوزی کی ''الموضوعات الکبریٰ'' اس سلسلہ کی مشہور کتاب ہے۔ اور جیسے امام سیوطیؒ کی ''اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الضعیفہ'' ملاعلی قاریؒ کی ''الموضوعات الکبریٰ'' اور ''المصنوع فی معرفۃ الموضوع'' شیخ طاہر پٹنی کی ''تذکرۃ الموضوعات'' ابن عُراق کی ''تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الشنیعۃ'' علامہ شوکانیؒ کی ''الفوائد المجموعۃ'' ابن ابی الدنیا متوفی ۲۸۱ھ کی کتاب ''کتاب ذم الدنیا''، علامہ قزوینیؒ کی کتاب ''موضوعات المصابیح'' وغیرہ۔

اوپر کی تفصیلات سے واضح ہے کہ صحاح ستہ میں سے صحیحین اور موطا امام مالک طبقۂ اول میں داخل ہیں اور سنن ابن ماجہ طبقہ ثالث میں اور سنن ثلاثہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) طبقہ ثانیہ میں۔ صحاح ستہ میں کوئی کتاب طبقۂ رابعہ میں نہیں ہے۔

صحاح ستہ کے مابین فرق مراتب اور تعداد حدیث

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ اصح السنۃ صحیح بخاری شریف ہے۔ اس کے بعد مسلم شریف کا درجہ ہے۔ پھر اس کے بعد ابوداؤد کا، پھر ترمذی کا، پھر نسائی کا، بعض علماء کے نزدیک نسائی کا درجہ ترمذی سے بھی اونچا ہے۔ سب سے آخر میں سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے۔ متقدمین کے یہاں سنن ابن ماجہ اصول وامہات کتب میں شامل نہیں ہے۔ ان کے یہاں ''صحاح ستہ'' کی بجائے ''صحاح خمسہ'' ہے۔ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ کو انھوں نے نہیں لیا۔ ابن ماجہ کو صحیح ستہ میں سب سے پہلے علامہ ابن طاہر مقدسی نے داخل کیا ہے۔ بعض محدثین نے ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالکؒ کو ''سادس ستہ'' قرار دیا۔ جیسا کہ رزین بن معاویہ نے ''تجرید الصحاح'' میں۔ اور ابن الاثیر جزری نے ''جامع الاصول'' میں۔ ابن ماجہ کی جگہ موطا مالک کو لیا ہے۔ صحاہ ستہ

کا یہ ''تعارفی نوٹ'' یقیناً ناقص ہوگا جب تک کہ اس کے ساتھ ان کے مؤلفین کا ''سوانحی خاکہ'' سامنے نہ آئے، اس لئے قارئین کرام ایک نگاہ ادھر بھی ڈالتے چلئے۔

امام بخاری

آپؒ کا اصل نام محمد بن اسماعیل البخاری ہے۔ ۱۳/ یا ۱۶/ شوال ۱۹۴ھ کو بخارہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ کم وبیش ایک ہزار شیوخ سے علم حدیث حاصل کئے۔ آپ نے بیشمار کتابیں لکھیں، جن میں ذیل کی کتابیں آپ کے ''انمٹ نقوش'' ہیں۔

(۱) کتاب الجامع الصحیح، (۲) کتاب الادب المفرد، (۳) کتاب برّ الوالدین، (۴) کتاب الھبہ، (۵) کتاب القراءۃ خلف الامام، (۶) کتاب رفع الیدین فی الصلوٰۃ، (۷) کتاب خلق افعال العبد، (۸) کتاب التاریخ الکبیر، (۹) کتاب التاریخ الاوسط، (۱۰) کتاب التاریخ الصغیر، (۱۱) کتاب الجامع الکبیر، (۱۲) کتاب المسند الکبیر، (۱۳) کتاب التفسیر الکبیر، (۱۴) کتاب الاشربۃ، (۱۵) کتاب العلل، (۱۶) کتاب اسامی الصحابۃ، (۱۷) کتاب الوحدان، (۱۸) کتاب المبسوط، (۱۹) کتاب الکنیٰ، (۲۰) کتاب الفوائد۔

ان کتابوں میں سب سے عظیم اور جلیل القدر تصنیف آپ کی ''جامع بخاری'' ہے، جس کو تمام دنیائے اسلام میں شہرت دوام حاصل ہے۔ آپ نے اپنی اس ''صحیح'' کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے فرمایا ہے، اور اس کتاب میں صرف انہی حدیثوں کو جگہ دیتے ہیں جن کے رواۃ پر نقد وجرح اور عدل وضبط کی حیثیت سے آپ کو شرح صدر اور کامل وثوق حاصل تھا۔ اس طرح یہ کتاب دنیائے اسلام میں اپنے نہج کی سب سے پہلی کتاب قرار پائی مکررات کے علاوہ آپ کی جامع کی حدیث کی تعداد ۲۶۰۲ ہے۔ اور اگر مکررات کو شامل کرلیا جائے تو اب یہ تعداد بڑھ کر ۷۳۹۷ ہوجائیں گی۔ (الحطۃ)

بخاری کی سب سے بڑی کمائی ان کے تراجم میں ہے۔ تراجم میں لطیف اشارات، اور دقیق استنباط پائے جاتے ہیں، جس سے حضرت امام بخاری کی باریک بینی، بالغ نظری، اور اجتہادی شان ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری شریف کے تراجم حل کرنے کیلئے محدثین کو باقاعدہ اصول وضوابط بنانے پڑے۔ سمرقند کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''خرتنک'' میں ۲۵۶ھ میں وفات ہوئی۔

امام مسلم:

مسلم شریف کے مصنف مسلم بن الحجاج القشیر ی النیشا پوری ہیں: آپ کی ولادت ''نیشاپور'' میں ۲۰۴ھ کو ہوئی۔آپ کا سب سے اہم اور عظیم کارنامہ ''جامع صحیح مسلم'' ہے۔جو حسن ترتیب، جودت نظم، اور دقائق اسناد میں بخاری سے بھی اونچی ہے۔ایک مضمون کی جملہ روایتوں کو بجمیع طرقہا یکجا، نہایت سلیقہ، اور عمدگی کے ساتھ بیان کردیتے ہیں۔تاہم صحت وقوت میں بخاری شریف سے نیچے ہے۔مکررات کے علاوہ کل حدیث چار ہزار اور مکررات کے ساتھ ۷۲۷۵ احادیث ہیں۔

امام ابوداؤد

سنن ابی داؤد کے مصنف سلیمان بن الاشعث الازدی السجستانی ہیں۔۲۰۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چار ہزار آٹھ سو حدیثوں کا انتخاب کرکے اپنی سنن میں ذکر کیا۔سنن ابی داؤد کی منجملہ دیگر خصوصیات کے سب سے اہم خصوصیت ''قال ابوداؤد'' ہے۔ اس لفظ سے امام ممدوح کا جو اختلاف رواۃ، یا اختلاف رواۃ فی الالفاظ کی طرف باریک ترین اشارہ ہوتا ہے اس کا سمجھنا ایک انتہائی اہم کام ہوتا ہے۔اس سنن کے علاوہ آپ کی اور بھی دوسری تصانیف ہیں، جو درجِ ذیل ہیں:

(۱) مراسیل ابی داؤد، یہ مختصر سا رسالہ ہے۔جس میں آپ مرسل روایات ذکر کرتے ہیں۔ یہ کتاب سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں کے ساتھ بھی ملحق ہے۔

(۲) الردّ علی القدریہ، (۳) الناسخ والمنسوخ، (۴) ماتفرد بہ اہل الامصار، (۵) فضائل الانصار، (۶) مسند مالک بن انس، (۷) المسائل، (دیکھئے تہذیب) لیکن آپ کی جملہ تصانیف میں ''سنن ابی داؤد'' سب سے اعلیٰ وافضل ہے۔۲۷۵ھ میں بمقام بصرہ آپ کی وفات ہوئی۔

امام ترمذی

جامع ترمذی کے مصنف محمد بن عیسیٰ الترمذی ہیں۔۲۰۹ھ میں بمقام ''ترمذ'' آپ کی ولادت ہوئی۔آپ نے حدیث پاک کی مستند ومعتبر ترین کتاب ''جامع ترمذی'' لکھی۔اس کتاب

کے تین نام ہیں: (۱) جامع ترمذی:- جامع اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حدیث کے آٹھوں ابواب ﴿سیرت نبوی، آدابِ اسلامی، تفسیر، عقائد، احادیث فتن، علامات قیامت، احکام اور مناقب﴾ کی روایتیں موجود ہے۔ (۲) سنن ترمذی: سنن اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں احکام شرعیہ سے تعلق رکھنے والی حدیثیں یعنی مستدلاتِ فقہاء بیان کئے گئے ہیں۔ (۳) الجامع المعلّل: معلّل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ایسی احادیث کی اسناد پر بحث کی گئی ہے جن میں کوئی خرابی پائی جاتی ہے۔ اصل نام جامع ترمذی ہی ہے۔ لیکن سنن ترمذی سے مشہور ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت روایات کی تخریج ہے۔ یعنی جب وہ کہتے ہیں کہ "وفی الباب عن فلان" تو جن روایتوں کا وہ حوالہ دیتے ہیں، ان کا مقام ومرتبہ جاننا اور ان کی تخریج کرنا بہت اہم کام ہے۔

امام نسائی:

سنن نسائی کے مصنف احمد بن شعیب النسائی ہیں۔ ولادت ۲۱۵ھ میں خراسان کے ایک شہر "نساء" میں ہوئی۔ آپ کی سنن کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اس میں روایتوں پر جو نقد کیا ہے اس کے مقابل کو سمجھنا بہت اہم ہے۔ مثلاً جب آپ فرماتے ہیں کہ "هذا الحديث خطأ" تو اس کا جاننا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا مقابل "صواب" کیا ہے؟ اس کے علاوہ آپ کے تراجم بھی بڑے اہم اور باریک ہوتے ہیں۔ ۳۱۳ھ میں آپ وفات پائے۔

امام ابن ماجہ

سنن ابن ماجہ کے مصنف ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ہے۔ ۲۰۹ھ میں آپ کی ولادت ہے۔ آپ نے جو سنن لکھی ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نادر اور غریب حدیثیں موجود ہیں۔ اس میں بعض روایتیں ضعیف بھی ہیں۔ اسلئے متقدمین نے اس کو "صحاح ستہ" میں شامل نہیں کیا ہے۔ ۲۷/رمضان ۲۷۳ھ بروز دوشنبہ آپ کی وفات ہوئی۔

پانچوں طبقات کی کتابوں کے احکام

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: پہلے اور دوسرے طبقہ کی کتابوں پر محدثین کا اعتماد ہے، اور حضرات محدثینؒ انہی دو کتابوں پر زیادہ قناعت کرتے ہیں۔

تیسرے طبقہ سے وہی لوگ برائے عمل روایات منتخب کرسکتے ہیں جو حاذق و ناقد ہیں۔ جن کو راویوں کے حالات اور اسانید کی خرابیاں معلوم ہیں اور اس طبقہ کی کتابوں سے کبھی شواہد و متابعات لئے جاتے ہیں۔ چوتھے طبقہ کی روایتوں میں مشغول ہونا، ان کو جمع کرنا، اور ان سے مسائل مستنبط کرنا متأخرین کا ایک طرح کا غلو اور تعمق ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ گمراہ لوگوں مثلاً روافض اور معتزلہ کو انہی کتابوں سے مواد ہاتھ آتا ہے۔ لہٰذا اس طبقہ کی کتابوں سے علمی معرکوں میں استمداد و استدلال درست نہیں ہے۔ پانچویں درجہ کی کتابوں کی روایات دراصل دین میں بڑا فتنہ ہے جس سے بچنا بیحد ضروری ہے۔''

مذکورہ بالا تفاصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث پاک کی مختلف کتابیں ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مستند و معتبر صحاح ستہ ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث بھی معتبر و قابل قدر ہیں۔ جن طبقات کی کتابوں کی روایتیں علماء کے یہاں مستند و معتبر ہیں انہیں حدیث نہ سمجھنا جہالت و تحکم ہے، کیوں کہ تمام صحیح حدیثوں کا احصار صحیحین یا صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بھی صحیح حدیثوں کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔

کتب حدیث کی تالیف کے مشہور طریقے

پھر مختلف ادوار میں حدیث پاک کی جو کتابیں لکھی گئیں تو ان کی ترتیب و تالیف کے طریقے بھی الگ اور جداگانہ تھے اور پھر ہر ایک قسم کی کتاب کا ایک مخصوص اصطلاحی نام ہے۔ تعمیم فائدہ کیلئے ہم تمام اقسام کی کتابوں کا مختصر تعارف پیش کردیتے ہیں۔

۱- **صحیح**: فن اصولِ حدیث کا ایک خاص اصطلاحی نام ہے۔ یہ اس کتاب کو کہتے ہیں جس کا مصنف اس کا التزام کر رکھا ہو کہ وہ صرف اپنی کتاب میں صحیح، مرفوع اور متصل السند حدیثیں ہی نقل کریں گے۔

۲- **جامع**: یہ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں آٹھ ابواب کی حدیثیں درج کی گئی ہوں۔ (اوپر جامع ترمذی کے تعارف میں آٹھوں مضامین مذکور ہیں)۔

۳- **سنن**: یہ وہ کتابیں ہیں جن میں احادیث رسول کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہو جیسے سنن ثلاثہ، اور سنن دارقطنی وغیرہ۔

۴- **مسند**: یہ وہ کتاب ہے جس میں ایک صحابی کی تمام مرویات ایک جگہ جمع کردی گئی ہوں

چاہے وہ کسی بھی باب سے متعلق ہوں۔ جیسے مسند احمد، مسند حمیدی وغیرہ۔

۵- **معجم**: اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں محدث اپنے ایک شیخ کی تمام مرویات بیان کرکے دوسرے شیخ کی مرویات بیان کرے۔ جیسے طبرانی کی معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر۔

۶- **مستدرک**: یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی کتاب کی ایسی چھوٹی ہوئی حدیثوں کو ذکر کیا گیا ہو جو اس کتاب کی شرط پر پوری اترتی ہوں۔ جیسے مستدرک حاکم علی الصحیحین۔

۷- **مستخرج**: وہ کتاب ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی حدیثوں کو اپنی ایسی سند سے روایت کی جائے جس میں مصنف کا واسطہ نہ آئے۔ جیسے مستخرج اسماعیلی علی البخاری۔

۸- **جزء**: اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایک ہی مسئلہ کی تمام روایتیں جمع کردی گئی ہوں جیسے امام بخاری کی جزء القراءۃ خلف الامام وغیرہ۔

۹- **افراد وغرائب**: وہ کتاب ہے جس میں کسی ایک محدث کے تمام تفردات کو یکجا کردیا گیا ہو، جیسے دارقطنیؒ نے ایک کتاب میں امام مالک کے غرائب جمع کئے ہیں۔

۱۰- **تجرید**: وہ کتاب ہے جس میں کسی کتاب کی سند یا مکررات کو حذف کرکے صرف صحابی کا نام لے کر احادیث لکھے گئے ہوں۔ جیسے زبیدی کی تجرید بخاری، اور قرطبی کی تجرید مسلم۔

۱۱- **تخریج**: وہ کتاب ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی بےحوالہ حدیثوں کی سند اور حوالہ جات درج کئے گئے ہوں۔ جیسے زیلعیؒ کی نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ۔

۱۲- **جمع**: وہ کتاب ہے جس میں مختلف کتابوں کی احادیث بحذفِ السند جمع کردیئے گئے ہوں۔ جیسے ابن الاثیر کی جامع الاصول۔

۱۳- **اطراف**: وہ کتاب ہے جس میں احادیث کے صرف اول حصہ ذکر کرکے اس کی تمام سندوں کو جمع کردیا گیا ہو۔ یا کتابوں کی تقیید کے ساتھ اسانید جمع کی گئی ہوں۔ جیسے امام مزّی کی تحفۃ الاشراف۔

۱۴- **فہارس**: وہ کتاب کہلاتی ہیں جن میں کسی ایک یا متعدد کتابوں کی احادیث کی فہرست بنادی گئی ہو تاکہ حدیث کی تلاش آسان ہوسکے۔ جیسے مفتاح کنوز السنۃ، اور المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث۔

۱۵- **اربعین**: وہ کتاب ہے جس میں ایک موضوع یا مختلف موضوعات کی کم وبیش چالیس حدیثیں بیان کی گئی ہوں۔ جیسے امام نووی کی مشہور کتاب ''الاربعین''۔

۱۶- **موضوعات**: وہ کتابیں ہیں جن میں صرف موضوع احادیث یکجا کی گئی ہوں تاکہ لوگ دھوکہ میں آنے سے بچیں۔ جیسے ملاعلی قاری کی الموضوعات الکبری، اور ''المصنوع فی الاحادیث الموضوع۔

۱۷- **کتب احادیث مشہورہ**: وہ کتابیں ہیں جن میں عام طور پر مشہور اور زبان زد حدیثوں کی تحقیق کی جاتی ہے۔ جیسے علامہ سخاویؒ کی ''المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشتہرۃ وغیرہ۔

۱۸- **غریب الحدیث**: وہ کتابیں ہیں جن میں کلمات حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کئے جاتے ہیں، جیسے جزریؒ کی ''النہایۃ فی غریب الحدیث'' اور طاہر پٹنی کی ''جمع بحارالانوار''

۱۹- **علل**: وہ کتابیں ہیں جن میں متکلم فی السند روایتیں ذکر کی جاتی ہیں جیسے امام ترمذیؒ کی ''کتاب العلل الکبیر'' اور ابن ابی حاتم رازی کی ''الجرح والتعدیل'' وغیرہ۔

۲۰- **اذکار**: وہ کتابیں ہیں جن میں آنحضور ﷺ سے منقول دعائیں اور اذکار جمع کئے گئے ہوں جیسے ابن الجزری کی ''الحصن الحصین'' اور نوویؒ کی ''الاذکار''۔

۲۱- **زوائد**: وہ کتابیں ہیں جن میں کسی کتاب کی صرف وہ حدیثیں لی جاتی ہیں جو کسی دوسری کتاب سے زائد ہیں۔ جیسے حافظ ابن حجرؒ کی ''المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ'' اور جیسے علامہ نورالدین ہیثمیؒ کی ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' جس میں مسند احمد، مسند بزار، مسند ابی یعلی، معاجم ثلاثہ طبرانی کی وہ زائد حدیثیں یکجا ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔

ترتیب وتالیف کتب حدیث کے یہ مشہور طریقے تھے۔ اس کے علاوہ اور دوسرے طریقوں سے بھی کتابیں لکھی جاتی ہیں، لیکن وہ طریقے مشہور نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

❁ ❁ ❁

قرآن وحدیث کی روشنی میں خواتین کی تربیت

از: ڈاکٹر مسرت جمال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، پشاور یونیورسٹی

اللہ کا ہمیشہ بنی نوع انسان پر یہ احسان رہا کہ وہ اسکی ہدایت وراہنمائی کا انتظام کرتا رہا۔ قرآن عظیم ان انتظامات کی کڑیوں مین سے ایک ایسی مضبوط؛ کڑی ہے جو رہتی دنیا تک لوگوں کو روشنی فراہم کرتا رہے گا۔ قران شاہد ہے کہ:

إن هذا القرآن يهدى للتى هى أقوم(۱)

قرآن کریم سچائیوں پر مبنی علوم کی ایک ایسی درس گاہ ہے جو تمام نسل آدم کو دُنیا میں امن و سکون اور ترقی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت کے دائمی نقصانات اور تکالیف سے بچنے اور محفوظ رہنے کے طریقے بھی بتاتی ہے یہ ہدایت ہے، نور مبین، حبل متین ہے جس نے اس کے سوا دوسری کتاب سے طلب کیا وہ حکم الٰہی سے گمراہ ہوا۔ یہ احکام کی تربیت گاہ ہے جو اپنے سیکھنے والوں کی ایسی راہنمائی کرتی ہے کہ انہیں غلامی سے سرداری، دشمنی سے دوستی، تکبر سے عاجزی، جنگ سے امن، نفرت سے محبت، اندھیرے سے روشنی اور سب سے بڑھ کر عدم کو وجود عطا کرتی ہے۔

یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ نظامِ کائنات کو فاطرِ کائنات نے اس اصول پر بنایا ہے کہ اس کے تمام اجزاء وعناصر ایک دوسرے کے لئے محتاج اور محتاج الیہ بن گئے۔ ان میں سے ہر ایک کسی پہلو سے ناقص اور کسی پہلو سے مستغنی ہے۔ ہر ایک کسی اعتبار سے مطلوب اور کسی اعتبار سے طالب بھی ہے اور اپنی باہمی سازگاری اور تعاون سے یہ اپنے اپنے خلا کو بھرتے اور اپنے اپنے نقص کی تلافی کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے کہ اس نظامِ کائنات میں جو مقام اس کا ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے یا جو مقصد اس کے ذریعے سے پورا ہو رہا ہے وہ کسی درجے میں اور کسی نوعیت سے اس مقصد سے ارفع ہے جو دوسرے کے ذریعے سے پورا ہو رہا ہے(۲)۔

ٹھیک اسی اصول پر عورت اور مرد، دونوں مساوی ہیں لیکن دونوں کے عمل اور حدود الگ الگ ہیں۔ معاشرے کا حفظ و بقاء اسی میں مضمر ہے کہ دونوں کو یکساں عزت و احترام کا مستحق سمجھا جائے، دونوں کی ذمہ داریوں اور حقوق اپنے اپنے میدان میں مساوی سمجھے جائیں۔ ان میں سے کسی ایک کی برتری کا احساس دوسرے کی کہتری کا سبب بن سکتا ہے جبکہ قرآن نے دونوں کے میادین کی تعیّن کردی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت میں مرد و عورت، دونوں میں سے کسی کے لئے بھی کوئی ہیٹے پن اور حقارت کا پہلو نہیں۔ ان میں سے ہر ایک بعض کاموں کے لئے موزوں اور بعض کاموں کے لئے ناموزوں ہے۔

عادلانہ طرزِ تفکر جو کہ مذہبی ثقافت اور قرآنی تدبر سے عبارت ہے۔ وہ عورت کی اصل اور جوہر وہی انسانی جوہر ثابت کرتا ہے جو مرد میں ہے۔ اس لحاظ سے عورت انسانی معاشرے میں اپنے مختلف پہلوؤں کی بناء پر ایک اہم اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے ہمیشہ عورت کی قدر و منزلت پر بھرپور توجہ دی۔ اس کی بہترین تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

خواتین کو درپیش مشکلات کا حل، ان کی پس ماندگی کا خاتمہ اور انہیں ان کا حقیقی معاشرتی مقام و مرتبہ دوبارہ واپس لانے کا مسئلہ جتنا اہم ہے اس قدر وہ نہایت ہی گہرا اور نازک بھی ہے۔ اس ضمن میں معمولی سی لاپرواہی یا اسے سادہ و آسان سمجھنا ایک ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ انسانی معاشروں میں ''عورتوں'' کے بڑھتے ہوئے مسائل کی اصل وجہ ان کے بارے میں مذہبی ثقافت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے صحیح اور حقیقی تفکر کا فقدان ہے اور ان مشکلات کا مشترک سبب ایک فکری بحران ہے، عورت کی شخصیت کی پہچان ایک شعور بھی ہے اور تفکر و معرفت کا ایک ذریعہ بھی۔ قرآن و حدیث کی نظر میں عورت وہ افضل و برتر وجود ہے جو خود کو بھی اور پورے معاشرے کو بھی سعادت اور نیک نامی کے ساتھ ساتھ عظمت و نیک بختی کی راہ پر گامزن کرسکتی ہے۔ قرآن کی نگاہ میں یہ عورت ہی ہے جو براہ راست اپنی موجودگی سے بیوی کے شایانِ شان کردار اور بچوں کی صحیح تربیت کے ذریعے انسانیت کے مستقبل کی سمت کے تعین میں سنگ میل ثابت ہوسکتی ہے (۳)۔

قرآن مجید نے عورت کو ذلت و رسوائی کی پستیوں سے نکال کر عزت و احترام کا وہ بلند مقام بخشا جو اس کی اصل اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ احکام دین کی بجا آوری میں اجر و ثواب کے اعتبار سے مرد و عورت کی کوئی شرط نہ رکھی، کوئی حد یا میدان مقرر نہ کیا کیونکہ دونوں کے ساتھ

کامیابی اور جنت کا وعدہ ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

”وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّالحاتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاؤلٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّـةَ“(۴)۔

پھراسی مفہوم کو مختلف الفاظ کے ساتھ کئی آیات میں بیان کیا جیسے:

”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحْيِيَنّه حَيٰوةً طَيِّبَـةً“(۵)

”وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤمِنٌ فَاؤلٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّـةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ“(۶)

”وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤمِنِيْنَ وَالْمُؤمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَـةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَكْبَرُط ذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُالْعَظِيْمُ“(۷)۔

اس کے علاوہ الرعد ، الزخرف، الفتح، الحدید الاحزاب، محمد، البقرة، القصص، ال عمران میں اس کے لئے اجرو کامیابی کا وعدہ کیا ہے(۸)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کامیابیوں تک کیسے رسائی حاصل کی جائے؟ ان کے حصول کا طریقۂ کار کیا ہو؟ اس گتھی کو بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود ہی سلجھادیا۔ان مقامات تک پہنچنے کے تمام طریقے اوران طریقوں کو اختیار کرنے کے تمام مراحل خود ہی متعین کردیئے۔اس کے لئے باقاعدہ تربیتی منہج مقرر کرکے اسے ایک مکمل اور جامع لائحہ عمل دے دیا اوراس لائحہ عمل کی تطبیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں عطا کردی۔

قرآن عورت کی تربیت کس کس انداز سے کرتا ہے اور کہاں کہاں اس کے لئے راہیں متعین کرتا ہے اس کی وضاحت ملاحظہ ہو۔

تربیت:

لغت میں تربیت ربَّى يُرَبِّي تُرْبِيَّةً وربيّت فلاناً تربية مصدر ہے باب تفعیل سے،جس کے معنی ''بچہ کی پرورش کرنا' پالنا' مہذب بنانا ہیں(۹)۔اوراصطلاح میں اس سے مرادانسان کے اندر کچھ خاص افکار وخیالات کا بیج بودیا جائے،اوراس کے جذبات ومیلانات کوایک خاص رخ عطا کیا جائے۔اس طور پر کہ کچھ مخصوص رجحانات کی آبیاری ہوسکے اوراس کے اخلاق وکردارایک مخصوص سانچے میں ڈھل جائیں(۱۰) دورجاہلیت مین بدوی عورت کو خاص طور پر منتخب کیا جاتا

تا کہ بچہ کی پرورش اسکی گود میں ہو(۱۱)۔

تربیت دراصل دعوت کی تیاری ہے کیونکہ قرآن اس دعوت کا داعی اور اس تربیت کا مربی ہے۔لہٰذا وہ اپنی تربیت کا سب سے عظیم نمونہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی صورت میں عطا کرتا ہے۔ جن کو نہ صرف قرآن ''اسوۂ حسنہ'' گردانتا ہے بلکہ تمام عالم اس حقیقت کا معترف ہے کہ قرآن کی تربیت سے پرورش پانے والی یہ ہستی قیامت تک کیلئے تمام لوگوں کے لئے ایک بہترین اخلاقی نمونہ ہے۔

تربیت میں قرآن کا طرزِ عمل انتہائی حد تک فطری اور نفسیات کے عین مطابق ہے۔قرآن نے ہر دو اصناف آدم مرد و عورت کی اپنے اپنے دائرہ عمل میں بہترین تربیت کی،اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عورت کی تربیت کس نہج پر کرتا ہے۔کیونکہ وہ انداز گفتگو سے لے کر ہر طرح کے معاملات میں قدم قدم پر اس کی اصلاح کرتا ہے۔اس کی راہنمائی کرتا ہے۔اس کی سوچ و فکر کی تثقیف کرتا ہے۔اس کے کردار و افعال کی حفاظت کرتا ہے۔اسے شرور و آفات سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ تربیت کا سب سے پہلا مرحلہ:

عقائد کی ثقافت:-

قرآن کی سب سے پہلی کوششیں عقائد کی صفائی ہے۔اس لئے وہ عورت سے بھی سب سے پہلا عہد یہی لیتا ہے کہ

''لَا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا''(۱۲)

جب عقیدۂ توحید راسخ ہو جائے تو باقی معاملات خود بخود درست ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ بھی قبول اسلام کے ضمن میں پہلا عہد عقیدہ توحید پر لیتے تھے(۱۳)۔کیونکہ یہی وہ بنیاد ہے جو معاشرے کو درست سمت عطا کرتی ہے۔اس کے بعد معاملات کی طرف قدم بڑھایا جاتا ہے کہ:

اجتناب عن السرقۃ:-

''وَلَا یَسْرِقْنَ'' (۱۴) کے کلمات سے ہر قسم کی جانی و مالی چوری سے اجتناب کا عہد لیا جاتا ہے۔تا کہ معاشرہ اخلاقی برائیوں سے نجات پا سکے۔

اجتناب عن الزنا:-

زنا سے مکمل طور پر بچنا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا اجتماعی جرم ہے جو نسلوں کو برباد کرتا ہے۔ اس لئے "وَلَا یَزْنِیْنَ" (۱۵) کا حکم لگا کر اسے ہر قسم کے زنا سے روک دیا گیا ہے۔ تا کہ اسے قلبی وفکری طہارت کے ساتھ ساتھ جسمانی پاکیزگی بھی حاصل ہو سکے۔

منع عن قتل النفس:-

اولاد کے قتل سے روکنے کیلئے چاہے وہ "خَشْیة إملاق" ہو(۱۶) یا "خشیة العمران" (۱۷) ہو، سختی سے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی جان کو بغیر کسی جرم کے قتل کرنا حرام ہے۔ فرمادیا گیا:

وَلَا یَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ (۱۸):

گویا قرآن وہ اخلاقی تربیت گاہ ہے جس نے ہر قسم کے قتل اولاد پر آج سے ۱۵ اسو سال پہلے پابندی لگا دی تھی تا کہ وہ بعد کے جدید ادوار میں بھی ناجائز طریقوں کو بروئے کار لا کر نسل انسانی کا خاتمہ نہ کر پائے۔

بہتان تراشی:-

بہتان تراشی چونکہ ایک گھناؤنا جرم ہے اسلئے اسلام نے اسے کبائر میں شامل کر کے شدید نفرت دلائی ہے اور کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ: "ولا یأتین ببھتان یفترینه بین أیدیھن وأرجلھن" (۱۹)

ان عقائد ومعاملات پر ان سے عہد لینے کے بعد قرآن تربیت کے مزید مدارج طے کرواتا ہے۔ اسے ایک سنجیدہ انداز زندگی عطا کرتا ہے۔ تا کہ وہ لوگوں کے ساتھ تعلقات کے قیام میں محتاط رہے۔ کیونکہ اسے معاشرے میں اپنی بقا کیلئے لوگوں سے کسی نہ کسی مقام پر ضرور آمنا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس صورت حال کا مقابلہ اسے کیسے کرنا ہوگا اسے قرآن بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے:

بناؤ سنگار کی ممانعت:-

قرآن عورت کو ضرورت کے پیش نظر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت تو دیتا ہے لیکن ساتھ ہی

ساتھ ہر ممکن خطرات سے بچاؤ کی تدابیر بھی کرتا ہے۔ وہ اس بات کی سختی سے مذمت کرتا ہے کہ عورت گھر سے باہر بن سنور کر نکلے اور نہ صرف خود کو بلکہ پورے اسلامی معاشرے کو خطرات سے دوچار کرے۔ لہٰذا تربیتی انداز سے راہنمائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى "(۲۰)۔

جیسے کہ ظہور اسلام سے قبل عورتوں میں بن سنور کر بازاروں میں گھومنے کی عادت تھی۔ لہٰذا اسلام نے اس عادتِ قبیحہ کے خلاف واشگاف الفاظ میں علم جہاد بلند کر کے عورت کو عزت واحترام کا لباس بنایا۔

افسوس صد افسوس کہ آج اسلامی معاشرے کی اخلاقی حالت پھر اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ تربیت کے اس حکم کو ذکرِ زبان زدِ خاص وعام کیا جائے تاکہ خواتین میں تبرج کی عادت ختم کی جاسکے۔

نگاہ کی پاکیزگی:-

قرآن نے عورت کی تربیت کے مراحل میں ایک ایک نکتہ پر گہری نظر رکھی ہے لہٰذا اس چھوٹے سے چھوٹے سوراخ کو بھی بند کر دیا جو معاشرتی فساد کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔ چونکہ عورت ضرورتاً گھر کی چاردیواری سے بازار کے ماحول میں قدم رکھتی ہے اور وہاں جگہ جگہ شیطان گھات لگا کر بیٹھا ہے لہٰذا بہت ہی مفکرانہ انداز میں عورت کو حکم دیتا ہے کہ "يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ" جیسے کہ مرد کو جائز نہیں کہ وہ عورت کو دیکھے، اسی طرح عورت کو جائز نہیں کہ وہ مرد کو دیکھے(۲۱)۔

غض بصر کی تعمیل کے ساتھ ہی ذہنی وقلبی خطرات کا سدِّ باب ہوجاتا ہے۔ اس وقت معاشرے میں خواتین کو جو مسائل درپیش ہیں۔ اُن میں ایک بڑا مسئلہ اسی نگاہ کی پاکیزگی کے اہتمام کا فقدان ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ سماجی مسائل دن بدن جنم لے رہے ہیں۔ جن کو قابو کرنا مشکل ہورہا ہے اور اس کی اصل وجہ قرآن کے اس پیغام سے روگردانی ہے۔ کچھ شک نہیں اگر خواتین نگاہ کی پاکیزگی کا اہتمام کرلیں تو معاشرے کے آدھے مسائل خود بخود حل ہوجائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اللہ تعالیٰ قٰصِرَاتُ الطَّرْفِ کو پسند فرماتا ہے۔ حورانِ جنت کی تعریف بھی انہی الفاظ سے کی گئی ہے۔

عفت وحیاء :-

قرآن عورت کی تربیت شرم وحیاء کے اُن خطوط پر کرتا ہے جوعورت کو ایک من پسند قابل احترام ہستی بنادیتے ہیں۔ ہر اُٹھنے والی بے راہ رو نگاہ ان کے احترام میں جھک جاتی ہے وہ ”وَیَحفَظنَ فُرُوجَهنَّ وَلاَ یُبدِینَ زِینَتَهُنَّ“(۲۲) کے الفاظ کے ساتھ عورت کو ایک ایسی پاک دامن اور باحیا تصویر فراہم کردیتا ہے جو نہ صرف اسلامی معاشرے کے لئے بلکہ دوسری تہذیبوں کے لئے بھی ایک قابل ستائش پیکر ہے۔

معاشرے کی گرتی ہوئی اخلاقی حالت اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ عورت نے اپنے مربی کے پیغام کو بھلا کر خود کو ایک ایسا سجاوٹی سامان (show piece) بنالیا ہے جو نگاہ کو تو خیرہ کرسکتا ہے لیکن گھر کی زینت نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ عفت وحیا ایک ایسا زیور ہے جو نہ صرف عورت کو حسن عطا کرتا ہے بلکہ اس کے وقار میں اضافہ بھی کرتا ہے۔

باوقار چال :-

عورت پر قرآن کی کرم نوازیاں دیکھنے کے قابل ہیں۔ انتہائی محبت سے اس کے قدم رکھنے کے انداز کو بھی وضع کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو یہ نازک آ بگینے ٹوٹ جائیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ جس وجود کو شیطانی نگاہوں سے محفوظ رکھنے کیلئے جو احتیاطی اقدام اُٹھائے جارہے ہیں۔ وہ ظاہر نہ ہوجائے لہٰذا اپنے تربیتی منہج میں سے ایک اور عمل نجات مرحمت فرماتے ہوئے کہتا ہے: ”وَلاَ یضرِبنَ بِاَرجُلِهِنَّ لِیُعلَمَ مَا یُخفِینَ مِن زِینَتِهِنَّ“(۲۳)۔

چلتے ہوئے قدم دھیرے دھیرے رکھو۔ زور سے یا چھلانگیں لگا کر بازاروں سے نہ گزرو۔ ایک تو دیکھنے میں نگاہ کو بُرا لگتا ہے اور دوسرے وہ اسرار آشکارہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے جن کی پوشیدگیوں کی خاص کوشش کی گئی۔ عورت کی نازکی کا جو اہتمام اس آیت میں ہے۔ انسانی عقل اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔ قرآن چاہتا ہے کہ عورت کے قدموں کی چاپ بھی کسی کان میں جانے نہ پائے گویا عفت وحیاء کے قیام کے اہتمام میں انتہا کردی۔

اندازِ گفتگو :-

قرآن کی شان دیکھئے کہ وہ کس انداز سے کائنات کے اس حسین وجود کی تربیت کرتا ہے۔

ایک معصوم بچے کی طرح پیار ومحبت سے اُسے بات کرنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے سمجھاتا ہے کہ جب بوقت ضرورت صنفِ مخالف سے بات کرنی پڑی تو "فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ" (۲۴)۔

گفتگو میں لوچ اور نزاکت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ سیدھے سادھے الفاظ میں اصل بات کہہ کر گفتگو ختم کی جائے تاکہ جنس مخالف کو کسی قسم کا شیطانی خیال دل میں نہ گزرے اور وہ کوئی اُمید لگا کر نہ بیٹھ جائے۔

آج خواتین جس ناز وادا سے مردوں سے محوِ گفتگو رہتی ہے وہ اخلاقی گراوٹ کے اسباب میں سے ایک ایسا عظیم سبب ہے جو معاشرے کو پستیوں کی اس دلدل میں دھکیل دیتا ہے جہاں سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔

پردہ:-

قرآن وہ مربی ہے جو اپنی تربیت گاہ میں تیار ہونے والوں کی ایک ایک نقل و حرکت کو نظر میں رکھتا ہے۔ خالقِ کون ومکان نے اپنی اس آخری سماوی کتاب کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے ایک ایسا مرقع نور بنادیا ہے کہ جس کی ضیاء پاشیوں سے لوگ قیامت تک راہنمائی پاتے رہیں گے۔ اس عظیم مرتبت کتاب نے پردہ اور حدودِ پردہ متعین کرکے عورت کو گھر کے اندر اور گھر سے باہر دونوں جگہ بھرپور تحفظ فراہم کرتے ہوئے فرمایا:

"يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ" (۲۵) اور پھر اُن محرموں کی پوری فہرست فراہم کردی جن کا داخلہ گھر کے اندر ہونے کی صورت میں ہر ممکنہ خطرات سے بچنے کے لئے اُن سے پردے کا حکم دے دیا گیا تاکہ وہ ہر طرح کے شیطانی خطرات سے محفوظ رہ کر پوری تندہی سے اپنی خدمات سرانجام دے سکے۔ صرف ان مذکورہ اشخاص کے سامنے وہ اپنی آرائش کا اظہار کرسکتی ہے:

"بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ اٰبَآئِهِنَّ أَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ ...... الخ" (۲۶)۔

آج ہم خواتین قرآن کے ان احکام سے جس طرح غافل ہیں اس کی مثال امت مسلمہ کی تاریخ میں نہیں ملتی اور ہم آج جن اخلاقی فسادات کی زد میں ہیں اس کا سدِّ باب قرآن کے اس پیغام پر عمل کے سوا دوسرے کسی راستے کو اختیار کرنے میں نہیں۔ اگر اب بھی اس پیغام کو نہ سمجھا گیا تو گزشتہ امتوں کی طرح ایک قصہ پارینہ بن کر رہ جائیں گے کوئی ہم پر آنسو بہانے والا بھی نہیں ہوگا۔

تمسخر کی ممانعت:-

اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کر کے اُسے سب سے اکرم بنادیا اور اس بات کی سختی سے مذمت کی کہ کوئی کسی کو حقیر نہ جانے اور نہ کوئی کسی کا مذاق اُڑائے۔ کیونکہ یہ عمل اللہ کے ہاں انتہائی حد تک ناپسندیدہ ہے؛ فرمایا: ”یآیھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نسآء من نسآء عسی ان یکنّ خیراً منھنّ“(۲۷)۔

روحانی واخلاقی تربیت کے بعد قرآن عورت کو عائلی ذمہ داریاں تفویض کرتا ہے۔ تاکہ قرآن کی درس گاہ سے تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ معاشرے کا ایک فعّال رکن بن سکے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:” الدنیا متاعٌ و خیرُ متاعِ الدنیا المرأۃُ الصالحۃ“(۲۸)۔

جس دین میں عورت دُنیا کی بہترین نعمت ہو اس میں بھلا یہ کیونکر برداشت کیا جاسکتا ہے کہ اُسے ایک بے کار پرزہ سمجھ کر نظر انداز کیا جائے۔ بلکہ یہ سوال اُٹھتا ہے کہ ”نیک عورت بہترین پونجی، کیوں ہے؛ اگر غور کیا جائے تو یہ مسلمہ حقیقت خود بخود منکشف ہوجاتی ہے کہ گھر کا تمام نظام اس کے دم سے منظّم ہے۔ شوہر کی تسکین اور بچوں کی تربیت جیسے اہم امور اسی کی کاوشوں سے انجام پاتے ہیں۔ قرآن سے تربیت پانے والی خواتین کی ذمہ داریاں اور ان کا مقام بھی قرآن ہی متعین کرتا ہے۔

ماں:-

ماں کو قرآن نے انتہائی اہم ذمہ داری سونپی ہے ایک تو وہ جسمانی طور پر اولاد کا بوجھ اُٹھائے پھرتی ہے اور درد پر درد اُٹھائے اسے جنم دیتی ہے۔ پھر اس کی رضاعت کرتی ہے اور سب سے اہم فریضہ جو نسلوں کی آبیاری کرنا ہے وہ تربیت کا ہے اور اسلام نے ماں کی گود کو پہلا مدرسہ قرار دے کر تربیت کے فریضہ کو اور حساس بنادیا ہے۔ تربیت کی ذمہ داری ماں کو سونپی بھی اس لئے گئی ہے کہ اس کے اندر وہ حوصلہ، صبر، برداشت پیدا کردی گئی ہے جو اولاد کی تربیت کے لئے ضروری ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسے کفالت کی ذمہ داریوں سے بری الذمہ قرار دیکر مکمل طور پر یکسو ہوکر اولاد کی تربیت کرسکے اور اولاد کو اس کی اطاعت کا حکم دیا کہ:

"اِنَّ اللّٰہ حرّمَ عَلَیْکُمْ عقوق الامھات"(۲۹)۔ پھر فرمایا: "وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا"(۳۰)۔

اوران کی جانب سے ہر قسم کے رویے پر صبر کرنا اوران کے ساتھ سختی کرنے سے روکا گیا حتی کہ فرمایا:

"فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا"(۳۱)۔

اور اُسے اولاد کے لئے اُس مقام پر فائز کردیا جس پر عظمتوں کی انتہاء ہوجاتی ہے یعنی "اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ"(۳۲)۔

بیوی:-

بیوی کو اسلام نے شوہر کی امین بنادیا ہے کہ وہ میاں کی موجودگی اور عدم موجودگی ہر دو صورتوں میں اس کے مال اور عزت کی حفاظت کرے گی۔ کیونکہ "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"(۳۳) کے مطابق دونوں ایک دوسرے کا لباس ہیں اور دونوں لے لئے اس لباس کو ہر غلاظت و گندگی سے پاک رکھنا ہے اور عورت کے لئے مرد کو بہترین معاشرت کا حکم دیا ہے کہ "وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"(۳۴)۔ ہم نبی اکرم ﷺ کو بہترین شوہر اور امہات کو بہترین ازواج کی ایک جیتی جاگتی تصویر پاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے:

"خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی"(۳۵)۔

گھریلو ناچاکی یا غلط فہمیوں کی صورت میں اختلاف پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں عورت کو قدم قدم پر سوچنے، اپنی اصلاح کرنے اور بُرائی سے بچنے کا موقع فراہم کیا اور انتہائی تدریجی انداز میں جیسے کہ قرآن کا طریقۂ کار ہے اُسے میاں کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے الا کہ حالات ناگزیر ہوجائیں۔

نشوز کی صورت میں اس کے لئے انتہائی نرم انداز اختیار کیا ہے کہ: "واللّتي تخافون نشوزھنّ فعظوھنّ...."(۳۶)۔

یعنی جہاں تک ممکن ہو سمجھوتہ کرے کیونکہ جدائی کی صورت میں بہت سے گھرانے مصائب سے گزریں گے۔ لیکن اگر صلح کی کوئی صورت نہ بن پائے بلکہ مزید بگاڑ کا خدشہ ہو تو پھر تفریق کو ترجیح دی کہ: "و ان یتفرقا یغن اللّٰہ کلا من سعتہ وکان اللّٰہ واسعا حکیما"(۳۷)۔

باوجود یہ کہ شارح قرآن نے واضح الفاظ میں طلاق کو حلال چیزوں میں مبغوض ترین چیز قرار دیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: "أبغضُ الحلال الی اللّٰہ الطلاق"(۳۸)۔

اور یہ صرف اس صورت میں ہے کہ ہر دو فریق صلح کے تمام طریقے آزما چکے ہوں اور سمجھوتے کی کوئی صورت ممکن دکھائی نہ دیتی ہو تو اس میں اللہ کی وسعتوں پر تکیہ کرکے فیصلہ کیا جائے گا۔ جیسے کہ ہم تاریخ میں ایسے بین واقعات پاتے ہیں جہاں دونوں فریق کی طلاق کی صورت میں اللہ نے انہیں بہترین ساتھی عطا فرمائے (۳۹)۔

اس کے علاوہ عورت کے لئے موقع محل کی مناسبت سے تربیتی منہج کے مطابق وقتاً فوقتاً احکام نازل ہوتے رہے تاکہ معاشرے میں نسلوں کی آبیاری ایسے ہاتھوں سے ہوسکے جو امت کو وہ تربیت گاہ فراہم کرسکیں جو خالصتاً نبی اکرم ﷺ کے سائے میں پروان چڑھی۔ ان میں چند ایک ماؤں کی مثالیں پیش خدمت ہیں۔

امہات المؤمنین:۔

قرآن کا پہلا بہترین مدرسہ جس کی تربیت شارح قرآن ﷺ نے کی وہ زوجات النبی ﷺ ہیں انہوں نے امت کی جس طرح تربیت کی تاریخ عالم ان کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ انہوں نے خود بھوکے رہ کر دوسرے کو کھلایا۔ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے صدقات دیجئے (۴۰) اور جب دُنیا کی طرف معمولی سا میلان ظاہر کیا تو فوراً حکم ہوا۔

"اِن کُنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً "(۴۱)۔

اس آیت کے نزول کے ساتھ ہی زوجات النبی ﷺ نے فوراً اپنی معمولی خواہشات سے بھی برأت ظاہر کردی تاکہ وہ امت کے لئے شرمندگی کا سبب نہ بنیں۔ جن بیبیوں نے ایسی تربیت پائی ہو۔ بھلا وہ امت کی بہترین مائیں ثابت نہ ہوں گی تو کون ہوگا؟

صحابیات وتابعیات:۔

قرآن کی تربیت کا نظارہ صحابیات کے ہاں عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ ماں کی آنکھوں کے

سامنے اس کے جگر گوشے جام شہادت نوش کرتے ہیں۔لیکن اس ماں کی ہمت وحوصلہ دیکھنے کے قابل ہے جب وہ ان کی لاشوں کو سولی پر لٹکے پاتی ہے تو کہتی ہے یہ ''شہسوار ابھی تک سواری سے نہیں اترا'' (۴۲)۔

ان ماؤں (۴۳)، بہنوں اور بیٹیوں کو قرآن نے صراط مستقیم کی جانب جو رہنمائی دی اور پھر نسلوں کی تربیت کا منصب جس طرح ان کے ہاتھ میں دیا کہ انہیں نمونہ بنادیا۔اُسے قلم رقم کرنے سے قاصر ہیں۔کیونکہ ان کا مربی قرآن ہے اس لئے قرآن نے اپنے شارح کے سائے میں وہ منارہ نور تیار کیے ہیں کہ خود قرآن ان کے درجات متعین کرتا ہے کہ:

"فاستجاب لهم ربّهم انّى لا اضيعُ عمل عاملٍ منكم من ذكرٍ أو انثى بعضكم من بعض فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم و اوذوا فى سبيلى وقتلوا لاكفرنّ عنهم سيئاتهم ولا دخلتهم جنّٰت تجرى من تحتها الانهار ثوابا من عندالله ط والله عنده حسن الثواب". (۴۴)۔

گویا کہ قرآن وحدیث کردار سازی کی ایک ایسی تربیت گاہ ہے جو امتوں کی تعمیر میں انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے اور اپنے تربیت یافتہ کو نہ صرف معاشرے میں فخر سے جینا سکھاتی ہے بلکہ زندگی کے ہر مرحلے میں اسے کافی وشافی بھی ہوتی ہے۔

❀ ❀ ❀

حواشی ومراجع:

القرآن۔

۱- الإسرآء: ۹-،أنظر للتفسير:اعراب القرآن وبيانه : محى الدين الدرويش : ۳۲۸/۴. اليمامه للطاعة والنشر والتوزيع . دار ابن كثير. للطاعة والنشر والتوزيع .۱۹۹۹م ۱۴۱۹ھ۔

۲- اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام: أمین أحسن اصلاحی:ص:۸۷۔فاران فاؤنڈیشن۔لاہور، پاکستان۔

۳- مسلمان عورت نمونۂ عمل: دفتر ثقافی نمائندہ اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد،ص:۷،۸۔طبع: اکتوبر ۱۹۹۷۔

۴- النساء:۱۲۴،أنظر للتفسير: تفسير الرازی، عبدالرحمٰن بن محمد:۱۰۷۲/۴،مکتبہ نزار مصطفیٰ باز۔ المملكة العربية السعودية . ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷-

۵- النحل:۹۷، أنظر للتفسير: فی ظلال القرآن، سید قطب:۱۲۹۳/۴، دار الشروق، بیروت. ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۲م-

۶- المؤمن:۴۰۔أنظر للتفسير: صفوة التفاسير: محمد علی الصابونی:۱۰۲/۳- دار القرآن القرآن الکریم۔بیروت،۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱م-

۷- التوبۃ:۷۲،۲۳،۷۰،۵،۱۲،۷۳،۳۵،۱۹،۲۲۸،۷،۱۹۵-

۸- تفسیر ابن کثیر: عمادالدین بن کثیر: ۳۶۶/۲، شمع بک ایجنسی، یوسف مارکیٹ اردو بازار، لاہور ۲۰۰۲ء

۹- لسان العرب: ابن منظور، أبوالفضل جمال الدین: ۳۰۷/۱۴. دار صادر بیروت۔ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸م۔

۱۰- فطری تربیت کے اہم تقاضے: ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص: ۲۹۷، اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور۔

۱۱- التربیة الاسلامیة وفلاسفتها: محمد عطیه الابراشی: ص: ۷. مطبعة عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ بمصر، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م۔

۱۲- الممتحنة: ۱۱، أنظر للتفسیر: أحکام القرآن: مولانا محمد ادریس کاندھلوی: ۵۔۵۸/۴۔

۱۳- سیر الصحابیات: مولانا عبدالحلیم الندوی، ادارۂ اسلامیات: ۱۱۷/۶، انارکلی لاہور. پاکستان.

۱۴- الممتحنة: ۱۱، أنظر للتفسیر: أحکام القرآن: مولانا محمد ادریس کاندھلوی: ۵۔۵۷/۴۔

۱۵- الجامع لأحکام القرآن: القرطبی محمد بن أحمد الانصاری: ۷۲/۹۔ انتشارات ناصر خسرو، طهران، ایران۔

۱۶- الاسراء: ۳۱۔ أنظر للتفسیر: صفوة التفاسیر: محمد علی الصابونی: ۱۵۸/۲۔

۱۷- آبادی کے خوف سے بچہ ضائع کرانا۔ ضبط ولادت، عقلی وشرعی حیثیت: محمد تقی عثمانی: ص: ۴۷. کتب خانہ دارالاشاعت، کراچی. ۱۹۶۱۔

۱۸- ممتحنہ: ۱۲. الجامع لأحکام القرآن: القرطبی محمد بن أحمد الانصاری: ۷۲/۹۔

۱۹- معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع: ۴۱۸/۸، ۱۰ ادارۃ المعارف، کراچی. پاکستان ضبط ولادت، عقلی وشرعی حیثیت: ص: ۳۴.

۲۰- الاحزاب: ۳۳۔ أنظر للتفسیر: صفوة التفاسیر: محمد علی الصابونی: ۵۲۵/۲۔

۲۱- النور: ۳۱۔ أنظر للتفسیر: صفوة التفاسیر: محمد علی الصابونی: ۳۳۵/۲۔

۲۲- تفسیر عثمانی: مولانا محمود الحسن. مولانا شبیر احمد عثمانی: ۱۹۱/۲۔ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی سینٹر، اردو بازار لاہور۔

۲۳- جس عورت نے پائل کی آواز مردوں کو سنانے کیلیے پاؤں زور سے زمین پر مارا تو یہ حرام ہے۔ الجامع لأحکام القرآن: القرطبی محمد بن أحمد الانصاری: ۱۳۷۶/۳۔

۲۴- الاحزاب: ۳۲. الجامع لأحکام القرآن: القرطبی محمد بن أحمد الانصاری: ۱۳۷۷/۳۔

۲۵- ألاحزاب: ۵۹. معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع: ۲۳۲/۷۔

۲۶- النور: ۳۱. أحکام القرآن: ابن عربی، أبوبکر محمد بن عبداللہ. تحقیق علی محمد البجاوی۔ دار احیاء التراث العربی - بیروت لبنان.: ۱۳۷۵/۳۔

۲۷- الحجرات: ۱۱، أنظر للتفسیر: صفوة التفاسیر: ۳۳۵/۳۔

۲۸- صحیح المسلم: أبوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری: کتاب الرضاع: ۴۰۸/۲، مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔

۲۹- صحیح البخاری: محمد بن اسماعیل البخاری: باب عقوق الوالدین: ۴۳۹/۳۔ مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔

۳۰- عنکبوت: ۸، أنظر للتفسیر: صفوة التفاسیر: ۴۵۲/۲۔

۳۱- الاسراء: ۲۳، تفسیر المراغی: أحمد مصطفیٰ المراغی: ۳۶/۵-۳۲

۳۲- کنز العمال في سنن الاقوال و الافعال: العلامة علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین: الباب الثامن في برّ الوالدین: ۴۶۱/۱۶، مؤسسة الرسالة. بیروت. ۱۹۸۵۔

۳۳- البقرة: ۱۸۷، الأساس في التفسیر: سعید حوّی: ۴۱۹/۱۔ دار السلام۔ بیروت، ۱۹۷۳۔

۳۴- النساء:۱۹۔ التبیان في تفسیر القرآن : الطوسی، أبوجعفر محمد بن الحسن:۱۵۰/۳.داراحیاء التراث العربی۔

۳۵- سنن ترمذی:امام أبوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ: کتاب المناقب:۴۶۴/۲۔اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اردو بازار لاہور۔

۳۶- النساء: ۳۴، التفسیر الکبیر: ابن تیمیہ، علامہ تقی الدین، تحقیق: د/عبدالرحمٰن :۲۲۸/۲.دارالباز للنشر والتوزیع عباس أحمد الباز. مکۃ المکرّمۃ۔

۳۷- النساء: ۱۳۰.التبیان في تفسیر القرآن: الطّوسی:۱۵۰/۳.داراحیاء التراث العربی- بیروت لبنان.

۳۸- ابوداؤد: حافظ المنذری ۔ کتاب الطلاق ۔ باب فی کراہیۃ الطلاق ۔(۲۰۹۱):۹۱/۳.المکتبہ الاثریۃ، سانگلہ ہل پاکستان. ۱۹۷۹م/۱۳۹۹ھ.

۳۹- حضرت زیداور حضرت زینب کا واقعہ سورہ احزاب آیۃ :۳۷ میں ذکر کیا گیا ہے۔

۴۰- حضرت سودہؓ صفیہؓ،ام ایمنؓ،ام رومانؓ،ام عمارہؓ اورام ہانیؓ وغیرہ: سیر الصحابیات: -۲۰/۶۔۳۰۔۱۱۷۔۱۳۵.

۴۱- الاحزاب:۲۸۔معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع:۱۲۸/۷۔

۴۲- حضرت اسماءؓ کے بیٹے کو شہید کیا گیا۔ أسد الغابة في معرفة الصحابة : ابن أثیر:۱۶۳/۳۔ داراحیاء التراث العربی۔ بیروت لبنان۔

۴۳- اورحضرت خنساءؓ کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔موسوعۃ حیات الصحابیات: محمد سعید مبیّض : ۱۸۷، مکتبہ دارالفتح قطر۔دوحۃ ۔۲۰۰۰م،۱۴۲۱ھ، أسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ابن أثیر:۴۴۲/۵، داراحیاء التراث العربی۔ بیروت لبنان۔

۴۴- آل عمران:۱۹۵،الأساس فی التفسیر: سعید حوّیٰ:۹۶۴/۲، دارالسلام، ۱۹۸۹۔

❁ ❁ ❁

۱۸۵۷ء کا انقلاب حریت اور علماء اسلام

از: مولانا اختر امام عادل قاسمی
جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور بہار

ہندوستان پر مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی، اوراس کو اپنی حسن نیت، خلوص ومحنت، اور حکمت وتدبر سے جنتِ نظیر بنادیا، یہ پورا وسیع خطۂ ارضی سونے کی چڑیا کہلانے لگا، ساری دنیا کے اہل کمال اور اصحاب علم وفن اس ملک کی طرف کھینچ کھینچ کرآنے لگے، انگریز بھی اس ملک کی ترقیات اورخوشحالی سے متاثر ہوئے اور ہندوستان کی اسلامی حکومت سے اجازت لے کرتجارت کی غرض سے اس ملک میں داخل ہوئے، اور پھر رفتہ رفتہ انھوں نے اپنے بال وپر پھیلانے شروع کئے اور کاروبار وسیاست میں حصہ لینے لگے، ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ کو شکست دینے کے بعد عملاً پورے ملک میں ان کی دھاک بیٹھ گئی، پھر رفتہ رفتہ دہلی کی بساطِ سیاست پر وہ چھاگئے، پورے ملک کی بساط پہلے ہی پلٹ دی تھی، اب دہلی کا سلطان بھی ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا تھا، نقارہ کی چوٹ پر اعلان کیا جاتا تھا:

''خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم سرکار کمپنی بہادر کا''

یہ سیاسی تبدیلیاں ہندوستانیوں کے لئے یقیناً خلاف توقع تھیں، جس ملک پر اب تک انھوں نے تقریباً تین سو سال سے خاندان تیمور کو حکومت کرتے دیکھا تھا، اور پورے ہندوستان میں اس خاندان کے زندہ وتابندہ نقوش پھیلے ہوئے تھے، اور ملک کی تعمیر وترقی میں اس خاندان نے اہم رول ادا کیا تھا، ہر شخص اس کا ممنون کرم اور دل سے ان کی خدمت کا قدرداں تھا، آج اس ملک پر ایک بدیسی قوم حکومت کررہی تھی، جس کے پاس نہ کوئی ضابطۂ اخلاق تھا اور نہ کوئی تہذیبی نظام، اس کے پاس دماغ تو تھا مگر دل کی طاقت اور روح کی بالیدگی سے محروم تھی، جو رنگ ونسل اور زبان کسی لحاظ سے ہندوستانی اقوام سے میل نہیں کھاتی تھی۔

دوسری طرف انگریزوں کی آمد سے ملک جس افراتفری کا شکار ہوگیا تھا اس کی کوئی مثال

ہندوستان کی پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی، ملی، تہذیبی، تمدنی، اقتصادی اور اخلاقی تمام قدریں متزلزل ہوکر رہ گئیں، ۱۸۵۷ء کا عہد اس زوال پذیر دور کا نقطۂ عروج تھا۔

معاشی بدحالی

اس دور کے حالات کے ذاتی مشاہد، انگریزوں کے وفادار، مگر ملک وملت کے غمگسار سرسید احمد مرحوم کی شہادت شاید اس سلسلے میں سب سے زیادہ معتبر مانی جائے، وہ اپنی مشہور کتاب ''اسباب بغاوت ہند'' میں اقتصادی تبدیلیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نہیں بیان کرسکتا کہ ہندوستانیوں کو کس قدر ناراضگی اور دلی رنج اور ہماری گورنمنٹ کی بدخواہی اور نیز کتنی مصیبت اور تنگئ معاش اس سبب سے ان کو تھی کہ بہت سی معافیات صدہا سال سے چلی آتی تھیں، جو ادنی ادنی حیلہ پر ضبط ہوگئیں، ہندوستانی خیال کرتے تھے کہ سرکار نے خود تو ہماری پرورش نہیں کی، بلکہ جو جاگیر ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو ان کے بادشاہوں نے دی تھی وہ بھی گورنمنٹ نے چھین لی، پھر ہم کو اور کیا توقع گورنمنٹ سے ہے۔'' (اسباب بغاوت ہند:۲۶)

''ابتداء عملداری سے آج تک شاید کوئی گاؤں ایسا ہوگا جس میں تھوڑا بہت انتقال (ردوبدل) نہ ہوا، ابتداء میں ان نیلاموں نے ایسی بے ترتیبی سے کثرت پکڑی کہ تمام ملک الٹ پلٹ ہوگیا۔'' (حوالۂ بالا:۲۸)

''اہل حرفہ کا روزگار بسبب جاری اور رائج ہونے اشیاء تجارت ولایت کے بالکل جاتا رہا، یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والا اور دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا، پارچہ بافوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا۔'' (حوالۂ بالا:۳۶)

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی اپنی مشہور کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' میں رقم طراز ہیں:

''پس یہ حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کا یہ خونیں حادثہ... مٹی ہوئی جاگیرشاہی کی انگڑائی نہیں بلکہ ایک قوم کی بڑھتی ہوئی جاگیرشاہی کے مقابلے میں دوسری قوم کی حرکت مذبوحانہ تھی۔''

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یہ بحث طویل ہے، اس کا ہر ایک گوشہ ایک داستان رکھتا ہے، تنخواہوں کا تفاوت، مال گزاری کا اضافہ، وصولی مال گزاری کیلئے جائدادوں کا نیلام، نیلام کے دل آزار توہین آمیز طریقے، سود اور

سود در سود کا رواج وغیرہ، غرض ہر ایک باب داستانِ الم ہے“ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴/ ۲۷)

سر سیّد مرحوم نہایت جوش سے لکھتے ہیں:

”غرض کہ ملک ہر طرح سے مفلس ہوگیا تھا، ان کے خاندان جن کو ہزاروں کا مقصدور تھا، معاش سے بھی تنگ آگئے تھے۔“ (اسباب بغاوت ہند: ۳۶)

شیخ محمد اکرام نے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب ”آور انڈین مسلمانز“ کے حوالے سے لکھا ہے:

”اگر کوئی سیاست داں دارالعلوم میں سنسنی پیدا کرنا چاہے تو اس کے لئے کافی ہے کہ وہ بنگال کے مسلمان خاندانوں کے سچے سچے حالات بیان کردے، یہی لوگ کسی زمانے میں محلوں میں رہتے تھے، گھوڑے گاڑیاں نوکر چاکر موجود تھے، اب یہ حالت ہے کہ ان کے گھروں میں جوان بیٹے، پوتے اور پوتیاں، اور بھتیجے اور بھتیجیاں بھرے پڑے ہیں اور ان بھوکوں کے لئے ان میں سے کسی ایک کو زندگی میں کچھ کرنے کا موقع نہیں، وہ منہدم اور حرمت شدہ مکانوں اور خستہ برآمدوں میں قابل رحم زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں، اور روز بروز قرض کی دلدل میں زیادہ دھنستے جاتے ہیں، حتی کہ کوئی ہمسایہ ہندو قرض خواہ ان پر نالش کرتا ہے، اور مکان اور زمینیں جو باقی تھیں ان کے قبضے سے نکل جاتی ہیں، اور یہ قدیمی مسلمان خاندان ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتا ہے۔“ (موج کوثر: ۷۵)

عدل اور انصاف کی صورت حال:

عدل وانصاف کی صورت حال کے بارے میں سرسیّد لکھتے ہیں:

”اور پھر اس پر اضافہ یہ ہوا کہ باوجود ہندوستانیوں کی مفلسی کے عدالت کی چارہ جوئی پر اسٹامپ لگادیا گیا جو ناقابل برداشت تھا۔“ (موج کوثر: ۷۵)

تعصّبات، تنگ نظری اور ناانصافی کے احوال ڈاکٹر ہنٹر کی زبانی سنئے:

”مسلمانوں کی بدقسمتی کا صحیح نقشہ ان محکموں میں دیکھا جاسکتا ہے، جن میں ملازمتوں کی تقسیم پر لوگوں کی اتنی نظر نہیں ہوتی، ۱۸۶۹ء میں ان محکموں کا یہ حال تھا کہ اسسٹنٹ انجینئروں کے تین درجنوں میں چودہ ہندو اور مسلمان صفر، امیدواروں میں چار ہندو، دو انگریز اور مسلمان صفر، سب انجینئروں اور سپروائزروں میں چوبیس ہندو اور ایک مسلمان اوورسیروں میں تریسٹھ ہندو اور دو مسلمان، اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ میں پچاس ہندو اور مسلمان معدوم، وغیرہ۔“

سرکاری ملازمتوں کے علاوہ ہائی کورٹ کے وکیلوں کی فہرست بڑی عبرت آموز تھی، ایک زمانہ تھا کہ یہ پیشہ بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا، اس کے بعد بھی ۱۸۵۱ء تک مسلمانوں کی

حالت اچھی رہی اور مسلمان وکلاء کی تعداد ہندوؤں اور انگریزوں کی مجموعی تعداد سے کم نہ تھی، لیکن ۱۸۵۱ء سے تبدیلی شروع ہوئی، اب نئی طرز کے آدمی آنے شروع ہوئے اور امتحانات کا طریقہ بھی بدل دیا گیا،۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۸ء تک جن ہندوستانیوں کو وکالت کے لائسنس ملے ان میں ۲۳۹ ہندو تھے اور ایک مسلمان۔

انھوں نے کلکتہ کے ایک اخبار کی شکایت نقل کی کہ: اب یہ حالت ہے کہ حکومت سرکاری گزٹ میں مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے علیحدہ رکھنے کا کھلم کھلا اعلان کرتی ہے، چند دن ہوئے کمشنر صاحب نے تصریح کردی کہ یہ ملازمتیں ہندوؤں کے سوا کسی کو نہ ملیں گی۔'' (موج کوثر:۷۶)

سماجی حیثیت کی پامالی:

مسلمانوں کی عزت وشرافت کا حال کتنا ابتر تھا، اس کے بارے میں سرسیّد لکھتے ہیں:

''کیا ہماری گورنمنٹ کو نہیں معلوم ہے کہ بڑے سے بڑا ذی عزت ہندوستانی حکام سے لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں نہ تھا اور کیا یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ ایک اشراف اہل کار صاحب کے سامنے مثل پڑھ رہا ہے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر باتیں کررہا ہے اور صاحب کی بدمزاجی اور سخت کلامی بلکہ دشنام دہی سے دل میں روتا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس روٹی اور کہیں نہیں ملتی، اس نوکری سے تو گھانس کھودنی بہتر ہے۔

بلاشبہ تمام رعایا ہندوستان کی اس بات کی شاکی ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے ان کو نہایت بے قدر اور بے وقار کردیا ہے، ہندوستان کے اشراف آدمی کی ایک چھوٹے سے یورپین کے سامنے ایسی بھی قدر نہیں ہے، جیسی ایک چھوٹے یورپین کی۔'' (اسباب بغاوت ہند:۴۲)

مذہبی وتہذیبی اقدار کو خطرہ:

سب سے بڑا خطرہ مذہبی اور ملی تشخصات اور تہذیبی اقدار اور روایات کو تھا، سرسیّد اس وقت کے عام احساسات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''کچھ شبہ نہیں کہ تمام لوگ جاہل وقابل، اعلیٰ اور ادنیٰ یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم ورواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو کیا مسلمان، عیسائی مذہب اور اپنے ملک کے رسم ورواج پر لاڈالے... سب کو یقین تھا کہ ہماری گورنمنٹ اعلانیہ جبر مذہب بدلنے پر نہیں کرے گی، بلکہ خفیہ تدبیریں کرکے مثل نابود کردینے علم عربی وسنسکرت کے اور

مفلس ومحتاج کردینے ملک کے اورلوگوں کو جوان کا مذہب ہے، اس کے مسائل سے ناواقف کر کے اوراپنے دین ومذہب کی کتابیں اور مسائل اور وعظ کو پھیلا کرنوکریوں کا لالچ دے کرلوگوں کو بے دین کردیں گے... ہندوستان میں وعظ اور کتھا کا دستور یہ ہے کہ اپنے اپنے معبد یا مکان پر بیٹھ کر کہتے ہیں، جس کا دل چاہے اور جس کو رغبت ہو وہاں جا کر سنے، پادری صاحبوں کا طریقہ اس کے برخلاف تھا، وہ خود غیر مذہب کے مجمع یا تیرتھ اور میلہ میں جا کر وعظ کہتے تھے اور کوئی شخص حکام وغیرہ کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا، بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحب کے ساتھ تھانہ کا چپراسی جانے لگا، پادری صاحب وعظ میں صرف انجیل مقدس ہی کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں کو اور مقدس مقاموں کو بہت برائی اور ہتک سے یاد کرتے تھے، جس سے سننے والوں کو نہایت رنج اور دلی تکلیف پہنچتی تھی... دیہاتی مکتبوں کے مقرر ہونے سے سب یقین سمجھتے تھے کہ صرف عیسائی بنانے کو یہ مکتب جاری ہوئے ہیں... جس گاؤں میں پرگنہ وزیر یا ڈپٹی انسپکٹر پہنچا اور گنواروں میں چرچا ہوا کہ ''کالا پادری'' آیا، عوام الناس یوں خیال کرتے تھے کہ یہ عیسائی مکتب ہیں اور کرسٹان بنانے کو بٹھاتے ہیں۔

یہ سب خرابیاں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہورہی تھیں کہ دفعتاً ۱۸۵۵ء میں پادری اے ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیاں بھیجیں، جن کا مطلب یہ تھا کہ:

اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی، تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد ورفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہئے، اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہوجاؤ۔

میں سچ کہتا ہوں کہ ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا، پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی، سب کو یقین ہوگیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آگیا اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اوّل ان کو کرسٹان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو، سب لوگ بیشک سمجھتے تھے کہ یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں۔ (اسباب بغاوت ہند: ۱۷-۲۳)

خوفناک سناٹا:

خصوصاً اس وقت جب کہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک کے بعد پورے ملک میں بالعموم موت کا سناٹا چھا چکا تھا، مشہور مبصر مولانا محمد میاں صاحب کے بقول:

اس دور کے متعلق یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ لوگوں نے انگریزوں کو پہچاننا چھوڑ دیا تھا، البتہ یہ درست ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے غافل ہوگئے تھے، اور انھوں نے اپنے مستقبل کو پہچاننا چھوڑ دیا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انگریزوں کو پہچان لینے کے باوجود وہ نہیں کیا یا نہیں کرسکے جو کرنا چاہئے تھا، خود پرستی نے خودغرضی اور ذاتی مفاد کی ہوسنا کی جو قومی عظمت و وقار اور حیات اجتماعی کے لئے سرطان اور پلیگ سے بھی زیادہ مہلک امراض ہیں، اور جن کی بنا پر طوائف الملو کی عروج پاتی ہے، انہیں امراض نے ارباب اقتدار کی چشم کو نابینا اور گوش سخن نیوش کو اصم اور مدہوش بنادیا تھا۔

فانها لاتعمى الأبصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور: یہ عجیب فلسفہ ہے کہ انسان جتنا زیادہ اپنی پرستش میں مشغول ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ خودفراموش ہوجاتا ہے، ذاتی مفاد اور خود پرستی کے شوالے جو دکن، بنگال اور اودھ میں تعمیر کئے گئے تھے، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ ان کے پجاری انگریزوں کو پہچاننے، سمجھنے اور بوجھنے کے باوجود اس پر مجبور تھے کہ سنی کو ان سنی اور دیدہ کو نادیدہ بنادیں، کیوں کہ وہ اغراض جن کے آب وگل سے یہ شوالے تعمیر ہوئے تھے ان کا تقاضا ہی یہ تھا ورنہ یہ شوالے مسمار ہورہے تھے:

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

۱۸۵۷ء کے حالات:

یہ حالات تو وہ ہیں جو ایک اجنبی حکومت کے ناجائز امتداد اور ان کے منصوبہ بند پروگراموں نے پیدا کئے تھے، ۱۸۵۷ء میں کچھ نئے حالات پیدا ہوئے، اور ان کی وجہ سے عوامی بے چینی نے جنم لیا، امن وامان کی صورت حال بگڑی اور پورے ملک کی فضا خراب ہوگئی، اس عہد کی لکھی گئی اکثر کتابوں میں ان حالات ومسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن کی بنا پر ۱۸۵۷ء کی مسلح تحریک آزادی رونما ہوئی، ہم منشی ذکاء اللہ کی مشہور کتاب ''تاریخ عروج انگلش'' اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کی شاہکار کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' سے اس وقت درپیش بعض اہم حالات پیش کرتے ہیں۔

۞ الحاق کا مسئلہ اس وقت کا انتہائی حساس ترین مسئلہ تھا، اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی صوبہ کا ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے ساتھ الحاق دراصل شہریوں کو عیسائی بنانے کی مہم کا حصہ ہے، کہ اس طرح لالچ یا ڈر کے ذریعہ لوگوں کا عیسائی بنانا آسان ہوجاتا۔

❁ لاخراجی زمینیں ضبط کرلی جاتی تھیں، ان کی تشریح ملک کے مذہبی اوقاف کے خاتمہ سے کی جاتی تھی۔

❁ سرکاری قانون اس طرح کا جاری کیا گیا کہ ہندو اور مسلمان دونوں کے مذہبی تشخیصات فنا ہو جائیں۔

❁ جیل خانوں میں تمام قیدیوں کے لئے ایک قسم کا کھانا دیا جانے لگا، جو ہندو مذہب کے لحاظ سے انتہائی غلط بات تھی۔

❁ اسی زمانے میں خوراک میں آمیزش کی کہانی بھی بڑی تیزی کے ساتھ مشتہر ہوئی کہ برٹش گورنمنٹ کے حکم سے پسی ہوئی ہڈیاں، آٹے اور نمک میں ملادی گئی ہیں، اور وہ بازار میں فروخت ہو رہی ہیں، گھی میں جانوروں کی چربی ملادی گئی ہے، شکر کو جلی ہوئی ہڈیوں سے صاف کیا جاتا ہے، کنوؤں میں سور اور گائے کا گوشت ڈلوادیا گیا ہے، ان افواہوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بازاروں میں آٹا اور اس سے پکی ہوئی روٹیوں کی فروخت موقوف ہوگئی، خاص طور پر میرٹھ کے علاقے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور تمام فوجی چھاؤنیاں اس افواہ کی لپیٹ میں آگئیں۔

❁ انھی دنوں مختلف علاقوں میں روٹیوں کی خفیہ تقسیم کا قضیہ بھی سامنے آیا، کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز بنارس سے ہوا، گوالیار اور اندور میں بھی اسی طرح روٹیوں کی تقسیم کی گئی، یہ روٹیاں خاموشی کے ساتھ گاؤں گاؤں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی تھیں، اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ روٹیاں کہاں سے آئی ہیں اور ان کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما ہیں، لوگوں نے اپنے طور پر مختلف قیاس آرائیاں کیں، کہ یہ متحدہ بغاوت کی دعوت ہے، بیماریوں اور بلاؤں کی تقسیم کی علامت ہے، کسی نے اس کی تشریح کی کہ ان کی خوراک کے وسائل چھین لئے جائیں گے، ایک خیال یہ تھا کہ ان کے اندر فتنہ انگیز خطوط چھپے رہتے تھے۔ (تاریخ عروج عہد انگلشیہ: ۳۴۲-۳۴۵)

حضرت مولانا میاں صاحب لکھتے ہیں:

''چپاتیاں بٹنے کا واقعہ ہندوستان میں نیا نہیں تھا، سنتھالیوں کی بغاوت سے پہلے سال کے درخت کی ٹہنیاں گاؤں گاؤں بھیجی گئی تھیں، مرہٹوں نے جب شمالی علاقے پر حملے کئے تو اس سے پہلے روٹی پر جوار کی ٹہنی رکھ کر بانٹی گئی تھی... بعض جگہ ان پر بکری کے گوشت کی بوٹیاں بھی رکھ دیتے تھے، کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے محاورات میں چپاتیاں بٹنا اور کچے گوشت کا اس پر رکھا ہونا، قلع قمع کر دینے کچا چبا ڈالنے اور کلی طور پر استیصال کی علامت مانی جاتی ہے۔''

ساورکر کا خیال یہی ہے کہ مختلف طبقات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے یہ صورت اختیار

کی گئی تھی، بنگال میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ایک خاص قاصد ہر ایک چھاؤنی میں جاتا، سب سے بڑے ہندوستانی افسر سے ملتا اور اسے سرخ کنول کا پھول دکھاتا، افسر وہ پھول پاس کے سپاہی کو دے دیتا، اور اسی طرح پھول ایک ایک سپاہی کے ہاتھ میں پہنچتا یہ پھول نشان تھا صفائی، پاکیزگی، فتح اور شادابی کا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ج۴ ص:۸۱-۸۲)

❁ ایک بڑی شکایت فوجیوں میں یہ پیدا ہوئی کہ ان فیلڈ رائفلوں کے لئے جو کارتوس بنائے جاتے ہیں، ان میں گائے اور سور کی چربی ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک ناقابل برداشت بات تھی۔

جب کسی قوم سے نفرت پیدا ہوتی ہے تو کسی بھی غلط بات پر لوگ یقین کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا وہ سب کی سب من وعن درست نہیں تھیں، ان میں کچھ افواہوں کا عنصر بھی ضرور شامل تھا، مگر برٹش حکومت کی طرف سے ہندوستانیوں کے خلاف مختلف محاذوں پر جو بدترین مظالم کا سلسلہ جاری تھا ان کے پیش نظر ان افواہ آمیز خبروں کو حقیقت سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا، بالخصوص انگریزوں کے غرور آمیز لب ولہجہ اور ہندوستانیوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک نے لوگوں کو ایسا متنفر کر دیا تھا کہ وہ اس طرح کی ہر بات کو قرین قیاس سمجھنے میں حق بجانب تھے، دوسری طرف انگریزوں کو اپنی طاقت پر اتنا غرور تھا کہ وہ اس طرح کی شکایات کو سننے کے لئے تیار نہ تھے، انفرادی طور پر مختلف حلقوں سے حکومت کو اس قسم کے مظالم اور شکایات سے بارہا آگاہ کیا گیا، مگر قوت کے جنون میں انھوں نے ان کو نظر انداز کیا۔

انگریز کے خلاف بے چینی کا آغاز:

بالآخر وہی ہوا جو اس قسم کے حالات میں ہمیشہ ہوتا آیا ہے، عوامی بے چینی پیدا ہوئی اور پورے ملک میں ایک زلزلہ برپا ہوگیا۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اس بے چینی نے ۲۲/جنوری ۱۸۵۷ء کو دم دم (کلکتہ) میں عملی شکل اختیار کی، دم دم میں مقیم دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز سے کارتوس کے قصے کی شکایت کی، مگر حکومت کی طرف سے یقین دہانی کرائی گئی کہ کارتوسوں میں کوئی ناجائز چیز استعمال نہیں کی جارہی ہے، حکومت مطمئن تھی کہ بے چینی ختم ہوگئی، مگر ایسا نہیں ہوا، کلکتہ سے ۱۶/میل دور بارک پور کے فوجیوں کے بہرام پور (بارک پور سے ۱۰۰/میل دور) کی انیسویں رجمنٹ میں بے چینی کا بیج بو دیا، ۱۹/فروری کی رات اس رجمنٹ نے مظاہرہ شروع کر دیا، کرنل مجل نے فوجیوں

سے اس مظاہرہ کا سبب دریافت کیا تو فوجیوں نے کہا کہ:

''سرکار ہمارا دین بگاڑ رہی ہے، کرنل نے فوجیوں کے سامنے تقریر کی اور سمجھ لیا کہ بات ختم ہوگئی، مگر یہ سلسلہ اندر اندر چلتا رہا، ایک دن بارک پور کی چونتیسویں رجمنٹ کے ایک فوجی نے پریڈ کے وقت ''دین دین'' کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو فرنگیوں کے خلاف جنگ پر اکسایا، سارجنٹ میجر موقع پر پہنچ گیا، اس فوجی نے اس پر گولی چلادی وہ بال بال بچ گیا، بغاوت کے آثار پا کر جنرل ہرسی موقع پر پہنچ گیا، حالات پر قابو پالیا گیا۔

''یہ دین دین'' کا نعرہ لگانے والا ایک برہمن تھا، ''منگل پانڈے'' ۶/اپریل کو منگل پانڈے پر مقدمہ شروع ہوا، ۷/کو پھانسی کی سزا تجویز کی گئی اور ۸/کو اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا، ۲۱/اپریل کو اس کے ایک ساتھی ایشوری پانڈے کو پھانسی دے دی گئی، اس کا جرم یہ تھا کہ منگل پانڈے جب فائر کی تیاری کررہا تھا اور ایشوری سے کہا گیا تھا کہ منگل پانڈے کو گرفتار کرلے تو ایشوری نے تعمیل میں لاپرواہی برتی تھی، جب دوبارہ اس کو حکم دیا گیا تو کہہ دیا، منگل پانڈے تو پاگل ہوگیا ہے۔

بارک پور کی خبریں کسی قدر مبالغہ کے ساتھ شمال ہند تک پہنچیں، اپریل ۱۸۵۷ء کے آخری ہفتہ میں میرٹھ میں ہندوستانی سپاہیوں نے بے چینی کا مظاہرہ کیا، میرٹھ میں انگریزی سپاہیوں کی ایک پوری رجمنٹ موجود تھی، اور یہاں کا توپ خانہ پورے ملک میں سب سے بہتر توپ خانہ تھا، اس لئے یہاں کے فوجی حکام مطمئن تھے، کہ یہاں کسی کو پر مارنے کی مجال نہ ہوگی، ۲۳/اپریل کو پریڈ کا حکم نافذ کیا گیا، ۲۴/کو دیسی فوج نے پریڈ کی، پریڈ کے بعد حوالدار میجر اور اس کے اردلی نے ان کارتوسوں کو چلایا جن کے متعلق خیال تھا کہ ان کے چلاتے وقت دانتوں سے کاٹنا پڑتا ہے، پریڈ ختم ہوئی، دیسی سپاہی اپنی بارکوں میں چلے گئے، اسی رات اردلی کے خیمہ کے خیمہ کو آگ لگادی گئی، اگلے دن دیسی سپاہیوں نے کارتوس لینے سے انکار کردیا، مگر انگیز افسروں کی طرف سے فہمائش کے بعد بظاہر ہر بات دب گئی مگر اندر اندر سلگتی رہی، ۶/مئی کو میرٹھ چھاؤنی میں پریڈ کرائی گئی، ہر ایک فوج سے پندرہ پندرہ آدمی منتخب کئے گئے، کل نوے آدمی پریڈ میں موجود تھے، کارتوسوں کی تقسیم کا حکم دیا گیا، پانچ کے سوا سب نے انکار کردیا، جن میں انچاس ۴۹ مسلمان تھے، اور ۳۶ غیر مسلم... ۹/مئی کو ان باغیوں کے خلاف بلند آواز سے دس دس سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی اور پھر فوراً ہی فوجی نشان چھین لئے گئے، ان کی وردیاں پشت کی طرف سے پھاڑ دی گئیں، اور ان کو ہتھکڑیوں میں جکڑ دیا گیا، اور ان پچاسی جوانوں کو پاپیادہ شہر کے جیل خانہ میں پہنچادیا گیا، مظلوموں کے اس جلوس نے بغاوت کے شعلوں کو ہوا دی، اور اس کی چنگاری دور دور

تک پہنچ گئی اوراس طرح دیکھتے دیکھتے ملک کے مختلف حصوں میں بالخصوص شمالی ہندوستان میں ہر طرف بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے، قصہ طویل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ہر طرف سے ایک آواز آئی تھی کہ دہلی چلو، اور ''خاندان تیموریہ'' کے ظل ہمایونی میں ایک منظم تحریک بنانے کا آغاز کرو، تاکہ غیرملکی سامراج سے ملک وملت کو آزادی دلائی جاسکے، ۳۱/مئی کی تاریخ متحدہ بغاوت کے لئے مقرر کی گئی، مگر کوئی مضبوط اور تجربہ کار سرپرست نہ ہونے کے سبب وقت سے قبل ہی مختلف علاقوں میں الگ الگ بغاوت کی آگ بھڑکنے لگی، اس طرح جو کام ایک وقت میں مکمل اجتماعی قوت کے ساتھ کرنے کا تھا وہ الگ الگ اور غیر مربوط طور پر سامنے آنے لگا، اور یہی سبب بنا تحریک آزادی کی ناکامی کا، انگریزوں کو سنبھلنے کا موقعہ ملا اور انھوں نے اپنی پوری فوجی طاقت اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جھونک دی۔

دہلی میں انقلابیوں کی آمد:

غرض ۱۰/مئی ہی سے بغاوت کا آغاز ہوگیا، ہر طرف سے مجاہدوں نے طے کیا کہ جلد سے جلد دہلی پہنچیں حالانکہ دہلی میں فوج کی اتنی بڑی جمعیت تھی کہ باغیوں پر دہلی کے دروازے بند کرسکتی تھی، لیکن میرٹھ سے اطلاع ان کو دیر سے دی گئی، اور دہلی تار پہنچا تو دہلی کا ریزیڈنٹ سائمن فریٹر رینڈ پا نشہ میں ایسا بے خود تھا کہ تار کو بغیر پڑھے جیب میں رکھ کر سوگیا، مجاہدین کو کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی اور وہ بآسانی دہلی پہنچ گئے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے دہلی میں انقلابی افواج کی آمد کی منظر کشی اس طرح کی ہے:

''۱۱/مئی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۶/رمضان ۱۲۷۴ھ دوشنبہ کے دن صبح کے سہانے وقت جمنا کے ایک کنارے لال قلعہ سرخ وسپید پر جہاں، اور ان کے سنہرے کلس آفتابی کی کرنوں سے شوخیاں کررہے تھے، اور دوسرے کنارہ پر جوش وخروش سے دلرفتہ انقلابی فوج بے چینی سے گزرگاہ تلاش کررہی تھی۔''

اسی کنارہ پر پرمٹ کی چوکی تھی، باغی فوج نے اس میں آگ لگائی کلکٹر کو مارا، پھر کشتیوں کے پل پر پہنچے، محکمہ تار کا انگریز افسر جس کا نام ٹاڈ تھا، سامنے آیا، اس کو قتل کیا، کلکتہ دروازہ جو کشتیوں کے پل کے قریب تھا، (موجودہ ریلوے لائن سے شمال کی طرف) اس نے ان سرفروش انقلابیوں کے استقبال میں تامل کیا، تو سامنے راج گھاٹ کے کھلے دروازے نے اپنی طرف اشارہ کرکے داخلہ کی اجازت دے دی، پیادہ اور سواروں کی بھیڑ قلعہ معلیٰ کے جھروکوں کے نیچے سے گزرتی ہوئی آگے

بڑھی اور راج گھاٹ کے دروازے سے شہر میں داخل ہوئی، اب داخل ہونے والی فوج کے داہنے جانب قلعہ تھا، اور بائیں جانب کسی قدر فاصلہ سے دریا گنج، جہاں کچھ انگریزوں کے بنگلے تھے، فوج قلعہ کی طرف بڑھی، پھاٹک پر سنتری موجود تھے، مگر اشاروں ہی اشاروں میں ایسی باتیں ہوئیں کہ انقلابی فوج بلا مزاحمت قلعہ میں داخل ہوکر بادشاہ کے حضور میں پہنچ گئی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۹۱/۴)

انقلاب کے لئے بادشاہ کی شخصیت کا استعمال

بادشاہ کی حیثیت اس دور میں بظاہر برٹش گورنمنٹ کے ایک وظیفہ خوار سے زیادہ نہ تھی، اس کے پاس کوئی اختیار نہ تھا، لیکن بے معنی ہی سہی عوام میں اس کو جو اعتماد و وقار حاصل تھا وہ شاید پورے ملک میں کسی ایک شخص کو حاصل نہیں تھا، ہزار کمزوریوں کے باوجود بلاتفریق مذہب وملت لوگوں کو ایک نقطہ پر متحد کرنے کے لئے مغل بادشاہ کے نام کا سکہ جس طرح چل سکتا تھا پورے ہندوستان میں کوئی دوسرا ادارہ یا فرد اس شان کا موجود نہیں تھا، اس لئے مجاہدین نے بجا طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اس تحریک کی سرپرستی کے لئے بادشاہ سے درخواست کی جائے، بادشاہ شروع میں گھبرایا، لیکن آخر اس کی رگوں میں خاندانِ تیمور کا خون گردش کررہا تھا، اس کے خاندان نے صدیوں اس ملک کی خدمت کی تھی، اور یہاں کے عوام کے ہر درد وغم کو اپنا درد وغم سمجھا تھا، بادشاہ نے مجاہدین کی درخواست پر تھوڑے دنوں کے بعد تحریک آزادی کی سرپرستی قبول کرلی۔

بادشاہ کی طرف سے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے بعد تحریک جہاد کو کافی فروغ ملا، اور ملک کے تمام حصوں میں یہ تحریک پوری قوت کے ساتھ پھیل گئی، ہر علاقے کے ہندو مسلمان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، یوپی اور بہار سے تلنگوں کی جماعت اس تحریک میں سب سے پیش پیش تھی، میرٹھ، مظفرنگر، سہارنپور، پنجاب، بنگال ہر طرف اس تحریک کے شعلے آسمان کو چھونے لگے، اور انگریزوں کے خلاف پورے ملک کی فضا ایسی خراب ہوگئی کہ ان کے لئے بظاہر اس ملک کی سرزمین تنگ ہوگئی، اگر اس تحریک کو مضبوط اور منظّم قیادت مل جاتی اور اس عوامی تحریکی قوت کو انگریزوں کے خلاف سلیقہ کے ساتھ استعمال کیا جاتا تو ۱۸۵۷ء ہی میں اس ملک سے انگریزوں کا خاتمہ ہوجاتا، لیکن افسوس ایک تو بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی عمر کافی ہوچکی تھی، جس کی وجہ سے اس کی خوداعتمادی اور قوت فیصلہ کمزور ہوچکی تھی، دوسرے اس کے اردگرد ایسے نااہل، عافیت پسند اور بعض منافقین کی ایسی جماعت اکٹھی ہوگئی تھی، جو ایسی عظیم تحریک کی قیادت نہیں کرسکتے تھے، چنانچہ چار ماہ کی طاقتور جدوجہد کے بعد اس تحریک میں کمزوری کے آثار پیدا ہوئے، انگریزوں کا

دفاع منظّم اور منصوبہ بند تھا، وہ تو... خرید و فروخت کے اصول پر گامزن تھے، کتنے ہی ہندوستانی چند مفادات کے لئے انگریزوں کے وفادار ہوگئے، اچھے اچھے لوگوں سے اچھے مستقبل کی امید میں اس تحریک کے بجائے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

بالآخر تحریک اس وقت بکھر کر رہ گئی اور ملک کی آزادی قریب ایک صدی کیلئے پیچھے ہوگئی۔

جہاد کا فتویٰ:

اس تحریک آزادی میں علماء اور مذہبی قائدین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، بلکہ سچ یہ ہے کہ علماء کے فتوئ جہاد ہی کی بنا پر اس تحریک کو قوت ملی، اگر مذہبی جوش اور جہاد کا پاک جذبہ شامل نہ ہوتا تو انگریزوں کی مضبوط حکومت سے ٹکر لینے کی جسارت آسان بات نہ تھی، اس لئے اس تحریک کو تمام تر غذا علماء کے طبقہ سے ملی، اور عوام اور مجاہدین نے اس کو بڑھایا اور پھیلایا۔

سب سے پہلا فتویٰ جہاد ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی سے پچاس سال قبل حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے دیا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ:

اس اطراف میں اور یہاں سے لے کر کلکتہ تک نصاریٰ کا حکم جاری ہے، وہ بلا روک ٹوک جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں، عبادت گاہوں تک مسمار کرڈالتے ہیں، مذہب کا کوئی احترام ان کی نظر میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ، شاندار ماضی: ۱۶۴/۴)

اسی فتوی پر عمل کرتے ہوئے آپ کے مرید خاص اور اس تحریک کے سب سے بڑے علمبردار حضرت سید احمد شہید نے مہاراجہ گوالیار سے امداد کی اپیل کی تھی اور شکوہ کیا تھا کہ:

''بیگانگان بعید الوطن ملوک زمین وزماں گردیدہ وتاجران متاع فروش بپایۂ سلطنت رسیدہ''

یعنی سات سمندر پار کے اجنبی، زمین وزماں کے مالک بن گئے ہیں اور بیچنے والے سوداگر منصب حکومت تک پہنچ گئے ہیں۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۱۶۵/۴)

حضرت شاہ عبدالعزیز کا یہ فتویٰ پورے ملک میں مشہور اور متفق علیہ تھا۔

اسی لئے انگریزوں کی غلط حکمت عملی، توہین آمیز سلوک اور ملک کی مجموعی ابتری کے وقت جب تحریک جہاد شروع ہوئی تو کسی حلقے سے یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں، ابھی تیس سال قبل ہی تو سید احمد شہید کی تحریک جہاد کا سلسلہ بالاکوٹ کی گھاٹیوں میں ختم ہوا تھا اور ابھی ان پہاڑوں کی چٹانوں سے ان شہدا کے خون کے نشانات مٹے بھی نہ تھے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک جہاد شروع ہوگئی، اس لئے بالاتفاق ہر طرف اس آواز کو قبولیت حاصل

ہوئی، اور ملک کے ہر حصے میں جہاد کے علمبر دار کھڑے ہوگئے، البتہ انگریزوں کے دوسرے بہت سے جنگی حربوں کی طرح جھوٹے فتووٴں کا حربہ بھی استعمال کیا اور عوام میں اس کے بالمقابل ایک دوسرے جھوٹے فتوے کا پروپیگنڈہ کیا گیا کہ:

''انگریز حاکمِ وقت ہے، مسلمان اس کی پناہ میں ہیں (مستامن ہیں) پس اطاعت واجب ہے اور غدر حرام'' (شاندار ماضی:۱۶۵)

حالانکہ یہ بالکل غلط بات تھی، انگریز نہ جائز حکمراں تھے اور نہ مسلمانوں نے کبھی ان کی حکومت کو بجان ودل قبول کیا تھا، وہ غاصب اور ظالم تھے، اور طاقت کی بدولت مسلمانوں کی حکومت چھین لی تھی، غاصبانہ حکومت کو جائز حکومت کبھی نہیں قرار دیا جاسکتا تھا، اور نہ ایسی حکومت کی حفاظت کے لئے کوشش کرنا درست تھا، مگر انگریزوں کا پروپیگنڈہ اتنا طاقتور تھا اور ان کے ذرائع ابلاغ اتنے وسیع اور مضبوط تھے کہ بہت سے مسلمان اور ہندوستانی لوگ اس دام میں آگئے۔

دوسری طرف انگریزوں کی جنگی طاقت کا رعب لوگوں پر اتنا زیادہ تھا اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے وسائل حرب بہت محدود تھے، کہ جہاد ایک طرح سے احمقانہ خودکشی معلوم پڑتی تھی۔

تیسری طرف مسلمانوں میں قیادت کا ایسا زبردست خلا تھا، اور جو تھا اس میں اتنا انتشار تھا کہ شرائط جہاد کی تکمیل کا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا، کہ بغیر کسی امیر کے جہاد درست ہے یا نہیں؟

دہلی میں علماء کا اجتماع:

یہی وہ حالات تھے جن کی بنا پر ضرورت پڑی کہ دوبارہ علماء کا اجتماع بلایا جائے، اور اس مسئلہ کو پھر سے منقح کرلیا جائے کہ فی زمانہ جہاد کی شرعی اہمیت کیا ہے؟ مسلمانوں کے لئے انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہونا درست ہے یا نہیں؟ اور شرائط جہاد کی تکمیل ہورہی ہے یا نہیں؟

یہ نیک کام اللہ پاک نے جنرل بخت خاں کی آمد کے ذریعہ کرایا، جو سلطان پور لکھنؤ کا رہنے والا تھا، اور اودھ کے شاہی خاندان سے رشتہ داری رکھتا تھا، اس کے پیر ومرشد مولانا سرفراز علی خاں حضرت سید احمد شہید سے وابستہ تھے، بادشاہ سے جب اس کی ملاقات ہوئی اور بادشاہ کو اس کی صلاحیت کا اندازہ ہوا، تو بادشاہ نے اس کو تمام افواج کا سپہ سالارِ اعظم بنادیا، اور اس طرح حسن انتظام اور حسن عقیدہ کا جو خلا لال قلعہ میں پایا جاتا تھا، پُر ہوگیا، اب سوال صرف یہ رہ گیا کہ کیا ہمارے پاس دشمن سے مقابلہ کی طاقت ہے یا نہیں؟ بہت سے علماء کو اس باب میں شبہ تھا، دہلی میں مولانا محبوب علی صاحب اور تھانہ بھون میں شیخ محمد تھانویؒ وغیرہ کئی علماء اسی قسم کے تذبذب میں مبتلا تھے، جامع مسجد میں علماء کا ایک بڑا اجتماع بلایا گیا اور استفتا پیش کیا گیا، جس کی عبارت یہ تھی:

فتویٰ جہاد کی تجدید:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین؟ اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں، اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں؟ اور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہیے یا نہیں؟ بیان کرو، اللہ تم کو جزائے خیر دے۔

جواب: درصورت مرقومہ فرض عین ہے، اور او پر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے، اس کی فرضیت کے واسطے چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف واحوال کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہیں، ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض ہو جاویگا اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہوگا، اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور قتل و غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض عین ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت کے۔ (العبد المجیب احقر، نور جمال عفی عنہ)

اس فتویٰ پر درج ذیل علماء نے دستخط کئے اور مہریں لگائیں:

(۱) سید محمد نذیر حسین (۲) رحمت اللہ (۳) مفتی محمد صدر الدین (۴) مفتی اکرام الدین معروف سید رحمت علی (۵) محمد ضیاء الدین (۶) عبدالقادر (۷) فقیر احمد سعید احمدی (۸) محمد میر خاں (یا میر محمد یا میر خان محمد) (۹) محمد عبدالکریم (۱۰) فقیر سکندر علی (۱۱) محمد کریم اللہ (۱۲) مولوی عبدالغنی (۱۳) خادم العلماء محمد عبدالغنی (۱۴) فرید الدین (۱۵) محمد سرفراز علی (۱۶) سید محبوب علی جعفری (۱۷) ابو احمد محمد حامی الدین (۱۸) سید احمد علی (۱۹) الٰہی بخش (۲۰) محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی (۲۱) محمد انصار علی (۲۲) مولوی سعید الدین (۲۳) حفیظ اللہ خان (۲۴) محمد نور الحق عفی عنہ (۲۵) سراج العلماء ضیاء الفقہاء مفتی عدالت عالیہ محمد رحمت علی خاں (۲۶) واللہ الغنی وانتم الفقراء (۲۷) حیدر علی (۲۸) سیف الرحمٰن (۲۹) سید عبدالحمید عفی اللہ عنہ (۳۰) یا سید حافظ (۳۲) محمد امداد علی عفی عنہ (۳۳) خادم شریف رسول الیقین قاضی القضاۃ محمد علی حسین۔ اس فتویٰ کا عکس جو سوتنتر دہلی اور نوائے آزادی میں شائع ہوا ہے۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴/۱۶۸-۱۶۹)

سوال و جواب کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء کے سامنے اصل مسئلہ یہ نہیں تھا کہ

انگریزوں سے جہاد جائز ہے یا نہیں، بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ اسلام نے مشروعیت جہاد کی جو شرطیں مقرر کی ہیں وہ پوری ہورہی ہیں یا نہیں؟

غلط بیانی:

بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سرسیّد احمد خان اور منشی ذکاء اللہ نے اس فتویٰ اوراس کے پس منظر کی غلط ترجمانی کی ہے، علماء کے موقف کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اور تحریک جہاد اور مجاہدین کی خلافِ واقعہ تصویر پیش کی ہے، سرسیّد صاحب کی مشہور کتاب ''اسباب بغاوت ہند'' سے دو اقتباسات پیش ہیں:

''اور یہ جو ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہوا، اگر ہم اس کو جہاد ہی فرض کریں تو بھی اس کی سازش اصلاح قبل دسویں مئی ۱۸۵۷ء مطلق نہ تھی، غور کرنا چاہئے کہ اس زمانہ میں جن لوگوں نے جھنڈا جہاد کا بلند کیا، ایسے خراب اور بدرویہ اور بداطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ ورنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا، بھلا یہ کیوں کر پیشوا اور مقتدا جہاد کے گنے جاسکتے تھے، اس ہنگامے میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوگی۔

دہلی میں جو فتویٰ جہاد کا چھپا وہ ایک عمدہ دلیل جہاد کی سمجھی جاتی ہے، مگر میں نے تحقیق سے سنا ہے اوراس کے اثبات پر بہت دلیلیں ہیں، کہ وہ محض بے اصل ہے، میں نے سنا ہے کہ جب فوج نمک حرام میرٹھ سے دہلی میں گئی، تو کسی نے جہاد کے باب میں فتویٰ چاہا، سب نے فتویٰ دیا کہ جہاد نہیں ہوسکتا، اگر چہ اس سے پہلے فتویٰ کی میں نے نقل نہیں دیکھی ہے، مگر جب کہ وہ اصل فتویٰ معدوم ہے، تو میں اس نقل کو نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں تک لائق اعتماد کے ہے، مگر جب بریلی کی فوج دہلی میں پہنچی اور دوبارہ فتویٰ ہوا، جو مشہور ہے اور جس میں جہاد کرنا واجب لکھا ہے، بلاشبہ اصل نہیں، چھاپنے والے اس فتویٰ کے نے جو ایک مفسد اور نہایت قدیمی بدذات آدمی تھا، جاہلوں کے بہکانے اور ورغلانے کو لوگوں کے نام لکھ کر اور چھاپ کر اس کو رونق دی تھی، بلکہ ایک آدھ مہر ایسے شخص کی چھاپ دی تھی جو قبل غدر مرچکا تھا، مگر مشہور ہے کہ چند آدمیوں نے فوج باغی بریلی اوراس کے مفسد ہمراہیوں کے جبر اور ظلم سے مہریں بھی کی تھیں۔'' (اسباب بغاوت ہند:۷-۱۰)

منشی ذکاءُ اللہ لکھتے ہیں:

''جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا، جہاد کے فتویٰ کا چرچا شہر میں بہت کم تھا، مساجد میں ممبروں پر جہاد کا وعظ کمتر ہوتا تھا، دلی کے مولوی اور اکثر مسلمان خاندان تیموریہ کو ایسا خولہ حبطہ

جانتے تھے کہ وہ ناممکن سمجھتے تھے کہ اس خاندان کی بادشاہی ہندوستان میں ہو مگر اس کے ساتھ جاہل مسلمانوں کو یہ یقین تھا کہ انگریزی سلطنت کے بدن میں یہ ایسا پھوڑا نکلا کہ وہ جانبر نہیں ہوگی۔"

یہ کام لچے شہدے مسلمانوں کا تھا کہ وہ جہاد جہاد پکارتے پھرتے تھے، مگر جب بخت خاں، جس کا نام اہل شہر نے کم بخت خاں، رکھا تھا، دلی میں آیا تو اس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کی فتح ہوگی تو وہ ان کے بیوی بچوں کو قتل کرڈالیں گے، اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کرکے جہاد کے فتوے پر دستخط ومہریں ان کی کرالیں اور مفتی صدرالدین نے بھی ان کے جبر سے اپنی جعلی مہر کردی لیکن مولوی محبوب علی اور خواجہ ضیاء الدین نے فتویٰ پر مہریں نہیں کیں، اور بے باکانہ کہہ دیا تھا کہ شرائط جہاد موافق مذہب اہل اسلام موجود نہیں۔

اس فتویٰ کا اثر یہ تھا کہ جاہل مسلمانوں کا جوش مذہبی زیادہ ہوگیا، جن مولویوں نے فتویٰ پر مہریں کی تھیں، وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے، مولانا نذیر حسین جو وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے، ان کے گھر میں ایک میم چھپی بیٹھی تھی اس فتویٰ پر کچھ مہریں اصلی اور کچھ جعلی تھیں، ایک مولوی کی مہر تھی جو غدر سے پہلے قبر میں سو چکا تھا۔ (تاریخ عروج عہد انگلشیہ: ۶۷۵)

سرسید مرحوم اور مفتی ذکاء اللہ دونوں کے درج بالا بیانات غلط اور خلاف واقعہ ہیں، اصل واقعہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے ان دونوں حضرات کے بیانات کا احتساب کرکے ان کو غلط ثابت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو علماء ہند کا شاندار ماضی: ۱۶۴/۴-۱۷۵)

"ایک طرف علماء کے فتویٰ سے مسلمانوں میں جذبۂ حریت پیدا ہوا، تو دوسری طرف پنڈتوں نے بھی ہندوؤں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا ماحول بنایا، منشی ذکاء اللہ خان کا بیان ہے:

ہندوؤں کے پنڈت، مسلمانوں کے مولویوں کی نسبت انگریزوں سے عداوت کرنے میں کچھ کم نہیں تھے، کئی دفعہ انھوں نے پتروں کو دیکھ بھال کر لڑنے کی شبھ مہورت نکال کر تلنگوں کو بتلائے اور ان کو یقین دلایا کہ ان میں اگر لڑنے جاؤ گے تو فتح پاؤ گے، ایک عجیب تماشا چاندی چوک اور بازاروں میں یہ دیکھنے میں آتا تھا کہ پنڈتوں کے ہاتھ میں پوتھیاں ہیں اور وہ ہندوؤں کو دھرم شاستروں کے احکام سنا رہے ہیں کہ انگریز ملکشوں سے لڑنا چاہئے، جب لڑائیوں میں تلنگوں کی لاشیں چارپائیوں پر ان کے سامنے آئیں تو وہ ہندوؤں کو اپدیش دیتے کہ ان سرگ باشیوں کی طرح سرگ میں چلے جاؤ، جن کے لئے نہ ارتھی کی ضرورت تھی نہ کرم کریا کی۔ (تاریخ عروج عہد انگلشیہ: ۶۷۶)

مگر اس جنگ میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے کم تھی، جب کہ ملک میں ان کی تعداد زیادہ تھی، مگر یہ جنگ مسلمان لڑ رہے تھے، ملک ان کے ہاتھوں سے چھینا گیا تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان

میں زیادہ طبقہ تھا، ہندو تو پہلے بھی عام شہری تھے اور اب بھی تھے، ان کا کچھ زیادہ نقصان نہیں تھا۔

اس موقع پر مسلم شعراء نے بھی جہاد کی اسپرٹ پیدا کرنے میں نمایاں حصہ لیا، اس دور میں حضرت مولانا لیاقت علی صاحب کی یہ چھوٹی سی نظم کافی مشہور ہوئی تھی:

واسطے دین کے لڑنا نہ پئے طمع بلاد
اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

مال و اولاد اور گھر کی محبت چھوڑو
راہِ مولیٰ میں خوشی ہو کے شتابی دوڑو

گر پھرے جیتے تو گھر بار میں پھر آؤ گے
اور گئے مارے تو جنت کو چلے جاؤ گے

(تاریخ بغاوت ہند: ۳۰۰، بحوالہ شاندار ماضی: ۴/ ۱۹۷)

غرض تمام اسلامی جنگوں کی طرح مسلمانوں نے اور بالخصوص علماء نے اس جنگ میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ لیا ہے۔

اب ان چند علماء کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں صف اوّل میں نظر آتے ہیں، یوں گمنام مجاہدین اور شہدا کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں سے متجاوز ہوگی، جن کا علم رب العالمین کے سوا دنیا میں کسی کو نہیں ہے، اور جن کو شایان شان اجر مالک یوم الدین کے سوا کوئی نہیں دے سکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی صدرالدین خاں کشمیری آزردہؔ

والد ماجد کا نام مولانا لطف اللہ کشمیری ہے، حدیث کی اجازت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے ملی، علوم عقلیہ مولوی فضل امام خیرآبادی سے پڑھے، تمام علوم وفنون میں یگانۂ روزگار تھے، ایام جنگ میں آپ دہلی میں صدرالصدور کے عہدہ پر فائز تھے، آپ ان مخصوص علماء وزعماء میں ہیں جنھوں نے جامع مسجد میں ہونے والے فقہی اجتماع کے فتویٔ جہاد پر دستخط کئے تھے، آپ کے مکان پر بادشاہ کے علاوہ تمام اکابر واعیان اور علماء وشعراء حاضری دیتے تھے، ہر وقت دربار کا سماں رہتا تھا، فصاحت وبلاغت اور اخلاق واحسان میں بے نظیر تھے، ۱۸۵۷ء کی جنگ میں آپ کی آنکھ سخت زخمی ہوگئی، روزگار جاتا رہا، املاک وجائداد جو تیس سال کی ملازمت سے حاصل کی تھی ضبط کرلی گئی، کئی ماہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارے، رہائی ملی، تو لاہور چلے گئے، پھر دہلی میں اپنی جائداد کی واپسی کی کوشش کی تو جائداد غیرمنقولہ واپس مل سکی، بستی حضرت نظام الدین میں کچھ دن رہے، پھر اپنی حویلی میں خلوت نشیں ہوگئے۔

شروع میں مفتی صاحب کے انگریزی حکومت سے بڑے اچھے تعلقات تھے، اسی لئے بڑے اونچے مناصب پر فائز رہے، لیکن جب یہ تحریک جہاد شروع ہوئی تو اس کے بھی بنیادی رکن قرار پائے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مفتی صاحب کا ایک اہم کارنامہ قابل ذکر ہے، کہ انقلاب کے موقعہ پر دہلی کی جامع مسجد پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا تھا، دو سال تک ان کا قبضہ برقرار رہا، اور یہ عظیم الشان مسجد سجدوں سے محروم رہی، مفتی صاحب نے شاہی خاندان کے ایک فرد مسند الٰہی بخش اور دیگر علماء دین شہر کے ساتھ مسجد کی واگزاشت کی کوشش کی، چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے حوالہ کی، اور اکابر شہر کی ایک مختصر سی انتظامیہ کمیٹی بنادی گئی، اس کمیٹی میں مفتی صاحب اور مولانا اکرام اللہ خان بھی شامل تھے۔ (غدر کے چند علماء، از مفتی انتظام اللہ شہابی: ۸۳)

آخر عمر میں ایک دو سال فالج میں مبتلا رہے، اکیاسی (۸۱) سال کی عمر میں یوم پنجشنبہ ۲۴؍ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔ (حدائق الحنفیہ: ۴۸۲)

نواب مصطفی خان شیفتہ

والد کا نام نوب مرتضیٰ خان بہادر، دہلی میں ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوئے، عظیم الدولہ، اور ''سرفراز ملک'' آپ کے خطابات تھے، ''شیفتہ'' تخلص کرتے تھے، بقول سرسید ''علمی قابلیت میں بدر منیر، اور ماہ تاباں، تقوی، طہارت اور خداپرستی میں زاہد شب زندہ دار تھے'' دہلی کے کامل فن اساتذہ سے عربی اور فارسی کی تکمیل کی، مولانا حاجی نور محمد صاحب دہلوی سے حدیث وقرأت کی کتابیں پڑھیں۔ شعروشاعری میں مومن خاں مومنؔ کے شاگرد ہیں۔

مجددی نقشبندی سلسلہ میں بیعت تھے، بڑے پابند شرع اور منکرات سے بچنے والے، آپ کے زمانہ میں نواب اور رئیس تو کیا مشائخ کے یہاں بھی سماع اور قوالی کا رواج تھا، مگر آپ کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ترنم کے ساتھ اشعار سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے، خود آپ کا قول ہے:

ڈر ہے کہ نہ ہو شوق مزامیر شیفتہؔ
ورنہ کبھی سماعِ مجرد سنا کروں

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں آپ پیش پیش تھے، اس سلسلے میں نواب ولی داد خاں رئیس مالا گڈھ سے وابستہ تھے، بادشاہ سے خط وکتابت کا کام آپ ہی کے سپرد تھا، تحریک ناکام ہوئی تو آپ گرفتار کرلئے گئے، مگر رعایت یہ ہوئی کہ سات سال قید کی سزا ہوئی، پھر نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال کی جان توڑ کوششوں کے نتیجے میں قید سے رہائی ملی، لیکن وظائف سرکاری بند اور ذاتی جائداد کا نصف حصہ بھی ضبط کرلیا گیا۔

ذیابیطس کا عارضہ تھا، آخر میں سرطان میں بھی مبتلا ہوگئے تھے، بڑی تکلیفیں جھیلنے کے بعد ترسٹھ سال کی عمر میں ۱۸۶۹ء میں انتقال فرمایا، اور درگاہ حضرت نظام الدین میں مدفون ہوئے۔

(شاندار ماضی: ۲۳۲/۴-۲۳۵)

مولانا امام بخش صہبائی شہید

والد کا نام مولانا محمد بخش تھانیسری تھا، سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت فاروق اعظم سے اور والدہ کی طرف سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے، دلی کالج میں فارسی کے مدرس تھے، خطاطی میں یدطولیٰ رکھتے تھے، ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حرف سونے چاندی کے عوض خریدے جاتے تھے، وہ بھکاری فقیروں کو ایک حرف لکھ کردے دیتے تھے جو ایک روپیہ کے نوٹ کی طرح ہر جگہ ایک روپیہ کا بکتا تھا۔ دلی کے کوچۂ چیلان میں قیام تھا، اسی محلّہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا گھرانا بھی آباد تھا، سرسید خان کا گھر بھی اسی محلّہ میں تھا، مولانا مملوک علی نانوتوی نے بھی اسی محلّہ میں مکان لیا تھا، مولانا قاسم نانوتوی کا قیام دہلی بھی اسی محلّہ میں تھا، بعد کے دور میں مولانا مفتی کفایت اللہ اور سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی بھی اسی محلّہ میں رہتے تھے، غرض یہ ایک تاریخی محلّہ تھا، اسی لئے دہلی میں سب سے زیادہ مصیبت اسی محلّہ کے باشیوں پر آئی، پورے محلّہ کے تمام مردوں کو قتل کردیا گیا یا گرفتار کرکے حاکم کے حکم سے دریا کے کنارے ان کو گولیوں سے بھون دیا گیا، مولانا صہبائی انہی گرفتار شدہ شہیدوں میں ہیں، جن کا خون دریا کی ریت میں جذب ہوگیا، مولانا کے خاندان کے اکیس افراد اس دن شہید کئے گئے، مولانا صہبائی کی شہادت کوئی معمولی بات نہیں تھی، جب یہ خبر آپ کے ہم عصر مفتی صدرالدین آزردہ کو ملی تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ شعر نکلا

کیوں کر آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

دہلی کے اتنے علماء اور اہل کمال شہید ہوئے کہ علامہ حالی نے اس کو ''دہلی مرحوم'' کا نام دے دیا تھا، حالی نے ایک پورا مرثیہ ہی دہلی کا لکھ ڈالا، چند اشعار پیش ہیں:

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوس نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی
ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

چپہ چپہ پہ ہیں یہاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز
غالبؔ و شیفتہؔ نیرؔ و آزردہؔ و ذوقؔ
اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز
مومنؔ و علویؔ و صہبائی ومنونؔ کے بعد
شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
بزم ماتم تو نہیں ، بزم سخن ہے حالیؔ
ہاں مناسب نہیں رو رو کے رلانا ہرگز

اور یہ معاملہ صرف دہلی تک ہی محدود نہ تھا، پورا ملک اس جذبہ آزادی سے سرشار تھا، اور ہر علاقہ کے مسلمان اہل علم اور اصحاب کمال بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے تھے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی

والد ماجد کا نام مولانا نجیب اللہ ہے، والد صاحب میرٹھ میں میر منشی کا کام کرتے تھے، اجداد کا اصل وطن پانی پت تھا، ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کیرانہ میں حاصل کی، پھر دہلی گئے، لال قلعہ کے پاس مولانا محمد حیات کے مدرسہ میں داخل ہوئے، اور تعلیم کی تکمیل کی، ۲۴؍رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق ۲؍مئی ۱۸۹۱ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے بارے میں منشی ذکاء اللہ نے لکھا ہے:

سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے؟ وہ بڑے عالم فاضل تھے، عیسائی مذہب کے رد میں صاحب تصنیف تھے، وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے، اس دانش مند مولوی کے نزدیک دہلی میں جہاد کی کوئی صورت نہ تھی، بلکہ ایک ہنگامہ فساد برپا تھا، وہ پھر کر اپنے وطن چلا گیا۔ (تاریخ عہد عروج انگلشیہ)

مگر یہ منشی جی کی غلط بیانی ہے، گرشتہ صفحات میں علماء کے جس فتویٰ کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، اس پر ایک دستخط محمد رحمت اللہ کے بھی ہیں، زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہی ہیں، اس لئے کہ اس دور میں اتنے بڑے علمی اجتماع میں آپ سے زیادہ بہتر نمائندگی کرنے والا اور شہرت رکھنے والا اس نام کا اور کوئی عالم نہیں ملتا۔

مولانا محمد میاں صاحب نے شاندار ماضی میں مولانا کیرانویؒ کے پڑپوتے مولانا عارف الاسلام کے مضمون کا ذکر کیا ہے، جس میں مولانا کی شرکت جہاد کی پوری تفصیل ذکر کی گئی ہے،

خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ مولانا نے اپنی جدوجہد کا مرکز کیرانہ ہی کو بنایا اور وہیں سے جہادی کام کا آغاز کیا، دراصل ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی یہ ساری سرگرمیاں دہلی سے مربوط تھیں اور بادشاہ تیمور کی سرپرستی اور مولانا سرفراز علی اور جنرل بخت کی زیرنگرانی انجام پارہی تھیں، مگر چوں کہ اس وقت کے قانون کے مطابق یہ بغاوت تھی، اس لئے یہ تمام سرگرمیاں باہم مربوط ہونے کے باوجود منتشر دکھائی پڑتی ہیں، ان میں کچھ وسائل کی کمی کا بھی دخل تھا، سرکار کی ناتجربہ کاری اور ناپختہ کاری کا بھی اور کچھ دشمنوں کی عیاری وچالاکی کا بھی اور غالباً اسی وجہ سے اتنی بڑی عظیم الشان تحریک چندماہ کے اندر ہی دم توڑ بیٹھی، تحریک کی ناکامی کے بعد جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو مولانا کے نام بھی وارنٹ جاری ہوا، مولانا بچتے بچاتے پنج سیٹھ کے مکھیا کے یہاں روپوش ہوئے، حکومت کو اطلاع ہوئی تو پوری فوج ادھر چل پڑی، مولانا مکھیا کے مشورہ پر کھرپا، لے کر گاؤں سے باہر کھیت میں گھاس کاٹنے بیٹھ گئے، فوج مولانا کے پاس سے گزری پورے گاؤں کا محاصرہ کرلیا گیا، مکھیا گرفتار ہوا، مگر آپ دستیاب نہ ہوسکے، آپ کو مفرور باغی قرار دے کر گرفتاری پر ایک ہزار روپے کے انعام کا اعلان ہوا۔

مولانا نے اپنا نام مصلح الدین بدل کر پاپیادہ دہلی کے لئے روانہ ہوئے، پھر دہلی سے جے پور اور جودھ پور کے مہیب ریگستان کو پیدل عبور کرتے ہوئے بندرگاہ سورت پہنچے، اس زمانہ میں سورت بندرگاہ سے بھی جہاز کا سفر آسان نہ تھا، بادبانی جہاز سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے روانہ ہوتا اور اسی طرح جدہ سے آتا تھا، مولانا کسی طرح جدہ اور پھر مکہ مکرمہ پہنچ گئے، آپ اور آپ کے خاندان کی ساری جائداد جو لاکھوں کی تھی، ضبط کرکے چند کوڑیوں میں نیلام کردی گئی، مولانا نے مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کی بنیاد ڈالی، جو آپ کی نہایت عظیم الشان یادگار ہے، فرحم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ڈاکٹر وزیر خاں

آپ کے خاندانی حالات کا پتہ نہیں، صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ بہار کے رہنے والے تھے، یورپ کا سفر کیا تھا، انگریزی کے علاوہ یونانی اور عربی زبانوں میں بھی کافی درک رکھتے تھے، یورپ سے واپس آکر آگرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، تاج محل کے قریب محلّہ کا غذیان میں آپ کی سکونت تھی، یہیں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے تعارف ہوا اور ذہنی وفکری ہم آہنگی نے دونوں عظیم ہستیوں کو انگریزوں کے مدمقابل لا کھڑا کیا، رجب ۱۲۷۲ھ مطابق مارچ ۱۸۵۶ء کا مناظرہ کافی مشہور ہے، پورے ملک میں اس تاریخی مناظرہ کی دھوم مچی تھی، پادری

فنڈر جو یورپ سے آیا تھا، کی بدترین شکست اسی مناظرہ میں ہوئی، جس کے بعد فنڈر کے لئے ہندوستان میں منہ دکھانا مشکل ہوگیا، وہ یہاں سے فرار ہوکر قسطنطنیہ چلا گیا، فنڈر کو شکست دینے والے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، اور آپ کے رفیق خاص یہی ڈاکٹر وزیر خان ہیں، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب فنڈر نے ترکی میں مسلمانوں کو چیلنج دیا، تو سلطان ترکی نے مکہ معظّمہ سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے جن شخصیتوں کا انتخاب کیا وہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر علی خان ہی تھے، جو اس سے قبل ہجرت کرکے مکہ معظّمہ پہنچ چکے تھے۔

ڈاکٹر وزیر خان ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں دہلی میں تھے، بہادر شاہ ظفر اور جنرل بخت خاں کی طرف سے آپ کو جنگی خدمات بھی سپرد کی گئی تھی، جنرل بخت خاں نے آپ کو لارڈ آف آگرہ بھی بنا دیا تھا، پھر جنرل بخت خاں کے ساتھ آپ لکھنؤ تشریف لے گئے، پھر جب ہر طرف ناکامی ہوئی تو چھپتے چھپاتے آپ مکہ معظّمہ پہنچ گئے، اور یہاں ڈاکٹری شروع کردی، جس میں آپ کی بڑی شہرت ہوئی، اور یہی آپ کی حفاظت کا ذریعہ بھی بنی، جس کی تفصیل مولانا محمد میاں صاحب نے شاندار ماضی میں اس طرح بیان کی ہے۔

کسی بدوی شیخ کی بیوی بیمار ہوئی، مرض لاعلاج تھا، اطباء مایوس ہوچکے تھے، بدوی رئیس نے سب سے مایوس ہوکر ڈاکٹر صاحب سے رجوع کیا، ڈاکٹر صاحب کے علاج سے اللہ تعالیٰ نے مریضہ کو شفا بخشی، یہ بدوی شیخ ڈاکٹر صاحب کا بہت ممنون ہوا، کچھ عرصہ بعد حکومتِ برطانیہ نے حکومت ترکیہ سے گفتگو کرکے ڈاکٹر صاحب کی حوالگی کی پروانہ حاصل کرلیا، جب بدوی سردار کو علم ہوا تو اس نے شریف مکہ کے پاس پیغام پہنچایا کہ ڈاکٹر وزیر خان میری امان میں ہیں، جب تک میرے قبیلے کے بیس ہزار (۲۰۰۰۰) افراد کٹ نہ جائیں گے، ڈاکٹر وزیر صاحب کو حوالہ نہیں کیا جاسکتا، شریف مکہ نے یہ رپورٹ حکومت ترکیہ کو پیش کردی، باب عالی (مرکزی حکومتِ ترکیہ) نے یہ پروانہ منسوخ کردیا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴/۳۱۳)

حضرت حاجی امداد اللہ ”مہاجر مکی“

آپ کی ولادت تھانہ بھون میں ۲۳/صفر ۱۲۳۳ھ مطابق ۳/جنوری ۱۸۱۸ء میں ہوئی، تاریخ وفات ۱۳/جمادی الاول ۱۳۱۷ھ ہے، والدین نے آپ کا نام ”امداد حسین“ رکھا تھا، ۲۷/سال کی عمر میں جب حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، تو حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے آپ کا نام بدل کر ”امداد اللہ“ رکھ دیا۔

حاجی امداد اللہ کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک پورے عہد کا نام ہے، ۱۸۵۷ء کی اس تحریک

میں آپ کا زبردست حصہ ہے، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ انگریزوں کے مظالم کا سلسلہ تو پورے ملک میں برسوں سے جاری تھا، اور ہر جگہ انگریزوں کے خلاف ہر چھوٹی بڑی تحریک کو کچلا جارہا تھا، اسی دوران تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی کے بھائی کا قصہ پیش آگیا، وہ ہاتھی خریدنے کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے، کسی نے مخبری کردی اور مسٹر سپینکی (Spankie) مجسٹریٹ سہارنپور نے ان کو گرفتار کرکے پھانسی پر لٹکوادیا، قصہ طویل ہے تفصیل کتابوں میں مذکور ہے۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴/۲۶۹-۲۷۰)

اس واقعہ سے پورے علاقے میں انگریزوں سے نفرت کی آگ جو پہلے سے دبی دبی سی تھی اچانک بھڑک اٹھی دہلی، میرٹھ اور دیگر علاقوں میں تحریک جہاد شروع ہوچکی تھی، اس مقامی واقعہ نے اس علاقہ میں بھی اس کے اسباب پیدا کردیئے، حضرت حاجی امداداللہ کی تحریک جہاد بھی اسی کا ایک حصہ ہے، تھانہ بھون میں ایک اجتماع بلایا گیا، جس میں حضرت حاجی صاحب کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حضرت مولانا حافظ ضامن شہید، حضرت مولانا منیر نانوتوی، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی، اور بہت سے علماء شریک ہوئے، مسئلہ زیر بحث یہ نہیں تھا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد جائز ہے یا نہیں، بلکہ اصل مسئلہ یہ درپیش تھا کہ موجودہ حالات میں موجودہ وسائل کے ساتھ جہاد کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اسلام کے مطابق شرائط جہاد موجود ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں معلوم حد تک صرف حضرت مولانا محبوب علی اور حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی کو تذبذب تھا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی کا مکالمہ دیوبند سے متعلق اکثر کتابوں میں مذکور ہے، حضرت شیخ محمد تھانوی جو حضرت حاجی امداداللہ کے پیر بھائی تھے، ان کو بنیادی طور پر دو اعتراض تھے۔

ایک تو یہ کہ ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں، دوسرے ہمارے پاس امارت نہیں ہے، جس کی نگرانی میں یہ کام کیا جائے، حضرت مولانا نانوتوی نے دونوں باتوں کا جواب دیا، کہ کیا ہمارے پاس بدر سے بھی کم وسائل ہیں؟ اور جہاں تک امارت کا مسئلہ ہے تو حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے، اور ایک علاقائی امارت قائم کرلی جائے، اس پر حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی خاموش ہوگئے اور ایک امارت قائم ہوگئی، امارت قائم ہونے کے بعد پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو حالات کے جائزہ کے لئے بھیجا گیا، دہلی مرکز سے رابطہ کرنے کے لئے نواب شبیر علی مرادآبادی کو جو بادشاہ ظفر کے مقربین اور بے تکلف مصاحبین میں تھے، دہلی بھیجا گیا، ظاہر ہے کہ دہلی خبر کرنے کا مقصد اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ اس مقامی امارت کو مرکز کے اتحاد سے

جوڑا جائے، اس سلسلے میں حلقۂ دیوبند کی مختلف کتابوں میں مختلف توجیہات کی گئی ہیں، لیکن ان حالات میں یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ دہلی میں بادشاہ کی سرپرستی میں جو مرکزی امارت قائم ہوئی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس مقامی امارت کو اس مرکزی امارت سے جوڑا جائے، تاکہ شرائط جہاد کی تکمیل ہوسکے، اور متحدہ قوت بنائی جائے، اور غالبًا اسی چیز کی پیروی بعد کے ادوار میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے کی تھی، انھوں نے بھی اپنی تحریک آزادی کے لئے افغانستان اور ترکی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی، جس کا قصہ بہت مشہور ہے۔

مقامی امارت کو دہلی کی مرکزی امارت سے مربوط کرنے کے بعد تھانہ بھون سے کارروائی کا آغاز کیا گیا، حضرت حاجی صاحب امیر، حضرت مولانا قاسم نانوتوی سپہ سالارِ افواج، حضرت مولانا گنگوہی کو قاضی اور دیگر حضرات کو بعض دیگر ذمہ داریاں دی گئیں، اور پھر انگریزوں کے خلاف باقاعدہ مہم شروع ہوئی، سہارن پور سے ایک انگریزی پلٹن شاملی آرہی تھی، جس میں توپخانہ اور جنگ کا بھاری ساز وسامان تھا، حضرت مولانا گنگوہی کی قیادت میں ایک فوجی دستہ روانہ ہوا، اور انگریزی پلٹن پر کامیاب چھاپہ ماری کی گئی، اور سارا ساز وسامان ضبط کرلیا گیا، پھر شاملی کا قلعہ فتح کیا گیا، لیکن اس کے بعد دہلی کی ناکامی کے بعد یہاں کا محاذ بھی ٹوٹ گیا، سارا قافلۂ جہاد منتشر ہوگیا، اور مجاہدین کے خلاف پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، حضرت مولانا گنگوہی گرفتار ہوئے، اور چھ ماہ جیل کی تکلیف اٹھائی، باقی حضرات روپوش رہے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تو امیر جماعت ہی تھے، آپ تھانہ بھون سے نکل کر مختلف مقامات پر روپوش رہے، کچھ دنوں پنجلاسہ ضلع انبالہ کے رئیس راؤ عبداللہ خان کے یہاں مقیم رہے، اس کے اصطبل کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں قیام تھا، انگریزوں کو خبر ہوگئی، تلاشی ہوئی، مگر حضرت کی کرامت کہ آپ ان دشمنوں کی نگاہ سے محفوظ رہے، قصہ بہت مشہور ہے، کچھ دنوں گڑھی پختہ ضلع سہارنپور میں روپوش رہے، یہاں بھی کرامت کا واقعہ پیش آیا، آخر ۱۲۷۶ھ میں ہجرت فرمائی، اور سندھ کے راستے سے کراچی پہنچے اور بحری جہاز سے مکہ معظّمہ کے لئے روانہ ہوگئے، اور پھر وہاں سے آپ نے وہ عظیم الشان کام انجام دیئے جن کے فیوض آج تک جاری ہیں۔

حجة الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی

حضرت نانوتوی اس انقلاب میں سب سے پیش پیش تھے، آپ کی شجاعت وبصیرت کے بہت سے واقعات مشہور ہیں، تحریک کی ناکامی کے بعد آپ کے نام بھی وارنٹ جاری ہوا، دوست احباب نے آپ کو روپوش ہوجانے کا مشورہ دیا اور ایک علیحدہ جگہ آپ کو پہنچادیا، مگر تین روز کے

بعد آپ باہر چلے آئے اور فرمایا کہ غارثور میں حضور ﷺ صرف تین دن ہی روپوش رہے تھے، اس سے سنت پوری ہوگئی، اس کے بعد آپ کبھی روپوش نہیں رہے، دوستوں نے لاکھ کہا، مگر آپ آزاد رہے، مگر خدائی حفاظت اور آپ کی حکمت عملی کی آپ دشمنوں کی دسترس سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

ایک بار چھتہ کی مسجد میں تھے کہ پولیس پہنچ گئی، آپ نے جوتیاں اٹھائیں اور باہر نکلنے لگے، کپتان پولیس نے خود آپ سے پوچھا، مولانا محمد قاسم کہاں ہیں؟ آپ ایک قدم اور آگے بڑھے اور پیچھے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ابھی یہاں تھے، اور یہ کہہ کر مسجد شاہ عزالدین کی طرف چلے گئے، پولیس اندر گئی تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ (سوانح قاسمی: ۲/۱۷۷)

حضرت خفیہ طور پر اپنے شیخ حضرت حاجی صاحب سے بھی ملتے رہے، حضرت نانوتوی اپنے شیخ کی طرح ہجرت کرنا چاہتے تھے مگر حضرت حاجی صاحب نے آپ کو روک دیا، نہیں، آپ کو ہندوستان ہی میں رہنا ہے، پھر اللہ نے آپ کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند قائم کرایا، جس سے ہندوستان میں اشاعت علم دین کا بے مثال کام انجام پایا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

حضرت گنگوہی بھی اس انقلاب کے اہم ترین رکن تھے، تحریک کی ناکامی کے بعد داروگیر کا بازار گرم ہوا، ملکۂ وکٹوریہ کی طرف سے معافی کے اعلان عام کے ۹ ماہ بعد جبکہ حضرت گنگوہی اپنے تحفظ کی ہر ممکن تدبیر فرمارہے تھے ایک گاؤں منہیاران جہاں آپ روپوش تھے، گرفتار کرلئے گئے، چھ ماہ جیل کی تکلیف اٹھائی، جمادی الثانیہ ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں آپ کی رہائی عمل میں آئی، رہائی کے بعد آپ نے حدیث وفقہ، اور تصوف وروحانیت کا وہ درس شروع فرمایا جس کے فیوض سے ایک عالم نے استفادہ کیا۔

مولانا محمد مظہر نانوتوی

والد ماجد کا نام حافظ لطف علی تھا، والد ماجد سے قرآن شریف حفظ کیا، مولانا مملوک علی، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی، وغیرہ سے علوم متداولہ کی تکمیل کی، بخاری شریف حضرت شاہ مولانا محمد اسحاق سے پڑھی، جہاد شاملی میں شریک رہے، پاؤں میں گولی لگی، علاج معالجہ کے بعد بھی پاؤں پر اس کا نشان باقی رہا تحریک کی ناکامی کے بعد آپ مسلسل روپوش رہے، جب خطرات سے آزاد ہوئے تو منظر عام پر آئے اور سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم کا آغاز فرمایا، جو آپ کی زبردست علمی یادگار ہے۔ حضرت گنگوہی سے پانچ سال بڑے تھے۔

۲۴/ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۶ء کی شب میں آٹھ بجے آپ نے انتقال فرمایا۔ (علماء

ہند کا شاندار ماضی: ۴/۳۰۴-۳۰۵)

مولانا محمد منیر نانوتوی

مولانا مظہر نانوتوی کے چھوٹے بھائی ہیں، شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی حفاظت کی نگرانی بھی آپ کے ذمہ تھی، تحریک کی ناکامی کے بعد جب داروگیر کا بادل چھٹا تو آپ نے ۱۸۶۱ء میں بریلی کالج کی ملازمت اختیار کرلی اور وہاں مطبع صدیقی کے کام میں اپنے بھائی مولانا محمد احسن نانوتوی کے شریک ومعاون ہوگئے، آپ دارالعلوم دیوبند کے دوسال مہتمم بھی رہے۔

حافظ ضامن شہید

آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پیر بھائی اوراس انقلاب کے خاص رکن تھے، شاملی کی جنگ میں انگریزوں کی گولیوں سے آپ کی شہادت ہوئی، آپ کی شہادت کے حادثہ کے ساتھ ہی دہلی، میرٹھ، اور مختلف علاقوں سے بری خبریں آنے لگیں۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حافظ ضامن کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا، ان کی شہادت سے پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام انگریزوں سے چھین لیا گیا، آج فلاں مقام پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہوا، مگر حافظ صاحب کی شہادت کے بعد پہلے پہل خبر آئی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، اور یہی حال ہر جگہ کی خبروں کا تھا، اس سے پہلے گورے فوجی چھپتے پھرتے تھے، ایک ایک سپاہی گوروں کی جماعت کو بھگائے پھرتا تھا، مگر بعد میں معاملہ برعکس ہوگیا، پہلے کسی کھیت میں گورا چھپا ہوا تھا تو کاشتکار عورت نے اسے کھرپے سے قتل کرڈالا، مگر بعد میں معاملات الٹ ہوگئے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام معاملہ جوش وخروش، جنگ وجدال کا حضرت حافظ محمد ضامنؒ کی شہادت کے لئے کیا گیا تھا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴/۲۸۰-۲۸۱)

مولانا عبدالجلیل شہید

آپ کے والد ماجد مولانا ریاض الدین (شارح قصیدہ بردہ) حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب دہلوی کے شاگرد رشید جامع مسجد علی گڑھ کے امام تھے، نہایت متقی اور پرہیزگار اور عوام میں مرکز عقیدت تھے، انگریز آپ سے ملنے کے آرزومند رہتے تھے، مگر آپ کو انگریزوں سے ایسی نفرت تھی کہ بہت کم ملاقات کی اجازت دیتے تھے۔

انقلاب کے دوران علی گڑھ کی زمامِ قیادت آپ ہی کے ہاتھ میں رہی، وہیں سے آپ نے

انگریزوں کے خلاف جنگیں لڑیں، اور علی گڑھ سے انگریزوں کو مار بھگایا، آخر مڈراک کی سڑک پر انگریزوں سے لڑتے ہوئے آپ شہید ہوگئے، اس دن آپ کے بہتر ساتھی شہید ہوئے، یہ تمام شہداء کو جامع مسجد لایا گیا اور شمالی دروازہ کے قریب دفن کیا گیا، مولانا عبدالجلیل کی شہادت کے بعد انگریزوں نے علی گڑھ پر قبضہ کرلیا، اور قتل عام شروع کردیا، مولانا کے بچوں کو وہاں سے نکال کر علی گڑھ سے تین میل دور ایک گاؤں رسول پور میں چھپادیا گیا، ادھر انگریزوں نے مولانا شہیدؒ کے مکان اور جائداد کو مسمار کرڈالا، بعد میں مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیل، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد ہوئے، اور بڑے علماء میں شمار کیے گئے۔ (شاندار ماضی: ۴/ ۳۱۷)

مولانا فیض احمد بدایونی

آپ کے والد ماجد کا نام حکیم غلام احمد تھا، بدایوں میں ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے، تین سال کے تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، والدہ نے تربیت کا کام انجام دیا، غضب کی ذکاوت وذہانت کے حامل تھے، صرف چودہ سال کی عمر میں تمام علوم منقول ومعقول حاصل کرلئے تھے، تھوڑی عمر ہی میں زبردست شہرت حاصل کرلی تھی، آپ اپنے نانا حضرت مولانا شاہ عبدالحمید صاحب سے بیعت ہوئے، اور مسند رشد وہدایت تک پہنچے، پادری فنڈر سے مناظرہ میں مولانا رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیرخان کے ساتھ آپ بھی شریک تھے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں آپ نے اہم رول ادا کیا، جنرل بخت خاں نے آپ کو خصوصی ذمہ داری دی، تحریک کی ناکامی کے بعد جب جنرل بخت خاں دہلی سے لکھنؤ روانہ ہوا تو مولانا بھی آپ کے ساتھ تھے، لکھنؤ میں مولانا شاہ احمد اللہ صاحب داد شجاعت دے رہے تھے، آپ ان کے ساتھ شامل ہوگئے، بدایوں اور نکرالہ کے معرکوں میں بھی آپ نے اپنی بہادری کا سکہ جمایا، مولانا شاہ احمد اللہ صاحب کی شہادت کے بعد ایسے روپوش ہوئے کہ آپ کے ماموں مولانا فضل رسول نے آپ کی تلاش میں قسطنطنیہ تک سفر کیا مگر کہیں سراغ نہ لگ سکا۔

منشی ذوالفقار الدین

والد کا نام وہاب الدین ہے، بدایوں کے مقوی خاندان سے ہیں، صاحب حیثیت تھے، انگریزوں سے خاص تعلق تھا، مگر جب اس انقلاب کی ہوا چلی تو آپ نے بھرپور حصہ لیا، بعد میں جب آپ گرفتار ہوئے تو جس انگریز کے یہاں آپ منشی کا کام کرتے تھے اس نے بہت اصرار کیا کہ منشی جی اپنے جرم سے انکار کردیں، تو رہا کردیئے جائیں گے، مگر مولانا نے جان دے دی مگر جھوٹ نہیں بولے۔ (شاندار ماضی: ۴/ ۳۶۳)

مولوی رضی الدین

بدایوں کے صدیقی شیخ تھے، انقلاب کے بعد گرفتار ہوئے، جج نے کہا کہ اگر شرکت کا انکار کردو چھوڑ دیا جائے گا، اور کئی دن تک اس نے یہی کہہ کر مہلت دی، مگر آپ نے جان دے دی لیکن آخر وقت تک صداقت پر قائم رہے۔

مولوی تفضّل حسین

قاضی ٹولہ بدایوں کے تحصیلدار تھے، جرم بغاوت میں آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔

حکیم تفضّل حسین

مولوی ٹولہ بدایوں کے رہنے والے تھے، مقدمہ چلا اور رہائی پائی۔

چودھری تفضّل حسین

محلّہ چودھری سرائے بدایوں کے رہنے والے تھے، والد کا نام چودھری محمد عظیم فاروقی ہے، انگریزی تسلط کے بعد عام معافی تک روپوش رہے، گھر جائداد سب ضبط کرلی گئی۔ ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

شیخ مسیح الدین

والد کا نام شیخ غلام محمد ہے، ہنگامۂ انقلاب سے قبل مختاری کرتے تھے، الزام بغاوت میں گرفتار ہوئے، ساٹھ بید لگے، آخری ضرب بید پر اللہ اللہ کہا، اس پر ظالم نے دس بید اور لگوائے، بے ہوش ہوگئے، ۱۹۲۲ء میں انتقال کیا۔ (شاندار ماضی: ۳۶۵/۴)

جنرل نیاز محمد خان

نہایت دلیر اور بہادر تھے، انقلاب ختم ہونے کے بعد بھاگ کر مکہ معظّمہ چلے گئے تھے، پھر کسی ضرورت سے بمبئی آئے اور گرفتار کر لئے گئے، بدایوں میں مقدمہ چلا، اور سزائے موت کا فیصلہ ہوا، پھر آپ کی اپیل پر اس سزا کو حبس دوام بعبور دریائے شور میں بدل دیا گیا۔

بدر الاسلام عباسی

بدایوں کے رہنے والے تھے، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں آپ نے اپنی شاعری سے لوگوں میں جذبۂ جہاد جگایا، آپ نے ایک نظم لکھی تھی، جس کا ایک مصرعہ تھا:

ع سر کمپنی کا کٹ کے بِکا پاؤ آنہ میں

اس جرم میں سزائے موت دی گئی۔

نواب مجو خان

اصل نام مجد الدین عرف مجو خان والد کا نام محمد الدین احمد خان تھا، آپ کے جد امجد قاضی

عصمت اللہ فاروقی عہد عالمگیری میں امیر تھے، اور مختلف صوبوں کے حاکم رہے، نواب صاحب مرادآباد کے عمائدین میں تھے، آپ کے گھر پر اصحاب علم وفن کا اجتماع رہتا تھا، مرزا غالب مراد آباد گئے تو انہی کے یہاں قیام رہا، انقلاب کے بعد آپ کو گرفتار کیا گیا اور موت کی سزا تجویز ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ان کو چولے کی بھٹی میں جلادیا گیا، ساری جائداد ضبط کرلی گئی۔

چودھری عبدالقادر عرب

نواب مجو خاں کے دوست تھے، آپ کی کُشتی کی شہرت دور دور تک تھی، انقلاب کے بعد آپ کو بھی موت کی سزا دی گئی۔

مولانا کفایت علی صاحب کافی شہید

مرادآباد کے خانوادۂ سادات کے رکن تھے، بڑے عالم، فاضل، طبیب اور قادر الکلام شاعر تھے، حضرت شاہ ابوسعید مجددی سے علم حدیث کی تکمیل کی، حدیث اور سیرت پاک سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ مرادآباد میں شروع ہوئی، تو آپ صف اول کے مجاہدین میں تھے، انقلاب کے دوران مرادآباد میں نواب مجو خاں کی حکومت قائم ہوئی تو آپ کو صدرالشریعہ کا عہدہ دیا گیا تھا، آپ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد مرتب کیا اور اس کی نقلیں مختلف مقامات پر بھجوائیں، بلکہ بعض مقامات پر آپ خود تشریف لے گئے، آنولہ ضلع بریلی میں خاص اسی مقصد کے لئے ایک ہفتہ سے زیادہ قیام فرمایا، جنرل بخت خان اور مولانا سرفراز علی صاحب سے آپ کی خصوصی مشاورت رہتی تھی، ۲۵/اپریل ۱۸۵۸ء کو مرادآباد پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا، مولانا کافی کچھ دنوں محفوظ رہے، ۳۰/اپریل ۱۸۵۸ء مطابق ۱۶/رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ کو مولانا گرفتار ہوئے، مولانا پر مختلف الزامات عائد کرکے ضابطہ کی کارروائی کی گئی، پھانسی کا حکم صادر کیا گیا، مولانا کافی کو جب پھانسی کے لئے لیجایا گیا تو آپ کی زبان پر ایک تازہ نظم تھی، جو بڑے ترنم سے بلند آواز سے پڑھ رہے تھے، نظم یہ ہے:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا

ہم صفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

نامِ شاہانِ جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں
حشر تک نام ونشانِ پنجتن رہ جائے گا

جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہوجائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

مولانا کافی کو مرادآباد کے پاس مجمع عام کے سامنے پھانسی دی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ (شاندار ماضی: ۴/ ۳۷۷-۳۳۹)

مولانا وہاج الدین مرادآبادی

والد ماجد کا نام مولوی جمیل الدین ہے، نہایت فیاض، مہمان نواز، زاہد، شب زندہ دار، اور باا ثر رئیس تھے، عربی، فارسی، اردو، انگریزی چاروں زبانوں میں مہارت تھی، آپ کے یہاں روزانہ شہر کے شرفاء اور اہل علم جمع ہوا کرتے تھے، علماء میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔

مولانا کافی صاحب، مولانا سرفراز علی صاحب، سید اکبر علی صاحب، سید گلزار علی صاحب، اور مولوی وزیر علی صاحب وغیرہ۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں آپ کا کردار نمایاں رہا، مرادآباد کے علاقہ میں آپ نے قائدانہ خدمات انجام دی، انقلاب کے خاتمہ پر جب داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا، تو مولانا وہاج الدین کی قیام گاہ کا ایک ان کے اپنے دسترخوان کے نمک خوار کی مخبری پر محاصرہ کیا گیا، مولانا تنہا تھے، مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے، مولانا کی ساری جائیداد ضبط کرلی گئی۔ (شاندار ماضی: ۴/ ۳۸۳-۳۸۵)

شاہ غلام بھولن سیوہاروی

مرادآباد کے مشہور قادری بزرگ ہیں، آپ کا مولد ومسکن سیوہارہ ضلع بجنور تھا، آپ کا لنگرخانہ سفرۂ ہر خاص وعام تھا، آپ سب کی مدد کرتے تھے، اس انقلاب میں آپ کی خدمات بھی بڑی اہم ہیں، ایک نمک خوار معتقد کی مخبری پر آپ کو گرفتار کیا گیا، اور جزیرۂ انڈمان بھیج دیا گیا، اور وہیں ۲/ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو انتقال فرمایا۔ (انوارالعارفین: ۵۴۷، مطبوعہ مطبع صدیقی دہلی، شاندار ماضی: ۴/ ۴۰۴-۴۰۶)

مولانا احمد اللہ شاہ شہید

مولانا سید احمد میاں نے آپ کا خوبصورت تذکرہ اس انداز میں شروع کیا ہے:

’’عزم وہمت، حمیت ملی اور غیرت وطن کا وہ شعلۂ جوالہ، جو ’’چنیاپٹن‘‘ سے اٹھا، دہلی اور

آگرہ میں چمکا، سرزمین اودھ میں چٹخا، روہیل کھنڈ میں شعلہ افشاں ہوا، پھر اسی کے ایک گوشہ میں محوسکون ہوگیا، اس کو ۱۸۵۷ء کی جان مضطرب کہا جائے یا شہدا، ۱۸۵۷ء کا سرتاج، دونوں درست۔ (شاندار ماضی:۴/۴۱۰)

مولانا احمد اللہ شاہ کے والد کا نام سید محمد علی نواب چنیاپٹن ہے، جو سلطان ٹیپو کے مصاحب تھے، اصل نام احمد علی ہے، مگر احمد اللہ شاہ سے شہرت ہوئی تعلیم وتربیت کے بعد روحانی طور پر حضرت قربان علی شاہ سے بیعت ہوئے، پھر گوالیار میں ایک بزرگ محراب شاہ قلندر سے مرید ہوئے، جنھوں نے جہاد کی شرط لگائی، جس کو انھوں نے بسروچشم قبول کیا، روحانی مدارج طے کرنے کے بعد سیاسی طور پر ملک کے حالات کی طرف توجہ کی، اور دہلی کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، دہلی کے بعد آگرہ، اور آگرہ کے بعد کانپور اور پھر لکھنؤ آپ کی سرگرمیوں کا مرکز رہے، آپ کو بڑی عوامی مقبولیت حاصل ہوئی، انگریز آپ کی مخالفانہ سرگرمیوں سے واقف تھے، مگر عوامی مقبولیت کی بنا پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے، بالآخر آپ کے مصاحبین کو رشوت وبدعنوانی اور دیگر مقدمات لگا کر پراگندہ کردیا گیا، پھر ایک مقابلے میں آپ کو زخمی حالات میں جیل بھیج دیا گیا، مئی ۱۸۵۷ء کی تحریک شروع ہوئی، تو آپ فیض آباد جیل میں تھے، مولانا سکندر شاہ فیض آباد میں مجاہدین کے قائد تھے، انھوں نے فیض آباد جیل پر دھاوا بول کر مولانا احمد اللہ شاہ کو رہا کرایا، لیکن خود گرفتار ہوگئے، مولانا احمد اللہ شاہ نے وہاں سے نکل کر پورے ملک میں آگ لگادی، اور فدایان وطن کو ساتھ لے کر لکھنؤ کا رخ کیا، لکھنؤ میں سخت معرکے ہوئے، یہاں کی ناکامی کے بعد شاہ جہاں پور آئے، پھر وہاں سے قصبہ محمدی میں اپنی حکومت قائم کی، اور اپنا سکہ جاری کیا، کابینہ کے ارکان درج ذیل تھے:

جنرل بخت خاں وزیر جنگ

مولانا سرفراز علی قاضی القضاۃ

ناناراؤ پیشوا (دیوان وزیر مالی)

مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب اکبرآبادی، مولانا فیض اللہ صاحب بدایونی، شاہزادہ فیروز شاہ، ارکان حکومت، لیکن ابھی حکومت پوری طرح جمنے بھی نہ پائی تھی کہ انگریزوں نے قصبہ محمدی پر حملہ کردیا، شاہ صاحب وہاں سے نکلے اور پوائیں کے راجہ کا رخ کیا، مگر اس نے غداری کی اور گفتگو کے نام پر اپنی گڈھی، میں بلوا کر گولیوں کی بوچھار کرادی، شہید ہوئے، صبح آپ کا سر کاٹ کر انگریز کلکٹر شاہ جہاں پور کو بھیج دیا، جو عرصہ تک کوتوالی پر لٹکا رہا، نعش کو آگ میں جھونک دیا گیا، سرکار برطانیہ کی طرف سے راجہ کو اس کے انعام میں پچاس ہزار روپے

نقد اور خلعت فاخرہ کا انعام ملا، مولانا احمد اللہ شاہ کی شہادت ۵/جون ۱۸۵۸ء مطابق ۱۳/ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ کو ہوئی، آپ کے ساتھ بہت سے علماء اور اصحاب کمال نے جام شہادت نوش کیا، یا انڈمان بھیجے گئے، ان کے نام یہ ہیں:

امیر احمد، شاہ آفاق، قطب شہید، رستم علی، اسماعیل خان، غلام محمد خان، کفایت اللہ تلہری، فرقان علی، محمد شاہ خان سعد اللہ خان شہید، نور احمد، احمد یار خاں تحصیلدار، نواب غلام قادر خان بٹول، عبدالرؤف خان، مولوی شیخ اعتقاد علی بیگ صاحب، مولوی امام بخش، سید باقر علی، مولوی نورالحسن صاحب، سید مراتب علی، خواجہ تراب علی، سید حسن علی، رحمت علی، مفتی ریاض الدین، مولوی غلام جیلانی، غلام مرتضی، شیخ محمد شفیع، مولوی عبدالصمد، مولوی منصب علی، مولوی محمد عظیم الدین حسن، رسول بخش، باسط علی صاحب، مومن علی صاحب، مولانا محمد قاسم صاحب دانا پوری، معین الدین صاحب، مولوی کریم اللہ خان صاحب، صدر الصدور وقاضی محمد کاظم صاحب، تاج الدین صاحب، طفیل احمد صاحب خیرآبادی، مولانا غلام امام شہید، مفتی عبدالوہاب گویا مئوی، ڈاکٹر وزیر خان، مولوی فیض احمد بدایونی، مفتی انعام الدین وغیرہ۔ (شاندار ماضی: ۴/۴۱۰-۴۳۴)

مولانا مفتی عنایت احمد کاکوریؒ

والد ماجد کا نام مفتی محمد بخش ہے، آپ کا خاندان بغداد سے دیوہ آکر آباد ہوا، پھر سسرالی نسبت سے آپ کے دادا کاکوری چلے آئے، مفتی صاحب ۹/شوال ۱۲۲۸ھ کو دیوہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کاکوری میں حاصل کی، پھر رام پور گئے اور علوم کی تکمیل کی، دہلی جاکر شاہ اسحاق صاحب محدث دہلویؒ سے کتب حدیث سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حدیث حاصل کی، مفتی صاحب بلند مناصب پر فائز رہے، مفتی، قاضی، صدر امین، صدر اعلیٰ کے مناصب حاصل ہوئے اور ان کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، بے شمار شاگرد ہوئے، بہت سی کتابیں لکھیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ شروع ہوئی، تو روہیل کھنڈ کے علاقے میں آپ نے بھرپور حصہ لیا، تحریک کے خاتمہ پر مفتی صاحب پر مقدمہ چلا اور عبور دریائے شور کی سزا تجویز ہوئی، جزیرۂ انڈمان میں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا، ایک انگریز کی فرمائش پر کتاب تقویم البلدان کا ترجمہ کیا، جو دو برس میں مکمل ہوا، اور وہی سبب رہائی بنا، رہا ہونے کے بعد کانپور آکر مدرسہ فیض عام قائم کیا، مفتی صاحب اپنے مصارف سے بہت سے طلبہ کی کفالت کرتے تھے، مفتی صاحب حج کے لئے جارہے تھے کہ جدہ کے قریب جہاز پہاڑ سے ٹکرا کر ڈوب گیا، مفتی صاحب بحالتِ نماز احرام باندھے ہوئے غریق و شہید ہوئے، یہ واقعہ ۷/شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے، صرف ۵۲/برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

علامہ فضل حق خیرآبادی

والد ماجد کا نام مولانا فضل امام ہے، ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں خیرآباد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مولانا فضل امام دہلی میں صدرالصدور تھے، آپ ہی کے زیر سایہ علوم کی تکمیل کی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز سے علم حدیث حاصل کیا، تیرہ سال کی عمر میں تمام عقلی ونقلی علوم کی تکمیل کرلی، چار ماہ اور چندروز میں قرآن مجید حفظ کرلیا، والد ماجد کے انتقال کے وقت علامہ کی عمر اٹھائیس سال تھی، علامہ بے پناہ علم وفضل اور شہرت وعظمت کے مالک تھے، لکھنؤ میں صدرالصدور تھے، ۱۸۵۷ء میں تحریک میں شروع میں تامل کیا، مگر مولانا احمد اللہ شاہ کی ملاقات کے بعد صدرالصدور سے استعفیٰ دے کر تحریک میں شامل ہوگئے، اور قائدانہ حصہ لیا، تحریک کے خاتمے پر روپوش رہے، پھر ملکہ وکٹوریہ کی عام معافی کے بعد مولانا اپنے وطن خیرآباد پہنچ گئے، مگر دوروز کے بعد ہی ایک مخبر کی مخبری پر گرفتار کئے گئے، اور عبور دریائے شور کی سزا تجویز کی گئی اور تمام مال واسباب حتی کہ کتابیں بھی ضبط کرلی گئیں، مولانا کو جیل میں بدترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کی دردناک تفصیل انھوں نے اپنی کتاب ''الشورۃ الندیہ'' (باغی ہندوستان) میں لکھی ہے، آخر میں رہائی کا پروانہ آگیا تھا، مگر پروانہ پہنچنے سے قبل ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہا، ۱۲/صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۲۰/اگست ۱۸۶۱ء کو انتقال ہوا۔

جنرل بخت خاں

سلطان پور کا رہنے والا تھا، تحریک کا سب سے زبردست نقیب یہی جنرل بخت خان تھا، اس نے آخری دم تک ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کی کوشش کی، یہی وہ شخص ہے جس نے پورے ملک کے لوگوں میں انقلاب کی آگ جلائی اور بڑی حدتک اس انقلاب کو منظّم کرنے کی کوشش کی، اللہ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

مولانا شاہ عبداللہ

آپ میرے پڑدادا حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفرپوری کے جدامجد ہیں، مولانا عبدالشکور آہ مظفرپوری حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے اخص تلامذہ میں تھے، مولانا عبداللہ کے لائق فرزند مولانا نصیرالدین کا شمار بہار کے مشہور ممتاز علماء وشعراء میں ہوتا ہے، مولانا عبداللہ صاحب کے بارے میں ہمارے خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ وہ دہلی کے مضافات میں رہتے تھے، اور بڑے صاحب علم وکمال تھے، ان کا خاندان برسوں قبل سمرقند سے ہجرت کرکے دہلی میں آکر آباد ہوا تھا، ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جب افراتفری مچی اور سلسلہ داروگیر شروع

ہوا، تو آپ چھپتے چھپاتے بہار پہنچے اور وہاں مظفر پور میں اقامت اختیار کی، آپ کے خاندان کے کچھ لوگ اب بھی مظفر پور میں آباد ہیں، لیکن خاندان کا وہ حصہ جو حضرت مولانا احمد حسن موردادی فرزند حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری سے چلا وہ اب بہار کے ضلع سمستی پور کے منورواشریف گاؤں میں آباد ہے، اوران کی دینی خدمات کا سلسلہ جاری ہے، ساتھ ہی حضرت منوروی کا روحانی سلسلہ آپ کے خلف صالح اور جانشین حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کے ذریعہ جاری وساری ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو قائم رکھے۔

شاهزاده فیروز شاه

یہ صاحب عالم مرزا ناظم بخت کا فرزند ارجمند تھا، جس نے بابر کی یاد تازہ کردی، اپنے والد کے زیر نگرانی علوم مروجہ کی تکمیل کی، اورفوجی تربیت حاصل کی، اسے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی، جب ہندوستان واپس پہنچا تو یہاں جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، اس نے بھرپور حصہ لیا، اور مجاہدین کی قیادت کی، دہلی میں ناکامی کے بعد لکھنؤ میں مقابلہ کیا، لکھنؤ خالی ہوا تو اپریل ۱۸۵۸ء میں مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کے پاس شاہجہاں پور پہنچا، اوران کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا، غرض اس نے ہر طرح سے اس ملک کو بچانے کی کوشش کی، اور کسی موڑ پر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا، جب ہر طرف سے ناکامی ہوئی، تو بڑی تکلیفیں اٹھانے کے بعد روس ہوتے ہوئے حجاز مقدس چلا گیا، اور مکہ معظّمہ میں اقامت اختیار کی، ۱۸۹۵ء میں انتقال کیا۔ (شاندار ماضی: ۴/۴۶۲-۴۶۶)

یہ تو گنتی کے چند نام ہیں، جن کا تذکرہ اس مختصر سے مقالہ میں کیا گیا، ورنہ نامعلوم کتنے گمنام مجاہدین ہیں، جنھوں نے اس انقلاب میں حصہ لیا، اوراپنا آخری قطرۂ خون بھی ملک وملت کے لئے نچھاور کردیا، جن کو رب العالمین کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن ان کی قربانیوں اورخونِ شہادت کی لکیروں نے تاریخیں بنائیں، اورقریب ایک صدی تک یہ تحریک آزادی کسی نہ کسی درجہ میں جاری رہی، جس کے نتیجہ میں ۱۹۴۷ء میں اس ملک کو آزادی ملی، اور یہاں کے لوگوں کو آزادی کی شام وسحر نصیب ہوئی، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے بزرگوں نے کسی دنیوی مفاد کے لئے نہیں کیا، بلکہ محض اللہ کی رضا کے لئے عبادت سمجھ کر کیا۔

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
تاریخ بتائے گی تم کو کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

❁ ❁ ❁

مزاح اور خوش طبعی اسلام کی نظر میں

اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے۔ جو دنیائے انسانیت کے لئے خالق کائنات کا ایک حسین تحفہ اور بے مثال نذرانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنفس نفیس اس کے احکام وقوانین وضع فرمائے ہیں۔ اور یہ احکام وقوانین عین انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور موافق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق انسانیت ہے۔ اسی نے انسانی فطرت اور مزاج تخلیق فرمایا ہے۔ لہٰذا اس سے زیادہ انسان کا مزاج شناش اور فطرت شناش اور کون ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلامی احکام اور قوانین میں جو انسانی مزاج اور فطرت کی رعایت نظر آتی ہے۔ بلاشک وشبہ اس کی نظیر اور مثال دنیائے انسانیت کے کسی قانون اور دستور میں دستیاب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود ساختہ انسانی قوانین کا ردوبدل اور ترمیم و تنسیخ کے بھینٹ چڑھنا ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ بنا ہوا ہے مگر قوانین اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ ہر ملک کے باسی اور ہر صدی کے پیدائشی انسان کے مزاج اور فطرت کے موافق و مطابق ہیں۔ فطرت سلیمہ نے کسی قانونِ شرعی میں ردوبدل کا نہ کبھی مطالبہ کیا ہے اور نہ کرے گی (انشاء اللہ) ہاں فطرتِ خبیثہ رذیلہ اس کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کسی حکم شرعی میں کوئی نقص یا خامی ہے بلکہ اس کی وجہ خود مطالبہ کرنے والی فطرت کا نقص اور کجی ہے۔ الغرض اسلام نے وضع قانون میں انسانی مزاج اور فطرت کی بدرجۂ اتم رعایت برتی ہے۔ خوشی ہو یا غمی، صحت ہو یا مرض، بچپن ہو یا جوانی یا بڑھاپا۔ شریعت نے ہر حال، ہر آن اور ہر مرحلہ پر انسانی مزاج کے موافق احکام وقوانین مقرر کیئے ہیں۔

مزاح اور خوش طبعی

مزاح اور خوش طبعی یا مذاق اور دل لگی ایک ایسی پرکیف اور سرور آگیں کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر انسان میں ودیعت فرمائی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ مادہ کسی میں کم تو کسی میں کوٹ کوٹ کر رکھا ہے سرور وانبساط کے موقع پر انسان سے بکثرت اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ بلاشبہ ایک

ایک عظیم نعمتِ خداوندی ہے۔ جو دلوں کی پژمردگی کو دور کرکے ان کو سرور وانبساط کی کیفیت سے ہمکنار کرتا ہے۔ عقل وفہم کے تعب وتکان کو زائل کرکے نشاط اور چشتی سے معمور کرتا ہے۔ جسمانی اضمحلال کو ختم کرکے فرحت وراحت سے آشنا کرتا ہے۔ روحانی تکدر اور آلودگی کو مٹا کر آسودگی کی نعمت سے روشناس کراتا ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ غمزدہ اور مصیبت کے مارے انسان کے سر سے غم واندوہ کے بادلوں کو ہٹانے اور چھٹانے کے لئے اسی نعمت سے کام لیا جاتا ہے۔

الغرض مزاح اور دل لگی انسانی فطرت کا ایک لازمی حصہ ہے جو خود خالق ومالک نے اس میں ودیعت فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فردِ بشر میں یہ مادہ معتد بہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ جو شخص اس عطائے الٰہی کو منجمد نہیں رہنے دیتا اس کو بروئے کار لاتا ہے وہ صحیح معنی میں فوائدِ کثیرہ اور منافعِ عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص اس ودیعت الٰہی سے استفادہ نہیں کرتا بلکہ بہ تکلف اسکو دباتا ہے۔ اپنے اوپر وقار اور سنجیدگی کا خول چڑھالیتا ہے اور اپنے آپ کو وقار اور تمکنت کا مجسم پیکر بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسے مغرور، متکبر، بدمزاج، بدخلق، نک چڑھا جیسے القابِ بے بہا سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے لئے افادہ اور استفادہ امر محال بن جاتے ہیں وہ چاہے کثیر وعظیم علوم کا امین ہو اور دیگر بہت سے خواص کا حامل ہو مگر اس کے ان خواص سے اہل عالم کما حقہ استفادہ نہیں کرپاتے اس کے برخلاف جو انسان اس نعمت خداوندی کو بروئے کار لاتا ہے۔ اسے منجمد نہیں رہنے دیتا اہل دنیا اسے متواضع، منکسر المزاج، خوش اخلاق، خوش طبع، خوش مزاج جیسے القاب سے نوازتے ہیں، اپنے متعلقین ومتوسلین میں وہ بڑا ہی مقبول ومحبوب ہوتا ہے۔ دنیا میں وہ ہر دلعزیز بن کر زندگی بسر کرتا ہے کثیر تعداد میں لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں نتیجتاً اس کی صلاحیتوں اور استعداد کو جلاء ملتی جاتی ہے اور اس کی قابلیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بہ ہمہ وجوہ امت کے فکر وغم میں مستغرق ہونے کے باوجود ان میں بھی ایک فطری جذبہ ہے۔ موقع اور محل کی مناسبت سے انسان سے اس کا صدور مطلوب ہے اور محمود بھی۔ جب شریعتِ اسلامیہ عین فطرتِ انسانیہ کے موافق ہے تو اس میں اس فطری جذبے یعنی مزاح وخوش طبعی کے احکام نہ ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔

مزاح کا شرعی حکم

ہماری شریعت تمام امور میں اعتدال پسند واقع ہوئی ہے، لہٰذا مزاح اور خوش طبعی میں بھی

اعتدال کوملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ موقع اور محل کی مناسبت سے احیاناً مزاح مباح بلکہ مستحب ہے۔ تواس کی کثرت اوراس پر مداومت مذموم قرار دی گئی ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:

اعلم ان المزاح المنهی عنه هو الذی فیه افراط ویداوم علیه فانه یورث الضحك وقسوة القلب ویشغل عن ذکر الله والفکر فی مهمات الدینِ ویؤول فی کثیر من الاوقاتِ الی الایذاء ویورث الاحقاد ویسقط المهابة والوقار فاما من سلم من هذه الامور فهو المباح الذی کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفعله علی الندرة لمصلحةٍ تطیب نفس المخاطب وموانسة وهو سنة مستحبة. (مرقاۃ ج۸ص۶۱۷)

(جان لوکہ مزاح وہ ممنوع ہے جوحد سے زیادہ ہواوراس پر مداومت کی جائے کیونکہ یہ بہت زیادہ ہنسنے اور دل کے سخت ہونے کا باعث ہے، ذکر الٰہی سے غافل کردیتا ہے اوراہم دینی امور میں غوروفکر سے باز رکھتا ہے۔ بسا اوقات ایذا رسانی تک پہنچاتا ہے۔ بغض وعناد پیدا کرتا ہے رعب وداب ختم ہوجاتا ہے لیکن جو شخص ان امور سے محفوظ ہوتو اس کے لئے مباح ہے جوخود رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھار کسی مصلحت کے پیش نظر مخاطب کو بے تکلف اور مانوس بنانے کے لئے انجام دیا اور یہ سنتِ مستحبہ ہے۔)

علامہ نووی کے اس کلام سے مزاح ممنوع ومستحب اور مذموم وممدوح کی تعیین ہوجاتی ہے کہ کثرتِ مزاح چونکہ بہت زیادہ ہنسنے، قلب کے سخت اور بے حس ہونے، ذکر الٰہی سے غافل ہونے وغیرہ امورِ مذمومہ کا باعث ہے اس لئے وہ ممنوع ہے اوراحیاناً مزاح سے یہ امورِ شنیعہ پیدا نہیں ہوتے اس لئے وہ سنتِ مستحبہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن حارث سے مروی ہے ما رأیت احداً اکثر مزاحاً من رسول الله صلّی الله علیه وسلم (مظاہر حق ج۵ص۴۸۵) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کثیر المزاح کسی کونہیں پایا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کثرتِ مزاح کے ان مفاسد سے محفوظ تھے لہٰذا آپ کے لئے وہ مباح تھا۔

ہمارے اکابر میں سے بہت سے حضرات اس وصف کے حامل رہے ہیں چنانچہ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کا کثرت مزاح معروف ومشہور ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آپ نہایت خوش مزاج تھے چنانچہ جب کوئی ان کے پاس آتا تو فرماتے دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولانا شیخ محمدؒ کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں مولوی صاحب ان سے پوچھ لے اوراگر

تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حضرت حاجی امداد اللہؒ کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں حاجی صاحب ان سے مرید ہوجا اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔

اور حد یہ کہ شہادت کے بعد بھی مزاح کی یہ فطرت جوں کی توں باقی رہی۔ چنانچہ ایک صاحبِ کشف حضرت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گئے بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے جاؤ فاتحہ کسی مردہ پر پڑھیو یہاں زندہ پر فاتحہ پڑھنے آگئے ہو۔ یہ کیا بات ہے جب لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں۔ (حکایاتِ اولیا ص ۲۲۲)

الغرض مزاح کی کثرت اور اس پر مداومت جس کے لئے مضر نہ ہو اس کے لئے سنتِ مستحبہ ہے اور جس کے لئے مضر ہو اس کے لئے ممنوع ہے مگر احیاناً مزاح ہر شخص کیلئے سنتِ مستحبہ ہے۔

پھر مزاح میں یہ امر بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ اس سے کسی کو ایذاء نہ پہنچے۔ کسی کی دل شکنی نہ ہو کیونکہ مزاح کہتے ہی ہیں ایسی دل لگی کو جس میں ایذاء رسانی اور دل شکنی نہ ہو۔ ثم المزاح انبساط مع الغير من غير ايذاءٍ فان بلغ الايذاء يكون سخرية (مرقات ج ۸ ص ۶۱۷) (پھر مزاح کسی کے ساتھ بغیر ایذاء پہنچائے دل لگی کرنا ہے اگر یہ ایذاء کی حد کو پہنچ جائے تو وہ سخریہ اور ٹھٹھا ہے) اور سخریہ اور ٹھٹھا منہی عنہ ہے چنانچہ ارشاد باری ہے: يا ايها الذين آمنو لا يسخر قوم من قومٍ. الايه (پارہ ۲۶ سورہ حجرات) ''اے ایمان والو کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے'' لہٰذا اس چیز کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔

پھر مزاح کا مبنی بر صدق وحق ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

عن ابی هريرةؓ قال قالوا يارسول الله اِنّكَ تداعبنا قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم انی لا اقول الاّ حقاً (مشکوٰۃ ص ۴۱۶)

(صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بھی ہمارے ساتھ دل لگی فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف حق بات کہتا ہوں)

یعنی اگر میں تم لوگوں سے مزاح اور دل لگی کرتا ہوں تو وہ بھی مبنی بر حق وصدق ہوتا ہے۔ جھوٹ پر مبنی نہیں ہوا کرتا۔

یہاں حضور ﷺ کے کچھ مزاحی واقعات نقل کئے جاتے ہیں تا کہ عاشقانِ رسول ﷺ کو مزاح کا سنت طریقہ معلوم ہوجائے اور متبعین سنت کے لئے یہ فطری جذبہ بھی دیگر متعدد فطری جذبات کی طرح عبادت بن جائے۔

عن انسٍ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان رجلاً استحمل رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فقال انی حاملك علی ولد ناقةٍ فقال ما اصنع بولد الناقةِ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھل تلد الابل الا النوق (مشکوٰۃ ص۴۱۶)

(حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول ﷺ سے سواری طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا تو سائل نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا تو رسول ﷺ نے فرمایا کیا اونٹنی اونٹ کے علاوہ بھی کسی کو جنتی ہے؟)

ملاحظہ فرمایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہاں سائل سے مزاح بھی فرمایا اور اس میں حق اور سچائی کی رعایت بھی فرمائی سواری طلب کرنے پر آپ نے جب اونٹنی کا بچہ مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا تو سائل کو تعجب ہوا کہ مجھے سواری کی ضرورت ہے اور اونٹنی کا بچہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس پر سواری کی جائے تو آپ ﷺ نے اس کے تعجب کو دور کرتے ہوئے اور اپنے مزاح کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی میں تجھے سواری کے قابل اونٹ ہی دے رہا ہوں مگر وہ بھی تو اونٹنی ہی کا بچہ ہے۔

عن انسؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لہ یاذاالاذنین (مشکوٰۃ ص۴۱۶)

(حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا اے دو کان والے)

رسول اللہ ﷺ کا حضرت انسؓ سے ''اے دو کان والے'' کہنا بھی ظرافت اور خوش طبعی کے طور پر تھا۔ اور ظرافت کا یہ انداز تو ہمارے عرف میں بھی رائج ہے مثلاً کبھی اپنے بے تکلف دوست سے یا ذہین طالب علم سے ناراضگی کا اظہار اس انداز میں کیا جاتا ہے کہ ایک چپت رسید کروں گا تو تمہارا سر دو کانوں کے درمیان ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ پہلے سے وہیں پر ہوتا ہے۔

عن انسؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لامرأةٍ عجوزٍ انہ لاتدخل الجنة عجوزٌ فقالت مالھن وکانت تقرء القرآن فقال لھا ما تقرئین القرآن اِنّا انشئاناھن انشاءً فجعلنٰھنّ ابکارًا (مشکوٰۃ ص۴۱۶)

(حضرت انس حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت قرآن پڑھی ہوئی تھی اس نے عرض کیا بوڑھی کے لئے کیا چیز دخولِ جنت سے مانع ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا ہم جنتی عورتوں کو پیدا کریں گے پس ہم ان کو کنواریاں بنادیں گے۔)

ایک اور روایت میں یہ واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ اس صحابیہ عورت نے جو بوڑھی تھیں آپ سے دخولِ جنت کی دعا کی درخواست کی تو اس پر آپ نے مزاحاً فرمایا کہ بڑھیا تو جنت میں داخل نہیں ہوگی، یہ سن کر بڑھیا کو بڑا رنج ہوا اور روتے ہوئے واپس چلی گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاکر اس عورت کو کہہ دو کہ عورتیں بڑھاپے کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اِنَّا انشئناهن انشاءً فجعلنٰهنّ ابكارًا"، حضور ﷺ کا مزاح اس واقعہ میں بھی مبنی برحق تھا مگر آپ نے ایک سچی بات کو مزاحیہ انداز میں بیان کرکے امت کو یہ تعلیم دی کہ کبھی کبھار مذاق اور دل لگی بھی کر لینی چاہئے۔

اور حضور ﷺ کے ایک مزاحی واقعہ پر تو مر مٹنے کو جی چاہتا ہے اور بے اختیار دل سے نکلتا ہے کہ کاش حضور ﷺ کا مذاق بننے والے اس صحابی کی جگہ یہ ناپاک ہوتا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بدوی صحابی زاہر بن حرام حضور ﷺ کے لئے کچھ دیہاتی اشیاء بطور ہدیہ لایا کرتے تھے حضور ﷺ بھی واپسی پر اسے کچھ شہری اشیاء ہدیۃً عنایت فرماتے تھے حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے زاہر ہمارا باہر کا گماشتہ ہے اور ہم اس کے شہر کے گماشتہ ہیں آپ ﷺ زاہر سے بڑی محبت فرماتے تھے ویسے زاہر ایک بدصورت آدمی تھے ایک دن آپ ﷺ بازار تشریف لے گئے تو زاہر کو اپنا سامان بیچتے ہوئے پایا آپ ﷺ نے اس کو پیچھے سے اپنے ساتھ اس طرح چمٹا لیا کہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے بغلوں کے نیچے سے لیجا کر اس کی آنکھوں پر رکھ دیئے تاکہ وہ پہچان نہ پائے (یہ افتاد دیکھ کر) زاہر نے کہا کہ کون ہے؟ چھوڑ مجھے۔ (پھر اس نے کوشش کرکے) مڑ کر دیکھا تو نبی کریم ﷺ کو پہچان لیا (اور پہچانتے ہی) اپنی پیٹھ نبی ﷺ کے سینۂ مبارک سے مزید چمٹانے لگا ادھر نبی کریم ﷺ یہ صدا بلند کرنے لگے کہ ارے کوئی اس غلام کا خریدار ہے؟ اس پر زاہر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بخدا آپ مجھے کھوٹا سکّہ پائیں گے، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹا سکّہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ ص۴۱۶) سبحان اللہ دو جہانوں کے سردار اور اللہ کے محبوب ہونے کے باوجود آپ کی یہ سادگی؟ اور ذرا سوچئے اس طرح کے بے تکلّفانہ رویہ پر حضرت زاہر کا دل بلیوں نہ اچھلنے لگا ہوگا؟ سیروں خون نہ بڑھ گیا ہوگا؟

عن عوف بن مالك الاشجعي قال اتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى غزوة تبوك وهو فى قبةٍ من ادمٍ فسلمت فردّ علىّ وقال فقلت أكلى يا رسول الله قال كلّك فدخلت (مشکوٰۃ ص۴۱۷)

(حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ اندر آجاؤ میں نے (مزاح کے طور پر) عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا میں پورا اندر داخل ہوجاؤ؟ تو آپ نے فرمایا ہاں پورے داخل ہوجاؤ، چنانچہ میں داخل ہوگیا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے اسقدر بے تکلف تھے کہ صحابہ آپ سے مزاح بھی کرلیا کرتے تھے۔

ایک انصاری صحابیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جا جلدی سے اپنے خاوند کے پاس اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے وہ ایک دم گھبرا کر خاوند کے پاس پہنچی تو خاوند نے پوچھا کیا مصیبت ہے؟ اس طرح گھبرا کر دوڑی کیوں چلی آئی؟ اس نے کہا کہ مجھے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے اس نے کہا ٹھیک ہے مگر سیاہی بھی تو ہے تب اسے اندازہ ہوا کہ یہ مزاح تھا اور ہنس کر خوش ہوئی اور فخر محسوس کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اس قدر بے تکلف ہوئے کہ میرے ساتھ مزاح فرمایا (لطائف علمیہ ص۱۰) اس کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کے بہت سے واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں جو مزاح کے سنتِ مستحبہ ہونے پر دال ہیں۔ لیکن یہ تمام واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ مزاح مبنی برصدق ہونا چاہئے اور اس میں ایذا رسانی اور دل شکنی کا پہلو نہ ہونا چاہئے بلکہ مخاطب کی دلجوئی اور نشاط آوری مقصود ہونی چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ سے بھی مزاح کے بے شمار واقعات مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، فاروق اعظمؓ اور علی مرتضیٰؓ ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے اس طرح چلے جارہے تھے کہ حضرت علیؓ بیچ میں تھے اور دونوں حضرات دونوں طرف۔ حضرت علیؓ ان دونوں کے مقابلہ میں کچھ پستہ قد تھے، حضرت عمرؓ نے مزاحاً فرمایا: ”عليٌّ بيننا كالنون في لنا“ یعنی علی ہم دونوں کے بیچ میں ایسے ہیں جیسے ”لنا“ کے درمیان نون ہے یعنی لنا کے ایک طرف کا لام اور دوسری طرف کا الف لمبے اور درمیان میں کا نون پستہ قد ہے اس طرح ہم دونوں طویل القامت اور بیچ میں علیؓ پستہ قامت ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا: ”لولا كنت بينكما لكنتما لا“ یعنی ”اگر میں تمہارے درمیان نہ ہوتا تو تم لا ہوجاتے اور کچھ بھی نہ رہتے“ کیونکہ لنا

کے بیچ سے نون ہٹا دیا جائے تو وہ ''لا'' رہ جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مزاح ایک فطری جذبہ ہے انسان سے اس کا صدور مذموم اور قبیح نہیں بلکہ ممدوح اور مقصود ہے اس کا صدور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی ہوا ہے صحابہ کرام سے بھی اور اولیائے کرام سے بھی۔ حضرت غوثِ اعظم پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی جلالتِ شان سے کون ناواقف ہے؟ کسی نے آپ کو ایک بہت ہی قیمتی چینی آئینہ ہدیۃً دیا تھا حضرت کبھی کبھی اس میں اپنا چہرہ دیکھ لیا کرتے تھے اتفاقاً وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اس کو بڑا ہی ڈر ہوا کہ حضرتؒ عتاب فرمائیں گے اس نے ڈرتے ڈرتے حضرت سے عرض کیا از قضاء آئینۂ چینی شکست (قضاء وقدر کی وجہ سے وہ چینی آئینہ ٹوٹ گیا) تو حضرت نے یہ سن کر فی البدیہ فرمایا خوب شد اسبابِ خود بینی شکست (اچھا ہوا کہ خود بینی کا ذریعہ اور سبب ٹوٹ گیا) (حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات ص ۵۰)

الغرض مزاح ایک سنتِ مستحبہ ہے جو لوگ اسے اپنی وقار اور شان کے خلاف سمجھتے ہیں وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں جبکہ یہ شان نبوت کے خلاف نہیں۔ شانِ صحابیت کے خلاف نہیں۔ شانِ ولایت کے خلاف نہیں۔ تو ہما شما کی شان کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟

البتہ یہ خیال ضرور رہے کہ ہمارا مزاح اور دل لگی کسی کی دل شکنی اور ایذاء رسانی کا سبب نہ ہو۔ اس سے آج کل کے مروجہ اپریل فل کا حکم بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ ناجائز اور حرام ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اس میں اتباع بالغیر اور تشبہ بالغیر لازم آتا ہے اور دوم اس وجہ سے کہ اس میں جو مزاح اور مذاق ہوتا ہے اس میں ایذاء رسانی اور لوگوں کو پریشان کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو مزاح مبنی برحق ہو لیکن اس میں ایذاء رسانی کا خطرہ ہو تو وہ بھی ناجائز کے زمرے میں آجائے گا۔ مثلاً کوئی سائیکل یا موٹر سائیکل سوار گذر رہا ہے اس کو کہا کہ آپ کی سائیکل کے پچھلے پہیّے گوم رہے ہیں حالانکہ یہ مزاح مبنی برحق ہے کہ واقعتاً پچھلے پہیّے گھوم رہے ہیں، مگر سوار غلط فہمی میں مبتلا ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے اور نتیجتاً زمین بوس ہوجاتا ہے ایسے مزاح سے پرہیز کرنا چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم.

اللہ تعالیٰ ہمیں جملہ امور میں اتباعِ سنت کی دولت سے سرفراز فرمائے، (آمین)

راجستھان، کرناٹک اور گجرات کے بم دھماکے سوچی سمجھی سازش کا حملہ

مہتمم دارالعلوم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا مذمتی بیان

مرنے والوں کو معاوضہ دینے کی اپیل

دیوبند ۲۹/جولائی:-

مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے راجستھان، کرناٹک اور گجرات میں سلسلہ وار ہوئے بم دھماکوں کو ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ بتایا ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ تینوں وہ ریاستیں ہیں جہاں بی جے پی کی حکومت ہے، ان دھماکوں کے فوراً بعد ایل کے اڈوانی کا یہ بیان آیا کہ ملک میں پوٹا قانون کا دوبارہ سے نفاذ عمل میں لایا جائے، ان سب باتوں سے دھماکوں کی غرض وغایت واضح ہوجاتی ہے۔ آنے والے سال میں لوک سبھا اور ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات ہونے والے ہیں۔ ان دھماکوں سے یہ واضح ہے کہ آتنک وادی پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وزیر امور داخلہ ہمیشہ سے ان کی مذمت کرتے چلے آرہے ہیں، خفیہ ایجنسیوں کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ جہاں کہیں اور جب بھی کوئی بم دھماکہ ہوا تو شک کی سوئی لشکر طیبہ فوجی ہوجی اور نہ معلوم کن کن تنظیموں کی طرف چلی جاتی ہے۔ وزیر اعظم بار بار کہتے آرہے ہیں کہ ''دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں''۔ ان دھماکوں کا ایک خاص انداز سامنے آرہا ہے کہ بم دھماکے بہت زیادہ شدت کے ساتھ نہیں ہوتے اور ان میں سائیکلوں کا استعمال ہورہا ہے، ان واقعات سے بخوبی واضح ہے کہ اس دہشت گردی کی جڑیں اندرون ملک خاص سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے مضبوط سے مضبوط تر کی جارہی ہیں اور کم خرچ پر زیادہ سے زیادہ نقصان ہورہا ہے۔ اس سے ہماری داخلی انتظامیہ کی کارکردگی پر سوالیہ نشان قائم ہورہا ہے۔ حالیہ دو بم دھماکوں میں ۵۰/ سے زیادہ افراد کے مرنے کی اطلاع ہے، زخمی ہونے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ سورت اور احمد آباد میں بموں کو ناکارہ بنایا جارہا ہے، کیرالہ، چنئی اور دلی میں ہائی الرٹ کردیا گیا ہے۔ ان حالات میں ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے خطرات پیدا کردیے ہیں، اس سلسلے میں مرکزی سرکار اور ریاسی سرکاریں شبہات کے گھیرے میں آرہی ہیں، سلامتی افواج کی ناکامی سے دہشت پسندوں کے حوصلے بلند ہوں گے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ احمد آباد میں بم دھماکے بنگلور میں ہوئے بم دھماکوں کے ایک روز بعد ہوئے جب کہ ریاستی انتظامیہ کو چوکس کردیا گیا تھا۔ یہ سب ایسے حالات ہیں کہ ہمارے سیاست دانوں اور رہنماؤں کو بخوبی سمجھ لینے چاہئیں۔

سردست تو مرنے والوں اور زخمیوں کو بڑی رقومات بطورِ امداد ملنی چاہیے اور اصل مجرموں کا پتہ لگا کر ان کو منظر عام پر لانا چاہیے، نیز یہ سب کام ذمہ داری سے انجام دیئے جانے چاہئیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوسکے۔ بلاشبہ یہ دھماکے ملک کی قومی یک جہتی کیلئے خطرہ ہیں انکی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔

جاری کردہ: دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنا□

دارُالعُلوم

شمارہ□□ -□	شوال-ذیقعدہ□□□ھ مطا□ اکتو□-نومبر□□□ء	جلد□□

نگراں
حضرت مولا□ □غوب الرحمٰن صا□ □
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مد□
حضرت مولا□ حبیب الرحمٰن صا□ □
ا□ذ دارالعلوم دیوبند

□سیل زر کا پتہ□ دفتر ماہنا□ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ □ □□

ہندو□ان سے فی شمارہ-□□روپے، سالا□-□□□روپے
□دی عرب، افریقہ، □طا□، ا□یکہ، □ڈا و□ہ سے سالا□-□□□روپے
بنگلہ دیش سے سالا□-□□□روپے، □کستان سے ہندو□انی رقم-□□□روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہر مضامین

نمبرشمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	احکام الٰہی اور حقوق انسانی کا جامع منشور خط حجۃ الوداع	ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر قاسمی	۷
۳	نگاہِ نبوت کی ضی	محمد حنیف ای	۲۶
۴	تحقیق الکلام فی بیان اللب لوجوب الاحکام	رشید احمد فری ی	۳۱
۵	اسلام، امن عالم اور احترام انسا س	سہیل اختر اڑ	۷۲
۶	دارالاسلام و دارالکفر ...	مولا یفہ و نوی	۸۱
۷	ای غاصب ری کا وجود....	محمد مونس قاسمی	۶۸
۸	ہندوتوا- دیتے ہیں دھوکا یہ زی کھلا	غلام رسول دیشمکھ	۹۱
۹	عالمی، غذائی، تو ئی، ماحو تی بحران کا مجرم...	ڈاکٹرا فاروقی	۹۵
۱۰	شیخ الحدی والتفسیر مولا ا سلمہ شفیع احمد بہاریؒ...	مولا رشید احمد فری ی	۱۰۰

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں ا سرخ نشان ہے تو اس ت کی علامس ہے کہ آپ کی مدت یاری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندو نی یار آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روا کر ۔
- چونکہ رجسٹری میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی میں صرفہ زا ہوگا۔
- کستانی حضرات جناب مولا شیر محمد صا ظم جامعہ مد ،کر رک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روا کر ۔
- ہندو ن کستان کے تمام یاروں کو یاری نمبر کا حوا دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمن اعظمی

یہ ت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آر.ایس.یس کو میں عمولی دلچسپی ہے۔ ہندو ان آئینی اعتبار سے کیسا ملک ہو، اس کے د ری ڈھانچہ کی شکل کیا ہو، ملک کی سی و اقتصادی لیسی کس نوعیت کی ہو و ہ کے تمام شعبوں کے رے میں اس تنظیم کے اپنے مخصوص نظر یات طے شدہ منصو اور متعینہ اصول ہیں جن کا اظہار اس کے سرسنگھ چالک اور دیگر اہم لوگ موقع موقع کرتے رہتے ہیں۔ اس کے وجود بھی اَ وہ سی تو پھر سی کسے کہا جائیگا۔

پھر یہ بھی ای زہ حقیقت ہے کہ یہ تنظیم رے طور فارشسٹ سی نظر یات سے متا ر ی کی بجائے آ ی کی حامی رہی ہے اور مضبوط ریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اس کے رہنماؤں نے ہٹلر اور مسولینی کے قومی و سی نظر یات سے اہ را ا دہ کیا ہے اور ان سے بیحد متا ہیں۔ اس کے ے روں نے اٹلی اور جا کر فاشزم کی تعلیم و بیت حاصل کی ہے۔ چناں چہ ہندو سماج کو فوجی بیت دینے کی ضرورت و اہمیت کوا ں نے اٹلی و کے ماڈلوں کو دیکھنے کے بعد ہی محسوس کی آج ملک میں اس کی شا ؤں کا جو جال ہوا ہے، وہ درحقیقت اسی فاشسٹ ذہنیت کی آبیاری کرتے ہیں اور ا شا ؤں کے ذریعہ ہندو فاشزم کے زہریلے اثیم نسل کے ا رسرا کیے جاتے ہیں۔

و میموریل میوز لا ی دلی میں ا متعدد ریکارڈ محفوظ ہیں جن میں ہٹلر اور مسولینی سے ان کے تعلقات کے ثبوت ہیں۔ اس ریکارڈ کے مطا سنگھ کے نی ہیڈ ار کے قریبی ساتھی، دو اور مشہور ہندو وادی .ایس نجے ہندو ن کے اولیں ر ہیں جن کا اٹلی و کے ان فاشسٹ حکمرانوں سے رابطہ ہوا۔ فروری، مارچ ء میں گول میز کانفرنس سے وا نجے نے

اٹلی کا سفر کیا۔ اور وہاں کے اہم فوجی اسکولوں اور اداروں کا بغور جائزہ لیا۔ اور اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی سے بھی ملاقات کی۔ اٹلی میں فاشزم کی تعلیم و تربیت کے لیے جو تنظیمیں اس وقت سرگرم عمل تھیں انھیں بھی قریب سے دیکھا چناں چہ مونجے اپنی ڈائری میں ان تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں بلِلّہ تنظیم کا ڈھانچہ اور اس کا نظریہ مجھے پسند آیا اور میں اس سے بیحد متاثر ہوا۔

اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اٹلی کی فوجی تنظیم نو کے لیے مسولینی نے خود اس تنظیم کو تشکیل دیا تھا۔ آگے مونجے لکھتے ہیں فاشزم کا نظریہ کس طرح لوگوں کو اتحاد کے بندھن میں باندھ سکتا ہے اس کا پتہ اس تنظیم کے دیکھنے سے اچھی طرح لگ جاتا ہے۔ ہندوستان، خاص کر ہندو بھارت کو بھی ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار کی قیادت میں ہماری تنظیم راشٹریہ سویم سیوک سنگھ بھی اسی طرز پر بنی ہے۔ ڈاکٹر ہیڈگیوار کی اس تنظیم کی ترقی اور مہاراشٹر اور اس سے باہر اس کی توسیع کے لیے میں تاحیات سرگرم عمل رہوں گا۔

یہ بات اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ آر.ایس.ایس اور مسولینی کی بلِلّہ تنظیم کے طریقۂ کار میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ بلِلّہ تنظیم میں سے سال کے لڑکے لڑکیاں شامل کی جاتی ہیں۔ ان کی ہفتہ وار میٹنگیں ہوتی ہیں جہاں وہ لوگ جسمانی ورزش اور فوجی مشقیں کرتے ہیں۔ آر.ایس.ایس کی شاخاؤں میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے۔

مونجے اپنی ڈائری میں یہ بھی انکشاف کرتے ہیں کہ

مارچ ء کو سہ پہر بجے میں مسولینی سے ملنے گیا۔ دروازہ پر آکر انھوں نے میرا پرتپاک استقبال کیا۔ دوران گفتگو انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں نے ان کی تنظیمیں دیکھی، میں نے بتایا کہ میں ان کی قائم کردہ بلِلّہ تنظیم سے کافی متاثر ہوا ہوں، اور میں مانتا ہوں کہ اٹلی کو ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے اور ہمارے ملک ہندوستان کو بھی۔ میں نے انھیں مقاصد کے تحت اپنے ملک میں بھی ایسی تنظیمیں قائم کی ہیں۔

ہندوستان واپس آکر مونجے نے اپنے دوست ہیڈگیوار کو کافی متاثر کیا جس کے نتیجے میں آر.ایس.ایس نے اپنے پلیٹ فارم سے مونجے کو فاشسٹ نظریات کی اشاعت و تبلیغ کی کھلی چھوٹ دے دی۔ چناں چہ اسی سلسلہ میں جنوری ء کو "فاشزم اور مسولینی" کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس کی صدارت خود ہیڈگیوار نے کی تھی اور مونجے نے اس میں افتتاحی تقریر کی تھی۔

اس کانفرنس کے چند ماہ بعد مارچ ء کو مونجے، ہیڈگیوار اور لالو گوکھلے کی ایک خفیہ

□ ہوئی، جس میں گوکھلے نے یہ سوال اٹھا□ کہ ہندوؤں کو کس □بیر سے منظّم کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں □نجے نے کہا کہ ہندوؤں کی مذہبی کتا□ں میں اس اتحاد کی بنیاد □ئی جاتی ہیں لیکن انھیں □وئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ قد□ زمانے کے ''شیواجی'' □ □□ دور کے مسولینی□ ہٹلر جیسے کسی ہندو ڈکٹیٹر کے □تھوں میں ہندو□ ان کی □گ ڈور ہو۔ ہمیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ای□ منصو□□تیب دے کر اس کی تشہیر و تبلیغ کے لیے سر□م عمل ہو جا□ چاہیے۔ اسی منصو□ کے مطا□ □نجے اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے □□□□ء میں مسولینی کے فکری و عملی طرز □ بھونسلا ملٹری اسکول قائم کیا گیا اور دی سینٹرل ہندو ملٹری ایجوکیشن سوسائٹی کی تشکیل کے لیے فضا ہموار کرنے کا کام شروع کرد□ گیا۔

آر.ایس.ایس کے □نی ہیڈ □ار □□□□ء سے □□□□ء تک □جس ہندو □ سبھا کے سکریٹری رہے □□□□ء سے □□□□ء تک □''ساورکر'' اس کے صدر رہے۔ جو اٹلی کے مسولینی کے مقابلہ میں □ □ کے ہٹلر سے ز□ دہ متا□ تھے انھیں کے زما□ میں □ سبھا کی مسلم □لفت کھل کر سامنے آئی اور ی□ت واضح ہوگئی کہ ان فاشسٹ تنظیموں کے نظریہ کے مطا□ مادرِ وطن کے مبینہ دشمن کون ہیں۔

□/اکتو□ □□□□ء کو مالیگاؤں میں تقر□ کرتے ہوئے ساورکر نے ہٹلر کی یہود دشمن □ لیسی کو در □ قرار دیتے ہوئے کہا ''ملک کی تعمیر اس کے اکثریتی فرقہ کو لے کر ہوتی ہے □ کہ اقلیتی فرقہ کو لے کر اس لیے □ □ میں یہود□ں کا کیا کام؟ اچھا ہوا کہ اقلیت ہونے کی بنا□ انھیں ملک □ر کرد□ گیا۔'' اس کے تقریباً دو ماہ بعد □/دسمبر □□□□ء کو ای□ موقع □ا□ں نے کہا۔ ''□ □ میں □ن لوگوں کی تحری□ قومی تحری□ ہے. □ کہ یہود□ں کی تحری□ فرقہ □ □□بنی ہے۔''

ان بی□ت کی روشنی میں ہندو□نی اقلیتوں کے سلسلہ میں ان کے نظریہ کو بخو□ سمجھا جاسکتا ہے۔

ہندو قوم □ □ں کے فاشسٹ نظریہ کی وضا□ □ و میموریل میں محفوظ □نجے کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو ا□ں نے '' □ ے'' کو لکھا تھا۔ اس میں □نجے □ی صرا□ سے لکھتے ہیں□

''مسلمان شرارت پسند ہوگئے ہیں کانگریس ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ اس لیے ہمیں گا□ھی اور مسلمان دونوں سے لڑ□ ہوگا، اس کے لیے آر.ایس.ایس کا استعمال آسان اور مفید ہوسکتا ہے □ □ کا مقابلہ آ□ کار رائفل سے ہی کر□ ہوگا۔''

ی□ ریخی شواہد صاف بتا رہے ہیں کہ آر.ایس.ایس اور ہندو □ سبھا جیسی تنظیمیں خالص

سیاسی پارٹیاں ہیں اور یہ تنظیمیں ہٹلر اور مسولینی جیسے ڈکٹیٹروں کو جنھیں ساری دنیا نے مسترد کردیا ہے اپنا آئیڈیل مانتی ہیں اور تشدد و جارحیت کے ذریعہ ہندوستانی اقلیتوں کو پامال اور مادر وطن سے انھیں باہر نکال پھینکنا ان کا بنیادی مقصد ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ کل کی جن سنگھ اور آج کی بھارتیہ جنتا پارٹی بھی دراصل آر.ایس.ایس ہی کا سیاسی حصہ ہے۔ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ ڈی، جے، پی کے بانی ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھرجی نے نہرو کابینہ سے مستعفی ہوکر ایک قومی سیاسی پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے اس وقت کے آر.ایس.ایس کے سرسنگھ چالک گورو جی ہی سے کارکن مانگے تھے چناں چہ انھیں سوئم سیوکوں کو لے کر مکھرجی نے باضابطہ طور پر بھارتیہ جن سنگھ کی تشکیل کی جس کے وہ خود صدر بنے اور پنڈت دین دیال اپادھیائے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ بعد میں کشمیر آندولن کے دوران گرفتار ڈاکٹر مکھرجی کی جیل میں موت واقع ہوگئی تو لگتا تھا کہ یہ نوزائیدہ پارٹی دم توڑ دے گی تو اس وقت آر.ایس.ایس کے سوئم سیوکوں ہی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس پارٹی کو زندہ رکھنے اور اسے بڑھانے کی بھرپور کوشش کریں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی اپنی یہ ابتدائی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس کا جنم آر.ایس.ایس ہی کے توسط سے ہوا ہے۔ علاوہ ازیں خود آر.ایس.ایس بھی اسے اپنی ہی پارٹی مانتی ہے۔ چنانچہ آر.ایس.ایس کے اشاعتی ادارہ سروچی پرکاشن سے شائع کتاب ''آر.ایس.ایس ایک تعارف'' میں جن پچیس تنظیموں کو اس نظریاتی تنظیم بتایا گیا ہے اس میں ایک نام بھارتیہ جنتا پارٹی کا بھی ہے۔

اپنی غلطیوں کی بنا پر اقتدار کی کرسی سے بید خل ہوجانے کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی نے آج کل اپنے جنم داتا آر.ایس.ایس کے حکم پر اڈوانی کو پھر سے پارٹی میں اولیت دی جارہی ہے، اڈوانی جی فرقہ پرستی، تنگ نظری، اقلیت دشمنی اور فسادات کروانے ہی میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتے ہیں، آر.ایس.ایس پریوار کا خیال یہی ہے کہ اڈوانی ماضی کی طرح اس وقت بھی ملک کو فرقہ پرستی کی آگ میں جھونک کر پھر سے اقتدار کی کرسی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

اس وقت ہندوستان کے افق پر دہشت گردی اور فرقہ پرستی کے جو بادل منڈلا رہے ہیں وہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستان والو

احکام الٰہی اور حقوق انسانی کا جامع منشور

خطبہ حجۃ الوداع

ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر قاسمی

نبی اکرم کی زندگی کے آخری رسال جس میں آپ نے کار نبوت انجام دیا، اس میں بھی بالخصوص مکی زندگی بڑی صبر آزما اور تکلیفوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس عرصے میں ایسی ایسی مشکلیں اور ال سامنے آئیں، جن کا آپ نے خندہ پیشانی اور حکمت سے مقابلہ کیا۔ چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنا آخری نبی منتخب کیا تھا اور ری د کے لیے اسوہ و بنایا تھا۔ اس لیے آزمائشیں بھی آپ کی زندگی کا گئی تھیں۔ کار نبوت انجام دیتے ہوئے جتنے کٹھن احل سے آپ کو ا، اتنا انبیائے سابقین میں سے کسی کے بھی حصہ میں آیا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے مقام و رتبہ کو تمام انبیا سے بلند کر دیا ورفعنا لك ذكرك اور اسی وجہ سے آپ کو ’رحمۃ للعالمین‘ کے خطاب سے بھی نوازا۔

نبی اکرم نے اپنی وفات سے سال قبل کار نبوت کا آغاز ’کوہ صفا‘ سے کیا تھا۔ آپ کی لگی اہل مکہ کے کانوں پہنچیں تو وہ آپ کے لف اور جان کے دشمن گئے۔ پھر بھی آپ نے اپنے فرائض کو انجام دینے میں کسی طرح کی کوئی کمی کی۔ لفت کی انتہا ہوگئی تو دل نخواستہ آپ کو اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنا ا۔ لیکن یہ عجیب ت ہے کہ جس کام کا آغاز آپ نے مکہ کے کوہ صفا سے کیا تھا اور شدید ری کی بنا اللہ کے حکم سے نقل مکانی کیا تھا، اس کی تکمیل بھی وہیں آکر ہوئی اور ٹھیک اسی مقام ہوئی، میدان عرفات کہا جاتا ہے۔ یہیں آپ نے اپنا ریخ ساز خطبہ دیا، ’’حجۃ الوداع‘‘ کہا جاتا ہے۔ اس خطبہ کے

رکن ادارۂ تحقیق و اسلامی، نبی نگر، دھوررا، علی ھ

بعد قرآن کر□ کی مندرجہ ذیل آ□□ □زل ہوئی جس میں تکمیل د□ کی صرا□ □ کی گئی ہے:

”الْيَوْمَ □ كْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ□تْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيناً۔“(المائدہ:۳)

□ آج ہم نے تمہارے د□ کو تمہارے لیے مکمل کرد□ اور اپنی نعمت تم □ تمام کردی اور تمہارے لیے اسلام کو د□ کی حیثیت سے قبول کر□ ہے۔□

□ رسال کی مدت میں قرآن کر□ □زل ہوا۔ اس میں ان تمام احکام کو بیان کرد□ جن سے انسا□ ہدا□ □ ورہنمائی حاصل کرسکتی اور نشان راہ متعین کرسکتی ہے۔ اس میں ان چیزوں کی بھی نشان دہی کردی گئی ہے جن سے د□ میں عروج وزوال اور انقلاب □□ ہوگا۔ گو□ کہ یہ □را عرصہ احکام □او□ی کے □ول کا □ زما□ ہے۔ اس میں اللہ کے رسول □ کا عمل یہ □ کہ جو کچھ □ا کی طرف سے □زل ہو□ پہلے خود اس □ عمل کرتے پھر اسے اس کے بندوں □ جوں کا توں پہنچادیتے۔

احکام □او□ی کا □ول حسب ضرورت گاہے گاہے ہو□ □ ہے۔ فتح مکہ کے بعد قر□ □ قر□ □ کار نبوت کی تکمیل بھی ہوگئی تھی۔ اس کے بعد□□ ھ میں آپ □ صحا□ کرام کی ا□ □ □ی □ □ کے ساتھ حج ادا کیا اور آپ □ نے انسانی حقوق کے تحفظ کا عالمی وا□ی خطبہ د□ جس میں □ری □□ رسا□ تعلیمات الٰہی کا خلاصہ آگیا ہے۔ آپ □ نے جس عہد، ماحول اور حالات میں خطبہ د□ وہ آج کے عہد سے □ لکل مختلف تھا۔ امتداد زما□ کے ساتھ اس کی اہمیت وافاد□ □ میں اضافہ ہی ہو□ جا□ ہے اور معنو□ □ □ھتی جارہی ہے۔ اس وقت د□ کی جو حا□ □ تھی اس کا ا□ازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بخو□ لگا□ جاسکتا ہے:

”آج سے □□□ رسو□ں پہلے □ □ کہ □ انسا□ □ نے اپنا خطبہ انقلاب ارشاد فرما□ تھا، اس وقت کی آ□ د د□ بہرحال آج کل کی طرح وسیع □ تھی۔ ا□ یکہ کے دونوں □ اعظم ہنوز گوشۂ □می میں تھے۔ آ□ یلیا در□ فت □ ہوا تھا، افریقہ کے □ے حصے □ آفتاب تمدن کی روشنی □ پہنچ سکی تھی، ایشیا و□رپ کے انتہائی شمالی علاقے اجاڑ اور □آ□ د تھے۔ □ں ا□ عرب، چین، ہندو□ن، ا□ان، عراق، شام، مصر، مغرب اقصیٰ، حبشہ، □□ن، اطالیہ، فرانس، اسپین، جنو□ روس، بحیرۂ □لٹک کا مشرقی اور جنو□ حصہ. □ لینڈ، اسکینڈے نیو□ اور □طا□ و□ ہ میں ا□ چہ تہذ□ □ و تمدن کی روشنی

موجود تھی، کہیں زیادہ کہیں مدھم۔ یعنی یہ ظاہر ہے کہ ہر جگہ تہذیبی ترقی یکساں ہوئی تھی نہ تمدن، مذہب، اور اخلاق ومعاشرت کا حال ایک جیسا تھا۔"[1]

ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے اس خطبے کو سنا۔ اس اجتماع میں نہ صرف انتہائی ادنیٰ قسم کے دیہاتی و بدوی موجود تھے۔ بلکہ وہ لوگ بھی تھے جو عرب کے انتہائی اعلیٰ واشرف شمار کیے جاتے تھے اور جو خود اپنے قبیلے یا خاندان کے سربراہ وسردار تھے۔ اس میں وہ لوگ بھی تھے جو علم وتقویٰ میں بڑی بلندی پر فائز تھے اور درِ رسول کے ساختہ، پرداختہ اور تربیت یافتہ تھے۔ اس تمام خطبہ کو سارے مجمع نے بیک آواز سنا اور کہا بے شک آپ نے اللہ کے احکام کو ہم تک پہنچادیا اور اسے ہم دوسروں تک پہنچائیں گے۔ اس اقرار کا عملی ثبوت بھی آپ کے اصحاب نے آپ کی زندگی میں اور آپ کے دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد پیش کیا، جس کی وجہ سے اسلام مختصر مدت میں دنیا کے انتہائی دور دراز خطوں میں پہنچ گیا، جس کی ایک جھلک مندرجہ ذیل اقتباس میں دیکھی جاسکتی ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:

"دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں اسلام مغرب میں اندلس تک اور مشرق میں ہندوستان اور سندھ تک پہنچ چکا تھا۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں برّ اعظموں پر اس کا سایہ پڑ رہا تھا اور ان کے شہروں سے لے کر میدانوں تک میں یقین وعمل کی بیداری پیدا ہو رہی تھی، مجاہدینِ اسلام اپنے جھنڈوں کے سایہ میں آگے بڑھ رہے تھے، ان کے پیچھے علمائے اسلام کتاب وسنت اور اپنی علوم کی بساط بچھاتے جاتے تھے اور عوام اسلام کے زیر سایہ امن وامان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر طرف اسلامی قدریں ابھر رہی تھیں، شہروں اور آبادیوں میں اسلامی تہذیب وثقافت کا چرچا ہو رہا تھا۔ عباد و زہاد کا مشغلہ زہد وتقویٰ، علماء ومحدثین کا حلقہ درس، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زور، کفر وشرک کے اندھیروں میں توحید ورسالت کی روشنی اور مشرق سے لے کر مغرب تک ایک قوم کا وجود، یہ تمام چیزیں ساری دنیا کو اقبال مندی کا مژدہ سنا رہی تھیں اور اس دور میں مسلمانوں کی دینی، علمی، فکری، ایمانی اور اسلامی قدریں پورے التزام ونشاط کے ساتھ ابھر رہی تھیں، مغرب اقصی اور اندلس سے لے کر خطا اور سندھ تک امت واحدہ کی تشکیل ہو رہی تھی، سندھ سے گزر کے ہندوستان کے بہت سے علاقے پہلی صدی ہجری کے آخر تک اسلام

کے ز آچکے تھے۔ بنی امیہ کے حکام وعمال اور ان کے بعد بنو عباسیہ کے حکمراں سندھ قا ودخیل تھے اور یہ علاقہ اسلامی خلافت کے ماتحت عالم اسلام کا ای قانونی حصہ قرار چکا تھا‘‘۔

اس ای منشور خطبہ حجۃ الوداع کے فذ ہوتے ہی قوموں وملکوں کی حا ل گئی۔ تہذی وتمدن نے جلوے دیکھے اور ذہن وفکر کو روشنی ملی۔ لیکن ریخ اسلامی کے طویل عرصہ کے بعد حالات نے رخ لا، لوگوں کے اردو کی جا محبت اور خودغرضی آئی اور طل حکومتوں کا وجود عمل میں آی تو اس الٰہی ونبوی منشور جس میں صرف حقوق انسانی کا احترام ملحوظ ہے بلکہ ومعا ت اور عبادات کے معیار کو بھی متعین وواضح کیا گیا ہے کی خلاف ورزی کی گئی اور طرح طرح کے اعتراضات کیے گئے۔ عوام کی توجہ اپنی طرف وز کرنے کے لیے مختلف ملکوں نے اپنے اپنے مفاد کے تحت متعدد منشور تیار کیے اور اس میں حقوق انسانی کا جس از میں استحصال کیا ہے وہ عیاں ہیں، بلکہ ان نکات میں جو مثبت شامل ہیں ان بھی عمل کم ہی کیا جا ہے۔ آ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ردسمبر ء میں حقوق انسانی کا چار تیار کیا د کا عالمی منشور قرار وہ بھی عیوب ونقائص اور خودغر وں سے خالی ہے، چہ جائے کہ اس کے قبول کرنے اور کرنے کے سلسلہ میں بظاہر اس کی رائے مختلف ہے۔ اس منشور کے ای دانش ور نے جو تبصرہ کیا ہے، وہ قابل حظہ ہے:

> ’’اس نقطہ کی اہمیت ومعنو ان لوگوں کے ذہنوں میں ز دہ اجاگر ہوسکے گی جو یہ جانتے ہیں کہ حاضر کی وہ د وی جو حقوق انسانی کی نقیب سمجھی جاتی ہے اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ردسمبر ء کو منظور کیا تھا، تجوی وسفارش سے ز دہ اہمیت تھی اور کسی مملکت کے لیے (Universal Declaration of Human Rights) کا تسلیم کر لازمی ولا ی ہے۔ ای کے بقول یہ منشور تحفظ حقوق انسانی کے معاملے میں لکل کارہ اور قابل اعتماد د وی ہے اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے۔ قانونی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی وزن ومقام ہے۔ اس منشور کی رو سے جو معاشی اور سماجی حقوق منظو کیے گئے ہیں وہ ای لغ نظر مبصر کے مطا ، اس کے تسلیم شدہ مفہوم کی رو سے حقوق ہی ہیں۔ یہ تو سماجی اور معاشی لیسیوں کے محض اصول ہیں۔ بلکہ کمیشن ائے

انسانی حقوق میں □□ء کو طے کیے جانے والے اصول کی روشنی میں گو□ منشور کے اعلان سے ای□ سال قبل ہی یہ طے ہوگیا کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت □ ہوگی، کوئی ملک چاہے تو اس منشور □ از خود رضا کارا□ طور □ عمل درآمد کرسکتا ہے اور چاہے تو ردی کی ٹوکری میں پھینک سکتا ہے۔''۱۳

قرآن کر□ کی تعلیمات اور حضور □ کے اقوال وافعال اس □ ت □ عادل وشاہد ہیں کہ اسلام میں جبر واکراہ کی گنجائش □ ۔ د □ کے معاملے میں ہر کوئی آزاد ہے۔ اس میں جو کچھ بھی بیان ہوا ہے وہ □ ری انسا س□ کے لیے ہدای□ ورحمت ہے۔ اس طغیانی دور میں بھی جو کوئی اس □ عمل کرے گا بلکہ عمل کرنے کی شدی□ ضرورت ہے تو عزت وبلندی کا مقام حاصل کرے گا اور کبھی بھی کسی کے سامنے اور کہیں بھی ذلیل ورسوا □ ہوگا۔ آپ □ نے اپنے اول اور آ□ ی حج میں جو خطبہ د□ ی وہ احکام الٰہی کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، جو □ ری انسا س□ کی فطرت اور ضرورت کے عین مطا □ ہے۔

□ ں تو □ را قرآن ہی انسا س□ کے لیے ہدای□ ورحمت اور شفا ہے، □ اللہ کے رسول □ لوگوں □ پہنچاتے اور احکام الٰہی سے متعارف کراتے رہے۔ اس میں □ صرف انسا س□ کے مقصد تخلیق کو واضح کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ نماز، روزہ، ز□ ۃ، حج کی ادا □ کے مطالبہ کے ساتھ توحید کے اقرار کو لازم قرار د□ گیا ہے، جس کے □ کوئی مومن ہی □ ہوسکتا۔ اس میں سماجی ومعاشرتی احکام بھی ملتے ہیں تو روز و□ ب□ ارنے کا پیما□ بھی متعین کیا گیا ہے۔ جا□ □ جا□ اور □ ل وحرام کی تمیز کرائی گئی ہے تو معا□ ت کو بھی اس میں متعین کیا گیا ہے۔ اَ□ جنگ و □ ال کا حکم □ □ صورت میں د□ گیا ہے تو اس کے ساتھ مومن کی اچھی صفت یہ بیان کردی گئی ہے کہ وہ معاف کرنے والا ہو۔ شوہر اور بیوی کے حقوق وتعلقات کو ظاہر کیا گیا ہے تو ماں □ پ کے ساتھ اچھا □ ؤ کرنے کو حصول درجات کا ذریعہ بتا□ گیا ہے۔ اَ□ اولاد کو اور مال کو فتنہ کہا ہے تو اسے عزی□ نعمت قرار دینے میں قرآن پیچھے □ ہے۔ وقت اور حا □ کے تحت دونوں کے مقام و □ تبہ کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اعزاء واقارب اور □ وسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم ملتی ہے تو اس میں اللہ کی دوسری مخلوق □ بھی ر□ وکرم کرنے □ زور د□ گیا ہے۔ اَ□ اس میں تعلیم □ وعلم کی اہمیت کو اجا□ کیا گیا ہے تو تقویٰ کو شعار بنانے □ بھی زور د□ گیا ہے۔ اَ□ اس کا تعلق □ م سابقہ سے ہے تو عہد حاضر کو بھی نظر ا□ از □ کیا گیا ہے اور آئندہ رونما ہونے والے واقعات کی بھی اس میں نشان دہی کی گئی

ہے۔گو کہ را قرآن سر ہدای اور معلومات کا ا ا ہے جس کے مثل کوئی کتاب ہو ہی سکی۔اسی قرآنی ہدای کی تعلیمات کو اللہ کے رسول نے اپنے خطبہ میں ا ر کے ساتھ بیان کیا ہے۔جس کی طرف توجہ وز کرنے کی شدی ضرورت ہے۔

فتح مکہ کے ساتھ اسلام رے خطہ عرب میں قری قری پہنچ گیا تھا۔اسے ں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کے رسول کے اس کام کی تکمیل ہوگئی تھی جس کے لیے اللہ نے آپ کو آ ی نبی بنا کر تھا۔کیوں کہ یہیں اسلام کا وہ عظیم تھا جہاں لوگ پہنچ کر ادا حج کرتے تھے۔ اہل اسلام کو مدینہ پہنچنے کے بعد مکہ آنے کا موقع کہ ادا حج کی سعادت حاصل کر ،اس لیے وہ چین و مضطرب رہتے تھے۔ حدیبیہ کا واقعہ اسی منظر میں رونما ہوا تھا۔پھر کفار مکہ کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ہوتے ہی آپ نے مکہ ھائی کردی اور اسے فتح کر جو ھ کا واقعہ ہے۔فتح مکہ کے بعد آپ مدینہ چلے آئے۔اگلے سال مسلمانوں کی ی حضرت ابکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فر حج کی ادا کے لیے مکہ گئی اور آپ مدینہ ہی میں رہے۔بعض سیرت نگاروں کے مطا اس وقت ارکان حج کی تکمیل ہوئی تھی اور اس کے احکام کا ول مکمل ہوا تھا۔ . اس کا ول ہوگیا تو آپ حج کرنے کے لیے عازم سفر ہوئے۔نبوت کے بعد آپ نے اپنا پہلا اور آ ی حج اسی سال یعنی ھ میں ادا کیا۔اس کے لیے آپ اپنے اصحاب کے ساتھ ر ذی قعد ھ ر مارچ ء کو مدینہ سے روا ہوئے۔جوں جوں آپ آگے ھتے جاتے لوگوں کا قافلہ آپ کے ساتھ ہو جا جو خوشی و مسرت سے سرشار تھے۔ لآ یہ قافلہ ر ذی الحجہ ھ ر مارچ ء میں اتوار کے دن مکہ پہنچا۔وہیں لوگ قیام ہوئے۔یہاں کہ ر ذی الحجہ کو نبی اکرم منیٰ کے لیے روا ہوئے ،ں سے ر ذی الحجہ کو نکلے تو ہ سے ر کر عرفات پہنچے اور یہاں وقوف فرما۔یہیں آپ نے اپنا ریخ ساز خطبہ دی۔ابتدائے حج اور خطبہ دینے کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے اصح السیر کے لکھتے ہیں:

”وہ سے ا کر حضور نے مکہ سے ہر قیام فرما اور تمام اصحاب م الترویہ یعنی ر ذی الحجہ آپ کے ساتھ وہیں رہے۔اتوار، پیر، منگل، ھ یہ چار روز آپ نے ں قیام فرما اور اس درمیان میں ا نماز قصر ادا کرتے رہے۔ جمعرات کے روز یعنی ر ذی الحجہ کو صبح کے وقت آفتاب بلند ہونے کے بعد تمام

اصحاب کے ساتھ منیٰ کی طرف روا ہوئے۔ جو لوگ ل ہو گئے تھے انہوں نے یہیں سے رذی الحجہ کا احرام ھا۔ احرام کے لیے یہ لوگ مسجد گئے، بلکہ مکہ سے ہر ہی احرام ھا۔ منیٰ میں پہنچ کر آپ نے ظہر اور کی نماز ھی اور رات کو وہیں رہے۔ یہ کی رات تھی۔ پھر کے روز آفتاب طلوع ہوا تو ضب کے را سے عرفہ کی جا روا ہوئے۔ را میں بعض اصحاب تلبیہ کہتے تھے، بعض تکبیر۔ آپ سنتے تھے کسی کو منع کرتے تھے۔ عرفات کے رب کی جا اس وقت ای قریہ تھا، جس کا م ہ تھا، آپ کے حکم سے وہیں آپ کا قبہ نصب ہوا تھا، اس میں آپ ا ے۔ آفتاب ڈھلنے کے بعد آپ کا قہ قصویٰ آ یا، اس آپ سوار ہوئے اور ں سے عرفہ کے وادی میں آئے اور ں او ہی وہ خطبہ عظیمہ ارشاد فرما جو اسلام کی سے ی دو ہے۔''

خطبہ حجۃ الوداع کا کرہ ہوتے ہی عام طور سے ذہن میں اس کا وہ حصہ دش کرنے ہے، جس میں چند بنیادی توں کے ساتھ انسا کا احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کا ذکر ملتا ہے۔ یہی حصہ کتب متون اور سیر میں بھی ملتا ہے۔ حالاں کہ یہ خطبہ اس سے بھی زیادہ طویل ہے جس میں اسا ت اسلام، اجتماعات، دینیات، عبادات اور معا ت کی تعلیم مختصر اور جامع ا از میں دی گئی ہے۔ اس موقع آپ نے خطبے ارشاد فرمائے تھے۔ پہلا رذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں، دوسر رذی الحجہ کو منیٰ میں اور تیسرا بھی رذی الحجہ کو منیٰ میں د۔ لیکن ان تینوں میں عرفات کا خطبہ زیادہ اہم ہے۔ تعجب کی ت ہے یہ خطبات یکجا کسی کتاب میں موجود ہیں۔ ا اس کے ا ار مختلف کتا ں میں منتشر ضرور ہیں۔ بعد کے زما میں سیرت رسول جو کام ہوا ہے اس میں بھی رے خطبات ملتے۔ کچھ سالوں قبل کستان سے ماہ نقوش کا خصوصی شمارہ ''رسول نمبر'' کے م سے شائع ہوا تھا جو ضخیم جلدوں مشتمل ہے، اسکی تکمیل کیلئے علمی د کی اہم شخصیات کی مدد لی گئی تھی، اس میں بھی را خطبہ ملتا۔ ا مولا غلام رسول حوم نے کافی حد اسکی تلافی کرنے کی کوشش کی ہے ہم وہ بھی مکمل ہے۔ اس کمی کا احساس راقم کو پہلے سے تھا۔ کیوں کہ میں نے ء میں علی ھ مسلم نیور کے ''سیرت ا '' کے مقابلہ ان نو نوان ''انسانی حقوق کا تحفظ خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی'' میں حصہ، تو اس کی تیاری میں بہت سی کتا ں کا مطالعہ کیا، کہیں مکمل خطبہ

۔سیرت نبوی ا سعد کی ت ی اہم مانی جاتی ہے اس میں بھی رے خطبہ کا ذکر ہے۔اس وقت سے ہی اس کی تلاش جاری تھی۔ چند دنوں قبل ای کتاب ''حجۃ الوداع'' نظر ی جو بیت ا لاہور سے ء سے شائع ہوئی ہے، تو ی خوشی ہوئی کہ اس کمی کا ازا ہوگیا۔کتاب کے وفیسر ڈاکٹر نثار احمد صا سا رئیس کلیہ ن وصدر اسلامی ریخ جامعہ کراچی ہیں۔انھوں نے رے خطبہ کومختلف ما کے مدد سے مع حوا دفعات کی شکل میں جمع کر ہے۔اس سے خطبہ کی افادی ھ جاتی ہے اور علم وتحقیق کی د میں ای چیز کا اضافہ ہوگیا ہے۔اس کے علاوہ اسی عنوان سے ای کتابچہ بھی شائع ہوا ہے، جس کے مولا فضل الرحمٰن اعظمی ہیں جو افریقہ میں ر مات انجام دے رہے ہیں، اس میں بھی تشنگی موجود ہے، جس سے قاری مطمئن ہو۔ وفیسر مذکور کی کتاب سے خطبے کا عر متن کرنے کے بجائے اس کا اردو جمہ یہاں نقل کیا جا ہے کہ اس کی اہمیت کا صرف ا ازہ لگا جاسکے بلکہ اس سے ری طرح ا دہ کیا جاسکے۔کیوں کہ بقول ای سیرت نگا

''ای عظیم الشان بین الاقوامی د وی ہے، جو صرف اپنے دور میں آ گے پیچھے کی کوئی مثال رکھتی، بلکہ آج بھی انسا کے س ا عظیم منشور حقوق موجود ہے، دینی تقدس کے ساتھ فذ کرنے کے لیے ای عالمی امس کام کرنے کے لیے تیار کی گئی۔اس کے بعض ا ار دور میں دوسروں کی د وی ات میں بھی ملتے ہیں۔ ان کاغذی پھولوں میں عمل کی خوشبو کبھی پیدا ہوسکی۔ پھر حجۃ الوداع کے اساسی عقا کے علاوہ بعض اہم ا ار ا ہیں جن کی قدرو سے ہماری آج کی د آشنا ہی ۔''۵

اس خطبہ نے انسانی د جوا ات ڈالے ہیں اور اس سے قوموں وملکوں کی حا زار میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے اسی سیرت نگار نے یہ بھی تحر کیا ہے

''خطبہ حجۃ الوداع ی ہی خو سے اس حقیقت کو اجا کر دیتا ہے کہ اب کے دو ہزار سا دو ریخ میں حضور آ الزماں وہ پہلی مبارک ہیں جو ساری انسا کے لیے وسیع اور جامع پیغام لے کر آئے اور اس پیغام کو ای تحر ی کی شکل میں جاری کیا، اس مبنی قائم کی اور اسے د کی تمام اقوام پہنچانے کے لیے شہدا علی الناس کی ای قائم کر دی۔''۶

خطبہ حجۃ الوداع

حصہ الف دیباچہ

تعریف اللہ کے لیے، ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کے دامن میں اپنے نفس کی شرارتوں اور ے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدای عطا کرے اس کو کوئی گمراہ کرسکتا اور جس کو وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدای دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود ، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی سہیم وشری اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد

الف لوگو

میری ت اچھی طرح سن لو، سمجھ لو، کیا خبر، شا اس سال کے بعد اس میری تمہاری قات کبھی ہو سکے۔

ب بندگان ا

آج کے بعد واللہ مجھے معلوم، شا میں تم سے اس مقام کبھی ل سکوں گا۔

ج لوگو

خاموش ہوجاؤ، تم لوگ اس سال کے بعد شا مجھے دیکھ سکو۔

لوگو

سن میں تمہیں وضا کے ساتھ کچھ بتادینا چاہتا ہوں، کیوں کہ شا اس سال کے بعد پھر کبھی تم سے ل سکوں۔

لوگو

حج کے مسئلے ئل مجھ سے سیکھ لو، میں جانتا، شا اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نو آئے۔

اللہ اسے زہ اور شاداب رکھے جس نے میری سنیں اور ا دوسروں پہنچا، بعض اوقات سننے والا سمجھ دار ہو اور کبھی جس کو پہنچا جائے، وہ اس سے

زدہ سمجھ دار نکلتا ہے۔

لوگو

تم لوگ شا مجھ سے آئندہ اس حال میں ل سکو جس حال میں اب مل رہے ہو۔

حصہ ب اسا ت

دفعہ لوگو

۔ تمہارا رب ا ہے اور تمہار پ ا ہے، تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔

۔ تم میں سے اللہ کے د معزز وہ ہے جو زدہ تقویٰ شعار ہے، شک اللہ علیم وخبیر ہے۔

۔ دیکھو کسی عر کو کسی عجمی اور کسی عجمی کو کسی عر اور کسی کالے کو کسی سرخ اور کسی سرخ کو کسی کالے، ہ کوئی فضلت وامتیاز ، ں تقویٰ کے س۔

دفعہ بندگان میں تمہیں تقویٰ شعاری اللہ سے ڈرنے کی وصیت کر ہوں اور تمہیں اس کی اطا کا حکم دیتا ہوں کیوں کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کے بندے اور اپنے خطبے کا آغاز ت سے کر ہوں۔

دفعہ جان لو جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں تلے رو ی گئی ہے۔

اب تمام آ ر جاہلیت کالعدم اور ساقط ہو گئے ہیں۔

۔ خبردا اہل جاہلیت کی ہر چیز میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔

۔ سن لو جاہلیت کا ہر خون انتقام مال اور آ ر جاہلیت خا انی، موروثی مفا میرے قدموں تلے قیا س کالعدم ٹھرائے جاتے ہیں۔

۔ اور جاہلیت کے تمام فخر وغرور عہدے آ ومفا ختم کیے جاتے ہیں، صرف سدا کعبہ کی نگرانی ونگہبانی اور سقایہ حاجیوں کو نی پلانے کے عہدے ق رہیں گے۔ قتل عمد کا قصاص جائے گا، قتل عمد کے مشا وہ قتل ہے جو لاٹھی پتھر سے وقوع میں آئے اور اس کی د سو او مقرر ہے۔ اس سے ز دہ جو طلب کرے گا وہ اہل جاہلیت میں شمار ہو گا۔

۔ اور ہر قسم کا سود آج ممنوع قرار ہے، ا تمہیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے، جس میں

اوروں کا نقصان ہے اور تمہارا نقصان، اللہ نے یہ ت طے کردی ہے کہ سود کی گنجائش ہے۔

۔ اور زما جاہلیت کے تمام سود سودی کار ر اب طل ہیں ۔ اور جہاں ۔ کہ عباس عبدالمطلب کے سود کا تعلق ہے تو وہ تمام کا تمام ساقط ہے ۔

۔ اور زما جاہلیت کے تمام خون کے لے، انتقام اب کالعدم ہیں ۔ اور اپنے خا ان میں سے پہلا انتقام میں معاف کرتا ہوں ربیعہ الحارث عبدالمطلب کے بچے کا ہے، جس کی رضا بنی لیث میں ہورہی تھی کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کردیا تھا، میں پہل کرتے ہوئے انتقام ئے جاہلیت میں سے خون کا معاف کرتا ہوں۔

۔ لوگو

الف شک ئی مہینوں کو اپنی سے ہٹا دینا ازدیاد کفر کا ہی ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں جاتے ہیں کہ ای سال تو اپنی نفسانی غرض سے اسے ل ٹھہراتے ہیں، پھر دوسرے سال کوئی ذاتی غرض ہو اس کو حرام کردیتے ہیں کہ اللہ نے جو کنتی حرام مہینوں کی مقرر کررکھی ہے اسے را کرلیں۔ اس طرح وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو ل اور اس کے ل کیے ہوئے کو حرام کرلیتے ہیں۔

ب دیکھو

اور اب زما گھوم پھر کر اسی آگیا ہے جہاں سے کائنات کی پیدائش کا دن شروع ہوا تھا۔ مہینوں کی گنتی تعداد اللہ کے دی سال میں رہ ہے۔ ان میں سے چار محترم، حرام ہیں کہ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم تو متوا ہیں اور ای الگ آتا ہے، یعنی ر. جو شہر مضر کہلاتا ہے اور جو دی الثانی اور شعبان کے بیچ ہے اور مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے، تیس کا بھی۔

کہا میں نے اپنی ت تم پہنچا دی ہے؟ تو مجمع نے کہا شک۔ آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا

ج سن لو حج قیامت اب ذی الحجہ کے مہینے کے ساتھ مخصوص رہے گا۔

دفعہ لوگو تمہیں معلوم ہے کہ تم کون سا مہینہ سایہ فگن ہے؟ تم کس دن میں یہاں جمع

ہو؟ کس شہر میں موجود ہو؟ نے کہا محترم شہر اور محترم مہینے میں آپ نے فرمایا

بے شک تمہارا خون ایک دوسرے پر حرام ہے۔

دفعہ اور تمہارا مال و

دفعہ تمہاری عزت و آبرو

دفعہ تمہاری کھال جلد، جسم، ان بھی ایک دوسرے کے لیے معزز و محترم ہے۔

جس طرح حرمت تمہارے اس دن کو، تمہارے اس مہینے کو، تمہارے اس شہر کو حاصل ہے یہاں تک کہ تم اللہ سے جا ملو۔

دفعہ میری بات سنو زندگی پا جاؤ گے اس شرط کے ساتھ کہ

۔ خبردار ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

۔ دیکھو ظلم و زیادتی نہ کرو۔

۔ خوب سمجھ لو ایک دوسرے پر ہم ظلم و ستم نہ کرو۔

حصہ ج اجتماعات

دفعہ اللہ کے بندو میری بات سنو اور سمجھو

بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

دفعہ خبردار ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام و محترم ہے۔

دفعہ اور ہر مومن دوسرے مومن پر حرام و محترم ہے۔ جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے

۔ اس کا گوشت اس پر حرام ہے۔

۔ کہ اسے کھائے، اس کی عدم موجودگی میں غیبت کرے۔

۔ اور اس کی عزت و آبرو اس پر حرام ہے کہ اس کی چادر عزت پھاڑ دے۔

۔ اس کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ اس پر تمانچے لگائے جائیں۔

۔ اور دہی بھی حرام کہ اسے پہنچائی جائے۔

۔ اور یہ بھی حرام کہ رسانی کے لیے اسے دھمکایا جائے۔

۔ اور کسی مسلمان کے لیے یہ بھی جائز سوائے اس کے کہ جو وہ اپنی خوشی سے دے۔

□۔ مال مسلم بھی □ل وجا□ □سوائے اس کے کہ وہ اپنی خوشی سے دے۔

□اور میں تمھیں بتاؤں کہ مسلمان درحقیقت ہے کون؟□

دفعہ□□ مسلمان وہی ہے جو اپنی ز□ن اور□تھ سے دوسرے لوگوں کو محفوظ رکھے۔

دفعہ□□ اور مومن درحقیقت وہ ہے جس سے دوسرے لوگوں کا جان و مال امن و عافیت میں رہے۔

دفعہ□□ اور □ □درحقیقت وہ ہے جو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے □رہ کشی کر لے۔

دفعہ□□ اور مجاہد تو دراصل وہ ہے جو اطا□ الٰہی کی خاطر اپنے نفس کا مقابلہ کرے۔

دفعہ□□ خبردا□ ا□ کسی کے □س اما □ رکھوائی جائے تو وہ اس □ت کا □بند ہے کہ اما □ رکھوانے والے کو اما □وا □لوٹا دے۔

دفعہ□□ قرض وا □ادا □کا متقاضی ہے۔

دفعہ□□ ادھار لی ہوئی چیز کو وا □کیا جا□ چاہیے۔

دفعہ□□ عطیہ لوٹا□ جائے۔

دفعہ□□ ضامن ضما □□وان□ کا ذ□دار ہوگا۔

دفعہ□□ دیکھو□ اب ا□ مجرم اپنے □م کا خود ہی ذ□دار ہوگا۔

دفعہ□□ جان لو□ اب □□پ کے □م کے □لے بیٹا پکڑا جائیگا اور □بیٹے کا □□پ سے □جائیگا۔

دفعہ□□ عورتوں کے □رے میں اللہ سے ڈرو، کیوں کہ تم نے ا □اللہ کی اما □کے طور□حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات □احکام□ کے تحت ان کے □تمھارے لیے □ل ہوئے۔

دفعہ□□ خبردا□ تمھارے لیے عورتوں سے □سلوکی کی وصیت ہے، کیوں کہ وہ تمھاری □بند ہیں اور اس کے سوا تم کسی معاملے میں حق □ □رکھتے۔

دفعہ□□ لوگو□ جس طرح عورتوں کے کچھ حقوق تمھارے ذ□ ہیں، اسی طرح ان □بھی تمھارے کچھ حقوق وا□ ہیں ۔ □سنو□ تمھاری عورتوں □جس طرح کچھ حقوق تمھارے وا□ ہیں، اسی طرح تمھاری عورتوں کا بھی تم □کچھ حق ہے۔□

□جہاں □تمھارے ان حقوق کا تعلق ہے جو تمھاری عورتوں □وا□ ہیں□ تو وہ یہ ہیں□

□۔ وہ کوئی کام کھلی □حیائی کا □کر □۔

□۔ وہ تمھارا بستر کسی ا□شخص سے □مال □کرائیں □تم پسند □کرتے۔

۔ وہ تمہارے گھر میں کسی ا شخص کو دا ہونے د تم پسند کرتے ہو، یہ کہ تمہاری اجازت سے۔

۔ اَ وہ عور ان توں کی خلاف ورزی کر تو تمہارے لیے اجازت ہے کہ

الف۔ تم ا بستروں اکیلا، تنہا چھوڑ دو۔

ب۔ ان سختی کرو شدی والی چوٹ مارو اَ مان ہی چاہو۔

دیکھو کچھ حقوق ان کے بھی تمہارے او عا ہوتے ہیں۔ مثلاً

۔ یہ کہ نے پینے، پہننے اوڑ خوراک ولباس کے رے میں ان سے اچھا سلوک کرو اَ وہ تمہاری فرمانی سے ز آجائیں اور کہا ما تو حسب حیثیت ان کا کپڑا خوراک، لباس، ان نفقہ تمہارے ذ ہے۔

اور عورتوں یہ بھی وا ب ہے کہ

۔ عور معروفات میں تمہاری فرمانی کر ۔

۔ اور اَ وہ فرماں داری کر تو ان کسی قسم کی زیادتی کا تمہیں کوئی حق ۔

۔ کوئی عورت اپنے گھر میں ا اجات کرے، ں اپنے شوہر کی اجازت سے۔

۔ جان لو لڑکا اولاد اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر وہ پیدا ہوا۔ بچہ شوہر کی اولاد متصور ہوگا

اور جس حرام کاری ہو اس کی سزا سنگ ساری ہے کار کے لیے پتھر اور ان کا حساب اللہ کے ذمے۔

۔ دیکھو کسی عورت کیلئے جا کہ وہ اپنے شوہر کا مال اسکی اجازت کے سی کو دے۔

۔ خبردار جس نے خود کو اپنے پ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کیا کسی غلام نے جان جھ کر اپنے آقا کے سوا کسی آقا سے نسبت قائم کی تو اس اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے دن اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا۔

دفعہ ۔ اور ں غلام، تمہارے غلام ان سے حسنِ سلوک کرو

الف۔ جو تم تے ہو اس میں سے ان کو بھی کھلاؤ۔

ب۔ جو تم پہنتے ہو اس میں سے ان کو بھی پہناؤ۔

ج اَ وہ کوئی ا خطا کر تم دیکھو کہ معاف کر سکتے تو اللہ کے بندوا
فرو کردو۔
ا بھیا سزا عذاب تو دو۔
۔ اور ان کے رے میں بھی تمہیں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، جو لو یں
تمہارے ز یتصرف ہیں، ان کو وہ کھلاؤ اور پہناؤ جو تم تے پہنتے ہو۔

حصہ دینیات، عقائ، عبادات، معا ت، اخلاقیات

دفعہ لوگو شک مجھے حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں سے لڑوں، یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں اور وہ اس کلمے کا اقرار کرلیں تو گویا انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا اور قی حساب اللہ کے ذمے ہے۔

دفعہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شری ٹھہراؤ۔

دفعہ اور کسی کی حق جان لو قتل کرو

دفعہ کاری زنا کرو۔

دفعہ اور ہی چوری سرقہ کرو۔

دفعہ لوگو اچھی طرح سمجھ لو میرے بعد کوئی آنے والا ہے اور تمہارے بعد کوئی امت ہوگی۔

۔ اپنے خطاب کے دوران رسول نے مسیح الدجال کا ذکر فرمایا، پھر ذکر میں کافی طول پکڑا، پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

۔ کوئی نبی ا را کہ جس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہو۔
میں بھی میں بلا شبہ تمہیں اس سے ڈراتا ہوں

۔ شک میری سے افضل دعا، بلکہ تمام انبیائے ماقبل کی یہی ہے
لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ له الملك وله الحمد بیده الخیر یحی ویمیت وھو علیٰ کل شیء قدیر

دفعہ خوب سن لو اپنے وردگار کی عبادت کرو، نماز پنج گا ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے رب کے گھر خا کعبہ کا حج کرو، اپنی ز ۃ خوشی خوشی دیا کرو، اپنے

حکام کی اطا کرو اس طرح ان امور کی انجام دہی کے بعد بطورا اپنے رب کی جنت میں دا ہو جاؤ۔

دفعہ اللہ سے ڈرو از و سیدھی رکھ کر تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیز پ تول میں کم کروا ور ملک میں فساد کرتے پھرو۔

دفعہ خبردا د میں مبالغہ آمیزی، انتہا پسندی سے بچو، اس لیے کہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں وہ د میں کی وجہ سے ہلاک کردی گئیں۔

دفعہ لوگو

دیکھو، ان اس ت سے تو شک لکل ما س ہو چکا ہے، کہ تمہاری اس سرزمین کبھی اس کی کی جائے گی، چو رہا وہ اس ت بھی راضی ہو گا کہ اس کے سوا چھوٹی چھوٹی توں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے، اپنے د وایمان کی حفاظت کی خاطر اس سے بچے رہنا۔

دفعہ لوگو

۔ اللہ نے میراث کہ میں ہر وارث کا ب اگا حصہ مقرر کر دیا ہے۔

۔ اس لیے وارث کے لیے تمام مال میں وصیت کر جا ۔

چنانچہ کسی کو ای تہائی سے زا مال کی وصیت کا حق ۔

بقول راوی پھر حضور نے ہمیں صدقے کا حکم دیا اور فرمایا

دفعہ صدقہ دیا کرو اس لیے میں جانتا، شاید تم آج کے بعد مجھے پھر دیکھ سکو۔

دفعہ اللہ کے م جھوٹی کرو، کیوں کہ جو اللہ کے م جھوٹی قسم ئے گا، اللہ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

دفعہ لوگو

۔ علم تعلیم، معلومات میں سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہو، لے لو۔ اس سے پہلے کہ وہ سمیٹ جائے اور قبل اس کے کہ علم کو اٹھا جائے۔

۔ خبردا علم کے اٹھائے جانے ختم ہو جانے کی ای شکل یہ بھی ہے کہ اس کے جا والے ختم ہو جائیں۔

آپ نے یہ ت تبہ فرمائی۔

دفعہ دیکھو

- ہیں جن میں مومن کا دل دھوکہ فریب کا شکار ہوتا۔

یعنی

الف عمل میں اخلاص کہ صرف اللہ کے لیے۔

ب مسلمان حا ان کی خیر خواہی میں۔

ج عام مسلمانوں کی سے وابستگی میں، کیوں کہ ان مسلمانوں کی دعائیں ا گھیرے رہتی ہیں اس سایہ فگن رہتی ہیں۔

- اللہ نے ا کوئی بیماری دکھ، پیدا کی جس کی دوا ری ہو، سوائے ھا کے۔

دفعہ لوگو میری ت سمجھو کیوں کہ میں نے کچھ تم پہنچا ہے

- میں نے تمہارے درمیان ا چیز چھوڑ دی ہے کہ تم کبھی گمراہ ہوگے اگر مضبوطی سے تھامے رہے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

- اور میں نے تمہارے درمیان ا چیز چھوڑ دی ہیں کہ اگر ان کو تھامے پکڑے رہے تو پھر کبھی بھی گمراہ ہوگے۔ صاف وروشن اللہ کی کتاب اور اسکے نبی کی سنت۔

دفعہ لوگو سنو اور اطا کروا چہ تمہارے او کوئی کٹا حبشی غلام امیر بنا جائے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ کے احکام کو قائم فنذ کرے۔

دفعہ جان لو

- ہر نبی کی دعوت رچکی ہے، سوائے میری دعوت د وشریعت کے، کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہے میں نے اس کو اپنے وردگار کے س قیامت کے لیے ذخیرہ جمع کر ہے۔

- اما بعد انبیاء السلام قیامت کے دن کثرت تعداد فخر کر گے، تم مجھے اپنی اعمالیوں کے سبب رسوا کر دینا، میں حوض کو تمہارے انتظار میں رہوں گا۔

- خبردار میں حوض کو تم سے پہلے پہنچوں گا اور دوسری امتوں تمہاری کثرت کے سبب فخر کروں گا، تو کہیں میری رسوائی کا جا۔

۔ سنو میں بعض کو شفا کر کے چھڑالوں گا، بعض لوگ مجھ سے چھڑالیے جائیں گے۔ پھر میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میرے اصحاب امتی ہیں؟ اللہ فرمائے گا کہ آپ جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا عتیں کرڈالی تھیں۔

دفعہ خبردا میرے بعد کہیں کافر جا کہ آ میں ای دوسرے کی د مارنے لگو۔

دفعہ اور س سنو

۔ تم اپنے رب سے ملوگے تو اللہ تم سے تمہارے اعمال کے رے میں ضرور ز س کریگا۔

۔ جو د میں رہتے ہوئے وقت آ ت کو ہی اپنے نظر رکھے گا تو اللہ اسے دل جمعی عطا کرے گا اور اسے اس کی آنکھوں کے سامنے د میں ہی زی وتونگری عطا کرے گا اور د اس کے قدموں میں سرنگو ہو کر خود آئے گی، لیکن جو د کو ہی ب ومقصود قرار دے گا تو اللہ اس کے معا ت کو منتشر ومتفرق کردے گا اور وہ آدمی د میں ہی اپنی آنکھوں کے سامنے ا س وتنگ د دیکھ لے گا اور د میں سے تو اسے اتنا حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے لیے مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔

دفعہ دیکھو اب تم نے مجھے جی بھر کر دیکھ بھی ہے اور مجھ سے ان تمام توں کو سن بھی ہے، تم سے عنقری میرے رے میں چھا جائے گا تو سچ سچ بت جس نے بھی مجھ جھوٹ ھا تو وہ اپنا میں بنالے گا۔

دفعہ دیکھو

۔ جو یہاں موجود ہے وہ حاضر میری یہ ب ضرور پہنچادے۔

۔ شا کہ بعض ا کہ جن یہ پہنچیں گی یہاں موجود بعض سننے والوں سے زیادہ سمجھ دار ہوں۔

۔ سن لو تم میں سے جو یہاں قری ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ اپنے دور والوں بعد میں آنے والے لوگوں یہ پہنچاد ۔

حصہ ا میہ

پھر آپ نے فرمایا

اے اللہ دیکھ لے میں نے تیرا پیغام بھر رطور پہنچادیا ہے ؟

پھر لوگوں سے فرمایا

کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک اچھی طرح پہنچا دیا؟
سنو! کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟
دیکھو! کیا میں نے تعلیم وتلقین کی انتہا کر دی؟

تو سب حاضر ، سامعین، مجمع والے بیک آواز اقرار واعتراف کرنے لگے۔ بے شک بے شک۔ تب رسول نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا تیرے بندے کیسا صاف اقرار کررہے ہیں، اے اللہ گواہ رہنا یہاں موجود لوگ کیا کہہ رہے ہیں، اے اللہ گواہ رہنا پھر آپ نے فرمایا اور تم لوگوں سے آت ، قیامت میں اللہ کی طرف سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا کہو گے؟

تو سب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے امانت الٰہی ہم تک پہنچادی اور حق رسالت ادا کردیا اور امت کو نصیحت کرنے کی انتہا فرمادی۔ رسول نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکایا اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا اے اللہ گواہ رہنا اے اللہ گواہ رہنا والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[7]

خطبہ کے بعد آپ نے نماز ادا فرمائی، پھر موقف میں تشریف لاکر جبل مشاۃ کے سامنے قبلہ رو ہوئے اور شدید گریہ وزاری کے ساتھ غروب آفتاب تک دعا فرماتے رہے۔ اسی مقام پر مشہور آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (المائدہ) نازل ہوئی۔ ذی الحجہ کی درمیانی رات کے پچھلے پہر مکہ تشریف لائے، طواف وداع کیا اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ مدینے لوٹ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد ہمیشہ ہمیش کے لیے اس دینائے فانی کو خیرباد دکھا۔

٭ ٭ ٭

مآخذ ومراجع

۱۔ حجۃ الوداع، پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، ص ، بیت ا ، لاہور پاکستان، ء
۲۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص - ، ندوۃ المصنّفین، دہلی، ء
۳۔ حجۃ الوداع، پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، ص ، بیت ا ، لاہور پاکستان، ء
۴۔ اصح السیر، ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری، ص ، اصح المطابع، آرام باغ، کراچی پاکستان
۵۔ سید انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم، نعیم صدیقی، ص ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ء
۶۔ سید انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم، نعیم صدیقی، ص ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ء
۷۔ حجۃ الوداع، پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، ص - ، بیت ا ، لاہور پاکستان، ء

نگاہِ نبوت کی رضی

از محمد حنیف ی
معہد الفقیر الاسلامی، جھنگ، پاکستان

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں رقمطراز ہیں:

’’متقدمین کا قافلہ جارہا تھا، اس میں سے چند قدسی روحیں پیچھے رہ گئیں، اللہ رب العزت نے اس دور میں ان کو پیدا فرمادیا تاکہ متاخرین کو متقدمین کے زمانے کا پتہ چل سکے۔‘‘

شاہ جیؒ کے اس فرمان کے پیچھے یہ حقیقت پنہاں ہے کہ بزرگانِ دیوبند کے قلوب عشق نبوی میں دھڑکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن حضرات نے اتباع سنت نبوی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا۔ ان حضرات نے اپنے مقام سے گزر کر سنت کی پیروی کو حرزِ جاں بنایا ہوا تھا اور جب ان کو بارگاہِ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا تھا تو وہ آداب نبوی کی ایسی بے نظیر مثالیں قائم کرتے تھے کہ ان کو پڑھ کر آج بھی قارئین پر رقت طاری ہوجاتی ہے۔

جب اِدھر سے اطاعت وفرمانبرداری کا یہ عالم تھا تو پھر بارگاہِ رسالت سے بھی مکاشفات ومنامات کی صورت میں ان کی خوب حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ اسے ...’’نگاہِ نبوت کی رضی ...‘‘ سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں دربارِ رسالت سے ہونے والی نظر عنایت کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایک مرتبہ حج کو جاتے ہوئے پنجلاسہ ضلع انبالہ کے ایک با کمال بزرگ راؤ عبداللہ شاہؒ سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے اوران سے عرض کیا، ’’حضرت! میرے لیے دُعا فرمایئے۔‘‘ اس پر راؤ عبداللہ شاہؒ نے فرمایا:

’’بھائی! میں تمہارے لیے کیا دعا کروں، میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں

جہاں کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔‘‘ (ارواح ثلاثہ، ص)

دیوان محمد یاسین صاحب دیوبندی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خدام میں سے تھے۔ بڑے درد ناک آواز میں ذکر کرتے اور بہت رُلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں چھتہ کی مسجد میں شمالی گنبد کے نیچے ذکر جہر میں مشغول تھا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ مسجد کے صحن میں شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے اور توجہ کا رخ میرے ہی قلب کی جانب تھا۔ اسی اثنا میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے بجائے ذکر دیکھا کہ مسجد کی چاردیواری تو موجود ہے مگر چھت اور گنبد کچھ نہیں ہے، بلکہ ایک عظیم الشان نور اور روشنی ہے جو آسمان تک فضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ یکایک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اتر رہا ہے اور اس پر خاتم الانبیاء ﷺ تشریف فرما ہیں اور چاروں طرف کونوں پر صحابہ موجود ہیں۔ وہ تخت اترتے اترتے بالکل میرے قریب آکر مسجد میں ٹھہر گیا اور حضرت امام الانبیاء ﷺ نے مجھ کو، میں سے ایک سے فرمایا ’’بھائی ذرا مولانا محمد قاسم کو بلا لو‘‘۔ وہ تشریف لے گئے اور مولانا ان کے ہمراہ آئے۔ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا، ’’مولانا مدرسہ کا حساب لائیے۔‘‘ عرض کیا، جی حاضر ہے اور یہ کہہ کر حساب بتانا شروع کر دیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔ نبی اکرم ﷺ کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا ’’اچھا مولانا، ہم کو اب اجازت ہے۔‘‘ مولانا نے عرض کیا، جو مرضی مبارک ہو۔ اس کے بعد وہ تخت آسمان کی طرف رجوع کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ (حکایات اولیاء از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ص)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ ایک مرتبہ بنگلہ دیش کے دارالخلافہ ڈھاکہ کے ایک بزرگ کو حضور نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ’’اشرف علی کو میرا اسلام پہنچا دو۔‘‘ وہ حضرت تھانویؒ سے واقف نہ تھے، اس لیے عرض کیا، حضور میں ان سے ناواقف ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ’’... کے ذریعہ‘‘۔ اس سے مراد مولانا ... احمد عثمانیؒ تھے جو حضرت تھانویؒ کے حقیقی بھانجے تھے اور وہ بزرگ ان سے واقف بھی تھے۔ اس وقت مولانا ... احمد عثمانیؒ ڈھاکہ میں ہی مقیم تھے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی انہوں نے اس خواب کی مولانا ... احمد صاحب کو خبر دی، جو انہوں نے حضرت تھانویؒ تک پہنچائی۔ جب حضرت تھانویؒ کو یہ مژدہ جانفزا پہنچا تو آپ پر فرطِ ادب و

مسرت سے ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور زبان سے بے ساختہ نکلا... وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ... اور اُس دن کے تمام معمولات موقوف کر کے سارا دن درود شریف میں مشغول رہے۔ (سیرت اشرف، ص▯)

مولانا قاری محمد طیب لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اٹھارہ برس حرم نبوی میں بیٹھ کر خود صاحب کتاب وسنت نبی کریم کے سامنے اوران کے زیر نظررہ کر درسِ کتاب وسنت دیا، جس سے مشرق ومغرب کے ہزاروں عوام وخواص اور علماء وفضلاء مستفید ہوئے اور حجاز وشام، مصر وعراق اور ملک وبیرون ملک آپ کے کمالات کا شہرہ پہنچ گیا۔ (مقدمہ شیخ الاسلام)

ایک دن آپ اردو اشعار کی ایک کتاب پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے یہ مصرعہ آیا:

”ہاں اے حبیب رخ سے ہٹادو نقاب کو“

یہ مصرعہ آپ کو بہت اچھا لگا۔ چنانچہ آپ نے روضۂ اطہر کے قریب پہنچ کر صلوٰۃ وسلام کے بعد بے قراری کے عالم میں یہ مصرعہ پڑھنا اور شوق دیدار میں رونا شروع کردیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ کو اسی بیداری کی حالت میں نظر آیا کہ جناب رسول اللہ سامنے ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کا چہرہ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔ (نقش حیات، ج▯، ص▯)

مشہور عالم اور بزرگ مولانا مشتاق احمد انبیٹھویؒ نے بیان فرمایا کہ ایک بار زیارت بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربار رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے قیام کے وقت مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضۂ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا ہے۔ ایک ہندی نوجوان نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا تو دربار رِسالت سے... وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ يَا وَلَدِيْ... کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا۔ اس واقعہ کو سن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ میری خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوئی ہے۔ دل تڑپ اٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کردی تاکہ اس مقبول بارگاہِ رسالت کی زیارت سے مشرف ہوسکوں اور خود اس واقعہ کی تصدیق بھی کرلوں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مدنیؒ کے فرزند ارجمند مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں...ابتداءً انہوں نے خاموشی اختیار کی لیکن اصرار کے بعد فرمایا ”بے شک جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے۔“ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر، ص▯)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی حیات میں ▯ غ لاہور کے عبدالقادر راج

نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ام الد کے دفتر میں تشریف فرما ہیں اور حضرت لاہوریؒ آپ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کے سامنے اپنے ای ساتھی کو کیا جو مسلک کے رے میں جھگڑا کرتا تھا، اور دریافت کیا کہ امت کے موجودہ فرقوں میں سے کونسا فرقہ حق ہے۔ آنحضرت نے حضرت لاہوریؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ جو کچھ کہتے ہیں، وہ حق ہے۔'' ام الد رفروری ء

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقسیم ہند کے بعد سے الگ ہوکر خاتم النّبیین کی ختم نبوت کی حفاظت ہی بستہ ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں ملک بھر کے دورے کیے اور موس رسول کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ اں آپ قا سا کے لیے درّۂ فاروق ہوئے۔

اسی زمانے کی ت ہے کہ حافظ الحدی حضرت مولانا محمد عبداللہ درخوا حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ اب کستان وا آئیں گے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضور نبی کر کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''یہاں د کا کام خوب ہو ہے، کستان میں آپ کی ضرورت ہے، کستان میں جا کر میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا اسلام کہنا اور کہنا، ختم نبوت کے محاذ تمہارے کام سے میں گنبد خضرا میں خوش ہوں، ڈٹے رہو، اس کام کو خوب کرو، میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں۔''

حضرت درخوا حج سے وا سیدھے ملتان پہنچے۔ شاہ جیؒ چار ئی تھے۔ حضرت درخوا نے خواب سنایا تو شاہ جیؒ تڑپ کر نیچے ے۔ کافی دی کے بعد ہوش آیا۔ ار چھتے درخوا صا بتا میرے آقا نے میرا م بھی تھا۔ حضرت درخوا کے اں میں جواب دینے پھر و کی حا طاری ہوجاتی۔

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا رسول خانؒ جو بہت ے محدث تھے، نے فرمایا کہ آنحضرت صحابہؓ میں تشریف فرما ہیں۔ حضور نبی کر کی مس میں ای سنہری طشت میں آسمان سے ای د رمبارک لائی گئی۔ آنحضرت نے جناب صد اکبرؓ کو حکم دیا

''اٹھو اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ کے سر ھ دو، میں اس سے خوش ہوں کہ اس نے میری ختم نبوت کے لیے بہت سارا کام کیا ہے۔'' (تقاریر مجاہد ملت، ص)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ کو بارگاہِ نبوی میں اس قدر مقبولیت حاصل تھی کہ خود نبی کریم کے اشارے پر سعودی حکومت نے آپ کو مدینہ طیبہ میں سکونت اور اقامت کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔

ایک مرتبہ مولانا عبدالحفیظ نے صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا اور صحت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا:

''ان کے لیے تو ہم خود دعا کرتے ہیں، ان کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں۔''

پھر دعا و مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضور انور کی دائیں جانب ایک گلدستہ ہے جس میں مختلف قسموں کے دس بارہ پھول ہیں۔ ان میں سے ایک پھول ذرا بڑا اور ابھرا ہوا ہے۔ حضور اکرم نے اس بڑے پھول کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ شیخ الحدیثؒ ہمارے گلدستے کے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ خوشبودار پھول ہیں۔'' (بہجۃ القلوب، ص)

تحقیق الکلام فی بیان السبب لوجوب الاحکام

از رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم، اج، سورت

الحمد لله الذی هدانا الی الصراط المستقیم والصلاة والسلام علی من اختص بالخلق العظیم وعلی آله وصحبه الذین قاموا بنصرة الدین القویم. اما بعد!

شریعت نج قسم کے احکام کا مجموعہ ہے، عقا، عبادات، معا ت، معاشرت اور اخلاقیات۔ عبادات کی ہیں نی جیسے نماز، روزہ، اعتکاف و ہ۔ مالی جیسے ز ۃ، صدقہ، قر نی و ہ مشترک جیسے حج اور ہ۔ ان میں سے ہر عبادت اپنی امتیازی خصو ت کی وجہ سے دوسری عبادت سے مستقل اور ممتاز ہے اور بعض اعتبارات سے ای دوسری کے مشا و مماثل ہے اور یہ آ میں اس قدر ط ہیں کہ شارعِ مطلق کی قدرت علی الا ق شاہد ہیں۔

ہر انسان صا بِ ذ پیدا ہو ہے

ہر انسان عہد اَلَسْت کی بنا، د میں صا ب ذ پیدا ہو ہے اور پیدائش سے قبل دوسرے انسان یعنی ماں کا ، ہونے کی وجہ سے صا ب ذ ہو رے طور ظاہر ہو اور پیدا ہوتے ہی اہل ذ گیا یہ ذ قص اور ور ہو ہے اس لیے منافع کا ار تو جا ہے مضار کا مستو ب ہو چنانچہ صبی اُن چیزوں کا مالک ہوجا ہے جن میں منفعت خالصہ ہے۔ جیسے ہدیہ و ہ اور جن میں مضرتِ خالصہ ہے بچہ اس کا ذ دار ہو۔ پھر عقل میں کے ساتھ ساتھ ب پختگی آنے لگتی ہے یہاں کہ وہ عرف میں عاقل سمجھا جانے ہے اَ چہ ابھی کامل ہو شریعت کی نظر میں ا صبی عاقل کا ایمان معتبر سمجھا گیا ہے اس لیے کہ ایمان احکامِ نظریہ میں سے ہے جس کے لیے عقل ضروری ہے اور وہ مقدار میں موجود ہے ابھی خام

ہونے کی وجہ سے ایمان کا وجوب متوجہ ہوا بخلاف کافر نابالغ کے کہ اس کی طرف ایمان کا وجوبِ ادا، متوجہ ہے اور ثوابِ آخرت کا اہل نہ ہونے کی وجہ سے شرائع کا وجوب ہی نہیں ہوتا ان عبادات کا لزوم اس پر لازماً ہے۔ پس نفس ایمان کا وجوب عقل سے اور وجوبِ ادا، یعنی ایمان لانے کا مطالبہ کمالِ عقل یعنی بلوغ کے بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا ادائے ایمان کے لیے نفسِ وجوب کافی ہے اور وجوبِ ادا، کے لیے عقل وبلوغ دونوں شرط ہیں۔

اہلیت کی قسمیں

الاهلية نوعان اهلية الوجوب واهلية الاداء اما اهلية الوجوب فبناء على قيام الذمة فان الآدمي يولد وله ذمة صالحة للوجوب له وعليه باجماع الفقهاء وقبل الانفصال هو جزء من وجهٍ فلم يكن له ذمة مطلقة حتى صلح يجب له الحق ولم يجب عليه واذا انفصل وظهرت له ذمة مطلقة كان اهلا للوجوب له وعليه غير ان الوجوب غير مقصود بنفسه فجاز ان يبطل لعدم حكمه وغرضه كما ينعدم لعدم محله ولهذا لم يجب على الكافر شئ من الشرائع التى هى الطاعات لما لم يكن اهلا لثواب الآخرة ولزمهُ الايمان كان اهلا لادائه ووجوب حكمه ولم يجب على الصبى الايمان قبل ان يعقل لعدم اهلية الاداء واذا عقل واحتمل الاداء قلنا بوجوب اهل الايمان عليه دون اصل الايمان حتى صح الاداء من غير تكليف وكان فرضا كالمسافر يؤدِّى الجمعة.

واما اهلية الاداء فنوعان قاصر وكامل اما القاصر فيثبت بقدرة البدن اذا كانت قاصرة قبل البلوغ وكذلك بعد البلوغ فيمن كان معتوها لانه بمنزلة الصبى لانه عاقل لم يعتدل عقله وتبتنى على الاهلية القاصرة صحة الاداء وعلى الاهلية الكاملة وجوبُ الاداء. (حسامی:۱۳۳)

یہیں سے اصولی طور پر تین چیزیں معلوم ہوئیں: اوّل اہلیت وجوب، دوم وجوبِ ادا، سوم صحتِ ادا۔

وجوب کی قسمیں

اہلیتِ وجوب اور وجوب ادا، دونوں الگ الگ ہیں۔ اور وجوبِ ادا، اصل وجوب یعنی

اہلیتِ وجوب سے منفک اور مؤخر ہوتا ہے۔ واما علی اصطلاح الحنفیة فالوجوب ینفك عن وجوب الاداء. (تقریر وتحبیر: ۲/۱۵۴)

مالی عبادت میں ان دونوں وجوب کا انفکاک یعنی علیحدگی جیسے ملک نصاب کی وجہ سے اصلِ وجوب کا ثبوت اور بعد میں اپنے اپنے وقت خاص پر وجوبِ ادا کا تحقق بالکل واضح ہے اور عام بھی سمجھا اور مانا جاتا ہے بخلاف بدنی عبادت کے کہ اس میں بدن جو کہ محل وجوب اور محل ادا ہے انسان پیدائش سے ہی لے کر آتا ہے اور مطلق وقت یعنی زمان سے کوئی بھی زمانہ خالی نہیں ہے اس لیے بالغ ہوتے ہی نماز، روزہ کا اصل وجوب جو ایک اعتباری شئ اور غیر مقصود بالذات ہے وہ ثابت ہو جاتا ہے اور مالی عبادات کے نفس وجوب کی طرح محسوس ونمایاں نہیں ہوتا اور جو معلوم و ظاہر ہے وہ وقت خاص میں ادا کا فرض یعنی وجوبِ ادا ہوتا ہے اور یہی مقصودِ شرعی ہے عرفِ شریعت اور اہل اسلام کے عرف میں اسی کو فرضیت سے جانتے ہیں اور فقہاء اسی سے بحث کرتے ہیں لیکن اصطلاحاً یہ وجوبِ ادا ہے جو خطابِ شارع پر موقوف ہے اور یہ اصل وجوب جو شرعی ہے اور مشائخ احناف جس کے قائل ہیں وہ اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص فضل وعنایت ہے کہ فرائض کے مطالبہ سے قبل ایسے امور مقرر کئے گئے جس کے پائے جانے سے الٰہی سے بندہ جبراً فرائض وواجبات کے وجوب اور ان کی ادا کا اہل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بالغ کی نفل عبادات نابالغ کی نفل نماز و روزہ سے کامل، اعلیٰ اور واجب الاتمام ہوا کرتی ہے۔

اصل وجوب اور وجوب ادا کا مطلب

الوجوب نوعان احدهما اصل الوجوب وهو اشتغال الذمة بالواجب وانه ثبت بالاسباب لا بالخطاب ولاتشترط القدرة لثبوته بل ثبت جبرا من الله تعالىٰ شاء العبد او ابى. والثانى وجوب الاداء وهو اسقاط مافى الذمة وتفريغها من الواجب وانه ثبت بالخطاب وتشترط له القدرة على فهم الخطاب وعلى اداء ماتناوله الخطاب. (بدائع: ۲/۸۸)

وجوب کی دو قسمیں ہیں ایک اصل وجوب یعنی ذمہ کا مشغول ہونا۔ یہ اسباب سے ہوتا ہے نہ کہ خطاب سے اور اس کے ثبوت کے لیے قدرت شرط نہیں ہے بلکہ من جانب اللہ جبراً ثابت ہو جاتا ہے بندہ چاہے یا نہ چاہے۔ دوسری وجوب ادا ہے ذمہ کے فرض کو ساقط کرنا یعنی واجب سے سبکدوش ہونا یہ خطاب سے ہوتا ہے اور اس کے لیے قدرت علی فہم الخطاب اور

قدرت علی الاداء دونوں شرط ہے۔

تنبیہ: ثبت بالاسباب لا بالخطاب میں اسباب سے مراد وہ امور ہیں جو درحقیقت مکلّف کی صفات ہیں جنہیں شرائطِ وجوب سے تعبیر کرتے ہیں ان صفات میں بعض علت، بعض شرط اور بعض سبب ہے چونکہ سبب کا مفہوم وسیع و عام ہے اس لیے توسعاً صفات کے لیے اسباب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لفظ ''سبب'' سے محض وہ شئی مراد ہے جو تعدد و تکرار کے لیے شرعاً سبب قرار دی گیا ہے۔ کما ستقف بعد ان شاء اللّٰہ.

اصل وجوب کا مدار اور اس کا محل

اہلیت وجوب یا اصل وجوب جو وجوبِ اداء سے منفک اور مقدم ہوتا ہے اس کا مدار جن اشیاء پر ہے وہ سب صفاتِ مکلّف ہیں خواہ صفت دائمی و مستقل ہو یا وقتی و عارضی۔ اور خواہ وہ وصف اختیاری ہو کہ غیر اختیاری جیسے عقل، بلوغ، اسلام، حریت، ملک، اوقات وغیرہ۔ ان صفات کے تحقق کے بعد من جانب اللہ بندہ کا ذمہ مشغول ہو جاتا ہے یہ وجوب غیر اختیاری ہے بندہ کی خواہش پر موقوف نہیں ہے۔ اس اصل وجوب کا محل بلا واسطہ ذمہ مکلّف ہے۔

ایک وجوب اختیاری ہے جو بندہ کے ارادے اور عمل سے وابستہ ہے یعنی کسی قربت کی نذر خواہ فعل منذور قربت بدنی ہو یا مالی۔ اور شروع فی العبادۃ اس سے بھی عبادت کی ادا ذمہ میں لازم ہو جاتی ہے۔ اور اس راستے ذمہ کا مشغول ہو جاتا ہے۔

اور اصل وجوب کے اختیاری میں تمام مومنین عالم متساوی الاقدام ہیں یعنی دنیا کے کسی بھی خطہ میں رہتے ہوں شمسی تغیرات یعنی طلوع، زوال، غروب وغیرہ فی نفسہٖ اس کے لیے حائل ومانع نہیں ہے۔

وجوب اداء اور اسکا محل

وجوبِ اداء میں وجوب اصالۃً فعل بمعنی المصدر یعنی اداء کی صفت ہے اور بواسطہ فعل ذات یعنی محل فعل سے تعلق ہوتا ہے اداء کا جو محل ہوگا وجوب کا تعلق محل اداء سے بھی ہوگا چنانچہ صلوٰۃ ارکان مخصوصہ اور صوم یعنی امساکِ مخصوص دونوں کا مصدر و محل بدن و ذاتِ مکلّف ہے اس لیے مکلّف ہی محل واجب ہے۔ اور زکوٰۃ میں مویشی میں مخصوص جانور اور دراہم و دنانیر میں فی

نصاب ر عشر کی ادا کا وجوب ہے اور یہ مکلّف ہے ادا، کا محل مال ہے تو وجوبِ ادا، کا بھی مال ہے۔ اور صدقۃ الفطر میں درحقیقت ''اغنا،'' کا وجوب ہے جس کا تعلق ذ مکلّف سے ہے اس لیے صدقۃ الفطر میں روزہ نماز کی طرح وجوبِ ادا، کا محل مکلّف کی ذات ہے۔ اور قر نی میں جو کہ مالی عبادت ہے اصلاً تصدق لمال وا. ہو چاہئے یم مخصوصہ میں خاص مصلحتوں کے نظر بطور ل اراقۃ الدم کو وا. قرار یا گیا اور اراقۃ کا محل جانور ہے وجوب کا تعلق اسط اراقہ مال یعنی جانور سے ہوا۔ لہٰذا یہ وجوب اسط اراقۃ جانور کی صفت ہوگی جیسے صحت ادا، میں صحت صفت ہے ادا، کی کہ مکلّف کی ا اراقۃ الدم نحر، ذ کا صدور کسی فاعل سے ہوگا جو مکلّف یعنی من علیہ الاضحیہ ہے یا اس کا وکیل۔

لان الوجوب فی صفات الفعل (بنایہ:٤/١١) لان الوجوب تتعلق بالاراقۃ (بدائع:٥/٦٦) (فتجب التضحیۃ) اسناد الوجوب الی الفعل اولیٰ من اسنادہ الی العین کالاضحیۃ (شامی:٩/٤٥٤)

اصل وجوب اور ادا، کے محل میں اتحاد و افتراق

اصل وجوب کا محل کہ راذ لکلف ہے۔ بعدہ فعل وا. جس کی ادا، اوقات مخصوصہ میں وا. ہوتی ہے اس کا صدور اور وقوع ا مکلّف کی ذات سے ہے یعنی ذاتِ مکلّف ہی محل فعل بھی ہے تو اب محل وجوب اور محل ادا، دونوں متحد ہو گئے جیسے نماز اور روزہ میں اور ا فعل وا. کا محل مال ہے تو دونوں کا محل الگ ہو گیا۔ نفس وجوب کا محل ذ لکلف اور ادا، کا محل مکلّف جیسے ز ۃ اور قر نی میں۔ اسے ا مثال سے سمجھئے ذ ر کی وجہ سے جو وجوب آ ہے اس کا محل ذاتِ مکلّف یعنی خو ذر ہے اب ا فعل منذور نماز، روز اعتکاف ہے تو اِن افعال کا محل بھی وہی ذر ہے اور ا صدقہ قر نی اس کے قبیل سے کوئی فعل ہے تو اس کا محل مکلّف یعنی مال ہے۔ پہلی صورت میں محل ادا، خو ذر ہے اس لیے محل وجوب اور محل ادا، ا ہو گیا اور دوسری صورت میں محل ادا، مال ہے دونوں علیحدہ ہو گئے۔

وقت کا اعتبار ادا، کے لحاظ سے ہے کیونکہ فعل حدوث کے لیے زمان ضروری ہے والزمان جزء من مفهوم الفعل (مختصر المعانی) اوقاتِ معینہ میں جو وجوب متحقق ہو ہے اس کا تعلق ادا، اور محل ادا، سے ہے لہٰذا ادا، اور محل ادا، کے حق میں وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

واجباتِ مطلقہ وموقتہ کی توضیح

وجوب سے مقصود اداء ہے اورادائے واجبات کے لیے عقلاً وقت کا ہونا ضروری ہے کمامر۔ اعتبارِاداء فی الوقت واجبات کی دو قسمیں ہیں۔

بعض واجبات کی ادا کو وقت وجوب کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے یعنی شارع کی طرف سے وجوبِ اداء کے بعد ادائے واجب کو کسی وقت کے ساتھ اس طرح خاص نہیں کیا گیا ہے کہ اس وقت کے فوت ہونے سے مامور بہ کی ادا قضاء کہلائے بلکہ موت سے قبل جب بھی مامور بہ کو انجام دیا جائے وہ ادا کہلائے گا قضاء نہیں۔ ایسے واجبات کو اور وہ قربات معقول ہیں واجبات مطلقہ کہتے ہیں۔

لان الزكوٰة لايتعلق وجوبها بوقت مخصوص بل جميع العمر وقتها فكان جميع الاوقات وقتا لادائها وكذلك صدقة الفطر لانها تجب وجوبا موسّعا كالزكوٰة. (بدائع:٥/٦٣)

الامر نوعان مطلق عن الوقت اى احدهما امر مطلق غيرمقيد بوقت يفوت بفوته كالزكوٰة وصدقة الفطر فانها بعد وجود السبب اى ملك المال والرأس والشرط اى حولان الحول ويوم الفطر لايتقيدانِ بوقت يفوتان بفوته بل كلّما ادّى يكون اداءً لاقضاءً... ومقيد به اى الثانى امر مقيد بالوقت. (نورالانوار:٥٦) (قوله بالوقت اى بوقت محدود بحيث لوفات الوقت فات الاداء. حاشيۂ نور الانوار)

اور بعض واجبات جوکہ غیر معقول ہیں شارع نے اس کی اداء کو وجوبِ اداء کے ساتھ وقت محدود میں جس کی ابتداء وانتہاء متعین ہے مقید کیا ہے یعنی وقت مخصوص میں ہی اس کی ادا اداء کہلائے گی وقت گزر جانے کے بعد مامور بہ کی ادا قضاء کہلاتی ہے ان کو واجباتِ موقتہ کہتے ہیں۔ اصولیین نے پھر اس کی چار انواع بیان کی ہیں جن میں سے دو میں وقت سبب وجوب بھی ہے اور دو یعنی روزہ رمضان اور حج میں وقت سبب نہیں ہے۔

الواجب قسمان احدهما مطلق وهو الذى لم يقيد طلب ايقاعه بوقت محدود من العمر بحيث لايجوز قبله ويفوت بفواته وان كان واقعا فى وقتٍ لامحالةَ كالنذر المطلقة والكفارات والزكوٰة والعشر والخراج وادرج الحنفية صدقة الفطر.

ثانيهما مقيّد به اى بوقت محدود يفوت الواجب به وهو اى الوقت المقيد به الواجب بالاستقراء اقسام اربعة الاول يفضل الوقت عن الاداء ويسمّى عند الحنفية ظرفاً اصطلاحا كوقت الصلاة المكتوبة بها فانه سبب محض علامة على الوجوب.
(تقرير وتحبير: ۲/۱۵۵)

ایقاظ

کتب اصولِ فقہ میں اس موقع پر واجبات موقتہ میں چار ہی انواع کو شمار کیا ہے۔ قربانی کو واجباتِ مطلقہ میں اور کہیں موقتہ میں ذکر کیا ہے جبکہ قربانی یقیناً موقتہ ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب بدائع وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ قربانی اصلاً مالی عبادت ہے جس میں تصدق واجب ہوتا ہے اور تصدق مقید بالوقت نہیں ہے لیکن یوم نحر میں اسکی امتیازی خصوصیات کے تحت اراقۃ الدم کو بطور اصل واجب قرار دیا گیا ہے اور اراقۃ قربت غیر معقولہ ہے اس لیے اس کی ادا مقید بالوقت ہوگئی۔

وجوبِ ادا وقتِ معین کے ساتھ خاص ہے

جن واجبات میں تکرار ہے یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، صدقۃ الفطر اور قربانی۔ ان سب میں وجوبِ ادا کو شارع نے وقت خاص کے ساتھ مربوط کیا ہے یعنی خطاب الٰہی جو وجوبِ ادا کا سبب حقیقی ہے وہ بندوں کی طرف اوقاتِ مخصوصہ ہی میں متوجہ ہوتا ہے خواہ وقت ممتد ہو یا غیر ممتد۔ اور اہل اصول نے بیان کیا ہے کہ نفس وجوب میں طلب فعل نہیں ہوتا بخلافِ وجوبِ ادا کے کہ اس میں ادا یعنی فعل کا مطالبہ ہوتا ہے جس کے لیے قدرت شرط ہے اور قدرت عقل و بلوغ سے ہے جو وجوبِ ادا کے شرائط میں سے ہے اور اہل علم یہ بھی جانتے ہیں کہ طلب فعل وقت ہی میں ہوتا ہے اس سے قبل نہیں اُسی کو عرف میں فرض ہونا بھی بولتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وقت میں ہونے والا یہ وجوب اصطلاحاً وجوبِ ادا ہے لہٰذا وقت وجوب سے مراد کتب فقہ میں وجوبِ ادا کا وقت ہے چاہے اسے شرط سے تعبیر کیا ہو یا سبب سے یعنی جہاں وقت خاص کو سبب کہا گیا ہے تو اس سے وجوبِ ادا کا سبب مراد ہے۔ فالقدرة شرط لوجوب الاداء لالنفس الوجوب لان التكليف هو طلب ايقاع الفعل من العبد ونفس الوجوب لاطلب فيه. (فتح الغفار، ص: ۷۳)

فقہی عبارات سے استشہاد

زکوٰۃ: فرضت علی حر مسلم مکلف مالك النصاب... وشرط وجوب ادائها (نورالایضاح:۱۵۳) وشرط كمال النصاب وسائمة فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب. (هدايه)

ونصاب الزكوٰة قبل مضی الحول فانه علة اسما لانه وضع لوجوب الزكوٰة ويضاف اليه الوجوب بلا واسطة ومعنىً لانه مؤ▯ر فی وجوب الزكوٰة اذا الغنا يوجب الاحسان وهو يحصل بالنصاب لاحكما لتأخر الوجوب الی حولان الحول. (نور الانوار:۱۲۲)

واما وجوب الاداء الموقوف علی مطالبة الشارع فهو يتحقق بعد حولان الحول (عمدة الرعايه:۲۴۸/۱)

صدقة الفطر: تجب علی حر مسلم مالك النصاب او قيمته وان لم يحل عليه الحول عند طلوع فجر يوم الفطر (نورالایضاح) قوله عند طلوع: بيان لوقت وجوب الاداء (حاشيۂ نورالایضاح:۱۶۱)

باب صدقة الفطر من اضافة الحكم لِشرط (درمختار) المراد بالحكم وجوب الصدقة لانه الحكم الشرعی والمراد بالوجوب: وجوب الاداء (شامی) ووجوب الفطرة يتعلق بطلوع الفجر ▯انی من يوم الفطر (قدوری:۵۱).

روزہ: وشرط وجوب ادائه وهی▯▯ة الصحة والاقامة والخلو عن الحيض والنفاس فشهود جزء منه سبب لكل▯م كل يوم سبب وجوب ادائه (شامی:۳۳۳/۳)

نماز: وقد يجامع الشرط السبب مع اختلاف النسبة كوقت الصلاة فانه شرط بالنسبة الی الاداء وسبب بالنسبة الی وجوب الاداء (تقرير و تحبير:۱۰۲/۲)

قربانی: لان الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز اقامة الواجب كوقت الصلاة (بدائع:۷۳/۵)

... ان الوجوب عند الاداء او فی آخر الوقت فاذا مات قبل الاداء مات قبل ان تجب عليه كمن مات فی وقت الصلاة قبل ان يصليها انه مات ولا صلاة عليه. (بدائع:۶۵/۵)

قرنی کے اوقاتِ معینہ کو ظرفیت اصطلاحی یعنی مامور ادار کرنے کے بعد وقت کے فاضل رہنے میں نماز کے اوقات سے مشابہت ہے اسی وجہ سے وقت اضحیہ کی تشبیہ وقت ة سے مذکور ہے اور نماز کا وقت فرضیت ادار کے لیے سب اور صحت ادار کے لیے شرط ہے کما مر.

اصولی صریح عبارت سے ا لال

تقریر و تبیر کی عبارت ابھی او نماز کے تحت مذکور ہوئی۔ اصول الشاشی کی عبارت حظہ فرمایئے فسبب وجوب الصلاة الوقت بدليل ان الخطاب باداء الصلاة لايتوجه قبل دخول الوقت وانما يتوجه بعد دخول الوقت والخطاب ثابت لوجوب الاداء ومعرف للعبد سبب الوجوب قبله الخ صفحہ

اور تکملہ فتح ا ی کی عبارت بھی دیکھئے

ووجه ذلك ما تقرر فی علم الاصول من ان وجوب الاداء فی الموقّتات التی يفضل الوقت عن ادائها كالصلاة ونحوها انما يثبت آخر الوقت اذهنا يتوجه الخطاب حقيقة لان فی ذلك الآن يأثم بالترك لاقبله حتى اذا مات فی الوقت لاشئ عليه والاضحية من هاتيك الموقتات فتسقط بهلاك المال قبل مضی وقتها ولاتسقط بهلاكه بعد مضی وقتها لتقرر سبب وجوب ادائها.

یعنی وہ قر موقتہ اس کے وقت مخصوص میں ادار کرنے کے بعد وقت رہتا ہے جیسے نماز اس کا وجوبِ ادار وقت معینہ کے ، آ میں ہے یعنی شرائط وجوب کے ئے جانے سے ذ ال ہونے کے وجود وقت وجوب کی ابتدار میں وا. ادار کرنے سے ابھی گنہگار ہوگا کیونکہ خطاب الٰہی جو وجوبِ ادار کا حقیقی سب ہے وہ ادار سے متصل ہے اَ وقت میں ادار سے قبل گیا تو اس کے ذ کچھ کیونکہ وجوبِ ادار حقیقتاً گیا. وقت کا ، آ آ گیا اور ادار کیا تو اب بہر حال خطاب متوجہ ہوجائے گا اور وا. اس کے ذ دَ جائے گا۔

یہی حال قرنی کے وقت کا ہے کہ وقت رنے سے قبل اَ مال ہلاک ہوگیا تو چونکہ غنا شرطِ وجوب فی معنی العلة ہے کما ستعلم۔ اس لیے فقر لاحق ہونے سے اصل وجوب ہی ختم ہوگیا فكيف يتوجه الخطاب اليه اور اَ وقت رگیا درانحالیکہ وہ تھا اور قرنی کی تو

اخیر وقت میں خطاب متوجہ ہو جانے سے اس کا وجوب مؤکد ہو گیا اور اب فقر لاحق ہونے کے وجود ذمہ ساقط نہ ہوگا۔

قولِ محققین ماوراء النہر سے استدلال

شروع میں گذر چکا کہ اصل وجوب یا اہلیت وجوب بالذات خود مقصود نہیں ہے ان الوجوب غیر مقصود بنفسہٖ بلکہ وا. کی ادا مقصودا ہے اس لیے وجوب اداء ہی مطلوب ہے شاید اسی لیے عام مشائخ کے مقابلہ میں محققین وجوب کی ایک ہی نوع یعنی وجوبِ اداء کے قائل ہیں۔ وجوبِ اداء کا اہل ان کے نزدیک وہی ہوگا جس میں اداء کی اہلیت پائی جائے اور اہلیت اداء کے لیے اُن تمام امور کا مجتمع ہونا ضروری ہے جس کو عام فقہاء شرائط وجوب سے تعبیر کرتے ہیں۔

قال اهل التحقيق من مشائخنا بماوراء النهر ان الوجوب فى الحقيقة نوع واحد وهو وجوب الاداء فكل من كان اهل الاداء كان من اهل الوجوب ومن لا فلا وهو اختيار استاذى الشيخ الاجل الزاهد علاؤالدين رئيس اهل السنة محمد بن احمد السمرقندى لان الوجوب المعقول هووجوب الفعل كوجوب الصوم والصلاة وسائر العبادات. (بدائع:۲/۸۸)

اور وجوبِ اداء کا سبب حقیقی خطاب الٰہی ہے اور خطاب اوقات مخصوصہ میں متوجہ ہوتا ہے کما سيأتى مستوفى وقت کو سبب وجوب کہے جانے سے فقہاء کے کلام میں وجوب اداء کی ہی سببیت کو بیان کرنا ہے۔

انتقالِ سببیت سے استدلال

فقہاء کہتے ہیں کہ وقت سببِ وجوب ہے پھر معاً یہ بھی کہتے ہیں کہ وجوب کا اول وقت میں ہونا ضروری نہیں اور ابتداءً سارے وقت کو بھی سبب قرار نہیں دیتے کیونکہ وقت کے جزء اول کو بالتعیین سبب کہیں تو وا. کی ادا کو جزء آخر میں اداء کہنا مشکل ہوگا اور اگر سارے وقت کو سبب کہا جائے تو پھر فرض کی ادا وقت کے بعد قضاء کہلائے گی۔ نیز صلوٰۃ الفجر کا طلوعِ شمس سے فاسد ہو جانا اور عصر الیوم کا غروب کے وقت بھی جائز ہو جانا دلیل ہے کہ فجر کی نماز کا وجوب کامل تھا اور نمازِ عصر کا وجوب تغیر شمس کے بعد ناقص ہوتا ہے اس لیے ائمہ فقہ نے فیصلہ کیا کہ سبب

وجوب درحقیقت وقت مخصوص کا وہ جزء سابق ہوگا جو ادا سے متصل ہے اگرچہ سببیت کی صلاحیت سارے وقت میں ہے کہ وقت کے کسی بھی حصہ میں مامور بہ کی ادا ادا کہلائے اور ادا فی الوقت نہ ہونے کی صورت میں سارے وقت کو قضا کے حق میں سبب قرار دیا گیا۔

وقد تقدم ان سبب الصلاة اوقاتها لكن لايمكن ان يكون كل الوقت سببا لانه لو كان كلّه سببا لوقع الاداء بعده لوجوب تقدم السبب بجميع اجزائه على المسبب فلا يكون اداءً وليس دليل يدل على قدر معيّن منه كالربع والخمس او غيرهما فوجب ان يجعل بعض منه سببا واقل ما يصلح لذلك الجزء الذى لايتجزىٰ والجزء السابق لعدم ما يزاحمه اولى فان اتصل به الاداء تعين لحصول المقصود وهو الاداء وان لم يتصل الى الجزء الذى يليه ثم وثم الى ان يضيق الوقت ولم يتقرر على الجزء الماضى لانه لوتقرر كانت الصلاة فى آخر الوقت قضاء وليس كذلك لما سنذكر فكان الجزء الذى يلى الاداء هو السبب او الجزء المضيّق اوكل الوقت ان لم يقع الاداء فيه لان الانتقال من الكل الى الجزء كان لضرورة وقوع الاداء خارج الوقت على تقدير سببيّة الكل وقد زالت فيعود كل الوقت سبباً ثم الجزء الذى يتعين سببا تعتبر صفته من الصحة والفساد فان كان صحيحا بان لايكون موصوفا بالكراهة ولا منسوبا الى الشيطان كالظهر وجب المسبب كاملا فلا يتادّى ناقصاً وان كان فاسدا اى ناقصا بان يكون منسوبا الى الشيطان كالعصر يستأنف وقت الاحمرار وجب الفرض فيه ناقصا فيجوز ان يتادّى ناقصا لانه ادّاه كما وجب بخلاف غيرها من الصلوات الواجبة باسباب كاملة فانها لاتقضىٰ فى هذه الاوقات لان ماوجب كاملا لايتأدّى ناقصا وقد ذكرنا ذلك فى الانوار والتقرير مستوفىٰ بعون الله وتائيده. (عنايه شرح هدايه فى هامش فتح القدير: ١/٢٣٤)

والاصل فى هذا ... ثم كذلك ينتقل الى ان يتضيّق الوقت عند زفر والى آخر جزء من اجزاء الوقت عندنا فتعين السببية فيه لما يلى الشرع فى الاداء اذ لم يبق بعده مايحتمل انتقال السببية اليه فيعتبر حاله فى الاسلام والبلوغ والعقل والجنون والسفر والاقامة والحيض والطهر عند ذلك الجزء ويعتبر صفة ذلك الجزء فان كان ذلك الجزء صحيحا كما فى الفجر وجب كاملا... وان كان ذلك الجزء فاسدا كما فى

العصر... وجب ناقصاً فیتادّی بصفة النقصان واما اذا خلا الوقت عن الاداء فالوجوب یضاف الی کل الوقت الخ (حسامی:۳۳ وکذا فی الطحطاوی:۱۷۴)

وقت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ سببیت میں انتقال اور انتقالِ سببیت کی وجہ سے وقت کی صفت عارضی کا اثر وجوب میں ظاہر ہوگا یعنی وقت کامل ہو تو وجوب کامل اور وقت فاسد ہو تو وجوب ناقص۔ مکلّف کی حالت سفر و حضر کا بھی وجوب پر اثر ظاہر ہوگا یہ واضح ثبوت ہے کہ وقت وجوب ادا، کا سبب ہے کیونکہ اصل وجوب مطلق ہے اس میں اتمام، قصر اور کامل و ناقص کا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ نفس وجوب متحقق ہونے کے وجود مثلاً اوّل وقت میں کوئی کافر مسلمان ہوا تو عقل و بلوغ اور اسلام کی وجہ سے اب وہ نماز، روزہ کا مکلّف ہوگیا یعنی اس کا ذمہ مشغول ہوگیا۔ تعیین سبب وجوب فقہاء کہتے ہیں کہ وہی وقت ہوگا جو ادا، سے متصل ہے۔

ایام نحر جو قربانی کا سبب وجوب ہے اسکا بھی یہی حال ہے یعنی اس میں بھی انتقالِ سببیت ہے۔

والاصل ان ما وجب فی جزء من الوقت غیر عین یتعین الجزء الذی ادی فیه الوجوب او آخر الوقت کما فی الصلاة وهو الصحیح من الاقاویل علی ما عرف فی اصول الفقه. (بدائع:۵/۶۵ کتاب الاضحیة)

مسئلہ سببیہ سے استدلال

اہل سببیہ کے سلسلہ میں ایک طرف فقہاء کا یہ قول ہے

ومن لم یجد وقتهما ای العشاء والوتر لم یجبا علیه بان کان فی بلد بلغار وباقصیٰ المشرق یطلع فیها الفجر قبل مغیب الشفق فی اقصر لیالی السنة لعدم السبب الوقت. (مراقی:۱۷۸)

دوسری جانب فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں۔

وفاقد وقتیهما (کبلغار فان فیها یطلع الفجر قبل غروب الشفق) مکلف بهما. (درمختار)

اس تعارض کو دفع کرتے ہوئے علامہ شامی نے یہ لکھا ہے۔

اذا علمت ذلک ظهر لك ان من قال بالوجوب یقول به علی سبیل القضاء لا الاداء... فیتعین ان یحمل کلام البرهان الکبیر علی وجوب القضاء کما یقول به

الحلوانی.

یعنی جولوگ وجوب کے قائل ہیں وہ وجوب ، ہے کہ وجوب ادار ۔ کیونکہ سب وجوب یعنی وقت کے ہونے سے مطلق وقت کا عدم بلکہ وقت خاص کا فقدان ہے اور ادار وقت خاص ہی کا فر ہے اور ادار . قدرت تو وجوب ادار بھی ہوگا کیونکہ وجوب ادار کے لیے قدرت علی الاداء شرط ہے یہی وجہ ہے کہ اداء کے وجوب کا کوئی قائل ہے۔

م انه لا ینوی القضاء فی الصحیح لفقد وقت الاداء وفیه نظر لان الوجوب بدون السبب لایعقل وکذا اذا لم ینو القضاء یکون اداء ضرورة وهو (ای الاداء) فرض الوقت ولم یقل به احد اذ لم یبق وقت العشاء بعد طلوع الفجر اجماعاً. (تبیین الحقائق للزیلعی: ۱/۲۲۰)

یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ وقت خاص جس کو وجوب کا سب کہا گیا ہے وہ وجوب ادار کا سب ہے ور اصلاً نماز ساقط ہوجاتی وجوب ، کا بھی کوئی قائل رہتا۔ فافهم یہاں یہ بحث الگ ہے کہ اہل ریہ ، اور ھتے وقت کیا سب کر گے یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے

تکرارِ سب سے ا لال

سب کے تکرار سے حکم یعنی سبب کا تکرار اور اس کے عدم سے حکم کا عدم تکرار ا اصولی قاعدہ ہے۔ ولا یلزم تکرار المشروط بتکرر الشرط لان وجود الشرط لایقتضی وجود المشروط بخلاف السبب فانه یقتضی وجود المسبب. (تلویح: ۴۲۲) وقد علم ان السبب اذا لم یتکرر لاتتکرر المسبب (بنایه: ۴/۶)

. نماز، روزہ اور قر نی کے لیے وقت کو سب قرار گیا ہے تو لامحا وقت کے تکرار سے فرائض میں تکرار و تجدد ہو رہتا ہے یہاں۔ تو سلّم ہے اِس سب وجوب کے لفظ سے موقف کے قا نفس وجوب اصل وجوب اد لے رہے ہیں اور بندہ کہتا ہے کہ اس سے اد وجوب ادار ہے کہ ابتک کے دلائل سے معلوم ہوا۔ چنانچہ علا ا یم مصری کی صریح عبارت دیکھئے۔

ان تکرار وجوب الاداء لایکون الا بتکرار السبب (فتح الغفار بشرح المنار: ۴۶)

ان دلائل سے واضح ہوگیا کہ وقت سبب وجوب ادا ہے۔ لہٰذا کتب فقہ میں جہاں کہیں وقت سے قبل وجوب کی نفی مذکور ہے وہ وجوبِ ادا کی نفی ہے۔ فافہم

وقت کی سببیت سے وجوب ادا کا سبب ہے یہ اظہر من الشمس ہوجائے اس کے لیے احکام کے تعدد وتکرار کی بحث بھی یہ ہی اہم ہے اس سے پہلے احکام وضعیہ کے کچھ وضاحتی جملے کئے جاتے ہیں۔

حکم تکلیفی وحکم وضعی کا فرق

خطابِ شارع کے ذریعہ بندوں سے فعل یا کف کا جو مطالبہ فرض وسنت، حرمت وکراہت، اور کے درجہ میں کیا جاتا ہے یہ حکم تکلیفی کہلاتا ہے اور خطاب کو خطاب کہتے ہیں اور اُسی خطاب کے ذریعہ شارع نے حکم شرعی کو کسی وصف یا ظرف کے ساتھ وجوب، تحقق یا منع کی حیثیت سے مربوط کیا ہے یہ حکم وضعی کہلاتا ہے اور خطاب کو خطاب وضع کہتے ہیں۔

لفاظ دیگر انسان کے افعال واعمال پر شارع کی طرف سے فرض، حرام، ن، وہ اور مباح کا جو حکم لگایا گیا ہے یہ حکم شرعی تکلیفی ہے اور اسی حکم تکلیفی کو جن اسباب وشروط یا موانع کے ساتھ وابستہ کیا ہے اِس ربط بین الا کو وضع کہتے ہیں اور امورِ متعلقہ کو احکامِ وضعیہ کہتے ہیں۔

شیخ محمد ابوزہرہ مصری سبب کے ماتحت لکھتے ہیں:

السبب عند جمهور الفقهاء هو الامر الظاهر المضبوط الذى جعله الشارع امارة لوجود الحكم و بمقتضىٰ هذا التعريف تثبت حقيقتان.

احديٰهما ان السبب لاينعقد سببا الا بجعل الشارع له سببا وذلك ان الاحكام التكليفية هى تكليف من الله تعالىٰ والمكلف هو الله تعالىٰ واذا كان المكلف هو الشارع فهو الذى يجعل الاسباب التى ترتبط بها الاحكام اسبابا... الحقيقة الثانية هى ان الاسباب ليست مؤثرة فى وجود الاحكام التكليفية بل هى امارة بظهورها ووجودها. دیکھئے اصول الفقه لمحمد ابى زهره: ٥٥

احکام وضعیہ کی مختصر تعریف

السبب: هو المفضى الى الحكم من غير تاثير. (بحر) حکم کی طرف پہنچانے

والے ایک کو سبب کہتے ہیں وہ حکم میں غیر مؤثر ہوتا ہے اور حکم اس پر موقوف ہوتا ہے اگر حکم اس پر موقوف ہو تو وہ سبب فی معنی الشرط ہے اور اگر حکم کا مقتضی اور مؤثر ہو تو وہ سبب فی معنی العلۃ ہے۔

العلة: ما يضاف اليه وجوب الحكم ابتداءً. یعنی علّت وہ امر ہے جس کی طرف وجوبِ حکم کی نسبت بلا واسطہ ہوتی ہے یعنی وہ وصف جو حکم میں مؤثر اور اس کا موجب ہوتا ہے۔ علّت کی متعدد قسمیں ہیں۔

الشرط: هو الامر الذى يتوقف عليه وجود الحكم. یعنی وہ امر جس پر حکم کا وجود اور تحقق موقوف ہوتا ہے۔ اس کی بھی چند قسمیں ہیں۔

العلامة: هى ما يعرف به الوجود من غير ان يتعلق به وجوب ولا وجود.

یعنی وہ شئے جس کے ذریعہ حکم کے وجود کی معرفت اور پہچان حاصل ہو فقط۔

حاصل یہ کہ علّت موجب ہے۔ شرط موجد ہے۔ اور سبب مفضی ہوتا ہے۔

فائدہ: چونکہ وجوب ہی وجودِ حکم کی طرف پہنچاتا ہے اس لیے علّت کو سبب سے تعبیر کر قابلِ اشکال نہیں ہے والوجوب هو المفضى الى الوجود ظاهرًا (هدايه)

فائدہ: وجودِ حکم کی نسبت سبب اور شرط کی طرف بھی ہوتی ہے۔

وجوبِ حکم کی اضافت سبب اور علّت کی طرف بھی ہوا کرتی ہے۔

ان السبب والشرط قد اشتركا فى ان كل منهما يضاف اليه الوجود لاعلى وجه التاثير فخرج العلة ويتميز السبب عن الشرط باضافة الوجوب اليه ايضاً دون الشرط كما عرف فى الاصول (بحر:۲/۲۰۳)

فائدہ: شرط کے تکرار سے مشروط کا تکرار لازم نہیں ہے بخلاف سبب کے کہ اس کے تکرار سے حکم کا تکرار اور عدم تکرار سے حکم کا عدم تکرار ضروری ہے و قد علم ان السبب اذا لم يتكرر لايتكرر المسبب (بنايه:٤/٦)

ولايلزم تكرر المشروط بتكرر الشرط لان وجود الشرط لايقتضى وجود المشروط بخلاف السبب فانه يقتضى وجود المسبب (تلويح:٤٢٢)

تعدد و تکرار کی بحث

احناف کے نزدیک یہ اصول طے شدہ ہے ان الامر لايقتضى التكرار ولا يحتمله كه

ا لذات مقتضی تکرار ہے اور تکرار۔ دوسری طرف خطاب الٰہی جس ا دال ہے وہ موجود علی الدوام ہے اور بندوں کے احساس سے غائب و پوشیدہ ہے ضروری ہوا کہ عبادت بدنی ومالی کی ادا کو کسی ا کے ساتھ مربوط کیا جائے جس میں تکرار پایا جاتا ہو کہ اس کے تکرار سے یہ سمجھا جائے کہ خطاب الٰہی گویا ازسرنو بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

وما تكرر من العبادات فباسبابها لابالاوامر جواب سوال يرد علينا وهو ان الامر اذا لم يقتض التكرار ولم يحتمله فباى وجهٍ تتكرر العبادات مثل الصلاة والصيام وغير ذلك فيقول ان ما تكرر من العبادات ليس بالاوامر بل بالاسباب لان تكرار السبب يدل على تكرار المسبب (نورالانوار:۳۵)

قوله ليس بالاوامر والا لاستغرقت العبادات الاوقات كلها لدوام الامر (حاشيه)

چنانچہ شارعِ حکیم کے کلام اضافی سے استدلال کرتے ہوئے نے ملک نصاب کو وجوب زکوٰۃ کے لیے اور رأس موصوف بولایۃ ولایۃ کو وجوبِ صدقہ کے لیے سبب قرار دیا کیونکہ میں عتبار نصاب کے اور مؤ وولایت میں عتبار رأس کے تعدد و تکرار پایا جاتا ہے اور ملک نصاب اور رأس یموں ولی علیہ کو سبب قرار دیا تو وقت وجوبِ ادار کو شرط کہا گیا اگرچہ وقت کے تکرار سے حکم میں تکرار بھی مسلّم ہے دو چیزوں کا ایک تجویز کرنا معلوم ہوا اور نماز، روزہ اور قربانی میں اوقات و ایام مخصوصہ کو سبب قرار دیا کہ وقت میں تکرار کا ہونا مشاہد و یقینی ہے اور سبب وجوب کے تکرار سے وجوب ادار کا تکرار سا ان میں مدلل کیا جاچکا ہے۔

اور حج زندگی میں فقط ایک مرتبہ ہے اس لیے حج کی اضافت بیت اللہ کی طرف کی گئی جو مکرر ہے اور قدرت علی الزاد والراحلہ کو باوجودیکہ وجوبِ حج اس پر موقوف ہے یعنی نفس وجوب کی شرط ہے اور وجوب ہی چونکہ مفضی الی الاداء ہوتا ہے اس لیے ا کو سبب کہا جاسکتا ہے چونکہ اس میں تکرار کا بھی تحقق ہوتا ہے اس لیے سبب بالمعنی الاصطلاحی قرار دیا گیا۔

وفى الذخيرة وقد رتب الله سبحانه وتعالىٰ وجوب الحج على الاستطاعة وترتيب الحكم على الوصف يشعر بسببيّة ذلك الوصف لذلك الحكم كقولنا زنى فرجم وسها فسجد وسرق فقطع فتكون الاستطاعة سببا لوجوبه. (حاشيه شلبى على التبيين:۲/۲۳۶)

غرض جس شئے کو سبب قرار دیا جاتا ہے اس میں تعدد وتکرار کا خاص معنی ملحوظ ہے اسی وجہ سے واجبات کی نسبت اسباب کی طرف ہوا کرتی ہے فالواجبات تضاف الی اسبابها (مبسوط:٢/٤) قطع نظر اس سے کہ وہ سبب فی معنی العلۃ ہے یا سبب فی معنی الشرط اب فقہاء کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

(١) اعلم ان الصلاة فرضت لاوقاتها قال الله تعالیٰ اقم الصلوٰة لدلوك الشمس ولهذا تكرر وجوبها بتكرار الوقت وتودّى فى مواقيتها (مبسوط:١/١٤١)

(٢) وسبب الاول الشهر ولهذا يضاف اليه ويتكرر بتكرره (هدايه: ١/٢١١ كتاب الصوم)

(٣) فشهود جزء منه سبب لكله ثم كل يوم سبب وجوب ادائه غاية الامر انه تكرر سبب وجوب صوم اليوم باعتبار خصوصه كما فى الفتح (شامى:٣/٣٣٣)

(٤) ولان سببه البيت وانه لايتعدد فلا يتكرر الوجوب (هدايه:٢٣٢)

(٥) وقد علم ان السبب اذا لم يتكرر لايتكرر المسبب وانما كان سببه البيت لاضافته اليه يقال حج البيت والاضافة دليل السببية (بنايه:٤/٦)

(٦) وسبب وجوب الحج ما اشار اليه الله تعالیٰ فى قوله ولله على الناس حج البيت فالواجبات تضاف الى اسبابها ولهذا لايجب فى العمر الا مرة واحدة لان سببه وهو البيت غير متكرر والاصل فيه حديث الاقرع بن حابسؓ... والوقت فيه شرط الاداء وليس بسبب ولهذا لايتكرر بتكرر الوقت (مبسوط:٢/٤)

(٧) الاضافة اى اضافة الصدقة الى الفطر باعتبار انه وقته اى وقت الوجوب فكانت اضافته مجازية وهذا يتعدد بتعدد الرأس مع اتحاد اليوم اى لاجل تعدد الصدقة يتعدد الرأس ان لم يتعدد الفطر فعلم ان الرأس هو السبب فى اليوم (بنايه:٣/٥٧٢)

(٨) ... ولانه يتضاعف بتضاعف الرؤس فعلم ان السبب هو الرأس وانما يعمل فى وقت مخصوص وهو وقت الفطر ولهذا يضاف اليه فيقال صدقة الفطر والاضافة فى الاصل وان كان الى السبب فقد يضاف الى الشرط مجازا فان الاضافة تحتمل الاستعارة فاما التضاعف بتضاعف الرؤس لايحتمل الاستعارة (مبسوط:٢/١٠١)

(٩) النصاب انما يكون سببا باعتبار صفة النماء فان الواجب جزء من فضل

المال قال الله تعالیٰ يسئلونك ماذا ينفقون قل العفو ای الفضل فصار السبب النصاب النامی ولهذا يضاف الی النصاب والی السائمة يقال زكوٰة السائمة وزكوٰة التجارة والدليل عليه ان الواجب يتضاعف بتضاعف النصاب فان قيل الزكوٰة تتكرر فی النصاب الواحد بتكرر الحول □م الحول شرط وليس بسبب الخ. □ دیکھئے مبسوط□□□□□

□ ا□ نصاب اور رأس کے بجائے وقت کو سبب قرار دیا جائے تو تکرارِ وقت سے وجوب ضرور □ رہے لیکن متعدد وجوب □ ہو□۔ اور ا□ □یامِ حج سے وجوبِ ادا کا تعلق ہو تو ہر سال حج کر□ ضروری ہو جائے جیسے قر□نی۔

اما حدي□ الاقرع بن حابسؓ فهو ما روی ابوهريرةؓ... فقال الاقرع بن حابسؓ أكلّ عام يا رسول الله فسكت حتی قالها□ لا فقال لوقلتُ نعم لتقرر الوجوب كل عام علی ماهو المستفاد من الامر قلنا لابل معناه لصار الوقت سببا لانه عليه الصلاة والسلام كان صاحب الشرع واليه نصب الشرع (تلويح:٤٢١) اور □ب وقت کو سبب وجوب قرار دیا جائے تو وجوب ادا مختص □ لوقت ہو کر □ مکرر رہے۔

قر□نی کے سبب وجوب کے □رے میں فقہاء کا □ف اور □ لآ□ وقت کی □ببیت □ □ب کا □ ہو□ببیت کے خاص معنی کے لحاظ سے ہے۔ اور اِس معنی کے اعتبار سے وجوبِ اضحیہ کا سبب □غنا و □ رہے اور □ ہی رأس یموٴ ویلی علیہ ہے۔ ور□ متعدد قر□نی وا□ □ب ہوتی جیسے ز□ة و صدقة الفطر۔ ا□ □یام نحر کی آمد سے وجوب □ رہے رہتا ہے اس لیے وجوب ادا یعنی وجوب اضحیہ کا سبب وقت کو قرار دیا گیا ہے۔

ان سبب وجوب الاضحية الوقت وهو ايام النحر والغنیٰ شرط الوجوب... الا يری انه لايقال اضحية المال ولا مال الاضحية فلا يكون المال سببا (تكلمة فتح القدير)

ولان سبب الوجوب هناك رأس يمونه ويلی عليه وقد وجد فی الولد الصغير وليس السبب الرأس ههنا الا يری انه يجب بدونه وكذا لايجب بسبب العبد (بدائع:٥/٦٥ كتاب الاضحية)

واعلم ان عبارة البعض تفيد ترجيح كون السبب هو الرأس كصاحب الكافی حي□ قال وسببها الرأس كما فی صدقة الفطر وقيل اليوم وعبارة الدر تفيد عكس ذلك. ومنهم من جزم بان السبب هو اليوم قال للاضافة لقولهم يوم الاضحیٰ

ولتكررها بتكرره (فتح المعين على شرح الكنز لملا مسكين:۳/۳۷۶)

(۱۰) ثم ههنا تكرر وجوب الاضحية بتكرر الوقت ظاهر (تكلمه فتح القدير:۹/۵۰۶)

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے وجوب صدقۃ الفطر میں رأس کے لیے سبب کا لفظ استعمال کیا اور قربانی میں مال کے لیے نہیں کیا۔

قلنا سبب وجوب الفطرة رأس اى نفس يمونه اى يتوليه ويكفله فيجب الصدقة على الرأس... ولكن الاضحية على المال فان لم يكن له مال لايجب عليه فافهم (عمدة الرعايه:۴/۳۸)

لیکن قربانی کے وجوب فی الذمہ کی علّت بہرحال غنا وہی رہے اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے (كما ستعلم ان شاء الله) اس لحاظ سے اگر کسی فقیہ کے کلام میں بسبب الغنا کا لفظ آیا ہے تو وہ سبب فی معنی العلۃ ہے۔ دیکھئے تبیین الحقائق
الحاصل وقت کو سبب قرار دینا تکرارِ وجوبِ اداء کے لیے ہے۔

رفع الارتياب من سببيّة الوقت للموقّتات

سابق تحریر سے یہ چیز بالکل محقق اور مدلل ہوگئیں کہ وجوبِ اداء مختص ہے اوقات معینہ کے ساتھ اور سبب کے تکرار و تعدد سے وجوب مکرر ہوتا ہے اور اصل وجوب صفات پر موقوف ہے نہ کہ اوقات پر۔

اور جب فقہاء کے نزدیک یہ امور مسلّم ہیں تو پھر قربانی کے سلسلہ میں کراچی، دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ ائمہ فقہ کے نقل کے خلاف کیونکر ہوگئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک طرف نفس وجوب میں مکلّف کو دیکھا جائے گا اور نفس وجوب کے بعد محل اداء کا اعتبار ہوتا ہے یہ دونوں چیز مسلم ہیں دوسری طرف فقہاء نے وقت کو سبب وجوب قرار دیا ہے اور نفس وجوب سے وقت وجوب میں بحث کی ہے اور زیادہ میں سبب وجوب سے ہی نفس وجوب متحقق ہوتا ہے ۔ موقف کے قائل کی نظر فقہاء کے کلام میں وقت کے لیے سبب اور سبب وجوب کے لفظ پر مرکوز ہوگئی اور وجوب سے نفس وجوب کی مراد ذہن نشین کرلی گئی اور نفس وجوب کا مطلب اشتغال الذمہ لیا۔ جب مشائخ نے بیان کیا ہے کہ وقت کو مؤثر فی الوجوب تسلیم کرلیا گیا۔ اس مفروضہ سے یہ نتیجہ نکل آیا کہ وقت سے قبل ذمہ مشغول نہیں ہوگا ہی لیکن ان مقدمات میں اگر غور کرلیا جائے

کہ وقت کی سببیت محض ہے یا فی معنی العلۃ یا فی معنی الشرط۔ اور وجوب سے وجوب اداء مراد ہے یا صرف نفس وجوب۔ اور نفس وجوب کا مطلب کیا ہے؟ وہی ہے جو عام مشائخ نے بیان کیا ہے؟ اور اگر یہی ہے تو مطلق وقت مراد ہے یا وقتِ خاص تو لغزش اور خطاء واقع نہ ہوتی۔ ماشاء اللہ کان ومالم یشا لم یکن.

اس لیے راقم نے موضوع کے ما لہ وما علیہ کی تحقیق کی اور اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف کلام یکجا کرنے سے ایک قسم کا تعارض ظاہر ہوا اس کو دفع کیا گیا کہ حقیقت آشکارا ہوجائے اور فقہاء کا نظریہ مبرہن ہوکر سامنے آجائے۔

وجوبِ اداء کا سبب حقیقی خطابِ الٰہی ہے

یہ امر یقینی ہے کہ وجوب اداء کا سبب حقیقی خطاب الٰہی ہے یعنی طلب ایقاعِ فعل خطاب الٰہی کے ذریعہ ہوتا ہے اسی کو خطابِ کہتے ہیں یہ اقتضاءِ فعل یا طلبِ ایقاع اوقات مخصوصہ میں ہوتا ہے یعنی وقت مخصوص کی آمد ہی خطاب بندوں کی طرف متوجہ ہوگا اس سے قبل اب اگر وقت مخصوص ہے جیسے قرأتِ موقتہ میں تو اس کا آنا توجہِ خطاب کے لیے متعین ہے اور اسی دلالت کرتا ہے۔

وسببها الاصلی خطاب الله تعالیٰ ای سبب وجوب ادائها (مراقی)

ویخرج حین تزول الشمس لان الخطاب یتوجه بعده (هدایہ باب الاعتکاف ص:۲۳۰)

واسبابها اوقاتها وتجب ای یفترض فعلها باول الوقت وجوبا موسّعا فلا حرج حتی یضیق عن الاداء ویتوجه الخطاب حتما (مراقی)

وسبب لزوم ادائها هذا هو السبب الحقیقی توجه الخطاب ای الخطاب المتوجه الی المکلفین بالامر بالاداء یعنی قوله تعالیٰ وآتوا الزکوٰة وشرط افتراضها حولان الحول (در مع الرد: ۱۸۵/۳)

ووجه ما تقرر فی علم الاصول من ان وجوب الاداء فی الموقتات التی یفضل الوقت عن ادائها کالصلاة ونحوها انما یثبت آخر الوقت اذ هنا یتوجه الخطاب حقیقةً الخ کما مر (تکمله فتح القدیر:۵۰۸/۹)

اور اسی خطاب الٰہی کو جو بندوں کے ادراک سے غائب اور مکلفین کو اس کا متوجہ ہونا معلوم

ہے شارعِ حکیم کا وقت کے ساتھ ربط کرنا یہ خطابِ وضع کہلاتا ہے، وقت مخصوص کی آمد معرِّف اور علامت ہے خطاب الٰہی کے متوجہ ہونے کی لہٰذا وقت سبب محض ہے یعنی فقط مفضی الی الحکم ہے مؤثر فی الوجوب نہیں ہے۔ الاحکام الشرعية تتعلق باسبابها وذلك لان الوجوب غيب عنّا فلا بد من علامة يعرف العبد بها وجوب الحكم وبهذا الاعتبار اضيف الاحكام الى الاسباب فسبب وجوب الصلاة الوقت بدليل ان الخطاب باداء الصلاة لايتوجه قبل دخول الوقت وانما يتوجه بعد دخول الوقت والخطاب مُثبِت لوجوب الاداء ومعرّف للعبد سبب الوجوب قبله (اصول الشاشی:۹۹)

وسببه الجعلى الذى جعل علامة على الوجوب الخفى الثابت فى نفس الامر (فتح القدير:۱/۲۲٤)

السبب عند جمهور الفقهاء هو الامر الظاهر المضبوط الذى جعله الشارع امارة لوجود الحكم.

الحقيقة الثانية: هى ان الاسباب ليست مؤثرة فى وجود الاحكام التكليفية بل هى امارة لظهورها ووجودها (اصول الفقه:۵۵)

نفس وجوب کا سببِ حقیقی کیا ہے؟

نورالانوار و دیگر کتبِ اصول میں ایک عبارت جو کسی موقف کیلئے بظاہر مضبوط صریح دلیل بن سکتی ہے اور جو کہ دارالعلوم کراچی کے طویل فتویٰ میں اس موقف کو موجَّہ کرنے کے لیے بطورِ دلیل پیش کی گئی ہے اس کی حقیقت کشائی ضروری ہے تاکہ اس استدلال اور اعتماد کا حال واضح ہوجائے۔

ان الوقت سبب لنفس الوجوب والامر هو سبب لوجوب الاداء (نورالانوار)

وقت نفس وجوب کا سبب یعنی سبب ظاہری ہے اور اس کا سببِ حقیقی ایجابِ قدیم ہے جیسا کہ نورالانوار ہی کی دوسری عبارت یہ ہے۔

ثم ههنا شيئان نفس الوجوب ووجوب الاداء فنفس الوجوب سببه الحقيقى هو الايجاب القديم وسببه الظاهرى الوقت اقيم مقامه (نورالانوار)

فقہاء کی مختلف عبارتوں کی وجہ سے یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ کیا ایجابِ قدیم نفس وجوب کا سببِ حقیقی ہے یا وجوبِ اداء کا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ نفس وجوب کا سببِ حقیقی آیا ایجابِ

قدیم ہے جو کہ نورالانوار وغیرہ بعض کتب فقہ میں مصرح ہے یا سببِ حقیقی تتابع و توارد نِعَم علی العباد ہے جیسے حاشیہ حسامی میں ہے۔

ثم ههنا امران نفس الوجوب ووجوب الاداء فنفس الوجوب سببه الحقيقى هو تتابع النعم على العباد من الله تعالىٰ وسببه الظاهرى هو الوقت اقيم مقامه لتوارد النعم فيه (حاشيۂ حسامی: ۷۲/۱)

یا سببِ حقیقی اُن دونوں کے علاوہ کوئی اور شئی ہے جو کہ صاحب بدائع نے اشارہ کیا ہے۔ كما سيجئ.

بہرحال اگر ایجاب قدیم حقیقی سبب ہے تو وہ ازلی ہے اور تتابع نعم علی العباد ہے تو وہ غیر ازلی ہے اور خواہ کچھ بھی ہو مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وقت سببِ ظاہری ہے نفس وجوب کا۔

اب ایک طرف وقت کا نفس وجوب کا سبب ہونا مصرح۔ دوسری طرف وقت کا وجوبِ ادار کا سبب ہونا بھی یقینی اور قطعی ہے جس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ غرض یہ عقدہ ہے جس کا حل کرنا ضروری ہے۔

پہلے سوالوں کا جواب یہ ہے کہ ایجابِ قدیم نفس وجوب کا نہیں بلکہ وجوبِ ادار کا ہی سببِ حقیقی ہے کیونکہ ایجابِ قدیم اور خطابِ الٰہی درحقیقت دو الگ الگ شئی نہیں ہیں اس لیے کہ خطاب بواسطہ کلام ہوگا اور کلام اللہ کی صفت ذاتی ہے لہٰذا خطاب بھی قدیم ہوا اور خطاب الٰہی وجوبِ ادار کا سببِ حقیقی ہے (كما حققنا) پس وقت کو ایجابِ قدیم کا سببِ ظاہری قرار دینا دراصل وجوبِ ادار کا ہی سبب بتانا ہے۔

قوله الايجاب القديم هكذا فى التلويح والحق خلاف ذلك فان الايجاب القديم وهو خطاب الله تعالىٰ المتعلق بافعال المكلفين وهو معنى تعلق الطلب بالفعل فهو سبب لوجوب الاداء لالنفس الوجوب فالسبب الحقيقى لنفس الوجوب اما النعم التى منحها الله تعالىٰ على عباده كما قال البعض (حاشیۂ نورالانوار: ۵۷)

والظاهر ان السبب الحقيقى للوجوب النعم فى الوقت كما صرحوا به اما الايجاب القديم فهو سبب وجوب الاداء وهو خطاب الله تعالىٰ المتعلق بفعل المكلف وهو معنى تعلق الطلب بالفعل (فتح الغفّار بشرح المنار: ۸۱)

اوراب عقدہ کا حل ملاحظہ فرمائیے

پہلا حل نفس وجوب اور وجوبِ ادار دو الگ الگ چیز بلکہ مامور کے دو اعتبارات ہیں ای اعتبار سے نفس وجوب اور دوسرے اعتبار سے وجوبِ ادار۔ کیونکہ لفظ ''ادار'' جو وجوبِ ادار میں مضاف الیہ ہے وہ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ادار بمعنی المصدر ای الاتیان بالشیء یعنی ایقاعہ حاصل لمصدر ای الحالۃ المخصوصۃ او الفعل المخصوص ادار ای ما یقابل القضاء. (فتح الغفار)

وجوب ادار کہئے وجوبِ ۃ لفظ کا فرق ہے مصداق ای ہے اس لیے کہ صوم و ۃ ہی وہ فعل مخصوص ہے جس کا مطالبہ وقت میں خطاب الٰہی کے ذریعہ ہوتا ہے کہ مشائخ ماورار النہر کا قول صا ائع نے نقل کیا ہے۔

لان الوجوب المعقول هو وجوب الفعل كوجوب الصوم والصلاة وسائر العبادات (بدائع)

لٰہذا نفس وجوب سے عین وجوب اد ہے۔

والحاصل ان الحالة المخصوصة تتصف بنفس الوجوب نظرا الى لزوم وقوعها وتتصف ايضاً بوجوب الاداء نظرا الى لزوم ايقاعها فالموصوف بهما واحد بالاعتبارين. (فتح الغفار:٤٩)

نفس وجوب کا سب ظاہری مطلق وقت ہے

دوسرا حل چونکہ عام مشائخ کے دی نفس وجوب وجوبِ ادار سے فک ای قسم ہے اور وجوبِ ادار سے زما ولۃً مقدم ہوتا ہے اس لیے ہ کا حل اب دوسرا ہے۔ اور یہ متعین ہے ان شار اللہ۔ کہ نفس وجوب کا سب ظاہری مطلق وقت ہے اور وجوبِ ادار کا سب وقت خاص ہے اس کے متعدد دلائل ہیں۔

کیونکہ ایجابِ قد کو ا نفس وجوب کا سب حقیقی کہیں تو یہ ایجاب فقط نماز کے لیے تو ہے کہ وقت کو اس کا سب ظاہری قرار دی بلکہ تمام عبادتوں کے لیے ہے اس لیے کہ وہ ازلی ہے اس میں نی و مالی، می، شہری اور سنوی عبادتوں کا کوئی فرق ہے۔ اس میں تقد خیر بھی ہے یہ فرق حادث اور ازلی ہے۔

اور ا تتا وتوار دِنعم علی العباد کو نفس وجوب کا سب حقیقی ما اور یہی راجح بھی ہے تو یہ

تنا وتواردا چہ ازلی ہے ہر لحہ من جا اللہ بندوں مبذول ہے۔ شمسی تغیرات مانع ہے اور سب حقیقی . بلا امتیاز تمام بندوں کے حق میں عام ہے تو حکمت کا تقاضہ ہے کہ سب ظاہری بھی عام ہو اس لیے کہ اقالیم د میں بعض ا بھی علاقے ہیں جہاں وقت خاص للعشاء ہی اور کہیں چھ ماہ دن ہے تو چھ ماہ رات ہے۔ بہرحال تمام مکلفین عالم اس نفس وجوب جبری وجوب میں مستوی الاقدام ہیں . بھی شرائط یعنی شرائط اہلیت ئی جائیں گی ذ ال لوا. ہو جائے گا۔

اور وجوبِ ادا، جس کا سب حقیقی خطاب الٰہی ہے اور وہ موجود علی الدوام ہے اس کا مقتضی یہ تھا کہ بندہ وقت اس کی بندگی میں ال رہتا کوئی لحہ اس سے فارغ رہتا ظاہر ہے اس سے نظامِ عالم مختل و فاسد اور بندہ حرج ین میں ہوجا جو لا یکلف الله نفساً الا وسعها و ہ آیت کے خلاف ہے اس لیے تیسیراً علی الناس وفضلاً من الله ورحمةً علی العباد اوقاتِ مخصوصہ میں جس میں فیضانِ الٰہی وعنا بانی متوجہ ہوتی ہے وا. کی ادا کو کافی سمجھ گیا اور شارع نے ان ہی اوقات کو توجہِ خطاب کا عرف و سب مقرر فرما ہے۔

پہلا لال والمراد بالسبب ان لهذا الوقت تاثیراً للمأمور به وان كان المؤثر الحقيقي في كل شئ هو الله تعالىٰ لكن يضاف الوجوب في الظاهر الى الوقت لان في كل لمحة وصول نعمة من الله تعالىٰ الى جانب العبد وهو يقتضي الشكر في كل ساعة وانما خص هذه الاوقات المعينة بالعبادات لعظمتها وتجدد النعم فيها ولئلا يفضي الى الحرج في تحصيل المعاش ان استغرق الوقت العبادة... كوقت الصلاة الخ (نور الانوار:۳۵)

لان وجوبها في الوقت اما لحق العبودية او لحق الشكر اولتكفير الخطايا لان العبادات والقربات انما تجب لهذه المعاني وهذا لايوجب الاختصاص بوقت دون وقت فكان الاصل فيها ان تكون واجبة في جميع الاوقات وعلى الدوام بالقدر الممكن الا ان الاداء في السنة مرة واحدة في وقت مخصوص اقيم مقام الاداء في جميع السنة تيسيرا على العباد وفضلا من الله عز وجل ورحمةً كما اقيم شهر في السنة مقام جميع السنة واقيم خمس صلوات في يوم وليلة مقام الصلاة آناء الليل وآناء النهار (بدائع:۶۷/۵)

جہاں وقت کو نفس وجوب کا سبب ظاہری کہا گیا ہے اس سے اد مطلق وقت ہے لہٰذا شرائط وجوب ۔ بھی متحقق ہو اصل وجوب یعنی ذ ل لوا ۔ ہو جائے اور اہلیت وجوب آ جائے گی اس میں طلب ایقاع ہے یہ تو وجوب ادا میں ہے جس کا سبب حقیقی خطاب الٰہی ہے۔ لہٰذا نفس وجوب اُس خطاب سے جس ا دال ہے ز ہوسکتا

فلیس الوقت الذی هو سبب لنفس الوجوب مغنیا عن الامر الذی هو سبب لوجوب الاداء بل لابدمنه (نورالانوار: ۳۵) یعنی وجود اصل وجوب نفس وجوب ئے جانے کے ا وقت مخصوص للاداء ہے تو ادا در ہے کیونکہ من جا اللہ مطالبہ ہونے کی وجہ سے ابھی فعل وا ۔ الاداء ہے۔

اور ا کسی کو اصرار ہے کہ فقہاء نے نفس وجوب سے بھی وقت خاص میں کلام کیا ہے لہٰذا اشتغالِ ذ بھی وقت خاص میں ہوگا تو اوّلاً یہ عرض ہے کہ سب وجوب کے لفظ سے نفس وجوب د ہی محل نظر ہے کما مقصود وجوب ادا ہے اور وہ مختص لوقت ہے ا وجوب ادا سے قبل نفس وجوب کا ہو ضروری ہے اور نفس وجوب شرائط کے ہوسکتا اس لیے فقہاء وقت میں شرائط کے تحقق سے بحث کرتے ہیں کہ وجوب ادا کو بیان کرسکیں۔ نفس وجوب شرائط سے ہے کہ وقت خاص سے ں وجوب ادا وقت خاص سے قبل ہے اس طرح وقت میں دونوں وجوب مجتمع ہو جاتے ہیں اُسے ا نظیر سے سمجھ سکتے ہیں۔

حا احرام میں شکار کرنے سے ار وا ۔ ہوتی ہے یہ ائے فعل ہے لہٰذا ا ہی شکار کو چند محرموں نے ملکر شکار کیا تو ہر ا مستقل مکمل ار وا ۔ ہوگی کیونکہ ہر محرم کا فعل مستقل مو ۔ ہے اور حرم کے جانور کا شکار کرنے سے ضمان وا ۔ ہو ہے یہ ائے محل ہے لہٰذا چند ل نے ملکر ا جانور کو قتل کیا تو اُس ا جانور کی بطور ضمان ۔ تقسیم کی جا ۔

غور کیا جائے ائے صید ائے فعل ہے یہ حرم کے ساتھ خاص اس کا مدار فعل اصطیاد بجا احرام ہے اور ضمان حرم کے ساتھ خاص ہے ا محرم نے حرم کے صید کو قتل کیا ل شخص کے ساتھ ملکر تو محرم دو ما وا ۔ ہوگا ا فعل اصطیاد کی وجہ سے جو مکمل ار ہے اور دوسرا ما ضمانِ محل ہے جس میں محرم اور ل دونوں شر ہیں لہٰذا محرم دو مانوں کا حامل ہوا دو اعتبارات سے اور ل فقط ا ہی ضمان وا ۔ ہے۔

اسی طرح سمجھئے کہ شرائط وجوب ا وقت خاص میں متحقق ہو رہی ہیں تو اہلیت وجوب

ہوئی شرائط کی وجہ سے اور خطاب الٰہی متوجہ ہونے سے ادا بھی وا ۔ ہوگی اور اگر وقت خاص ہے تو شرائط کی وجہ سے اصل وجوب بہرحال ہوگا۔ غرض نفس وجوب کے لیے وقت متعین ہے وجوب ادا کے لیے وقت کا ہونا ضروری ہے فقہاء کا وقت کو نفس وجوب کا سبب کہنا مذکورہ تقریر سے اور درست ہے یہ مطلق زمان، عام وقت ہے اور جہاں وقت کو سبب وجوب ادا کہا گیا یہ وقت خاص ہے اور خاص میں عام ضرور پایا جاتا ہے ولا عکس۔ فافہم وتدبر

دوسرا استشہاد جمع بین الصلاتین حقیقتاً کی اجازت امام مالکؒ کے نزدیک فقط مغرب و عشاء میں، امام شافعیؒ کے نزدیک سفر طویل میں چند شرطوں کے ساتھ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مرض کی وجہ سے مطلقاً جمع بین الصلاتین کی اجازت ہے (مسلم شریف مع شرحہ للنووی) دلیل ہے کہ نمازوں کا نفس وجوب مکلّف کو قبل از وقت حاصل ہے۔ یہی تو جمع تاخیراً کی طرح جمع تقدیماً بھی درست ہے ورنہ نفس وجوب سے قبل نماز کا کوئی اعتبار نہیں جیسے قبل البلوغ نفس وجوب ہے ہی نہیں۔

تیسرا استشہاد حجاج کے لیے میدانِ عرفہ میں وقوف کی خاطر چند شرطوں کے ساتھ جمع تقدیم کی اجازت ایک قوی دلیل ہے کہ مکلّف کا ذمہ پہلے سے مشغول ہوا۔ ہے اگر شروط موجود ہوں تو ادا میں جمع تقدیم عندالاحناف جائز ہے اور شرط فوت ہوجانے پر دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرنا ضروری ہے اور یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ وجوبِ ادا مختص بالوقت ہے صرف حجاج کے لیے یوم عرفہ کو وقوف کی غرض سے عصر کا وجوبِ ادا اس کے وقت سے قبل مانا گیا ہے اس لیے جمع تقدیم جائز ہے اور وجوب ادا سے پہلے نفس وجوب یا اصل وجوب کا ثبوت ضروری ہے اگر نفس وجوب ہی وقت خاص سے قبل نہ ہوتا تو جمع تقدیم کی اجازت ہرگز نہ ہوتی کیونکہ اصل وجوب کے بغیر ادا کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جیسے اسلام سے قبل احکام کا اصل وجوب نہیں ہے۔

چوتھا استشہاد جنون کے طاری ہونے سے اگر وہ ممتد ہے تو وجوب ساقط ہوجاتا ہے یعنی عقل نہ رہنے کی وجہ سے انسان خطاب الٰہی کا اہل نہیں رہتا اس لیے مطالبہ فعل یعنی وجوب ادا نہیں پایا جاتا۔ پھر اگر یوم ولیلۃ کے پورا ہونے سے پہلے افاقہ ہوگیا تو شرائط کے ساتھ مطلق وقت پایا اس لیے اہلیت باقی ہے ادا نہ کرنے کی وجہ سے فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہوگی اور اگر جنون یوم ولیلۃ سے متجاوز ہوگیا تو قضا بھی نہیں آئے گی اس لیے کہ بجائے عقل مطلق زمان بھی

ی۔

وسبب الصلاة الوقت ولا يحصل منه وجوب الاداء... وكذلك وجوب الاداء يتعلق بالامر بعد كون الشئ واجباً بسببيّة السابق عليه ودلالة اى دليل هذا الاصل وهو ان نفس الوجوب بالاسباب ووجوب الاداء بالامر اجماعهم على وجوب الصلاة على النائم والمجنون والمغمىٰ عليه اذلم يزد الجنون والاغماء على يوم وليلة (حاشیۂ حسامی: ۱۱۹)

اورنفس وجوب کووقت خاص سے ما کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مثلاً ای شخص کوقبیل الزوال جنون لاحق ہوا یہاں کہ دوسرے دن طلوعِ آفتاب کے وقت افاقہ ہوا تو موقف کے قا کے دی بھی وا. ہونی چاہئے کیونکہ نفس وجوب کسی نماز کا یاس لیے کہ شرائط کے وقت سے وجوب بھی بنتا۔ اورفقہاء رحمہم اللہ کے کہنے کے مطا کہ جنون م ولیلۃ سے زائ ا، وا. ہوگی۔

نچواں استشہاد اہل ریہ کا مسئلہ بھی ای مستحکم دلیل ہے۔

ریہ میں کا وقت مخصوص یہی جا یعنی شفق غائ ہونے سے قبل صبح صادق ہوجاتی ہے ان کی ر کے رے میں فقہاء کا ا ف ہوگیا اس کا حاصل جو علا شامی نے نقل کیا ہے وہ عین ادِشریعت ہے یعنی ر وا. ہوگی ادا، وا. ہوگی کیونکہ ادا، فرض الوقت ہے اور. ادا، یعنی تسلیم عین الوا. کا وقت ہی تو اس کا وجوب بھی ہوگا ر کا وا. القضاء ہ سے وجوب ئے جانے کے وجود حجت ہے کہ نفس وجوب موجود ہے اس لیے کہ مطلق وقت بہرحال ہے اور وقت خاص ہونے کی وجہ سے وجوبِ ادا، ہے۔ لیکن اَ وقت معینہ کونفس وجوب کا سب موَ ما جائے تو لازم آئے گا کہ اہل ریہ ر کی ادا، ہوا اور ہی ر۔ وهو خلاف المنقول عن الفقهاء.

چھٹا استشہاد دکا وہ خطہ جہاں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہوتی ہے ظاہر ہے کہ. دن ہ ہے تو غروب سے طلوع آفتاب نمازوں مغرب، ر اور فجر کا وقت اور. رات رہتی ہے تو دو نماز ظہرو کا وقت لکل ہ۔ سوال یہ ہے کہ ا علاقہ میں بسنے والے مسلمان کیا چھ مہینہ مسلسل صرف نماز اور دوسرے چھ ماہ میں فقط دو نماز ادا، کر گے کیونکہ اوقاتِ مخصوصہ ہی کونفس وجوب اصل وجوب کا سب ما کا لازمی نتیجہ یہی

ہوگا غالبًا کوئی بھی اسکا قائل □ہو- اس لیے کہ □ ایجاب قد□ کو□ توارد نعم علی العباد کو نفس وجوب کا سب□ حقیقی قرار د□ی تو چونکہ یہ دونوں شمسی امتیازات سے آزاد ہیں اس میں زمان و مکان کا تفاوت □ ہے تو سب□ ظاہری بھی عام ہو□ چاہئے□ کہ □ات خمسہ کا نفس وجوب جو شرائط کے وجود□ من جا□ اللہ □ ہو□ ہے اس میں تمام مسلم□ن عالم خواہ د□ کے کسی بھی خطہ میں رہتے ہوں □ں شامل ہوں ا□ بندوں سے اداء کا مطالبہ یعنی فرضیت اداء دفع حرج کے □نظر یرید اللہ بکم الیسر ولایرید بکم العسر اور لایکلف اللہ نفساً الا وسعها کے تحت اوقات مخصوصہ میں کی گئی ہے۔

تمییز الطرقات لتحقق الشرائط للقربات

شروط کی □ □ ہیں□□□ شرطِ اہلیت□ اصل وجوب□□□ شرط وجوب اداء□□ شرط صحت اداء۔

شرائطِ وجوب: شرائط اہلیت کا وجوب اداء کے لیے بھی ہو□ شرط ہے کیونکہ اہلیت کے □وجوب اداء□ □ ہوگا۔ وبدون الاهلية لا□ابت وجوب الاداء (بنایه: ٣/٣٤٥)

□ شرائط وجوب اداء میں شرائط اہلیت بھی شامل ہیں اسی لیے فقہاء کے کلام میں شرط اہلیت کو شرط وجوب اداء سے علیحدہ □ کیا جا□۔ یعنی شرائط وجوب کے تحت دونوں طرح کی شرطیں مذکور ہوتی ہیں۔

شرائط اہلیت:□□ بلوغ: □□لغ □کوئی وجوب □۔ والولد لاوجوب عليه اصلاً (هدایه: ٢٢٢)

والعبادات باسرها موضوعة عن الصبيان (بنایه: ٤/٩)

□□ **اسلام:** کافر □ بجز اسلام کے کسی حکم شرعی کا وجوب □ ہے اور ار□اد سے بھی وجوب ساقط ہوجا□ ہے۔ ولم يجب على الكافر شئ من الشرائع التى هى الطاعات لما لم يكن اهلا □واب الآخرة (حسامی: ١٣٣)

ولو ارتد بعد وجوبها سقطت (طحطاوی: ٧١٤)

□□ **عقل:** اس کے نفس وجوب کی شرط ہونے میں ا□ ف ہے۔ اما العقل فهل هو من شرائط الوجوب وكذا الافاقة واليقظة قال عامة مشائخنا انها ليست من شرائط

الوجوب ويجب صوم رمضان على المجنون والمغمى عليه لكن اصل الوجوب لاوجوب الاداء الخ (بدائع:۲/۸۸)

لیکن جنون اگر مطبق ہوتو اصل وجوب بھی ساقط ہوجاتا ہے اس اعتبار سے عقل شرطِ نفس وجوب ہے۔ واذا امتد فصار لزوم الاداء يؤدى الى الحرج فيبطل القول بالاداء وينعدم الوجوب ايضاً لانعدامه اى الاداء والحاصل انه اذا كان الجنون بان امتد فلا وجوب للاداء عليه لانه يفضى الى الحرج ولانفس الوجوب عليه ايضاً لان الغرض من نفس الوجوب الاداء فاذا سقط الاداء بطل نفس الوجوب ايضاً لفوات الغرض (حاشيه حسامى:۱۳۸)

شرائطِ وجوب اداء کی تشریح: *چونکہ وجوب اداء کے لیے قدرت علی فہم الخطاب اور قدرت علی اداء المامور شرط ہے اس لیے کہ خطاب عاجز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور چونکہ فہم خطاب اور ادائے مامور سے عاجز ہے اس لیے عقل اور بلوغ وجوبِ اداء کے لیے بھی بہرحال شرط ہے۔* فالقدرة شرط لوجوب الاداء لالنفس الوجوب لان التكليف هو طلب ايقاع الفعل من العبد وانفس الوجوب لاطلب فيه بدليل ان صوم المريض والمسافر واجب ولا تكليف عليهما (فتح الغفار، ص)

حاصل یہ کہ مذکورہ تینوں اوصاف شرائط کہلاتے ہیں جو تمام عبادتوں کے وجوب کے لیے شرط ہیں۔

يشترط لفرضيتها اى لتكليف الشخص بها ثلثة اشياء الاسلام لانه شرط للخطاب لفروع الشريعة والبلوغ اذلاخطاب على الصغير والعقل لانعدام التكليف دونه (مراقى:۱۷۳)

هى فرض عين على كل مكلف ...ثم المكلف هو المسلم البالغ العاقل ولو انثى او عبد (رد المختار:۲/٤)

وهو اى صوم رمضان فرض عين اداءً وقضاءً على من اجتمع فيه اربعة اشياء هى شروط لافتراضه والخطاب به وتسمّى شروط وجوب احدها الاسلام الخ (مراقى:٦٣٤)

اما شروطه فثلثة شرط وجوبه الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء الصحة والاقامة وشرط صحة الاداء النية والطهارة عن الحيض والنفاس كذا فى

الکافی والنہایة (عالمگیری:۱/۱۹۵ کتاب الصوم)

لہذا اوصافِ ثلاثہ نماز، روزہ دونوں میں اصل وجوب اور وجوبِ ادا، دونوں کی شرط ہے اور طہارۃ عن الحیض والنفاس عورت کے حق میں صرف شرطِ وجوبِ ادا، اور شرطِ صحت ادا، ہے اور صحت تندرستی واقامت صرف روزہ کے وجوبِ ادا، کیلئے شرط ہے۔

ویشترط لوجوب ادائه الذی هو عبارة عن تفریغ الذمة فی وقته الصحة من مرض والخلو عن الحیض والنفاس (مراقی:۶۳۴) وشروط وجوب ادائه وهی ثلاثة الصحة والاقامة والخلو عن الحیض والنفاس. (شامی:۳/۳۳۱)

ویشترط لصحة ادائه ای فعله لیکون اعم من الاداء والقضاء ثلاثة (قوله عن الحیض والنفاس فالخلو عنهما من شروط الوجوب ای وجوب الاداء وشرط الصحة (مراقی:۶۲۵)

والطهارة عن الحیض والنفاس شرط لتحقق الاداء فی حق النساء (هدایه:۲۱۶)

قوله لتحقق الاداء فلا یجوز اداءه للحائض والنفساء نعم یجب القضاء لثبوت اصل الوجوب. (حاشیۂ هدایه)

حیض ونفاس کیوجہ سے نفس وجوب یعنی اہلیت زائل نہیں ہوتی ادا، متحقق نہ ہونے کی وجہ سے کہ طہارت شرطِ ادا، ہے اور وجوب ادا، متصل بالادا، ہوتا ہے اس لیے وجوب ادا، کا بھی تحقق نہ ہوگا لیکن اصل وجوب پائے جانے سے جس طرح روزہ ساقط نہیں ہوا ہے قیاس کا تقاضہ تھا کہ نماز بھی ساقط نہ ہو دفع حرج کے لیے اصل صلوٰۃ کا سقوط ہوا ہے۔ حاصل یہ کہ شرط وجوب ادا، کے فوت ہونے سے اصل وجوب ختم نہیں ہوجاتا ہے۔

اما الحیض والنفاس فانهما لا یُعدمان اهلیةً بوجه مّا لکن الطهارة شرط لجواز اداء الصوم والصلاة فیفوت الاداء بهما وفی قضاء الصلاة حَرَج لتضاعفها فسقط بهما اصل الصلاة ولا حرج فی قضاء الصوم فلم یسقط اصله (حسامی:۱۵۰)

قوله بوجهٍ مّا ای لا اهلیة الوجوب ولا اهلیة الاداء لانهما لایُخلّان بالذمة ولا بالعقل وقدرة البدن فکان ینبغی ان لایسقط بهما الصلاة کما لا یسقط به الصوم لکن الطهارة لما کان لجواز اداء الصوم والصلاة شرط فیفوت الاداء. وفی قضاء الصلاة حرج فسقط بهما اصل الصلاة ای نفس الوجوب ولا حرج فی قضاء الصوم

فلم يسقط اصله ولذا يقضى الصوم دون الصلاة فافهم. (حاشیۂ حسامی: ۱۵۰)

اورطہارت عن الحیض جس طرح شرطِ ادا ہے اسی طرح وقت خاص بھی شرط ادا ہے۔ م

دخول الوقت شرط لصحة اداء الصلاة (کبیری: ۲۲۴)

ا اوصاف ثلثہ کے ساتھ وقت خاص کو بھی اصل وجوب کے تحقق کے لیے شرط قرار د تو وقت رجانے نفس وجوب ہی ساقط ہوجائے گا کہ اذا فات الشرط فات المشروط.

اور وجوبِ حج کی شرائط میں اسلام، عقل، بلوغ اور حری شرائط وجوب یعنی اہلیت وجوب ہیں اورا بھی لاتفاق شرط وجوب ہے چونکہ حجاج کی اکثر آفاقی ہے اس لیے وصول الی مواضع الاداء کے لیے شرط ہے اہل مکہ ومن حولہم کے حق میں شرطِ وجوب ہے۔ یہ شرط محض ہے شرط فی معنی العلۃ یعنی ادائے ارکان کے لیے مال کا قی رہنا شرط ہے اسی لیے وجوبِ حج کے بعد مال ہلاک ہوگیا تو حج ذ سے ساقط ہوگا چہ. بھی ادا کرے گا ادا کہلائے گا ۔ اور بقیہ شرائط کے شرط وجوب اور شرط ادا ہونے میں ا ف ہے۔

(۱) شرائط وجوبه فمنها الاسلام ومنها العقل ومنها البلوغ ومنها الحرّية ومنها القدرة على الزاد والراحلة م تكلموا ان امن الطريق وسلامة البدن على قول ابى حنيفة ووجود المحرم للمرأة شرط وجوب الحج ام للاداء بعضهم جعلوها شرطا للوجوب وبعضهم شرطا للاداء وهو الصحيح (عالمیری: ۲۱۸)

واعلم ان القدرة على الزاد والراحلة شرط الوجوب لانعلم عن احد خلافه وقالوا لو تحمل العاجز عنهما فحج ماشيا يسقط عنه الفرض حتى لو استغنى لايجب عليه ان يحج (فتح القدير: ۲/۴۱۹)

والمال ليس بسبب فيه ولكنه معتبر ليتيسر به الوصول الى مواضع اداء اركانه (مبسوط)

بخلاف صدقة الفطر والحج فان المال هناك شرط الوجوب لاشرط الاداء فاذا تقرر الوجوب فى ذمته لم يسقط بهلاك ماله (مبسوط: ۲/۱۷۵)

عبادت مالی میں اوصاف کے علاوہ قدرت علی المال یعنی ای مقدارِ مال کا مالک ہو بھی ضروری ہے اس مقدار کی میں ائمہ کا ف ہے اور ملک م حری کے ہوتی ہے ز ۃ، صدقۃ الفطر، اور قربانی تینوں میں مکلّف کے لیے چ

شرائط کا ہونا ضروری ہے اور یہ شرائط جو مکلّف کے اوصاف ہیں مکلف کی ذات سے متعلق ہیں۔اور یہ پانچوں شرطیں اصل وجوب کی شرائط ہیں۔ا ور غنائے شرعی کی حیثیت اِن تینوں عبادتوں میں الگ الگ ہے۔

پھر زکوۃ میں مال کا نامی ہونا اورحولان حول یہ وجوب ادا کے لیے شرط ہیں اور مال سے متعلق ہیں۔اورقربانی میں مکلّف کا ایام نحر میں مقیم ہونا دفعاً للحرج وجوب ادا کی شرط ہے۔

وشرط الاقامة لان المسافر یلحقه مشقة فی ادائها (بنایه:۱۱/۴)

غیر ان الاداء یختص باسباب یشق المسافر استحضارها ویفوت بمضی الوقت فلا تجب علیه بمنزلة الجمعة (هدایه بنایه:۱۱/۹)

وقت وجوب میں شرائط کا اعتبار

پہلے گزر چکا ہے کہ وجوب ادا وقت کے ساتھ خاص ہے اس لیے شرائط کا وقت وجوب میں پایا جانا ضروری ہے اورشریعت میں اس کا ہی اعتبار کیا گیا ہے یعنی اگر وقت وجوب سے قبل شرائط پائے گئے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن وقت وجوب میں شرائط موجود ہیں تو وجوبِ ادا متحقق ہوگا یعنی فرضیت ثابت ہوجائے گی یہ نہیں کہ شرائط موجود ہوں پھر بھی ذمہ مشغول ہو۔

چنانچہ حولان حول کے وقت وجوب زکوۃ کے لیے اورصبح یوم الفطر کے وقت صدقۃ الفطر کے وجوب کے لیے شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے۔

اور واجباتِ موقتہ نماز، روزہ اورقربانی میں چونکہ وقت ممتد ہے اس لیے وجوب ادا کے لیے شرائط کا وقت کے ہر آن میں پایا جانا معتبر ہے از اوّل تا آخر پورے وقت میں رہنا ضروری نہیں ہے یعنی اگر ابتدائے وقت میں شرائط نہ ہوں خواہ شرط اہلیت ہی نہ ہو یا فقط شرطِ وجوبِ ادا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اخیروقت میں بھی تمام شرائط کا تحقق ہوگیا اس طرح پر کہ شروع فی ادا الوا جب ممکن ہے تو وجوب ادا متحقق ہوجائے گا اوراگر اول وقت میں شرائط پائے گئے ہوں اور ادا نہیں کیا یہاں تک کہ آخر وقت میں کوئی شرط فوت ہوگئی یا موت واقع ہوگئی تو ادا واجب نہیں ہوئی اور نہ ترکِ فرض لازم نہیں آئے گا۔

والمعتبر هذه الشرائط آخر الوقت وان لم تکن فی اوله (شامی:۴۵۳)

الوجوب یتعلق عندنا بآخر الوقت بمقدار التحریمة حتی ان الکافر اذا اسلم

والصبی اذا بلغ والمجنون اذا افاق والحائض اذا طهرت ان بقی مقدار التحریمة یجب علیه الصلاة عندنا کما فی المضمرات واذا اعترضت هذه العوارض فی آخر الوقت سقط الفرض بالاجماع کذا فی مختار الفتاویٰ (عالمیری:۱/۵۱)

اور روزہ شروع ہو ہے صبح صادق سے اس لیے اس سے قبل شرائط ہوں تو وجوبِ ادا، ہوگا۔

واذا بلغ الصبی او اسلم الکافر فی رمضان امسکا بقیة یومهما ولو افطرا فیه لاقضاء علیهما وصاما بعده لتحقق السبب والاهلیة ولم یقضیا یومهما ولا ما مضی لعدم الخطاب وهذا بخلاف الصلاة لان السبب فیها الجزء المتصل بالاداء فوجدت الاهلیة عنده وفی الصوم الجزء الاول والاهلیة منعدمة عنده (هدایه:۲۲۳)

شرائط کا آ وقت میں معتبر ہونے کا یہ مطلب ہر ہے کہ اوّل وقت میں شرائط کا وجود ہی معتبر ہے یعنی اہلیت پیدا ہی ہوگی اور ذ ال لوا. ب ہوگا ا وقت کے حصہ اوّل میں شرائط موجود ہیں تو اہلیت بہرحال ہوگئی اور گو رے وقت میں وجوب ادا، کا سب بننے کی حیت ہے حقیقت میں سب وہی ، کہلائے گا جو ادا، سے متصل ہے کہ ین ، اول۔ ٹھیک اسی طرح ا شرائط وجوب وقت مخصوص سے قبل متحقق ہوئے تو اہلیت اصل وجوب بہرحال قائم ہوگی لیکن وجوب ادا، وقت کی آمد کے بعد ہی ہوگا اس سے پہلے ۔

اور وجود شرائط کے سلسلہ میں قرنی کا حال بھی نماز کی شرطوں کی طرح ہے۔

وهذه قربة موقتة فیعتبر الغنا فی وقتها ولا تشترط ان یکون غنیا فی جمیع الوقت حتی لو کان فقیرا فی اوّل الوقت م ایسر فی آخره یجب علیه لما ذکرنا (بدائع:۵/٦٤)

الفقر والغنا والولادة والموت انما یعتبر فی حق الاضحیة آخر ایام النحرفلو کان غنیا فی اوّل الیوم فقیرا فی آخره لاتجب علیه وعلی العکس تجب (شرح کنز لملاّ مسکین:۳۷۹)

شرائط صحت ادا،

شرائطِ اہلیت کا جس طرح وجوب ادا، کے لیے ہو ضروری ہے اسی طرح ادائے وا. ب کی صحت کے لیے بھی شرط ہے کیونکہ شرطِ وجوب فوت ہونے سے ا اہلیت ہی ختم ہوگئی تو وجوب ادا،

کا تحقق ہوگا اور ادار وجوب متفرع ہے۔ ولو ارتد بعد وجوبها سقطت (طحطاوی:۷۱۴) اور اَ شرطِ وجوبِ ادار، شرطِ صحت بھی ہے جیسے طهارة عن الحيض مثلاً عورت رمضان میں حائضہ ہوگئی تو روزہ کا وجوبِ ادار ہوگا اصل وجوب قی رہے گا اور اَ صرف شرطِ صحت فوت ہو تو نفس وجوب قرار رہے گا اور وجوب ادار بھی متحقق ہوگا جیسے طهارة عن الجنابة.

بخلاف الجنب والمحدث لان اهليتهما غيرمعدومة بسبب الجنابة والحد لانهما مباحان لكن الطهارة لهما شرط صحة الاداء وبعدم الشرط لاتعدم الاهلية (البنايه:۳/۳۴۵)

بہرحال شرائط وجوب کے علاوہ صحت ادائے وا. کے لیے بھی شرطیں ہوتی ہیں خواہ ادار ہو کہ ر مثلاً س، طہارتِ ن، ثوب اور مکان، عورت، استقبالِ قبلہ اور ادار مقابل ر کے لیے وقت کا ہ۔

اور حج کے لیے مثلاً احرام، زمان ومکان اور وہ تمام شرطیں جن کے رے میں شرطِ وجوب شرطِ ادار میں ا ف ہے اور شرط ادا ہ راجح ہے۔

اور قر نی کے لیے مثلاً جانور کا مخصوص والا ہ، عیوب سے خالی ہ، وقت کا ہ اور اہل شہر کے حق میں قر نی کے لیے نماز عید سے فارغ ہوج۔

شرطِ وجود و شرطِ بقار

مالی عبادات کی شرائط میں ملک نصاب غن ی شرط ہے۔ شرط معنی کہ حکم کا وجود اس موقوف ہے کہ صا و ہ نے شرط سے تعبیر کیا ہے اور شرعاً تعددِ وا. کی معرفت کے لیے سب قرار یا گیا ہے۔ كما فى جميع كتب الفقه. اور حقیقت میں یہ غنا وجوبِ ز ۃ کے لیے علّت ہے... فعلمنا ان ملك النصاب علة (قوله علة اى سبب لافتراض الزكوٰة واما سبب لزوم ادائها فتوجه الخطاب. (نورالانوار:۹۶) اور ادائے ز ۃ موقّت ہے اس لیے وجوب فی الذ کے بعد علی الا ق ادائے وا. ۔ شرط کا قی رہنا ضروری ہے یعنی دوامِ وا. کے لیے بقاءِ شرط بھی لازم ہے بخلاف صدقۃ الفطر کہ غنا اس کے حق میں شرطِ محض ہے موَ فی الوجوب ہے اس لیے وقت وجوب میں شرط کے ئے جانے سے وجوبِ ادار متحقق ہوجائے گا بعدہ شرط فوت ہوجانے سے وا. ذ سے ساقط ہوگا۔

□م القدرة الممكنة لما كانت شرطا للتمكن من الفعل واحد□ه كانت شرطا محضا ليس فيه معنى العلة فلم يشترط بقاءها لبقاء الواجب اذ البقاء غير الوجود وشرط الوجود لايلزم ان يكون شرط البقاء كالشهود فى النكاح شرط للانعقاد دون البقاء بخلاف الميسرة فانها شرط فيه معنى العلة (شامى:۳/۳۱٤)

دوام هذه القدرة شرط لدوام الواجب اى دوام الميسرة شرط لدوام ما وجب بها لانها شرط فيه معنى العلة (فتح الغفار:۷۵)

(فلا تشترط بقاءها) اى بقاء هذه القدرة وهى النصاب حتى لوهلك بعد فجر يوم الفطر لاتسقط لانها شرط محض اى ليس فيه معنى العلة المؤ□رة بخلاف القدرة الميسرة (در مختار:۳/۳۱۳)

اور غالباً حج کی شرطِ ا□ □ بھی صدقۃ الفطر کی شرطِ غنا کی طرح ہے۔

بخلاف صدقة الفطر والحج فان المال هناك شرط الوجوب لاشرط الاداء فاذا تقرر الوجوب فى ذمته لم يسقط بهلاك ماله. (مبسوط:۲/۱۷۵)

اور یہی ملک نصاب ز□ۃ کی طرح قر□نی کے وجوب فی الذ□ کے لیے بھی علت ہے اور ادا، کا محل بھی مال ہے۔ اور □یام نحر ادائے وا□ کے لیے وقت نماز کی طرح شرطِ ادا، ہے۔ غالباً اسی مشابہت کی وجہ سے علت وجوب کے تحقق کے بعد وقت ادا، میں ادا، □کرنے کی صورت میں وقت □رنے سے قبل ا□ فقر لاحق ہو گیا □ گیا تو اضحیہ ساقط ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں اضحیہ کا وجوب ہی □ ہوا جیسے ز□ۃ وا□ ہونے کے بعد مطلقاً یعنی کبھی بھی مال ہلاک ہو جانے سے ساقط ہو جاتی ہے اس لیے کہ □ری □ ادائے ز□ۃ کا وقت ہے۔

وهذه لانها تشبه الزكوٰة من حي□ انها تسقط بهلاك المال قبل مضى ايام النحر كالزكوٰة بهلاك النصاب (هدايه آخرين:٤٤٦)

لانها تسقط بالهلاك قبل مضى ايام النحر كالزكوٰة تسقط بهلاك النصاب (شرح نقايه:۲/۲٦۹)

اور □ ادا، کے وقت □ر گیا تو وجوب مؤکد ہو کر وا□ اس کے ذ□ دَ□ □ گیا اب فقر لاحق ہونے سے حکم ساقط □ ہوگا۔

ولو كان موسرا فى جميع الوقت فلم يضحّ حتى مضى الوقت□م صار فقيراً صار

قيمة شاة صالحة للاضحية دَينا فى ذمته يتصدق بها متى وجدها لان الوجوب قد تأكد عليه بآخر الوقت فلا يسقط بفقره بعد ذلك كالمقيم اذا مضى عليه وقت الصلاة ولم يصل حتى سافر لايسقط عنه شطر الصلاة وكالمرأة اذا مضى عليها وقت الصلاة وهى طاهرة ثم حاضت لايسقط عنها فرض الوقت حتى يجب عليها القضاء اذا طهرت عن حيضها كذا ههنا. ولو مات الموسر فى ايام النحر قبل ان يضحّى سقطت عنه الاضحية وفى الحقيقة لم تجب لما ذكرنا ان الوجوب عند الاداء او فى آخر الوقت فاذا مات قبل الاداء مات قبل ان تجب عليه كمن مات فى وقت الصلاة قبل ان يصليها انه مات ولا صلاة عليه كذا ههنا (بدائع:۵/۵، كتاب الاضحية)

نور السَنىٰ لمن يجب عليه الاضحية بالغنى

قربانی بالاتفاق مالی عبادت ہے

قربانی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے ائمہ ثلثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور یہ بالاتفاق مالی عبادت ہے چنانچہ قدرة على المال تمام ائمہ کے نزدیک شرط ہے لہٰذا عاجز پر بالاجماع قربانی واجب نہیں ہے البتہ قدرت کی حد میں اختلاف ہے۔

تنقسم شروط الاضحية الى قسمين شروط سنّيّتها وشروط صحتها... فاما سنّيّتها فلا تسن للعاجز عنها وفى حد القدرة تفصيل المذاهب.

الحنفية قالوا : القادر عليها هو الذى يملك مائتى درهم

الحنابلة قالوا : القادر عليها هو الذى يمكنه الحصول على ثمنها ولو بالدين اذا كان يقدر على وفاء دَينه.

المالكية قالوا: القادر عليها هو الذى لايحتاج الى ثمنها لامر ضرورى فى عامه فاذا احتاج الى ثمنها فى عامة فلا تسن

الشافعية قالوا: القادر عليها هو الذى يملك ثمنها زائدًا عن حاجته وحاجة من يعول يوم العيد وايام التشريق (الفقه على مذاهب الاربعه)

اور قربۃ مالیہ کی ادائیگی کی دو جہتیں ہیں قربانی دونوں کو جامع ہے۔

اعلم ان القُرَب المالية نوعان نوع بطريق التمليك كالصدقات ونوع بطريق الاتلاف كالعتق ويجتمع فى الاضحية معنيان فانه تقرب باراقة الدم وهو الاتلاف ثم بالتصدق باللحم وهو تمليك (مبسوط:۸/۱۱)

یہی وجہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں نیابت بھی جاری ہے۔ لانها قربة تتعلق بالمال فتجرى فيها النيابة كاداء الزكوٰة والصدقة (بدائع:۶۷/۵)

اور عباداتِ مالیہ کا وجوب مال پر موقوف ہے اور وہ شرعاً مقدارِ نصاب کا مالک ہونا ہے۔

اذ الغنا يوجب الاحسان وهو يحصل بالنصاب (نورالانوار:۲۷۴)

لان العبادة المالية متوقفة على المال (عمدة الرعاية ۳۸/۴)

قربانی کا وجوب فی الذمہ غنا سے ہے

قربانی کا وجوب بھی غنا و یسار (ملکِ نصاب) سے ثابت ہوتا ہے اور یہی وجوب فی الذمہ ہے جو منجانب اللہ ہے اور وہ وقت پر موقوف نہیں ہے۔

هى واجبة وانما تجب على حر مسلم مقيم موسر (ملتقى الابحر:۱۶۶/۴)

قوله (موسر) لان العبادة لاتجب الا على القادر وهو الغنى دون الفقير (مجمع الانهر:۱۶۶/۴)

واما شرائط الوجوب منها الاسلام ... ومنها الحرية ... ومنها الاقامة ... ومنها الغنا. والغنا شرط الوجوب فى هذا النوع لانه حق مالى متعلق بملك المال (بدائع:۶۳/۵)

ولان الموسر تجب عليه الاضحية فى ذمته (بدائع)

وجوب فی الذمہ کا حکم مُوسِر پر لگانا یہ دلیل ہے کہ یسار حکم کی علّت ہے۔

لان ترتيب الحكم على المشتقّ نص على علّيّة مبدأ الاشتقاق (فتح الغفار:۶۰)

اور یہی حقیقت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ وشرط اليسار لقوله ﷺ من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا يدل على ان الوجوب بالسعة ولا سعة للفقير (بنايه:۴/۱۱)

اذ لانزاع لاحد ان علّه وجوب الاضحية على الموسر هى القدرة على النصاب (تكلمة فتح القدير:٩/٥٠٧)

... لان علة الوجوب فى المعسر هى الاشتراء بنية الاضحية كما صرحوا به لاالقدرة وعلته فى الموسر هى القدرة لا الاشتراء بنية الاضحية كما صرحوا به ايضاً فبعد ان تقرر ان علّته فى الموسر هى القدرة لاغير الخ (تكمله فتح القدير:٩/٥٠٧)

وجوب فی الذمه قبل یوم النحر اورایجاب کی

وجوب فی الذ کی دوصور ہیں اوّل یجاب اللہ تعالیٰ جس کے لیے غنا شرط یعنی علّت ہے اور یہ وجوب ا ری ہے، دوم یجاب العبد جس کا سب رہے اور یہ وجوب ا ری ہے خواہ ذر ہو کہ فقیر۔

والوجوب بسبب النذر يستوى فيه الفقير والغنى وان كان الواجب يتعلق بالمال (بدائع:٥/٦١)

یہی وجہ ہے کہ ذر دوقر نی وا ب ہوگی اور فقیر نے رمانی تو فقط ا ہی۔ چاہے یم نحر سے پہلے رمانے یم نحر میں۔

ولو قال ذلك (اى نذر ان يضحّى بشاة وهو موسر) قبل ايام النحر يلزمه التضحية بشاتين بلا خلاف... ولو قال ذلك وهو معسر م ايسر فى ايام النحر فعليه ان يضحى بشاتين (بدائع:٥/٦٣)

یعنی یم نحر سے پہلے نے رمانی تو اس کے ذ دو بکری کی قر نی لازم ہوگی۔ اوراَ تنگد نے رمانی تو ا قر نی لازم ہوگی پھراَ یم نحر میں وہ مالک نصاب بھی گیا تو دوسری لازم ہوگی ور ۔

دیکھئے غنا اور ر دونوں وجوب فی الذ کا ذریعہ ہیں اور آدمی ب بھی رمانے اس کا ذ ل لوا. ب ہے تو اسی طرح غنا کا. ب تحقق ہوگا من جا اللہ ذ ل لوا. ب ہوجائے گا۔ ان دونوں کے مابین کوئی فصل ہے۔

علا ریلعی تبیین الحقائق میں یم نحر رجانے اور قر نی کرنے کی صورت میں فقیر و کے درمیان فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بخلاف الغنى لان الاضحية واجبة فى ذمته فيجريه التصدق بالشاة عنه او بقيمتها ولا يجب عليه اكثر من ذلك الا اذا التزم التضحية بالنذر وعنى به غير الواجب فى ذمته فحينئذٍ يجب عليه ان يتصدق بالمنذور كما بينا فى حق الفقير مع الواجب الذى فى ذمته وهى الشاة التى وجبت بسبب اليسار وكذا اذا اطلق النذر ولم يُرِد به الواجب فى ذمته يجب عليه غيره معه وان اراد به الواجب بسبب اليسار لايلزمه غيره (تبيين الحقائق:٦/٤٧٨)

غنا وجوب فی الذمہ میں مؤثر ہے اس عبارت میں سبب کا لفظ لغوی معنی میں ہے شرعی مفہوم میں نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ وجوب فی الذمہ یعنی نفس وجوب موقت نہیں ہے اس لیے کہ اس کے اسباب مختص بالوقت نہیں ہیں۔

ایجاب کی تیسری قسم بھی ہے اور وہ فقیر کا بنية تضحيه جانور خریدنا ہے۔

وان الشراء للاضحية ممن لا اضحية عليه يجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية عرفا بخلاف الغنى لان الاضحية عليه بايجاب الشرع ابتداء فلا يكون شراءه للاضحية ايجابا بل يكون قصدا الى تفريغ ما فى ذمته (بدائع:٥/٦٢)

... لان علة الوجوب فى المعسر هى الاشتراء بنية الاضحية كما صرحوا به لا القدرة (تكلمه فتح القدير:٩/٥٠٧)

اور ذیل کی عبارت میں ان تینوں ایجاب کو یکجا ملاحظہ کیجئے۔

ولو اشترى رجل اضحية وهى سمينة فعجفت عنده حتى صارت بحيث لو اشتراها على هذه الحالة لم تجزه ان كان موسرا. وان كان معسراً اجزأته لان الموسر تجب عليه الاضحية فى ذمته وانما اقام ما اشترى لها مقام مافى الذمة فاذا نقصت لاتصلح ان تقام مقام مافى الذمه فبقى مافى ذمته بحاله واما الفقير فلا اضحية فى ذمته فاذا اشتراها للاضحية فقد تعيّنت الشاة المشتراة للقربة فكان نقصانها كهلاكها حتى لوكان الفقير اوجب على نفسه اضحية لا تجوز هذه لانها وجبت عليه بايجابه فصار كالغنى الذى وجبت عليه بايجاب الله عز شانه (بدائع:٥/٧٦)

خلاصہ یہ کہ جس طرح نذر موجب ہے اسی طرح شراء بنية التضحية موجب ہے اور نذر کا وجوب ذمہ میں ہوتا ہے اور شراء کا اضحیۃ میں اور نذر کا موجب ہونا ایام نحر کے ساتھ خاص نہیں ہے تو

پھر غنا کا ایجاب منجاب اللہ تعالیٰ کیسے یم واوقات کے ساتھ خاص ہوجائے گا۔

واجباتِ مالیہ اور حرمتِ صدقہ کا ثبوت غنیٰ سے ہے

یہی وجہ ہے کہ شرعاً ہوتے ہی وہ شخص مستحق صدقہ رہتا ہے یہ عدم استحقاق یعنی حرمۃ صدقہ ظاہر ہے کہ یم نحر کے ساتھ مختص ہے۔

ویتعلق بهذا الیسار احکام لاثة حرمة اخذ الصدقة ووجوب زکوٰة الفطر والاضحية (مبسوط:۱۰۲/۳)

ويتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة ووجوب الاضحية والفطر (ہدایہ:۲۰۸)

وهی واجبة علی الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلاً عن حوائجه الاصلية كذا فی الاختيار شرح المختار ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الاضحية ووجوب نفقة الاقارب هكذا فی فتاوی قاضيخان (عالمیری:۱۹۱/۱)

اعلم ان النصب لاثة (۱) نصاب يشترط فيه النمو ويتعلق به الزكوٰة وسائر الاحكام المتعلقة بالمال النامی. (۲) ونصاب تجب به احكام اربعة حرمة الصدقة ووجوب الاضحية وصدقة الفطر ونفقة الاقارب ولا يشترط فيه النمو بالتجارة ولاحولان الحول. (۳) ونصاب يثبت به حرمة السوال وهو ما اذا كان عنده قوت يومه عند البعض وقال بعضهم هو ان يملك خمسين درهما (طحطاوی:۷۳۳ وکذا فی العنایة)

ا کوئی شخص مثلاً یکم ر. کو نصاب کا مالک بنا تو شرعاً اس کے ذ کئی حقوق عا ہوتے ہیں نفقہ اقارب اس کے ذ لازم ہوگیا، صدقہ حرام ہوگیا، اور صدقۃ الفطر اور قر نی کا وجوب اصل وجوب بھی آ گیا اور ا نصاب می ہے تو ان سارے حقوق کے ساتھ ز ۃ وعشر و ہ کا وجوب بھی متحقق ہوگیا۔ لہٰذا

مالک نصاب کا ذ ال لوا. ہوگیا ہے. ہی تو ا صدقہ حرام ہے کیونکہ حرمۃ صدقہ کے لیے کسی کا فقط مالک نصابِ فاضل ہو کافی ہے قطع نظر اس سے کہ ملک نصاب اس کے حق میں شرط ہے یا علّت یا پھر سبب۔

ہونے کی وجہ سے ا ز ۃ کی اہلیت پیدا ہوگئی تو پھر وجوب اضحیۃ کی اہلیت بھی یقیناً آ کہ دونوں میں ملک نصاب علّت ہے۔

اور اگر صدقۃ الفطر کا نفس وجوب متحقق ہو گیا تو قربانی کا اصل وجوب کیونکر نہ ہوگا جبکہ دونوں میں ایک ہی طرح کا غنا شرط ہے بلکہ صدقہ میں شرط محض ہے اور قربانی میں شرط مؤثر فی الوجوب ہے اور وجوبِ ادا بھی صدقۃ الفطر میں وارد ہوا ہے اور یہی زکوٰۃ میں۔ اسی طرح قربانی کا وجوبِ ادا بھی صبح یوم النحر سے قبل ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ زکوٰۃ میں ملک نصاب ہی کو اور صدقہ میں رأس یمونہ ویلی علیہ کو اور قربانی میں یوم نحر کو سبب قرار دیا گیا ہے۔

بہرحال قربانی مالی عبادت ہے جیسے کہ زکوٰۃ اور قدرت علی النصاب دونوں میں علّتِ مؤثرہ ہے لہٰذا حق مالی ہونے کی وجہ سے اصل وظیفہ تصدق بالمال ہونا چاہئے تھا اور وہ مقید بالوقت بھی نہ ہوتا وقت مخصوص میں اللہ تعالیٰ کی خاص مصلحت کے تحت اراقۃ الدم کو جو کہ اتلافِ نفس ہے تصدق کے قائم مقام کر دیا گیا اور اراقۃ قربانی غیر معقول ہے اس لیے موقت اور مقید بالوقت ہو گیا۔

لان الاصل فی الاموال التقرب بالتصدق بها لا بالاتلاف وهو الاراقة الا انه نقل الی الاراقة مقیدًا فی وقت مخصوص حتی یحل تناول لحمه للمالك والا جنبی والغنی والفقیر لكون الناس اضیاف الله عز شانه فی هذا الوقت فاذا مضی الوقت عاد الحكم الی الاصل وهو التصدق بعین الشاة سواء كان معسرا او موسرا (بدائع:٥/٦٨)

ولا نوجب التصدق بالشاة او بالقیمة باعتبار قیامه مقام التضحیة بل باعتبار احتمال قیام التضحیة مقام التصدق اصلاً اذ هو المشروع فی باب المال ولهذا لم یعد الی الاصل بعود الوقت (حسامی:٤٠)

وجوب فی الذمہ قبل صبح النحر کا عقلی ثبوت

قربانی کا وجوب فی الذمہ صبح یوم النحر سے پہلے عقلاً بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ وقت یعنی یوم نحر شرطِ ادا ہے اور ادا کا وجوب ادا سے بالکل متصل رہتا ہے اگر کسی مقیم نے دیہات میں صبح یوم النحر ہوتے ہی بلا تاخیر جانور ذبح کیا اور یہ قربانی بالاتفاق صحیح ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وقت سے پہلے اس کا ذمہ مشغول ہوا۔ کیونکہ وجوب ادا جو وقت ہی میں خطابِ الٰہی سے ہوتا ہے اس سے پہلے نفس وجوب کا ہونا لازم ہے اور اصل وجوب منفک اور مقدم ہوتا ہے وجوبِ ادا سے۔ فثبت ان اصل الوجوب قد وجد بالغنا قبل صبح یوم النحر. فافهم

باقی آئندہ

اسلام، امن عالم اور احترام انسا□

ا□ سہیل اختر اڑ□ □
متعلّم دارالعلوم د□ بند

اسلام ای□ □گیر اور آفاقی مذہ□ ہے اس کی □گیری□ کو فطری مظاہر، دلائل اور شواہد سے □ □ ہوئے عرصہ □ر گیا اس کی □گیری□ ہی ای□ ا□ وسیع □□ب ہے جہاں سے ہر عام وخاص کو داخلے کی اجازت ملتی ہے، یہ □گیری□ اسلام کا ای□ خاص امتیازی وصف ہے اور اسی انفرادی و امتیازی وصف کی بناء □ اسلام ای□ عالمگیر مذہ□ سمجھا جا□ ہے جس میں □ علاقہ کا حصار ہے اور □ سلطنت کی تحدی□ □ قومیت کی □ ہے □ نسل □ □ کا □ض □ اس کا کوئی سرحد ہے اور □ کوئی مخصوص گھیرابندی دراصل مذہ□ اسلام اپنی ذات میں □ پناہ وسعت، گہرائی و گیرائی اور □ □ رکھتا ہے اس قدر آفاقی اقدار اور □گیر وسعت فکر رکھنے کے □ وجود ملت اسلامیہ کے بعض □ سور قسم کے □م □ دسور ماؤں نے اپنے مفادات کی تکمیل وتسکین کے لئے اسے □ ہم تقسیم کر□ مختلف معارض مکا□ب فکر کے ظہور اور متعدد □ لک ومذاہ□ کے وجود نے اس کی □گیری□ اور داخلی وخارجی معنوی□ کو نقصان پہنچا□۔ ام□ کے آ □ ا □ فات، مذہبی و□ مسلکی □ اعات، ملکی وقومی □ رکی، □ فطری سماجی تقسیم اس □ مستزاد اسلام □ لف □ ت کی تخریبی ر □ دوا□ ں، معا□ ا□ اقدامات اور معاشی، اقتصادی، جنگی، ابلا□ تی، □، اخلاقی، معاشرتی اور □ سی استحصال (Exploitation) یہ ا □ اسباب و □ منظر ہیں جس کی بناء □ اسلام □ معنوں میں مجروح ہوا ان تمام □ معا□ ا□، □ لفا□ اور دشمنا□ سازشوں اور کاروائیوں کے □ □ ده جو □ کارفرما ہے وہ ہے اسلام د □ اور تقابلی عصبیت افسوس کی □ ت یہ ہے کہ اس عصبیت اور د □ کے مظاہرہ میں اسلام دشمن اقوام ان تمام حدود کو پھلا □ گئی ہیں جو فطری رموز کے حوالے سے □ انسانی اقدام کہلاتے ہیں اس ضمن میں ان □ عی کو سراہنے کی کوشش کی گئی جس میں مسلمانوں اور اسلام کی □ و□ لیل اور اسے □□ م کرنے کا کوئی بھی جواز □ تھ آ□ ہو□ ریخ کے گنجلک □ ت میں ا □ سیکڑوں واقعات کی بھرمار ہے جس کی

منفی تشہیر صرف اس غرض سے ہوئی کہ اسلام کو م کیا جاسکے، اسلام د کا یہ سلسلہ چلتا ر آنکہ ان اسلام د ں کے تھ ''دہشت دی اور اسلام'' کا ای فتنہ عنوان آ گیا اس عنوان کے سہارے اسلام کی جتنی کی گئی اور اس کے بنیادی عقا ونظر یات کو جس قدر نشا بنا یا گیا وہ ہر مسلم فرد کے لئے کسی قیامت سے کم تھا اس صورت حال سے ری امت پ اٹھی۔ دراصل آج اسلام اور دہشت دی بین الاقوامی سطح پر ای معروضی عنوان گیا ہے جو سراسر حقائق لف ہونے کے وجود، طا ر اور ذرائع کی بنا ای سچا اور حقیقی بلکہ مشہور زما معروضہ گیا اور شاید اسلام دشمن یہ چاہتے بھی تھے کہ اسلام کی امن پسند شبیہ مجروح ہوجائے اور یقیناً اس واقعی الزام سے انک مقصد را ہو گیا۔

اسلام کو دہشت دی سے جوڑنے کی ریخ اتنی انی ہے کہ اس کی د رہ وضا ضروری ہو جائے جو طبقہ اور جو قوت اس طرح کا و ہ کر رہی ہے وہ ہماری نظروں کے سامنے ہے، جن بنیادی مقدمات کو سامنے رکھ کر دہشت دی کا الزام کیا جا ہے اس کی جہتیں بھی واضح ونما یاں ہیں اور جن اسلوب ومناہج کے سہارے یہ اقدامات کئے جا رہے ہیں وہ بھی ہمیں صاف نظر آرہے ہیں۔ اگر کچھ نظر آ ہے تو وہ ہے ایمانی ہمت و ات، اسلامی شجا و بہادری وہ روح، وہ اور مسلمانوں کے وہ فطری تیور جن کے سہارے ان طل قوتوں کی دسیسہ کار ں کا توڑ جواب جا۔ اور اسلام لگنے والے ان الزامات کا ارک اور مسلمانوں کے عرصۂ حیات کو تنگ کرنے کے حوالے سے رچی جانے والی سازشوں، معرض وجود میں آنے والی تخریبی کاروائیوں اور مسلم لف اقدامات کا تصفیہ ہو سکتا اس جہت سے امت کے لئے جو فکر یہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حوالے سے مضبوط ملکی وفوجی نظام سہو ت، حیت وقا اور پھر بنیادی وسائل کے وجود ہم اس فکر اور نظریہ کے انسداد کا کامیاب عمل انجام دے رہے ہیں اور ہماری یہ کامی اسلام کی ذاتی ا ٹ، فطری میت اور مسلمانوں کے موجودہ افیے کے لئے کافی خطر ک ہے۔

یہ ت تقریباً حتمی ہے کہ اسلامی ا کچر و انفرا کچر کی ا رونی و بیرونی سا انتہا پسندی، دہشت دی اور تشدد پسندی کے اثیم اور اس کی آمیزش سے لکل محفوظ ہے گو یہ ای یہی حقیقت ہے کہ اسلام ای امن پسند، فطرت سے ہم آہنگ اور قدرتی مظاہر سے بھر ر مذس ہے اس کی م لیسیوں، انسا کے احترام اور ا بنیادوں اور طر کار کی بنا جس

میں بنی نوع انسان کے حقوق کو تحفظ ملتا ہے اسے د۞ انسا س۞ کہا جا۞ ہے اور پھر اس کی ۞ ری ۞ ریخ انسا س۞ کے احترام ان کے حقوق کی رعا ۞ اور انسانی اقدار کی حفاظت سے معمور ہے ۞ ۞ طور کہ ۞ را اسلام جن بنیادوں ۞ ا۞ ار ہے وہ قرآن وحد ۞ ہے اس کا ہر منشور دہشت ۞ دی، فساد فی الارض اور انسانی ۞ ت کی ۞ ارسانی کی سراسر ۞ لفت کر۞ ہے اور ا۞ کرنے والوں کو مجرم اور شرعی حدود وتعز۞ ات کا سزا وار ٹھہرا۞ ہے لیکن پھر بھی اس مفرو۞ کا عام ہو۞ کہ اسلام دہشت ۞ دی اور انتہا پسندی کا ۞ دینے والا اور اس کی ۞ ۞ ائی کرنے والا، متشدد اور سخت گیر مذ ۞ ہے تو انسانی د۞ کے لئے شرم سے ڈوب ۞ چاہئے ۞ ری د۞ میں ا۞ اس مفرو۞ کو حقیقت کے شاکلہ میں عام کیا جا ۞ ہے تو وہ سچی انسا س۞ کا کھلواڑ اور اس کی صداقت پسندی کا کھلا مذاق ہے کیا انسانی د۞ اخلاقی طور ۞ اس ۞ ۞ مقام ۞ پہنچ گئی ہے جہاں جھوٹ کو سچ ۞ ا ۞ معمولی ا ۞ ہو گیا ہو کیا یہ انسانی د۞ کے لیے ۞ فکریہ ۞ ہے؟ کیا انسانی آ۞ دی کو اس حوالے سے غور وفکر کی ضرورت ۞ ہے؟ عالم اسلام کے لیے یہ واقعہ اس سے ز۞ دہ سنگین اور افسوسناک ہے کہ اسلام کے ما۞ والوں اور اس کے پیروکاروں کی اتنی کثیر تعداد ۞ تحاشا مادی وسائل، مضبوط و مستحکم نظر ۞ ات اور ٹھوس عقا ۞ ی امور ہونے کے ۞ وجود مغر ۞ سازشوں کا شکار ہو جا ۞ اور ان کی ۞ ۞ نی طا ۞ ں سے ز ۞ ہو جا ۞ ی ۞ ام ۞ کی ۞ ت ہے۔

ان کے وہ الزامات، جن میں اسلام کے سخت گیر اور انسا س۞ کا احترام ۞ کرنے والے ا ۞ دہشت ۞ د مذ ۞ ہونے کی عالمگیر تشہیر کی گئی ہے اپنا بھیا ۞ ر ۞ د ۞ رہی ہیں، اس کے ملت اسلامیہ ۞ کافی ۞ ے ا ۞ ات ۞ رہے ہیں اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے ہمارے ۞ س کوئی ٹھوس لائحۂ عمل بھی ۞ ہے جس کی بنا ۞ اس کی ضرر رسا ۞ ں اور تباہ کا ۞ یاں ۞ تباہ کن ہوتی جا رہی ہیں ۞ مملکت ہند میں بھی اسلامی دہشت ۞ دی کا اچھا خاصا غلغلہ ہے اور اس کو بنیاد بنا کر مسلمانوں ۞ ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں ان دس سالوں میں مسلمانوں کی امن پسند شبیہ ۞ لکل ۞ لی جا چکی ہے اور ا ۞ دہشت ۞ د ہونے کے پختہ سرکاری القا ۞ ت نوازے جا چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ دہشت ۞ دی کے ہر واقعے میں مسلم افراد مطلوب بھی ہوتے ہیں اور ماخوذ بھی ام ۞ اسلامیہ کا سواد اعظم ان سنگینیوں کو محسوس کر ۞ ہے لیکن اس کے ۞ ارک کے لئے مو ۞ دفاعی لائحۂ عمل اور حکمت عملی تیار کرنے کی مو ۞ سعی ۞ کر ۞ آج ضرورت یہ ہے کہ ۞ ری د ۞ کو یہ ۞ ور کر ۞ جائے کہ اسلام د ۞ فطرت ہے، امن وامان کی ۞ سداری اور اسے اولین ۞ جیح قرار دینے والا آفاقی مذ ۞

ہے ایک ایسا دین ہے جہاں انسانیت نوازی کا درس دیا جاتا ہے اور اخلاقیات کا سبق پڑھایا جاتا ہے انسانیت کے احترام کی ہدایت دی جاتی ہیں۔

اس مقالے میں قرآن وحدیث کے تناظر میں احترام انسانیت کی تشریح کو محور بنا کر ان گوشوں کو واضح اور نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بدیہی اور عام ہونے کے باوجود غیرمسلم طبقات کے لئے ناقابل فہم اور ملت اسلامیہ کے لئے ناقابل تشریح ہو چکے ہیں۔

دراصل اسلام میں دہشت گردی انتہاپسندی اور بےجا سخت گیری کا کوئی جواز ہی نہیں ملتا اور نہ اس کے کسی مذہبی حکم سے انسانیت مخالف عناصر کی حمایت ہوتی ہے بلکہ اسلام کے ہر شعبے میں خیرخواہی، امن وسلامتی، انسانیت پسندی اور حقوق کی رعایت وحفاظت کا ایک طویل باب ملتا ہے حقوق العباد کے عنوان سے اسلام کا شرعی کلیہ بھی موجود ہے جس کا توسیعی مفہوم امن وسلامتی، رحمت ورأفت اور احترام انسانیت ہی سے ماخوذ ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر اسے دین رحمت بھی کہا جاتا ہے یہاں اسلام کی بعض ایسی چیزوں کی وضاحت ضروری ہے جن میں چند اشکالات کی گنجائش ہے اور جو بادی النظر میں ناموزوں معلوم ہوتی ہیں اور ایسے معدودے امور کی بناء پر اسلام پر سنگین الزامات لگنے کی راہ ہموار ہوتی ہے حالانکہ وہ امور جو مبینہ اشتباہی منظرنامے کی بناء پر اسلام پر دہشت گردی اور امن وسلامتی کی عدم محافظت کے الزامات کی بنیاد بنتے ہیں وہ صرف خیالات اور متشابہات کے زمرے میں آتے ہیں ان کی حیثیت کے ساتھ کوئی رائے نامعقول ہے لیکن عالمی میڈیا اور اطلاعاتی نظام کے بھرپور سازشوں کے طفیل وہ تمام پروپیگنڈے اور افواہیں حقائق کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور اسے دنیا کی اکثریت سچا ہی سچا مان کر تسلیم کرنے لگی ہے جو کسی المیہ سے کم نہیں ہے ان حالات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم کمیونٹی کو اس پر کوئی قابو نہیں ہے اور نہ ان کے ردعمل سے ایسا لگتا ہے کہ وہ مثبت طریقے سے اس "نظریہ" کے سدباب کی کامیاب کوشش کرسکیں گے کیونکہ مسلم دنیا نے تحریری، تقریری اور تشہیری سطحیت اور مذاکرات کے ذریعہ ان دشمنانہ سازشوں کو ناکام کرنے کی کوشش کا بھرپور مظاہرہ اب تک کیا پھر بھی ان کی معدودے مدافعانہ مساعی کلی طور پر مفید ثابت نہیں ہورہی ہیں۔

"اسلام احترام انسانیت اور اس کا تحفظ کرنے والا مذہب ہے" اگر یہ مفروضہ سوالیہ ضمن میں مذکور ہوتا تو واقعتہً حیرت انگیز اور تعجب خیز سوال ہوتا آج اسلام سراپا امن وسلامتی ہے اس کا پورا ڈھانچہ جن بنیادی ستونوں پر قائم ہے وہ خود انسانیت پسندی، رحم دلانہ کیفیت اور فطرت کی

سداری سے معمور ہے پھر بھی اَ اسلام کے حوالے سے یہ سوالیہ ا اکیا جائے کہ کیا اسلام انسا کا احترام کر ہے؟ تو یہ سوال معروضیت لف ہونے اور حقائق سے وا ی اسلام کے حوالے سے تعصب آمیز اقدام کی غمازی کرے گا یہ تو واقعاتی او ریخی تناظر میں قابل قبول ہے کہ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ وہ د رحمت ہے لیکن اَ ہم موجودہ عالمی رائے عا کے تناظر میں اقوام عالم کے خیالات کا جا ہ لیں تو یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ موجودہ عالمی افکار، خیالات اور نظر یات واقعیت وحقیقت کے منافی اور ضد ہیں اسلام کی انسا نوازی اور اس سے ی زمینی حقائق کے منکر ہیں اس مستزاد دہشت دی کے الزامات، اتہامات اور مفروضات جو کہ خودساختہ اور مغر مفکر کی زائیدہ ہیں۔

یہ حالات پیدا ہوئے؟ کن عناصر کے تعاون سے صورتحال سنگین ہوتی گئی؟ اس کے مضرات ومضمرات کیا ہیں؟ اور اس و ہ کے دہ کون سا داعیہ کارفرما ہے؟ یہ ا تشنہ سوالات ہیں جن کا جواب ضروری ہونے کے وجود طوا طلب ہے اسلئے ان سے تعرض کرتے ہوئے ا ا خاکہ کر ہے جس میں اسلام کے انسا نواز، انسا پسند اور احترام انسا کے بند ہونے کے واضح اور نما یاں شواہد، دلائل اور حقائق مل سکیں گے چہ یہ عنوان ی تحقیق و کا محتاج تھا کیونکہ ان چودہ سو سالوں میں اسلام کی انسا نوازی عملی ریخی، واقعاتی اور معروضی میزان میں ا یہی ا گیا ہے کہ اسکی حقیقت کو جھٹلا سورج کو جھٹلا ہے، لیکن چونکہ منا اور ساز گار فضا، اور عالمی طا ں کی طا تخر یب کار ں کی بنا، اسلام کا یہ سخت مجروح ہوا ہے اس بنا، آج پھر اس ت کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے کہ اسلام کی انسا نوازی کو اس درجہ مشہور کیا جائے اور اسے اس طرح جائے کہ ا ر پھر ر ں کی طرح اسلام سے سخت بیر رکھنے والے معا اسلام سبان کعبہ کر نظر آئیں۔

د رحمت ہونے کا جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ د ، جو دلی کے اسلوب اور اس کے مظاہر ا ار و قرار ہے سارے عالم کے لئے ا امن اور انسا پسند مذ سکے اور تمام انسانوں کے حقوق کی سداری اور رعا ہو سکے مظلوموں اور ظلم و کے شکار لوگوں کو عدل وانصاف مل سکے، ا صاف ستھر کیزہ معاشرہ سکے، ا ا فضا تیار ہو سکے جس میں انسانوں کے لئے جنت زار کی سرمستیاں ہوں، انسانی نسل کے ہر دا ے اور ز ے کے لوگوں میں ہم آہنگی، توازن اور آ معاو کا اور انسانی پیدا ہو سکے اور ا ا

تہذیب کی داغ بیل ڈالی جاسکے جو بہرصورت انسانیت کی مسیحائی کا اور عمدہ سکے۔ درحقیقت قرآن وحدیث، سیرت نبوی اور ئے راشد کی حیات کا بنیادی مقصد اور اساسی ہدف اور ان کے لازمی جیحات ای ا سوسائٹی کی تشکیل ہے جہاں انسان امن وسکون اور س کے ساتھ زگی ارسکیں اور سچ یہ ہے کہ اس طرح کے معاشرے کی بنیاد اسلام د رحمت ہی ڈال سکتا ہے یہی ای ا ممتاز اور منفرد مذہب ہے جس میں وہ تمام خوبیاں اور مصالح موجود ہیں جو انسانی معاشرے کی تعمیر کے کلی عناصر ہوتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں امن وسلامتی، انسانی حقوق واقدار کی رعایت اور عدل و وات کے حوالے سے اچھا خاصا مواد ملتا ہے جو ان تمام چیزوں کو تنے اور اسے جیح دینے کو لازمی اور ضروری قرار دیتا ہے اور یہی وہ ہدایت جو وسیع پیمانے ی، رحمت، محبت، انسانیت کا احترام، حقوق واقدار کی رعایت اور تخریب وفساد سے کرنے کا ھی جات ہے اسلام کے د رحمت ہونے کے بین ثبوت ہیں مثلاً زمین میں امن وامان کی توسیع اور وَ کی غرض سے فاسد مادے اور تخریبی عناصر سخت کی گئی ہے ارشاد نی ہے ”لاتفسدوا فی الارض“ اس میں استعمال ہونے والا لفظ فساد امن کا متوازی لفظ ہے اور اسکی ادائیگی (Anti Peace) یعنی امن لف اقدامات کرنے کی سختی سے ممانعت ہے اسی بنا، فقہاء نے مفسد کی تعزیات اور ان کی سزائیں ی سخت تجوی کی ہیں۔

اسلام کے حوالے سے ای مفروضہ ی شہرت رکھتا ہے یعنی ”اسلام جنگ اور تلوار“ یہ وہی مفروضہ اور خودساختہ و ہ ہے جس کی دوسری شق ”اسلام اور دہشت دی“ کے م سے مشہور ہے مغر مصنّفین اور مستشر نے اسلام کی اشا شمشیر وسنان اور جنگ و ل منحصر کرنے کی بھر رکوشش کی ہے ان تحریوں سے ہمارے بعضے ہم مذہب بھی متا نظر آتے ہیں اس و ہ سے اسلام کی وہ شبیہ جو د رحمت اور احترام انسانیت سے عبارت ہے، کافی مجروح ہوئی چہ اس کا معروضی ا یعنی فطرتاً اسلام کا پھیلنا اور اس کی اشا عملی میدان میں بحسن وخو اسی رفتار سے جاری وساری ہے لیکن اس ا ری الزام سے کچھ کچھ رائے عا ضرور متا ہوئی جو ان مسلم شہسواران علم وقلم کیلئے ضرور چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے جن کی خا فرسائیوں کو انقلاب آفر د جات ہے۔ اس موقع علا سید سلیمان وی حوم کا ای اقتباس نقل کر ضروری ہوں جس میں مغر مفکر کے اس نظریے کی دی اور اسلام کی اشا کے بنیادی اسباب مذکور ہیں

فرماتے ہیں ''ا□ یہ سچ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے □تو کارلائل کے اس سوال کا کیا جواب ہے کہ ''ا□ محمدؐ نے □زن□ ہیوں کے زور سے اسلام کو □ی تو پہلے ان □زن□ ہیوں کو کس تلوار سے مسلمان بن□ی'' اس اصول کی بنا□ تو چاہئے تھا کہ ان ملکوں میں اسلام کا سایہ □□□ جہاں تلوار نے اس کا ساتھ □ د□ی حالانکہ □ب کو معلوم ہے کہ ملک حبش□ ایتھوپی□ میں مسلمانوں نے اس کے اس احسان کے □لے کبھی تلور □ اٹھائی کہ اس نے ای□ دفعہ اسلام کے ابتدائی سخت □یام میں مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی□ ہم آج □ں نصف آ□دی مسلمان ہے افریقہ کے ان خطوں میں جہاں مسلمان □ ہیوں کا □ر بھی □ ہوا□ں حلقہ □شان اسلام کی اتنی □ی تعداد کیوں کر نظر آتی ہے چین □سلمانوں نے فوج کشی □ کی □کروڑوں مسلمان □ں کہاں سے آ گئے؟ □ا□ □ی مسلم سلاطین کے تخت □ راج سے ہمیشہ محفوظ ر□ □ آج □ں کروڑوں مسلمان کس طرح پیدا ہو گئے؟ تھائی لینڈ، فلپائن اور مشرق اقصیٰ کے دوسرے ملکوں اور □ی□وں میں جہاں کسی مسلمان □ ہی کا قدم بھی □ پہنچا اسلام کا قدم □ں کیونکر پہنچ گیا؟ □ک □□ رنے تو خود مسلمان □ تلوار چلائی تھی ان □ تلوار کس نے چلائی ان کو مسلمان کس نے بن□ی؟ یہ ا□ زمینی سچائیاں ہیں جن کا انکار□ی جن کو نظر انداز کوئی ا□ ھا اور کور □ ہی کر سکتا ہے۔ اسلام د□ رحمت ہے یہ کوئی ا□ دعویٰ □ □ دلیل کی ضرورت □ ے یہ ای□ ا□ □ یہی وجود رکھتا ہے جس کیلئے شواہد اور دلائل کی قطعی حا□ □ ہے۔

اسلام انسانوں □ چیرہ د□ کرنے والے کی سخت □ لفت کر□ ہے اور ظلم و □ کرنے سے منع کر□ ہے ارشاد□ ری تعالیٰ ہے□ ''یا عبادی انی حرّمت الظلم علی نفسی فلا تظالموا'' اسلام میں انسانی حقوق کی اہمیت اور اس کا احترام جتنا ہے شا□ ہی کسی مذ□ میں اس کا عشر عشیر □ی جا□ ہو۔ دراصل اسلام میں کلم□ توحید □ن سے ادا کرنے کے ساتھ ہی انسانی حقوق کی رعا□ □ کے ہد□یات جاری ہو جاتے ہیں احترام انسا□ □ کے لئے اخلاقیات کا کافی □ ادرس د□ی جا□ ہے اور معاشرتی و سماجی سطح □ حقوق انسانی کی تحد□ی بھی حقوق انسانی کی محافظت کی غرض سے ہے، انسا□ □ کو فرعو□ □ سے محفوظ رکھنے کے لئے شورائیت □ انتہائی زور د□ی گیا ہے اور حکمرانوں کو اس کا □ بند بن□ی گیا ہر انسان کے تحفظ اور اس کے حقوق کی رعا□ □ و حفاظت کے لئے واضح قانون بنائے گئے□ کہ انسا□ □ کا احترام □ قرار رہے اور منصفا□ نظام عدل کی تو اسلام میں اتنی اہمیت ہے کہ کسی □ے سے □ے امیر کو بھی اس کے □م کی بنا□ □ قانون کے حصار میں □ی آسانی سے لا□ی جا سکتا ہے۔ اس نوعیت کے واقعات □ ریخ اسلام میں بھرے □ے ہیں۔

رسول اللہ □ کے سامنے ان کے □ب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو □ دردی کے ساتھ قتل کرنے والا حبشی اسلام قبول کرنے کی غرض سے آ□ تو آپ نے اس کے ساتھ کوئی □ا سلوک □ کیا۔ حضرت □ نے ا□ ا□ □ شخص کو دیکھا جو دورِ جاہلیت میں ان کے □ادر کے قتل میں ملوث تھا پھر وہ اسلام لے آ□ تھا حضرت □ نے ان سے فر□□ ''□ا کی قسم میں تمہیں پسند □ کر□'' اس نے کہا ''امیر المومنین □ کیا اس کی وجہ سے میں اپنے حقوق سے محروم کیا جاؤں گا'' حضرت □ نے فر□□ '' □'' اس شخص نے کہا ''□ تو کوئی حرج □ پسند اور محبت کی فکر تو عورتوں کو ہوتی ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ کی سنت اور سیرت اور صحا□ کرام کی ز□گی انسا□ کے احترام، اس کے حقوق کی حفاظت اور انسا□ پسندی کا اعلیٰ □□ ہے خود حضور □ لوگوں سے فرماتے تھے کہ ''ا□ میں نے کسی □ ظلم کیا ہے تو وہ اس کا □□ لے لے'' □ راشد □ بھی اسی نہج □ رو□ عمل رہے، حضرت عثمان نے محصور ہونے اور جان کے خطرے کے □ وجود اپنے دفاع کے لئے اہل مدینہ کو بلوائیوں سے مقابلہ کی اجازت □ دی۔

د□ کے سارے انصاف پسند او□ ریخ اقوام عالم □ گہری نظر رکھنے والے دانشوران یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام امن وشانتی کا مذ□ ہے اسلام د□ رحمت وفطرت ہے، اس کے فطری تقا□ ہمیشہ انسا□ کی حفاظت کرتے ہیں اسلام اپنے آغاز سے ہی سر□ رحمت ہے □ □ کے انوار اخلاق کے سامنے ظلم وعدوان کی □ ریکیاں کافور ہوگئیں۔ □ ریخ کے وسیع اور گنجلک □ ت میں ا□ اخلاقی □ نوں اور اس کے □ □ مظاہر کی بھرمار ہے جس میں انسا□ نوازی، ر□ دلا□ کیفیت اور □ ی وآشتی کے واضح نقوش ثبت ہیں۔ فتح مکہ کا وہ واقعہ □ قا□ فراموش ہے۔ قید□ں کا ا□ ا□ □ وہ جس میں مسلمانوں □ تشدد کرنے والے بھی تھے، پھبتیاں کسنے والے بھی، قاتل بھی تھے اور ظالم بھی فتح مکہ کے دن وہ تمام اسیران اپنے □ فیصلے کے منتظر تھے لیکن □ فلک نے دیکھا کہ رسول اللہ □ نے فقط انسا□ کے □ طے ان کے وہ تمام □ ائم جو □ قا□ □ تھے معاف کردیئے اور یہ اعلان کر□ کہ جاؤ تم □ کوئی الزام □؟ تم آزاد ہو۔ ظالموں کے لئے امن وامان کا دروازہ کھو□ اور رحمت کی □ رش کرنے والا مذ□ اسلام ہی ہے۔ انسانوں کو □ اور ا□ تحفظ فراہم کر□ د□ اسلام نے ہی □□۔ سچ یہ ہے کہ د□ اسلام نے ا□ تمام را□ □ں کو بند کر□ جس سے انسا□ سنگین صورتحال کے پیدا ہونے کا ا□ □ □ ہو□ ہے۔ سنن ا□ داؤد میں ہے کہ ''کسی مسلم کے لئے یہ جا□ □ کہ وہ کسی دوسرے کو ڈرائے اور دھمکائے'' سنن

ابوداؤد میں یہ حدیث بھی ہے ''جس نے اپنے انسانی بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کیا تو فرشتے اس وقت تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ جب تک وہ اپنی حرکت سے باز نہ آجائے۔''

انسانی تعلقات کی استواری اور استحکام کا مکمل لحاظ اسلام نے کیا ہے بھوک سے شکستہ حال لوگوں کو کھانا کھلانے، پیاسے کو پانی پلانے، بیماروں کی عیادت اور اس کی مزاج پرسی کا حکم دیا ہے مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے کہ جس نے بھوکوں کو کھانا کھلایا، پیاسے کو پانی پلایا اور بیمار کی عیادت کی گویا اس نے اللہ کو کھلایا اللہ کو پلایا اور اللہ کی عیادت کی۔ اسلام نے یہ درس مذہب سے بلند ہوکر دیا اور مسلم اور غیرمسلم کی کوئی تحدید نہیں کی اور یہ محض تلقین زبانی نہیں بلکہ اس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل بھی کیا غیرمسلموں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور حسن معاشرت کے بہتیرے نمونے ''سیرت رسول'' میں ملتے ہیں، غیرمسلموں کے ساتھ زبانی وعملی ہمدردی، خیرخواہی اور ان کے حقوق کا خاص خیال آپ ﷺ کا معمول تھا۔ اکثر مواقع پر آپ ﷺ نے غیرمسلموں کو مالی وجانی تعاون فراہم کیا ہے اور یہ تعاون صرف انسانیت کے ناطے ہوا کرتا تھا۔

اولاد آدم کی تکریم اور عزت کا قرآنی اصول اس حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تمام بنی نوع انسان کی حرمت کے باب میں مذہب اسلام یہی موقف رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اللہ کے نزدیک سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اس کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے'' نبی ﷺ کے ایک ارشادات میں سچے مومن اور اس کے ایمان کی ترقی کے حوالے سے یہ صراحت ملتی ہے کہ مومن ہمیشہ نیک کام میں ترقی کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ جب تک وہ جان اور حرام خون نہ بہائے اور۔ جب وہ حرام خون بہا کر زمین میں فساد برپا کرے گا تو وہ تھک کر ماند اس بیٹھ جائے گا بلکہ اس کی ترقی رک جائے گی (ابوداؤد) قرآن وحدیث میں جان خون ریزی کی سخت ممانعت آئی ہے اور جس طرح خون ریزی بری سمجھی گئی ہے اس میں بھی انسانیت کی حفاظت ہی پیش نظر ہے۔ قرآن نے بڑی سچائی کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا بغیر جان کے بدلے یا زمین میں کسی مجرمانہ سورش کی بنا پر تو گویا اس نے قتل کرڈالا سب لوگوں کو (المائدہ) قرآن کا یہ منشور اسلام کی انسانیت پسندی کے موقف کی تائید کے لئے کافی ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ اسلام میں امن وامان، انسانیت کے احترام اور اس کے حقوق کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا ایک نامعقول بات، غیرمنصفانہ عمل ہے اور ایک عالمگیر مذہب اور اس کے ماننے والوں کی صریح حق تلفی ہے۔

دارالاسلام و دارالکفر

اور

حاضر میں اس کی تطبیق

از: مولا یفہ و نوی
ا ذ جامعہ اسلامیہ اشا العلوم، اکل کوا

دورِ نبوی علی صا الف الف یۃ وسلاماً جو وجہ ارضِ کا سے د دور اور عہد را ہے، اس لیے کہ اسی دور میں خاتم الانبیاء والمرسلین سید ولد آدم محمد عر زمین موجود تھے، اُم الکتب قرآن کر کا ول بھی اسی دور میں ہوا، لہٰذا اس دور کو یہ حق بنتا ہے کہ سید الادوار، سید العہود کہا جائے، اس دور کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام آسمانی مذہب اور د اسی دور میں مکمل اور م ہوا، اور قیامت آنے والے تمام ئل کے حل کے خطوط ونشا ت دے کر گیا، ہم اس اللہ کی جتنی بھی تعریف کر کم ہے، اللہ ہمیں اسلام کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جہاں دورِ حاضر میں بہت سے ئل آئے اور آ رہے ہیں وہیں ا مسئلہ ”دارالاسلام اور دارالکفر“ کی تعیین کا بھی ہے، اس لیے کے بہت سے احکام کا تعین اس تعین موقوف ہے۔ کیوں کہ اب حالات عجیب طرح کے ہوگئے ہیں، حکومتیں ا طرف ”آزادی“ ”وات“ ” ری“ کے گیت گاتے یں اور دوسری جا ہر طرف مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ امتیازی وَ کیا جا ہے، اور اس ب میں تو مسلمان حکمرانوں کا بھی یہی حال ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہو ہے کہ ان حالات میں ”دارالاسلام اور دارالکفر“ کا تطا کیسے ہو؟ تو آیئے ہم اس ان میں اس کو جا کی کوشش کرتے ہیں۔

دار کی تعریف

دار اس ملک کو کہتے ہیں، جو چیزوں کو شامل ہو

اِقلیم Country

یعنی محدود ائی مقام۔

سکان Population

یعنی اس علاقہ کے آ دلوگ۔

سلطنت Kingdom

وہ قیادت جو اس میں قائم ہو، امام ا العا تحریفرماتے ہیں المراد بالدار الاقليم المختص بقهر ملك اسلام و كفر۔ عمار عا ،اس کی شرح میں تحریفرماتے ہیں يظهر من التعريف انه شرط في الدار. الاقليم والسكان و السلطة. (الهجرة إِلى بلاد غير المسلمين: ص ٧٩)

دار کی تقسیم

نفاذ قوا کے اعتبار سے حکومت کی دو ہیں دارالاسلام دارالکفر

پھر دارالاسلام کی بھی دو ہیں دارالاسلام حقیقی دارالاسلام حکمی

دارالاسلام حقیقی کی تعریف

اس ملک کو کہتے ہیں جہاں د ری طور اسلامی قوا اور اسلامی احکام فذ ہوں، اور اس ملک کے قا وحکام مسلمان ہوں۔ امام ا القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں دارالاسلام هی التی نزلها المسلمون وجرت عليها احكام الاسلام. (احکام اهل الذمه:ج ص ۷۲۸)

اور امام ا سفؒ فرماتے ہیں تعبر الدار دارالاسلام بظهور احكام الاسلام فيها وان كان جل اهلها من الكفار. (المبسوط:ج ۰ ص ۱٤٤)

دارالاسلام حکمی

اس ملک کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو، اپنے بعض شعا عمل کی اجازت ہو، مثلاً نماز،

اذان، و ہ، اَ چہ ں عالمی وضعی خودساختہ یعنی انسان کے بنائے ہوئے کہ اللہ کے زل کردہ قانون فذ ہو، ا ں کے قا اور حکومتی کار ے مسلمان ہوں۔ اس وقت تمام اسلامی ممالک اسی حکم میں ہیں، کوئی ملک حقیقی دارالاسلام کا مصداق ومجاز ہے۔ ا العا تحر فرماتے ہیں: لو اجريت احكام المسلمين في بلد واحكام اهل الشرك فلاتكون دار حرب ما دامت تحت سلطة ولاتنا. (شامی:ج ص۱۷۵) ان دارالفسق هي دار الاسلام. (نيل الاوطار:ج ص ۲۷)

اب یہ سوال پیدا ہو ہے، کہ جب اسلامی قوا کا نفاذ، ان ممالک میں ہے، تو پھر ان ممالک کو دارالاسلام کیوں کہا جا ہے؟ تو اس کا یہ جواب د یا جا ہے کہ اس میں حرج لازم آ ہے، کیوں کہ اَ وجود کثرت واغلبیت مسلمین کے، اس کو "دارالکفر" کہا جائے، تو یہ ا لازم آئے گی، کہ دشمن آسانی سے اسلامی ممالک قا ہو جائے گا، کیوں کہ "دارالکفر" ہونے کی وجہ سے، مسلمانوں کے لیے اَ کوئی طل طاقت حملہ آور ہو، تو دفاع لازم ہوگا، اور ں ا ا کرکے، تمام اسلامی ر ستیں د ں کے تھ چلی جائے گی۔ ں ا اس کو "دارالاسلام الفاسقه" کہا جائے، تو کوئی حرج یں صرف "دارالفسق" کہا جائے، لواعتبرنا هذه الديار من دارالكفر او الحرب فهذا يعني ان المسلمين على رتهم سيغدون من غير اوطان ولا ديار وفي هذا تمكين لاعداء الله منا اضافة الى ا نه لايجب على المسلمين الدفاع عنها في حال الاعتداء عليها من الكفار. (فقه الاقليات:ص۹۷)

دارالکفر کی بھی دو ہیں:

دارالکفر حقیقی۔ دارالکفر حکمی۔

دارالکفر حقیقی

اس ملک کو کہا جا ہے، جہاں زمام حکومت مسلموں کے تھ میں ہو، اور ں کا د رِاساسی بھی ا کا ہو، اور مسلمانوں کو شعائر اسلام بجالانے کا قطعاً حق ہو، بلکہ حکومت مسلمانوں کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کے در ہو، مثلاً رشیا ج ء سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کا کٹر دشمن ر، اور اس وقت اسرائیل۔

دارالكفر حقيقةً: وهي التي قصدها الفقهاء في تعريفهم لدار الكفر وهي

التی تظهر فیها احکام الکفر و یحکمها الکفار و انعدمت فیها مظاهر الدین تمامًا بحیث لم یعد لها وجود متمیز و لا یوجد فیها مسلمون یؤدون واجبا تهم الدینیة.

(تقسیم العالم: ص ۲۵)

دارالکفر حکمی: اس مملکت کو کہا جاتا ہے، جہاں حکومت تو غیر مسلموں کی ہو، دستور بھی ان کا ہو، لیکن مسلمانوں کو اپنے شعائر کے بجالانے کی اجازت ہو، مثلاً بعض یورپی ممالک، بعض ایشیائی ممالک، بعض افریقی ممالک، جہاں مذکورہ صورت حال ہو، اس کو دارالاسلام اور دارالعهد بھی کہا جاتا ہے۔ والعلة فی الذهاب الی الحبشة ان هناك ملكا لا یظلم عنده احد و کان العدل فی ذاته وسامًا لذالك الملك و سماها المسلمون دار امن و ان لم تکن دار ایمان. (تفسیر الشعراوی: ٤/٢٥٨)

دار کی ایک تقسیم وجود امن اور عدم امن کے اعتبار سے بھی ہے، جس کو حالت جنگ اور حالت امن کے اعتبار سے بھی کہہ سکتے ہیں، اس اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں:

دارالحرب

جہاں حکومت مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہو، ان کے مال ان کے املاک، اور ان کی جان کو ختم کرنے یا نقصان پہنچانے کے درپے ہو، اور جہاں اسلامی دعوت کو ممنوع قرار دیا گیا ہو، اس کو ملک کو "دارالحرب" کہا جائے گا، اور اس کو "دارالکفر، دارالشرک، دارالمخالفین" بھی کہا جاسکتا ہے۔

دارالامن والعهد

جہاں حکومت تو اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہو، لیکن وہ مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر چکی ہو، تو پھر اسے "دارالامن یا دارالکفر الآمنه یا دارالعهد یا دار الکفر المعهودة" کہا جائیگا۔

بعض حضرات ''دارحیاذ'' بھی ایک قسم قرار دیتے ہیں، ''دارحیاذ'' اس ملک کو کہتے ہیں، جو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرے، کہ نہ وہ ان سے قتال کریں گے۔ نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کا تعاون کریں گے۔ ابوزہرہ رضی اللہ عنہ اور وہبہ زحیلی نے یہ قسم الگ شمار کی ہے۔

(العلاقات الدولیة فی الاسلام: ص ٨٤، آثار الحرب: ص ١٩٧)

یہ تھا مختصراً دار کا بیان، اخیر میں ہم اللہ سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو کوئی دارالاسلام عطا فرمائے، قیام خلافت کی کوئی سبیل اللہ رب العزت ہمارے نکالے۔ آمین یا رب العالمین۔

یہاں ایک وضاحت کردینا مناسب ہوگا کہ دارالاسلام اور دارالکفر قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور ہیں، لہٰذا ''دار'' کی یہ تقسیم توقیفي ہے، یعنی منصوص نہیں ہے، بلکہ اجتہادی فیہ، لہٰذا اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، جیسے فقہاء متقدمین تقسیم ثنائی کے قائل تھے، اور ان میں بھی امام شافعیؒ ثلاثی کے قائل تھے، یعنی ان کے یہاں دار کی تین قسمیں ہیں: دارالاسلام، دارالکفر اور دارالعہد یا دارالہدنۃ یا دارالصلح، جیسا کہ امام نوویؒ نے روضۃ الطالبین ج، ص ۔ میں ذکر کیا ہے، جیسے جیسے زمانے کے احوال بدلتے گئے، اس کی تقسیم میں بھی اضافہ یا ردّ وبدل ہوتا گیا، مثلاً امام ابن تیمیہ نے ایک اور قسم ''دارالفسق'' کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ ان کی کتاب مجموع الفتاوی ج ص ۔ میں اس کا ذکر ملتا ہے، دورِ حاضر میں حالات کے پیش نظر بعض فقہاء نے ''دارحیاد'' کی اصطلاح وضع کی، جیسا کہ ابوزہرہؒ اور علامہ وہبہ زحیلی کے حوالے سے اوپر ذکر کیا گیا۔ غرضیکہ ''دار'' کے منصوص نہ ہونے کی وجہ سے ابھی اس میں اجتہاد و مزید تقسیم کی گنجائش ہے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں، کہ ہر کوئی تقسیم کے لیے قلم ٹوٹ کر شروع کردے، جو لوگ علوم شرعیہ، قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور قواعد فقہ وغیرہ میں ماہر اور گہری نظر رکھتے ہوں، وہی یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

اب ایک اہم ایک تنبیہ بھی ضروری ہے، کہ بعض لوگوں نے دار کی اس تقسیم کو سرے سے تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے، یہ بھی درست نہیں، اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ فقہاء کی اصطلاحات ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں، تب تو بہت سے مسائل بے اصل ہوجائیں گے، اس لیے کہ واجب، فرض، سنت، مستحب، مکروہ، مباح وغیرہ بھی ہمارے فقہاء کرام ہی کی وضع کردہ اصطلاحات ہیں، اس کا مطلب تم اس کی تردید کروگے؟ فقہاء نے دراصل جو اصطلاحات وضع کیں، وہ ان کے اپنے فائدے کے لیے تو نہیں تھیں، وہ امت کو سمجھانے کے لیے اور مسائل میں فرق مراتب کے لیے تھیں تاکہ امت کو سہولت ہوجائے، کہ کونسا عمل کس حد تک مطلوب و مقصود ہے، لہٰذا ہمارے ان فقہاء کا ہمیں احسان مند ہونا چاہیے، جنہوں نے ہمیں شریعت کی روٹی تیار پکائی کھلا دے۔

اللہ ہمارے ان تمام فقہاء کی قبروں کو نور سے بھردے، اور ہمیں ان کے خون پسینے سے تیار کردہ، فقہ کی قدردانی کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین یا رب العالمین۔

ای غاصب ری کا وجود شکوک و ت کے غے میں

از محمد مونس قاسمی

لکھیم پور کھیری

یہود نے جنگ عظیم دوم کے دوران کے تھوں لاکھ یہودں کے قتل عام کے افسانے گھڑ کر د کو فری دیتے ہوئے مظلومیت کی دا سنائیں اور پھر فلسطین کا رخ کرتے ہوئے اس قبضہ کر۔ کہ فلسطینی شندوں کے ساتھ گا جیسی دہشت دتنظیموں کے تھوں جو ظلم و روار گیا، اور دیسین سمیت صا او یلا قتل عام کی جو حشر دا رقم کی گئیں انھیں طاق نسیاں کی رکر گیا۔ ای اسرائیلی مؤرخ ایلان پ (ILANPAPPE) نے جو ء حیفا نیور میں وفیسر رہے ہیں، اپنی ای کتاب ں کا صفی (The Ethnic Cleanring of Palestine) میں لکھتے ہیں ''دسمبر ء سے جنوری ء ں کا مسلسل رقتل عام ہوا۔ یہودں نے ں کی بستیاں صفحہ ہستی سے مٹاد ۔

انسانی حقوق کی مالی اور فساد و تخری کے سائے میں کہنے کو تو اسرائیل وجود میں آ گیا اور اس نے اپنے لیے تمام وسائل مجتمع کر لیے۔ عالمی طاقتیں آج اس کی ی ہیں۔ ہم غاصب صہیونی ری سال رنے کے وجود خوف و ہراس کی ت کی اس حد شکار ہے کہ سڑکوں اور ں کلوز سر ے اور میٹل ڈی نصب ہیں۔ ء سے مغر رے ا ں کے ساتھ ساتھ د ار ن کے نے ای د ار بنائی جا رہی ہے۔ د ار ن کلو میٹر طویل تھی۔ جبکہ مغر رے کی د ار ای ہزار کلو میٹر طویل اور میٹر

اونچی ہوگی۔ اس کے ساتھ ایک دفاعی سڑک اور دفاعی ٹاورز تعمیر ہوں گے۔ اس فصیل میں ایسے الیکٹرانک دروازوں کا انتظام کیا گیا ہے جو کسی معدنی چیز کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔ امریکا میں اس کا بھی اعلان کیا گیا کہ فصیل کے اوپری حصے میں ایسے آلات نصب کیے جائیں گے اور فوجی غبارے چھوڑے جائیں گے جن میں پوری فصیل کو چیک کرنے کے لیے کیمرے لگے ہوں گے۔ اس نگرانی میں وہ [illegible] ہیلی کاپٹر جہاز بھی شامل ہیں جو امریکا، اسرائیل کو دے گا۔ اس کے نتیجے میں مسلمان ایک بڑے جیل میں بند ہو کر رہ جائیں گے۔

بعض خام خیال لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دیوار کے قیام سے فلسطینی حدود کی تعیین ہو جائے گی۔ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ شمعون پیریز نے اس خام خیالی کا بھی کوئی موقع نہیں چھوڑا، اس نے کہا تھا: ''کوئی فلسطینی حکومت نہیں ہوگی۔ یہ فصیل کسی حکومت کی حدود کی نمائندگی نہیں کرتی۔'' (اخبار العالم الیوم [illegible])

پھر آخر یہ کس بات کی نمائندگی کرتی ہے؟ تورات کی شرح کتاب ''قابلاہ'' میں کہا گیا ہے: قدس کی صفت ''تخییاہ'' ہے، یعنی ایک بادشاہت جو سارے عالم پر حکمرانی کرے گی اور اس کے ارد گرد اونچی فصیلیں ہوں گی تاکہ ظلمت کی طاقتیں وہاں نہ پہنچ سکیں، اس کی دیوار بہت بلند ہوں گی تاکہ دنیا میں توازن قائم ہو سکے۔

غرض کہ قدس شہر کو دیوار سے گھیرنے اور اسے قلعہ بند کرنے اور پھر اس کی آڑ میں بزدلانہ جنگ کرنے کا ارادہ یہودیوں کی اسی پیچیدہ ذہنیتی مزاج کی نمائندگی کرتا ہے، جس کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے: لا یقاتلونکم جمیعا الا فی قری محصنة او من وراء جدر ''وہ تم سے جنگ نہیں کریں گے مگر قلعہ بند بستیوں میں اور دیواروں اور فصیلوں کے پیچھے سے'' ہزارۂ سوم کی قیامت صغریٰ۔

آج [illegible] فیصد فلسطین پر اسرائیل کا جابرانہ قبضہ ہے۔ وہ علاقے کی ایک بڑی ایٹمی طاقت بن چکا ہے، کہا جاتا ہے کہ سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے اسرائیل کے پاس [illegible] ایٹمی ہتھیاروں کی موجودگی کا انکشاف کیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق صحرائے النقب میں واقع اسرائیل کا ڈیمونا جوہری ری ایکٹر، فرانس کے تکنیکی تعاون سے [illegible]ء میں مکمل ہوا تھا۔ ان میں وہ فرانسیسی، مفرور جرمن اور یہودی سائنس داں شامل تھے جو ایٹم بم بنانے والے امریکی مین ہٹن پروجیکٹ میں کام کر چکے تھے۔ اسرائیل ہزاروں ٹن [illegible] جوہری فضلہ غزہ پٹی میں کم گہرائی میں دفن کرتا رہا ہے۔ ڈیمونا

ری ایکٹر نو پلا کی طرح سیدہ ہو چکا ہے۔ سی کی ای د وی فلم کے مطا اسرائیل کے جوہری ری ایکٹر میں دراڑ چکی ہیں جو کسی بھی وقت پھٹ کر مصر سے اردن تباہی سکتا ہے۔

اس وقت اسرائیل کی مجموعی آ دی لاکھ سے زا ہے۔ اس میں یہود ں کی تعداد لاکھ ہے۔ کہ جولان اورا ں سمیت ہر چہار طرف وہ اپنی نوآ دیات قائم کر ہے۔ اسرائیل کو ا یکہ سے ہر سال ای ملین ڈالر سے زا معاشی امداد مل رہی ہے۔ ار ں ڈالر مشتمل ا یکی یہود ں سے ملنے والے اس کے علاوہ ہیں۔ آئی ا ایف کے مطا میں اسرائیل کی خام قومی آمدنی ارب ڈالر تھی۔ اسی ذر کے مطا میں اسرائیل کی فی کس آمدنی ر ڈالر سالا ھ چکی تھی۔ دوسری طرف فلسطینی ہیں جن کی معیشت دور سے ر رہی ہے۔ مغر رے کی نصف فلسطینی آ دی خط غر سے نیچے ز گی ارنے رہے۔ کہ غزہ کی ری فیصد آ دی خط ا س سے نیچے ز گی ار رہی ہے۔ اسرائیل، ں کی نقل وحر رو کے لیے مسلسل چیک یں قائم کر ہے۔ مارچ مغر رے میں چیک یں چکی تھیں۔ ں کو نی جیسی بنیادی اور اہم چیز کا حصول ت سے گھرا ہوا ہے۔ کیونکہ اسرائیل نی کے سرچشموں کے فیصد قا ہے جو سالا تقریباً ملین میٹر ہے اور فی صد کو ہر میٹر ای ڈالر کے لے فلسطینی عوام کو فرو کر ہے، یعنی مغر حصہ اور غزہ کے نی کے ا ک اس کا قبضہ ہے۔

ں کے خون سے سرخ اسرائیل، ی شرمی کے ساتھ اپنی و سالگرہ منا ہے۔ قابل ذکر ا یہ ہے کہ اس سال ہ میں صدومی بھی حصہ لے رہے ہیں، کیوں کہ صدومیت، یہودی کلچر کا ریخی حصہ ہے۔ اس سلسلے میں اگست میں عالمی فخر (World Pride) کے م سے ہم جنس ں کی مشرقی وشلم میں ہوگی۔ کئی یہودی راہبوں، عیسائی در ں اور مسلم علماء نے اپنے بی ت میں کہا ہے کہ وہ علا گناہ کا مظاہرہ کر کے ا کے غضب کو بھڑکائیں۔

اسرائیل، جو ای جا وجود ہے، اس کا حکمراں طبقہ وجود مال ودو کی ریل پیل کے مالی واخلاقی عنوانی میں ملوث ہے۔ اسرائیلی صدر موشے کتساف صدارتی دفتر کی خوا سے

ن□دتی کا، موجودہ وز□اعظم اولمرٹ □ مالی □عنوانی اور □عنوان کابینہ بنانے کا اور □ وز□اعظم لیبر مین □خوا □ کو چھیڑنے کا الزام ہے۔□ □ ان کیسوں کی تحقیقات میں مصروف ہے۔نومبر □□□□ میں □□ سے زا□ مقامات □ چھا □ مار کر سرکاری ریکارڈ قبضے میں لیے گئے،ان میں وزارت صحت وتجارت شامل تھی۔

غاصب صہیونی ر□ی □ اپنی ساٹھو □ سال □ ہ□ی دھوم دھام سے منا رہی ہے۔. □ کہ خود اسرائیل کی رائے عا□ اور ممتاز □ میں اسرائیل کی بقاء کے امکان کے □ رے میں شکوک و □ت کا شدی□ احساس پیدا ہو گیا ہے۔اس کا ا□ ازہ صہیونی وز□اعظم یہود اولمرٹ کا حالیہ بیان، جس میں ا□ ں نے کہا ہے "ا□ وہ دن آ□ ہے. □ دو ر□ی □ حل □ کام ہو جا□ ہے اور ہمیں ووٹنگ کے □ وی حقوق کے لیے جنو□ افریقہ کے طرز کی □و □ کا سامنا کر□ □ ہے، تو اسرائیلی ر□ی □ ختم ہو جائے گی۔" □ دعوت، □ ر □□□□ □ متعدد اسرائیلی ریٹا□ ڈ جنرلوں کے دستخط شدہ میمور□م بھی اس کی غمازی کر□ ہے جو ا□ ں نے حکوم□ کے ا□ ب نظم ونسق کو اس □ت سے ہوشیار کرنے کے لیے بھیجے ہیں کہ ا□ عر□ ں کے ساتھ تنازعہ کے فائنل تصفیے کے قطعی معاہدات مکمل □ ہوئے تو اسرائیل کو صرف زوال وخا □ کا انتظار کر□ چاہیے۔

دوسرے یہ کہ ساٹھ سال □ رنے کے بعد بھی اسرائیل، صہیونی تحر□ کے □ □ی نشانے کو حاصل کرنے میں □ کام ہے۔یعنی د□ کے یہود□ ں کو امن وامان کی پناہ گاہ اسرائیل کی طرف ہجرت کی اہمیت سے مطمئن کر□، اس کے □عکس اب تو یہ ہور□ ہے کہ اسرائیل کی طرف ہجرت کرنے والوں کے مقابلے میں ان لوگوں کا تنا □ □ ھ گیا ہے جو اسرائیل چھوڑ کر دوسرے مما لک وا □ جا رہے ہیں۔یعنی فوجی طاقت اور اقتصادی استحکام بھی د□ کے یہود□ ں کو اسرائیل کی طرف ہجرت کرنے اور جو□ ں پہنچ چکے ہیں ان کو□ ں مستقل □ د□ش ا □ ر کرنے □ مطمئن □ کر سکا۔ر□ ٹیں تو یہاں۔ □ ہیں کہ □ لاکھ یہودی اسرائیل چھوڑ کر جا چکے ہیں اور وا □ آ□ □ چاہتے۔ساتھ ہی یہ ا□ بھی قابل لحاظ ہے کہ ا□ چہ اسرائیل کے یہود□ ں میں "د □" ا□ اہم مشترک صفت ہے، لیکن ان کے □ ہم □ سر پیکار دینی رجح□ ت میں شدی□ □ آو□ ش ہے۔حتی کہ لسانی وحدت بھی مفقود ہے۔عبرانی ز□ ن تنہا □ □ راج کرنے کی حیثیت سے □ کام رہی۔□ ں □ رے کے □ رے ا □ □ ئشی □ وہ ہیں جو عبرانی ز□ ن □□ لتے، جیسے کہ روسی □ . □ جن کا شمار □ سے □ ے □ مجموعے میں ہو□ ہے۔وہ صرف روسی ز□ ن ہی □ لتے ہیں۔ان کا اپنا الگ

نظام ہے اور ان کے اخبارات و وسائل ابلاغ روسی زن ہی استعمال کرتے ہیں۔

اسرائیل کے مختلف وہوں میں امتیازات موجود ہیں۔ اور سرکاری نظام اسی بنیاد ان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ چنانچہ ''شا'' یہودی جن کو ایتھوپیا سے لای گیا تھا، ان کو اسرائیلی معاشرے میں قبول کرنے کی وجہ سے ا ت کا سامنا ہے کہ وہ خودکشی بھی رہو جاتے ہیں۔ اس وقت د میں اسرائیل ہی وہ تنہا مملکت ہے جس کو اپنے ''وجود کے جواز'' کے بحران کا سامنا ہے، اس لیے کہ وہ دوسری قوم کی غصب شدہ زمین قائم ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ یقینی ہے کہ وجود کے جواز کے مشاکل صہیونی منصو کا تصفیہ کرکے چھوڑ گے۔ بحوا روزہ الامان بیروت ا/ یل

ہندوتوا- دیتے ہیں دھوکا یہ □زی □کھلا

از□ غلام رسول دیشمکھ
انجمن روڈ، بھساول

ہندوتوا کیا ہے۔ کیا یہ کوئی نظریہ ہے□ □۔ یہ کوئی نظام ز□گی ہے□ د□ را□ل ؟ بلکہ یہ صرف ا□ ''نعرہ'' ہے۔ یہ نعرہ سنگھ □□ار کا عطا کیا ہوا ہے۔ جس طرح اُس ملک میں انگر□وں کی □لیسی تھی لڑاؤ اور حکومت کرو Divide and Rule اس طرح سنگھ □□ار کی حکمت عملی یہ ہے کہ نفرت کا ماحول تیار کرو۔ لوگوں کو □□ت میں لاکرا □ل دلاؤ□ کہ ان سے □سی اور سماجی فا□ے حاصل کیے جائیں۔ چوں کہ سنگھ □□ار کا سماج محدود اور مختصر ہے اس لیے عوام کو □□ت میں لاکر نفرت کا ماحول پیدا کر کے اکثر□ □ سے اپنے مقاصد حاصل کر□ یہ ان کی ہمیشہ حکمت عملی رہی ہے۔ اس طرح مسلمان ان کے لیے نقطہ اتحاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دراصل ''ہندو'' یہ لفظ فارسی ز□ن کا ہے۔ ا□انی، عر□، □کی اور افغانی و □ہ بیرونی لوگ بھارتیوں کو ''ہندو'' کہتے تھے۔ لغت میں ہندو اس لفظ کا مطلب ہے غلام، ا□ھ، جاہل، چور، □او □ہ۔ حکومت□ □راشٹر نے جو اُردو □اٹھی لغت شائع کی ہے اس میں بھی اس لفظ کا یہی مطلب ہے۔ □صفحہ□□□

ہندو یہ لفظ قوم کے ساتھ مذہب□ سے بھی اس طرح وابستہ ہوگیا ہے جیسے وہ اس □م سے وجود میں آ□ ہو۔ حالاں کہ یہاں کے مذہب□ کا □م سنسکرت □ مقامی کسی ز□ن میں ہو□ چاہئے تھا؟ دراصل لفظ ہندو اس قدر مستعمل ہوگیا ہے کہ اس نے اپنی اصلیت کو بھلاد□ ہے۔ اب اس کے استعمال کے □کوئی چارہ کار □ ہے۔

کیا مندرجہ□ □ا□ ان لوگوں کے علم میں ہیں□ □ جو ''ہندوتوا'' کا نعرہ لگاتی ہیں؟□ وہ اس □ت کو نظرا□از کرنے میں ہی □ی محسوس کرتی ہیں□ کہ آسانی سے نفرت کا ماحول پیدا کر کے اور عوام کو مشتعل کر کے اپنے حق میں کر□ جائے۔

ای سوال جو جواب طلب ہے کہ یہ لوگ کونسا ہندوتوا چاہتے ہیں؟ کہ یہ لفظ بیرونی لوگوں کا عطا کردہ بیرونی ن ان میں اپنے ا را ی مخصوص مفہوم رکھتا ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر ای ممتاز مفکر، مصلح، قانون داں ذہین اور علمی کے مالک تھے۔ وہ ای اچھوت اور ما ہ پچھڑی ہوئی قوم میں پیدا ہوئے۔ جس کو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے ہزاروں سال سے ذ اور جانوروں سے ن دہ کہیں ز گی ارنے ر کر ر تھا۔ ان افراد کو ذ اور جہا سے نکال کران کو انسانی اور د ری حق دلو ڈاکٹر امبیڈکر کا عظیم کا ہے۔

ڈاکٹر صا نے اس اچھوت اور پسما ہ طبقہ کو بیدار کرکے منظّم کیا، ان کو اپنے حقوق حاصل کرنے، اس کے لیے لڑنے اور آگے ھ کر چھین لینے کی تعلیم دی۔ یہ کام موصوف نے فرد واحد کی حیثیت سے انجام دی ہے جس کی مثال بھارت کی ریخ میں ملتی۔

ڈاکٹر امبیڈکر صا کی کوششوں اور کاوشوں کا اور ر اچھوت اور د طبقہ تھا ان کے لیے وہ مسیحا اور مصلح کران کی ح و بہبود کے لیے نم یں اور مثالی کا انجام دی۔ اس کام کے لیے موصوف نے ہر طرح کا ایثار کیا اور قر ں د وہ بہت ر اور ک تھے۔

ڈاکٹر صا نے اچھوت اور د قوم میں روح پھونکنے کے لیے ھ مذہ کا سہارا جو موصوف کا طے شدہ و ام تھا۔ گا ھی جی سے دوران گفتگو ا ں نے کہا تھا کہ ”ہمارا ا ف اپنی جو بھی قدم اٹھا ہوگا، اس ت کی ری کوشش کی جائے گی کہ ملک کو کم سے کم نقصان پہنچے، اسی لیے وہ ھ مذہ ا ر کر کے اس ملک کے مفاد کی حفاظت کر رہے ہیں۔“

ڈاکٹر امبیڈکر حیات اور کا مے از شاہ غازی الد ص

ر اکتو ء کو ڈاکٹر صا اور ان کے ساتھ لاکھوں افراد نے ھ مذہ ا ر کیا جو ای ریخی حقیقت ہے۔ اس وقت چند اشلوک Stanza ھے تھے۔ اور ۔ ان لاکھوں افراد کو ں نے ھ مذہ ا ر کیا تھا اپنی عملی ز گی میں تبدیلی کی کوئی ضرورت تھی اور محسوس کی گئی۔ اس واقعہ کا ملک میں کوئی رد عمل بھی ہوا۔ اَ ھ مذہ کی بجائے صرف چند لوگ اسلام قبول کرتے تو ملک میں ای مچ جا ۔

خاکسار نے ہندو دانشوروں اور رہنماؤں سے ڈاکٹر صا اور ان کے ساتھ لاکھوں افراد کے ھ مذہ کے ا ر کرنے تباد خیال کیا تو ان کی رائے ں تھی کہ ھ مذہ یہ ہندو مذہ کا ای پنتھ فرقہ School of Thoghts ہے اور صرف ھ ہی بلکہ جین مذ،

سکھ مت، مت یہ ہندو مذہب ہی کی شاخیں فرقے ہیں۔ ایک صاحب نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ جس طرح آپ کے یہاں شیعہ، سنی و فرقے ہیں۔

یہ لوگ مذہب کے علاوہ اور کوئی مذہب کو اپناتے تو وہ تمام اعات سے ہو جاتے جو ہندو رہتے ہوئے اچھوتوں اور دلتوں کو ملنے والی تھیں۔

ء میں صدر ریہ ڈاکٹر را ر سادنے ایک حکم جاری کر کے یہ تمام اعات Reservation صرف ہندو دلتوں کے لیے کر دی۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ چوں کہ ہندو دلتوں کے یہاں چھوا چھوت کا مسئلہ ہے۔ اس لیے وہ ان رعایات کے ار بھی ہیں۔

اس ملک میں ہندو 85% فی صد کی ت کہی جاتی ہے تو ان میں یہی چاروں مت جو ہندو مذہب کے پنتھ School of Thoughts ہیں شامل رہتے ہیں ور اگر ان فرقوں کو مذاہب الگ کر جائے تو پھر ہندوؤں کی تعداد بہت کم رہ جائے گی۔

. ہندو مسلم سوال آتا ہے چاہے وہ فسادات کی شکل میں ہو کسی اور شکل میں... تو یہ ہندوؤں کی صف میں نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے وقت ضرورت کسی اور مذہب کا م بھی ہو ہندو مذہب کی لفت کی ہو تو یہ صرف Pressure Politics ہوتا تھا۔ و وہ وں اور اونچی ذات والوں کے دشمن ضرور رہے ہیں۔ لیکن اپنا ہے ا کے مذہب کو

ڈاکٹر صاحب د رساز کمیٹی کے صدر تھے۔ اس د ر کے کرتے وقت موصوف نے اچھوتوں اور دلتوں کے لیے تمام اعات Reservations کو د ری اور قانونی حیثیت دے دی تھی۔ یہ بھی ان کا بہت امثالی کا ہے۔ جو اس قوم کو اٹھانے میں معاون ہو ہے۔ یہی اسباب ہیں کہ آج یہ سماج اپنے آپ کو سے مہذب سمجھنے لگا ہے۔

ملت اسلامیہ کی حیثیت داعی وہ کی ہے۔ لیکن بھارت میں آنے والے حکمراں چند کو چھوڑ کر عام طور حکومت کرنے اور اقتدار کے تحفظ میں مصروف رہے۔ محمد قاسم مصلح آ رنجش میں شہید کر گیا۔ کہ محمود غزنوی نے اس ملک حملے کیے اور چلا گیا۔ اس کے ر کے حملے میں روپیہ اور جا بھی ضائع ہوئیں اور عوام کا یہ بنا کہ یہ لوگ صرف جنگجو اور ے ہیں۔ دیگر حکمرانوں میں اپنے فرض منصبی کا شعور تھا اور ہی ۔ اس کے وجود مسلمانوں کا یہاں کی ریخ گہرا ا۔ اور تو ہم کے ماحول میں توحید کی روشنی

۔ رگوں، عالموں اور صوفیوں کی کوششوں سے عوام اسلام قبول کرتے چلے گئے۔

ذات ت، چھوت چھات کا رواج کم ہوا۔ بیواؤں کی شا ں ہونے اور کی رسم میں ی حد کمی آ گئی۔ شراب اور جوا بھی بند ہوگیا تھا۔ عورتوں کا وراث میں حصہ بھی شامل کیا گیا۔ وں کے علاوہ تمام لوگوں کو علم حاصل کرنے کی اجازت تھی۔ آج کی طرح اس وقت عوامی معاشرہ میں انتہا پسندی، نفرت، فسادات کا ماحول تھا. کہ حکمراں اقتدار کے لیے آ میں لڑتے رہتے تھے۔

مندرجہ لاخوبیوں کے ساتھ ساتھ یہاں آنے والوں اور خا انی مسلمانوں کو بیت کا کوئی انتظام تھا۔ نتیجتاً بہت سے ضروری رسم ورواج کی ا ح ہوسکی اور ہر آنے والا اپنے ساتھ ذات ت، رسم و رواج و ہ جو بہت کچھ غلط سلط آ گیا تھا اس کی ا ح کا کوئی انتظام تھا۔

یہاں ج محل، لال قلعہ و ہ عمارتوں کی تعمیر ہوئی لیکن مدارس، کالج اور نیورسٹیاں قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ور یہ قوم غلام ہوتی، انگر وں نے ملک قبضہ ہوتے ہی مشنری اسکول اور مشنری نظام قائم کیا اور یہاں کی مقامی ز نوں میں لٹریچر کی اشا کی۔ عوام میں اور تبلیغ کا کام جاری ر ۔ . کہ مسلم حکمرانوں کے عہد میں اس طرح کے کام کیے جاسکتے تھے۔

اس وقت تحر اسلامی ہند نے وطن عز کی تمام ز نوں میں اسلامی لٹریچر کو منتقل کیا ہے۔ جس میں قرآن مجید بھی شامل ہے۔ آج اس وقت کے نفرت کے ماحول میں اس کو عام کرنے، عوام پہنچ کر روا ھانے کی شد ضرورت ہے۔ دوسروں کی شک یت کرنے ان سے امید وابستہ کرنے کی بجائے اپنے آپ کو بیدار کرکے منظّم ہونے، شعوری طور د کا علم حاصل کرنے، اس عمل کرکے مثالی معاشرہ بنانے کی سعی و جاری رہنا چاہئے۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ د اسلام بھارت واسیوں کی ضرورت جائے۔ داعیَ وہ کی حیثیت ہمارے کرنے کا یہی کام ہے۔ اس سے اللہ کی رضا اور ح آ ت حاصل ہوگی۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سے اس راہ میں بیش از بیش کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کوششوں کو رآور کرے، آمین۔

عالمی، غذائی، تو□ئی، ماحو□تی بحران کا مجرم اکبر-ا□یکہ

ا□ ڈاکٹر ا□ا □فاروقی
□□□-گا□ھی روڈ، دہرہ دون

عالمی انسانی □ادری □شتہ ڈ□ھ سالوں سے □ج، خوردنی □ اور پٹرول وگیس کی □ھتی قیمتوں کے بحران سے دوچار ہے اس □سے دھیرے دھیرے □دہ اٹھ □ہے۔ □ جارج □ نے یہ کہا کہ ''ہندو□نیوں کے ز□دہ □نے کی وجہ سے موجودہ عالمی غذائی بحران پیدا ہوا ہے اور ان کے وز□نے کہا کہ بھارت اور چین کی □ھتی تو□ئی کی ضرورتوں نے دراصل د□ بھر میں □ کی قیمتوں میں آگ لگائی ہے۔ ا□یکی حکومت اور ان کے بھاڑے کے میڈ□نے د□ بھر میں یہ □ پیدا کیا۔ اور خصوصاً □ کے معاملہ میں ا□ں نے اپنے □ پیدا کرنے والے ممالک کی تنظیم Opec کے حوا□سے □دی عرب، ا□ان و □ہ □بھی نشا□ساد ھ کرا □ مجرم بنانے کی کوشش کی۔ □جھوٹ کبھی بھی چھپ□ □ جاسکتا ہے اور جادو وہ جو سر □ھ کر □لے کی مصداق یکے بعد دیگرے □شتہ ا□ ماہ میں خود حکومت ا□یکہ کی سرکاری تحقیقات اور انکشافات میں □ گیا ہے کہ غذائی بحران، □کا بحران اور ماحو□ت کا بحران آ□ میں □□ط بھی ہے اور اِن تمام بحرانوں کے لئے □ سے □ی ذ□داری خود جارج □ کی انتظامیہ کی ہے۔ کہا یہ جا□ □ہے کہ بھارت اور چین کی صنعتی □قی کے نتیجہ میں □ کے دام □ھ رہے ہیں جبکہ سپلائی □ھ □رہی ہے۔ اس کے جواب میں □دی وز□ائے پٹرولیم مسٹر نعیمی نے اور خود شاہ عبداللہ نے کہا کہ عالمی □زار میں ضرورت کے مطا□ □ موجود ہے □اس مارکیٹ میں سٹہ□زی ہورہی ہے جس کی وجہ سے داموں میں □ھو□ی ہے۔ ا□یکی انتظامیہ اس □ت کو مانتی □تھی وہ □تھی کہ □ اِس سٹہ□زی کا داموں کی □ھو□ی ا□ز□دہ سے ز□دہ 3% ہے بقیہ کے لئے بھارت اور چین اور رسد کی کمی کے لئے Opec ذ□دار ہے۔

146 ڈالر فی بیرل پٹرول کے لئے سٹہ بازی ذمہ دار

خام تیل کی قیمتوں میں پچھلے دس سالوں 1998 سے 2008 تک 18 بیرل ڈالر فی بیرل سے بڑھ کر 146 ڈالر فی بیرل کا اچھال آیا۔ صرف پچھلے ڈیڑھ سالوں میں قیمتوں میں 133% کا اضافہ ہوا۔ امریکی کانگریس کی حالیہ رپورٹ کے مطابق تیل کی قیمتوں میں اضافہ بھارت اور چین کی بڑھتی کھپت کی وجہ سے نہیں بلکہ پٹرولیم کی تجارت میں سٹہ بازی کی وجہ سے ہوا ہے۔ سٹہ بازی کے بازار میں بہت بڑی مقدار میں سرمایہ کاری ہونے کی وجہ سے ڈالر کی قیمت کا کم ہونا ہے اس میں بڑے مالیاتی ادارہ نفع کمانے کے لئے آگے کی تاریخوں میں آج کی قیمت پر تیل کے بڑے بڑے سودے کررہے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری مارچ 2003 میں 13 ارب ڈالر کی تھی جو 2008 کے مارچ میں بڑھ کر 260 ارب ڈالر ہوگئی۔ 2003 میں اس طرح کے تیل سودوں کی تعداد چار لاکھ تھی جو 2008 میں بڑھ کر تقریباً 30 لاکھ ہوگئی۔ ہیج مینجمنٹ کے ایک ماہر مائیکل ماسٹر نے ذیلی کمیٹی کے سامنے گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ سٹہ بازوں کے ذریعہ لمبی مدت کی سٹہ بازی کے سودوں کے ذریعہ تقریباً 847 ملین بیرل پٹرول خریدا گیا ہے۔ جو کہ چین کی پانچ سال 2003-2006 مانگ میں اضافہ کے لگ بھگ برابر 847 ملین بیرل ہے۔ یعنی چین کی مانگ میں جتنا 5 سالوں میں اضافہ ہوا ہے اتنا تیل امریکی سرمایہ کاروں نے پہلے ہی خرید کر رکھا ہے۔ اب جب اتنی بڑی مقدار میں تیل منڈی سے ہٹ گیا اور مزید تیل مستقل خریدا ہی جارہا ہے تو اتنی پیداوار کہاں سے ہوگی۔ یہی بات Opec کے وزراء اور د ن ان میں شاہ عبداللہ نے بھی کہی کہ مانگ میں نہ بڑھتی سپلائی میں کمی کے علاوہ دیگر عوامل کی وجہ سے قیمتیں بڑھ رہی ہیں، لیکن یہ سٹہ باز اتنے طاقتور ہیں کہ حکومت اور میڈیا جو ان کے قبضہ میں ہیں وہ عوام میں یہ بتا دیتے ہیں کہ تیل کی قیمتوں میں بڑھوتری کی وجہ تیل Opec کے مسلم ممالک سعودی عرب، عراق، ایران کی وجہ سے دام بڑھ رہے ہیں۔ اور تیل کے دام بڑھوا رہے ہیں تو دنیا بھر میں خوراک اور خوردنی تیل وغیرہ ہر چیز مہنگی ہورہی ہے۔ مطلب یہ کہ اپنی کالی کرتوتوں کو دوسروں کے سر منڈھ دیا صرف اپنے میڈیا کی طاقت کے ذریعہ۔

دوسرا جھوٹ

خوردنی اشیاء کی بڑھتی قیمتوں کی بڑی وجہ بیجوں خصوصاً مکئی کے ذریعہ ایندھن پیدا کرنے

سے ہوتا ہے۔ عالمی سطح پر خوردنی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ امریکہ و یوروپ میں مکئی جوں سے حیاتیاتی ایندھن Biofuel بنانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ امریکی حکومت اِس پالیسی پر اپنی عادت کے مطابق جھوٹ بول کر عالمی برادری کو گمراہ کرتی رہی کہ بھارت جیسے دیشوں میں کھپت زیادہ ہونے سے قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ حال ہی میں عالمی بینک World Bank کے ماہر اقتصادیات مسٹر ڈونالڈ مِیل کی رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ دنیا بھر میں مکئی جوں اور خوردنی تیلوں کی قیمتوں میں اضافہ کی 75% وجہ جو، مکئی سے ایندھن بنانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ امریکی حکومت کا دعویٰ تھا کہ محض 3% فیصد ہی اثر ہوتا ہے۔ اب امریکی جھوٹ کا اندازہ دنیا خود لگا سکتی ہے کہ وہ کتنا جھوٹا اور دغاباز ملک ہے کہ 75% اثر کو 3% اثر بتا کر بھارت جیسے غریب ملک پر الزام لگاتا ہے۔ اس رپورٹ کو ملکی مفادات میں دبا دیا گیا ہے کیونکہ عالمی بینک کا صدر سابق امریکی وزیر ہی ہے۔ مسٹر مِیل نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں کہا ہے کہ امریکہ اور یوروپ میں سبسڈی اور امپورٹ ڈیوٹی میں چھوٹ دے کر حیاتیاتی ایندھن کو فروغ دیا جاتا ہے۔ اگر حیاتیاتی ایندھن کو اتنا فروغ نہ دیا جاتا تو قیمتوں میں اتنی بڑھوتری نہ ہوتی۔ (آزاد ہند کلکتہ 30/7/08 ہندی ہندوستان 5/7/08)

اسی مدہ میں برطانوی امدادی تنظیم آکسفام Oxfam کی تحقیق ہے کہ حیاتیاتی ایندھن کی وجہ سے ہونے والی مہنگائی کی وجہ سے دنیا بھر میں 30 ملین لوگ بھوک اور غریبی کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ امدادی ایجنسی کا کہنا ہے کہ ایندھن کی مانگ کی بڑھوتری سے لگاتار عالمی خوراک کی صورتِ حال سنگین ہورہی ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں اناج کا سب سے کم ذخیرہ موجود ہے۔ امیر ممالک نے پچھلے سال حیاتیاتی ایندھن پر 15-ارب ڈالر خرچ کیا تھا کہ برازیل کے ایتھانول کی کو ٹکر دے کر اپنے حیاتیاتی ایندھن کی مارکیٹ بنائی جائے جبکہ برازیل کا ایندھن یقیناً ماحول اور خوراک دونوں کے لئے کم نقصان دہ ہے۔ یوروپین یونین نے اپنے لئے نشانہ مقرر کیا ہے کہ وہ 2020 تک اپنے ایندھن کی ضروریات کا 10% حیاتیاتی ایندھن سے پورا کرے گا۔ اس کے علاوہ پام آئیل کے ذریعہ ایندھن بنانے سے بھی خوردنی کی سپلائی اور ماحولیات پر فرق پڑا ہے۔ زمین کے استعمال کے سے 2020 تک 3.1 ارب ٹن کاربن ڈائی آکسائڈ فاضل پیدا ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ رقبہ میں حیاتیاتی ایندھن کی کاشت کے لئے درکار اناج اور پیدا کرنے سے دنیا بھر میں Carbon Sink کاربن جذب کرنے والے قدرتی علاقہ جنگلات اور دلدل کم ہوجائیں گی۔ (رائٹر 26/6/8)

خود امریکہ نے اپنے لئے یہ نشانہ مقرر کیا ہے کہ وہ 2015 تک اپنی ضروریات کے لئے

15-ملین گیلن حیاتیاتی ایندھن پیدا کرے گا جس کے لئے اسے 163 ملین میٹرک ٹن مکئی درکار ہوگی۔ اوراس کی وجہ سے یقیناً زار میں مکئی کم ہوگی۔ وہ لوگوں کی پیٹ کی آگ بجھانے کے بجائے ا یکی رو گاڑ ں کی ایندھن کی یوں کا بھرنے کے کام آئے گی۔ ا یکی اور بھارتی کسانوں کی ز گی انسان بمقابلہ جانور کا مقابلہ زرعی ماہر ڈاکٹر د رشرمانے کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ عام ہندو نی کسان 1.4 ٹر ز گی میں را گھر چلا ہے جبکہ ا یکہ میں ای گائے کے چارہ کے لئے 10 ٹر زمین مہیا ہے۔ ا اجالا 25/1/02

تیسرا جھوٹ تیسری ر رٹ

ا یکی کورٹ کی 2007 کی رو کے تحت ای ر رٹ Enviromental protection agency ایجنسی ائے تحفظ ماحو ت کے سا انوں نے تیار کرکے ؤس کو کی ہے۔ یہ ر رٹ 149 ت کی ہے۔ اس میں بتا گیا ہے کہ عوام کی صحت اور ماحو ت کے درمیان سیدھا تعلق ہے۔ سا انوں نے کہا م لو، جنگلاتی آگ، کہرا اور بیمار ں سے ہونے والی اموات اور ماحو تی حرارت کے میں سیدھا تعلق ہے۔ اور ماحو تی حرارت قدرتی وجو ت کی وجہ سے ہے بلکہ اس کی وجو ت انسانی حرکات ہیں۔ ا یکی حکومت نے ر رٹ کو اس لئے د یا ہے کہ ماحول کو م کرنے کی ذ دار ؤس گیس جو ز دہ ایندھن کے جلنے سے پیدا ہوتی ہیں ان کو کنٹرول کرنے کی ما اٹھے۔ ان کو کنٹرول کرنے سے ا یکہ کی کی صنعت سے ے ے سرمایہ داروں جو خود ے وز اور اں ہیں جیسے ڈک چینی اور ر سفیلڈ و ان کمپنیوں میں اعلیٰ عہدہ دار رہ چکے ہیں کے مفادات ضرب ے۔ عوام سیلاب اور د اور آگ سے تی ہے تو ے۔ د بھر کے کروڑوں لوگ ج کی کمیا اور مہنگائی سے بھوکے پیٹ رہیں تو ا یکہ اور روپ کو کیا مطلب؟ و ا یکی حکومت نے اس ر رٹ کو د بھی د یا ہے اور اس کی سفارشات کو خارج بھی کر د ہے۔ TOI 26/6/08 بحوالہ رائٹر

ا یکیوں کی فضول چی اور اسراف کا ل ساری د کیوں ؟

وفیسر موہن راؤ کے مطا ای عام ایشیائی شہری کے مقابلہ ای ا یکی زمین کے وسائل 30% ز دہ جھ ڈالتا ہے۔ جن لوگوں کی ز گی میں قدم قدم وسائل خصوصاً تو ئی کی

محتاج ہے وہی وسائل □نی□دہ □جھ ڈالتے ہیں۔ ا□یکہ میں د□ کی کل آ□دی کا 4.5% رہتا ہے □ د□ کے وسائل کا وہ 30% استعمال کرتے ہیں اس کے مقابلہ جنو□ ایشیا جو کہ کل د□ کی آ□دی کا 22.5% ہے اس کے حصہ میں صرف 02% وسائل آتے ہیں ا□یکہ میں د□ کی تمام کاروں کا 1/4 حصہ موجود ہے۔ د□ میں بجلی، ایندھن، پٹرول اور کوئلہ کی کل کھپت کا 1/4 حصہ تنہا ا□یکہ کر□ ہے۔ جو کہ 25%، 26% اور 27% ہے۔ ای□ عام ہندو□نی کے مقابلہ عام ا□یکی 20 گنا □ی دہ تو□ئی استعمال کر□ ہے۔ □The affluent society by J.K. Galbraith TOI 11/1/04□

اسی طرح ماحو□تی آلودگی کے معاملہ کو دیکھیں ای□ ا□یکی 19 ہندو□نیوں اور 107 بنگلہ دیشیوں کے □ا□ ماحول کو □م کرنے والی گیسوں کا ا□اج کر□ ہے۔ بھارت میں ای□ آدمی سالا□ فی کس 325 کلو□ام □ □وُس گیسیں خارج کر□ ہے اور ا□یکہ میں ای□ ا□یکی سالا□ فی کس 5400 کلو□ام □چ کر□ ہے۔ □Indian Express 2/3/04□

خوراک کے معاملہ میں یہ□ت□ر آچکی ہے کہ ای□ ا□یکی سالا□ 909 کلو□ام □ج استعمال کر□ ہے □رو□□ □552 کلو□ام فی کس ز□ی □صحارا افریقہ 162 کلو□ام اور بھارت میں 179 کلو□ام ہو□ ہے۔

□جوں کی مہنگائی کا فا□ہ ا□یکی کمپنیوں نے اٹھا□

مونسانٹو Monsanto کمپنی کا فا□ہ 2003 میں 23 ملین ڈالر کا نفع 2007 میں 993 ملین ڈالر ہوگیا۔ کارگل Cargill 1290 ملین ڈالر سے □ھ کر 2343 ملین ڈالر ہوگیا۔ ADM (U.S) کا 451 ملین ڈالر سے □ھ کر 2162 ملین ڈالر ہوگیا۔ Bunge (U.S) کا 411 ملین ڈالر 778 ملین ڈالر نفع ہوا۔ اسی طرح □د بنانے والی ا□یکی، □رو□ کمپنیوں نے صرف 2007 کے سال میں □شتہ کے مقابلہ ای□ ارب ڈالر اور 50 کروڑ ڈالر سے زا□ منافع کمائے۔ اور یہ سارا سرمایہ اور نفع ظاہر ہے بھارت جیسے غری□ ممالک کے غری□ عوام کا خون چوس کر ہی حاصل کیا گیا۔ اور انسا□ کے یہی مجرم د□ بھر میں اپنی □و □ہ مشینری کے ذریعہ انسا□ کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں اور ہمارے حکمراں ان ظالموں سے معاہدہ کرکے اپنی □ تھپتھپا رہے ہیں۔ □عوام □ت □بیوقوف بنتی رہے گی؟؟

□ □ □

شیخ الحدی والتفسیر مولا العلامہ شفیع احمد بہاری رح کا

مختصر تذکرہ

از مولا رشید احمد فریدی

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہٖ وصحبہ اجمعین اما بعد:

سرزمین بہار کی یہ خوش بختی کہئے کہ وہ ہر دور و ہر زما میں اب کمال واہل علم وفن کرتی رہی ہے ان نے ہندوبیرون ہند مختلف خطوں میں پھیل کر اپنے جواہر علمیہ سے لوگوں کو فیضیاب کیا ہے اور سے ہند میں علم حدی کا شیوع ہوا تو بہار اپنی غر وا س کے وجود علمائے حدی و ماہر فن کی مہیا کرنے میں ا ہے اور ماضی بعید کے اعتبار سے ا یہ تسلیم شدہ ہے کہ حضرت مولا عبدا محدث دہلوی رح کے ذریعہ ہندو ان میں علم حدی کا شیوع ہوا یعنی دہلی و ماحو کو یہ شرف حاصل ہے اور بقول مولا حکیم سید عبدالحئ حسنی رح صا ۃ الخواطر'' دہلی سے قبل سرزمین گجرات کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام زکر انصاری اور علا شمس الد سخاوی اور علا ا حجر مکی کے تلامذہ کی درسگاہیں کھلی تھیں اور تشنگان حدی اس سے سیراب ہورہے تھے۔'' تو یہ دسو صدی ہجری کے اوائل نو کے اوا کا واقعہ ہے۔ اس فخر سا اور شرف لاحق کے ساتھ یہ بھی ا حقیقت ہے کہ آٹھو صدی ہجری میں صحیحین و سنن کے علاوہ طبرانی، عمل الیوم لا ا نی و ہ کتب حدی بہار شریف میں پہنچ چکی تھیں اور وم جہاں شرف الد احمد یحییٰ منیری رح م ء کے خلیفہ حضرت مولا حسین بلخی المعروف بنوشۂ توحید ں نے اپنے چچا مولا مظفر شمس بلخی وم جہاں سے بخاری و مسلم بقاً بقاً ھی ہے اور صحاح و ہ کتب حدی ان کے مطالعہ میں رہتی تھی۔ آپ نے بجوا کتب مذکورہ

ادعیہ واذکار مع فضائل کے ای کتاب فرمائی جو ''اورادِ فصلی'' کے م سے موسوم ہے اوراس میں حدی کلام بھی موجود ہے انواع کتب حدی میں سے ای خاص نوع ہندو ان کی غالبًا ب سے پہلی کہی جانی چاہیے چونکہ آپ کے علم لحدی شان ولا غا بتھی جس کی وجہ سے آپ او، میں شمار ہوئے اور محد کی فہر میں کسی نے ذکر کی ضرورت محسوس کی۔ احادی نبویہ کی ہندو ان میں تشریف آوری اور ہند میں اس فن کا ماہر دیکھئے تو ب سے پہلے سرزمین بہار میں نظر آ ہے۔ لہٰذا الفضل للمتقدم تقدم کی فضیلت بہار کو نصیب ہے۔ اور ماضی قری ب کے اعتبار سے تو بقول مولا قاضی اطہر مبارک ری ''بہار کی سرزمین سے آ ی دور میں چند مور علماء پیدا ہوئے ان میں جناب مولا شفیع احمد بہاری اپنے علم وفضل، تقویٰ وطہارت، دینی وعلمی مات، نفسی، ریس وتعلیم، و ، ارشاد وتبلیغ، اور دیگر دینی وعلمی کا موں کی وجہ سے خاص مقام و تبہ رکھتے تھے۔'' راقم الحروف اس وقت آپ کے سامنے حضرت مولا ا سلمہ شفیع احمد ہاریؒ کی کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہے۔

م ونسب

ا سلمہ شفیع احمد مولا حکیم امیر حسن محمد اکبر حسن محمد رعلی۔

آپ کے والد حکیم امیر حسن بہت ، صالح اور ماہر اطباء میں سے تھے۔ بہار شریف قد ضلع پٹنہ، حال لند کے محلّہ سکو کلاں کے رہنے والے تھے۔

ولادت وابتدائی تعلیم

بہار شریف محلّہ سکو کلاں میں ء کے اوا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی بنیادی تعلیم اپنے والد ما مولا حکیم امیر حسن صا ب سے حاصل کی اور عر کی ابتدائی کتابیں اپنے خسر مولا اصغر حسین صا ب سے ھیں۔ اس کے بعد مدرسہ قومیہ، بہار شریف میں تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ عز یہ بہار شریف میں داخلہ اور متوسطات ھتے رہے۔ یہاں عر کے ای ا ذ مولا انوارا اعظمی کے خصوصی شا درہے۔ مدرسہ عز یہ کے رفقاء درس میں ای مولا دعالم وی بھی تھے جن سے دو تعلق یہیں قائم ہوا ا ذ محترم مولا انوارا

کے وصال کے بعد مولا د عالم نے وہ کا رُخ کیا اور مولا ا سلمہ صا نے از ہرِ ہند دارالعلوم د بند کی کشش لبیک کہا۔

دارالعلوم د بند سے جامعہ ڈابھیل

دارالعلوم میں حضرت علا انور شاہ کشمیری اور دیگر اساطین علم کی وجہ سے علم حدی کا غلغلہ اور فقہ وتفسیر کا زم تھا کہ دشِ م نے اس بحرِ علم وفن میں تلاطم پیدا کرد ۔حضرت مولا ا سلمہ شفیع احمد صا د بند میں دا ہوئے اور ا سال حر وسکون کے درمیان را کیا، قافلۂ علم د بند سے رخصت ہوکر ہندو ن کے غرب یعنی گجرات کے ا دور افتادہ گاؤں ڈابھیل میں وارد ہوا تو بہت سے وا نے بھی اُڑ کر شمع انور کے د جمع ہو گئے۔ان میں ا مستقبل کا محدث مولا شفیع احمد بہاری بھی تھے۔آپ نے جامعہ اسلامی ڈابھیل میں رہ کر کسب علم و کیا۔ ء میں سند فرا حاصل کی ۔ مولا ا سلمہ صا کی یہ سند جس وقت کے امام ذہبی حضرت شاہ صا کی دستخط ہے اور راقم الحروف نے اس کی ز رت کی ہے۔بہار کے ا اور محدث شیخ الحدی والتفسیر مدرسہ عالیہ کلکتہ ریٹائیر مولا محفوظ الکر صا می رکن شوریٰ دارالعلوم وۃ ا لکھنؤ مقیم کلکتہ دامت کا ہم کے س موجود ہے۔

ئی

مولا ا سلمہ کے ہم اہل محلّہ کا کہنا ہے کہ مولا . علم حاصل کرنے کے لئے گھر یعنی بہار شریف سے نکل گئے تو فارغ ہو کر ہی وا آئے۔درمیان میں گھر آئے۔

اسا ہ کرام

دارالعلوم د بند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے اسا ہ کرام میں علا انور شاہ کشمیری خا ۃ المحد ، مولا شبیر احمد عثمانی عمدۃ المفسر ، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی فقیہ العصر اور مولا اعزاز علی ا وہوی شیخ الادب اور مولا ا اہیم بلیاوی امام المعقولات اور مشہور ادی ب ا عبداللہ محمد سف سورتی و ہم قابلِ ذکر ہیں۔

تعلیم کے زمانے میں مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی سے خصوصی تعلق ۔ان کی صحبت نے زما

کے تقاضوں سے وا اور اسلامی اصولوں سے حالات کو کرنے کا ڈھنگ و اہ ی۔

ریس و کیر

جامعہ ڈابھیل سے فارغ ہوکر اپنے وطن عزی بہار شریف کے مدرسہ قومیہ میں جہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی مدرس بلکہ صدرالمدرسین مقرر ہوئے۔ ر مات کے ساتھ ساتھ قوم کی دینی رہبری کے لئے وعظ و کیر کا سلسلہ بھی شروع فرما ی۔ ہر کو اپنے محلّہ سکو کلاں میں سے قبل بیان کرتے تھے۔

تحری آزادی

ریس و کیر کے علاوہ وقت کا اہم تقاضہ تھا کہ قوم کو بیدار کرکے آزادی کی راہ ہموار کی جائے۔ چنانچہ وطن ہی کی ای قومی ملّی تحری جس کے نی و محرک بہار شریف کے ای دُرِّ فری جناب مولا علی حسین عاصم بہاریؒ تھے۔ جس کی قبولیت اور واز ہند کے صو اں سے ر کر بیرون ملک ھ رہی تھی یعنی تحری مؤمن کانفرنس۔ مولا ا سلمہ اس کے پلیٹ فارم سے آزادیٔ ملک وملت اور ان کی ح کے لئے وو دو میں مصروف بھی رہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، مفتی کفای اللہ صا ب اور مولا ا الکلام آزاد کی طرح مولا ا سلمہؒ بھی تقسیم ملک کو مسلمانوں کے حق میں مفید سمجھتے تھے۔

شیخ الحدی والتفسی

ء میں وزی تعلیم حکومتِ ہند مولا ا الکلام آزاد کے ا خسروا سے. ب مدرسہ عالیہ کلکتہ د رہ آ دھوا تو مولا آزاد کے حکم وایماء مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے۔ حضرت مولا عبدالحلیم صدیقی صا ب صدرالمدرسین تھے چنانچہ مولا ا سلمہ صا ب کا بحیثیت شیخ الحدی والتفسیر تقرر ہوا۔ اس وقت سے ء - یعنی رسال اس منصب جلیل فا رہے۔

تلامذ

بقول احمدا وکیٹ کلکتہ ئی کورٹ ’’آپ کے شا دوں کی تعداد ہزاروں- ہے جو

ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب میں بھی آپ کے شاگردوں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے۔''

شاگردوں میں مولانا سید احمد ہاشمی صدر ملی جمیۃ العلماء ہندوستان، مولانا محمد یحییٰ صدر مدرس عربی گورنمنٹ نیوریارٹی، مولانا رضاء اللہ ازہری، صدر مدرس عربی کلکتہ یونیورسٹی اور مولانا عبدالاحد سینئر آفیسر محکمہ تعلیمات بہار، مولانا ذبیح اللہ عتیق پروفیسر مدرسہ عالیہ کلکتہ، وغیرہم خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

کتبِ درسیہ اور طرزِ تدریس

مولانا ابوسلمہ صاحب کے ایک شاگرد پروفیسر ذبیح اللہ لکھتے ہیں ''وکان یدرس السنن والصحاح والکتب الفقهیه واصول الفقه کالهدایه ومسلم الثبوت وکانت له ملکة عظیمة لافهام المسائل الصعبة بالسهولة. تدرسنا علیه الهدایة ومسلم الثبوت ولم نشعر قط بصعوبتها عندما یلقی الشیخ الاضواء علی مسائلهما.''

اللہ تعالیٰ نے مولانا ابوسلمہ صاحب کو بہت سی خوبیوں اور صفات سے نوازا تھا۔ان میں نمایاں طور پر تقریر و خطابت کا ملکہ، تصنیف و تالیف کا ذوق، اشاعت دین کا شوق، قوم کی شیرازہ بندی اور ان کی ترقی کا فکر، مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں اتباع سنت کی دعوت، اتحاد بین المسلمین کی سعی، علوم میں پختگی بالخصوص علم حدیث میں رسوخ اور اس کی خدمات و غیرہ بہت سے کمالات ہیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ ایک مستقل سوانح میں جو زیر ترتیب ہے آئے گی۔ مولانا ابوسلمہ صاحب علم حدیث میں کس مرتبہ کے تھے اور کیا کام انہوں نے کیا ہے اس کا مختصر تعارف راقم کے قلم کے بجائے بعض بزرگوں کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

قاضی اطہر مبارکپوری محقق مؤرّخِ ہند فرماتے ہیں ''مولانا اسلامی علوم کے عالم تھے اور ہر وجہ علوم میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ ان کو علم حدیث سے عشق کی حد تک تعلق تھا۔اس میں خاص امتیاز کا درجہ رکھتے تھے۔ان کے علمی و تصنیفی کاموں میں علم حدیث کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ امام بیہقی کی نادر و نایاب اور بیش بہا اہم کتاب ''معرفۃ السنن والآثار'' کو اپنی تصحیح و تعلیق سے شائع کرنا چاہتے تھے۔اس کا پہلا حصہ خود چھاپ کر شائع بھی کیا تھا۔مولانا نے اس کے چند نسخے میرے پاس بمبئی بھیجے تھے اور ایک نسخہ مولانا ابوالوفاء افغانی رئیس لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد کو دینا تھا تو

مولا□ نے حدی□ کے اس □ در□□ی□ب تحفہ □□ے والہا□ا□از میں شکریہ ادا کیا۔

مقالات حد□□□

□ رسا□ □□ان □□□□ء میں امام دارقطنی □ □ چار قسطوں میں □ان شائع کیا۔

''ہندو□ان میں علم حدی□ کی □لیفات کے□م سے □□ان □□□□ء میں چند قسطوں میں مقا□ لکھا، □□□□ء میں مسند احمد □ ای□ طویل مقا□ □قلم کیا، □□□□ء میں امام شافعیؒ کی کتاب الام □ محققا□ □ان لکھا۔''

یہ علمی مقالات جو مورخا□، محد□□ اور محققا□ ہیں۔ علم حدی□ کا مشغلہ رکھنے والوں کے لئے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے مطالعہ سے علمی انتفاع کے علاوہ صا□ □ مقا□ کے علم حدی□ میں رسوخ اور علوم میں گہرائی و گیرائی کا بخو□ ظہور ہو□ ہے۔

□□□ مولا□ سعید الرحمٰن الاعظمی الندوی مہتمم □وۃ ا□ □ لکھنؤ، مدظلہ العالی رقم طراز ہیں□

كان الشيخ ابو سلمه من علماء الهند الافاضل فى هذا العصر و كان له شغف زائد بالعلم والتحقيق وخاصة بعلم الحدي□ فانه كان يعتبر من اساتذة الحدي□ وشيوخه و كان يدرس الحدي□ والتفسير فى المدرسة العالية فى كلكته حي□ اشتغل بوظيفة التعليم الى مدة طويلة فكانت الاواسط العلميه والدينيه تعرف فضله ومكانته فى مجال التعليم والتحقيق والدراسة واول عمل علمى قام به هو تحقيق كتاب معرفة السنن والا□ار للامام البيهقى ونشره وحقق كذلك كتاب اسماء الصحابة والرواة لابن حزم الاندلسى ونشره وكذلك كان شغوفا بجمع النوادر من الكتب والمؤلفات القديمه واخراجها بلباس قشيب وطالما كان يخط الكتاب بيمينه ويعرضها على المطابع. □من ا□ □الاسلامی، لکھنؤ□

□□□ امیرا□ محدث کبیر حضرت مولا□ حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ □قدہ کا اعتراف □حظہ کیجئے۔ سچ ہے قدر جوہر شاہ دا□ □ا□ جوہری۔

''مولا□ ا□سلمہ شفیع احمد بہاری □حوم □ے صا□ □ِ□حیت اور ذی استعداد عالم تھے۔ درس حدی□ کی اتنی عمدہ □حیت ان میں تھی کہ □□د العالی للدراسات الاسلامیہ کے لئے میں نے ان کی □ مات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی □کسی □خواہ کی رخنہ ا□ازی کی وجہ سے وہ □

آ سکے۔ میرا ان سے دو▯ تعلق ا▯ عرصہ سے ہے۔ وہ ▯ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں درجۂ علیاء کے مدرس تھے اُس وقت ا▯ ں نے خط و کتا ▯ کی ابتداء کی تھی۔ تعلقات کی ابتداء ▯ ہوئی کہ وسیع ہوتے گئے... ▯حوم ▯ ے علم دو ▯ ▯نجاں ▯نج اور ▯ ے محنتی تھے۔‘‘

▯▯ ماضی قری▯ کے عالم عر▯ کے مشہور محقق محدث صا ▯ تصانیف و تعلیقات ▯▯یقہ شیخ عبدالفتاح ا▯غدۃؒ صدر شعبۂ حدی▯ و تفسیر جامعہ محمد ▯ ▯د، ر▯یاض، ▯دی عرب کی قدردانی بھی دیکھئے۔ ▯ جمہ از عر▯ مولا▯ طلحہ▯وی ▯ مولا▯ ا▯سلمہٗ)

’’میں جناب کی ▯مت میں یہ سطور ▯د قلم کر▯ ہوں اور دل غم سے گھٹا جا▯ ہے، آنکھوں میں آنسو ہیں اور ذہن میں یہ ▯ ▯ان کن سوال کہ ہم آپ کی تعزی▯ و غم خواری کررہے ہیں ▯یا خود اپنی۔ یہ سانحہ تنہا آپ کا ▯ بلکہ اس میں عالم اسلام کے وہ سارے افراد شری▯ ہیں جو حضرت مولا▯ کے علم حدی▯ کے قلم گہر▯ر سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔

ا▯ں نے ہمیشہ اور ہر ▯ مسلمانوں کے حقوق کی مدافعت کی اور ان کے ا▯ر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے تمام ▯طل طا▯ں کا کھل کر مقابلہ کیا۔ وہ مسلمانوں کو کفر و الحاد، صہیو▯ اور مغر▯ استعمار کے خطرات سے مقابلہ کی دعوت دیتے رہے۔‘‘

حضرت مولا▯ اپنی ان ▯ ▯ں سے جس کا اعتراف وقت کے علماء و محد ▯ کو تھا۔ علم حدی▯ ▯ جو کام کر▯ چاہتے تھے اس کا کچھ ذکر ا ▯ کی ز▯ن و قلم سے سنئے۔

’’میں ▯طات اور کتب▯ درہ کی تفحص و تلاش اور اس کی نشر و اشا ▯ کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتا ہوں لیکن ا▯ ▯ بضا ▯ اور محدود وسائل ہستی کے لئے اس ▯پر خطر وادی کی ▯بجولی آسان ▯ ہے۔ میں بلا تصنع کہتا ہوں کہ ظاہری اسباب کچھ بھی ▯ صرف میری بلند ہمتی اور پختگی عزم ہے... لیکن ہم نے ▯ ا▯ ▯م لے کر کام شروع کر ہی د▯یا اور اس سلسلہ کا ▯ سے پہلا قدم ’’معرفۃ السنن والآ▯ر ▯بیہقی‘‘ کی تصحیح و طبا ▯ ہے۔ یہ کتاب ▯ئل ▯▯یہ کا دا▯ۃ المعارف اور ا▯ قا▯ل قدر کتاب ہے جو عرصہ سے ▯▯یاب تھی۔ ا▯ چہ یہ کام میرے حسب منشاء انجام ▯▯ سکا اور کما ینبغی اس کی تصحیح و تکمیل ▯ ہوسکی لیکن اس علمی کسا▯ بازاری کے دور میں یہ بھی ا▯ غنیمت ہے۔

اس کے بعد ا▯ حبان کی تصانیف اور الالزامات علی الصحیحین للدار قطنی ▯ کام کر رہی ر▯ تھا کہ ہندو▯ ن انقلا▯ دور سے ▯ ا اور عام مسلمانوں کے تحیر و قنوط کو دیکھتے ہوئے اردو میں مذہبی اور علمی مضامین کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کر▯ وقت کا اہم

تقاضہ ہوگیا۔‘‘ اقتباس

چنانچہ ء میں آپ نے اپنے محلّہ سکو کلاں بہار شریف میں ’’مکتبہ علم وحکمت‘‘ قائم کیا اور معرفۃ السنن والآ رکی پہلی جلد اسی مکتبہ سے شائع کی۔ پھر ء میں سید سلیمان وی کے رمضامین کا مجموعہ ی محنت وعرق ری ی سے یکجا کر کے شائع کیا۔

ادارۂ جمہ

پھر کلکتہ مدرسہ عالیہ کے شیخ الحدی والتفسیر ہوئے اور وہیں د ش ا ر کر لی تو ء میں مدرسہ سے ریٹا ہونے کے بعد ادارۂ جمہ قائم کیا۔ جس نے اپنے اہم مقاصد کے نظر مسلم ِن بنگال کی دینی رہنمائی کا نم یں کا انجام دی۔ ادارہ کے فدائے ملت حضرت مول سید اسعد مدنی نور اللہ قدہ، صدر جمعیۃ ا ر ہند کے ات حظہ ہوں۔

’’ادارۂ جمہ کلکتہ تقریباً سو سوں سے خالص علمی و دینی مات انجام دے رہا ہے اور اس ادارہ کے زی اہتمام سے زا عات منظر عام آ چکی ہیں۔ اس ادارے کی سیس اور سرکردگی کا شرف حضرت مول ا سلمہ وی علیہ الر کو حاصل تھا۔ جو جمعیۃ ا ر ہند سے دیکی تعلق رکھتے تھے۔‘‘

حضرت مول اسعد غفر، صدر جمعیۃ ا ر ہند
ر اگست ء

نوٹ: وۃ ا رلکھنؤ سے عمدہ روا و اسم کی وجہ سے بعض علمار مول ا سلمہ صا کو وۃ کا فاضل سمجھتے تھے

صا رجال السندوا قاضی اطہر مبارکپوریؒ فرماتے ہیں۔ ’’مول تقر کی طرح تحر میں ی طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کو کا ی ستھرا ذوق تھا۔‘‘ حدی تحقیقی مضامین جو ن دہلی میں شائع ہوئے اس کے علاوہ چند رسائل منظر عام آئے۔ ں سول کوڈ اور اس کا اسلامی احکام ا ختم رسا اور قا نی فتنہ اکبر کا د الٰہی خطبہ حجۃ الوداع، تعلیماتِ قرآن، ا حی مضامین جو بشکل ا رشائع کرتے تھے۔ اس کا

مجموعہ بنام تسنیم وکو مظلوم اردو عہ یہ رسالہ اپنے نام سے ہی دا ن المناک کی طرف مشیر ہے اور اردو کے حق میں مسا کا ھی اُبھارنے والا ہے۔

امامت وخطا

بقول قاضی صا ’’وعظ وخطا میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ تقر عالمانہ پُر مغز ہونے کے ساتھ ی دلچسپی ہوتی تھی۔ اسی لئے عوام وخواص دونوں میں آپ کی تقر کے شیدائی تھے۔‘‘

نوجوان ملّت اور معتقد شدت سے کا انتظار کرتے کیونکہ خطبہ سے قبل تقریباً آدھ گھنٹہ تقر فرماتے تھے۔

کلکتہ دھرم تلہ میدان میں نمازِ عید کی شہر کلکتہ کی سے ی ہوتی ہے۔ جس کا اہتمام وانتظام خلافت کمیٹی کلکتہ کرتی ہے۔ ء سے قبل اس کی عظیم الشان امامت امام حضرت مولانا الکلام آزادؒ فرمایا کرتے تھے۔ مولانا اس سے دستبردار ہوگئے تو اس کے لئے ای منا خطیب خوش بیان اور جید عالم کی ضرورت آئی۔ چنانچہ ارباب خلافت کمیٹی کی نظر انتخاب حضرت مولانا ا سلمہ شفیع احمد صا ٹھہر گئی۔ اس وقت سے سالِ وفات ء تک یعنی مسلسل رسال یہ فر انجام دیتے رہے۔ اس عظیم امامت کی بنا پر مولانا رے بنگال میں ’’امام عید ‘‘ کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

عید کے خطبات تاریخی اہمیت کے حامل ہوتے۔ ہزاروں مسلمان ے شوق و کے ساتھ مولانا کی تقر سننے کی غرض سے کلکتہ میدان میں نمازِ عید ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

موجودہ طرزِ تبلیغ سے رابطہ

کبھی کبھی تبلیغی کولوٹولہ میں بعد نماز مغرب بیان ہوا کرتا تھا اور عرب ہوتی تو کبھی آپ مترجم بھی ہوتے تھے۔ تبلیغی اجتماعات میں شر فرماتے اور اپنے علمی اور فکری خاص طرزِ کلام سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے۔

قرآن سے شغف

حضرت مولانا کو حدی ک سے جتنا عشق تھا اس سے ز دہ کلامِ الٰہی سے شغف تھا۔ قوم

کو قرآنی تعلیمات سے وابستہ کرنے اور اتباع سنت سے آراستہ کرنے کے لئے شہر کی مختلف متعدد مسجدوں میں درس قرآن کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ بالخصوص ٹیپو سلطان کی شاہی مسجد میں صحت کی آخری زمانے تک بعد العصر درس دیا کرتے تھے۔ جو ۔۔۔ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی کلکتہ تشریف آوری کے موقع پر یہ دور ختم ہوا۔ حضرت مولانا علی میاںؒ تشریف لے گئے۔ قرآن پر خطبہ دیا اور دعا فرمائی اور تلاوتِ کلام پاک کا معمول بھی قابلِ رشک تھا۔ سفر وحضر میں ہمیشہ بلاناغہ تلاوت فرماتے تھے۔

تلاوتِ قرآن اور قرأت بخاری

حضرت مولاناؒ کا ایک عجیب معمول جو شاید ہمارے اکابر میں سے کسی کا رہا ہو۔ مولانا عبدالمنان فاضل مدرسہ عالیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے آپ کو زمانہ طالب علمی میں پھر زمانۂ مدرسی میں دیکھا کہ آپ اپنے خالی گھنٹوں میں مستقل طور پر کلام مجید کی تلاوت اور صحیح بخاری شریف کی قرأت فرماتے تھے اور اخیر تک اسی معمول پر مداومت کی۔ حضرت مولانا کی اس عادتِ شریفہ یعنی تلاوتِ قرآن وقرأتِ بخاری کا علم راقم الحروف کو بہار کے ایک اور عالم سے بذریعہ اِرا... ہوا جو سفر میں اس معمول کے چشم دید شاہد ہیں۔

قوم کی دینی رہبری

قرآنی تعلیمات اور نبوی ہدایات سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے مولانا بذاتِ خود جتنی جد و جہد کرتے اپنے تلامذہ اور علماء سے بھی چاہتے تھے کہ وہ قوم کی دینی رہبری کے لئے کوئی علمی و دینی مشغلہ ضرور رکھیں۔ مولانا ذبیح اللہ پروفیسر مدرسہ عالیہ فرماتے ہیں۔

''فراغت کے بعد میں نے معاش کی تلاش میں ایک ہائی اسکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ حضرت مولانا عالیہ سے ریٹائر ہوچکے تھے۔ ایک روز سڑک پر ملاقات ہوئی۔ اچانک پوچھ بیٹھے۔ ''کیا کررہے ہو؟'' میں متحیر رہ گیا کہ حضور ایسا سوال کیوں کررہے ہیں۔ اُن کو تو میری ملازمت کے بارے میں علم ہے۔ مجھ کو حیران دیکھ کر فرمایا کہ میرا منشا یہ ہے کہ تم قوم کے لئے کیا کررہے ہو؟ سکوت کے سوا میرا چارہ نہ تھا۔ تب انہوں نے فرمایا، ''قوم کا بھی تم پر حق ہے۔ میری طرح بھیک مانگو۔ رقم اکٹھا کرو۔ دینی اشاعت کا ادارہ بناؤ۔ لوگوں میں ہدایت مفت بانٹو۔

اگر یہ ہوسکے تو کم از کم مسجد کے کسی گوشہ میں بعد قرآن مجید لے کے بیٹھ جاؤ۔ دو چار آیت کی تفسیر سناؤ۔ کبھی مشکوٰۃ شریف کی دو چار حدیث کی تشریح سناؤ۔ یہ معمول رکھو۔ لوگ تمہاری تنقید کریں گے۔ تم پر ہنسیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ الفت بھی کریں۔ ہمت ہارنا۔ سب صرف اللہ کو راضی کرنا ہو۔ ان شاء اللہ تمہاری محنت بیکار جائے گی۔ دس میں ایک کو ہدایت ملے گی۔ تمہاری نجات کا ذریعہ جائے گا۔

قومی وملّی خدمات

جس طرح حضرت مولانا کی دینی خدمات بہت ہیں۔ اسی طرح قومی وملی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ اور اقوال محمودہ ملی کارگاروں کے لئے حوصلہ افزا ہیں۔ اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

تواضع اور سادگی

مولانا کے مزاج میں تواضع وانکساری، سادگی وخاکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہمیشہ گاڑھے کا کرتہ، گاڑھے کا پائجامہ اور گاڑھے ہی کی دوپلیاں ٹوپی زیب تن فرماتے۔ زیادہ پیدل چلتے۔ ضرورت پیش آتی تو سواری مثلاً رکشا پر اکتفا کرتے۔ ریل کے سفر میں بھیڑ کی وجہ سے کبھی کبھی گھنٹوں کھڑے رہتے۔ اس میں بہت گئے رات تک بیٹھتے۔ جو ملتا اور جو ملتا لیتے۔ مسجد میں سو رہتے۔ مجلس میں چھوٹوں اور غریبوں کے ساتھ بھی گھل مل کر باتیں کرتے۔ کوئی مسئلہ پوچھئے عام لہجہ میں بتا دیتے۔ کوئی اُلجھن پیش کیجئے خوبصورتی سے سلجھا دیتے۔ تقریر کے لئے بلا تکلف پیدل آتا تو پیدل پہنچ گئے۔ منتظمین سے سواری کی فرمائش کرتے اور قیام وطعام کا ان کو زیر بار کرتے۔

بیعت وسلوک

آپ اور آپ کے صاحبزادے جناب شفیق احمد دونوں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔ مولانا کو حضرت شیخ الاسلامؒ سے والہانہ محبت تھی۔ چنانچہ حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد محمد علی پارک میدان میں تعزیتی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

’’حضرت شیخ کے سانحۂ ارتحال سے زہدوتقویٰ، علم وعمل اور امن کی حد۔ کی چولیں ڈھیلی ہوگئی ہیں۔ حضرت شیخ کی ذات اقدس محتاجِ تعارف ۔ا ان کے جا چاہتے ہیں تو ہندو ان کی درود ار حوم کی عظمت کا پتہ دے گی۔ آپ نے آزادی سے قبل مسلمانوں کو جو کچھ کہا اور غلط روی کی جو بھی پیشین گوئیاں کی تھیں وہ کے صادق آرہی ہیں۔ افسوس مسلمانوں نے وقت کی ا کا احساس کیا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم ان کے بتائے ہوئے را چل کر اپنی ال سکتے ہیں۔‘‘

زیارتِ حرمین شریفین

ء میں پہلی تبہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی رفاقت رہی اور چوتھی تبہ ء میں گئے۔

مرض الوفات کی ابتدا

ء میں حج میں جانے سے قبل ہی یرقان کا حملہ ہوگیا تھا۔ مکہ پہنچے ض نے شدت ا رکرلی۔ بمشکل مناسکِ حج ادا کیے۔ ہندو ان واپسی ا صورت ہوگئی کہ ا ل دا کر ا۔

ای آ ی خط

ایام مرض میں شفاخا ا ل سے ای درد بھرا خط جو حیاتِ مستعار کا غالباً آ ی خط ہے حضرت مولا الحسن علی الندوی رحمہ اللہ کے م لکھا گیا ہے۔

عالی جناب مفکر اسلام الحاج مولا الحسن علی صا الندوی دامت فیوضہم و کاتہم،

صدر آل ا مسلم سنل لا ر رڈ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و کاتہ

میں ء کو فر حج کی ادا کے بعد مکان اس حال میں پہنچا کہ یرقان کے حملے سے دم سا ہو ہوں اور دن کے بعد۔ شفاخا میں دا ہوا تو رو رفتار میں حس وحر کی گنجائش قی رہی تھی۔ آج ای ماہ سے او کا عرصہ را حا رسا

ہیں۔ شفاخا کی کوٹھری نما ے میں ں ہوکر رہ گیا ہوں۔ جملہ مشاغل قلم موقوف ہیں۔ امت حو کی موجودہ ز ں حالی لخصوص مسلم سنل لا، د ں کے حملے اور ہماری تہی د و بسی دل ھتا ہے۔ رمحض ہوکر رہ گیا ہوں۔ یہ چند سطور جو دراصل اپنی غم خواری اور دلسوزی کا اظہار ہے۔ وقت کی ای اہم ضرورت سمجھتے ہوئے لکھوا ہوں۔

کرم فرمائے من آپ کو شای اپنی قوت کا ا ازہ ہے۔ آپ وہ شمع ہیں جس کے اردد لاکھوں وانے اپنی فداکاری کا جوہر د نے کے لئے مچل رہے ہیں۔

میرے دی کورٹ کا فیصلہ ہو، اعداء اسلام کے حملے ہوں یا مار آ وں کے زہر افشا ں، یہ مسلم عوام کے عزم وحوصلے کے آگے مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے ز دہ وقعت رکھتیں۔ اس وقت امت حو کو جو حکم دی گیا ہے وہ ہے واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا کے تحت وحدت کی رسی کو مضبوط تھامنا اور انتشار وافتراق سے غای درجہ احتراز و ہیز ہے۔"

ا سلمہ شفیع احمد از کلکتہ

انتقال پر ال

لآ ر دسمبر ء وز یکشنبہ مطا ر ربیع الثانی ھ دوپہر کے وقت سال کی میں د ئے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون. لله ما اعطى وله ما آخذ و كُلّ شىء الى اجل مسمى.

رکی صبح حضرت مول حکیم محمد زمان صا رکن دارالعلوم د بند نے نمازِ جنازہ ھائی اور بجے شہر کے مشہور قبر ن "گورِ یاں" میں دی ٔ نم دخاک کئے گئے۔ گوہرِ آ ارجو بہار شریف سے آمد ہوا تھا سرزمینِ بنگال نے اُس علم وعمل کو صبح قیامت اپنی آغوش میں لے۔

وما علينا الاّ البلاغ

دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنا

دار العلوم

جلد - شمارہ

ذی الحجہ ھ - محرم ھ مطا دسمبر ء - جنوری ء

نگراں

حضرت مولا غوب الرحمٰن صا

مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولا حبیب الرحمٰن صا

ا ذ دار العلوم دیوبند

سیل زر کا پتہ دفتر ماہنا دار العلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴

ہندو ن سے فی شمارہ روپے، سالا روپے

دی عرب، افریقہ، طا ، ا یکہ، ڈاو ہ سے سالا روپے

بنگلہ دیش سے سالا روپے کستان سے ہندو نی رقم روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
١	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	٣
٢	اسلام میں دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے ساتھ رواداری	مولانا شوکت علی قاسمی بستوی	٦
٣	ہندوستان میں اشاعت اسلام سے متعلق اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر قاسمی	١٧
٤	یارِ غار، لمحات زندگی	جناب فروغ احمد قاسمی	٥٢
٥	، حکمت کی جا گامزن ہو جائے	عزیز بلگامی	٧٢
٦	مصلح کے بھیس میں مفسد ملکی اور عالمی ''دہشت''	ڈاکٹر فاروقی	٦٨
٧	تحقیق الکلام فی بیان الطلب لوجوب الاحکام	رشید احمد فریدی	٨٢

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

دارالعلوم دیوبند ایک دینی ادارہ ہے جو لگ بھگ ڈیڑھ صدی سے انتہائی اخلاص اور جانسوزی سے اسلامی علوم وثقافت کی تعلیم و ترویج میں مصروف عمل ہے، جس کے نفع بخش ثمرات کے نتیجہ میں رجالِ کار کی ایک عظیم کمال منصۂ شہود میں نمایاں ہوئی جس کی جہت عالمگیر خدمات نے چہاردانگ عالم میں دارالعلوم کے نام وکام کو روشن کردیا اور آج دارالعلوم عالم اسلام ہی کا نہیں بلکہ ساری متمدن ومہذب دنیا کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے، ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ غرضیکہ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ملے گا جہاں دارالعلوم کے شناسا اور عقیدت کیش نہ ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ خدمات کا ایک سنہری باب یہ بھی ہے کہ اس نے ''الدین الخالص'' کی سرحدوں کی نگہبانی اور حفاظت کا فریضہ بڑی چابکدستی اور مستعدی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اسلامی آثار وروایات کے خلاف جب بھی کسی فتنہ نے سر اٹھایا تو دارالعلوم کے ساختہ وپرداختہ علماء نے علم وحکمت کے ہتھوں اس کو کچل دیا، اور دین اسلام کو خارجی اثرات کی دراندازیوں سے محفوظ رکھا۔

علاوہ ازیں علم ودین سے وابستہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر وابناء نے وطن عزیز کو سامراج کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے اور ملک کی پیشانی سے داغِ غلامی کو مٹانے کے لئے ایثار وقربانی کی ایک ایسی عظیم تاریخ رقم کی ہے جس کے تذکرہ کے بغیر جنگِ حریت کی داستان مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔ جذبۂ حریت سے سرشار علماء وفضلاء کی یہی وہ حوصلہ مندی ہے جس

نے سب سے پہلے مکمل انقلاب اور آزادیٔ کامل کا نعرہ بلند کیا، اور تاریخ گواہ ہے کہ ان کے اس بے کی تپش کو مالٹا کی فیلی فضائیں اور کالے پانی کی مرطوب ہوائیں بھی سرد نہ کرسکیں۔ قید وبند، جبر وتشدد، ظلم وجارحیت اور خانماں بربادی و ہ سے بے نیاز ہوکر اپنے متعین ہدف کے لئے سرگرم عمل رہے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے۔ تا کہ ملک آزاد نہ ہوگیا۔

علمائے دیوبند کو اس حقیقت کا مکمل ادراک ہے کہ ایک ملک جہاں بھانت بھانت کی بولی جاتی ہیں، جس کی کھلی اور وسیع فضاؤں میں ان گنت تہذیبیں سانس لے رہی ہیں، جس میں مختلف مذاہب سے لوگ دوش بدوش زندگی کے مراحل طے کررہے ہیں، وہاں وہی نظام حکومت ملک اور اہل ملک کے لئے مفید اور کارآور ہوسکتا ہے جو جمہوریت اور سیکولرزم کی بنیادوں پر قائم ہو، کہ حکومت بحیثیت حکومت کے کسی مذہب کے قیام واشاعت سے دلچسپی نہ لے گی بلکہ ہر مذہب کے ماننے والے امن عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود اپنے مذہب کے تحفظ وفروغ کے ذمہ دار ہوں گے، اس لئے انھوں نے ہر قسم کی مخالف آواز کو نظرانداز کرکے آزاد ہندوستان میں دستوری اعتبار سے رائج سیکولر اور جمہوری نظام حکومت ہی کو ترجیح دی اور مذہب وملت کی تفریق کے بغیر ہر قسم کی فرقہ پرستی کو مسترد کرکے ملک میں سیکولر اقدار کو استوار اور مستحکم کرنے میں بڑی مستعدی سے کوشاں ہیں، اپنی اسی فکری ترجیح کی بنا پر مجموعی طور پر ہمیشہ سے ان کی وابستگی ملک کی انھیں سیاسی پارٹیوں سے رہی ہے جو اپنے آپ کو سیکولر کہتی ہیں اور اسی حیثیت سے وہ ملک میں معروف اور جانی پہچانی جاتی ہیں۔

فرقہ پرستی اور اس کے نتیجہ میں دوسروں پر ظلم وزیادتی، جارحیت ودہشت گردی و ہ سے نفرت وبیزاری ان کا عام شیوہ ہے، اسی لئے کسی تفریق کے فرقہ پرست افراد، تنظیموں اور پارٹیوں سے ان کا کبھی کوئی تعلق اور رشتہ نہیں رہا ہے، ان کے فکر وعمل کا یہ اعتدال عالم آشکارا ہے، جس کا اظہار وہ حسب موقع وقتاً فوقتاً اپنی تقریروں وتحریروں کے ذریعہ کرتے بھی رہتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ مدارس وعلماء کا یہی علمی، دینی، سیاسی کردار دین بیزار اور فرقہ پرست عناصر کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے، وہ اپنی لادینی اور فرقہ پرستی کے نے

میں □ سے □ی رکاوٹ دارالعلوم د□ بند کو□ ور کرتے ہیں، اس لئے دارالعلوم کا□م سنتے ہی ان □جنون طاری ہوجا□ ہے اور اس عالم جنون میں ا□ □ کہہ جاتے ہیں جن کا ہوش و□د سے دور کا بھی واسطہ □ ہو□ ہے۔

دارالعلوم د□ بند چونکہ رواداراور سیکولر طا□ں کا حلیف اور شر□ کار ہے، جس طرح یہ سیکولر طاقتیں دارالعلوم د□ بند اور اس کے علما وفضلاء سے خیر وتعاون کی امید رکھتی ہیں اسی طرح دارالعلوم کے ار□ب حل و□ بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وقت □نے □ یہ حلیف طاقتیں اپنا د□ تعاون □ھائیں گی، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ فرقہ □ □ اور جنونی عناصر دارالعلوم کی عزت و□موس □ پیہم حملہ کرتے رہتے ہیں اور ہمارے یہ حلیف خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں بلکہ بسا اوقات ہماری سیکولر حکومتیں □ جانے کن ذ□ تحفظات کی بناء □ ان جنونیوں کو ا□ مواقع فراہم کردیتی ہیں کہ وہ دارالعلوم کی عظمتوں سے اپنا سر ٹکرائیں، سیکولر طا□ں کے اس رویہ سے دارالعلوم د□ بند سے ن□ دہ خود سیکولر اقدار کو نقصان پہنچ ر□ ہے □ سیکولر حامیوں کو محسوس کر□ چاہئے۔

گو□ے □نے ہر اک طرح ہمیں □ امید بنا د□
یہ □ی وفا کا کمال ہے کہ تباہ کرکے د□ د□

□ □ □

ضروری ا□ع

□کستان وبنگلہ دیش اور □ملکی □□اران کو مطلع کیا جا□ ہے کہ ڈاک کی شرحوں میں □معمولی اضافہ ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے ادارہ ان کی سالا□ □اری میں اضافہ کرنے □ □رہا ہے۔

لہٰذا ماہ جنوری □□□ء سے سالا□ □اری □کستان وبنگلہ دیش سے 500/= رو□ □ ہندو□نی اور □ممالک سے 1100/= رو□ □ ہندو□نی کی جارہی ہے۔

اسلام میں

دیگراقوام اوراہل مذاہب کے ساتھ رواداری

از: مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
استاذ دارالعلوم دیوبند
ناظم عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ

یہ دعویٰ ... بڑے زور وشور سے کیا جاتا ہے کہ اسلام اوراس کے ماننے والے دوسرے مذہب والوں کو برداشت کرنے کے روادار نہیں، یہ ایک گمراہ کن دعویٰ ہے،اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی عالمی سازش کا ایک حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام دینِ رحمت ہے، اس کا دامنِ محبت ورحمت ساری انسانیت کو محیط ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ دیگراقوام اوراہل مذاہب کے ساتھ مساوات، ہمدردی، غم خواری ورواداری کا معاملہ کریں، اور اسلامی نظامِ حکومت میں ان کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی، بھید بھاؤ، امتیاز کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ ان کی جان ومال، عزت وآبرو، اموال اور جائداد اور انسانی حقوق کی حفاظت کی جائے۔ ارشاد قرآنی ہے:

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (الممتحنہ:۸)

اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں دین کے سلسلہ میں اورنکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بےشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہیں ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی،

د کے معاملہ میں ان سے لڑے، ان کو نے اور نکا میں ظالموں کے مددگار بنے، اس قسم کے سلموں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے آنے کو اسلام روکتا. وہ تمہارے ساتھ می اور رواداری سے آتے ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور د کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے، اسلام کی تعلیم یہ کہ ا سلموں کی ای قوم مسلمانوں سے سر پیکار ہے تو تمام سلموں کو بلا تمیز ای ہی لاٹھی سے نکنا شروع کرد ا کر حکمت وانصاف کے خلاف ہوگا۔ حاشیہ جمہ شیخ ا ص

دیگر مذاہب والوں کے ساتھ تعاون اور عدم تعاون کا اسلامی اصول یہی ہے کہ ان کے ساتھ مشترک سماجی وملکی ئل ومعا ت میں، جن میں شرعی نقطۂ نظر سے اشتراک وتعاون کرنے میں کوئی ممانعت ہو ان میں ساتھ دینا چاہیے۔

دیگر مذاہب اقوام کے کچھ لوگ ا مسلمانوں سے سخت عداوت اور د بھی رکھتے ہوں تب بھی اسلام نے ان کے ساتھ رواداری کی تعلیم دی ہے ارشاد نی ہے

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (سورۂ فصلت)

ی کا نیکی سے دو پھر جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت ہے وہ تمہارا م جوش حامی جائے گا۔

کفار مکہ کے ساتھ حسن سلوک

وہ کونسا ظلم تھا جو کفار ومشرکین نے مکہ میں سرکار دوعالم اور صحابہ کرام کے ساتھ روا ر ۔ آپ کو جادو ، شاعر اور کاہن کہا گیا، آپ کو جسمانی اور ذ اذیتیں دی گئی، آپ پتھروں اور سنگر وں کی رش کی گئی، آپ کے را میں کانٹے بچھائے گئے، آپ کا گلا گھونٹا گیا، نماز کی حا میں آپ او کی اوجھڑی رکھ دی گئی، آپ کے قتل کے منصو تیار کیے گئے۔ سال شعب ا طا میں آپ کو محصور ر گیا۔ جس میں ببول کے پتے کر ارہ کرنے کی نو آئی، طائف میں آپ کو سخت اذی پہنچائی گئی، لوگوں نے آپ کو گا ں د اور اتنا زدوکوب کیا کہ آپ کے نعلین مبارک خون سے لبری ہوگئے۔ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے ر کیا گیا۔ آپ مدینہ تشریف لے گئے تو ں بھی سکون واطمینان سے رہنے دی گیا۔ اور طرح طرح کی ر

جاری رکھی گئیں، یہودیوں کے ساتھ مل کر رحمتِ عالم اور مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندمہم چھیڑ دی گئی۔ فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ کو موت اپنے سامنے نظر آرہی تھی ان کو خطرہ تھا کہ آج ان کی ایذا رسانیوں کا انتقام لیا جائے گا، سرکار دوعالم نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا اے قریشیو! تم کو کیا توقع ہے، اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا

”میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو“ (زادالمعاد ج)

کیا انسانی تاریخ اس رحم وکرم کی کوئی مثال پیش کرسکتی ہے؟

یہودیوں کے ساتھ حسن سلوک

یہودیوں کے مختلف قبائل مدینہ میں آباد تھے، نبی اکرم کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد، ابتداءً یہود غیر جانبدار اور خاموش رہے لیکن اس کے بعد وہ اسلام اور نبی رحمت اور مسلمانوں کے تئیں اپنی عداوت اور معاندانہ رویہ زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکے۔ انہوں نے سرکارِ دوعالم اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی خفیہ سازشیں کیں، بغاوت کے منصوبے بنائے، آپ کے کھانے میں زہر دیا آپ کو شہید کرنے کی تدبیریں سوچیں، اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا، اس کی ایک وجہ یہودیوں میں حسد، تنگ دلی، اور جمود وتعصب کا پایا جانا تھا۔ دوسرے ان کے عقائد باطلہ، اخلاق رذیلہ اور گندی سرشت تھی۔ لیکن قربان جایئے رحمتِ عالم پر کہ آپ نے ان کے ساتھ بھی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سرکارِ دوعالم نے یہودیوں کے ساتھ ایک اہم معاہدہ کیا تاکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان خوش گوار تعلقات قائم ہوں، اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں اور ضرورت میں ایک دوسرے کی مدد کریں، معاہدہ کی چند دفعات یہ تھیں۔

- تمام یہودیوں کو شہری حقوق کے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اسلام سے پہلے انھیں حاصل تھے۔

- مسلمان تمام لوگوں سے دو ور کھیں گے۔
- اَ کوئی مسلمان کسی یثرب والے کے تھ مارا جائے تو شرط منظوری ور، قاتل سے خوں بہا جائے گا۔
- شندگان مدینہ میں سے جو شخص کسی سنگین م کا تکب ہو اس کے اہل وعیال سے اس کی سزا کا کوئی تعلق ہوگا۔
- موقع آنے یہودی مسلمانوں کی مدد کر گے، اور مسلمان یہود ں کی۔
- حلیفوں میں سے کوئی فر اپنے حلیف کے ساتھ دروغ گوئی کرے گا۔
- مظلوموں اور رسیدہ شخص کی خواہ کسی قوم سے ہو مدد کی جائے گی۔
- یہود جو بیرونی دشمن حملہ آور ہوگا تو مسلمانوں ان کی امداد لازمی ہوگی۔
- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔
- مسلمانوں میں سے جو شخص ظلم ی دتی کرے گا تو مسلمان اسے سزاد گے۔
- بنی عوف کے یہودی مسلمانوں میں ہی شمار ہوں گے۔
- یہود ں اور مسلمانوں میں جس وقت کوئی قضیہ آئیگا تو اس کا فیصلہ رسول اللہ کر گے۔
- یہ عہد کبھی کسی ظالم یا خاطی کی جا داری کریگا۔ سیرۃ ہشام

آپ نے حظہ فرما اس معاہدے میں کس ضی اور انصاف کے ساتھ یہود ں کو حقوق دیے گئے ہیں۔

سرکاردوعالم اس معاہدے کے مطا یہود ں کے ساتھ ؤ کرتے رہے لیکن یہود ں نے اس معاہدے کی س داری کی، مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کی مدد کی اور اسلام اور مسلمانوں کے ہمیشہ در آزار رہے۔

عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک

عیسائیوں کے ساتھ بھی سرورعالم نے مثالی رواداری تی۔ مکہ اور یمن کے درمیان واقع ''نجران'' کا ایموقر وفد آپ کی مت میں حاضر ہوا، آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا ا ں نے سرکاردوعالم کے ساتھ مذہبی معاملات میں گفتگو کی عیسائیوں کے ساتھ اس موقع ای ریخی معاہدہ ہوا، جس میں عیسائیوں کو مختلف حقوق دینے اتفاق کیا گیا

ہے۔معاہدہ کی دفعات درج ذیل ہیں

ان کی جان محفوظ رہے گی۔ ان کی زمین جائداد اور مال و ان کے قبضے میں رہے گا۔ ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی کی جائے گی۔ مذہبی عہدے دار اپنے اپنے عہدے قرار رہیں گے۔ صلیبوں اور عورتوں کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان کی کسی چیز قبضہ کیا جائے گا۔ ان سے فوجی لی جائے گی۔ اور پیداوار کا عشر جائے گا۔ ان کے ملک میں فوج بھیجی جائے گی۔ ان کے معاملات اور مقدمات میں راانصاف کیا جائے گا۔ ان کسی قسم کا ظلم ہونے ئے گا۔ سود خواری کی اجازت ہوگی۔ کوئی کردہ گناہ کسی مجرم کے لے میں پکڑا جائے گا۔ اور کوئی ظالما زحمت دی جا ۔ د رحمت ، بحوالہ ح البلدان بلاذری

مذکورہ لا جو حقوق اسلام نے دیگر اقوام اور رعایا کو عطا کیے ہیں ان سے زیادہ حقوق تو کوئی اپنی حکومت بھی دے سکی۔

جو مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں اس کے اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کی پناہ میں ہیں اسی لیے ان کو ذمی کہا جاتا ہے اسلامی قانون یہ ہے کہ جو مسلم ذمی مسلمانوں کی ذ داری میں ہیں ان کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت مسلمانوں ا ہی لازم ہے جیسی خود مسلمانوں ظلم ہو تو اس کا دفع کرنا ضروری ہے۔ المبسوط للسرخسی

منافقین کے ساتھ حسن سلوک

مدینہ منورہ میں ای طبقہ ان مفاد ں کا بھی پیدا ہو گیا تھا جو ن سے ایمان لے آئے تھا دل ایمان و یقین سے خالی تھے، یہ لوگ اسلام کے ھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر بظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے، مسلمانوں کے تئیں سخت کینہ، بغض اور حسد رکھتے تھے، ان کا سر اہ عبداللہ ا سلول تھا، یہ مدینہ کا آدمی تھا اور سرکار دوعالم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے لوگ اس کو حکمراں بنانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور اکرم کی ہجرت کے بعد اس کی آرزو خاک میں مل گئی۔ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے وجود دل سے کافر ہی ر، منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈا کی تمام کوششیں کیں، نبی رحمت کی شان میں گستاخیاں کیں، کافروں اور یہود ں سے مل کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے

منصو تیار کیے، ان شرارتوں اور عداوتوں کے وجود سرکار دوعالم اور مسلمانوں نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق اور رواداری ہی کا معاملہ فرمایا عبداللہ ا کی نماز جنازہ بھی سرکار دوعالم نے ھائی۔ ان کے لڑکے کی درخوا اپنا جبہ مبارکہ اس کے کفن کے لیے مت فرمایا۔

اسلامی حکومت میں مسلم رعایا ذمیوں کے حقوق

اسلام تمام افراد بشر اور ات انسانی کے لیے رحمت ورافت کا کر آیا تھا، اس لیے اس نے مسلم اقوام اور رعایا کے ساتھ مثالی ر وکرم، وات وہمدردی، اور رواداری کا معاملہ کیا ہے اور ان کو انسانی ریخ میں پہلی روہ سماجی اور قومی حقوق عطا کیے جو کسی مذہب یا تمدن والوں نے دوسرے مذہب وتمدن والوں کو کبھی دیئے۔ جو مسلم اسلامی ریا میں قیام یر ہوں اسلام نے ان کی جان، مال، عزت وآ و اور مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضما دی ہے۔ اور حکمرانوں کو بند کیا ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے وی سلوک کیا جائے۔ ان مسلم رعایا ذمیوں کے رے میں اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی پناہ میں ہیں۔ اس بنا ر اسلامی قانون ہے کہ جو مسلم، مسلمانوں کی ذ داری میں ہیں ان کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت مسلمانوں ا ہی لازم ہے جیسی خود مسلمانوں ظلم ہو تو اس کا دفع کر ضروری ہے۔ مبسوط سرخسی

اگر کوئی مسلمان ذمی ظلم کر ہے تو یہ مسلمان ظلم کرنے سے نیادہ سخت ہے۔ درمختار مع ردالمختار

جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہی حقوق ذمیوں کو بھی حاصل ہوں گے، جو واجبات مسلمانوں ہیں وہی واجبات ذمی بھی ہیں۔ ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کی طرح محفوظ ہے اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح محفوظ ہے۔ درمختار کتاب الجہاد

اسلام نے طے کیا ہے کہ جو شخص اس مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنت کی سے بھی محروم رہے گا۔ کہ جنت کی خوشبو چا سال کی فت پہنچتی ہے۔ حدیث شریف ا کثیر

ذمیوں کے اموال اور ا ک کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کی ذ داری ہے۔

سرکار دو عالم ▯ کا ارشادِ گرامی ہے سنو جو کسی معاہد ▯ مسلم ▯ ظلم کرے، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس کو مکلّف کرے گا، یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے ▯ لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے دعوے دار بنوں گا۔ مشکوٰۃ شریف ص▯

▯ مسلم رعایا کو اتنی آزادی حاصل تھی کہ ان کے ▯ ادارے آزاد ہوتے اور ان کے شخصی قوا▯ کے لیے عدالتیں بھی آزاد رہیں۔

ذمیوں کو جو حقوق اسلام میں عطا کیے گئے ہیں وہ معاہدۂ اہل نجران کے ضمن میں ▯ سے بیان کیے جا چکے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے سلسلہ میں اسلامی ہدایات

مکہ ▯ میں مسلمانوں ▯ کفار مظالم کے پہاڑ توڑ رہے تھے، ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا ہر طرح سے ان کو ▯ ان کیا جاتا تھا، مکہ ▯ سے ہجرت کرکے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد بھی سکون میسر آیا، اور کفار یہود اور منافقین کی مشترکہ سازشوں کا شکار رہے۔ مدینہ کو ▯ راج کرنے اور مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے ارادے سے ایک لشکر ▯ ار نے مدینہ ▯ چڑھائی کر دی اس انتہائی ▯ ری کی حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا جائے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کی اجازت دی اور فرمایا حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں، اس واسطہ کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ لوگ، جن کو نکالا گیا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ ▯ سوائے اس کے، کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ سورہ حج آیت ▯

جہاد کی اجازت ظلم و ▯ کے مقابلہ کے لیے دی گئی اور ▯ سرپیکار لوگوں کے سلسلہ میں ▯ نظیر رواداری اور حسن اخلاق کی تعلیم بھی دی گئی جو کسی بھی دوسرے مذہب میں ▯ ملتی چناں چہ اس سلسلہ میں ہدایات درج ذیل ہیں۔

▯ جنگ میں خود ▯ قدمی سے روکا بقرہ ▯ ظلم و زیادتی کی ممانعت کی بقرہ ▯

▯ جنگ کی ▯ اس وقت ▯ اجازت دی . ▯ فتنہ وفساد فرو ▯ ہو جائے حج ▯

▯ دشمن کے قاصدوں کو امن دیا ہدایہ ▯ دشمن کی عورتوں، بچوں، معذوروں، کو مارنے سے منع کیا تاریخ ابن خلدون ▯ سر ▯ کھیتوں اور پھل دار درختوں کے کاٹنے کی

ممانعت فرمائی□ (تاریخ ابن خلدون□) عبادت گاہوں کو ڈھانے اور تارک الدنیا عابدوں اور مذہبی رہنماؤں کو قتل کرنے سے روکا (ایضاً□) اسیران جنگ کو □ پہنچانے کی ممانعت فرمائی۔ □ دشمن اپنے کو کم زور دیکھ کر □ کی درخواست کرے تو اسے قبول کرنے کی ہدایت فرمائی۔ □ پناہ میں آنے والے غیرمسلم کو امن دینے اور عافیت سے رکھنے کی تاکید فرمائی۔ (سورۂ توبہ□) محض مال غنیمت کے لیے جہاد کرنے سے روکا۔ (ابوداؤد□) لوٹ کے مال کو حرام قرار دیا۔ (تاریخ ابن خلدون□) معاہدہ کرنے والے ذمیوں کی جان ومال کی پوری حفاظت کا مسلمانوں کو پابند فرمایا۔ (د□ رحمت□، بحوالہ فتوح البلدان□)

وطن کی محبت اسلام میں□

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو دنیا میں جینے اور زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیشہ ہی غذا کی ضرورت □تی ہے انسان کو یہ غذا زمین سے حاصل ہوتی ہے اور بجا طور □ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے، سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ دوسری آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے: ہم نے تم کو زمین میں ٹھہرایا اور تمہارے لیے زندگی کے سامان زمین سے پیدا کیے (سورۂ اعراف□) دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے: تم زمین میں ہی زندگی بسر کروگے اور زمین میں ہی □وگے اور زمین میں سے ہی نکالے جاؤگے (سورۂ اعراف□) جس زمین سے آدمی کا خمیر اٹھا ہے جہاں وہ پیدا ہوا اور زندگی بسر کرتا ہے اس سے انسان کو فطری لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے، اسی لیے عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے: انسان کی پیدائشی سرزمین اس کی دودھ پلانے والی ماں ہے، مشہور حکیمانہ جملہ ہے: حب الوطن من الایمان: وطن کی محبت ایمان کا تقاضا ہے۔

سرور عالم □ . □ ہجرت فرما کر مکہ □ □ سے جانے لگے تو فرمایا کرتے تھے: اے مکہ تو □ا کا شہر ہے تو مجھے کس قدر □ب ہے، اے کاش تیرے □شندے مجھے □ □ □ر □ کرتے تو میں تجھ کو □ چھوڑتا۔ (جمع الفوائد□)

. □ سرور عالم □ نے مدینہ منورہ کو وطن بنا□ تو دعا میں فرمایا کرتے تھے: اے اللہ ہمارے ا□ر مدینے کی اتنی محبت پیدا کردے جتنی تو نے مکہ کی محبت دی ہے، مدینے کی آب وہوا در □ فرما دے اور ہمارے لیے مدینے کے صاع اور مد□ ناپنے کے پیمانے□ میں □ عطا فرما

اور مدینہ کے بخار کو حجفہ مقام کی طرف منتقل فرما دے۔ بخاری شریف

اس حدیث شریف سے وطن عزیز کی محبت کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے اس کی اقتصادی ترقی اور آب وہوا کی درستگی اور صحت وعافیت کی بحالی کی شدید رغبت بھی ظاہر ہوئی ہے، اس لیے وطن مالوف کی محبت فطری تقاضا بھی ہے اور شرعی بھی۔

ہندوستان کی فضیلت

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ، سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند رقم طراز ہیں:

”اسلامی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اتارے گئے اور یہاں ہی سکونت کی، اور یہاں ہی سے ان کی نسل دنیا میں پھیلی اور اسی وجہ سے انسانوں کو آدمی کہا جاتا ہے“۔ ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل، بحوالہ تفسیر ابن کثیر

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

”ہندوستان نبوت کا دارالخلافہ ہے، یہاں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے حضرت شیث علیہ السلام دوسرے رسول تھے جو اس سرزمین پر وارد ہوئے ان کی قبر شریف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اجودھیا میں ہے“۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رام چندر جی اور کرشن جی کے نام ادب سے لیے جائیں اور ان کے ساتھ گستاخی نہ کی جائے۔ قومی اتحاد ص

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انسانیت کا دارالخلافہ ہندوستان ہے۔ چوں کہ خلیفہ نبی تھا جس کے پاس حضرت جبرئیل تشریف لایا کرتے تھے لہٰذا سرزمین ہند سب سے پہلے آفتاب نبوت کا مشرق بنا اسی سرزمین پر سب سے پہلے حضرت جبرئیل کا نزول ہوا۔ ابن سعد نے روایت میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے جسم کا خمیر ”دجنی“ نامی علاقے کی خاک سے بنایا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ سب سے پہلے نبی کا خمیر یہیں کی خاک سے

بنا□ گیا اور حضرت آدم تمام انسانوں کے ا□ الآ□ء تھے اس لیے جملہ انبیاء اور تمام انسانوں کے روحانی اور مادّی اصل واصول کا خمیر ہندو□ ن ہی سے بنا□ گیا، توالد وتناسل کے اصول □ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جملہ انبیاء، او□ء اور □ء کرام علماء ومشائخ کا اوّلین عنصر اسی خاک□ ک سے وجود □ □ ہوا۔

حضرت ا□ عباسؓ کی روا□ ہے کہ عہدِ الست ہندو□ ن کے مقام وجنی میں ہی □ گیا۔ اللہ نے تمام انسانوں کی روحوں کو حضرت آدم کی □ سے □ آمد کر کے ان کو خطاب کیا اور فرما□ کہ کیا میں تمہارا □ وردگار □ ہوں؟ تمام روحوں نے □ طور □ اللہ کی □ وردگاری کو تسلیم کرتے ہوئے کہا ضرور آپ ہی ہمارے □ وردگار ہیں۔ (ہمارا ہندو□ ن اور اس کے فضائل□)

وطن عز□ ہندو□ ن میں مسلمانوں کے ملکی فرائض□

محدث □ حضرت علا□ انور شاہ کشمیریؒ سا□ صدر المدرسین دارالعلوم د□ بند فرماتے ہیں□

> ''ہندو□ ن□ کسی دوسرے □ سلم اکثر□ والے ملک میں ہر مسلمان اس□ ت کا ذ□ دار ہے کہ اسلام نے عام انسانوں کے لیے امن اور آزادی کے جو حقوق تسلیم کیے ہیں اپنے ا□ ر اور اپنی طاقت کی حد□ ان حقوق کی حفاظت کرے ظاہر ہے اس مقصد کے تحت ہر مسلمان کو ملک کی □ سی، معاشی اور شہری سرَ□ میوں میں بقدر طاقت حصہ □ □ ے گا□ کہ اپنے□ تھ میں □ سی اور معاشی قوت کے ذریعہ وہ ملک کے عام□ شندوں کی جان ومال اور روٹی کپڑے کے حقوق کی حفاظت کا اپنے وسائل کی حد□ فرض انجام دے سکے۔ ا□ مسلمان اَ□ محض تماشائی □ کر ز□ گی □ ا□ چاہے اور ملک کی □ سی سرَ□ میوں اور معاشی واقتصادی □ و□ سے □ رہ کش رہے تو وہ □ ا کے عام بندوں کی □ مس□ کا فرض کیسے ادا کرسکتا ہے۔''
>
> (ہندو□ ن میں مسلمانوں کے ملکی فرائض□)

ہمارے اکا□ علماء کرام اور عام مسلمانوں نے ہمیشہ ملک میں محبت واتحاد، حسن معاشرت، فرقہ وارا□ یگانگت اور قومی □ □ □ ورواداری کو فروغ دینے میں نما□ ں کردار ادا کیا ہے شیخ الاسلام حضرت مولا□ سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں□

> ''ہم□ شندگانِ ہندو□ ن بحیثیت ہندو□ نی ہونے کے، ا□ اشتراک رکھتے ہیں،

جوکہ ا□ف مذاہ□ اورا□ف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں □قی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے ا□فات ذاتوں اور صورتوں کے تبا□، ر□گتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسا□ میں فرق □آ□ اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی ا□فات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل ا□از □ ہیں، ہم □ وطنی حیثیت سے ہندو□نی ہیں۔“

لہٰذا وطنی منافع کے حصول اور مضرتوں کے ازالے کا فکر اور اس کے لیے □و □ مسلمانوں کا بھی اسی طرح فر□ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور □سلم قوموں کا اس کے لیے □کومل کر □ری طرح کوشش کرنی از□ ضروری ہے، ا□ آگ لگنے کے وقت تمام گاؤں کے □شندے آگ □ بجھائیں تو تمام گاؤں □□د ہوجائے گا، اور سبھی کے لیے ز□گی □ل ہوجائے گی۔ اسی طرح ا□ ملک کے □شندوں کا فرض ہے خواہ ہندو ہوں □ مسلمان، سکھ ہوں □رسی کہ ملک □. □کوئی عام مصیبت □ جائے، تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی □و □کر □ اشتراک وطن کے فرائض □ □□ □ں عا□ ہوتے ہیں، مذاہ□ کے ا□ف سے اس میں کوئی رکاوٹ □ ہوتی، ہر ا□ اپنے مذہ□ □□ری طرح قائم رہ کے ا□ فرائض کو انجام دے سکتا ہے، یہی اشتراک، میونسپل □رڈوں، کونسلوں، اسمبلیوں میں □ جا□ ہے، اور مختلف ا□ مذاہ□ ممبر فرائض شہر□ ضلع□ صو□□ ملک کو انجام دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس □ متحدہ قومیت کے ہیں۔ □ ماخوذ از خطبات فدائے ملت□ ص□□□، □□□

□ □ □

ہندوستان میں اشاعت اسلام سے متعلق اعتراضات کا جائزہ

از: ڈاکٹر مفتی محمد شمیم اختر قاسمی

ملک ہندوستان اور عرب دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے واقع ہے، ان کے درمیان میں سمندر حائل ہے، جس نے ایک دوسرے کو الگ کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں عربوں کی آمدو رفت بہت قدیم زمانے سے ہی جاری ہے۔ بعثت نبوی کے وقت اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ تاہم عہد نبوی میں نور نبوت کے جو اثرات یہاں پڑے اس کا تاریخی اور مستند ریکارڈ نہیں ملتا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں جو ہندوستانی وفود بحری راستوں سے ہندوستان آئے اس کے اچھے اثرات ضرور مرتب ہوئے۔ مذہب اسلام کی اشاعت کے لیے بالخصوص ہندوستان میں جو کام ہوا اس کا علاقہ محدود رہا اور جنوبی ہند کے علاوہ شمالی ہند کی طرف مسلمان تاجروں اور مبلغوں کا آنا بھی مشتبہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی حملے شمالی حصے میں اموی عہد میں ہوئے۔ اسے اگر قرآنی پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ حملے یہاں کے ہنود کے ظلم وزیادتی اور دشمن اسلام سے شرانگیزیاں اور فساد کاریوں کے انسداد کے ضمن میں ہوئے۔ کیوں کہ سندھ کے راجا داہر کی سب سے پہلی اور بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے دشمنان اسلام یعنی علائی خاندان کے چند نوجوانوں کو اپنے ملک میں پناہ دے رکھی تھی جس کی وجہ سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نازیبا حرکتوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا دوسرا جرم یہ تھا کہ راجہ کے ہی ملک میں مسلمان مسافروں کو لوٹ لیا گیا تھا۔ یہ لوگ مظلوم تھے اور قرآن نے ایسے ظالموں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔

حجاج بن یوسف نے بڑی عقلمندی سے کام لے کر اپنے سفیر کو راجہ داہر کے پاس بھیجا اور مسلمانوں کی مدد کا خواستگار ہوا، لیکن وہ تعاون کے بجائے سخت سست جواب دیا اور کہا کہ تم خود ان

□وں سے نمٹ لو۔ گو□ کہ راجہ داہر کی □ دانستہ غلطی تھی اور اس طرح اس نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں حملہ کرنے کی دعوت دے دی۔

یہ ا□ بھی قابل□ ذکر ہے کہ مسلمانوں کو لوٹنے والے راجہ داہر کے ہی لوگ تھے، قرائن وشواہد سے یہی پتہ چلتا ہے۔ بہر حال حملہ کا آ□ی عمل محمد □ قاسم کے ذریعہ وقوع □□یہوا اور تھوڑی ہی مدت میں □را سندھ اسلام کے ز□ □ ہوگیا۔ محمد □ قاسم کے بعد یہاں اہم □حات تو □ہو سکیں، ا□ سندھ کا تعلق □□ خلافت سے وابستہ ر□ اور □ خلیفہ عباسی کی □سی طاقت □ور □ گئی تو غز □ و بخارا میں ا□ دوسری سلطنت قائم ہوئی جس کے حکمراں سبکتگین ہوئے۔

غزنی کی سرحد ہندو□ن سے ملتی تھی۔ چنانچہ محمد □ قاسم کے دوسو سال کے بعد پنجاب کے راجہ جے□ل نے □ جا غز □کی مسلم سلطنت □ حملہ کر کے اسے اپنے ملک میں شامل کر□ چا□ اور دوسری طرف قر□طیوں کی سر□ □ کرنے لگے۔ ان لوگوں نے بھی اسلام اور اہل اسلام کو زدوکوب کرنے میں کوئی کسر □ چھوڑ رکھی تھی۔ لہٰذا سبکتگین نے ان راجاؤں سے سخت جنگ کی اور اس کی طاقت کو □ور و منتشر کر کے قر□طیوں کے خلاف سخت کاروائی کی۔

یہ □ جا مداخلت راجہ جے□ل کی طرف سے د□رہ مسلمانوں کو ہندو□ن □ حملہ کرنے کی ا□ دعوت تھی۔ □ حدیبیہ کو سامنے ر□ جائے اور راجہ داہر کی وعدہ خلافی وعہد شکنی□ غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو□ ہے کہ اسلام کی نظر میں یہ لوگ مجرم تھے اور جن سے جنگ□ □□ی تھی۔ اس کے بعد محمود نے □ در □ حملے کر کے ہندو□ن کے کچھ سرحدی علاقوں کو سلطنت اسلامیہ سے ضرور جوڑ د□، □ یہ الحاق مستقل □ تھا بلکہ عارضی ہی ر□۔ محمود کے بعد اسی خا□ان نے ڈ□ھ سوسال سے زا□ عرصے□ □غز □ کی سلطنت کو زینت بخشی □ ہم ا □ وہ نم□یں کامیا□ □ل سکی جو شہاب الد□ غوری کے لیے تھی۔

شہاب الد□ کا حملہ ہند بھی اسلامی نقطہ نظر سے اس لیے در □ تھا کہ وہ مسلمان جو ملتان، پنجاب، لاہور، بھٹنڈا اور دوسرے علاقوں میں مقیم تھے اور جن کی نگرانی کے لیے غزنی کے ولاۃ مامور تھے، وقتاً فوقتاً ان کی □وری سے فا□ہ اٹھا کر □تھوی راج ا □ □ □پہونچا□ تھا۔ اس کے علاوہ ان علاقوں میں قر□طیوں کی طاقت دن □دن □ھتی ہی جا رہی تھی، یہاں□ □ کہ یہ لوگ گجرات و کاٹھیاوار□ □ اپنے ا□ات کو وسیع کر چکے تھے۔ ان کے عزائم ہندوؤں کے منصو□ □ سے ملتے جلتے تھے، اس لیے ہندو بھی ان کی سر□ □ کرنے میں □ □ تھے۔ □ کہ

غوری بھی قرامطہ کے وجود اور اس کی حرکتوں سے سخت □لاں تھا۔

دوسری طرف یہ سلطان غزنی فرمارواؤں سے بھی بعض وجوہ کی بنا□ سخت عداوت رکھتا تھا۔ □ٰذا شہاب الد□ کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی □تھا کہ وہ اپنی فوج لے کر ہندو□ان □ □ھائی کرے اور مسلمانوں کو یہاں کے راجاؤں کے ظلم اور د□ کے د□اں سے نجات دلائے۔قرآن نے ا□ □اں کی اجازت دیتے ہوئے صاف اعلان کیا ہے□

اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله علىٰ نصرهم لقدير□ الحج□□□

□اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے کہ وہ بھی جنگ کر□، اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں اور □درکھیں کہ اللہ ان کی نصرت □قادر ہے۔□

□ضین اسلام کا اعتراض □در □ہو□

ہندو□ان میں اسلام کی اشا□ کے سلسلے میں جو اعتراضات کیے جاتے ہیں □لعموم وہ وہی ہیں جو □ری د□ میں اسلام کے پھیلنے کے سلسلے میں کیے جاتے ہیں۔حضرت محمد □ سے لے کر بعد کے جتنے مسلمان فرمارواؤں نے د□ کے جن جن علاقوں میں حکمرانی کی ان میں بیش□ کے سلسلے میں یہی الزام عا□ کیا جا□ ہے کہ ان حکمرانوں نے تلوار کے ذریعہ اسلام کو □ی۔ ا□ یہ اعتراضات ہندو□نی افق □□دہ واضح نظر آتے ہیں۔ □تعجب کی □ت یہ ہے کہ ان اعتراضات کی ابتدا اس وقت ہوئی. □مسلمان حکمرانوں کی تلوار ز□ آلود ہوگئی تھی۔ مولا□ ا□الاعلیٰ مودودی نے اس پہلو □بہت اچھے ا□از میں روشنی ڈالی ہے□

”دور □ی میں □رپ نے اپنی □سی اغراض کے لیے اسلام □ جو بہتان □اشے ہیں ان میں □ سے □ابہتان یہ ہے کہ اسلام ا□خون خوار مذ□ہے اور اپنے پیروؤں کو خوں ر□ی کی تعلیم دیتا ہے۔اس بہتان کی ا□ کچھ حقیقت ہوتی تو قدرتی طور□ اسے اس وقت □ہ□ چاہیے تھا. □کہ پیروان اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے کرہ زمین میں ا□ □□□ کرر□ تھا اور فی الوقع د□ کو یہ شبہ ہوسکتا تھا، کہ شا□ ان کے یہ فاتحا□ اقدامات کسی خوں ر□ تعلیم کا نتیجہ ہوں۔ □عجیب□ت ہے کہ اس بہتان کی پیدائش آفتاب عروج اسلام کے غروب ہونے کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی اور اس کے خیالی پتلے میں اس وقت روح پھونکی گئی. □کہ اسلام کی

تلوار توز چکی تھی خود اس کے مو رپ کی تلوار گناہوں کے خون سے سرخ ہو رہی تھی اور اس نے د کی ور قوموں کو اس طرح نگلنا شروع کر یا تھا جیسے کوئی اژد چھوٹے چھوٹے جانوروں کو ڈ اور نگلتا ہو۔ا د میں عقل ہوتی تو وہ سوال کرتی کہ. لوگ خود امن و امان کے سے ے دشمن ہوں جنھوں نے خود خون بہا بہا کر زمین کے چہرہ کو ر کر ہو اور جو خود قوموں کے چین و آرام ڈاکے ڈال رہے ہوں ، ا کیا حق ہے کہ اسلام وہ الزام عا کر جس کی فرد م خود ان لگنی چاہیے؟ کیا ان تمام مؤرخا تحقیق و اور عالما بحث و اکتشاف سے ان کا یہ منشا تو کہ د کی اس نفرت راضی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف پھیر د جس کے خود ان کی اپنی خوں ر ی کے خلاف امنڈ کر آنے کا ہے۔“

اسلام کے خلاف جس قدر و ے ہوئے، اسلام اتنا ہی ز دہ

عالمی افق پھر ہندو نی تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اشا اسلام سے اس و ے کے وجود اسلام ہر ی سے پھیل رہا ہے۔حالاں کہ اسلام کے علاوہ اور بھی بہت سے مذاہ ہیں جن کے ما والوں کی تعداد بہت ہے۔خود ہندو ن میں اسلام روک لگانے کے لیے ی ی تنظیمیں کام کر رہی ہیں اور اس سے لوگ ی تعداد میں رے ہندو ن میں پھیلے ہوے ہیں۔ وجود اس کے ا اس میں کامیا مل رہی ہے۔ ہندو مذہ کے ما والے ہوں ھ دھرم کے علم دار پھر جینی ہوں سکھ فرقوں کے لوگ۔ بحیثیت مذہ کے ان کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے اور اسلام کے ما والوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔اسلام خون خوار مذہ ہے تو یہ عمل موقوف ہو جاتا۔ بلکہ سچی ت یہ ہے کہ و ہ ہی اسلام کی اشا کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ای ہندو مفکر را ائن کے اس خیال میں صداقت نظر آتی ہے:

”د کے تمام مذاہ میں اسلام کی ای خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے خلاف جس قدر غلط و ہ ہوا کسی دوسرے دھرم کے خلاف ہوا۔ سے پہلے تو رسول اللہ کے قبیلہ قریش ہی نے اسلام کی لفت کی اور دوسرے کئی ذرائع

کے ساتھ غلط پروپیگنڈہ اور مظالم کا راستہ اپنایا۔ یہ بھی اسلام کی خصوصیت ہی ہے کہ اس کے خلاف جس قدر پروپیگنڈہ ہوا اتنا ہی پھیلتا اور ترقی کرتا گیا اور یہ بھی اسلام کے سچے اور الٰہی دین ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ اسلام کے خلاف جس قدر پروپیگنڈے کیے گئے اور کیے جاتے ہیں، ان میں سب سے جارحانہ پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اگر ایسا ہے تو دنیا میں متعدد مذاہب کے ہوتے ہوئے اسلام ہی نظریاتی طور پر دنیا بھر میں کیسے پھیل گیا؟ اس سوال یا شبہ کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں اسلام کے اس آخری ایڈیشن کی اشاعت ہوئی سابقہ دھرموں کے بدکردار پیروکاروں نے دھرم کو بھی بھرشٹ کر دیا تھا، اس لیے انسانی روح کی خاطر اللہ کی مرضی کے مطابق اسلام کامیاب ہوا اور دنیا بھر میں پھیلا۔ تاریخ اس کی گواہ ہے۔''

ہندوستان میں اشاعتِ اسلام سے متعلق معترضین کے گروہ و ادوار

ہندوستان میں اشاعتِ اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو دو گروہ اور دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا گروہ انگریزوں کا ہے جنہوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی اور ان کے زیرِ سایہ عیسائی مشنریوں نے تبلیغ عیسائیت کی منصوبہ بند کوششیں شروع کیں۔ اسلام ان کے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھا، چنانچہ انہوں نے اسلام پر عیسائیت کی بالادستی دکھانے کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں پر جارحانہ حملے کیے اور اسلام کو ایک خون آشام، بے جان اور فرسودہ مذہب ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اسی زمانے میں انگریزوں کے زیرِ اثر بعض ہندوؤں نے بھی اسلام کے خلاف مناظرانہ محاذ آرائی کی۔ دوسرا گروہ ہندوؤں کا ہے۔ ان اعتراضات کا سلسلہ بالخصوص ہندوستان کی آزادی کے بعد سے شروع ہوا ہے۔ اگرچہ پہلے اس میں اتنی شدت نہیں تھی جتنی کہ بعد کے زمانے میں یا عہد حاضر میں پائی جاتی ہے۔ ایک خاص گروہ جو ہندوتو کی علمبردار ہے، اس میں پیش پیش ہے۔ کیوں کہ وہ ملک میں ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کا غلبہ چاہتی ہے۔ یہ لوگ باوجود اپنی تمام تر کوششوں کے نہ تو مسلمانوں کو حلقہ بگوش کر سکے ہیں اور نہ ہی اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کو اسلامی تہذیب کے مقابلہ میں برتر ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس لیے اب انہوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے

کہ اسلام میں زیادہ خامیاں نکالی جائیں اور میڈیا کے زور پر عوام کے سامنے اسے بھیانک شکل میں پیش کیا جائے۔(۱۲) اس کے لیے اب انہوں نے ٹی وی چینلوں، ڈراموں، افسانوں، فلموں، قصوں، کہانیوں اور جھوٹی تاریخ نویسی کا سہارا لیا ہے اور وہ مختلف قسم کے بے بنیاد بلکہ خیالی مناظر کے ذریعہ [illegible] کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

اعتراضات کے مصادر پر ایک نظر

ہندوستان میں اشاعت اسلام سے متعلق بالعموم جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اس کا شاخسانہ اول وہ لٹریچر ہے جو انگریزوں نے ایک سوچی سمجھی پالیسی کے تحت تیار کیا، جس کا خاص مقصد یہ تھا کے یہاں کی دو بڑی قومیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو عرصہ دراز سے پر امن ماحول میں روادارانہ طریقے سے زندگی بسر کرتے آرہے ہیں، کے درمیان منافرت کی آگ بھڑکا دی جائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہیں اور انہیں اتنی فرصت نہ ملے کہ ہماری جابرانہ اور غاصبانہ حکومت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ چنانچہ جب انہوں نے ہندوستان کی تاریخ رقم کی تو ایک طرف مسلمان بادشاہوں کو ظالم و جابر ٹھہراتے ہوئے لکھا کہ وہ ہندوؤں کے سخت دشمن تھے، دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر مظالم ڈھاتے اور ان کے مذہبی مقامات کو مسمار کرتے تھے، تو دوسری طرف یہ شوشہ بھی چھوڑ دیا کہ شیواجی مسلمانوں کے حق میں بڑے سخت واقع ہوئے تھے، کیوں وہ ہندو [illegible] تھے۔ اس قسم کے اعتراضات سب سے پہلے بمبئی کے گورنر الفنسٹن کے قلم سے صفحہ قرطاس پر آئے اور جو بہت جلد ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیے گئے۔ یہاں تک کہ اسے شامل نصاب کر کے بچوں کو بھی پڑھایا جانے لگا۔(۱۳)

ہسٹری آف انڈیا اور آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا تاریخی اعتبار سے بڑی اہم کتابیں سمجھی اور پڑھی جاتی ہیں، یہ ڈاکٹر ونسنٹ اے اسمتھ کی سخت عرق ریزی کے ساتھ بڑی لاگت کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئیں۔ ان کی جو انفرادیت اور اہمیت ہے وہ بھی اہل علم کے نزدیک مسلم ہے، مگر اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں بہت سے اہم گوشے واضح ہوتے ہیں وہیں زہریلے بیانات بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اکثر معمولی واقعات کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر مسلم حکمرانوں کی خوبیوں پر پردہ ڈالا گیا ہے اور خامیوں کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمان سلاطین متعصب اور تنگ نظر تھے، ان کا مقصد ہندوؤں کو تباہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ

تھا، ہندو ان میں اکثر مسلمانوں کے آ، وا اد خوف لالچ سے مذہ تبدیل کیا تھا، اور انگر وں نے آکر ہندوؤں کو مسلمانوں کے پنجہ ظلم سے نجات دلائی۔

ا اور ڈاؤس نے ہندو ان کی جو ریخ لکھی اس میں بھی فرقہ وارا روش ا رکی گئی ہے۔ اس کے دیباچہ میں صرف مسلمان دشاہوں کو ظالم و جا ٹھہرانے کے لیے ری علمی تو ئی استعمال کی گئی ہے، بلکہ اسلام ای کو بھی مجروح کیا گیا ہے۔ ا انہوں نے کیوں کیا اس کی وضا خود نے کتاب کے دیباچہ میں کردی ہے جو کی ی لغزش تھی۔ جس کے وفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے:

> ''ہمیں ا کا مشکور ہو چاہیے کہ اس نے اپنے مقاصد کا اظہار ا عرض دا میں انگلستان کی حکومت سے کرنے کا فیصلہ کیا، اس عرض Memorandum دا کو بعد میں کتاب کا و بنا کر شائع کر گیا، یہ سوچ کہ مستشر کے خلاف یہ سے ی د و ہے جو ان کے مفسدا مقاصد کے ثبوت میں کی جا سکتی ہے۔''

علا سید سلیمان وی نے بھی مؤرخ کی کتاب جو تنقیدی ریمارک کیا ہے وہ اہی دلچسپ ہے اور جس سے ان کے عزائم کا دہ فاش ہو ہے۔ اسی طرح حاضر کے ا مورخ نے مذکورہ کتاب کے جو رائے ظاہر کی ہے اس سے مذکور کی اسلام د تو ظاہر ہوتی ہی ہے، آں اس کتاب کی اہمیت لکل گھٹ جاتی ہے اور اس کی اسناد مکمل مشکوک ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اس ق میں ڈاکٹر ا ق احمد ظلی لکھتے ہیں:

> ''خود ہندو ان میں سوں پہلے سرہنری ا اپنی مشہور کتاب ''ہندو ان کی ریخ خود اپنے مورخین کی نی'' تیب دے چکے تھے اور ان کے انتقال کے بعد ڈاؤسن کی کوششوں سے شائع بھی ہو چکی تھی۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ کر تھا کہ صغیر میں مسلمانوں کی حکومت ا حد جا اور انتہائی ظالما حکومت تھی، جس کا عدل وانصاف سے کوئی واسطہ تھا اور جس کے ز سایہ بنیادی انسانی اقدار قطعی محفوظ تھیں۔ سازش، شراب نوشی، عیاشی اور قتل و غارت ی کا زار م تھا۔ عیش وطرب کے لوازم مہیا کرنے کے لیے عوام کا دردا استحصال جس کا نشا خصوصاً مسلم عوام ہوتے تھے، اس حکومت کا نشا امتیاز تھا۔ معاشی

استحصال، سماجی ای اور مذہبی رواداری کا فقدان اس عہد کی نمایاں خصوت تھیں۔ غرض اس کتاب کے ت سے مسلم دور حکومت کی ای ا تصویر ابھرتی ہے جو کسی بھی طرح قابل فخر کہی جا سکتی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ی رت اور چا د سے اقتباسات کو ای خاص تیب سے اکٹھا کیا گیا ہے اور ا اپنے مخصوص ق وسباق سے الگ کر کے کیا گیا ہے۔ اقتباسات کے انتخات میں یہ ت خاص طور سے ذہن میں رکھی گئی کہ صرف ا حصوں کو منتخب کیا جائے جن سے مسلم حکمرانوں اور ان کے نظام حکومت کی ی وہ اور گھناؤنی تصویر ابھر کر سامنے آئے۔'

اسی طرح ا ۔ اے۔ نے مسلم دشاہوں کے جو زہریلا مواد قارئین کی نظر کیا ہے وہ بھی ادل اش ہے، ھ کر معلوم ہے کہ مسلمان دشاہوں نے سوچی سمجھی لیسی کے تحت ای لائحہ عمل تیار کیا تھا اور جس بعد عمل ہا۔ جس میں اس نے لخصوص محمد قاسم اور اور زی سے سخت بہتان اشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد قاسم نے سندھ میں مندروں کے ا ام کا جو منصو بند ام شروع کیا تھا، عہد عالم گیری جاری ا۔

ی دلچسپ لکل جھوٹ ت تو یہ ہے کہ لارڈ الن ؤ نے محار قابل کے بعد ء میں سلطان محمود غزنوی کے مقبرے سے ل کے ارا واکر غزنی سے آ اس کا جلوس اس اعلان کے ساتھ نکالا کہ سلطان یہ ارسومناتھ سے لے گیا تھا۔

یہ اور اس قسم کی دوسری غلط و بنیاد عوام کے سامنے کر کے عوام کے ذہن میں غلط کرنے کا جو سلسلہ جاری ہوا، ور زما کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہو گیا۔ حالاں کہ جس ارکی تشہیر کی گئی اس کے جلد ہی یہ حقیقت بھی ظاہر ہوگئی کہ یہ غلط ہیں اور اس کا تعلق سومناتھ سے ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

یہاں جو ت قابل غور ہے وہ یہ کہ ارکی تشہیر جلوس کے ذریعہ کی گئی جس کو نے دیکھا، حقیقت کا اظہار تحقیق کے ذریعہ ہوا، جس کا علم بہت کم لوگوں کو ہو سکا۔ اس واقعہ سے عوام کا ذہن کس حد اگندہ ہوا ہوگا اس تبصرہ کرنے کی قطعی ضرورت ۔

جانتے ہیں کہ عہد وسطیٰ کی ریخ لکھنے کی طرف ہندوؤں نے توجہ دی۔ سوائے ہن کی راج نگی کے کوئی اہم ریخی کتاب ہندوؤں کے یہاں ئی جاتی اور وہ بھی کشمیر کے

حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ ▯ریخ نو▯ کا کام مسلمانوں نے ابتدا سے کیا ہے اور یہ فن ہندو▯ان میں سلاطین کے عہد میں عروج ▯ پہونچا۔ کم وبیش اکثر فرمارواؤں کے زما▯ کی ▯ریخ کسی ▯ کسی حد ▯ رقم ہوئی۔ جس کی ز▯ان فارسی، عر▯ اور▯ کی ہی تھی۔ انگر▯ شاہ جہاں کے زما▯ سے ہندو▯ نی افق ▯ ابھرے۔ اس وقت ▯ اس کی حیثیت اس ملک میں ▯ اتنی تھی کہ سلاطین اور ا▯ کو ▯ کبھی اس کی عیاری اور مکاری کا علم ہو▯ تو اس کی گوش مالی اچھی طرح سے کردیتے اور وہ ادھر سے ادھر منتشر ہوجاتے تھے۔ اس نے بتدریج ہندو▯ان میں قدم ▯ ئے۔

یہ ا▯ قابل غور ہے کہ اس مختصر اور افراتفری کے زمانے میں انگر▯وں نے کیوں کر اور کس طرح عر▯، فارسی اور▯ کی ز▯ نوں ▯ عبور حاصل کر▯ کہ وہ اپنی ▯ریخی کتا▯ں میں مسلمانوں کی ▯ریخ اور دوسری کتا▯ں کا حوا▯ ے کروفر سے ▯ کرتے ہیں، اور پھر مسلمان مورخ اپنی ▯ریخی کتا▯ں میں اپنے▯ دشاہوں کے▯ کردہ مظالم کا ذکر کیوں کرتے جن کا حوا▯ انگر▯ مورخوں نے د▯ ہے۔ اہم ▯ت تو یہ ہے کہ اس عہد میں جو▯ ریخی کتابیں تھیں ان میں سے اکثر کتابیں آج بھی ▯ ئی جاتی ہیں، جن میں ان ▯ دشاہوں کے مظالم کا ذکر ▯ ہے، اور ا▯ کہیں کہیں اس طرح کی کچھ ▯ ▯ ▯ کومل بھی جاتی ہیں تو اس کے ▯ ق وسباق سے واقعہ کو جوڑ کر نتیجہ نکالا ج▯ چاہیے۔

انگر▯ مورخوں کی دروغ بیانی تو اس ▯ت سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنے حوالوں میں مقامی روا▯ اور ▯ بیڑ کا حوا▯ کثرت سے دیتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہو▯ ہے کہ ا▯ ▯ ا اتنا وقت میسر آگیا کہ انہوں نے ہندو▯ان کے ہر علاقے کا سروے تیار کر کے اس کا مکمل ریکارڈ جمع کر▯۔ یہ▯ت در ▯ ہے کہ او▯ جن کتا▯ں کا ذکر ہوا ہے ان میں ▯ کتابیں▯▯▯ رو▯ صدی کے ا▯م ▯ ▯ آزادی سے قبل ز▯ طبع سے آرا▯ ہو چکی تھیں۔ اس وضا▯ ▯ سے راقم کا مدعا یہ ہے کہ انگر▯وں کی لکھی ہوئی کتابیں ▯ ریخی اسناد سے خالی ہیں اور مقامی رو▯یت کی جو کثرت ہے وہ مکمل مشکوک ہے۔ ▯▯▯ اس لیے ▯ ریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ان ▯ توں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اور مطالعہ کے وقت ▯ لخصوص ان کی ▯ ریخی اسناد کو ملحوظ ر▯ ج▯ چاہیے۔

اس سلسلے کی آ▯ی ▯ت یہ ہے کہ انگر▯وں کو ان ز▯ نوں ▯ عبور حاصل تھا تو پھر انہوں نے ▯ ▯ ▯ اور ▯ اجم کے جو ادارے قائم کیے اس میں مسلمان عالموں کی مدد حاصل ▯ کرتے، ا▯ ان کے معاش کی ا▯ فکر تھی تو دوسرے اہم شعبوں میں مسلمانوں کی جو قلت ہوگئی تھی اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟ دراصل ہندو▯ان کی ▯ ریخ اور ▯ کروں کے ▯ اجم و ▯ ہ ▯ انہوں نے

جو محنت کی اس سے اسلام کی محبت کے بجائے عناد کا پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنے مقاصد کی کامیابی کے لیے واقعات کو اس انداز میں توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے کہ اصل واقعہ پلٹ کر رہ گیا اور فرقہ واریت کی بو اس سے ظاہر ہونے لگی ہے۔ چنانچہ مستشرقین کے عزائم کا پردہ فاش کرتے ہوئے نومسلم مفکر علامہ اسد لکھتے ہیں:

"یورپین کا رویہ اسلام کے بارے میں اور صرف اسلام ہی کے بارے میں دوسرے مذاہب اور تمدنوں سے بے تعلقی کی ناپسندیدگی ہی نہیں بلکہ گہری اور تقریباً بالکل نفرت ہے۔ یہ محض ذہنی نہیں ہے بلکہ اس پر شدید جذباتی رنگ بھی ہے۔ یورپ بدھشٹ اور ہندو فلسفوں کی تعلیمات کو قبول کرسکتا ہے اور ان مذہبوں کے بارے میں ہمیشہ متوازن اور مفکرانہ رویہ اختیار کرسکتا ہے۔ لیکن جیسے ہی اسلام کے سامنے آتا ہے، اس کے توازن میں خلل پڑ جاتا ہے اور جذباتی تعصب آجاتا ہے۔ بڑے سے بڑے یورپین مستشرقین بھی اسلام کے بارے میں لکھتے ہوئے غیر معقول جانبداری کے مرتکب ہوگئے ہیں... اس طریقہ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین کے ادب میں ہمیں اسلام اور اسلامی معاملات کی بالکل مسخ شدہ تصویر ملتی ہے۔ یہ چیز کسی ایک خاص ملک میں محدود نہیں بلکہ جرمنی، روس، فرانس، اٹلی، ہالینڈ، غرض ہر جگہ جہاں یورپین مستشرقین نے اسلام سے بحث کی ہے۔ اور جہاں کہیں بھی کوئی واقعی یا محض خیالی ایسی بات نظر آتی ہے جس پر اعتراض کیا جاسکے تو اس ان کے دل میں بدنیتی کی مسرت کی گدگدی ہونے لگتی ہے۔"□

ان کے علاوہ ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی کا یہ تبصرہ بھی اس تناظر میں بڑا ہی معنی خیز معلوم ہوتا ہے:

"سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کو ذہنی و فکری بیداری کے دور سے جانا جاتا ہے، جس میں مستشرقین نے افسانوں، من گھڑت کہانیوں، الزام و اتہامات اور ثانوی مصادر سے قطع نظر بنیادی اور اہم مصادر شریعت اسلامیہ اور معروف و مشہور علمی کتابوں کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔ اسی طرح معقولیت اور عدل وانصاف کے ساتھ ساتھ تعصب وجارحیت کے عناصر بھی علمائے استشراق کے فکر و عمل کے دائرہ کار میں آنے لگے۔ پھر بیسویں صدی کا ربع اول اس لحاظ سے منفرد ہے کہ مستشرقین نے کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے اس دور میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے

ہیں۔یہی وہ زما ہے جس میں فرانس لینڈ، ا یلیا، انگلینڈ، ، سو رلینڈ، روس، فن لینڈ اورا یکہ کے مستشر سر م عمل نظر آتے ہیں۔‘‘

آج ہمارے ملک کے بہت سے اہل علم اپنی تحقیق کی وضا اسلامی شریعت کے حوالے سے ’انسائیکلو پیڈ آف اسلام‘ کی روشنی میں کرتے ہیں، اسلامی فقہ کے نکتے میکڈرا کی کتاب کے ذر سے بتائے جاتے ہیں، اسلامی ئل کا حل ر ر ہیوکی ’ڈکشنری آف اسلام سے کیا جا ہے۔مسلمانوں کی حکوم دشاہی اور ما ت کے نظریے آ لڈ اور ا گلائی کی سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کتا ں میں یقیناً بہت سی کار آمد دیکھنے اور کو مل جائیں گی، قابل اعتبار وہی ہوں گی جس کی ئید وتوضیح کسی دوسرے اہم ما سے ہو جائے۔چنانچہ علا سید سلیمان وی نے ای طرف انگر وں کی علمی مات کو سر ہے تو دوسری طرف ان کی اسلامی مات کے منشا کو مشکوک ٹھہراتے ہوئے یہ بھی رقم کیا ہے:

’’ رپین مستشر نے اسلامی علوم و ان کی جو مت کی ہے، اس کا اعتراف ہے۔ مذہبی، شرعی اور فقہی معا ت میں ان کی تحقیق رائے کسی حال میں بھی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔اس لیے مسلمان فرمارواؤں کے کسی رویہ لیسی کو ان کے مذہ کی روشنی میں ا دیکھنے کی کوشش بھی کی جائے تو مذہبی معا ت کا ما اور سر خود مسلمان علماء وفقہا کی اوریجنل، مستند ومعتبر کتابیں ہونی چاہیں، لیکن ن ان کی وا کی وجہ سے ان کتا ں کا ممکن ہو تو پھر ا موضوع اور مسئلہ قلم اٹھانے کا حو کیا جائے۔س خواہ کتنی ہی اچھی اور صاف ہو مذہبی ئل کی غلط تعبیر اور کلی امور میں ان کی غلط تطبیق سے بعض اوقات ا ضرر رساں پہلو پیدا ہوجاتے ہیں جن سے ای طرف تو حقیقت کا خون ہو ہے اور دوسری طرف قوموں کے ب ت میں تلخی پیدا ہوتی ہے۔‘‘

اسی طرح کی ای دوسرے مبصر کی تحر میں بھی تلاش کی جاسکتی ہے:

’’بلاشبہ ے علمائے استشراق اپنی تحر وں میں علمی د داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔لیکن ا میں ا علماء بھی خاصی تعداد میں ہیں جنہوں نے تعصب اور تنگ نظری کا سہارا لیتے ہوئے دروغ گوئی اور علمی خیا کا ارتکاب کیا ہے اور اس طرح اسلام کی تصو بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔‘‘

جی زیدان نے تمدن اسلامی بیش بہا اور اہی قیمتی لٹریچر مسلمانوں کی حمایت اور بظاہر اسلامی علوم سے متأثر ہوکر تیار کردیا ہے، جو چار جلدوں مشتمل ہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلم مفکر اسلامیات تحقیقی کا کام کرتا ہے تو اس کتاب سے خوشہ چینی کیے رہتا۔ لیکن اس کتاب نے اسلامی علوم وافکار جو کاری ضرب لگائی ہے اس کا اندازہ مولانا کے اس بیان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

جی زیدان ایک عیسائی نے یہ کتاب چار حصوں میں لکھی ہے، جس میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی تاریخ لکھی ہے، اس کتاب میں نے درپردہ مسلمانوں ے اور متعصّبانہ حملے کیے ہیں، لیکن بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی کی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی نظر ان کی فریب کاریوں ی اور کتاب گھر گھر پھیل گئی۔'

پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کو صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، جس میں ہندوستان کے حوالے سے بحث میں اسلام کی اشاعت کا سارا سہرا صوفیائے کرام کے سر ڈال دیا گیا ہے اور کم از کم اس اعتراض سے ہندی مسلمانوں کو نجات ملی جو دوسرے انگریز مؤرخوں نے کی ہے کہ اسلام کی جبری اشاعت ہوئی ہے اور سلاطین وقت نے تلوار کے ذریعہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اس کتاب کی زمانہ بھی نظر رکھی جائے۔ ایک طرف الزام واتہام کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کے جہاد کو سرد کرنے کے لیے اس نی پھیرا جاتا ہے اور اس سے انکار کیا جاتا ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار سے ہوئی اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ مؤرخ مذکور کی کتاب سے حوالے بھی کیے جارہے ہیں۔ اس کتاب میں کہیں آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آرنلڈ نے انگریز مؤرخوں کی تحریر تنقید کی ہو اور ان کی عصبیت کا پردہ فاش کیا ہو۔ چنانچہ اس کتاب کی کے مقاصد کا یقین دلاتے ہوئے عہد حاضر کے ایک مبصر نے لکھا ہے کہ:

"یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اسلام کے اس کے ایک پہلو کو کسی خاص سبب کے وکالت کرنے ۔ اصولی طور پر یہ ممکن کہ اصل کا مخالف فرع کی حمایت کا بیڑا اٹھالے، اس کے لیے کسی بہت خاص وجہ اور سبب کی موجودگی ضروری ہے۔ ظاہر ہے مقصد اسلام سے ہمدردی ہرگز تھی بلکہ نظراً مقاصد کا

حصول تھا جن کے لیے اول الذکر ذریعہ استعمال کیا گیا تھا۔ را لکل مختلف تھا لیکن نتائج وہی حاصل کرنے تھے۔ مقاصد کے گھناؤنے کوا ی چا د سے ہمدردی کے دبیز تہوں کے نیچے چھپا یا گیا تھا۔ مسلمانوں میں تصوف اور صو ئے کرام کی معمولی مقبولیت کے سہارے ان کی سوچ کے دھارے کو محسوس طور ا رخ دینے کی یہ یہ شاطرا چال تھی۔"

یہ وہ زما تھا کہ طرح طرح سے اسلام اور مسلمانوں انگری وں کی طرف سے اعتراضات کی چھار کی جا رہی تھیں اور اس طرح مسلمانوں کو اپنے د و مذہب گام ان رہنے سے روکا جا تھا، جس کا شافی جواب دینا مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آواز کو نے کے لیے ہندو ان کے مختلف علماء نے مختلف اداروں اور محاذوں سے آواز اٹھائی۔ رسول ک کی سیرت کیچڑ اچھالا گیا تو سرسید نے اس کا مدلل اور مکمل جواب یا اور ان کے مفسدا خیالات کی قلعی کھولی۔ مول تو ری ز گی مستشر کے پیدا کیے ہوئے و پگنڈہ کا دہ فاش کرنے میں لگے رہے، جس کے وفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"مول مدت العمر مستشر کی پیدا کی ہوئی گمراہیوں سے سر پیکار رہے، قرآن کے عد الصحہ ہونے کا دعویٰ لندن س میں کیا گیا تو مول نے اس زور تنقید کرتے ہوئے کہا کہ "ہم بتاد گے کہ قرآن مجید ہزاروں دلائل سے انجیل سکتا۔" اس ا جملہ میں اس ذ کاوش کا را منظر سمٹ آی ہے، جو مستشر کی ان کوششوں کا محرک تھا۔ دری و چلی نے تعدد ازدواج اعتراضات کیے تو مول کا قلم حر میں آی ۔ جی زی ان کی کتاب ریخ تمدن اسلام کی دہ دری کا کام مول نے ہی انجام یا۔ آرمینا کے جھگڑوں میں مستشر نے ی کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام میں عیسائی رعای کے ساتھ ماضی میں شدی مظالم ہو چکے ہیں اور اسلام میں یہ ظلم جا بلکہ ضروری قرار یا گیا ہے۔ مول نے حقوق الزمین اور ا یہ لکھ کر ان الزام اشیوں کو ا کر دی۔ سیرت ا قلم اٹھای تو سے پہلے مستشر کے پیدا کیے ہوئے ا ات کا جا ہ ۔ اسی مقصد کے نظر مول سید سلیمان وی نے ء میں الندوہ میں ا طویل سلسلہ مضامین شائع کیا جن میں مستشر

کے کام کا جائزہ لیا گیا ہے۔“

مستشرقین کے اعتراضات اور بدگوئیوں کے ازالے کا ایک دوسرا محاذ یہ بھی تھا کہ عیسائی پادری ہندوستان پہونچ کر مسلمانوں کے خلاف تقریریں کرتے اور اپنے مذہب کی اشاعت کرتے، اور لوگوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرکے عیسائی بناتے تھے، جن کے خلاف علماء کی ایک بڑی تعداد کھڑی ہوگئی اور اس کا دندان شکن جواب دیا۔ ان علماء کی خدمات کو سراہتے ہوئے پروفیسر مذکور رقم طراز ہیں:

”ہندوستان میں مستشرقین کے پیدا کیے ہوئے اثرات کے خلاف جن علما نے پیہم جدوجہد کی ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا ، مولانا محمد علی مونگیری، ڈاکٹر محمد اقبال اور سید امیر علی کے نام تاریخ میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔ ہندوستان میں مشنری اور مستشرق کی سازش نے نازک صورت حال پیدا کردی تھی۔ میور نے خود لکھا ہے کہ اس نے اپنی کتاب پادری فنڈر کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے لکھی تھی۔ مولانا کیرانوی اور مولانا مونگیری نے مشنریوں اور مستشرقین کے اتحادِ عمل کا مقابلہ کیا اور بڑی ہمت واستقلال سے بہت سے فتنوں کا سدِّباب کیا، مولانا کیرانوی کی کتابیں ازالۃ الاوہام، ازالۃ الشکوک، احسن الحدیث، اظہار الحق فرانسیسی، انگریزی اور ترکی زبانوں میں ترجمہ ہوچکی ہیں۔ مولانا مونگیری کی کتابوں میں پیغامِ محمدی، ساطع البرہان، برہان قاطعہ وغیرہ نے مشنریوں کی سازش کو ناکام بنایا۔“

سر جادوناتھ سرکار کا جھوٹ

فرقہ واریت کی آگ بھڑکانے میں ہندوستانی مؤرخ سر جادوناتھ سرکار بھی انگریز مؤرخوں کی صف میں امتیازی کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اورنگ زیب کے نام سے پانچ جلدوں میں کتاب لکھ کر نام کمایا۔ اچھا انہوں نے ایک طرف اورنگ زیب کے حالات، افکار، ملکی نظم ونسق، علم اور علماء پروری اور کارناموں کو بڑے دل کش انداز میں بیان کیا ہے وہیں بعض جگہوں پر اسلام، مسلمان اور اورنگ زیب کے عادات وخصائل پر جارحانہ حملے بھی کیے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب کی جلد سوم کا ایک باب ”اسلامک اسٹیٹ چرچ“ کو اس بحث کے لیے وقف کردیا ہے کہ اسلام ایک وحشیانہ مذہب ہے، جو اپنے متبعین کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ لوٹ مار اور خوں ریزی کو مذہبی

فرض سمجھو، یہ د کے امن کا دشمن ہے اور اس کی رو سے رواداری جا ہے، حکومت مغلیہ مکمل قزاقی تھی، مسلمانوں کی حکومت میں مسلم ابھر سکتے تھے، اور زیب کی عدم رواداری کا ذ دار اسلام تھا، کیوں کہ وہ شجر اسلام کا ای پھل تھا۔ ب درخت ہی وا ہے تو پھل لامحا وا ہوگا۔

کہ اس کتاب کی زہر افشانی کے ڈاکٹر اوم کاش ساد لکھتے ہیں:

”دوسری کتاب مشہور ریخ داں جادو سرکار سر جادو تھ سرکار کی لکھی ہوئی ہندی اور انگر ی زبانوں میں موجود ہیں، و سر کا خطاب انگر وں نے زیادہ ا ہی لوگوں کو دیا، جنھوں نے انگر وں کے خیالات و بہبودی کا خیر مقدم دل کھول کر کیا۔ جاد تھ سرکار کی کتاب ہمیں ی دل سپ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ سرکار رصا ب کوئی ا قدم اٹھانے سے بعض آتے ہیں، محض یہ کرنے کے لیے کہ اور زیب مغلیہ عہد کا دشاہ تھا۔ ب کہ ہمیں ا کی کتاب میں اور زیب سے ا دیکھنے کو ملتی ہیں جن غور کرنے سے ہم آسانی سے اس نتیجہ پہونچ سکتے ہیں کہ وہ اتنا کٹر، ظالم اور متعصب تھا جتنا بتا گیا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ا ہم سرکار رصا ب کی کتاب میں شائع اور زیب کے فرمانوں کا مطالعہ کر تو ت کافی حد سمجھ میں آسکتی ہے۔“

دیگر مؤرخین کا مثبت اور منفی نقطہ نظر

ان کے علاوہ ا ری ساد، سری رام شرما، آشروادی لال و ہ نے مغل دشاہوں کی مذہبی لیسی اور میڈول ا کلچر کے م سے عہد وسطیٰ کے دشاہوں کی ریخ لکھی، ان میں بھی کہیں کم اور کہیں زیادہ حکمرانوں کی سی و مذہبی لیسی کو تنقیدی ا از میں موضوع بحث بنا گیا ہے اور اسی کے ضمن میں رے اسلام کو م کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ کہتے ہوئے کہ اسلام کو نے کے لیے جبر و تشدد کی لیسی اپنانے میں کوئی مضائقہ ۔

اس کے عکس ڈاکٹر یش چندر کی کتاب ”مغل در رکی وہ بند یں اور ان کی “ محمد اطہر علی کی ”اور زیب کے عہد میں مغل ا ر“، ”ریخ شاہ جہاں“ ڈاکٹر بنارسی شاد سکسینہ کی

اور رومیلا تھاپر کی کتاب کافی حد تک حقائق پر مبنی معلوم ہوتی ہیں، جن میں سلاطین ہند کی ہندو نوازی اور دوسرے اہم گوشوں پر منصفانہ مواد جمع کرکے ان متعصب مؤرخوں کا بھانڈا پھوڑا گیا ہے۔

اس قسم کا زہریلا لٹریچر عوام کے سامنے آیا تو بلاتفریق مذہب وملت کچھ سیدھے سادے لوگ بھی ان سلاطین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کے اندر بھی غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ آج بھی تاریخ کے بعض طالب علموں کے ذہنوں سے یہ غلط فہمی زائل نہیں ہوسکا ہے۔ ان میں سے بھی کچھ طالب علم تحقیق وتخریج کے میدان سے گزرتے ہیں تو انہیں اصل صورت حال کا اندازہ ضرور ہوجاتا ہے، پھر بھی شک اور تعجب کا خاور بند نہیں ہوتا۔ ان کتابوں میں بالخصوص انگریزوں کی تاریخ نے عوام کے ذہن میں ایسا تاثر پیدا کیا ہے کہ آج بھی جب اس کے خلاف کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ شک آمیز اور تعجب سے سنی جاتی ہے۔

معترضین کے اعتراضات کی کمزوری خود ان کی اور دوسرے ہندو مؤرخین کی زبانی

اس مختصر حقیقت پسندی کے علاوہ یہاں چند اور دوسرے منصفانہ بیانات خود معترضین اسلام اور دوسرے ہندوؤں مؤرخوں کی تحریروں کی روشنی میں تحریر کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آخر ان فرماں رواؤں کا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ ایک ہی وقت میں متضاد کیوں کر ہوسکتا ہے۔ یا تو انہوں نے ہندوؤں پر ان میں ظلم وستم ہی کی روش اختیار کی ہوگی۔ یا پھر انسانی ہمدردی اور رواداری کے اصولوں کو اپنایا ہوگا۔ لہٰذا ان بیانات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے بعد مؤرخوں نے تعصب سے کام لے کر ان کی تاریخ کو مشکوک بنادیا ہے۔ چنانچہ جس اورنگ زیب کو سرجادو ناتھ سرکار نے شجر اسلام کا ایک کڑوا پھل کہا ہے اس کی دوسری رائے اورنگ زیب کے بارے میں یہ بھی ہے:

> ”جسمانی ہمت اور بہادری کے علاوہ اس نے اوائل زندگی ہی سے بادشاہت کی مشقتوں اور خطروں کو اپنا شیوہ بنایا تھا اور اس عظیم الشان عہدہ کے لیے احترام ذات اور ضبط نفس سے اپنے کو تیار کرلیا۔ بادشاہوں کے لڑکوں سے بالکل مختلف اورنگ زیب ایک وسیع النظر اور سلیم الفطرت عالم تھا اور زندگی کی آخری سانس تک کتابوں سے محبت کرتا رہا۔ اگرچہ ہم قرآن شریف کے ان متعدد نسخوں کو نظر انداز بھی کردیں جن کو اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک عالم کی سرگرم ریاضت کے ساتھ

لکھاتو بھی ہم اس کو فراموش کر سکتے کہ وہ ای ل حکمراں ہونے کے وجود اپنی قلیل فرصت کو عر کی فقہی اور مذہبی کتا ں کے مطالعہ میں شوق سے کاٹ اور انے اور در طات مثلاً یہ احیاء العلوم اور د ان صا ب کو کتا ں کے ای کا اہل عاشق کی ہوس سے ڈھو ۔ اس کے کثرت رقعات، اس کی فارسی شاعری اور عر ادب قدرت کی دلیل ہے، کیوں کہ وہ ہمیشہ اپنے خط کو منا اشعار و اقتباسات سے کر ہے۔ عر اور فارسی کے علاوہ کی اور ہندی بھی آزادی کے ساتھ ل سکتا تھا۔ یہ اسی کی جودت طبع اور سر کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے س ہندو ن میں مسلمانوں کے قانون کا سے اخلاصہ فتاویٰ عالم گیری ہے جو منا طور اسی کے ساتھ منسوب ہے اور جس نے بعد کے عہد میں اسلامی نظام عدل کو واضح طور آسان کر دیا۔“

یہی مؤرخ محمد قاسم کی حات اور ان کی سی بصیرت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے

”شروع کے عرب فاتحوں، خصوصا سندھ کے فاتحوں نے یہ عقلمند اور مفید حکمت عملی ا ر کر رکھی تھی کہ وہ مسلموں کی عبادت گاہوں اور مذہبی اسم کو مطلق چھیڑتے ۔ وہ کسی شہر قبضہ کر لیتے تو ں مسلم آ دی کو اسلام قبول کرنے کو کہتے، ا وہ قبول کر لیتے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوجاتے جو فاتحوں کے ہوتے، ور پھر ان کو یہ ادا کر ، جس کے بعد ان کو اپنے مذہ کے اسم ادا کرنے کی اجازت ہوتی۔“

سر جادو تھ مجموعی طور تمام مغل حکمرانوں کی لیسی اور ان کے انتظام مملکت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

”مغل کے سبھی صو ں لکل ای ہی طرح انتظامی مشنری کے ذریعہ ٹھیک ای ہی طرح کے ضابطوں اور سرکاری خطا ں کے ساتھ حکومت ہوتی تھی۔ فارسی واحد ن تھی جو سرکاری ریکاڈس، فرمان، اسناد، زمینوں کے عطیات، حمل و نقل کے اجازت موں، اسلات اور رسیدوں کے ا امیں استعمال ہوتی تھی۔ صرف ٹکسال شہروں کے موں کے فرق کے ساتھ ای ہی م اور نوعیت کے اور ے میں ای ہی طرح کے اسکولوں کا حامل، ای ہی طرح کا ما تی نظام سلطنت بھر

میں رائج تھا۔ عہدہ داروں اور فوجیوں کو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں تبدیل کیا جاتا تھا۔ اس طرح ایک صوبہ کا باشندہ اپنے کو کسی دوسرے صوبہ میں تقریباً گھر ہی کی طرح مطمئن محسوس کرتا تھا۔ تجار اور سیاح بڑی آسانی سے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں آتے جاتے رہتے تھے اور سبھی اس ملک کی شاہی سیاسی وحدت کو خوب سمجھتے تھے۔''

کیمبرج ہسٹری کے مصنف نے اپنی دوٹوک رائے اس انداز میں پیش کی ہے:

''مسلم مؤرخین نے کسی بغاوت کو فرو کرنے یا کسی قلعہ، شہر یا گاؤں پر قبضہ کرنے میں اسے جلانے اور سارے ضلع کو تباہ کردینے کا واقعہ اس رنگ میں بیان کیا ہے کہ اگر ہمارے پاس ثبوت نہیں ہوتا کہ واقعہ اس طرح ہو ہی نہیں سکتا تو ہم مغالطہ میں پڑ جاتے اور یقین کرنے لگتے کہ شمالی ہندوستان میں مسلمان کا ابتدائی غلبہ ایک ایسا مقدس جہاد تھا جو بت پرستی کو ختم کرنے اور اسلام کی تبلیغ کے لیے شروع کیا گیا تھا۔ محمود اور اس کے بعد سبھی حکمرانوں نے . جب بھی ایسا کرنا چاہا اپنے حق میں موزوں سمجھا۔ ہندو جاگیرداروں اور زمین داری کی اطاعت کو قبول کرنا، انہیں اپنا منصب دار بنایا اور ان کے موروثی علاقوں کو ان کے قبضے میں رہنے دیا۔''

الفنسٹن جس کی تاریخ کا اس باب میں ذکر ہوا ہے کہ اس نے ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی اپنائی تھی اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا اور ہندوؤں کو مسلمانوں کا حریف ٹھہراتا تھا اور پھر اپنے نظریات کو کتابی شکل دے کر اسکول کے نصاب میں شامل کردیا۔ وہ بھی دانستہ یا نادانستہ مسلمان حکمرانوں کے انصاف، مواخات اور رواداری کا اعتراف کرتے ہوئے نہ چوک سکے۔ چنانچہ مؤرخ مذکور ایک مقام پر لکھتا ہے:

''ان کی (مسلمانوں کی) حکومتوں میں ہندوؤں کے مندروں اور دھرم شالاؤں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ ...، گوردھن اور متھرا کے مندروں کو شاہی خزانے سے مدد کی جاتی تھی۔ متھرا ضلع کے گوردھن میں ہری دیو کا مندر ہے جو ۱۰۰۰ء میں بنا۔ احمد شاہ کے ایک دستخطی فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کی طرف سے مندر کے خرچ کے لیے روپیہ ملتا تھا۔''

ڈاکٹر ایشوری پرساد سابق پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی محمود کی عسکری اور سیاسی بصیرت کی

وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''تاریخ میں محمود کا مقام طے کرنا مشکل کام ہے، اپنے زمانے کے مسلمانوں کے سامنے وہ غازی اور دین کا حمایتی تھا، جس نے مشرکوں کے ملک سے بت پرستی ختم کرنے کی کوشش کی اور آج کے ہندوؤں کی نگاہ میں وہ ایک وحشی اور ظالم حقیقی ہوا تھا، جس نے ان کی انتہائی مقدس عبادت گاہوں کو برباد اور وحشیانہ طور پر ان کے مذہبی احساسات کو مجروح کیا، لیکن ایک غیر جانب دار محقق جو اس زمانے کے خصوصی حالات کو دھیان میں رکھے گا تو لازمی طور پر دوسرا فیصلہ دے گا۔ محمود بلاشبہ اپنے ساتھیوں کا ایک عظیم رہنما تھا، وہ اپنی عقل سے کام کرنے والا معقول اور ایمان دار حکمراں، ایک بہادری اور لائق سپاہی، منصف مزاج، ادب کا سرپرست اور دنیا کے سب سے بڑے بادشاہوں میں شمار کیے جانے کے لائق تھا۔''

ہندوؤں کے مذہبی مقامات کے لیے اوقاف سے متعلق سلاطین ہند کے فرامین

سلاطین ہند نے غیرمسلموں کے ساتھ جو رواداری برتی اور ان کے مذہبی مقامات کے سلسلے میں جو مثبت رویہ اپنایا وہ کسی بھی طرح مشکوک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مسلم فرماں رواؤں نے اپنی سلطنت میں غیر مذہب والوں کے عبادت خانوں کے لیے بڑی تعداد میں اراضی وقف کر دیے، تاکہ اس کی آمدنی سے مذہبی مقامات کا نظم و نسق اچھی طرح انجام پا سکے۔ اور کچھ بادشاہوں نے تو کچھ مندروں کے لیے گھی اور تیل بھی مہیا کرایا تاکہ شام ہوتے ہی ان جگہوں کو روشن کیا جائے۔ ایسے فرامین کی تعداد بہت ہے جو ملک کے مختلف مقامات کے مندروں کے پروہت اور ان کے اہل خاندان کے پاس آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے فرامین کو ڈاکٹر ... نے مختلف جگہوں سے حاصل کر کے اور بڑی چھان بین کے بعد اسے اپنی کتاب میں شائع کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح کتاب ''تاریخ ہند عہد وسطی میں'' بھی ان فرامین کو عہد بعہد بالترتیب جمع کیا گیا ہے جو مندروں سے ... ہیں۔ اس کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری کے مخطوطات اور خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں کئی فرامین موجود ہیں۔ ان فرامین کے مطالعہ سے متعصب مؤرخوں کا تعصب واضح ہو جاتا ہے اور ان کے ادران وطن کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو مسلمان فرمارواؤں کو

م کرتے اور ا ظالم وجا کہنے میں ذرہ ا بھی عار محسوس کرتے۔

اسلام میں عبادت خانوں کے ا ام کی ممانعت

شروع میں لکھا جا چکا ہے کہ قرآن نے کسی قوم کے مذہبی مقامات وجہ حملہ کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے اور اللہ کے رسول نے اہل ایمان کو اس کام سے روکا ہے۔ صحا کرام اور بعد کے ء نے بھی ا اصولوں عمل کیا۔ محض تعصب کی بناء مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کا ثبوت ملتا۔ اس میں کوئی شک کہ کچھ عبادت گاہیں ئے اسلام کے حکم سے منہدم کی گئیں، ان کے پیچھے کسی کسی اہم عوامل کارفرما تھے۔ چنانچہ ہندو ن میں بھی اس قسم کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی قبا کہ سلاطین ہند گوکہ ری طرح سی معا ت میں شریعت عمل کرتے تھے ہم۔ دوقوموں کے درمیان تصادم وامتیاز کا سلہ آ تو اس سلسلے میں علماء وفقہا سے رائے طلب ضرور کرتے تھے، ں سے جو جو ت ملتے ان دشاہ عمل کرتے بھی کرتے۔ اَ سی معا ت میں علماء کی رائے سے حکومت کے کام میں خلل واقع ہو تو وہ اسے ڈال دیتے تھے، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ب میں سلاطین ہند نے شرعی اصول عمل کیا، کیوں کہ ا کرتے تو ملک میں خلفشاری ہوتی اور خود دشاہ کی ی داری ہوتی، اور وہ اتنے طویل عرصہ ہندو ن میں اس شا ار طریقے سے حکومت کرنے میں ہر کامیاب ہوتے۔

یہ بھی ای اطرفہ تماشہ ہے کہ آج ملک میں ادران وطن تعصب کی بنا جس مسجد اپنا قبضہ چاہتے ہیں اس کے منہدم کا منصو تیار کرتے ہیں تو ے زور وشور سے پہلے اس ت کی تشہیر کرتے ہیں کہ ں مقام جو مسجد ہے پہلے ں مندر تھا اور ں بھگوان کی مورتی تھی، دشاہوں نے اسے توڑ کر مسجد بنا اور دھیرے دھیرے یہ مسئلہ اتنا طول پکڑ ہے کہ فرقہ وارا فسادات رونما ہو جاتے ہیں۔۔ معاملہ عدا میں پہو ہے تو فیصلہ حقیقت کے عکس ہو ہے پھر اسے طول دے کر معاملہ کو جا ہے اور ں پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں۔ اس طرح مسجد مسلمانوں کے تصرف سے نکل جاتی ہے۔ حالاں کہ فقہا نے کسی مقام مسجد بنانے کے جو حدود وقیود متعین کیے ہیں اس کی یہاں بیان کر دینا دلچسپی سے خالی ۔ فقہائے اسلام نے صرا کی ہے کہ

"اگر کوئی شخص مسجد بنائے جس میں دوسرے کا حق ہو اور اس کی رضا مندی حاصل نہ کی گئی ہو تو اس حق والے کو اختیار رہے گا کہ وہ مسجد کو باطل قرار دے اور اپنا حق لے لے۔ اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک زمین میں کسی کو جوار یا حق شفعہ حاصل ہے تو اس میں مسجد نہیں بنائی جا سکتی۔ اسی طرح ایک شخص بیمار ہے یا اس کی خواہش ہے کہ وہ اپنا گھر مسجد میں تبدیل کر دے یا اس نے مرتے وقت اس کی وصیت بھی کر دی، لیکن اس کے جائز ورثاء وصیت کو تسلیم نہ کریں تو اس کی وصیت جائز نہیں سمجھی جائے گی۔ اسی طرح بیع فاسد سے لی ہوئی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت نہیں۔ ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی زمین میں بھی مسجد بنانا درست نہیں ہے۔ ناجائز حصول کی جو بھی شکل ہو، مثلاً کسی کا گھر زبردستی کچھ لوگ حاصل کر کے اس میں مسجد یا جامع مسجد بنا لیں تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح کوئی راستہ عام ہو کہ ایک مسجد کے بننے سے چلنے والوں کو نقصان پہنچے تو بلاشبہ اس مسجد بنانا درست نہیں۔ مسجد کی تعمیر کے لیے زمین کو حلال طریقے سے حاصل کیا جانا اس کی صحت کی شرط ہے اور اس حلال طریقہ کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ اس زمین میں کسی بھی شخص کا کوئی حق نہ ہو۔"

انہدام منادر کی حقیقت

مسلمان حکمرانوں پر مندر شکنی کا الزام لگایا جاتا ہے اور اس سے متعلق واقعات کو بیان کرنے میں جس مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے اور ایک طویل عرصہ سے خاص اسی مسئلہ کو اچھال کر جو مہم چھیڑی گئی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔ کچھ معاصر مؤرخین کے مبالغہ آمیز اور غیر محتاط بیانات کی وجہ سے جو غلط تاثرات ابھرتے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بعد کے دور میں برطانوی مؤرخین اور خود ہندو قومی مؤرخین و اہل قلم کے ایک طبقہ نے اس زمانہ کے معاصر درباری مؤرخین کے انداز تحریر کو دانستہ یا نادانستہ اس باب میں مسلم حکومتوں کے طرز عمل کی جو ترجمانی کی ہے یا اس سے متعلق واقعات کو جس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے وہ نہ صرف علمی بددیانتی اور تاریخ کو مسخ کرنے کی بدترین مثالیں ہیں بلکہ ملک میں سماجی تعلقات اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے بھی بہت خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ ان مؤرخین کے بیانات کو پڑھ کر کوئی نتیجہ

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے تو غلط نہ ہوگا کہ یہی اس زمانہ کی حکومت کا بنیادی نکاتی پروگرام تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان منادر کو منہدم نہ کیا جاتا تو ملک میں مزید بے حیائی اور انتشار و خلفشاری پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ کیوں کہ اس عہد میں ایسے کئی مندر تھے جو بے حیائی کا اڈہ بن گئے تھے اور مفسد لوگ یہاں جمع ہو کر حکومت کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ بلکہ ڈاکٹر ایشوری پرشاد کے اس اظہار میں صداقت نظر آتی ہے:

> ''اسلامی اصولوں کے نقطہ نظر سے غیر مسلم ذمی کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ نئے مندر نو آباد مسلمانی علاقوں میں تعمیر کرتے۔ فیروز شاہ نے تغلق پور، صالح پور اور کوہانہ شہر آباد کیے تھے، یہاں ہندوؤں نے مندر بنائے۔ یہ مندر فیروز شاہ کے حکم سے توڑے گئے۔ ان مندروں کے متعلق فتوحات فیروز شاہی میں جو حالات ملتے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان تیوہاروں کے موقعہ پر جو ان مندروں کے سلسلے میں ہوا کرتے تھے، جاتے تھے اور عورتوں کا بھی کثرت سے ان جگہوں میں آنا جانا ہوتا تھا۔ مرد اور عورت کے ملنے جلنے کی وجہ سے پبلک میں عام رسوائی کے چرچے ہوا کرتے تھے اور بد اخلاقی پھیل جاتی تھی۔ یہ مندر دراصل عقیدت اور مذہبیت کے گھر نہ رہ سکے بلکہ شیطان کا وہاں راج تھا۔ فیروز شاہ نے ایک طرف اسلامی قانون کے تحت اور دوسرے پبلک کی بھلائی کے پیش نظر ان مندروں کو توڑا۔ فیروز شاہ نے عام طور سے بحیثیت سرکاری پالیسی کے مندر توڑے۔''

اس طرح کے واقعات دوسرے عہد میں بھی ہوئے جس کے خلاف بادشاہ کو سخت کاروائی کرنی پڑی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ جنگ کے دوران عبادت گاہوں کی بربادی ایک عام بات تھی۔ لیکن جب امن کی صورت پیدا ہو جاتی تو ان عبادت گاہوں کی تخریب سے ہاتھ روک لیا جاتا۔

سلطان سکندر لودھی بھی مذہبی معاملات میں سخت واقع ہوا ہے، اور اس نے تعصب سے کام لیا۔ اگر اس نے کسی قدر غیر مسلموں کے ساتھ سخت رویہ اپنایا تو اس کے عوامل پر بھی غور کرنا چاہیے۔ اس عہد میں ہندوؤں کی بعض ایسی تبلیغی جماعتیں سرگرم ہو گئی تھیں جن کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا۔ دوسری طرف یہی بادشاہ یہ بھی چاہتا تھا کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے علوم کو سیکھیں تاکہ اس ایک دوسرے کو قریب سے سمجھ سکیں۔ اس نے اگر تعصب

سے کام نہ ہوتا تو کرو فریشتر کے ان کو تباہ کردیتا، مولانا عبداللہ اجودھنی نے اگر اس کام سے روکا تو وہ آگے کوئی اقدام نہ کرسکا۔

جن علاقوں کو مسلمانوں نے آباد کیا اور وہاں ہندو پہلے سے موجود نہ ہوں اور بعد میں آکر بسے ہوں تو ان علاقوں میں غیر مسلم سلطان وقت کی اجازت کے بغیر اپنے لیے کوئی عبادت خانہ تعمیر کرتا ہے تو بادشاہ کو اختیار رہے کہ وہ اسے چاہے تو رہنے دے یا منہدم کردے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے جہاں گیر سے یہ وعدہ وعید کرایا تھا کہ وہ ہندوؤں کے زور کو توڑے اور اس کی تذلیل و تحقیر کرے، جس کی وجہ سے بادشاہ نے کچھ سخت اقدام کیا، اس سے مجدد کی مراد ہرگز یہ نہ تھی کہ عام حالات میں ایسا کیا جائے، بلکہ کفار کے زور کو توڑنے کے لیے ایسا کرنے کو کہا تھا، کیوں کہ کفار دن بدن زور پکڑ رہے تھے۔ بعض وجوہ کے بنا پر جہاں گیر نے نئے مندر کی تعمیر پر پابندی لگادی تھی، اس لیے شاہ جہاں نے اپنے زمانہ میں نو تعمیر شدہ مندروں کو مسمار کروادیا تھا۔ اور اورنگ زیب نے بھی کئی مندر گروائے۔ مسلمان حکمرانوں نے ہنگامی حالات میں مندروں کو مسمار کیا تو انہوں نے اپنی مسجدوں کو بھی نہیں چھوڑا اور درگاہوں کو بھی تہس نہس کیا۔ اگر وہ تعصب کو روا رکھتے تو ملک میں ایک بھی مندر بچا نہ رہتا۔

محمد بن قاسم نے جس فراخ دلی سے مندروں کی تعمیر اور اسکی مرمت کی اجازت دی، اور عطیات بھی عطا کیے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اسلام کی اس اصول پر عمل کیا کہ کسی کے مذہبی مقامات کو محض نفرت اور عناد کی وجہ سے ہرگز ہرگز مسمار نہ کیا جائے۔ البتہ جو مقامات سازش اور گمراہی کے اڈے ہوں اسے برباد کردیا جائے۔

جب دونوں قوموں کے ذریعہ انہدام معابد کے واقعات کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے ہی جو ذمی کی حیثیت سے مسلمانوں کی عمل داری میں رہتے ہیں، مساجد کو مسمار کیا ہے۔ چنانچہ ایک انگریز مؤرخ کا تبصرہ بجا معلوم ہوتا ہے

”عرب فاتح جورویہ ماتحت قوموں کے ساتھ رکھتے تھے ہندو ان میں آکر بالکل پلٹ گیا، ہندوؤں کے مندروں کو جیوں کا تیوں چھوڑ دیا گیا اور ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ ہندوؤں کی لڑائی دھرم یدھ یا جہاد نہیں رہ گئی کیوں کہ مذہب کا سوال ہی نہیں اٹھایا گیا۔ سندھ میں اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ بتوں کی بھی پوجا کی جاتی تھی اور اس طرح وجود اسلامی حکومت کے بھارت

ای ملک بنارہ گیا۔

یہ کی شرعی حیثیت اور اس کا نفاذ ہندو نی تناظر میں

. کسی علاقہ کو فتح کرکے مسلمان اس اقتدار حاصل کرلیں تو مفتوحین میں سے جو لوگ مسلمانوں کی حکومت تسلیم کرکے اس ملک میں رہنا چاہیں اور عہد کریں کہ وہ مملکت کے خلاف بغاوت اور سازش میں ملوث نہ ہوں گے تو اب حکومت کے لیے یہ ہوجاتا ہے کہ ان مفتوحین کو ذمی کی حیثیت سے تسلیم کرکے اس کے جان و مال اور عزت وآبرو کی لکل اسی طرح حفاظت کرے جس طرح وہ مسلمان رعایا کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اب اگر کوئی بلاوجہ اس کو قتل کرتا ہے تو اس کے عوض اسے بھی قتل کیا جائے گا، اور اگر مقتول کے ورثاء اپنی رضی سے قاتل کو معاف کردیں تو قاتل ی ہوجائے گا۔ ا لوگوں سے مسلمان حکمراں کچھ سالانہ ٹیکس یہ لینے کے مجاز ہوں گے۔ یہ ٹیکس ا لوگوں سے وصول کی جائے گی جو فوجی مت کے قابل ہوں، عورت، بچے، بوڑھے، معذور اور مذہبی ام لوگ ی اور غلام اس سے مستثنیٰ قرار دیے جائیں گے۔ یہ کی ادا کے بعد اہل ذ سے صرف فوجی مات ساقط ہوجائیں گے، بلکہ وہ اپنے مذہبی، سماجی اور عائلی معاملات میں بھی اسلامی قانون کے بند ہوں گے۔ ا وہ مسلم علاقوں میں کوئی مذہبی عبادت گاہ تعمیر کرسکتے۔ انی عبادت گاہوں کی مت اور مذہبی مقامات کی دوبارہ تعمیر کرسکتے ہیں اور جہاں صرف مسلم ہی رہتے ہوں تو پھر منادر بھی اپنی رضی سے قائم کرلیں تو مضائقہ ۔ اسی طرح وہ مسلم علاقوں میں رہ کر مذہب سے کوئی ا کام کرسکتے جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہو اور اس کے مذہبی معتقدات کو پہو ہو۔ اگر وہ اپنی رضی سے اپنے اعی معاملات کے لیے شرعی عدالت سے رجوع کریں تو فیصلہ شرع کے مطابق کیا جائیگا۔ کسی معاہد بھی شرعی نقطہ نظر سے کوئی ظلم و زیادتی کی جائے گی اور مسلمان کسی اہم سبب کے معاہدہ کو توڑ سکتے ہیں۔ . کہ فریق ثانی کی رضامندی حاصل ہوجائے۔ معاہدہ خواہ اہل کتاب سے کیا جائے یا مشرکوں سے دونوں صورتوں میں مسلمانوں اس کی بندی اور حفاظت ں لازمی ہے۔

ہندو نی تناظر میں یہ مسئلہ سے پہلے محمد قاسم کے زمانہ میں آیا۔ . وہ سندھ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال رہے تھے، کہ مفتوح قوم کے ساتھ کس طرح کا معاملہ

کیا جائے اور شریعت کا اس رے میں کیا حکم ہے، کیوں کہ یہاں کے شندے شبہ اہل کتاب تھے۔ڈاکٹر الاسلام ا حی لکھتے ہیں

”سلموں کے شرعی حیثیت کے رے میں یہ سلسلہ سے پہلے محمد قاسم کے زمانہ میں آیا۔ وہ اس وقت سندھ میں عرں کی حکومت قائم کر رہے تھے ریخ سندھ کے ای مستند ما چچ کے بیان کے مطا محمد قاسم نے سندھ کے ان مفتوحین جن میں ہمن، دھ دونوں شامل تھے کو ذمی کی حیثیت سے تسلیم کیا اور ان یہ عا کیا، جنھوں نے اپنے قد مذہب قائم رہتے ہوئے مسلم حکومت کے زی رہنے رضامندی ظاہر کی۔ اسی حیثیت سے ا مذہبی آزادی ملی اور قد منادر کی مس وآ دکاری کی اجازت دی گئی۔ چہ چچ کسی اور ما میں اس کی صرا ملتی، لیکن قر قیاس یہی ہے کہ محمد قاسم نے والی عراق اور علماء سے ح ومشورہ کے بعد ہی ہندوؤں کے سلسلہ میں فیصلہ کیا ہوگا۔ کہ اس ت کے واضح ثبوت ہیں کہ ا قد معا کی مس کی اجازت دینے اور بعض دوسرے ئل میں محمد قاسم نے حجاج سف سے مشورہ اور علماء سے استفسار کیا تھا۔ یہاں یہ وضا دلچسپی سے خالی ہوگی کہ مشہور عرب مؤرخ بلاذری نے صاف طور یہ ذکر کیا ہے کہ سندھ کی فتح کی مہم کے دوران اور بعد کے زمانوں میں بھی حجاج سف سے محمد قاسم کی سلت ا جاری رہی اور یہ صرا بھی ہے کہ ہر تیسرے روز خطوط کی آمد ورفت ہوتی رہتی تھی۔“

سندھ کے سلموں کی جو شرعی حیثیت متعین کی گئی، اسی قانون بعد کے سلاطین نے بھی عمل کیا، اور ہندوؤں سے یہ وصول کیا جاتا۔ ا اکبر کے زمانہ کے شروع میں تو اس عمل بعد میں اس نے ہندوؤں کو اس سے ی کرد۔ عہد جہاں گیر اور شاہ جہاں میں بھی یہ معاف ۔ ا اور زی نے اپنی حکومت کے ئیس سال بعد اس قانون کو فذ کرد اور اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل اسے موقوف کرد۔ اسلام کے اصول یہ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر اوم کاش ساد لکھتے ہیں

”ہندو ن مسلمانوں کی حکومت تقریباً سو سال۔ رہی اور ز دہ زمانوں میں

یہ وصول کیا گیا، اس کے وجود عہد قد سے چلے آئے مذہبی معتقدات اور مذہبی مقامات کی اپنی حیثیت قرار رہی۔ اس ت کا کوئی ثبوت کہ یہ کی وجہ سے ے پیمانے مذہب کی تبدیلی کا عمل ہوا ہو۔ اگر ا ہوا ہو تو اسلام کے شیدائی اس کا بیان ھا ھا کر کرنے سے بعض رہتے۔"

مسلموں سے سر اہ مملکت سالانہ یہ کی ای قلیل مقدار ہی وصول کرتا تھا، اس کے عکس مسلمانوں کو صدقہ، زکوۃ اور عشر ادا کرنا تھا، جو یہ سے کہیں زیادہ ہو جاتا تھا۔ دراصل یہ ای طرح کا ل تھا جس کے ادا کرنے کے بعد ذمی تمام بند ں سے آزاد ہو جاتے تھے اور ساتھ ہی اس کی جان و مال کی حفاظت کی ذ داری سر اہ مملکت عا ہو جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں اور کئی اہم ذ دار یں عا ہوتی تھیں۔ ای تو جنگ میں حصہ، تو دوسری طرف ا سرحد کی حفاظت کرنی تی تھی۔ آج بھی حکومت عوام سے سالانہ ای متعین رقم وصول کرتی ہے، ملک میں رہنے والی ہر قوم سے۔ تو اس کی کیا توضیح کی جائے گی۔ دراصل اس قسم کی رقم حکومت وصول کرے تو پھر ملک کا نظم و نسق چلنا مشکل ہو جائے گا۔

یہ کی جو مقدار متعین کی گئی ہے اور جس کی کتا ں ملتی ہے اسی کے مطا محمد قاسم نے ہندو رعایا سے وصول کیا اور اسی اصول اور زیہ عمل ہ ۔ سے ی ت یہ کہ یہ اسلام کی محدثات ہے۔ اسلام سے قبل بھی اس طرح کی رقم شا ن وقت اپنی رعایا سے وصول کرتے تھے۔ اگر یہ معمولی سا ٹیکس ادا کر کے لوگ تبدیلی مذہب کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے مذہب کی کمی ہے کہ شا ن اسلام کا جبر۔ چنانچہ علا نعمانی لکھتے ہیں:

"اب ہم چھتے ہیں کہ ا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی، جس کے ادا کرنے سے فوجی کو خطر مت سے نجات مل جاتی تھی، جس کی بنیاد نوشیرواں عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ا گوار چیز ہو سکتی ہے جیسی کہ اہل رپ نے خیال کی ہے۔ کیا د میں ای شخص نے بھی اس سے بچنے کے لیے اپنا مذہب چھوڑا ہو گا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ا ہلکے ٹیکس سے بھی کم سمجھا ہو گا؟ اگر کسی نے ا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی کرنا چاہیے۔ جو لوگ یہ ادا کرتے تھے، ان کو اسلام نے جس قدر حقوق دیے، کون حکومت اس سے زیادہ دے سکتی ہے۔"

نفاذ یہ کے سلسلہ میں سے زیادہ محمد قاسم، علاء الدین خلجی، سلطان وز شاہ تغلق اور اور زیب عالم گیر کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے زیادہ مسلموں پر یہ کا قانون نافذ کیا۔ جس سے ہندوؤں کی مالی حالت ور ہوگئی اور مسلمان بحیثیت مال کے مستحکم ہوگئے۔ یہ ادراک وطن کی غلط ہے یا ہٹ دھرمی، کہ وہ یہ کی اصل غرض و غایت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مولانا آزاد کی رائے بالکل درست ہے

”اور زیب نے اتفاق علماء حنفیہ ہند ہندوؤں پر یہ کے احکام جاری کیے تھے نادانی و بے خبری سے ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ ان کی تذلیل و ہے، حالاں کہ اگر اس وقت علماء محققین ہوتے اور وہ یہ کی غرض و غایت اور اہل ذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کر بیان کرتے تو ہندوؤں کو معلوم ہو جاتا کہ ان کی تذلیل بلکہ وہ سے سلوک ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوم کے ساتھ کر سکتی ہے“۔

حالاں کہ مسلم حکمرانوں کے عہد میں مسلموں کے درمیان یہ ٹیکس کبھی خلجان کا باعث رہا اور ان لوگوں نے اسے اپنے لیے بار سمجھا، بلکہ انہوں نے اسے بخوشی قبول کیا، کیوں کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کے تعاون کے حکومت کا کاروبار اچھی طرح سے چلایا جا سکتا۔ کہ سید صباح الدین عبدالرحمن کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے

”اس زمانہ کے تمام راجہ اس کو اور ٹیکسوں کی طرح ایک ٹیکس سمجھ کر ادا کر دیا کرتے تھے، اور کسی حال میں وہ اپنے کو کمتر درجہ کا شہری تسلیم کرتے تھے۔ حالاں کہ اب یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ ٹیکس مسلموں کو سی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے بنا کر ی ہوئی حالت میں رکھنے کے لیے عائد کیا جاتا تھا۔ تھ میں تلوار موجود تھی تو کرنے کے لیے ٹیکس لگانے کی کیا ضرورت تھی. اور اس مؤرخ کی کوئی وقعت ہوگی جو یہ تسلیم کرے کہ ملک گیری کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تلوار تو خوب چمکی، لیکن ملک داری میں ان کی تلوار ہمیشہ م میں رہی۔ وہ میدان جنگ میں خواہ کیسی ہی خوں ریزی کرتے لیکن جنگ کے بعد ل روش ا رکر لیتے۔ کیوں کہ ملک کی زراعت اور تجارت ہندوؤں کے تھوں میں تھی۔ اونچے عہدے دار تو مسلمان ضرور تھے، لیکن دوسرے تمام عہدے

ہندوؤں کے ہاتھوں ہی میں ہوتے تھے۔ کیوں کہ ان کی مدد کے بغیر حکومت کا ڈھانچہ کھڑا ہوسکتا تھا، اور اگر ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جاتا تو تھوڑی تعداد اور قلیل فوج کی مدد سے ہر جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم رہ سکتی تھی۔“

سلاطین ہند نے غیرمسلموں کی نہ صرف طرح طرح سے حوصلہ افزائی کی، بلکہ بحیثیت ذمی ہونے کے سلطنت کے اہم عہدے ان کے سپرد کردیے تھے۔ ناواقف ہندو کہتے ہیں کہ یہ فیاضی صرف اکبر کے ساتھ مخصوص تھی۔ بالکل غلط ہے۔ جہاں گیر، شاہ جہاں یہاں تک کہ اورنگ زیب کے عہد میں بھی ہندو بڑے اہم عہدے پر فائز تھے۔ ہزاری، ، ہزاری، چار ہزاری جیسے عہدے ان کو ملے ہوئے تھے، جو فوجی عہدہ تھا۔ یعنی ہر منصب کے تعداد کے اعتبار سے فوج ان کے زیر نگرانی حرکت کرتی تھی۔

عہد فیروز شاہی میں بھی ہندو بہت معزز ہوگئے تھے، خود فیروز شاہ تغلق اپنی حکومت کو ہر قسم کے ضعف سے محفوظ رکھنے کے لیے ہندوؤں کو قریب کیا اور بعض وقت وہ ہندو جوگیوں اور بیراگیوں کو اپنے پاس بٹھاتا اور ان سے علمی مذاکرہ کرتا تھا۔ خسرو خان کے نمک حرام اور خسرو خانی ہندوؤں نے اپنا ر اسلام د کا جو مظاہرہ کیا اس کا بھی سلاطین نے کوئی سخت نوٹس لیا۔ حد سے زیادہ ھی ہندو نوازی کا ذکر انگریز مؤرخوں نے بھی کیا ہے۔ پروفیسر گارڈ اوَن نے لکھا ہے:

”ہندو رعایا کے ساتھ سوال سختی و سخت گیری کیسی؟ اس نے تو اکبر سے پہلے ہی ایک طرف کے رسم کو مسدود کردیا۔ دوسری طرف ہندو راجاؤں کو اعلیٰ جنگی مناصب اور دیگر قابل ہندوؤں کو اعلیٰ ملکی خدمات پر فائز کرنا شروع کردیا تھا۔ اس نے دولت مند ہندوؤں کی دولت و ثروت میں مطلق دست اندازی نہیں کی۔ نی کا زر فرضی سے اعتراض یہی ہے کہ اس سے ہندوؤں کی دولت مندی و تونگری میں ترقی ہوتی رہی، اس نے محمد تغلق نے قدیم ہندو راجاؤں کو خود مختاری کی حالت میں چھوڑے رکھا۔ اس کے طرز عمل کی دانش مندی سے وہ لوگ تو انکار کر ہی نہیں سکتے جو اکبر کے طرز حکومت کے مداح ہیں۔“

سلطان شہاب الدین غوری، علاء الدین خلجی اور جلال الدین خلجی کے زمانے میں ہندوؤں نے جو عروج حاصل کیا اس کی تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔ لیکن یہاں پر شہاب الدین غوری کا یہ واقعہ دعوت ملاحظہ دے رہا ہے کہ وہ سلطنت کی ہوس میں قوم کو زک پہونچانے کا م

عظیم تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ب وہ مالواڑہ کے معرکے میں کام ہوا تو اسی دوران اس سے کسی نے کہا کہ مالواڑہ کا ں ت غز میں تجارت کرتا ہے اور اس کی دس لاکھ کی کا سامان تجارت غز میں پہونچا ہوا ہے، اسے ضبط کرکے ا شاہی میں بھر لیں کہ شاہی شان و شو میں اضافہ ہو۔ اس کے جواب میں سلطان نے جو جملہ لکھا اس سے اازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان سلاطین کس طرح قوم کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کا سلوک کرتے تھے

"وسا ابھر کا یہ مال ا وا مال واڑہ میں ہوتا اور ں اس قبضہ کیا جاتا تو ہمارے لیے ال ہوتا، لیکن غز میں اس مال قبضہ کرنا ہمارے لیے حرام ہے، کیوں کہ وہ میری پناہ میں ہے۔"

مسلم حکمرانوں کے اقتدار کے وری کے وجود اسلام زیادہ

ہندو ن میں مسلمانوں کی حکومت کے وجود مسلموں نے مسلمانوں مظالم زیادہ کیے اور مسلمانوں کی عزت وعصمت ڈاکہ ڈالا اور ان کے مذہبی شعائر کے ساتھ توہین آمیز معاملہ کیا۔ ا ان توں مسلمانوں نے بعض ہندوؤں کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا تو اس طوفان اکبر چہ معنی دارد۔ چوں کہ مسلموں کی حیثیت ہندو ن میں ذمی کی تھی، اور ا کوئی ذمی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ رواسلوک کرتا ہے تو اسلام اس وقت حکم دیتا ہے کہ ان کی سخت گوش مالی کی جائے۔ سلاطین ہند نے اپنے اسلامی اصول وقوا عمل کرکے ان کے ساتھ جا رواداری کا معاملہ کیا۔ ان کے ائم کو بعضے اوقات نظر انداز کردیا اور آزادی سے زندگی بسر کرنے مانع ومزاحم ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ اب ا کوئی ض ہوتا ہے کہ اسلام جبر سے، تو مسلمانوں کی حکومت ہندو ن سے ختم ہوتے ہی وہ سارے کے سارے ہندو جنھوں نے جبراً اسلام قبول کیا تھا اسلام سے پھر جاتے اور اپنے سا مذہب کو ا رکرلیتے۔ تاریخ میں ا واقعات بہت کم ملیں گے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بہت سے ہندو بیک وقت اسلام سے منحرف ہوگئے ہوں۔ دوچار واقعات اس قسم کے ضرور رونما ہوئے۔ اس سے اسلام کی وری یا جبر ہرگز ظاہر ہوتا۔ دراصل یہ وہ لوگ تھے جو ب جاہ اور مالی منفعت کے لیے اسلام قبول کرتے تھے اور اگر جبراً اسلام یا جاتا تو آ ہ، دہلی، اودھ، بہار، دکن و ہ میں مسلمانوں کی تعداد ہرگز کم ہوتی، کیوں کہ یہ علاقے اہ را سے

تعلق رکھتے تھے۔آٹھ سو ں کا عرصہ ر جانے کے وجود ں پندرہ فیصد سے ز دہ مسلمانوں کی تعداد ھی۔اس کے خلاف جہاں مسلمانوں کا اقتدار ز دہ مضبوط تھا، ان علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد میں حیرت ا طور اضافہ ہوا۔سندھ، کشمیراور بنگال و ہ کو مثال کے طور کیا جاسکتا ہے۔بنگال میں اشا اسلام کے سلسلے میں آ لڈ نے ی اوراہم بحث کی ہے۔یہاں ا دوسرے ہندومؤرخ کا بیان قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے

> ”ظن غا یہ ہے کہ ہندومس کی بند ں نے بنگال کی نیچ ذاتوں کو اس مذس کے قبول کرنے آمادہ کرد تھا۔آٹھو صدی عیسوی سے لے کر رہو صدی عیسوی بنگال ل خا ان کی حکومت تھی جو ھ کا پیرو تھا۔اس کے زما میں نیچ ذاتوں کو ی آزادی حاصل تھی۔ سین خا ان کے لوگ جنوب کی طرف بنگال میں دا ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ہندومس اوراس کی تمام معاشرتی بند یں بھی لے آئے، جن سے نیچ ذاتوں کے ت کو ہمیشہ لگتی تھی اور رہو صدی میں اسلام آزادی اور وات کا ڈنکا بجا ہوا بنگال پہونچا تو عوام کی طبیعتیں خود بخود اس کی طرف مائل ہوگئیں۔لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے۔یہ ا اسد ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سد کی تلاش کی جا ‘۔

منصب اور دو کے لیے تبدیلی مذس کا عمل

اسلام قبول کرنے والے صرف نچلی سطح کے لوگ تھے بلکہ اعلیٰ اوراونچی ذات کے لوگوں نے بھی ھ کر حلقہ اسلام میں دا ہوئے۔ ں کون سی وجو ت کارفرما تھیں۔یہ لوگ تو سماج کے ہر قیود سے آزاد تھے۔دو تھی، عزت تھی، اور حاکم تھے۔اس لیے ان کے ساتھ معاشرہ میں کسی ظلم وز دتی کا کوئی سوال ہی ۔دراصل ہندوؤں کا ہر طبقہ اپنے اپنے خطوط تفر ذات کے د مالائی بلا کا شکار تھا۔اس کے علاوہ جنگ کے موقع شکروں کی فتاری کے ساتھ روسا، جنگ اورا ، بھی فتار ہوتے تھے، چنانچہ سزا سے بچنے کے لیے یہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوجاتے۔ا دوسری وجہ یہ تھی کہ ہندو مغلوب ہوتے تو ان کی حیثیت ذمی کی ہوجاتی اورا سال میں مخصوص رقم سلطنت کو دینی تی تھی۔ یہ لوگ دو سے اتنی محبت کرتے تھے

کہ وہ بہ کچھ کرنے کو تیار ہو جاتے، مذہب کو بھی داؤ لگا دیتے۔ خوشی سے اپنی دو کا کچھ حصہ ہر کسی کو دینا دا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی دو کو بچانے کے لیے وہ اسلام قبول کر لیتے۔ پھر مسلمان ہونے کی صورت میں سلطنت کے اہم عہدے بھی حاصل کر لیتے تھے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وفیسر آ ملڈ لکھتے ہیں:

”اکثر ہندو دنیوی منافع کے خیال سے مسلمان ہو گوارہ کیا، ہزار راجپوت اسی طرح مسلمان ہو گئے، جن کی اولاد اب ملک کے دو مند زمین داروں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں بجگوٹی راجپوتوں کا مسلمان خاان سے زیادہ معزز ہے جو ملک اودھ کے مسلمان تعلقہ دار کی فہر میں اول درجہ رکھتا ہے۔ ای روای کے موافق اس خاان کے وارث اعلیٰ تلوک چند کو دشاہ قید کر کے لے گیا اور تلوک چند نے قید سے رہائی نے کے لیے اسلام قبول کیا۔“

اس سے زیادہ وضا سے ڈاکٹر اوم کاش سا د نے اونچی ذات کے لوگوں کے قبول اسلام کی وجہ بتائی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”ایل ء میں سود خوری کے الزام میں چار ہندو قانون گو ں کو عہدہ سے معزول کیا گیا، سزا نے کے ڈر سے ان لوگوں نے اسلام قبول کر۔ چو کی ھ کا انچارج بننے کے لیے بھوپ سنگھ نے اپنے بھائی اری داس کو اسلام قبول کر لینے کی ح دی۔ لیکن اس نے اپنے بھائی کے لالچ بھرے مشورہ کو تسلیم کیا اور ہندو ہی ر ء مین منوہر ر کے زمین دار ی چند نے اسلام قبول کیا کہ رفوجیوں کے بجائے رکا منصب حاصل کرے۔ چنانچہ جنوری ء کو اس نے اسلام قبول کیا۔ راجہ اسلام خاں نے ہندو مذہب ک کر کے اسلام قبول کیا کہ اپنے بہن کی شادی اور زیب کے بیٹے سے کر سکے، لیکن یہ شادی ہو سکی۔ جاگیر حاصل کرنے کے لیے رام ر کے شاہی منصب دار راؤ گو ل سنگھ کے بیٹے رتن سنگھ نے اسلام قبول کیا۔“

معلوم یہ ہوا کہ ہندوؤں کے دی اپنے دھرم کی کوئی حقیقت تھی اس لیے وہ اپنی دو کی حفاظت کے لیے اپنے دھرم کو بھی خیر د کہہ دیتے تھے۔ حالاں کہ مسلمان فاتحین نے ا اپنے مذہب قائم رہنے اور ان عمل کرنے کی ری آزادی دے رکھی تھی کہ وہ یہ

ادا کرکے من مانی زگی ا رکر ۔ ہندو اپنے مذہب کو بچانے اور اس قائم رہنے کی خاطر اپنی دو کا معمولی حصہ ادا کرنے سے پیچھے رہے۔ یہ ان کے مذہب کی وری تھی یا اسلام کا قانون اس کے لیے بنا۔ سچا مذہب وہی ہے جو اپنے ما والوں کے ایمان ویقین کو اس طرح مستحکم کردے کہ وہ ب کچھ تو کرسکتے ہیں اپنے ایمان کا سودا ہر کر سکتے۔ آج د میں ی ی ہورہی ہیں اور لوگ اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں اسلام کے شیدائی اپنے مذہب کو ز ہ رکھنے کے لیے دشمنان د کا کھل کر بلکہ آگے ھ کر مقابلہ کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

ہندو ن میں اشا اسلام کے اسباب وعوامل

ہندو ن میں اسلام کی آمد کے وقت یہاں کے دو قد مذہب ہندو مت اور ھ مت کے درمیان کش مکش جاری تھی۔ جس میں ھ ازم کو د رہ عروج حاصل ہو تھا۔ ان مذاہب کے رہنما سماجی تفر کے سور کا مداوا کرنے سے قاصر رہے۔ اَ اس طرح کی ائے م کوئی کوشش کی بھی تو اس میں ا کوئی کامیا ل سکی۔ اس کش مکش کا اور سماجی تفر کا عوام لخصوص سماج کے پچھڑے طبقہ کافی ا ا۔ اسی درمیان اسلام اپنی صاف ستھری تعلیمات لے کر ان کے سامنے اہوا، تو عوام کو نظر آ کہ یت قلب کے ساتھ ساتھ اسلام نے جو نظریہ حیات کیا ہے اس میں بلا تفر ر ونسل ب ا ہیں اور ا اپنے ا ر دینے کے لیے اسلام تیار ہے، لہٰذا ان لوگوں نے ا نظر اپنے ماضی ڈالی اور الوداع کہتے ہوئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں آتے چلے گئے اور مستقبل کو دینی ودنیوی اعتبار سے سنوارنے میں لگ گئے۔ اب کوئی اونچی ذات کا ہندو کسی سے چھو جانے اور غسل کیے کچھ لینے کے م میں غریب الوطنی، قید اور غلامی کی صعوبتیں اٹھانے کے لیے ر تھا۔ یہ کہنا لکل غلط ہے کہ اسلام کی اشا میں صرف صو ، اور عرب تجار کا صرف حصہ ہے۔ بلکہ اس کامیا کے پیچھے مندرجہ ذیل اسباب عوامل کارفرما تھے

۔ عرب تجار کی تبلیغی ع۔

۔ سلاطین کا در ہندو ن حملہ کر اور مسلمانوں کا آ دھ ان سلاطین کے ز ا جنھوں نے نووارد مسلمانوں کو اپنے سماج میں بلا فرق وامتیاز ب کیا۔

۔ علماء کی ر ، تقریری اور تحریری مات۔

۔ صو، کرام کی و ۔

۔ انسانی وات و بشر دو کا اسلامی عقیدہ۔

۔ ذات ت کی تفر سے نفرت و بیزاری۔

ان میں سے ہر عامل نے اپنے اپنے خطوط نمایں کردار ادا کیا۔ اگر ان میں سے کسی ای کو اشا اسلام کی بحث سے خارج کر دیا جائے تو کوئی اہم سوالات پیدا ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ ت یقینی طور کہی جا سکتی کہ اسلام کی اشا تلوار کے ذریعہ ممکن ہی تھی۔ بلکہ ان عوامل واسباب نے مل کر ہندو نی سماج کو متا کیا اور جس کے نتیجے میں اس کا دا ہ وسیع ہو گیا۔ چوں کہ مذکورہ اسباب ومحرکات کے امین وعامل مسلمان ہی تھے اس لیے ا ابتدائی مزاحمت کے بعد جلد ہی اپنے مشن میں کامیا ل گئی۔ ق آئندہ

ماو اجع

سید الاعلیٰ مودودی الجہاد فی الاسلام، ص ، مکتبہ معارف اعظم ھ

سہ روزہ دعوت دہلی، رجولائی ء، ص ، خصوصی شمارہ اسلام اور غلط فہمیاں، اسلامی احکامات اعتراضات اور ان کی حقیقت، ان نگا ثناء اللہ

ڈاکٹر رضی الاسلام وی، حقائق اسلام بعض اعتراضات کا جا ہ، ص ، ی مکتبہ اسلامی دہلی ء

ایضاً، ص -

ا وی، مختصر ریخ ہند، معارف، اعظم ھ ء

The History of India as told by its own Historians. H.M. Eliot Ed. by John Dowsan (Introduction) pp. 22-23 Vol.1. kitab Mahal Allahabad

سید صباح الد عبدالرحمٰن، اسلام اور مستشر مجموعہ مقالات سیمینار، ص ، ج ، معارف، اعظم ھ ء

سید صباح الد عبدالرحمٰن، مقالات سلیمان، ص ، ج ، معارف اعظم ھ ء

سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی ھ، جولائی-ستمبر ء، ص - ، صغیر میں اسلام کی توسیع واشا میں صو ئے کرام کا حصہ، ان نگا وفیسر ق احمد ظلی

جیمس فرگیسن، اسلامی فن تعمیر ہندو ن میں، ص ، جامعہ عثما ، حیدرآ د ء

مول احمد، مسلم حکومتوں کی رواداری، ص ، ادار ج المعارف، د بند

ایضا

بر تھ ے، اسلام اور ہندو نی ثقافت، ص - ، ابخش اورینٹل پبلک لا ی، پٹنہ، ء

محمد اسد، اسلام دوراہے ، ص - ، آزاد کتاب گھر، دہلی، ء

سالا مجلّہ، الد ، ء - ء ،ص - ،تھیالوجیکل سوسائٹی، سنی دینیات،اے۔ا ۔ ،علی ھ، ان اسلام،مستشر اورمدارس یہ، ان نگا ڈاکٹرروقیرعالم حی

سیدصباح الد عبدالرحمٰن،مقالات سلیمانی،ص ،ج ، معارف،اعظم ھ، ء

ایضاً،ص - ،ج

سالا مجلّہ، الد ، ء - ء ،ص ،تھیالوجیکل سوسائٹی، سنی دینیات،اے۔ا ۔ ،علی ھ، ان اسلام،مستشر اورمدارس یہ، ان نگا ڈاکٹرروقیرعالم حی

سیدسلیمان وی،مقالات ،ص ،ج ، معارف،اعظم ھ، ء

ایضا،ص ،ج

سیدصباح الد عبدالرحمٰن،اسلام اورمستشر ،ص ،ج ، معارف،اعظم ھ، ء

ایضا،ص

ایضاً

History of Aurangzib, Sir Jadunath Sarkar pp. 163-190, Vol.3 OrientLimited, N.Delhi,1972

بر تھ ے،اور ز ب ای زاویہ نظر،ص دیباچہ، ابخش اورینٹل پبلک لا ی، پٹنہ

ایضاً

بحوا سید صباح الد عبدالرحمٰن، م تیموریہ،ص ،ج ، History of Aurangzib, P:474, Vol:5 معارف اعظم ھ، ء

بحوا م تیموریہ،ص ،ج History of Aurangzib, P:253, Vol:3

مغل ای منسٹریسن،ص - ،بحوا بر تھ ے،اسلام اور ہندو نی ثقافت،ص مترجم ارد تقی رحیم، ابخش اورینٹل پبلک لا ی، پٹنہ، ء

ہسٹری آف ا ،ص ،ج ،بحوا اسلام اور ہندو نی ثقافت،ص

ہندو ن کی مختصر ریخ الفنسٹن ،بحوا بر تھ ے، ہندو ن میں قومی یکجہتی کی روا ،ص ، ابخش اورینٹل پبلک لا ی، پٹنہ

میڈول ا ا ری شاد،ص - ،بحوا اسلام اور ہندوسانی ثقافت،ص - ۔سید صباح الد عبدالرحمٰن، ہندو ن کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری،ص ،ج ، معارف،اعظم ھ،

سعیداحمد اکبرآ دی، نفستہ المصدوراور ہندو ن کی شرعی حیثیت،ص ،مسلم نیور ،علی ھ،

اسلام اور ہندو نی ثقافت،ص -

ریخ ہندعہد وسطی میں مجموعہ مقالات ،ص - ، ابخش اورینٹل پبلک لا ی، پٹنہ ء

سیدصباح الد عبدالرحمٰن ی مسجد،ص - ، معادف،اعظم ھ، ء

علا سف القرضاوی،اسلام مسلمان اور سلم،ص - ، نیورسل فاؤ یشن، دہلی، ء

ا رٹو، ہندی مسلمان حکمرانوں کے سی اصول،ص ،انجمن قی اردو ہند،علی ھ، ء

خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحا ت،ص وۃ المصنفین، دہلی، ء

ایضا،ص

ہندو ن میں قومی یکجہتی کی رو ت،ص

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص -

امام ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ، قاہرہ، ھ

شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص - ، ادبی دنیا محل، دہلی، ء

ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایت، ص

علاء الدین ابو بکر داکاشانی، بدائع الصنائع، ص ، ج ، مصر، ء

مفتی محمد ظفیر الدین، اسلام کا نظام امن، ص - ، مفتاح العلوم، مئو، ء

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ص - ، ج ، ندوۃ المصنفین، دہلی،

ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ص - ، ج ، ساہتیہ اکیڈمی، دہلی

کتاب الخراج، ص

بدائع الصنائع، ص ، ج

کتاب الخراج، ص

بدائع الصنائع، ص ، ج

ابوالاعلی مودودی، اسلامی حکومتوں میں غیر مسلموں کے حقوق، ص ، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ء

محمد فرید وجدی، المدنیۃ والاسلام، ص ، علی گڑھ، ھ

سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جولائی - ستمبر ء، ص ، ان ہندوؤں کے ساتھ سلطان تغلق کا برتاؤ

مضمون نگار ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ عہد فیروز شاہی میں، ص ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، ص -

مقالات شبلی، ص ، ج

ابوالکلام آزاد، جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد، ص ، مکتبہ ماحول، کراچی، ء

سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص ، معارف، اعظم گڑھ، ء

مقالات شبلی، ص ، ج

ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ء، ص - ، محمد تغلق کا دور حکومت

جامع الحکایات ولامع الروایات، ص ، بحوالہ مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، ص

اے شارٹ ہسٹری، ص - ، ترجمہ اردو مختصر تاریخ ہند، یوسف کوکن عمری، ص -

ٹی۔ ڈبلو۔ آرنلڈ۔ دعوت اسلام، آرنلڈ، ص ، مفید عام، آگرہ، ء

اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، ص -

یارِ غار، لمحاتِ زندگی

از: جناب فروغ احمد قاسمی
استاذ حدیث مدرسہ حسینیہ کاکلم کیرالا

اس فقید المثال کی زندگی کو- جو اس آب گل میں رسول اللہ سے صرف دو ڈھائی سال بعد آنکھیں کھولتی ہے، بچپن سے ہی یارانہ ہوجاتا ہے، فطرت کی سلامتی، وراثتاً بازی کی وجہ سے تجارتی اسفار میں ساتھ رہتا ہے، اور نوزائیدہ اسلامی مملکت کی داغ بیل پڑتی ہے کہ وزیر معتمد، ومشیر خاص ہوتے ہیں- علامہ اقبال نے اس طرح سمیٹ کر رکھ دیا ہے

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

(بانگ درا)

اول مسلمان

جب کہ آپ کی ۳۸ سال تھی، اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، حضرت ابوبکر بغرض تجارت یمن کے سفر پر تھے، لوٹے ہی تھے کہ مکہ کا سردار احباب، ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ، آپ کے گرد گھیرا ڈال دیا، اور نوزائیدہ دین اسلام کی اطلاع دی۔ فوراً ابوبکری، وتجربہ صدیقی سے فائدہ اٹھانا چاہا کہ عبداللہ کے یتیم بیٹے محمد نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، اور ان پر حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے ہیں، اس لیے لوگ بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں، اس فتنے کی روک تھام میں تمہاری اصابت رائے کی ضرورت ہے، اور اگر یہ فتنہ بعجلت تمام دبایا نہ گیا، تو ہمارے آبائی اقدار کا تسلط ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ کے دوست، تجارتی سفروں کے رفیق، اور آپ کی پاکیزہ سیرت واخلاق کے عینی شاہد تھے، اپنی دوراندیشی، ومعاملہ فہمی اور اصابت رائے کی قوت سے حقیقت تک پہنچ گئے، احباب سے فرصت پا کر در رسالت پر پہنچے، وحی ونبوت سے

آپ کی ز ان سے سنا، اور حلقہ ش اسلام ہو گئے ۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آ ہے کہ نبوت ملنے کے بعد حضور آپ کے گھر تشریف لے گئے، اور اسلام کی کش کی، حضرت ا بکر نے بلا چوں و امان ، اسی لیے حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کہا کرتے کہ جس بھی اسلام کیا، کچھ کچھ دد کا اظہار ضرور ، سوائے ا بکر کہ اس نے بلا چوں و اقبول کر ۔

حضرت ا عباس رضی اللہ عنہ سے . چھا گیا تو ا ں نے حضرت حسان کے اس قصیدے کا حوا ، جس میں حضرت حسان نے حضرت ا بکر کی شان میں کہا ہے

إذا تذكّرت شَجْـوًا من أخي قـة		فاذكـر أخاك أبا بكر بما فعلا

والتالي اني المحمـود فشهـدهٗ		وأول النّاس طرّاً صدق الرسلا

و انى نين في الغار المنيف وقد		طاف العدو به إذ صعّد الجبلا

. آپ کو کسی معتمد بھائی کی ی دکرنی ہو تو حضرت ا بکر کے کردار کو ی دکر لیجئے، جو رسول اللہ سے متصل ہیں، دوسرے ہیں، جن کی ت میں موجودگی کی تعریف کی گئی ہے، تمام لوگوں میں سے اول انسان ہیں ں نے رسول اللہ کی تصد کی ہے، غار حرا میں دو میں کے دوسرے ہیں، اور . پہاڑ ھائے تو دشمن نے ان کے ارد د لگا ۔

صد و عتیق

اس فرد آہن میں کبھی جنبش آئی، ابتدار سے انتہار ا ثبات قدمی کا مظاہرہ کیا کہ کبھی تو صد یت کے خطاب سے نوازا گیا، تو کبھی عتیق من النار کا اعزاز بخشا گیا۔

اس سلسلے میں چہ آرار مختلف رہی ہیں کہ آ عتیق وصد کا خطاب، آپ کے م کا ، بنا، لیکن ت تو یہی ہے کہ، یہ اسلامی دور کا اعزاز ہے، جس سے آپ نوازے گئے، ذیل میں ہم ا روایتیں ذکر کرتے ہیں جن سے ہمارے دعوے کو تقو ملتی ہے۔

امام مذی نے حضرت عائشہ سے ا روا نقل کی ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ا روز حضرت ا بکر، حضور کے س تشریف لائے، تو حضور نے فرما أنت عتيق الله من النار فيومئذ سُمی عتیقاً کہ تم اللہ کی جا سے کی آگ سے آزاد ہو، چنانچہ اسی دن سے ان کا م عتیق گیا ۔

ار اور طبرانی نے یہی روایت نقل کی ہے، اور اس میں حضرت عائشہ کے بجائے حضرت عبداللہ بن زبیر ہیں اور آخر میں اتنا اضافہ اور ہے وكان قبل ذلك اسمه عبد الله بن عثمان کہ اس سے پہلے وہ عبداللہ بن عثمان کے نام سے جانے جاتے تھے۔

اسی طرح واقعہ معراج کی جب اطلاع، قریش مکہ کو ہوئی تو فاتحانہ انداز میں مذاق اڑایا، اور سمجھا کہ محمد کو جھٹلانے کا یہ موقع خوب ہاتھ آیا، دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے، اور کہنے لگے دیکھو اب تمہارے دوست محمد نے نیا شوشہ چھوڑا ہے، کہتا ہے کہ راتوں رات بیت المقدس گیا، پھر وہاں سے آسمانی دنیا کا سیر کیا، رب سے مناجات ہوئی، اور پھر واپس بھی آگیا۔

حضرت ابوبکر نے صرف اتنا معلوم کیا کہ کیا واقعی انہوں نے یہی بات کہی ہے تو جب انہوں نے بیک زبان تصدیق کی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اگر وہ کہتے ہیں تو بالکل سچ کہتے ہیں۔ جب رسول اللہ کو معلوم ہوا تو آپ کو صدیق کا لقب دیا۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ابوبکر کا نام صدیق، آسمان سے اترا ہے۔

اب شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا تھا

قبیلہ تیم جس سے آپ کا نسبی تعلق تھا، قریش میں کچھ زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا، اس پر مستزاد یہ کہ ابھی تک یہ قبیلہ اسلام کی دعوت سے آشنا نہ تھا، کہ وقت پر کچھ کام آسکے، نہ آپ کی جسمانی ساخت بھی حضرت عمر وحمزہ رضی اللہ عنہما کی طرح مضبوط تھی کہ بچاؤ کیا جاسکے، لیکن ان سب کے باوجود، دین کے دوررس تقاضوں کو صدیق کی ذات اب کیوں کر کرسکتی تھی، لہٰذا دل میں مکہ کے سرداروں کا خوف آنے دیا جو سارے عرب میں محض اس لیے عزت سمجھے جاتے تھے کہ بیت اللہ کے پیروہت اور متولی ہیں، اور نہ ان کے دشمنانہ رویوں اور طنز و طرز سے آپ کے پائے مبارک میں لغزش آئی، بلکہ اپنی زندگی کا اصل مشن ہی تبلیغ اسلام کو بنایا، اور دین کی اشاعت میں کسی قسم کا رخنہ آنے نہ دیا، خواہ اس سلسلے میں اب کتنا کچھ بھی ہوجائے، لیکن آپ تھے کہ اسلام کی تبلیغ کیے جارہے تھے۔

ایک دفعہ حضور بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں عقبہ بن ابی معیط آگیا، اور آپ کی گردن مبارک میں چادر کا گھیرا ڈال کر بل دینے لگا، حضرت ابوبکر کو جب معلوم ہوا تو

دوڑے آئے، عقبہ کو پکڑ کر دور کیا، اور کہا کہ اے لوگو کیا تم اس شخص کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔

ایک اور موقع پر حضرت ابوبکر نے صحن حرم میں جہاں قریش کا مجمع تھا، علانیہ تبلیغ شروع کی، کافروں نے حضرت ابوبکر کو پکڑا، اور بے تحاشا مارنا شروع کیا، عقبہ بن ربیعہ نے چہرے پر جوتے اتنے مارے کہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ بنو قبیلہ تیم کو معلوم ہوا تو آکر چھڑایا، گھر لے گئے، لیکن حالت نازک ہوگئی جس پر قبیلہ کے لوگوں نے عتبہ کو دھمکی بھی دی، شام تک بے ہوشی ہورہی۔ جب ہوش آیا تو سب سے پہلے حضور کی خیریت معلوم کی، اور اس وقت تک چین نہ آیا۔ جب تک کہ خود آکر حضور سے دار ارقم میں ملاقات نہ کرلی۔

کچھ سعید روحوں کا قبول اسلام

آپ کی کوششیں رائیگاں نہ گئیں، بلکہ رفتہ رفتہ اسلام پھیلنے لگا، اور ایسے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے جو بعد میں چل کر، ان اسلام ہوئے، ان میں آپ کی لوث تبلیغ کا اثر تھا، ان سعید روحوں میں جنہوں نے آپ کی وجہ سے اسلام قبول کیا، ان میں ممتاز حضرات یہ ہیں:

خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت کے بعد چیف ا حضرت عبدالرحمان عوف حضرت طلحہ عبیداللہ حضرت زبیر العوام فاتح قادسیہ حضرت سعد ابی وقاص فاتح شام حضرت ابوعبیدہ الجراح۔

یہ سارے حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں اسلام لائے، اسی لیے اپنے و نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت ابوبکر وہ پہلے شخص ہیں جن کی وجہ سے اسلام کو ملکی معاشرے میں اہمیت وتقویت حاصل ہوئی، پھر حضرت حمزہ وحضرت رضی اللہ عنہما کے اسلام کی وجہ سے استحکام ہوا، محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

> وہ مستشر کہتے ہیں کہ جس ایمان کا مظاہرہ ابوبکر نے کیا، اور جس طرح انہوں نے رسول اللہ کے ہر قول وفعل کی تصدیق کی، وہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ اسلام یقیناً اللہ کی طرف سے ہے، کیوں کہ باطل مذہب، اور ایک جھوٹا شخص کبھی اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ایسا ایمان پیدا نہیں کرسکتا ہے۔

اسلام کی خاطر مالی قر نی

روایتوں میں آ ہے کہ قبول اسلام کے وقت حضرت ا بکر چا ہزار درہموں کے مالک تھے، لیکن ہجرت کے وقت صرف نچ ہزار قی رہ گئے تھے، انھیں ا ں نے را کے چ کے لیے ساتھ رکھ تھا، رے پینتیس ہزار درہم ا بکر نے اسلام کی راہ میں چ کیا۔ ان غلاموں و ں کو آزاد کر جو پہلے سے ہی غلامیت کی وجہ سے عد حالات سے دوچار تھے، قبول اسلام نے، ان کے کافر آقاؤں کو ظالم وجا بنا ، یہ وہ نشہ تھا، جو اذیتوں کی شی کی وجہ سے ا سکتا تھا، حضرت ا بکر نے ان ظالموں کو منہ مانگی قیمتیں دے کر متعدد غلاموں اور ں کو آزاد کر ۔

ان میں مشہور و معروف مؤذن رسول حضرت بلال حبشی، ان کی والدہ حما ، عا ہیرہ، حضرت ا فلیہ، حضرت ز ہ، حضرت ام بس، حضرت یہ، اور ان کی صاحبزادی، اور بنی مؤمل کی لو ی لبینہ یہ ہیں ۔

پھر آزاد کرنے کے بعد کبھی احسان جتل ، ا موقع حضرت بلال سے اذان دینے کے لیے کہا تو حضرت بلال نے جستہ کہا کہ اے ا بکر کیا تم مجھے اپنی خلافت کے زعم میں حکم دے رہے ہو یا پھر وہ احسان جتلا رہے ہو، جو تم نے خطیر رقم چ کر کے مجھے آزاد کر تھا۔ حضرت ا بکر رضی اللہ عنہ نے فرم کہ ان دونوں میں سے کچھ بھی تو حضرت بلال نے درخوا ٹھکرادی۔

ا قحافہ جو حضرت ا بکر کے والد تھے اور اب مسلمان ہوئے تھے، کہا کرتے تھے کہ بیٹا ا ان وروں کے بجائے، مضبوط جوانوں کو آزاد کرواتے تو وہ تمہارے لیے قوت زو بنتے، اور تمہاری پناہی کرتے، حضرت ا بکر نے جواب جان میں تو وہ ا چاہتا ہوں جو اللہ کے یہاں ہے۔ قرآن نے لکل در کہا ہے ۔

وسیجنبها الأتقی الذی یؤتی ماله یتزکی وما لأحد عنده من نعمة تجزی إلا ابتغاء وجه ربه الأعلی ولسوف یرضی.

اور اس سے دور ر جائے گا وہ ی ہیزگار جو کیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے، اس کسی کا کوئی احسان ہے جس کا اسے دینا ہو، وہ تو اپنے رب

کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ اس سے خوش ہوگا۔

مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں

قریش مکہ کے مظالم، صرف غلاموں، اور لونڈیوں تک محدود نہ رہے بلکہ دن بدن دراز ہوتے گئے، آزاد اور باوزن لوگوں کو بھی پریشان کررہی تھیں، آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر آنے والا وقت ایک نئی مصیبت کا پیغام ہوا کرتا تھا، اللہ پاک نے ایسے موقع پر ہجرت حبشہ کا اشارہ دیا، اور مسلمان ایک ایک جو، نرم طبیعت بادشاہ نجاشی کی پناہ میں منتقل ہونے لگے، اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اپنے جرأت ایمانی اور اولو العزم وحوصلہ سے ہوکر مسلسل اسلام میں منہمک تھے، لیکن طرح طرح کی پریشانیوں سے تنگ آکر ہجرت حبشہ کا عزم کرکے نکلے، ”برک الغماد“ تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ، جو کہ مکہ کا کافر اور بااثر ورسوخ شخص شمار ہوتا تھا سے ملاقات ہوگئی، ابن الدغنہ، حضرت ابوبکر کی اصابت رائے، غمخواری خاص وعام سے واقف ہی نہیں متاثر تھا۔ پوچھنے لگا، ابوبکر کہاں کا قصد ہے، حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا کہ میری قوم نے مجھے تکلیفیں پہنچائیں، یہاں تک کہ میرا شہر میرے لیے تنگ کردیا۔ اب اس شہر کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ اس پر ابن الدغنہ اپنی امان میں لے، اور کہا ابوبکر کا جیسا انسان اس شہر سے باہر نہیں جاسکتا، جو مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا ہے۔ غریبوں کے ساتھ خیر خواہی، مفلسوں و ناداروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، ابن الدغنہ ان کو واپس مکہ لایا۔ اور اپنی امان کا اعلان کردیا، لوگوں کی مجلس میں بھی کی۔

قوم اس بات پر راضی ہوئی کہ حضرت ابوبکر اپنے گھر میں ہی قرآن کی تلاوت کیا کریں گے تاکہ قوم کے بچے اور عورتوں کو فتنہ میں نہ ڈال سکیں۔

حضرت ابوبکر نے اپنے صحن ہی میں ایک جگہ تلاوت کے لیے مختص کرلی، لیکن آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب تلاوت فرماتے تو عورتیں اور بچے اپنی چھتوں پر چڑھ کر آپ کی تلاوت سنتے، جس سے وہ متاثر ہوتے جاتے تھے، قوم کو یہ کیوں کر گوارا ہوسکتا تھا، فوراً ابن الدغنہ سے اس کی شکایت کی، ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ یا تو آپ میری امان میں رہیں یا تلاوت اس طرح نہ کریں، جس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں ہے، مجھے میرے اللہ کی امان کافی ہے، ابن الدغنہ نے بھی اس نقض امان کا اعلان قوم میں کردیا، پھر وہی ابتلاء و آزمائش شروع ہوگئی جو برسوں سے چلی آرہی تھی، بلکہ اس میں اور بھی تشدد پیدا ہوتا چلا گیا۔

سفر ہجرت میں یار غار کی رفاقت

سن دس ہجری میں بیک وقت دو دو محسن حضرت رضی اللہ عنہا اور طا کے اٹھ جانے سے رسول اللہ کو جو غم ہ تھا، وہ ہوا۔ اسی لیے یہ سال ''عام الحزن'' کے م سے رنج کی کتا ں میں جا جا ہے۔ پھر یا طائف کے سفر میں جو روا سلوک، طائف والوں نے کیا، جس سے مکہ کے کفار اور بھی ی ہوگئے اور ہر طرح سے نے ہی بلکہ ختم کرنے نعوذ باللہ کی ک کوشش سے بھی یا کیا، لیکن اللہ ک نے اس کا انتظام پہلے سے ہی کر ر تھا۔ یثرب والوں نے اپنے یہاں آنے کی دعوت ہی دی بلکہ ہر طرح کی حفاظت کی ذ داری بھی لی، چنانچہ محرم نبوی سے ہجرت شروع ہوئی، اور دو مہینے میں دو سو خا ان کے قری یثرب پہنچ گئے۔ صرف ور قسم کے لوگ ہی بچے تھے۔ یا پھر در رسا ، اور خا ان رسا کے لوگ مصلحتاً گئے تھے۔ حضرت ا بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت طلب کی تھی، لیکن ان کو یہ کہہ کر روک یا گیا تھا کہ ہوسکتا ہے کوئی اچھا ساتھی مل جائے، حضرت ا بکر نے اشارہ سمجھ تھا۔ اسلئے اسی وقت سے تیا یاں شروع کردی تھیں۔ دو اچھی سی سوا یاں بھی یا لی تھیں، اور خوب کھلا پلا کر فر بھی کر تھا۔ لآ کے اوا میں حضور اکرم کو بھی ہجرت کا حکم مل گیا، ادھر حضور کا معمول تھا کہ روز صبح و شام حضرت ا بکر سے ملنے ان کے گھر تشریف لے جاتے، حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ا روز خلاف معمول، سر کپڑا ڈالے ہوئے دو پہر میں تشریف لائے، اور میں حضرت ا بکر سے اپنے ارادے کا اظہار کیا کہ آج رات ہجرت کے لیے نکلنا ہے اور رفاقت تمہاری ہی رہے گی۔ حضرت ا بکر تو اچھل ے، دوسری طرف دارالندوہ کے ابلیسی مشورے کی خبر رسول اللہ کو اشارۂ غیبی سے ہوچکی تھی۔ اس لیے حضرت علی کو آج رات بستر سونے کا حکم یا اور تہائی رات کے بعد کفار کے مجمع جو گھیرا ڈالے، در رسا کے ارد داس لیے بیٹھے تھے کہ صبح ہوتے ہی اجتماعی حملہ کرکے ہمیشہ کے لیے اسلام کا قصہ تمام کر یا جائے۔ رسول اللہ ان شاہت الوجوہ ھتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے ہر نکل گئے، اور حضرت ا بکر کے گھر پہنچے، حضرت ا بکر سر انتظار بیٹھے تھے، جلدی میں سامان تیار کیا، توشہ دان کے لیے کچھ تو حضرت اسماء نے اپنا پٹکا چاک کرکے ھا اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے ذات ا طا کے م سے مشہور ہوگئیں حضرت ا بکر نے قی ما ہ ہزار درہم لیے، عقبی کی سے دونوں رفیق نکلے، شہر سے

چار میل دور غار ثور میں ای دوروز کے لیے چھپ گئے، اس دوران حضرت ا بکر کے صاحبزادے حضرت عبداللہ، قریش کی تمام نقل وحر پہنچاتے رہے، جواں سال صاحبزادی حضرت اسماء تمام خطرات کو ا کر کے پہنچای کرتی، اور غلام عا فہیرہ بکر اں کو انے اسی طرح لے آتے ضرورت کے مطا دودھ وگوش پلاتے اور کھلاتے، اس طرح حضرت ا بکر کا را گھرا ہجرت کے عمل میں شری اور جو شری مثلاً عبدالرحمان ا بکر جو ابھی کفر کی گندگی میں ملوث تھے ا اں نے بھی اس راز کو لکل فاش کیا۔

آنسو بہہ نکلے

یہ دونفری قافلہ، غار ثور پہنچا، حضرت ا بکر نے روایتوں کے مطا آپ کو اپنے ھے اٹھا کہ قدم مبارک کے نشان آنے ئے مبادا قدم شناشی سے پکڑے جائیں۔ غار کے نے پہنچے، رسول اللہ کو تھوڑی دی کے لیے وہیں روک دی، خود ا تشریف لے گئے، غار کو خوب اچھی طرح صاف کیا، کچھ سوراخ تھے، جس سے زہریلے جانور سے خطرہ تھا، ان بھوں کو اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا، پھر حضور کو آواز دی، حضور ا تشریف لے گئے۔ چار میل کا سفر وہ بھی پہاڑی سفر، ادشوار ار ۔ زانوئے صدیقی سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں ای سوراخ نظر آی۔ حضرت ا بکر نے اپنا انگوٹھا ہی اس رکھ دی، ای روای کے مطا کسی زہریلے سا نے آپ کو ڈس ، کی شدت ھتی جا رہی تھی، لیکن اس وقت، ماضی حال، مستقبل کی سے عظیم آپ کے زانو سر رکھے ہوئی تھی، حر کرنے کی بھی زحمت کی، لیکن شدت کی ب لاکر، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور آپ کے رخ انور اس کے بعض حصے ے، جس سے آپ کی آنکھ کھلی، حضرت ا بکر کو آ یہ دیکھ کر وجہ دری فت کی۔ حضرت ا بکر نے ساری تفصیلات بتائی، تو حضور نے لعاب دہن اس ڈسے ہوئے مقام لگا دی، جس سے جاتی رہی۔

کھسیانی بلی کھمبا نوچے

ادھر بختوں کی نے، . صبح کی، اور حضور کے بجائے، حضرت علی کو بستر رسا سے دار ہوتے ہوئے دیکھا، تو دماغ نے ، جھلاہٹ کی حا میں کچھ بھی سمجھ میں آ تھا کہ کیا جائے، کبھی تو حضرت علی سے سختی سے چھ رہے تھے، لیکن حضرت علی

کیوں کر کچھ بتا سکتے تھے، یہاں سے ما ہی ہوئی تو سیدھا حضرت ا بکر کے گھر پہنچے، ں بھی گھر کو خالی دیکھ کر یقین ہوگیا کہ یہ دونوں نکل چکے ہیں، حضرت اسماء سے چھا، جس حضرت اسماء نے لاعلمی کا اظہار کیا، تو بخت و طن ا نے ای ا نچہ مارا جس سے کان زخمی ہوگیا اور لی دور ی، حضرت اسماء نے کچھ بتا ۔

ہر طرح سے ما ہی رہی تو کفار نے اعلان کر ی کہ جو ز ی دہ پکڑ کر لائے گا اسے نقد سواو انعام ی جائے گا۔

غارِ ثور اور تلاشی مہم

کفار کی جا سے تلاشی مہم جاری رہی، جوں جوں وقت ر جا تھا۔ انعام کا حریص اور بھی شدت ا ر گیا، ا تھا کہ وہ لوگ اسی کے لیے ادھار بیٹھے تھے، ٹ یں، جھاڑ یں، پہاڑ یں غرض کہ ہر چھان ماری، لیکن کہیں سراغ لگا، ای تبہ تو غارِ ثور کے منہ آگئے، قری تھا کہ ا وہ ا ر کو جھا لیتے تو یہ دونوں مقدس ہستیاں نظر آجا ، حضرت ا بکر کو تشویش ہوئی اور تشویش ہونی ہی چاہیے، ان کو فکر اپنی جان کی بلکہ خلاصۂ کائنات کی تھی، ا ں نے اپنی تشویش کا اظہار چپکے سے، حضور سے بھی کیا، حضور نے فر ی کہ اے ا بکر لاتحزن إن الله معنا غم کی حا ہے، اللہ کی معیت ہمارے لیے ہے۔ یہ تھا کہ حضرت ا بکر کو یت زل ہوگئی۔ ای بخت ا ر گھسنے کا ارادہ بھی کر تھا، بعض نشانیوں کو دیکھ کر خود بھی ز ، اور اوروں کو زر ۔

قرآن ک نے اسی واقعہ کو "ثانی اثنین" کے لفظ سے ذکر کیا ہے، اور اس طرح حضرت ا بکر کو دو میں کا دوسرا کہہ کر جاودانی عظمت و شرف سے سرفراز کیا ہے۔ آج کروڑوں کی تعداد میں مسلمان تلاوت کرتے ہیں، اور وہیں إن الله معنا کا حوا بھی ھتے ہیں۔ غارِ ثور کے اسی واقعہ، اور رفاقت و جاں نثاری کو اردو و فارسی میں "یارِ غار" کے لقب سے جا جا ہے، جس کا مطلب یہی ہے کہ انتہائی جاں نثار، اور مشکل وقت میں کام آنے والا دو ۔

غارِ ثور سے روانگی

دنوں غارِ ثور میں قیام کرنے کے بعد، حضرت عبداللہ ا بکر نے ا ع دی کہ اب تھک ر کر بیٹھ گئے ہیں۔ حضرت ا بکر نے پہلے سے تیار کی ہوئی دونوں سوار یاں

منگوائیں، ایک حضور کی خدمت میں پیش کی، اور ایک پر خود سوار ہوئے، ساتھ میں حضرت عبداللہ، وحضرت عامر بن فہیرہ کو لیا اور راستہ کی رہنمائی کے لیے ایک کافر لیکن قابل اعتماد شخص عبداللہ بن اریقط کو لیا اور مقدس ومختصر قافلہ مدینے کے لیے روانہ ہوا، راستہ بھر کی کیفیت عجیب رہی، جب بھی کسی خطرے کا احساس ہوا، جدھر سے ہوا ادھر ہی حضرت ابوبکر ہو جاتے ہیں کہ مبادا کوئی خطرہ لاحق ہو تو اس کا شکار اولاً ابوبکر ہوں، پورے ایک دن ورات سفر کرنے کے بعد یہ قافلہ ایک درخت کے سایے تلے رکا۔ حضرت ابوبکر نے اپنی چادر، اس درخت کے نیچے بچھائی تاکہ رسول اللہ آرام فرماویں، خود نگہبانی میں لگے رہے۔ قریب ہی کچھ بکریاں چر رہی تھیں، جا کر دودھ دوہا، پھر تیار کر کے حضور کے پاس لائے تاکہ حضور نوش فرمالیں۔

آپ کے اس جذبہ جاں نثاری کو دیکھ، عبداللہ بن اریقط بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس طرح یہ قافلہ تمام خطرات سے گزرتے ہوئے، یکم ربیع الاول نبوی مطابق ستمبر ء کو مدینہ کے مضافاتی محلات میں پہنچا۔

خادم و مخدوم میں فرق

اہل یثرب کو پتا چل چکا تھا، اس لیے سراپا انتظار بنے ہوئے تھے، لیکن ان میں اکثریت ان حضرات کی تھی، جنہوں نے حضور پر نور کو کبھی بھی نہ دیکھا تھا۔ حضرت ابوبکر نے اپنی چادر حضور کے سر مبارک پر دراز کر دی تاکہ سایہ بھی ہو جائے، اور خادم و مخدوم میں فرق بھی ہو جائے۔ اس طرح حضرت ابوبکر کا سارا گھرانا اس ہجرت میں شریک رہا، جو اسلام و مسلمانوں کے لیے ایک انقلاب آفریں اقدام تھا، جس سے مسلمانوں کی عظمت وتفوق کی تصدیق ثابت ہوئی۔

مدنی زندگی

مقام سنخ میں قیام

مدینہ پہنچ کر اولین ضرورت اس بات کی تھی کہ مہاجرین باشندگان مکہ، وانصار باشندگان یثرب کے مابین ارتباط کامل پیدا کی جائے تاکہ ایک دوسرے میں ضم ہو کر، ایک صالح معاشرہ کی داغ بیل پڑ سکے، رسول اللہ نے مواخات کے ذریعہ اس رشتہ کو باہمی کو استوار کیا، اور ایسا جذبہ باہم پیدا کیا کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال نہ مل سکی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مواخات قبیلہ خزرج کے ایک سرکردہ مسلمان سے ہوئی جس کا نام خارجہ بن زید بن زہیر بن زید بن خارجہ علی اختلاف القولین ہے۔ حضرت ابوبکر کے یہ مواخاتی بھائی، مدینہ کی مضافاتی بستی مقام ''سُنح'' میں رہتے تھے، طبائع کی ہم رنگی اور دینی جذبہ کا انجذاب اس طرح رنگ لایا کہ اس انصاری بھائی نے اپنی بیٹی کی شادی - جن کا نام تو حبیبہ تھا لیکن ملیکہ - حضرت ابوبکر سے کر دی، جن سے حضرت ام کلثوم پیدا ہوئی، حضرت ابوبکر نے اپنی رہائش وہیں مقام ''سُنح'' میں بنالی تھی، جب مسجد نبوی کے ارد گرد کے پلاٹ مخصوص صحابہ میں تقسیم ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حصے میں بھی ایک پلاٹ آیا، جس میں حضرت نے مکان تعمیر کروا کر، مکہ کے اہل وعیال کو وہیں رکھا، لیکن خود حضرت کے وصال تک مقام ''سُنح'' میں مستقل قیام پذیر رہے، وصال نبوی کے بعد جب خلافت کی ذمہ داری آئی، اور مقام سُنح میں رہ کر امور خلافت میں کوتاہی ہونے لگی تو پھر مدینہ مسجد نبوی والے مکان میں منتقل ہوگئے۔ البتہ ہفتہ میں جمعرات کو مقام ''سُنح'' جایا کرتے تھے۔

صالح معاشرہ کے قیام میں حضرت ابوبکر کا حصہ

مقام ''سُنح'' میں رہنے کے باوجود، حضور کے ہم دم ساتھ رہے، اور حضور کی توجہ جن اہم مسائل پر ہوتی ان میں برابر شریک رہے، بلکہ آپ ہی معتمد خاص اور وزیر خاص تھے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں اور وہ جبرئیل ومیکائیل ہیں۔ اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہیں اور وہ ابوبکر وعمر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ تجارت جو ابوبکر مکہ میں کیا کرتے تھے، جس کی خاطر انہوں نے یمن وشام کا بھی سفر کیا تھا، مدینہ میں قدرے سکون ہونے کے بعد شروع کردی، لیکن کبھی باہر کا سفر نہ ہوسکا، اور جو تجارتی خوش حالی مکہ میں حاصل تھی، مدینہ میں بالکل نہ رہی، بلکہ معقول گزربسر کے لیے کمایا کرتے تھے باقی اوقات صالح معاشرہ کے قیام واستحکام کے لیے حضور کے شانہ بشانہ رہتے، بلکہ ہمیشہ گوش برآواز رہتے کہ زبان نبوت سے کوئی حکم صادر ہو اور اس کی تعمیل میں لگ جایا جائے۔

قریش مکہ کی بوکھلاہٹ

قریش مکہ بھی پل پل کی خبر سے واقف تھے۔ آپ کے ہجرت پر غم وغصہ سے کھولے

ہوتے جارہے تھے، اور جس روحانی، اخلاقی، ومعاشرتی نظام کے قیام سے خائف تھے۔ اب مدینہ کی سرزمین میں اس مبارک انقلاب کا آفتاب طلوع ہو چکا تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ مدینہ کے و انے شندے ای دوسرے میں ا ب ہو چکے ہیں کہ کوئی امتیاز قی ا۔ انصار مدینہ نے ایثار کا ا ب کیا ہے کہ اپنا آدھا آدھا سرمایہ کرنے سے بھی در ۔ ان ب کے علاوہ ان کو ب سے ز دہ خطرہ شامی تجارت کو تھا، کیوں کہ ان کا یہ قافلہ مدینہ سے قری ہی ہو کر ا ہے، ا خطرہ تھا کہ اب مسلمان ان کے اس قافلہ کو روکیں گے، سامانوں کو لوٹیں گے۔ دوں کو قیدی و غلام بنائیں گے، اسی کھلاہٹ میں وہ مسلسل دھمکیاں بھیجنے لگے کہ اے یہود مدینہ ا تم نے ا ں سے نکالا، تو ہم ای ز د فوج لے کر آئیں گے، اور تم کو نیست و دکرد گے۔

قریش مکہ کی ب ھائی، اور حضرت ا بکر کی ائت ایمانی

قریش نے ان دھمکیوں کے ساتھ، وا تیا یں بھی شروع کردی تھیں، اس کے لیے ا ں نے ای مخصوص کیا تھا، جس کے لیے ا ں نے ای تجارتی قافلہ ا سفیان کی سرکردگی میں روا کیا تھا کہ اس کے تمام منافع کو اس میں جمع کیا جاسکے، ا سفیان کا یہ قافلہ بھی خوب منافع حاصل کر کے وا آ تھا، جس کو رو کے لیے، مسلمانوں کی مٹھی بھر نکلی تھی، لیکن یہ قافلہ نکلا، قریش کو اس کی خوش خبری مل بھی چکی تھی، لیکن وہ ای ہزار فوجی د ں کے ساتھ چلے آرہے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجاد ، رسول اللہ نے سوا و صحا کو لیے ہوئے، جس میں صرف دو گھوڑے، نتر سوار تھے، ر رمضان ہجری کو ان کے مقابلے کے لیے صف آرا ہوئے۔ ر رمضان المبارک کو قدسیوں کا یہ قافلہ ر کے مقام خیمہ زن ہوا، یہ نہتے ضرور تھے، دل مضبوط و مطمئن رکھتے تھے۔ ا ساز و سامان سے ز دہ اپنے اللہ بھروسہ تھا، جو لڑا کر تو غازی بنا ہے دن کٹوا کر شہیدوں کی فہر میں درج کر ہے۔ دونوں مقام عالی ہیں۔

صحا نے حضور کے لیے ای ٹیلے عریش سائبان بن ، اور اتفاق رائے سے حضرت ا بکر کو حضور کا رڈی گارڈ مقرر کیا، کس قدر زک موقع تھا، د ں کی تعداد کیل کانٹے سے تھی، ہر وقت حملے کا خطرہ ہی موت کا ا تھا، لیکن حضرت ا بکر ہی غار ثور کے مشکل مقام

بھی دو میں کے دوسرے تھے۔ آج □ر کی پہلی لڑائی - جس نے کفر کی □توڑ کر رکھ دی، اور مسلمانوں کار □سارے عالم□بٹھا□ی - میں بھی دو میں کے دوسرے تھے۔

رسول اللہ □ حملے سے پہلے والی رات میں سر□ □وانکسار □کر□تھ □ئے دعائیں کررہے تھے کہ□ری تعالیٰ□یہ مٹھی بھر □ □ا□آج فوت ہوگئی تو پھر اس روئے زمین □تیری عبادت کرنے والا کوئی □ہوگا، الٰہی اپنا وعدۂ مدد□را فرمائیے۔

روایتوں میں آ□ ہے کہ حضور □ نے اس قدر الحاح وزاری کیا کہ کئی □تبہ چادر مبارک □ن سے نیچے □گئی، حضرت ا□بکر □راس کو □ھے □ڈالتے رہے۔ آ□ میں حضرت ا□بکر نے کہا کہ□ی رسول اللہ□ میرے ماں□پ آپ □قر□ن ہوں، اس قدر دعا ر کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے وہ □را ہو کر رہے گا۔□□□

حضرت ا□بکر کی اس □ارش میں ا □ کیفیت تھی کہ حضور نے وہیں □دعا ر ختم کردی اگلے روز □ صف بندی ہوئی تو حضرت ا□بکر کو میمنہ کا سردار مقرر کیا۔

بیٹے □تلوار چلانے میں کوئی ہچکچاہٹ □

جنگ شروع ہونے سے پہلے د □ر کے مطا □، کفار کی جا □ سے حضرت ا□بکر کے صاحبزادے، عبدالرحمان □ا□بکر- جواب□ □مسلمان □ ہوئے تھے، نکلے اور مبارزت طلب کی، حضرت ا□بکر آگے □ھے لیکن حضور □ نے اجازت □دی، اور فر□ی کہ تلوار□م میں رکھ لو۔

حضرت عبدالرحمٰن نے مسلمان ہونے کے بعد ا□ دفعہ حضرت ا□بکر سے ذکر کیا کہ□ □ جان□غزوۂ □ر میں ا□ □تبہ آپ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے، لیکن میں نے اپنا□تھ روک □۔ حضرت ا□بکر نے کہا کہ بیٹے ا□تو میری تلوار کی زد میں آگیا ہو□ تو میں تیری □دن اڑائے □ □رہ سکتا تھا۔

اسیران قریش کو□ کرد□ جائے□ □ن نبوت کی رائے

اللہ□ک نے غزوۂ □ر کے ذر □ اسلام کو وہ شو□ دی کہ پھر کفر □اُت کے ساتھ سر □ ابھار سکا۔ اس غزوہ میں جس □جگری سے صحا□کی قلیل تعداد نے لڑائی لڑی تھی، کہ اسیران قریش جن کی تعدا□ □تھی، خوفزدہ تھے، ا□ں نے حضرت □ □الخطاب کو اپنے ماموں عاص □ وائل کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت ا□عبیدہ کو اپنے □پ □تلوار چلاتے ہوئے اور حضرت ا□بکر کو

اپنے بیٹے کے مقابلے میں مبازرت کے لیے آتے دیکھا تھا۔اس لیے انھیں یقین تھا کہ انھیں کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیا جائے گا،حضور نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کیا کہ کیا جائے، حضرت عمر تو اس پر مصر رہے کہ ان سب کو قتل کردیا جائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حلیم الطبع ذات تھی، جو کہہ رہے تھے کہ آخر یہ بھی تو ہمارے ہی بھائی ہیں۔یا رسول اللہ ان کو رہا کیا جائے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے،خود حضور بھی انتقامی کارروائی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر حضرت ابوبکر ہی کے مشورے پر فیصلہ ہوا کہ جو پڑھنا لکھنا جانتے ہیں وہ دس دس خواندہ مسلمان کو تعلیم دے کر رہا ہوں،اور جو خواندہ نہیں وہ فدیہ دے کر رہائی حاصل کرے۔

غزوۂ احد وحنین میں جواں مردی

یہ دو غزوے وہ ہیں جن میں ظاہری طور پر مسلمانوں کو اپنی بعض غلطی یا عجلت پسندی کی وجہ سے ہزیمت وقتی ہوئی ہی لا حواسی اپنا خیال رہا اور نہ ہی رسول اللہ کا،لیکن ان دونوں غزووں میں ہم حضرت ابوبکر کو اس طرح پاتے ہیں کہ رسول اللہ کی ذات مقدس سے چمٹے ہوئے ہیں کہ مبادا کفار کی یلغار سے رسول اللہ کو زک پہنچے۔

غزوۂ احد کے موقع پر حضور ایک گڈھے میں گر گئے،تو سب سے پہلے اس گڈھے تک پہنچنے والے حضرت ابوبکر ہی تھے۔ جب احد سے کفار چلے گئے اور مسلمان زخموں سے چور چور تھے، کسی میں اٹھنے کی تاب نہ تھی،لیکن کفار کے تعاقب میں جانا ضروری سمجھا گیا،تو حضرت ابوبکر وزبیر وغیرہ صحابہ نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا، جس تعاقب کی وجہ سے امیر کفار ابوسفیان کو پلٹنے کا خیال بھی آیا تھا، نہ پلٹ سکا۔

اسی طرح غزوۂ حنین میں. جب مسلمانوں کے قدم اولاً اکھڑ گئے تو جن حضرات نے ثبات قدمی اور انتہائی عزم وحوصلہ جواں کا ثبوت دیا ان میں حضرت ابوبکر کی ذات بھی تھی۔ طبقات ابن سعد میں ہے وثبت معه يومئذ (يوم حنين) العباس بن عبدالمطلب وعلى بن أبي طالب والفضل بن عباس وأبوسفيان بن الحارث بن عبدالمطلب و ربيعة بن الحارث وأبوبكر وعمر وأسامة وزيد في اناس من اهل بيته وأصحابه.

اور جب کفار حنین سے بھاگے،اور قلع طائف میں محصور ہوئے،تو ان کا تعاقب خود نے کیا اس میں بھی حضرت ابوبکر،حضور کے ساتھ رہے۔

□ حدیبیہ میں عروہ کو کڑا سا جواب

□ حدیبیہ□□ ھ□ جس کو قرآن □ ک میں فتح مبین کہا گیا ہے۔ جس میں حضرت عثمان □ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر حضور نے مکہ □ تھا لیکن ان کو اہل مکہ نے روک □ تھا، اور اس طرح ان کی شہادت کی خبر پھیل گئی۔ حضور □ نے ا□ در□ □ کے نیچے بیٹھ کر، موت □ بیعت لی تھی□ □ بیعت رضوان کہا جا□ ہے، اور قرآن نے ان تمام صحا□ کو □ اں نے بیعت رضوان کیا، خوشنودی کی سرٹیفکیٹ د□ ہے۔ □ قریش کو یہ خبر پہنچی تو ان کے دماغ بھی □ نے لگے، اور □ □ پیامی کرنے لگے، عروہ □ □ د ثقفی جو ا□ مد□ شخص تھے اور اب □ دامن اسلام سے وابستہ □ ہوئے تھے، کفار کی جا □ سے شرائط □ طے کرنے کے لیے آئے اور اپنی جنگی تیا□ یں □ ھا □ ھا کر بیان کی □ کہ مسلمان دب کر □ کر □ □ ان کا ر □ مسلمانوں □ بیٹھ جائے۔ حضرت ا□ بکر ساری □ ت بہت غور سے سن رہے تھے۔ ان سے □ دا □ □ ہو سکا اور عروہ کو کڑا سا جواب د□ "امصص بظر اللات" کہ لات □ کی شرمگاہ چاٹ، کیا تو □ ہے کہ ہم رسول اللہ □ کی مدد چھوڑ د□ گے۔

عروہ نے □ چھا یہ کون ہے، حضور نے فر□ کہ ا□ بکر، تو عروہ نے کہا کہ اگر ا□ بکر کے احسا□ ت مجھ □ □ ہوتے تو میں اس کا جواب دیتا۔□□□

حضور کی رکاب تھام لو

□ حدیبیہ جو بظاہر دب کر ہوئی، صحا□ ہر □ تیار □ تھے، لیکن حضور □ نے وحی الٰہی کی بنا □ یہ □ کی تھی۔ حضرت □ سے بھی □ □ گیا، آ□ حضور سے سوال و جواب بھی کیا، جس کا ز□ گی بھرا □ افسوس ر□۔ حضرت □ نے حضرت ا□ بکر کے □ س بھی جا کر عدم اطمینان کا اظہار کیا، لیکن ا□ بکر تو نبوت کے رمز شناس تھے مقام صد□ یت □ فا□ تھے، اور حضور کے ہر قول و فعل □ □□ ا وصدّقنا کہنا اپنے لیے مایۂ افتخار سمجھتے تھے، ا□ اں نے حضرت □ سے کہا کہ □ حضور کی رکاب تھام لو، آپ نے جو کچھ کیا ہے، وہ اللہ کے حکم سے کیا ہے، د□ و مسلمانوں کے فا□ ے کے لیے کیا ہے۔□□□

ا□ کا یہاں آ□ منا □ تھا

فتح مکہ کے موقع □ جس میں ہزاروں قدسیوں کا قافلہ، مکہ میں فاتحا□ دا□ ہو□ تھا، حضور

□ کے ساتھ ا□بکر بھی ا□ حصے کے علم □دار تھے، عام معافی کا دن تھا، کفار مکہ حضور □ اور مسلمانوں کے □□یں حسن سلوک کو دیکھ کر اسلام سے متا□ ہوئے □□رہ سکے، چنانچہ مسلمان ہونے کا□ نتا بندھ گیا۔ عثمان ا□قحافہ جو حضرت ا□بکر کے والد ہوتے تھے، ابھی □ مسلمان بھی □ ہوئے تھے، بینائی بھی جاتی رہی تھی، حضرت ا□بکر ان کو پکڑے ہوئے دررسا□ میں پہنچے اور کلمہ □ھانے کی درخوا□ کی، تو حضور نے فر□یا کہ ا□بکر□ ان کو آنے کی کیا ضرورت تھی مجھے خبر کردیتے، میں ہی ان کی □مت□ میں حاضر ہوجا□۔ اور وہیں کلمہ □ھوادیتا، لیکن حضرت ا□بکر نے فر□یا کہ □، اے اللہ کے رسول□ ا□ کا یہاں آ□ منا□ تھا۔ ا□قحافہ مسلمان ہوئے اور حضرت □ کی خلافت □ □ حیات رہے۔□

□ اور رسول کا□م چھوڑ آ□ ہوں

اس طرح اسلامی مملکت پھیلتی گئی، لیکن □ھ ر□ میں، سرحد کے شمال کی جا□ سے تشویش □ک خبر □ موصول ہونے □، کہ □زنطینی□ دشاہ ہرقل، مسلمانوں □ حملہ آور ہونے والا ہے، ادھر شدی□□می، بلکہ ہو کا عالم ہے۔ صحا□ □سروسامانی کے عالم میں ہیں۔ ابھی تو مختلف جنگوں سے فارغ ہوئے ہیں، جس میں جسم کا ا□ □ ٹوٹ ر□ ہے، ابھی □ سے ز□دہ ضرورت تجارت و معیشت کی بحالی کی تھی، لیکن اسی عالم میں ا□ منادی مسجد نبوی سے اعلان کر□ ہے کہ □ لوگو□ د□ں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور جو بھی نقد ا□ثہ ہو جہادی □ میں جمع کردو، لوگوں نے تمام ضرورتوں کو□ لائے طاق رکھ کر، اپنی اپنی بساط کے مطا□ مال و اسباب جمع کرنے شروع کیے۔ حضرت عثمان □ رضی اللہ عنہ نے فوج کے ا□ ثلث کا□را□چ اپنے ذمے □، □ ا□ ہزار او□ □ گھوڑے، اور ا□ ہزار □ئی دینار نقد □ کیے، حضرت □ □ الخطاب کے □س بھی اس موقع □ □معمولی اسباب تھے، □ کا نصف لا کر حضور کی □مت□ میں □ کر□یا، اور اس طرح ا□ گو□ اطمینان محسوس کیا کہ آج اپنے ساتھیوں سے □ لے جائیں گے، لیکن دوسرے ا□ نحیف و □ور صحا□ دور سے اپنے سارے سامان لادے ہوئے آرہے ہیں، حضور در□فت فرماتے ہیں کہ اہل و عیال کے لیے کتنا چھوڑا ہے، انتہائی سادگی سے فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کا□م چھوڑ آ□ ہوں۔ وہ صحا□ حضرت ا□بکر صد□ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔□

علا□ اقبال نے اسی واقعہ کو اپنی مو□نظم میں اس طرح □□ی ہے۔

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا — جس سے بنائے عشق ومحبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت — ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار

ملک یمین ودرہم ودینار ورخت وجنس — اسپ قمر، سم و شتر وقاطر وحمار

بولے حضور چاہیے فکر عیال بھی — کہنے لگا وہ عشق ومحبت کا راز دار

اے تجھ سے دیدۂ مہ وانجم فروغ گیر — اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

پہلا امیر حج

ہجری کو عام الوفود بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اب اسلام کا غلغلہ ہو چکا ہے اور لوگوں کا ایک تانتا ہے، جو وفود کی شکل میں مدینہ آ رہے ہیں۔ پھر د اسلام سے روشناس ہو کر حلقہ اسلام سے وابستہ ہو رہے ہیں۔ اسی سن میں حج فرض ہوا، تو حضور نے امیر حج کے لیے ابو بکر کا انتخاب کیا اور سو صحابہ امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا۔ مسلمانوں نے آپ کی امارت میں آزادانہ طور مناسک حج ادا کیے۔

آنکھوں سے اشک رواں

پھر آئندہ سال ہجری میں اعلان عام ہوا کہ رسول اللہ بنفس حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں، اس لیے لوگوں کا ایک انبوہ بعض روایتوں کے مطابق ایک لاکھ سے زائد کا مجمع مکہ میں جمع ہوا۔ رسول اللہ کا یہ آخری حج تھا، اس لیے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ حضور نے اس موقع پر کئی وقیع خطبے دیے، جن میں د تمام اہم اصولوں کو کھول کھول کر بیان کیے، اسی موقع الیوم اَکْمَلْتُ لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً نازل ہوئی حضور نے لوگوں کو اس آیت کی خوش خبری دی، لوگ خوش بھی ہوئے، لیکن بندۂ ابو بکر تھا، جو پھوٹ پھوٹ کر روئے جا رہا تھا، ساتھیوں کو تعجب بھی ہو رہا تھا کہ ابھی تو اشک رواں کا کوئی موقع لیکن وہ تو صدیقیت کے مقام پر فائز تھا۔ سمجھ رہا تھا کہ د کی تکمیل کے بعد اب رسول کی اس دار فانی میں کیا ضرورت ہے۔ اب اللہ پاک اپنے پاس بلانے والا ہے۔

□ض وفات اور □ہ نماز کی امامت

. □ د □ کی تکمیل ہوگئی، تو نبی کا کام □را ہو چکا ہے، کچھ اشارہ غیبی سے بھی اس طرف متنبہ کر□□ گیا، اس لیے آپ نے بھی ساری تیار□ں مکمل کرلی، □□□□ / □ کو جنت □ قیع تشریف لے گئے، مدفو □ کے لیے د□ □ دعائے مغفرت کی، وا □ □ طبیعت □ ساز ہوگئی، ابتدائی دنوں میں آپ □ خود تشریف لاتے اور نماز □ ھاتے، لیکن . □ نقاہت ز□ دہ ہوگئی، تو حضرت ا□ بکر کو حکم د□ کہ وہ نماز □ ھائیں، ہر چند کہ حضرت ا□ بکر رقیق القلب تھے ان سے رسول اللہ کی موجودگی میں □ اہ□ دشوار تھا۔ حضرت عائشہ و □ رضی اللہ عنہا بھی مصر تھیں کہ حضرت □ کو حکم د□ جائے، لیکن رسول اللہ □ نے سختی سے حکم د□ کہ ا□ بکر نماز □ ھائیں، اس طرح آپ کی ز□گی میں ہی، رحلت سے قبل □ □□□ نمازوں کی امامت حضرت ا□ بکر رضی اللہ عنہ نے کی۔□□□

□ دریچے بند کر دیے جائیں سوائے ا□ دریچے کے

□ کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مسجد نبوی کے ارد□ د□ ئشی پلاٹ سے حضرت ا□ بکر کو بھی ا□ حصہ □ تھا، جس میں ا□ ں نے ا□ مکان بنو□ تھا، اس کی ا□ □ کی مسجد کی جا □ کھلتی تھی۔ حضور □ نے دوران □ض ا□ روز افاقہ محسوس کیا تو مسجد تشریف لائے، اور منبر □ تشریف رکھ کر فرمانے لگے کہ اللہ □ ک نے ا□ بندے کو □ □ رد□ کہ وہ چاہے تو د□ کو □ □ رکر □ □ پھر آ□ □ ت کو □ جیح دے، چنانچہ اس بندۂ □ انے آ□ □ ت کو □ جیح د□ ۔ یہ سن کر مجمع میں سے حضرت ا□ بکر کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو ابلنے لگے، حضور نے فر□ □ کہ ا□ بکر □ صبر سے کام لو، پھر فر□ □ کہ □ دریچے بند کر دیئے جائیں صرف ا□ بکر کا دریچہ کھلا رہے گا، پھر حضرت ا□ بکر کے احس□ ت حضور نے گنوائے۔□□□

□ بیٹھ جاؤ

حضرت ا□ بکر کے ذمے ا□ تو نماز کی امامت کی ذ □ داری آئی، دوسرے حضور □ کی علا □ کی وجہ سے وہ اپنے گھر - جو مقام ''□ نح'' میں تھا - □ جا سکے، ا□ روز صبح کی نماز کے بعد حضور سے اجازت لے کر ''□ نح'' چلے گئے، اتنے میں حضور کا وصال ہوگیا۔ یہ خبر آگ کی طرح

، حضرت ابوبکر دوڑے ہوئے تشریف لائے، مسجد نبوی پہنچے تو دیکھا کہ صحابہ بدحواس ہیں، حضرت عمر ننگی تلوار لیے کھڑے ہیں، اور اعلان کر رہے ہیں کہ جو کوئی کہے گا کہ محمد کی وفات ہوگئی ہے، اس کی گردن تن سے اڑادوں گا۔ حضرت ابوبکر اولاً حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے، رخ انور سے چادر ہٹائی، پیشانی کو بوسہ دیا اور طِبْتَ حيًا ميتًا کہتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمر ابھی تک لوگوں کو دھمکار ہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ عمر بیٹھ جاؤ، حضرت عمر بیٹھے، بڑا ہی نازک وقت تھا، کسی کے حواس ٹھکانے نہ تھے۔ حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور تقریر شروع کی کہ اے لوگو! تم میں سے جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا، وہ سن لے کہ محمد وفات پا چکے ہیں، اور جو کوئی اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا، تو اس کا معبود حی لایموت ہے۔ پھر آپ نے ما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل اخیر تک پڑھی، مجمع یکایک چونک اٹھا، حضرت عمر میں سکت نہ رہی کہ کھڑے رہ سکیں، لڑکھڑا کر زمین پر گر گئے، اور اس طرح لوگوں کو یقین آگیا کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے۔

یہ ہے یار غار کی زندگی کے لمحات، جس نے اسلام کے بعد سے لے کر، وفات نبوی تک کس بے نظیر جانثاری و اولوالعزمی کا ثبوت پیش کیا۔ گویا کہ اپنی زندگی کی دھن ہی، رسول اللہ ﷺ سے وابستگی، وارفتگی کر لی تھی کہ لمحہ بھر کا فراق بھی کبھی گوارا نہ کر سکے۔

حواشی

- البدایہ والنہایہ۔
- سیرت ابن اسحاق بحوالہ البدایہ والنہایہ۔
- دیوان حسان بن ثابت شرح یوسف عید، ط بیروت، ص، قافیۃ اللام، قصیدہ خیر البریۃ۔
- ترمذی۔
- مجمع الزوائد۔
- البدایہ والنہایہ۔
- مجمع الزوائد۔
- بخاری۔
- البدایہ والنہایہ۔
- تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ۔

[illegible] ا[illegible]بکر صد[illegible] مترجم محمد احمد[illegible]نی پتی ص[illegible] بجوا[illegible]عشرہ مبشرہ اردو[illegible]۔

[illegible] [illegible]ت ا[illegible]سعد[illegible]۔

[illegible] البدایہ والنہایہ[illegible] سیرت محمد[illegible] اسحاق اردو[illegible] جمہ[illegible]۔

[illegible] سیرت محمد[illegible] اسحاق اردو[illegible]۔

[illegible] البدایہ والنہایہ[illegible]-[illegible]۔

[illegible] دیکھئے تفصیلات، البدایہ والنہایہ[illegible]-[illegible] تاریخ طبری[illegible]-[illegible]۔

[illegible] معجم البلدان[illegible]۔

[illegible] [illegible]مذی[illegible]۔

[illegible] عشرہ مبشرہ[illegible]۔

[illegible] بخاری شریف[illegible]۔

[illegible] البدایہ والنہایہ[illegible]۔

[illegible] بخاری شریف[illegible]۔

[illegible] [illegible]ت ا[illegible]سعد[illegible]۔

[illegible] البدایہ والنہایہ[illegible]۔

[illegible] البدایہ والنہایہ[illegible]،[illegible]۔

[illegible] مسلم[illegible]۔

[illegible] سیرت[illegible]یہ اردو[illegible] جمہ مولا[illegible] اسلم صا[illegible] قاسمی ا[illegible] ذ حدیث دارالعلوم[illegible] وقف[illegible] د[illegible] بند[illegible]۔

[illegible] [illegible]مذی[illegible]۔

[illegible] بخاری[illegible]۔

[illegible] الاصا[illegible]مقد[illegible]۔

[illegible] بخاری[illegible]-[illegible]۔

[illegible] بخاری[illegible]،[illegible]مذی[illegible]۔

[illegible] بخاری[illegible]۔

[illegible]

، ِل حکمت کی جا گامزن ہوجائے.

ا عز بلگامی

’’یقیناً. آسمانوں اور کرّۂ ارض کی تخلیق میں اور... دشِ لیل و رمیں اور.. بحر کی موجوں میں ڈولتی ہوئی سفر کشتی میں، جو کرّۂ ارض کے شندوں کے لیے منفعت بخش ہے اور.. آسمان کی بلند اں سے اللہ نے جس رش کو زل فرما، جس کے ذریعہ اُس نے زمین کو اس کے جان ہوجانے کے بعد دہ رہ ز گی دی اور... زمین میں حر کرنے والے ہرنوع کے جانور دیے اور... ہواؤں کے گامی یا سست گامی کے ساتھ چلنے، رُخ میں اور... آسمان اور زمین کے درمیان کسی ان کے معلق ہونے والے آب دوش دلوں میں اور ِفرمان کر ضرورت مند انسا کے لیے نی کا ا ز د منبع جانے میں الغرض، مذکورہ لا سات قسم کے عام تجر کے اِن قدرتی مظاہر میں ... اُن شندگانِ زمین کے لیے یقیناً نشا اں Evidences اور Signs ہیں جو عقل رکھتے ہیں نطق Logic Reasoning کی دو سے مالا مال ہیں۔‘‘

قرآنِ حکیم کی دوسری سورۃ کی ا سوچو آ میں درج یہ سات بظاہر عام قسم کے مظاہرِ قدرت ہیں۔ لیکن اِن میں ا شعور، صا ِعقل و دانش کے لیے غور و فکر کا بھر رسامان موجود ہے

ہم جانتے ہیں کہ انسانی دماغ شمار اں اور قابلیتوں کا ہے۔ اشرف المخلوقات میں شمار اِنسان کے دماغ کو اس کے خالق نے ا انتہائی بیش نعمت سے سرفراز کیا ہے عرفِ عام میں Intellect کہتے ہیں۔ ہرانسان کو اچھائی اور ائی، نیکی اور ی، ہ اور سفید، سچ اور جھوٹ، حق اور طل، ا ھیرے اور اُجالے میں تمیز کرنے کی فطری حیت بخشی گئی جس کی کر اِسی دماغ سے پھوٹتی ہیں۔ وہ انسان جو اپنی نظروں کے سامنے آرا منظر

کی ہر روشن شئے پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں، جنہیں حالات کا تجزیہ کرکے اپنے لیے ایک لائحہ عمل یا line of Action متعین و مرتب کرنے، اِسے ایک رخ دینے اور اپنی پیش گامی یا سست گامی کے مابین ایک اعتدال برقرار رکھنے کا سلیقہ ہوتا ہے۔ ایسے انسانوں کو صاحبِ شعور، ذہین، Sensible یا Intelligent انسان کہا جاتا ہے۔ ایک ذہین انسان میں سوچنے، سمجھنے، سیکھنے، حقائق تک پہنچنے اور حالات کا تجزیہ کرکے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ کسی بھی صورتحال کا پہلی بار سامنا ہو تو کس طرح مقابلہ کیا جائے یا خوشگوار یا ناخوشگوار حالات سے کیسے نمٹا جائے اور دوسری بار یہ پھر رونما ہوں تو کس طرح اِن سے نمٹنے کے طریقہ کار میں سدھار یا Improvement لایا جائے، کس طرح اپنے حواس خمسہ کے استعمال کے ذریعہ ترقی کی طرف بتدریج پیش قدمی کی جائے، وقت کے اضافے کے ساتھ ساتھ گردو پیش، رواں دواں میل جول اور کشش و انجذاب میں کس طرح مثبت تبدیلی لائی جائے، یہ اور اس نوع کے مراحل ہر ذہین انسان کی زندگی میں رونما ہوتے ہیں، جن کے درمیان سے وہ گزرتا ہی رہتا ہے۔ اِس میں کارفرما قوّتِ نافذہ دراصل اپنے لیے ایک بہتر مستقبل کی جستجو اور فکرمندی ہی ہوتی ہے۔ عام طور سے ذہانت اور حکمت یا Wisdom & Intelligence کے درمیان پائے جانے والے نازک سے فرق کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ حکمت یا Wisdom ایک باشعور، ذہین اور ایک معقول شخص کی ذہانت کی معراج ہے۔ مستقبل کے لیے فکرمندی کی انتہا ہے۔ غور وفکر کے سلسلے میں اس کی عرق ریزیوں کا ثمر ہے۔ یہ کتابِ ہدایت ہی ہے جو دونوں کے درمیان ایک نمایاں فرق کی لکیر کھینچ دیتی ہے اور بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ متاثر کن انداز میں پیش کرتی ہے۔ قرآنُ الحکیم میں جہاں بھی ''اولوالالباب'' کے الفاظ آئے ہیں ان سے ''Wisdom یا حکمت کا استعمال کرنے والے''، ''کل مادہ سمجھنے والے'' اور ''اپنی عقل کے دروازے کھلے رکھنے والے''، ''ذہانت کی دولت سے مالامال لوگ'' ہی مراد لیے گئے ہیں۔

بہرحال Wisdom کسی محدود یا مخصوص کیفیت کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی کی نقالی یا Immitation کے ذریعہ پیدا کی جانے والی شئے بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ذہین انسان میں حالات کی مناسبت و اثرات سے اُبھرتی ہے۔ یہ انسان کے شب و روز، اس کے طرزِ زندگی Life Style، اِس کے رویہ، اِس کے ردّعمل کے انداز، اسکے کردار و گفتار سے منعکس ہوتی ہے۔ ایک انسان اپنی ذہانت کے استعمال کے ساتھ۔ جب اپنے رب کی کتاب سے اپنا رشتہ اُستوار اور مستحکم کرتا ہے تو کتابِ ہدایت کی آیات اُس کے اندرون و بیرون میں تثبیت کا ایک عمل Process جاری کر دیتی

ہیں جس سے ر کرانسان کی ا نکھری ہوئی اُبھرتی ہے جو کمال ہوتی ہے اور لازماً وہ اپنے اِرد د کے ماحول میں اُمید کی ای کرن جاتی ہے۔اُس کے نکھار اور کمالات کا یہ عالم ہو ہے کہ وہ اپنے اطراف میں بسنے والوں کے نفع کا سامان فراہم کرتی ہے اور وجہ ی جاتی ہے۔اور یہی ل حکمت کی ل ہوتی ہے۔ا intelligent اور کمال شخص کو جو حکمت کی ل کو چکا ہو ہے، ''خیر کثیر'' یسّر آجا ہے۔ درحقیقت ''خیر کثیر'' ای ذہین آدمی ہی کی میراث ہوتی ہے۔ظاہر ہے وہ اِس خیر کثیر کو مستحق بندگانِ امیں تقسیم کرنے سے کیسے رُک سکتا ہے

دوسری سورۃ کی دوسوا اُنہتر و آی اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے ''وہ اللہ ہی ہے جو نوازدیتا ہے حکمت، د ئی اور Wisdom سے، وہ چاہتا ہے اور جس کسی کو حکمت و د ئی عطا کی گئی تو اُسے Indeed خیر کثیر سے سرفراز کیا گیا اور اِن حکمت ود ئی سے لبری نوازشوں سے لوگ نصیحت حاصل کرتے بجز اُن کے جو اپنی عقل کے دروازے کھلے رکھتے ہیں۔''

حکمت و د اور عقلمندی ودانشمندی سے معمور اشخاص کے لیے کائنات کے ہر ذرے سے ا خاموش اِشارے Signals مہیا ہوتے ہیں دان اپنی دانی کے حاصل کر تے۔اِن اشاروں سے ای دانش مند خاموش رہنمائی ا کر ہے۔اس لیے کہ وہ جس کتاب کی ہد یتِ بانی کو اپنی ز گی کا رہنما بنا چکا ہو ہے، وہ کائنات میں ی ہوئی نشانیوں سے ہم آہنگ ہوتی ہے، کہیں کوئی ٹکراؤ ، کہیں کوئی تضاد ۔چنانچہ وہ ب بھی اپنے خالق کی فراہم کردہ کتابِ ہدای سے اپنے لیے احکامات کی روشنی حاصل کرے گا، اُس کی ز گی کے لیے ای ل اور احسن راہ متعین ہو جا ، ساری کائنات اُس کی وا جا ، اُس کی ز گی بھی فکری تضادات ونظری ٹکراؤ سے ک ہوگی، اِس راہ گام ن ہو کر وہ اپنی مغفرت کی جستجو کرے گا اور فی الواقع یہی اُس کی ، سمجھداری اور Wisdom کی دلیل بھی ہوگی اور تقاضہ بھی۔

اِس سلسلے میں اُنچالیسو سورۃ کی اٹھارھو آی قابلِ توجہ ہے ''جو بندگانِ اقولِ د ئی وحکمت کو توجہ سے سما کرتے ہیں، پھر احسن اور جامع discipline کے ساتھ اِس کی اتباع کرتے ہیں، تو یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدای دی اور یہی لوگ ہیں جو اپنی عقل کے دروزے کھلے رکھتے ہیں۔''

تجر کہتا ہے کہ ب ای ذہین انسان کتابِ ہدای سے رشتہ اُ ار کر ہے تو اُس کی قابلیتوں اور ں میں اضافہ ہونے ہے وہ انسانوں کے مجمع میں ب سے ممتاز

د ئی دینے ہے، چاہے وہ بظاہر روایتی مذہبی آدمی کے حلیہ میں نظر آ ہو۔ اِس لیے کہ وہ اپنی کی حدود سے ہر نکل کر، کتاب اللہ کی سے، حکمت کی حدود میں اپنے آپ کو دا کر ہے۔ حالات کو Respond کرتے ہوئے، ان کا تجزیہ کرتے وقت، ان سے نتائج ا کرنے کے دوران، لوگوں سے معا ت کرتے ہوئے وہ مسلسل حکمت ود ئی کی معیت و مدد سے مستفید ہونے ہے۔ اپنے مالک و خالق کی راضی اور اسکی فت کا حقیقی خوف اُسے اپنی ذ دار ں کی ادا میں کا انی سے ہم رکتا ہے۔ کیونکہ ربُّ العالمین کے حاضر و ظر ہونے کا احساس ذہین اور Wise انسانوں کو مستقلاً راہِ را گامزن رکھتا ہے۔ اِن اصحاب کی خصو ت کے رے میں چوبیسو سورۃ میں سینتیسو آ میں ہمیں ی واضح ملتی ہے ' ا ہی حاملینِ عزم وارادہ اورا ہی صا بینِ ایمان اشخاص ہوتے ہیں جنہیں ان کی تجارت اُن کی وفرو اور لین د ، ذکرِ الٰہی سے اور اللہ کے Presence کے احساس سے، اور نماز جیسی عبادتوں کے قیام سے، اور ز ۃ جیسے اعمالِ کیہ یا Charitable Services سے کبھی غافل کرنے والی ہیں اور قلوب اور آنکھوں کو تلپٹ کر دینے والے اُس غضب ک دن سے وہ ڈرتے لرزتے ز گی ارتے ہیں۔''

دوسروں سے اُمید وابستہ کرنے کے بجائے، اصحابِ حکمت و دانش، ں اِکٹھی کرنے کے مواقع کو کبھی کھوتے۔ اپنے ہم ں کی ا کے کسی موقع کو یا اپنے رب کی رضا کی کسی Opportunity کو وہ تھ سے جانے دیتے۔ اِن مواقع کو وہ ا ا چیک سمجھتے ہیں فوراً Cash کر جا چاہیے۔ حکمت و کے حامل ا ہی نکوکار بندے، اپنی عبادتوں اور چیاریٹیز کے کا ئے سعادت کے ذریعہ اپنے رب کی قدردانی کے مستحق ہوں گے۔

آ میں ہم بخاری اور مسلم میں درج دو اہم احادی کرتے ہوئے اپنے ان کا ا م کر گے ''وَعَنِ ابنِ مَسعُو دٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ سَلَّمَ: لَا حَسَدَ اِلا فِی اثنَینِ رَجُل اٰتَاہُ اللّٰہُ مَا لًا فَسَلَّطَہٗ عَلیٰ ھَلَکَتِہ فِی الحَقّ وَ رَجُل اٰتَاہُ اللّٰہ الحِکمَۃَ فَھُوَ یَقضِیُ بِھَا وَ یُعَلِّمُھَا'' بخاری و مسلم جمہ ''حضرت ا ؓ سے روا ہے کہ رسول اللہ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد رشک صرف دو آدمیوں کے سلسلے میں جا ہے ا وہ شخص اللہ نے مال دیا پھر اُسے حق کی راہ میں لٹانے کی توفیق بخشی، دوسرا وہ شخص اللہ نے حکمت عطا کی تو وہ اُس کے مطا فیصلے کرتا ہے، اور لوگوں کو اِس کی تعلیم دیتا ہے۔''

ایک اور واقعہ بخاری میں ملتا ہے: "وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَمَّنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّم اِلیٰ صَدْرِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْه الْحِكْمَةَ و فِیْ رِوَایَةٍ عَلِّمْه الْكِتَابَ"، (بخاری) ترجمہ: "حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: یا اللہ، اس کو حکمت عطا فرما، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اس کو کتاب (قرآن) کا علم دے۔" اسی طرح ترمذی کی ایک روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا: "دَعَالِی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ یُؤْتِیَنِی اللّٰهُ الْحِكْمَةَ مَرَّتَیْنِ"، ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دو مرتبہ دعا کی کہ اللہ مجھے حکمت عطا فرمائے۔"

کہیں ایسا نہ ہو کہ گم ہو کر گمراہی کے راستوں میں
نہ ہو، مالِ حکمت کی جانب گامزن ہو جائے

ع ب

مصلح کے بھیس میں مفسد ملکی اور عالمی ''□وہت''

از□ ڈاکٹر□،ا□ فاروقی
□□-گا□ھی روڈ، دہرہ دون

آج کی د□ میں □ سے ز□دہ ہنگا□ امن اور سکون کی کمیا□□ ہے۔ □ یہ مسئلہ □ض □ھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق روز□ وز سنگین ہو□ جا□ ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ □ض کی تشخیص □ □ ہے□ معالج ٹھیک □ ہے□ معالج کی سا□ٹھیک □ ہے؟ معاملہ کیا ہے؟

ملکی اور بین الاقوامی منظر□ □ میں □شتہ دنوں دو□ ے اہم واقعات ہو□

□- یمن کی را□ ھانی □، سے خبر آئی کہ یمن نے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد سے تعلق رکھنے والے ا□ دہشت □د□وپ کی □فتاری کا اعلان کیا ہے۔ یمنی صدر علی عبداللہ صالح نے بت□ کہ□/□□□□ء کو □فتار کیے گئے مجرمین کے تعلقات اسرائیلی انٹیلیجنس سروس کے ساتھ ہیں اور اُس کو جلد عدالتی کارروائی کے لیے □ کرد□ جائیگا۔ یمنی صدر کا اشارہ را□ھانی □، میں ا□ یکی سفارت خا□ □حملہ میں ملوث افراد کو حرا□ میں لیے جانے کی طرف تھا، ستمبر ماہ کی □□ ریخ کو ہونے والے اس حملہ میں □□ افراد مارے گئے تھے۔ □ راشٹریہ سہارا، اردو □□/□□□□ء □

یہ خبر جتنی اہم تھی اتنی ہی مستعدی کے ساتھ اسرائیل حامی میڈ□ کے ذریعہ □ دی گئی۔ غور کرنے کی □ت یہ ہے کہ ا□ مسلم ملک میں اسرائیلی ایجنٹ مسلم نوجوانوں کو استعمال کر کے اپنے □ سے قریبی مددگار، ہمدرد اور سر□ □ ا□ یکہ کے سفارت خا□ □حملہ کیوں کروا□ ہے؟ کچھ فوری وجو□ت ہوں گی □ ا□ مستقل وجہ ا□ یکی عوام اور حکوم□ میں مسلم د□ کی Booster doses مقوی خوراک و □و □سے دینا ہے□ کہ وہ اسرائیل عرب تنازعہ کو منصفا□ طور □سلجھانے کی سوچیں بھی □۔ یہیں □ یہودی ع□یاری □ کاّری سے بھی □ □ چاہیے کہ وہ د□ بھر میں کتنا ا□ ونفوذ رکھتے ہیں اور کتنا منظّم طریقہ □ کار ا□ چالیں چلتے ہیں۔ کیونکہ بین الاقوامی میڈ□ □ بھی صیہونیوں کا ہی قبضہ ہے اس لئے وہ بھی اتنی اہم خبر کو □ گئے۔

اس کی تاواں خبر ہمارے ملک سے آج کل دن رات موضوع بحث ہے وہ ہے مختلف انسانیت دشمن دھماکوں میں یہودیوں کے نسل داروں کی تنظیم کی راہ راست اور بلواسطہ شمولیت کی ہے۔ آج حالات کی چاہے جو ری رہی ہو مظلوموں کا لہو قاتلوں کے تھ سے دھویا جانے لگا ہے تو عقلیں حیران ہیں اور حواس ماؤف ہیں کہ کیسے کیسے کیا زسادھو، سنت، دیش بھگت، مٹھ، مہنت گناہوں کے خون کی ہولی بھی کھیلتے رہے اور موں اور گناہ نوجوانوں کو قتل وغارت گری میں ملوث کرا کر ان کو اور اہل خانہ کو عذاب میں بھی کیے رہے۔ اور اپنے آپ دہشت گردی کے خلاف بند اور ہڑتالیں بھی کرواتے رہے۔ جس نسل ، نفرت کی چارک تنظیم کی سر میں یہ کھیل کھیلا جاتا ہے اس کا یہ کھیل ہے۔ مشہور تاریخ داں ایش مشرا Amrish Mishra اور سبھاش کانڈے نے لکھا ہے کہ سنگھ کا اس کا یہ کردار ہے۔ آئی بی. ایس. افسر راجیشور دیال ہوم سکریٹری آف کی ء میں شائع شدہ کتاب ''اے لائف آف آور ٹائمس'' A Life of our times ''. فرقہ وارانہ تناؤ اپنے عروج پر تھا تو ان رینج کے D.I.G. . ایل راز دارانہ طور میرے گھر آئے۔ ان کے ساتھ ان کے دو افسران بھی تھے جو اپنے ساتھ دو اسٹیل کے بھی لائے تھے۔ اُن ں میں اُن سارے منصوبوں کے دستاویزی ثبوت موجود تھے جس کی بنیاد اس صوبہ میں مجرمانہ کارروائیاں انجام دینے کی سازش رچی گئی تھی۔ اُن ں میں ری رت اور وارانہ حیت کے ساتھ تیار کیا گیا ہر شہر کا بلیو موجود تھا جس میں اس ے خطہ کے مسلم علاقوں اور آبادیوں کی وضاحت کے ساتھ نشاندہی کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اُس میں مختلف علاقوں تک پہنچنے اور ان علاقوں میں مجرمانہ افعال کو انجام دینے کے رے میں ہدایات درج تھیں۔ میں ان ثبوتوں کو لے کر وزیر اعلیٰ گووند بلبھ پنت کے پاس گیا ان ایلی نے بند ے میں تمام دستاویزی ثبوت اور رپورٹ کی۔ آر. ایس. ایس آفس پر وقت مارے گئے چھاپوں کے نتیجہ میں ہی یہ سنگین سازش منظر عام آئی۔ اور اس کا پلاٹ تنظیم کے یمو کی نگرانی میں اور ان کی ہدایت تیار کیا گیا تھا۔ ایلی اور میں نے اصل مجرم گول والکر کی فوری گرفتاری کے لیے دباؤ بنایا جو کہ اُس وقت علاقہ میں ہی موجود تھے پنت نے اسے کابینہ میں رکھنے کا فیصلہ کیا، کانگریس کے اندر آر ایس ایس سے ہمدردی رکھنے والے کافی لوگ موجود تھے۔ خود قانون ساز کونسل کے سربراہ آتما گووند کھیر آر ایس ایس کے ہمدرد تھے اور ان کے بیٹے بھی آر ایس ایس کے ممبر تھے۔ گول والکر کو گرفتار کرنے کے بجائے ایک خط ان کو گیا تھا جس میں حاصل کردہ ان ثبوتوں کی بنیاد اُن سے صفائی مانگی گئی تھی۔ کہ متوقع تھا گول والکر

موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اس کے بعد مختلف علاقوں میں چھاپہ مارتی رہی ۔ (ا یش مشرا، راشٹریہ سہارا، ء)

اس کے علاوہ Alexnon Tunzdmann نے اپنی "The Indian summer, Secret history of the end of an empire" میں اگست، ستمبر، اکتوبر ء میں فرقہ وارانہ فسادات کی قلعی کھولتے ہوئے لکھا ہے ''یہ فسادات بلکہ آر. ایس ایس کے ذریعہ ریٹائرڈ فوجی افسروں و عملے کے ذریعہ سازش کرکے نومولود ہندوستانی ریاست کے سیکولر کردار کے خلاف ایک بغاوت وشورش تھی۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل دونوں ہی اس سازش سے واقف تھے۔ نہرو نے اس وقت سردار پٹیل کو وارننگ دی تھی کہ وہ اس بارے میں فوری فیصلہ کریں کہ وہ کس کے ساتھ ہیں۔ تبھی پٹیل نے فوج کو مسلمانوں کے خلاف اُس بغاوت وشورش کو جس میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تھا کچلنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ (ایضاً)

آج جبکہ ایک بار پھر اس نسل پرست تنظیم کی نئی سازشوں کو دیکھ، سن رہی ہے تو اسے دینے کی بھی کوشش کی جارہی ہے کہ شاید یہ چند دنوں پہلے کی بات ہے اور شاید یہ مسلم دہشت گردی کا ردعمل ہے اور دراصل یہ تنظیم ہندوستان کی سچی خیر خواہ ہے۔ یہ تو چند ایک لوگ ہیں جو مسلح افواج میں پکڑے گئے ہیں ورنہ زیادہ تر فوج مکمل غیر جانبدار اور سیکولر ہے۔ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ معاملہ اتنا سیدھا سادھا اور آسان نہیں ہے۔ اس نسل پرست گروہ کے ارادہ ہمیشہ سے ہی ملکی انتظامیہ پر کنٹرول حاصل کرنے کے تھے اسی لیے انھوں نے ء میں ہی راشٹر بھونسلے اسکول کی بنیاد رکھی۔ تب سے آج تک یہاں سے پڑھے ہوئے لاکھوں طلباء کے ذہنوں کو زہر آلود کرکے مسلم دشمنی بھری گئی۔ اس کا اہم نعرہ ''ہندوؤں میں ملٹری ذہن پیدا کرو اور ملٹری کو ہندو بناؤ ہے'' اور اسی کے تحت وہ مستقل عمل پیرا ہے۔ A.T.S. مہاراشٹر کی حالیہ کے افشاء کے بعد سے صرف ایک خطرناک سازش کو شائع ہونے دیا گیا ہے ہے کہ حکومت کو اس کا علم نہ ہو۔ ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کا خواب دیکھنے والے ء سے ہی منظم پلان کے تحت آگے بڑھ رہے ہیں۔ اوپر کے دونوں مستند حوالے اس کے گواہ ہیں۔ آر ایس ایس ایک تنظیم ہے ایک ذہنیت ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ اپنی سالہا سال محنت اور انتھک کوشش کے بعد انتظامیہ کا کوئی بھی رکن اس کی گرفت سے باہر ہے صرف درجات کا فرق ہو سکتا ہے۔ عدلیہ اور مسلح افواج سب سے حساس اور کلیدی ادارہ ہیں یہاں بھی جو حال ہے اس کی علامات وقتاً فوقتاً سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل پروہت ایک واحد کیس ہے یا فانی تودہ کا اوپری

سرا ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لئے آج سے سال پہلے /ا یل ء کے آؤٹ لک (Out look) کی اشا کی مندرجہ ذیل اقتباسات غور کر ضروری ہے

’’ہندوتو کے لئے ہندو نی افواج کے اعلیٰ افسروں میں ہمدردی اُس سے بہت زیادہ ہے جتنا سوچا جا ہے۔ اسکے شواہد موجود ہیں کہ فوج کی داغ و وردی کے نیچے ز انی کچھا موجود ملتا ہے۔ ا ا ہی چلتا ر تو جلد ہی وہ وقت آئیگا کہ نوکر شاہی کی طرح فوج بھی زدہ ہوجا اور ہر سی تبدیلی کے ساتھ فوج کے جنرل بھی لے جائیں گے۔ سا سر اہ بحریہ ای ل جے. جی دکرنی

فوج ا ا از ہونے کے لیے آر ایس ایس نے بھرتی کے خواہش مند طلبار کی مدد کے ا کے ساتھ ساتھ خود اپنی ذیلی تنظیموں کی نگرانی میں چلنے والے ملٹری اسکول بھی کھلوائے ہیں۔ راشٹر میں خود آر ایس ایس کے ہیڈ کوار میں ای ملٹری اسکول چلا جا ہے۔ اس کے علاوہ راشٹر کے میں سے اضلاع میں ملٹری اسکول قائم کئے جا چکے ہیں۔ میں صرف خوا کے لئے اسکول قائم کیا گیا ہے۔ رانی ئی موچھی سینک شالا کے کما کر آ گھو کھلے کا کہنا ہے کہ ’’ہم نے اپنے کورس میں N.D.A اور R.S.S کے ملٹری اسکول ’ ر‘ کو دھیان میں ر ہے۔ طلبہ یہاں پتی جا، دا الی، نورا ی مناتے ہیں سلوک ھتے ہیں اور کا جاپ کرتے ہیں اس میں فرقہ واری ہے۔ لاکھ سے زا سبکدوش فوجیوں کی ر ں اور ئل کا استحصال کرتے ہوئے ان کے ’’ روا سینک یشد‘‘ کا قیام ی مسجد کی شہادت کے بعد ء میں میں ہی ہوا۔ اب ء اس کے سے زا ں میں شاخیں قائم ہوچکی ہیں۔ P.S.S.P کے جنرل سکریٹری ر کما ر کے ایل گپال کہتے ہیں کہ سابقہ فوجیوں کی مات کو استعمال کرنے کا طریقہ نوجوانوں کی آر. ایس ایس اور ملٹری اسکولوں میں بیت کر ہے۔ ان تمام کوششوں کے درمیان میں ہی یہ خبر بھی سامنے رہے کہ صرف ء میں ہی ریٹا ڈ جنرلوں نے قاعدہ B.J.P میں شمولیت ا رکی‘‘ اس کے علاوہ B.J.P کے عاملہ کے اجلاس میں فوج کے سر ان کی شمولیت، کی نیشنل ڈیفنس اکیڈمی کی تقریب میں جنرل وی. . ملک کا ڈائس ل ٹھاکرے کے ساتھ موجود ہو کس ت کی طرف رہنمائی کررہے ہیں؟ آؤٹ لک /ا یل ء

فتار شدہ مبینہ ہندو دہشت دوں سے چھ چھ سے انکشاف ہوا کہ ا ں نے صرف ای ریں - نوجوانوں کو دہشت دی کے طریقہ ئے۔ یہ بھی قبول کیا گیا کہ صرف احمد

آ د کے ای آشرم میں ہی اب سے زا ہندو نوجوانوں کو دہشت دی کی تعلیم دی گئی

ا ایکسپریس ، راشٹریہ سہارا ء

تو یہ کہنا ای طرح سے شتر غی ر یہ اپنانے ہو گا کہ یہ حالیہ دنوں میں پیدا ہوئی م د مسلم دہشت دی کا یہ ردِّ عمل ہے، جبکہ ء کا حال او بیان ہو چکا اور آر ایس ایس کے ئی سیسی سر اہ گول والکر کی سازش سے دہ I.C.S افسر راجیشور یل پہلے ہی دہ اٹھا چکے ہیں۔ اور ء میں اس تنظیم کے رول اور ان کے ساتھ اس وقت کے فوجی افسروں کے رول Alexnon Tunzelmann نے اپنی کتاب میں روشنی ڈالی ہے۔ ا یش مشرا، ریٹا ڈ

راشٹریہ سہارا ء

ابھی پکڑے گئے موجود اور سابقہ فوجی افسران کی چھ چھ سے یہ ت بھی سامنے آئی ہے کہ فوج کے ہر زو میں اس طرح کی ذہنیت سرای کر گئی ہے۔ کر وہت تو خصوصاً ملٹری خفیہ معلومات کے اہم سے وابستہ تھا۔

”ء میں ممبئی سے کلومیٹر دورا تھ میں راشٹر ملٹری فاؤ یشن می تنظیم نے یننگ کیمپ منظّم کیا۔ جس کا سر اہ کر جینت پلے تھا۔ اسی موقع ہندو نوجوانوں کو کما و اور خودکش بمبار بننے کی بیت دی گئی۔ اس تقری ب میں لیفٹیننٹ جنرل تھ ہون مہمان خصوصی تھے۔ جو ریٹا ہونے سے قبل ری و ان کما کے کما آفیسر تھے۔ بعد میں یہ شیو کے آرمی و یفیر سیل کے چیف بنے تھے۔ کر جینت پلے کا تعلق بھی نے سے ہے۔ اسے ء میں فتار کیا گیا تھا۔ بعد میں ان کے خلاف کارروائی م کر دی گئی۔ یہاں کہ وز اعلیٰ ولاس راؤ دیش مکھ نے کر پلے اور ان کی ملٹری فاؤ یشن کو کلین دے دی۔ لیکن مالیگاؤں دھماکہ کیس میں کر پلے کے ہی بیت یافتہ فوجی افسر کر وہت کے حرا میں لیے جانے سے ء میں حکومت راشٹر کی ئی اور غفلت آمیز رویہ انگلی اٹھائی جا سکتی ہے۔“ سعید حمید راشٹریہ سہارا ء

یمن اور نے کے درمیان بہت ساری مشترک ہیں ء کو سی ہندی نے صبح 6.30 کی نشر ت میں بتا کہ کر وہت نے بتا کہ اس نے مسلم نوجوانوں کو بھی اسی طرح کی مدد کی ہے۔ یہودی خفیہ ایجنسی مسلمان نوجوانوں کے ذریعہ اپنے ہی دو ملک کے آفس حملہ کرواتی ہے اور ہمارے یہاں بھی ا ہی سازشی روپ دیکھا جا ہے۔ ا کیوں؟؟

تحقیق الکلام فی بیان السبب لوجوب الاحکام

از رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت

وجوب فی الذمہ قبل ایام النحر کی تائیدات

مذکورہ بالا دلائل سے یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ قربانی کا وجوب فی الذمہ غنا سے ہے وقت پر موقوف نہیں ہے۔ مزید تائید کے لیے اضحیہ کے مستحبات پر مشتمل صاحب بدائع کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔

(فصل) اما الذی هو یستحب قبل التضحیة فیستحب (۱) ان یربط الاضحیة قبل ایام النحر بایام لمافیه من الاستعداد للقربة واظهار الرغبة فیها فیکون له فیه اجر وثواب (۲) وان یقلدها (۳) ویجلّلها اعتبارًا بالهدایا والجامع ان ذلك یشعر بتعظیمها قال الله ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب (٤) وان یسوقها الی المنسك سوقا جمیلا لاعنیفا (٥) ولا یجرّ برجلها الی المذبح کما ذکرنا فی کتاب الذبائح ولو اشتری شاة للاضحیة فیکره (٦) ان یحلبها (٧) او یجزّ صوفها فینتفع به لانه عیّنها للقربة فلا یحل له الانتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القربة فیها کما لا یحل له الانتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها ولان الحلب والجزّ یوجب نقصا فیها وهو ممنوع عن ادخال النقص فی الاضحیة... ویکره (۸) بیعها لما قلنا... ویکره (۹) له رکوب الاضحیة (۱۰) واستعمالها (۱۱) والحمل علیها (بدائع:۵/۷۸)

یہ مستحبات خاص کر ایام نحر سے چند دن قبل جانور کا ہیں کیونکہ یہ کا اضحیہ میں یہ ایجاب من نفسہ نہیں بلکہ ذمہ فارغ کرنے کے لیے ہے۔ بخلاف الغنی لان الاضحیة علیه بایجاب الشرع ابتداء فلا یکون شراؤه للاضحیة ایجابا بل یکون قصدًا الی تفریغ ما فی ذمته

(کما مرّ) اور □□ت دلا□ کرتے ہیں کہ □□اصل وجوب وقت سے پہلے سے موجود ہے۔ اورعموماً ا□ ہی ہو□ ہے کہ دِنوں، ہفتوں اور بعض □تبہ مہینوں پہلے جانور □□ کر اس کے ساتھ رغبت ومحبت کا رشتہ قائم کرتے ہیں اور تعظیم واحترام کا معاملہ کیا جا□ ہے۔□ِت □کا یہ معمول اپنے اپنے علاقہ میں بخو□ دیکھا جاسکتا ہے۔

قر□نی قر□بۃ موقتہ ہے

قر□نی کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ و□لاتفاق قر□بۃ موقتہ ہے یعنی اس کی ادار مخصوص □□م و اوقات کے ساتھ خاص ہے اس اعتبار سے قر□نی دیگر واجباتِ موقتہ نماز، روزہ اور □کے مشا□ ہے اور موقتات میں وقت□لا □ع شرطِ ادار ہے۔

و كل موقّت فالوقت شرط لاداءه لانه لايتحقق بدونه (تقرير و تحبير:۱۷۵/۲)

الوقت شرط لاداءها على ما عرف فى اصول الفقه (فتح القدير:۹/۵۰۷ □ كتاب الاضحيه)

وقت ''شرطِ ادار'' کی □

اور یہ صرف احناف ہی □ بلکہ دیگر ائمہ کے□د□ بھی جن کے یہاں قر□نی سنت مؤکدہ ہے بلکہ نفل قر□نی کے لیے بھی وقت شرط ادار ہے۔ا□اس کی ابتدار وانتہار میں □ ہے۔

واما شروط صحتها فمنها السلامة من العيوب... ومنها الوقت المخصوص فلا تصح اذا فعلت قبله او بعده وفى بيانه تفصيل المذاهب.

الحنيفة قالو: يدخل وقت الاضحية عند طلوع فجر يوم النحر وهو يوم العيد ويستمر إلى قبيل غروب اليوم □□ال□ وهذا لايختلف فى ذاته بالنسبة لمن يضحى فى المصر او يضحى فى القرية ولكن يشترط فى صحتها للمصرى ان يكون الذبح بعد صلاة العيد.

المالكية قالو: يبتدئ وقت الاضحية لغير الامام فى اليوم الاول بعد تمام ذبح الامام ويبتدئ وقتها للامام بعد الفراغ من خطبته بعد صلاة العيد او مضى زمن قدر ذبح الامام اضحيته ان لم يذبح الامام ويستمر وقتها لآخر اليوم □□ال□ ليوم العيد ويفوت بغروبه.

الحنابلة قالوا: يبتدئ وقت ذبح الاضحية من يوم العيد بعد صلاة العيد فيصح الذبح بعد الصلاة وقبل الخطبة ولكن الافضل ان يكون بعد الصلاة والخطبة... واذا كان فى جهة لايصلى فيها العيد كالبادية واهل الخيام ممن لاعيد عليهم فان وقت الاضحية يبتدئ فيها بمضى زمن قدر صلاة العيد... وآخر وقت ذبح الاضحية اليوم الثانى من ايام التشريق فايام النحر عندهم ثلاثة يوم العيد ويومان بعده.

الشافعية قالوا: يدخل وقت ذبح الاضحية بعد مضى قدر ركعتين وخطبتين بعد طلوع الشمس يوم عيد النحر وان لم ترتفع الشمس قدر رمح ولكن الافضل تاخيره إلى مضى ذلك من ارتفاعها ويستمر إلى آخر ايام التشريق الثلاثة. (الفقه على مذاهب الاربعة: ١/ ٧٢١)

بجز امام شافعیؒ کے سب کے نزدیک انتہائے وقت تیسرے دن کا غروب ہے اور ابتدائے وقت سوائے امام اعظمؒ کے سب کے نزدیک تقریباً نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد شروع ہوتا ہے اس میں شہری ودیہاتی کا کوئی فرق نہیں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اصل وقت تو مکلفین کے حق میں صبح صادق سے ہی شروع ہوجاتا ہے البتہ ذبح فی المصر کے لیے فراغ من صلوٰۃ العید مزید شرط ہے۔

صلوٰۃ عید ذبح فی المصر کی شرطِ مزید ہے

ثم يختص جواز الاداء بايام النحر وهى ثلاثة ايام عندنا قال عليه الصلاة والسلام ايام النحر ثلاثة افضلها اولها فاذا غربت الشمس من اليوم الثالث لم تجز الاضحية بعد ذلك. (مبسوط: ١٢/ ٩)

ثم اول وقت التضحية عند طلوع الفجر الثانى من يوم النحر الا ان فى حق الامصار يشترط تقديم الصلاة على الاضحية فمن ضحّى قبل الصلاة فى المصر لاتجزيه لعدم الشرط لا لعدم الوقت ولهذا جازت التضحية فى القرى بعد انشقاق الفجر ودخول الوقت لايختلف فى حق اهل الامصار والقرى وانما يختلفون فى وجوب الصلاة فليس على اهل القرى صلاة العيد. (مبسوط: ١٢/ ١٠)

فلا يجوز لاحد ان يضحّى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الاول من ايام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من اهل المصر او من اهل القرى غير ان للجواز

فی حق المصر شرطاً زائدا وھو ان یکون بعد صلاۃ العید لایجوز تقدیمھا علیہ عندنا. (بدائع:۵/۷۳)

شہر میں قربانی ہونے کے لیے نمازِ عید کی ادائیگی دوسری اہم شرط ہے حتی کہ نماز سے قبل ذبیحہ اضحیہ نہیں کہلائیگا۔ ان اول نسکنا فی ھذا الیوم الصلاۃ ثم الاضحیۃ فمن ذبح قبل الصلاۃ فلیُعد ذبیحتہ ومن ذبح بعد الصلاۃ تم نسکہ واصاب المسلمین. (مبسوط:۱۲/۱۴)

گویا شہر میں نماز عید کے بعد وقت شروع ہوتا ہے لہٰذا نماز سے قبل ذبح کرنا ایسا ہے جیسے صبح صادق سے پہلے ذبح کرنا۔

غالبًا اسی وجہ سے بعض فقہاء کے کلام میں عبارت اس طرح ہے۔ اول وقتھا بعد الصلاۃ ان ذبح فی المصر ای بعد صلاۃ العید یوم النحر وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ. (شرح وقایہ:۴/۳۹)

وقت شرط اور سبب دونوں کا جامع ہے

بہرحال ائمہ اربعہ کے نزدیک ایام نحر مطلق قربانی کے لیے شرط اداء ہے۔ اور واجب قربانی کے لیے واجبات موقتہ میں سے حج اور زکوٰۃ کو چھوڑ کر یعنی نماز، روزہ کے وقت کی طرح بعینہٖ اسی وقت کو شرط اداء کے ساتھ وجوب اداء کا سبب بھی قرار دیا گیا ہے، لہٰذا وقت دو حیثیتوں کا جامع ہوا۔

لاتجوز قبل دخول الوقت لان الوقت کما ھو شرط الوجوب فھو شرط جواز اقامۃ الواجب. (بدائع:۵/۷۳)

ولا نزاع فی سببیّۃ ذلک ومما یدل علی سببیۃ الوقت امتناع التقدیم علیہ کامتناع الصلاۃ. (بنایہ:۱۱/۳)

فان قلت جعلت الوقت سببًا فکیف یکون شرطاً قلتُ ھو سبب للوجوب وشرط للاداء (عنایہ علی ھامش الفتح:۱/۲۱۶)

وقد یجامع الشرط السبب مع اختلاف النسبۃ کوقت الصلاۃ فانہ شرط بالنسبۃ إلی الاداء وسبب بالنسبۃ إلی وجوب الاداء. (تقریر:۲/۱۰۲)

اور موقتات کی اداء جس طرح قبل الوقت ناجائز ہے اسی طرح وقت کے بعد بھی ناجائز ہے بلکہ قضاء لازم ہوتی ہے۔

ولم يقل احد بصحة اداء الموقتات بعد مضى وقتها... فان التضحية اراقة الدم وهى انما تقبل فى وقت الاداء لابعده وانما الذى يلزم بعده قضاء ها (فتح القدير:٩/٥٠٧)

اما بعد مضى ايام النحر فقد سقط معنى التقرب باراقة الدم لانها لاتكون قربة الا فى مكان مخصوص وهو الحرم او فى زمان مخصوص وهو ايام النحر.(مبسوط:١٢/١٤)

... ويفوت بمضى الوقت فلا تجب عليه بمنزلة الجمعة (هدايه آخرين:٢٤٤)

قرانی کی ،اور سے مشابہت

صا ہدایہ کے بمنزلة الجمعه کہنے سے چند امور کی طرف اشارہ ہوا

ا یہی جو او مذکور ہوا یعنی وقت ادائے کے لیے شرط ہے اور کے وجوب کے شرائط دوسرے ہیں اسی طرح صحتِ اضحیہ کے لیے وقت شرط ادا، ہے اور وجوب فی الذ کے شرائط دیگر ہیں۔

وقت کے اعتبار سے اصل فر ظہر ہے سید الا م کی خاص شان واہمیت کے نظر بجائے ظہر کے ۃ کے ذریعہ فر کی ادا کافی سمجھی گئی ان اصل الفرض هو الظهر فى حق الكافة... الا انه مامور باسقاطه باداء الجمعة (هدايه:١/١٧٠) اسی طرح قرانی حق مالی ہونے کی وجہ سے اصل وظیفہ تصدق ہو چاہئے تھا یم اضحیہ کی خاص شان کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کی ضیافت ہوتی ہے بجائے تصدق کے اراقۃ الدم کو قائم مقام کرد گیا۔ کما مرّ ائع،حسامی

وقت رجانے ادائے فوت ہوگئی اب ادا، ہوسکی اسی طرح یم نحر رجانے سے اراقۃ الدم سے قر ادا، ہوگی ولا سبيل إلى التقرب بالاراقة بعد خروج الوقت (بدائع:٥/٦٨ مبسوط: ١٢/١٤)

وقت رجانے کے بعد ، بمثل معقول ہے جیسے نماز پنج گا میں اور بمثل معقول ہے جیسے روزہ کی ، فدیہ سے بلکہ وقت کا جو اصل فر تھا یعنی ظہر اس کی ، کی جاتی ہے۔ اسی طرح یم نحر رجانے کے بعد ، بمثل معقول ہے اور علی الا ق بمثل معقول ہے بلکہ غنا کی وجہ سے اصلاً جو حکم عا ہے یعنی تصدق وہی حکم ذ میں قی رہتا ہے۔

وقد تقرر ان القضاء قد يكون بمثل معقول كالصلاة للصلاة وقد يكون بمثل غير معقول

كالفدية للصوم و ثواب النفقة للحج وعدّوا الاضحية من القسم الثانى وقالوا ان اداء ها فى وقتها باراقة الدم وقضاء ها بعد مضى وقتها بالتصدق بعينها وبقيمتها (تکمله فتح:۵۰۷/۹)

لاتقضى بالاراقة لان الاراقة لاتعقل قربة وانما جُعِلتُ قربة بالشرع فى وقت مخصوص فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص فلا تقضى بعد خروج الوقت ثم قضاء ها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حيةً وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة (بدائع:۶۸/۵)

قبل از وقت قربانی نہ ہونے کی وجوہات

مذکورہ تفصیل سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ شخص یوم نحر سے قبل قربانی اس لیے نہیں کرسکتا کہ وقت شرطِ ادار ہے اور تقدم المشروط علی شرط الصحة جائز نہیں ہے۔

قربانی قربتِ معقولہ ہے اس لیے اس کی ادا وقت کے ساتھ مقید ہے قبل از وقت جائز ہے اور وقت کے بعد۔ کما مر.

وقت سبب وجوبِ ادار بھی ہے اور سبب سے مقدم ہو قربانی وقت وجوبِ ادار سے پہلے جائز اور یہی قیاس کا تقاضہ بھی ہے۔ غالبًا اسی وجہ سے حسن زیادؒ اور امام مالکؒ صدقۃ الفطر اور زکوۃ میں وقتِ وجوب ادار یعنی صبح یوم الفطر اور حولانِ حول سے قبل ادار کو جائز کہتے ہیں چونکہ خلاف قیاس نص سے زکوۃ قبل حولان الحول اور صبح یوم الفطر سے پہلے ادائے صدقہ ہے اس لیے ائمہ ثلثہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جوازِ تقدیم کے قائل ہیں۔ بنایہ

وقت سے پہلے قربانی نہ ہونے کی وجہ کے حق میں بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یہ کہ کاذ ابھی ل لوا. ہی ہوا ہے۔

تعقب الفريد على تخصيص الوجوب بصبح العيد

مذکورہ تفصیلات سے یہ چند امور محقق ہوئے اصلِ وجوب نفسِ وجوب کا ثبوت مکلّف کی صفات پر موقوف ہے وجوبِ ادار یعنی فرضیت و وجوب خطابِ الٰہی کے ذریعہ مختص ہے اوقاتِ معینہ کے ساتھ سبب کے تکرار و تعدد سے وجوب رہتا ہے قربانی مالی عبادت ہے اور اس کے نفس وجوب کی علت بالاتفاق یعنی ملکِ نصاب ہے قربانی کے وجوب ادار کا تعلق اضحیہ جانور سے ہے کہ مکلّف سے اور ادار کے لیے وقت کا اعتبار

محلِ ادار کے لحاظ سے ہے کہ آئندہ مفصل آ ہے۔
اب اس کے بعد یہ موقف دیے گئے فتاویٰ حظہ فرمائیں۔

دارالعلوم کراچی کا ی

رشعبان ھ میں دارالافتا کراچی کستان سے قر نی سے ا ی ی گیا جس ا ب افتا کے دستخط بھی ہیں یہ ی رسا ا غ'' کراچی فروری ء میں شائع ہوا۔
متنِ ی کی عبارت یہ ہے

الجواب حامدا ومصلیًا　قر نی کے نفس وجوب کا سب وقت ہے جو کہ م النحر کے طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر رہو ریخ کے غرب آفتاب ہے اور'' '' یعنی مالک نصاب ہو یہ شرط وجوب ہے اور مثلاً شہری کے حق میں قر نی کا نمازِ عید کے بعد انجام دینا یہ شرط ادار ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ م النحر کے طلوع صبح صادق سے پہلے قر نی کا سرے سے وجوب ہی ہو کہ نماز ہے کہ وقتِ نماز دا ہونے سے پہلے نماز فرض ہی ہوتی لہٰذا ا کسی نے وقت دا ہونے سے پہلے نماز ادار کی تو فرض ادا ہوگا اسی طرح ا کسی نے م نحر سے پہلے قر نی کی کرائی تو وہ بھی شرعاً معتبر ہوگی...لیکن یہ درکھنا چاہیئے کہ ''ادار'' کا اعتبار اس وقت ہوگا اس عمل کا پہلے مکلّف کے ذ نفس وجوب ہو چکا ہو کہ شروع میں مذکور ہوا کیونکہ وجوب سے قبل ادار کا اعتبار اور نفس وجوب کا تعلق ذ مکلّف سے ہو ہے اور ذ کا محل مکلف ہے مال لہٰذا نفس وجوب میں مکلّف فاعل کے محل کا اعتبار ہوگا اور نفس وجوب کا سب م نحر ہے کہ شتہ صفحہ میں مذکور ہوا لہٰذا نفس وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں ضحّی قر نی کرنے کرانے والا رہ ہے ں م نحر ہو چکا ہے ا م نحر ہو چکا ہے تو نفس وجوب ہوگیا اب دیگر شرائط کے ئے جانے کی صورت میں خود قر نی اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے دونوں صورتوں میں یہ قر نی شرعاً ادا ہو جائے گی لیکن ضحّی جہاں رہ ہے ں م نحر ا ہوا ہے تو جس طرح اس وقت یہ خود قر نی کرسکتا اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی کرسکتا ا چہ وکیل دوسرا شخص کے شہر ملک میں مِ نحر شروع ہو چکا ہو۔

جناب مفتی صا ب نے متعدد کتب فقہ سے عبارت نقل کی ہے کہ غنا شرط وجوب ہے اور وقت ''سب وجوب'' ہے۔ یہ ت لکل مسلم ہے، سب وجوب کا مطلب ادلینے میں اصولی

طور لغز واقع ہوئی ہیں وجوب سے نفس وجوب ہی اد گیا۔ نفس وجوب کو سب کے لفظ کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ سب کو سب فی معنی العلۃ گیا۔ یہ ا لال وش ہے۔ کیونکہ

وجوب کی دو ہیں وجوب اداء اور نفس وجوب اور وجوب اداء مطلوب ہے اس لئے کہ اداء مقصود ہے اور اداء مقید لوقت ہے وقت خاص کے ساتھ جو وجوب متعین ہے وہ وجوب اداء ہے کہ شتہ اوراق میں کیا جاچکا لہٰذا فقہاء کے دی سب وجوب سے دسب وجوب اداء ہے۔

نفس وجوب کچھ صفات کے ساتھ مختص اور اس مبنی ہے خواہ اسے سب بھی کہا گیا ہو شرط جیسے ملک نصاب وجوب ز ۃ کے لیے سب ہے اور صدقۃ الفطر کے حق میں شرط ہے اور گو وجوبِ صدقہ کی ضافت رأس یمو کی طرف ہے ملک نصاب غنا کے ذ ل لوا ہی ۔ صفات کا تحقق ہوگا نفس وجوب ہوجائے گا اور وقت خاص للاداء میں تحقق ہو ہے تو ذ کی لیت ان صفات کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وقت کی وجہ سے ا وقت خاص خطاب الٰہی کی معرفت کا ذریعہ ہے جو وجوب اداء کا حقیقی سب ہے۔ وقتِ خاص ہی کو نفس وجوب کا سب اصول کے خلاف ہے۔

سب کی کئی ہیں ا سب فی معنی العلۃ ہے جیسے ملک نصاب وجوب ز ۃ کے حق میں علّت ہے۔ ا سب محض بھی ہے جو فقط مُفضِی الی الحکم ہے کہ مؤ فی الوجوب جیسے اوقات مخصوصہ موقتات کے لیے قر نی کے سب وجوب کو ز ۃ کے سب وجوب قیاس کر کے قر نی کے سب یعنی وقت کو مؤ فی الوجوب ما قیاس مع الفارق ہے۔

غنا کو شرط وجوب کہا گیا ہے کما فی کتب الفقہ وھو الصحیح۔ جناب مفتی صا اسے اہلیت وجوب یعنی اصل وجوب کی شرط کے بجائے فقط شرط وجوب اداء سمجھ رہے ہیں کہ ان کی عبارت دلا کر رہی ہے ”لہٰذا نفس وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں ضحی قر نی کرنے کرانے والا رہ ہے ں م اٰخر ہوچکا ہے ا م اٰخر ہوچکا ہے تو نفس وجوب ہوگیا اب دیگر شرائط کے ئے جانے کی صورت میں خود قر نی کرے اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے دونوں صورتوں میں یہ قر نی شرعاً اداء ہوجائے گی الخ“

حالانکہ فقہاء کے دی وجوب اضحیہ کی علّت قدرۃ علی اصاب ہے۔ غنا اصلِ وجوب

کی شرط ہے یعنی غناہی کی وجہ سے مکلّف کا ذ ل لوا. ب کہلائے گا کیونکہ اصل وجوب کا محل بہرحال ذ مکلّف ہے اِس اصل وجوب کے بعدہی وقت مخصوص میں وجوب ادار متحقق ہوگا ور ۔

قر نی کا وقت نماز، روزہ کے اوقات کی طرح سب وجوب ادار ہے پھر بھی دونوں میں فرق ہے کہ نماز، روزہ میں وجوبِ ادار کا محل خود مکلّف ہی کی ذات ہے کیونکہ وجوب جس ادار کی صفت ہے اس کا محل قیام ذاتِ مکلّف ہے وقت کی آمد نماز، روزہ کا وجوب مکلّف کے ذ ہی ہوگا یعنی وقت میں ذ ل لوا. ب ہو ہے اوراسی کوعرف میں فرضیت سے تعبیر کرتے ہیں حقیقت میں یہ بلحاظِ اصطلاح وجوبِ ادار ہے جس میں وجوب متصل لاادار رہتا ہے قی وہ نفس وجوب جو وجوب ادار کا مقابل اوراس سے فک ومقدم ہے اس کا مبنیٰ صفاتِ مکلّف ہے کہ وقت۔ لہٰذا نماز، روزہ میں تو وقت کی آمد یہ کہنا ہے کہ وجوب فی الذ بسبب الوقت ہے اس قیاس کرتے ہوئے قر نی کے رے میں یہ کہنا کہ وقت کی آمد ہی وجوب ذ میں آئے گا در ہے کیونکہ یہاں وجوبِ ادار کا محل جانور ہے اورذ کا ل لوا. ب ہو غنا سے ہے جووجوبِ اضحیہ کی علت ہے۔

مفتی فاروق لندن کے ی کی ئید

کراچی کے مذکورہ ی کے چندسال بعدلندن میں مولا فاروق صا ب ز مجدہ نے اُ سابقہ بنیادوں ذی قعدہ ھ کو ی اور ما ان مفتی صا ب نے حضرت مفتی سید عبدالرحیم صا ب لاجپوری نوراللہ قدہ کے اس نوع کے ی کو مبنی تسامح بت ۔اور پھر مولا اسمٰعیل گنگات صا ب مدظلہ کے توسط سے حضرت اقدس مولا مفتی محمدتقی عثمانی صا ب ادام اللہ ظلالہ علینا سے یہ لکھ کراستصواب کیا۔

...''بندہ کہتا ہے کہ فتاویٰ ر یہ کا ی مبنی تسامح ہے اور ہدایہ آ اورالدرالمختار ورد ار جلد کی جن عبارات کوحضرت مفتی سیدعبدالرحیم صا ب لاجپوری قدس سرہ مفتی اعظم گجرات، ا نے بطورِدلیل ذکرفر ہے ان کا تعلق نفسِ وجوب آجانے کے بعد سے ہے نفسِ وجوب آجانے کے بعدقر نی کا جانورجس ہو اُس کا اعتبار ہے قر نی کرانے والے کی کا اعتبار ۔'' حضرتِ والا سے مو درخوا ہے کہ ا بندہ کے

جواب میں سقم اور غلطی ہوتو اصلاح فرمادیں اور اگر بندہ کا جواب صحیح ہوتو تائید فرمادیں۔

حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے ان الفاظ میں تائید فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی مولانا اسماعیل گنگات صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قربانی کے بارے میں مولانا مفتی فاروق ڈ ئی صاحب کا فتویٰ موصول ہوا۔ بندے کو اس سے اتفاق ہے اور ان کے دلائل قوی ہیں اور فتاویٰ رحیمیہ میں تسامح ہے کیونکہ جو عبارت نقل کی ہے اس میں قربانی بعد الوجوب ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں قربانی قبل سبب الوجوب واقع ہورہی ہے احتیاط اس میں ہے کہ قربانی کسی ملک میں کی جائے تو جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے ملک میں بھی ایام اضحیہ ختم نہ ہوئے ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

نوٹ: حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کا فتویٰ شروع رسالہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ''نگاہِ اولین'' میں درج کیا گیا ہے۔ ھ

تائید ہے

تائید سے حضرت کی مراد غالباً یہی ہے کہ کتب فقہ کی وہ عبارت جن کو حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب نے نقل کی ہیں اس کا تعلق بعد نفس الوجوب ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں قربانی قبل سبب نفس الوجوب واقع ہورہی ہے، اس لیے کہ نفس وجوب وقت سے ہوتا ہے (کما فهمه ارباب الفتاویٰ من لفظ "سبب الوجوب")

بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت کی یہ تائید مبنی بر غلطی ہے اس لیے کہ فقہاء کی عبارت کا تعلق بعد الوجوب سے ہے تو نفس وجوب یعنی ذی الحجہ کے ہلال کا ہونے کی بنیاد اور علت غنا ہے کہ وقت اضحیہ۔ اور سبب وجوب سے مراد وقت وجوب اداء ہے اور اسی سبب میں انتقال ہوجاتا ہے کما سبق مفصلا لہٰذا کی قربانی دوسرے مقام کے ایام اضحیہ میں بھی کی جائے گی قبل سبب الوجوب بلکہ بعد سبب الوجوب ہی ہوگی۔

لہٰذا حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کا فتویٰ فقہ واصول فقہ کی روشنی میں اور در

ہےاس میں قطعی طور کوئی تسامح اورلغزش ہے۔ فللہ در الفقیہ.

شاہی ادآ دکا ئ

شاہی ادآ د کے حضرت مفتی شبیراحمد صا ب زی فضلہ نے ر ھ کو ئ لکھا جو بقول مفتی محمد سلمان منصور ری زی مجدہ دارالعلوم کراچی اور حضرت مفتی سیدعبدالرحیم صا ب لاجپوری کے ئ کے مابین ای محاک ہ ہے یہ ئ ائے شاہی کے شمارہ جنوری ء میں شائع ہوا۔

حضرت مفتی صا ب نے اصول کے اُن ہی مفاہیم کے نظر ئ تحر کیا ہے جن کو کراچی کے ئ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے سابقہ خطائیں یہاں بھی موجود ہیں بلکہ مز واقع ہوئی ہیں۔

الجواب و باللہ التوفیق... حامدا و مصلیا و مسلّما

اس مسئلہ میں چیزوں کوالگ الگ لازم ہے سب وجوب یعنی قر نی وا. ب ہونے کا سب یہ قر نی کا وقت ہے جو م آخر کے طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر رہو ریخ کے غروب آفتاب رہتا ہے شرطِ وجوب یعنی قر نی وا. ب ہونے کی شرط آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہو شرط ادار یعنی مالک نصاب قر نی کے م اور وقت دا ہونے کی وجہ سے قر نی وا. ب ہوجاتی ہے پھر اسکے قر نی ادار کرنے کے لیے ای مز شرط ہے وہ یہ ہے کہ شہری آدمی کیلئے نماز عیدالاضحیٰ کی ادا لازم ہے یہی شہری کے لیے ادا کی شرط ہے یہ شرط دیہاتی لاگو ہوتی اور شرط ادار میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے مکان ضحّی کا اعتبار لہٰذا جہاں جانور ہوگا ں کا اعتبار ہوگا اور جہاں مالک ہو ں کا اعتبار یہ مسئلہ صرف تیسری شرط کے اعتبار سے ہے اور پہلی اور دوسری شرط کے وجوب کے تیسری شرط کا تصور ہی ہوسکتا، لہٰذا ب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں قر نی کے زما کا آ لازم ہے پھر شرطِ نی یعنی زمانۂ قر نی میں مسلمان کا مالکِ نصاب ہو ان دونوں شرطوں کے ای ساتھ ئے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آ ہے اور تیسری شرط ای خصوصی اور وی شرط ہے عمومی اور کلی صرف شہری کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے۔ دیہاتی کے ساتھ لہٰذا شہری اور دیہاتی کے اعتبار سے مکان اضحیہ کا اعتبار ہوگا مکانِ ضحّی کا اعتبار ۔ ئ ر یہ اور ئل قر نی میں حت ہوگئی ہے کہ اس میں تیسری شرط کو ب وجوب یعنی پہلی شرط کے درجہ میں لے جاکر لکھا گیا ہے جو در ہے اور

ساتھ میں ہدایہ، درمختار اور شامی کے جزئیہ بھی نقل کیے ہیں ان تینوں جزئیات کا تعلق تیسری شرط کے ساتھ ہے پہلی شرط کے ساتھ نہیں ہے ان جزئیات کو اس مسئلہ سے سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ الخ (ندائے شاہی شمارہ جنوری ء)

(۱) اول: یہاں حضرت مفتی صاحب سے مزید ایک خطا یہ ہوئی بلکہ یہ خطا بھی کراچی کے فتویٰ میں موجود ہے کہ شرط اداء سے فقط نماز عیدالاضحیٰ کی ادائیگی مراد لی ہے جو کہ شہری کے ساتھ خاص ہے حالانکہ وقت یوم نحر خود شرط اداء ہے جو واجب اور نفل دونوں قربانیوں کے لیے ہے خواہ شہر میں ہو یا دیہات میں اور فقہاء شرط اداء سے اوّلاً یہی وقت مراد لیتے ہیں الوقت شرط لادائها على ما عرف فی اصول الفقه (فتح القدیر) کیونکہ واجب کی طرح نفل قربانی بھی موقت ہے بخلاف نفل نماز، روزہ کے اور یہ شرط اداء ہر ایک کے حق میں ہے البتہ صلوٰۃ العید کی ادائیگی یہ مزید شرط ہے شہر میں قربانی کے لیے۔ فلا یجوز لاحد ان یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الاول من ایام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من اهل المصر او من اهل القری غیر ان للجواز فی حق اهل المصر شرط زائد وهو ان یکون بعد صلاة العید لایجوز تقدیمها علیه عندنا. (بدائع:۵/۷۳)

(۲) دوم: اسی وجہ سے دوسری غلطی یہ ہوئی کہ مکان اضحیہ کا اعتبار جس کا تعلق دراصل شرطِ اداء یعنی وقت یوم نحر سے ہے اور اہل مصر وقریہ دونوں کے حق میں عام اور کلی ہے۔ مفتی صاحب نے اسے شرط زائد کے ساتھ جوڑ کر اعتبار مکان اضحیہ کے ضابطہ کو جزوی بنادیا دیکھئے مسئلہ... نمبر میں شرط اداء سے نماز عیدالاضحیٰ مراد لی ہے پھر لکھتے ہیں ”شرط اداء میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے“ اور آگے لکھتے ہیں ”تیسری شرط خصوصی اور جزوی ہے“۔

(۳) سوم: مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں مکان اضحیہ ومکان من علیہ الاضحیہ دونوں کے حق میں وقتِ وجوب کو ضروری قرار دیتے ہوئے یوم النحر سے پہلے وجود غنا کے نفس وجوب ہونے کی ایک خاص جزئی مثال پیش کی ہے۔

”اگر ہندوستان کا آدمی سعودی عرب قربانی کا پیسہ بھیج دیتا ہے اور وہاں ہندوستان سے ایک دن پہلے قربانی کا دن شروع ہوجاتا ہے ہندوستان میں ابھی قربانی کا زمانہ شروع ہی نہیں ہوا اب اگر مالکِ قربانی ہندوستان میں اسی دن مرجاتا ہے تو اس کی قربانی واجب ہی نہیں ہوئی حالانکہ مکان اضحیہ میں جہاں قربانی ہونی ہے وہاں وقت ہوچکا تھا۔ لہٰذا مکانِ اضحیہ اور مکان مالک

دونوں قربانی کا سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کا ہونا شرط ہے۔“

یہ استشہاد دو وجہ سے ہے۔

ایک یہ کہ اختلافِ عالم سے حرم میں قربانی کے لیے ہدی بھیجنے کا شریعت کی روشنی میں قدر دارد ہے حالانکہ ہدی بھیجنے والے اور ذبح فی یوم آخر کے درمیان اوقات کا بین فرق بلکہ اکثر قمری تاریخ کا بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے کما ستطلع علیه.

دوسری یہ کہ مالکِ اضحیہ کا یوم آخر سے پہلے جانے کیا انحصار ہے مالک اضحیہ کے اعتبار سے وقت آجانے کے بعد بھی اگر اضحیہ یوم نحر میں ذبح کیا گیا ہے اور مالک گیا تو بھی وجوب ہوا۔

ولو مات الموسر فی ایام النحر قبل ان یضحی سقطت عنه الاضحیة وفی الحقیقة لم تجب لما ذکرنا اَنّ الوجوب عند الاداء او فی آخر الوقت فاذا مات قبل الاداء مات قبل ان تجب علیه کمن مات فی وقت الصلاة قبل ان یصلیها انه مات ولا صلاة علیه کذا ههنا (بدائع:٥/٦٥)

یہی بلکہ یوم نحر میں ادا سے قبل فقر لاحق ہوگیا تب بھی وجوب ساقط ہوجائیگا۔ معلوم ہوا کہ وجوب فی الذمہ کا سبب وقت ہے بلکہ غناو رہے۔

موسر اشتری شاةً للاضحیة فی اول ایام النحر فلم یضح حتی افتقر قبل مضی ایام النحر او انفق حتی انتقص النصاب سقطت عنه الاضحیة وان افتقر بعد ما مضت ایام النحر کان علیه ان یتصدق بعینها او بقیمتها ولا یسقط عنه الاضحیة (فتاویٰ قاضیخان بهامش العالمگیری:٣/٣٤٦)

فتاویٰ رحیمیہ کی تصحیح اور اس میں تسامح کی تردید

مفتی صاحب نے اپنے بنیادی امور کے پیشِ نظر جس کی کا مدار ہے فتاویٰ رحیمیہ کے میں صحت کی تعیین کی ہے۔ بنیاد . خود ہی وش اور نقل کے خلاف ہے تو حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کے کو مبنی تسامح کہنا کیسے ہوسکتا ہے۔

لان الظاهر من الفتوی ان السوال عن المسلم الحر الغنی المقیم فالاضحیة وجبت علیه ای فی ذمته بوجود الغنیٰ الشرعی الذی هو علّة لنفس الوجوب ای لما

هو مقابل لوجوب الاداء وهو الشرط الاول فالغنا شرط فى المرتبة الاولى والوقت بعد ذلك شرطٌ للاداء اى لذبح الاضحية سواء كان الذابح فى المصر او فى مكان لايصلى فيه العيد وعينُ ذلك الوقت سبب لوجوب الاداء هذا هو الشرط الـانى ولافرق بين شرطيّة الوقت وسببيّته لانه جامع لهما باعتبارين (كمامر) ـم بعد ذلك اى بعد مجئ الوقت ينتظر لصحة ذبح الاضحية الانصراف عن صلاة العيد ان تذبح فى المصر وهذا الشرط خاص للمصر فقط وهو الشرط الـالـ فاعتبار الوقت لمكان ذبح الاضحية متعلق بشرط الاداء العام الشامل للمصرى والقروى لاللشرط الـالـ .

واذا علمت هذا فاستمع ان الشيخ المؤقر المفتى السيد عبدالرحيم اللاجفورى نور الله ضريحه قد اجاب السائل المقيم فى حيدرآباد عن اخيه عبدالرشيد الساكن فى بلدة مدراس فنفس الوجوب قد تحقق اذا ماصار ذا غنىً وبعد الوجوب يلاحظ وجوب الاداء المختص بالوقت وهو الشرط للاداء فالعبارات الفقية المندرجة فى الجواب من الهداية والدر المختار ورد المُحتار) لاعتبار مكان الاضحية كلها متعلقة لهذا الشرط فلم يقع تقديم و تاخير من صاحب السمو الشيخ الفقيه اللاجفورى على ما يزعم المفتى شبير احمد المراد آبادى بل الامر اختلط عليه.

واذا كان كذلك فالسائل اذا ذبح فى مقامه فى يوم النحر اضحية اخيه الساكن فى مدراس كان الذبح بعد سبب الوجوب اى سبب وجوب الاداء لان السبب هو الجزء السابق المتصل بالاداء كما قرره الفقهاء فلا يقع الذبح قبل سبب الوجوب على ماقيل فالفتوى صحيح وصواب بالتحقيق لاتسامح فيه مطابق لما صرح به ائمة الفقه فى كتبهم.

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا ئی

موقف کی حمای میں مذکورہ فتاویٰ کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات سے بھی اک طویل ئی صادر ہوا جس میں الله ہذا مختلف فیہا کو دوسرے طرز سے سمجھ گیا ہے۔ خاکم ہن بنیادی تسامحات یہاں بھی درآمد ہوگئی ہیں تجاوز الله عن ھاراتھم.

ادب کے ساتھ عرض ہے کہ بِ وجوبِ اضحیہ کو سب وجوب للز ۃ قیاس کر کے

کہ دونوں مالی عبادت ہیں اور دونوں میں سبب کا لفظ موجود ہے، اضحیہ کے سبب کو موٴثر فی الوجوب تسلیم کیا گیا۔ یہ پہلا مقدمہ ہوا اور چونکہ سبب وجوب اضحیہ کو فقہ میں سبب وجوب للصلاۃ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ دونوں قربانی موقتہ ہیں اور نماز میں وجوب میں مکلّف کے وقت کا اعتبار ہے۔ یہ ہوا دوسرا مقدمہ، قربانی کے کہا گیا کہ جب وقت خاص آجائے کا ذ ال لوا. ہوگا ہی لہٰذا من علیہ الاضحیہ کے حق میں وقت کا اعتبار ضروری ٹھہرا۔ مقدمہ اولیٰ میں زکوٰۃ کا سبب وجوب ملک نصاب ہے جو کہ صفتِ مکلّف اور علّت ہے اور قربانی کا سبب وجوب یعنی وقت ادار کا ظرف اور سبب محض ہے۔ اور مقدمہ میں قربانی کے وجوب کا محل جانور ہے اور نماز میں وجوب کا محل خود مکلّف کی ذات ہے اور دونوں وجوب سے وجوبِ ادار د ہے هذا هو الفرق فيما بين المقدمتين.

اور حيلة المصرى اذا اراد التعجيل الخ کے ئی ہذا میں جو کچھ قوم ہے رسالہ کے اخیر میں "المعتبر مكان الاضحيه" جو کلام کیا گیا ہے اس سے حقیقت آشکارہ ہوجا ۔

موقف کی فاحش خطار

اس سلسلہ کے فتاویٰ میں وقت ہی کو موٴثر فی الوجوب مان کر ابتدار وقت کے رے میں یہ کہا گیا کہ من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے. جب صبح صادق ہوجائے اس کی قربانی دوسرے علاقہ میں کر جا ہے اگر چہ وکیل ذا کے یہاں وقت ہو چکا ہو ور قربانی ہوگی۔ اس حکم کے ساتھ اگر یہ بھی کہا جا کہ من علیہ الاضحیہ کے یہاں وقت ختم ہوجانے بھی دوسرے مقام میں اس کی قربانی جا ہوگی چاہے مکان اضحیہ میں وقت موجود ہو تو ان کے اصول مفروضہ کے مطا یہاں انتہائے وقت میں ں کہا جا ہے" دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذ قربانی وا. ہوجانے کے بعد اس کی ادا جا اور ہونے کے لیے جس میں قربانی کا جانور ہو ں قربانی کا وقت شروع ہوجانے کے بعد قی رہنا ضروری ہے چاہے اصل مالک موٴکل کے مقام قربانی کا وقت ختم ہوگیا ہو" ی ن گجراتی از مفتی فاروق لندن

حالانکہ وقت کو. موٴثر فی الوجوب یعنی سبب وجوب فی معنی العلۃ تسلیم کر کے من علیہ الاضحیہ کے حق میں اول وقت کا اعتبار ضروری قرار دیا گیا ہے تو لامحالہ آخر وقت میں بھی اسکا اعتبار ہوگا کیونکہ قربانی کے دوسرے مقام ہونے کے لیے. یہ کہا جا ہے کہ پہلے

مؤکل کا ذ ل لوا. ہے چاہیے اس لیے کہ ادا، وجوب کے اور ذ ل لوا. ہے وقت کی آمد کہ اس سے پہلے۔ کما فی ا غ والنداء و تو پھر بندہ بھی کہتا ہے کہ قربانی کے ہونے کے لیے مؤکل من علیہ الاضحیہ کے اصل وجوب کا قی رہنا بھی ضروری ہے . مؤکل کے اعتبار سے وقت ختم ہوگیا تو نفس وجوب ہی ختم ہوگیا تو پھر ادا، کے ہونے کا کیا معنی۔ جیسے وجوبِ زکوۃ کے لیے ملک نصاب کو سبب وجوب کہا گیا ہے تو بقائے زکوۃ کے لیے نصاب کا قی رہنا شرط ہے اگر ادا، سے پہلے نصاب ہلاک ہوگیا تو زکوۃ ساقط ہوجائے گی کیونکہ ملک نصاب سے اصل وجوب ہے لہٰذا سبب وجوب ختم تو نفس وجوب بھی ختم۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے ئیدی خط میں یہ جملہ لکھا ہے ”احتیاط اس میں ہے کہ قربانی کسی ملک میں کی جائے تو جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے ملک میں بھی ایام اضحیہ ختم ہوئے ہوں۔“

”احتیاط“ کا لفظ پھر بھی تسامح سے خالی کیونکہ من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے وقت ختم ہوجانے کے بعد مکان اضحیہ میں قربانی جائز ہوتی تو احتیاط تھا کہ ان کے وقت ختم ہونے سے پہلے کرلی جائے۔ یہاں تو اصول مفروضہ کے مطابق قربانی بعد از وقت درست ہے ہی ۔

اس طرح کا مسئلہ مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی دامت کا تم کے شائع کردہ ی میں بھی ہے۔

مسئلہ نمبر دی اور کے جیسے ملک میں عید عموماً یہاں ہندوستان سے ایک دن پہلے ہوتی ہے اس لیے ں کے شندے کی قربانی یہاں کی دسویں، گیارہویں اور رہویں ذی الحجہ کے غروب آفتاب کرنی جائز ہے احتیاطاً ان کی قربانی پہلے دو دن یعنی دسویں، گیارہویں میں کرلینی چاہیے کہ ں کے ایام قربانی را ہونے سے پہلے ان کی قربانی ادا ہوجائے۔ جمہ از ی ن گجراتی مجلس الفقہ الاسلامی گجرات

فتاویٰ کا یہ دوسرا طرف خود ان کے اپنے مفروضہ کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ ابتدائے وقت میں من علیہ الاضحیہ کا اعتبار اور انتہاء میں مکان اضحیہ کا اعتبار کیا گیا ولم یقل احد بصحة اداء الموقتات بعد مضی وقتھا... فان التضحیة اراقة الدم وھی انما تقبل فی وقت الاداء لا بعدہ وانما الذی یلزم بعدہ قضاء ھا (فتح القدیر: ۹/۵۰۷)

واما بعد مضی ایام النحر فقد سقط معنی التقرب باراقة الدم لانھا لاتکون قربة

الا فی مکان مخصوص وهو الحرم او فی زمان مخصوص وهو ایام النحر ولکن یلزم التصدق بقیمة الاضحیة اذا کان ممن تجب علیه الاضحیة لان تقربه فی ایام النحر کان باعتبار المالیة فیبقی بعد مضیها والتقرب بالمال فی غیر ایام النحر یکون بالتصدق (مبسوط:۱۲/۱٤)

یہ موقف کا مفسدۂ عظیم

وقتِ خاص ''سببِ وجوب ادا'' ہے اور ادا کا جو محل ہوگا وقت کا اعتبار اس کے حق میں کیا جائے گا جو مسئلہ زیرِ بحث میں اضحیہ ہے اس ضابطہ کے رُو سے عمل میں امت کے لیے یسر وسہولت ہے۔ اس کے خلاف ''سببِ وجوب'' کے لفظ سے وقت کو ذکر کے لوا ہونے کا موقف کے نتیجہ میں جو علمی خطائیں واقع ہوئی ہیں ان میں سے اکثر آپ شتہ ت میں مطلع ہو چکے ہیں اور اب اخیر میں اس یہ موقف کے عملی پہلو میں امت کس قدر حرج و اور نی میں ہو جائے گی اسے بھی ایک نظر دیکھ لیجئے۔ کیونکہ ایک طرف یہ مسئلہ فقط مغربی ممالک کی قربانی مشرقی ملکوں میں انجام دینے کا ہے بلکہ دنیا کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں ایک کی قربانی دوسری کرنے سے ہے۔ اور دوسری طرف شمسی اوقات کے اعتبار سے ملک کے صوبوں اور صوبوں کے ضلعوں میں صبح صادق اور غروب آفتاب و کے اوقات میں تفاوت تقدم ہے لکل مسلّم اور قطعی ہے مثلاً ال ھ کی دسو ذی الحجہ م النحر رجنوری ء کو رہی ہے اس دن کے صبح صادق کے اوقات میں علاقوں کا فرق بطور حظہ فرمائیے۔

نوٹ: یہ ان اسی سال عید الاضحیٰ سے قبل لکھا گیا ہے۔

صوبہ گجرات

علاقہ	رجنوری	صبح صادق	علاقہ	رجنوری	صبح صادق
وادمن	//	-	سورت	//	-
احمد آباد	//	-	پٹن	//	-
بھوج	//	-	او	//	-

اسی طرح دیگر صو[illegible]اں کے مختلف حصوں کے اوقاتِ صبح صادق معلوم کیے جائیں تو تفاوت ضرور ظاہر ہوگا اور شریعت نے قر[illegible]نی [illegible] ہونے کے لیے دسو[illegible] کی صبح صادق سے لے کر [illegible] و [illegible] کے غروب آفتاب۔ [illegible] وقت کی تحد[illegible] کی ہے [illegible] صبح صادق سے قبل جا[illegible] اور [illegible] غروب آفتاب کے بعد جا[illegible]۔

لاتجوز التضحية فی الليلة العاشرة من ذی الحجة لانها تضحية قبل الوقت (قاضيخان علی هامش العالم[illegible]يری:۳/۳۴۵)

ولم يقل احد بصحة اداء الموقتات بعد مضی وقتها. الخ (فتح القدير) اور ا[illegible] [illegible] کی قر[illegible]نی دوسری [illegible] شرعاً وفقہاً دونوں اعتبار سے در[illegible] ہے [illegible] ا[illegible] پٹن[illegible] بھوج کے کسی [illegible] نے وا[illegible] سورت کے کسی دیہات مثلاً [illegible] لو[illegible] اج میں کہ یہاں شرعاً نماز عید [illegible] ہے قر[illegible]نی کرائی اور وکیل نے صبح صادق کے فوراً بعد ذ[illegible] کیا تو ائمہ فقہ کی تصریح کے مطا[illegible] یہ قر[illegible]نی شرعاً [illegible] کہلائے گی اور [illegible] موقف کے اعتبار سے قر[illegible]نی [illegible] ہوئی کیونکہ من علیہ الاضحیہ مقیم پٹن و بھوج [illegible] [illegible] اور [illegible] سے پہلے وجوب ہی [illegible] ہوا، لہٰذا ذ[illegible] قبل الوقت ہوا۔

ہندو[illegible]ن

علاقہ	[illegible]/جنوری	صبح صادق	علاقہ	[illegible]/جنوری	صبح صادق
دہلی[illegible] دارالسلطنت[illegible]	//	[illegible]	کلکتہ [illegible] مغر[illegible] بنگال[illegible]	//	[illegible]
بمبئی[illegible] [illegible] راشٹر[illegible]	//	[illegible]	ڈو[illegible] و[illegible] ط[illegible] آسام[illegible]	//	[illegible]
سری نگر[illegible] کشمیر[illegible]	//	[illegible]	پٹنہ [illegible] بہار[illegible]	//	[illegible]
بیکا[illegible]را [illegible]ن[illegible]		[illegible]	مدراس[illegible]ل ڈو[illegible]		[illegible]
لدھیا[illegible] پنجاب[illegible]		[illegible]	کٹک[illegible] اڑ[illegible]		[illegible]
احمدآ[illegible]د[illegible] گجرات[illegible]		[illegible]	لکھنؤ[illegible]		[illegible]

[illegible] یہ [illegible] ٹائم ٹیبل ''اوقات الصلوٰۃ'' [illegible] ائے ہندو[illegible]ن [illegible]تبہ محمد انس سے ماخوذ ہے ای[illegible] دو [illegible] کا فرق ممکن ہے[illegible]

[illegible] دہلی والوں کی قر[illegible]نی مثلاً اطراف کلکتہ کے کسی دیہات میں [illegible] بمبئی والوں کی قر[illegible]نی مدراس کے دیہات میں بلکہ اہل گجرات کی قر[illegible]نی بہار، بنگال اور آسام کے دیہاتوں میں طلوع صبح صادق کے فوراً بعد فقہاء کے بیان کے مطا[illegible] [illegible] لکل در[illegible] ہے اور [illegible] فتاویٰ کے رُو سے قطعاً جا[illegible] [illegible] ہے۔

یہ منقسم ہندوستان کا حال ہے پاکستان و بنگلہ دیش ہی نہیں بلکہ ہر ملک کے اندرونی علاقوں میں قرب و بعد مسافت کی وجہ سے شمسی اوقات میں فرق یقینی ہے۔

اب ملکوں کا بھی اندازہ لگالیجئے۔

افریقہ، امریکہ، برطانیہ، وغیرہ اور ممالک عربیہ کے مالداروں کی قربانیوں کا سلسلہ ہندوستان اور بنگال وغیرہ ایشیائی و غیر ایشیائی ملکوں میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ کے بعد سے نہیں بلکہ ایک زمانۂ قدیم سے جاری اور لوگوں میں رائج ہے۔ اہل مغرب کی طرف سے مشرقی ملک کے کسی دیہات میں بلکہ شہر میں رہنے والا غریب یا مالدار، شناسا یا ناشناسا، براہ راست یا بالواسطہ جو قربانی کا وکیل ہوتا ہے اوّلاً تو اسے یہی نہیں معلوم کہ جس کی طرف سے قربانی ہے وہ کون اور کہاں رہتا ہے؟ اگر ثانیاً معلوم ہو تو اسے یہ علم نہیں ہوتا ہے کہ من علیہ الاضحیہ سے میں (وکیل ذاتی) جہاں رہتا ہوں دونوں مقامات میں دن یا گھنٹوں کا کتنا فرق ہے اور اگر ملکی پیمانہ فرق یعنی معیاری وقت کا معلوم بھی ہو تب بھی مقامی وقت کی شمسی رفتار کے لحاظ سے من علیہ الاضحیہ کے یہاں صبح صادق وغیرہ اوقات کا واقعی علم نہیں ہوتا اس صورت میں وکیل ذاتی کے لیے وقت کا صحیح اندازہ لگانا اور پھر اس کی رعایت کرنا کہ من علیہ الاضحیہ کے یہاں صبح صادق ہو چکی ہے یا نہیں یقیناً دشوار اور مشکل ہے۔

وکیل اگر شہر میں ہے تو وہ اتنا جانتا ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی درست ہے اس سے قبل نہیں اور اگر دیہات میں ہے تو صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ عامۃ المسلمین جتنا جان رہے ہیں وہ یہی شرعاً ثابت ہے اور اگر من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے وقت کی رعایت کرنا ضروری ہو جیسا کہ بعض کا موقف کا تقاضہ ہے تو اتنا ہی نہیں کہ شہری کی قربانی دیہات میں صبح صادق کے بعد بلکہ ایک شہری کی قربانی دوسرے شہر میں نماز عید کے بعد بھی جائز نہ ہو مثلاً ایک مکی شخص نے اپنی قربانی سورت میں کرائی وکیل شہر میں نماز عید کے فوراً بعد ذبح کرتا ہے تو رؤیت ہلال کی بنیاد پر عرب اور ہند کی تاریخ ایک ہو جانے کے باوجود قربانی نہیں ہو سکی اس لیے کہ شمسی وقت کے لحاظ سے مکی شخص یعنی من علیہ الاضحیہ کے یہاں ابھی صبح صادق نہیں ہوئی ہے اور یہاں سورت میں لوگ نماز عید سے فارغ ہو کر جانور ذبح کر رہے ہیں۔

غرضیکہ دنیا کے مختلف خطوں میں اور ملک کے مختلف حصوں میں لوگ وکالتاً و نیابتاً دوسروں کی قربانی کرتے ہیں ان کے لیے من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے صبح صادق کا لحاظ رکھنے میں

کھلم کھلا حرج ہے اور یہ مفسدۂ عظیم بھی موقف کا نتیجہ کہلائے گا۔

موقفِ حادث سے ایک متواتر عمل کا بطلان

بھی موقف کا دوسرا نتیجہ ہے کہ مفتی شبیر احمد صاحب نے ضابطہ کی تفہیم کے لیے بطورِ مثال ذکر کیا اور مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی نے مسئلہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔

''مسئلہ یہاں ہندوستان میں رہنے والے بھائیوں کی قربانی دی اور، کے میں ان کی دسویں ذی الحجہ کو جائز اس لیے کہ یہاں کے شندہ نو ذی الحجہ ہونے کی وجہ سے ابھی قربانی وا. ب ہوئی ہے۔'' ی از مفتی اسماعیل بھڑکودروی مجلس الفقہ الاسلامی گجرات اور قی حضرات بھی التزاماً اسی کے قائل ہیں۔

حقیقت میں یہ اُس بھی موقف کا دوسرا مفسدہ ہے کہ اس سے اطرافِ عالم سے ہدی رقم بھیج کر حرم میں کی جانے والی قربانیوں کا ایک سلسلہ جو خیر القرون سے عملاً چلا آرہا ہے جبکہ قربانی کرانے والے وہ لوگ بھی ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں مقیم رہتے ہیں اُن کے اور حرم میں ذبح کے وقت میں کثیر تفاوت پایا جاتا ہے اور عموماً تاریخ کا بھی فرق رہتا ہے تو امت کے اس قدر مشترک متواتر عمل کا باطل ہونا لازم آتا ہے جبکہ اصول شرع کی روشنی میں امت کا یہ عمل بالکل حق ہے اور اس کے اور منقول ہونے کتاب فقہ تاریخ کی شہادت کافی ہے کہ آ ی رسالہ میں آپ مطلع ہوں گے۔

اس موقف کا اصولِ فقہ کے خلاف بلکہ خود اپنے مفروضہ کے خلاف ہونے، اثباتِ کا حرجِ بیّن میں ہونے اور ایک متواتر عمل کے باطل ہونے کی وجوہوں سے بھی موقف کا غلط ہونا بالکل عیاں ہوجاتا ہے۔ فتفکروا.

کشف الغطاء عن اعتبار الوقت لمحل الاداء

ایام قمری اور اوقاتِ شمسی

عبادتوں کی ادائیگی کے لیے ایام کی تعیین اور اوقات کی تحدید بھی کی گئی ہے تاریخ کی تعیین شریعتِ میں قمری اعتبار سے ہے اور اوقات کی تحدید و تقدیر شمسی اعتبار سے ہے ماہِ قمری کے ثبوت کا دارومدار رویتِ ہلال ہے اور حسبِ اختلاف یعنی خواہ مطلع متحد ہو یا مختلف چاند دیکھنے

والوں کے حق میں مطلع صاف ہونے نہ ہونے کی وجہ سے بعض ممالک اور بعض شہروں میں رُویتِ ہلال کا تحقق ہوتا ہے اور دیگر بعض مقامات پر اس کا شرعی ثبوت نہ بہم پہنچے اس لئے تاریخ میں ایک دن کا فرق آجانا ممکن بلکہ واقع اور مسلّم ہے۔

مقامی وقت یعنی آفتاب کی ذاتی یومیہ رفتار سے صبح صادق، طلوع، زوال، غروب وغیرہ کے ذریعہ وقت میں امتیازات قائم ہونے سے مخصوص اوقات کا تحقق ہوتا ہے اور آئے دن ان میں ان کے جائے وقوع کے طول البلد وعرض البلد کے اختلاف سے اوقات مخصوصہ میں تفاوت ہے یہی وہ یقینی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں ایک دن میں گھنٹوں کا فرق بلکہ لیل ونہار کا بھی اختلاف ہوا کرتا ہے۔

موقتات میں ایام واوقات کا اعتبار

لہٰذا اگر کسی اقلیم میں اتحاد مطلع کی بنیاد پر قمری تاریخ یکساں ہو، تب بھی اوقات مخصوصہ میں تقدم وتأخر ظاہر لازمی ہے اسی لیے فرضیتِ احکام میں دونوں امورِ قطعی کا اعتبار کیا گیا اور شرع نے عبادتوں کی ادائیگی کا مکلّف کرنے میں حسبِ وعدۂ خداوندی یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا. بندوں کی قدرت علی الاداء کی بھی رعایت کی ہے یعنی شارع کا بندوں سے اداء کا مطالبہ ان کے اعتبار سے اوقاتِ مخصوصہ میں ہوا کرتا ہے۔ دیکھئے قرآن پاک کی آیت ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتاً.

اس آیت کے تحت امام رازیؒ لکھتے ہیں واعلم انه تعالیٰ بیّن فی هذه الآیة ان وجوب الصلاة مقدر باوقات مخصوصة الّا انه تعالیٰ اجمل ذکر الاوقات ههنا وبیّنها فی سائر الآیات (تفسیر کبیر: ۲۸/۱۱) امام قرطبیؒ لکھتے ہیں... وقال زید بن اسلمؒ موقوتاً منجّمًا ای تؤدّونها فی انجمها والمعنی عند اهل اللغة مفروض لوقت بعینه (تفسیر قرطبی: ۳۷۴/۵) اور قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں ای فُرِضَ محدود الاوقات لایجوز اخراجها عن اوقاتها فی شیء من الاحوال (تفسیر بیضاوی: ۲۰۲/۳)

ان سب کا حاصل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی جامع تفسیر ''بیان القرآن'' کے ترجمہ وتفسیر کے مختصر دو جملوں سے ملاحظہ فرمایئے ''یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے'' پس فرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنا ضرور اور موقت ہونے کی وجہ سے

وقت ہی ادا کر ضرور ی بیان القرآن

پہلے جملہ میں ''ادا کر'' ادار و دونوں کو شامل ہے اور دوسرے جملہ میں ''ادا کر'' سے
ادادا یعنی کا مقابل ہے۔

الغرض واجباتِ موقتہ بلکہ قربۃ واجبہ بھی اگر شریعت نے اس کی ادار کو موقت قرار دیا ہے
تو ادار یعنی فعل وا۔ نفل کا جو محل ہوگا اس کے حق میں وقت کا اعتبار کیا جائے گا اور محلِ ادار
جہاں ہوگا اس کا وقت ملحوظ ہوگا۔

نماز، روزہ یعنی ارکان مخصوصہ اور کِ مخصوص کا محل مکلّف کی ذات ہے یعنی فعل کا
صدور اور قیام مکلّف کی ذات سے ہے اور چونکہ ان افعال سے اِتعابِ نفس مطلوب ہے اسی لیے
یہاں بھی جا لہٰذا فاعل یعنی مکلّف ہی کے حق میں وقتِ وجوب کا اعتبار ہوگا۔ ا
کوئی ہندی مثلاً ریہ پہنچ جائے تو اس کے ذ ، اور کی ادار کا وجوب ہوگا اور کوئی ری
شخص مثلاً عرب چلا جائے تو یہ دونوں نماز بھی وا۔ الادار ہوں گی۔ کیونکہ ریہ میں ر کا
وقتِ ممتاز جا ہے۔ اہلیتِ وجوب کے بعد ہی اوقات مخصوصہ میں متوجہ ہونے والے
خطابِ شارع سے جس ا دال ہے ادار کا وجوب بھی مکلّف کے ہی ذ آ ہے وقت
کی وجہ سے ذ ل لوا۔ ہوا لہٰذا فقہار کا ''سببها اوقاتها'' کہنا لکل ہے۔

وسبب وجوبها اوقاتها والامر طلب لاداء ماوجب فى الذمة بسبب الوقت
وقد ذكرنا وجه ذلك فى التقرير... فان قلت جعلت الوقت سببًا فكيف يكون شرطا
قلتُ هو سبب للوجوب وشرطٌ للاداء. (عنايه على هامش الفتح: ۲۱۶/۱)

یہ وجوب عتبارِ محلِ ادار کے ہے اور اصل وجوب مکلّف کے ذ عتبار صفات کے
ہے۔ فافهم فانه لطيف وانه مزلة الفهم.

اور ز ۃ میں جزءٌ من النصاب کی ادا کا وجوب ہے جو کہ مال ہے
ادار کا محل مال ہے لہٰذا وجوبِ ادار کا تعلق مال سے ہوا اور مال من حیث الجنس محلِ ادار ہے کہ
بحیثیتِ نوع اور چونکہ مقصود تصدق سے سَدّ خلّة المحتاج ہے اسی وجہ سے فی الادار
جا ہے، لہٰذا ادائے ز ۃ محلِ مال کا لحاظ ہوگا چنانچہ جہاں مال ہو ں کے فقرار کو مقدم ر جا
ہے اگرچہ ز ۃ کی ادا موقت ہے مکانِ محلِ ادار کی رعایۃ ئی جاتی ہے۔

اور صدقۃ الفطر میں جس فعل کا وجوب صبح م الفطر کو ہے وہ درحقیقت ''اغنار'' ہے

اوراغناء کاتعلق ذ▯مکلّف سے ہے▯ نماز، روزہ کی طرح مکانِ مودّی کے حق میں وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

▯ اورقر▯نی میں اوقات مخصوصہ میں وا▯ ہونے والا فعل اراقۃ الدم ہے جس کا محل جانور ہے اس لئے ذ▯اضحیہ کے حق میں وقت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی جانور جہاں ہوگا▯ں کا وقت ملحوظ ہوگا خواہ ذا▯ خود من علیہ الاضحیہ ہو▯ اس کی طرف سے وکیل▯۔اورخواہ قر▯نی نفل ہوکہ وا▯ اور وجوب بشرط الغ▯ من جا▯ اللہ▯ ہو▯ بسبب▯ نذر▯ من جا▯ العبد▯ ہو▯ پھرشراءِ فقیر▯یۃ الاضحیہ ہو۔کیونکہ وقت مطلق قر▯نی کے لیے شرط اداء ہے۔

یہ▯ امور▯ فقہ کے▯ د▯لکل مسلّم ہیں اوراس میں نقلاً کوئی ا▯ف▯ ہے۔

(۱) القربات الموقتة يعتبر وقتها فى حق فاعلها لا فى حق المفعول عنه (بدائع:۵/۷۳)

(۲) المعتبر فى الزكوٰة فقراء مكان المال وفى الوصية مكان الموصى وفى الفطرة مكان المودّى عند محمد وهو الاصح لان رء وسهم تبع لرأسه (طحطاوى:۷۲۲)

(۳) وصدقة الفطر بعد ماوجبت لاتسقط بموت المودّیٰ عنه بخلاف الزكوٰة فان الواجب هناك جزء من المال وبهلاكه يفوت محل الواجب وهنا الصدقة تجب فى ذمه المودّى فبموت المو▯ى عنه لايفوت محل الواجب فلهذا لا يسقط. (مبسوط:۳/۱۰۸▯ هدايه:۱۹٤)

(٤) فيعتبر فى الاداء مكان المحل وهو المال لامكان الفاعل (اى من عليه الاضحية) اعتباراً بها بخلاف صدقة الفطر حي▯ يعتبر فيها مكان الفاعل لانها تتعلق فى الذمة والمال ليس بمحل لها (مبسوط:٦/٤٧٧)

ويعتبر مكان المذبوح لامكان المالك وفى صدقة الفطر يعتبر مكان المولیٰ لامكان العبيد (قاضى خان)

فيعتبر فى الصرف اى فى الاراقة مكان المحل اى المال لامكان الفاعل اعتبارًا بالزكوٰة بخلاف صدقة الفطر (فتح القدير)

المعتبر مکان الاضحیۃ کا ضابط عام

▯▯ قر▯نی میں مکانِ ذ▯ اضحیہ کے حق میں وقت کا اعتبار صا▯ ▯ائع نے خوب

وضا □وصرا □ کے ساتھ مدلل لکھا ہے وانما یعتبر مکان الشاة لامکان من علیه هکذا ذکر محمد فی النوادر قال انما انظر الی محل الذبح ولا انظر الی موضع المذبوح عنه وهکذا روی الحسن عن ابی یوسف انه یعتبر مکان الذی یکون فیه الذبح ولا یعتبر المکان الذی یکون فیه المذبوح عنه وانما کان کذلك لان الذبح هو القربة فیعتبر مکان فعلها لامکان المفعول عنه (بدائع: ۵/۷٤)

القربات الموقتة یعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه ا□شرعی قا□ہ کلیہ ہے بلکہ الموق□تة کے عموم میں واجبات موقتہ اور موقتات □واجبہ دونوں شامل ہیں چنانچہ حج جس □فرض ہے. □وہ بنفس □حج ادا کرے گا تو اسی کے حق میں □م واوقات کا اعتبار ہوگا اورا□معذور ہونے کی وجہ سے دوسرے کو □تو اس حاج عن الغیر کے حق میں اوقات کا لحاظ ہو□ ہے خواہ محجوج عنہ کے یہاں □م عرفہ اور وقت وقوف شروع ہو گیا ہو□ □ا □محجوج عنہ □حج فرض ہو□ ضروری ہے اور اس کی فرضیت ا □ □متحقق ہو جاتی ہے□ یہی حال نفل حج کا ہے اس لیے کہ شرعاً وہ بھی موقت ہے۔ٹھیک اسی طرح قر□نی ہے وا. □ہو کہ نفل اس کی ادا، مقید □لوقت ہے□ا□ وجوب فی الذ□سوہ غنا و □رسے ہے□ اور نماز، روزہ میں مکلّف ہی فاعل قر□بۃ ہے اس لیے اس کے حق میں اوقات ملحوظ ہوتے ہیں۔

لہٰذا مکانِ ذ□ اضحیہ کا اعتبار □ □کلف□ین کے حق میں شہری ہوں□ دیہاتی مسلم الثبوت ضابطہ ہے جہاں عید کی نماز شرعاً ہو□ں نمازِ عید کے بعد اور وہ تمام جگہیں جہاں شرعاً نماز عید □ ہے صبح صادق کے فوراً بعد احناف کے□ د□ قر□نی جا□ ہے خواہ ذ□ کرنے والا من علیہ الاضحیہ □ات خود ہو□ اس کا وکیل □□ □۔

المعتبر فی ذلك مکان الاضحیة حتی لو کانت فی السواد والمضحی (ای من علیه الاضحیة) فی المصر یجوز وقت الفجر ولو کانت فی المصر والمضحّی فی السواد لایجوز الا بعد الصلاة لانها تسقط بالهلاك قبل مضی ایام النحر کالزکوٰة تسقط بهلاك النصاب فیعتبر فیها مکان المحل وهو المال لامکان الفاعل (من علیه الواجب) کالزکوة بخلاف صدقة الفطر حی□ یعتبر فیها مکان (المودّی) لانها تتعلق به فی الذمة (شرح نقایه:۲/۲٦۹)

تنبیہ (حیلة المصری)

کتب فقہیہ میں "حیلة المصری اذا اراد التعجیل الخ" جیسی عبارت مذکورہ لا قاعدۂ شرعیہ (المعتبر مکان الاضحیة) متفرع ای ئی ہے یعنی اہل شہر کے لیے قربانی کا گوشت جلد حاصل کرنے کی ای بیر ہے جوان کے اپنے شہر ہی سے قریب کے دیہات اور قریہ میں ممکن ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا تو ہے کہ دونوں میں اضحیہ کا وقت شروع ہو چکا ہے لیکن اس سے یہ کہ اہل شہر کے حق میں صبح صادق کے بعد نماز عید سے پہلے قربانی کے جواز کی یہی صورت ہے جو شہر سے قریب دیہات میں متحقق ہو سکتی ہے، ہر ہے کیونکہ وقت جواز ''شرط ادا،'' میں د کے تمام اہل شہر اور اہل قریہ ں شامل ہیں اور نمازِ عید سے فرا کی شرطِ زا صحتِ قربانی کے لیے مطلق شہر کے حق میں ہے جس میں عالم کے تمام شہر دا ہیں اور صبح صادق کے فوراً بعد دیہات میں قربانی کے ہونے کے لیے دیہات کا شہر سے قریب ہو شرط ہے۔ ودخول الوقت لایختلف فی حق اهل الامصار والقریٰ وانما یختلفون فی وجوب الصلاة فلیس علی اهل القریٰ صلاة العید الخ. کما مرّ (مبسوط:۱۲/۱۰) الحنفیة قالوا: یدخل وقت الاضحیه عند طلوع فجر یوم النحر... وهذا لایختلف فی ذاته بالنسبة لمن یضحی فی المصر او یضحی فی القریة لکن یشترط فی صحتها للمصری ان یکون الذبح بعد صلاة العید (الفقه علی مذاهب الاربعة)

مکانِ اضحیٰ ومن علیہ الاضحیہ کا اتحاد وا ف

مکان اضحیہ اور من علیہ الاضحیہ کے اتحاد وا ف کی عقلاً نچ اور حاصل صور ہیں فقہاء عموماً بیان کرتے ہیں۔

دونوں کا مکان متحد ہو جس کی دو شکلیں ہیں ای دونوں شہر میں ہیں تو چونکہ مکان ذ شہر ہے نماز عید سے پہلے قربانی جا ۔ دوسری اور اگر دونوں دیہات میں ہیں تو بعد طلوع فجر فوراً قربانی در ہو گی خواہ ذا خود من علیہ الاضحیہ ہو شخص دیگر۔

اور اگر دونوں کا مکان مختلف ہے تو جوازِ اضحیہ کے لیے مکان اضحیہ کا اعتبار ہے کہ من علیہ یامن منه الاضحیه کا اتحاد کی صورت میں چونکہ کوئی اشکال ہے اس لئے ا بر

مکان الاضحیۃ کا ضابطہ کرنے کی حا. آئی اورا ف کی صورتوں میں اشکال متوجہ ہوگا اس لیے ضابطہ بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی چنانچہ

من علیہ الاضحیہ ا شہر میں ہو اور اس کا جانور دیہات میں تو وکیل ذا کے لیے صبح صادق کے بعد قر نی لکل در ہے خواہ اضحیہ وا. ہو کہ فلہ اور من علیہ الاضحیہ یامَن مِنه الاضحیة کسی بھی شہر میں ہو۔

دوسری کے عکس اضحیہ شہر میں ہے اور من علیہ الاضحیہ دیہات میں تو نماز عید سے قبل جا ۔ا فِ مکان کی صورتوں میں وکیل ذا اورا مذ ح عنہ کے درمیان قرب و بعد فت سے جواز کوئی ا واقع ہ ہے۔

اعلم هذا اذا كان من عليه الاضحيه فى المصر والشاة فى المصر یہ پہلی صورت ہوئی فان كان هو فى المصر والشاة فى الرستاق او فى موضع لايصلى فيه یہ دوسری صورت ہوئی وقد امر ان يضحوا عنه فضحّوا بها بعد طلوع الفجر قبل صلاة العيد فانها تجزيه وعلى عكسه لوكان هو فى الرستاق والشاة فى المصر یہ تیسری صورت ہوئی وقد امر ان يضحى عنه فضحّوا بها قبل صلاة العيد فانها لاتجزيه وانما يعتبر فى هذا مكان الشاة لامكان من عليه الخ (بدائع)

من علیہ الاضحیہ ا قریہ میں ہو اور اسکا اضحیہ دوسرے قریہ میں اس کا حکم نمبر سے ظاہر ہے

ا شہر والے کی قر نی دوسرے شہر میں علی عکس الرا اس کا حکم نمبر سے معلوم ہو چکا ہے۔

اس آ ی صورت میں حسن نے کا معمولی سا ف اَولو کا ہے اور وہ بھی ذبح فی المصر کی شرط زا "فراغ عن الصلاۃ" کے حق میں کہ اصل شرط میں۔

صا ائع آگے لکھتے ہیں وان الرجل فى مصر واهله فى مصر آخر فكتب اليهم ان يضحوا عنه روى عن ابى يوسف انه اعتبر مكان الذبيحة فقال ينبغى لهم ان لا يضحوا عنه حتى يصلى الامام الذى فيه اهله وان ضحوا عنه قبل ان يصلى لم يجز وهو قول محمد وقال حسن بن زياد انتظرت الصلاتين جميعًا وان شكوا فى وقت صلاة المصر الآخر لم يذبحوا حتى تزول الشمس فاذا زالت ذبحوا عنه. وجه قول الحسن ان فيما قلنا اعتبار الحالين حال الذبح وحال المذبوح عنه فكان اولٰى.

ولابی یوسف ومحمد ان القربة هو الذبح والقربات الموقتة یعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه (بدائع: ۵/۷۳)

یعنی حسن نے فرماتے ہیں کہ مذ ح عنہ کے یہاں بھی نماز عید ہوچکی ہو اس کا لحاظ کر جائے تو اولیٰ ہے کیونکہ اس میں دونوں کے حال کی رعای ہے۔ گوی ا نز دی اس صورت خاص میں بھی مکان اضحیہ کے اعتبار سے قر نی بعد نماز عید جا اور در ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ادائے قر کے لیے اعتبارِ وقت کا ضابطہ کے دی سلّم اور علیہ ہے حسن نے اس ضابطہ درجہ اولیت میں مکانِ مذ ح عنہ کے اعتبار کا اضافہ کررہے ہیں اس کے لمقابل صا بینؒ نے اصول کوئی اضافہ کسی درجہ میں کیا اور اسی میں امس کے لیے سہو ہے۔ چنانچہ امس کا عمل بھی صا بینؒ کے قول کے مطا ہے اور یہی فتی ہے۔

الغرض مذکورہ تمام صورتوں میں غور فرمایئے المعتبر مکان الاضحیة کا ضابطہ کارفرما ہے حالانکہ ا ف کی صورتوں میں یہ عین ممکن ہے کہ مکان اضحیہ اور من علیہ الاضحیہ کے درمیان بعدِ فت کی وجہ سے طلوع صبح صادق اور غروب آفتاب کے اوقات میں بین فرق ہو کیونکہ یہ نظام شمسی کے تحت ای سلّم حقیقت ہے پھر بھی صحت ضحیہ کے لیے ابتداء وانتہاءِ وقت میں مکان اضحیہ کا ہی اعتبار کیا گیا ہے لان الذبح هو القربة فیعتبر مکان فعلها لامکان المفعول عنه.

اسی ضابطہ کے ماتحت وہ ئیہ ہے جو "حیلة المصری الخ" کے عنوان سے کتب فقہ میں مذکور ہے جس کی وضا رگئی۔

اراقۃ الدم کی انواعِ اربعہ

شریعت میں اراقۃ الدم کے ذریعہ قر انجام دینے کی جتنی صور ہیں ان کی زمان ومکان کے ساتھ ا ص کے اعتبار سے چار ہیں

زمان ومکان دونوں کے ساتھ خاص ہو جیسے دمِ قران، ودمِ تمتع اور دمِ نفل اَ ا مفرد لحج کر چاہے یعنی دم شکر مِ نحر اور حرم کے ساتھ مختص ہے۔

مکان یعنی حرم کے ساتھ خاص ہو زمان یعنی م النحر کے ساتھ خاص ہو جیسے دمِ جنایت، دمِ احصار، دمِ کفارہ۔

یم نحر کے ساتھ خاص ہو، مکان متعین ہو جیسے اضحیہ خواہ وا ہو کہ نفل۔

زمان ومکان دونوں کے ساتھ خاص ہو جیسے دمِ ر۔

م اعلم ان الدماء علی اربعة اوجهٍ منه ما یختص بالزمان والمکان وهو دم المتعة والقران ودم التطوع فی روایة القدوری ودم الاحصار عندهما (۲) ومنه ما یختص بالمکان دون الزمان وهو دم الجنایات ودم الاحصار عنده والتطوع فی روایة الاصل (۳) ومنه ما یختص بالزمان دون المکان وهو الاضحیة (٤) ومنه مالا یختص بالزمان ولا بالمکان وهو دم النذور عندهما وعند ابی یوسف دم النذور یتعین بالمکان. (تبیین الحقائق: ۲/٤۳٤)

اس سے معلوم ہوا کہ دم قران وتمتع اوراضحیہ م نحر کے ساتھ خاص ہے اور دم شکر ہو کہ دم جنای حرم کے ساتھ موقت ہے اور دم تطوع اور دمِ ور مختلف فیہ ہے۔

(وخص ذبح هدی المتعة والقران بیوم النحر فقط والکل بالحرم لابفقیره) بیان لکون الهدی موقتا بالمکان سواء کان دم شکر او جنایة لما تقدم انه اسم لما یُهدی من النعم الی الحرم واما توقیته بالزمان فمخصوص بهدی المتعة والقران الخ (بحرالرائق: ۳/۷۲)

دوسری ت یہ معلوم ہوئی کہ ان تمام اراقۃ میں ذبیحہ کے حق میں زمان مکان کا اعتبار کیا گیا ہے کہ مذ ح عنہ کے زمان ومکان کا۔ ا مذ ح عنہ کے اعتبار سے زمان ومکان کی رعای ضروری ہوتی تو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اتنی اہم شرط کو نظرا از فرماتے۔

تیسری ت غور فرمایئے اِن قُر ت میں جو اراقہ وا ہے اس کے وجوب فی الذ کا سد وہ صفت ہے جس سے مکلّف وقتی وعارضی طور متصف ہوا ہے یعنی قران، تمتع، احصار، قتل صید، جنای، راور غنا و ر۔ اراقۃ الدم کے وجوب کی علّت کہیں بھی وقت خاص ہے۔

اال اور بقر میں سات آدمیوں کی شر

اس قر کی ادا کے لیے محل اراقہ ا ا جانور ہے تو اس میں سات آدمیوں کی شر جا اور در ہے خواہ قر کی جہت مختلف ہوا قر کی س ہ ب میں شرط ہے ا کسی ا نے بھی محض گو حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو کسی کی قر ادا ہوگی۔

سن رسول الله صلی الله علیه وسلم البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة. (بدایة

المجتهد ٤/٨٤)

والابل والبقر تجزی عن سبعة والمعز والغنم لایجزیان الا عن احد وان کان بعض السبعة اهل المتعة وبعضهم اهل القِران وبعضهم اهل الجزاء وبعضهم اهل الاضحیة وبعضهم اهل التطوع اجزأت عنهم ولو کان بعضهم یرید نصیبه من اللحم فانه لایجوز ولا عن احد (النُتَف فی الفتاویٰ لابی الحسن علی السُغدی متوفی ٤٦١هـ)

ولو ارادوا القربة الاضحیة او غیرها من القرب اجزأهم سواء کانت القربة واجبة او تطوعا او وجبت علی البعض دون البعض سواء اتفقت جهات القربة او اختلفت بان اراد بعضهم الاضحیة وبعضهم جزاء الصید وبعضهم هدی الاحصار وبعضهم کفارة شیء اصابه فی احرامه وبعضهم هدی التطوع وبعضهم دم المتعة والقران... وهذا قول اصحابنا الثلاثة (بدائع: ٥/٧١)

ذ فی الحرم کے لیے ہدی رقم بھیجنے کا قد د ر

سوق الهدی معه افضل لانه صلی الله علیه وسلم ساق الهدایا مع نفسه. (هدایه)

رسولِ ک کا حجۃ الوداع میں مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ سو یسٹھ ہدی او کا لے چلنا اور یمن سے حضرت علیؓ کا ہدی لے کرآ اور دیگر صحا کرام کا بھی اپنے اپنے علاقہ سے ہدی ساتھ لے جا کتب حدی میں موجود ہے حضور اور بعض صحا قارن اور بہت سے صحا نے تمتع کا احرام ھا تھا۔ اور اسی بنیاد اور قارن کے لیے ہدی کا ساتھ لیجا افضل ہے حجۃ الوداع للشیخ الکا ھلویؒ اور قران و تمتع آفاقی شخص ہی کے لیے خاص ہے جو د کے ہر دور دراز علاقہ سے آتے ہیں قرآن مجید قافلۂ حجاج عازمین بیت اللہ کی معرفت قر نی کا جانور یا اس کی رقم بھیجنے کا د ر بھی خیر القرون سے چلا آ ہے چونکہ آفاق سے ہدی بھیجنے والے اشخاص د میں پھیلے ہوئے ہیں اس لیے موں کی تعیین کے ساتھ ان کے واقعات کر چنداں آسان ہے اور یہ موضوع ریخ کا ہے رجالِ حدی علماء اسلام اور افرادِ امت کی سوانحِ ز گی کا مطالعہ کیا جائے اور کم از کم حجاج کی حالاتِ ز گی اور ان کے سفر موں کو ھ جائے تو ضرور اس طرح کے وی بہت سے واقعات د یاب ہوجائیں گے اور قدرِ مشترک امت کا یہ معمول بھی بخو معلوم ہوجائے گا اور ا مکہ کے قد ادارے جہاں آفاق سے آئے ہوئے

بہت سے حجاج ان اداروں کے توسط سے قربانی و ذبیحہ کراتے ہیں ان اداروں نے اِس نوع کا کوئی ریکارڈ محفوظ رکھا ہو تو اِس قدر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ من شاء فليراجع.

یہاں اشارہ کے طور پر اعیان الحجاج سے دو واقعہ نقل کرتے ہیں۔ محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے الفاظ میں:

اوّل: ”حضرت علقمہ“ نے متعدد حج کیے ہیں ایک بار وہ حج کو جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی ہدی کے جانوران کے ساتھ کردیے اور فرمایا کہ ذبح کے بعد گوشت کے تین حصے کرنا ایک حصہ تم اور تمہارے ساتھی لیں اور ایک حصہ خیرات کردینا اور ایک حصہ میرے بھائی عتبہ کے پاس بھجوادینا۔ حضرت سفیانؒ نے فرمایا یہ نفل قربانی تھی“ (اعیان الحجاج: ۱/۸۳، عن مجمع الزوائد للهيثمی)

دوم: ”شیخ سعدیؒ نے گلستاں میں ایک جگہ لکھا ہے ہمارے ساتھ حجاز جانے والے قافلہ میں ایک نوجوان قوال خوش آواز بھی تھے ان کو عرب کے ایک امیر نے منیٰ میں قربانی کرنے کے لیے دوسو دینار دیے تھے جاتے جاتے ایک مقام پر قبیلہ بنو خفاجہ کے چوروں نے ہم پر چھاپہ مارا اور جتنا کچھ تھا سب لوٹ لے گئے۔“ (اعیان)

نتائج تحقیق

مذکورہ تحقیق و تنقیح سے معلوم ہوا کہ خیرالقرون سے اب تک سلف وخلف، متقدمین ومتأخرین، علماء وصالحین اور امت کے بے شمار عامۃ المسلمین نے جتنی قربانیاں کی ہیں یا کرائی ہیں یہ سب اصول شرع کے بالکل مطابق ہیں۔

اطرافِ عالم کے مختلف خطوں سے اللہ کے کچھ بندے حرم واہل حرم کی عظمت ومحبت میں توسع علی اهل الحرم کے پیش نظر سے حجاج کی معرفت قربانی کا جانور یا اس کی رقم بھیج دیتے ہیں تاکہ ان کی طرف سے یوم النحر کو قربانی کی جائے اس کی تمام قربانیاں اصول شرعیہ کے ماتحت بالکل صحیح ہیں۔

قارن یا متمتع جو اپنے ساتھ دم قران وتمتع کے لیے بدنہ اونٹ یا گائے لے کر چلا اس آفاقی نے اپنے جانور میں اوروں کو بھی شریک کرلیا ان شرکاء میں بعض صاحب اضحیہ ہے، بعض صاحب اِحصار وغیرہ اور دم احصار اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم شکر کی طرح یوم نحر کے ساتھ

خاص ہے لیکن یہ تو طے ہے کہ آفاقی کو احصار کہیں بھی آسکتا ہے، ا قارن نے اپنا مشترک جانور م النحر کو ذ کیا تو اصول اور فقہ کی روشنی میں یہ ذ عندالشرع در ہے شرکا، اپنے اپنے وا. فی الذ سے سبکدوش ہوجائیں گے۔ محصر کا اپنے احرام سے نکلنا کہلائے گا۔ کیونکہ محصر کا احصار جو وجوبِ دم کا سب ہے وہ کسی وقت خاص کے ساتھ موقت ہے۔ اسی طرح ملک نصاب کی وجہ سے ذ کا ل لوا. مقید بیوم النحر ہے۔

ا وجود غنا کے کا ذ ل لوا. ہوا بلکہ وقت آنے ہی صا ذ بنے گا تو اتنی صد ں میں بہت سی وا. قر ں موقف کے مطا جو من علیہ الاضحیہ کے اعتبار سے قبل از وقت بعد از وقت بھی کی گئی ہوں گی وہ رائیگاں ٹھہر اور اشتراک والی صورت میں دم احصار ادا، ہوا اور ہی دم جنا اور ہی تمتع وقران کا وا. دم کہل کیونکہ اراقہ فعل واحد ہے۔ ا شر کا بھی دم ا ادا ہوا تو کسی کی طرف سے بھی اراقۃ الدم کہلائے گا لہٰذا وقت ہی سے اصل وجوب ما کا نظریہ مفاسد کثیرہ کو مستلزم ہے۔

خلاصۃ الکلام اور ی

سابقہ بحث ونظر اور تحقیق کا خلاصہ یہی ہے کہ ذ اضحیہ کے سلسلہ میں خیر القرون سے چلا آر معمول عین شرع کے مطا ہے یعنی المعتبر مکان الاضحیہ جہاں جانور ذ کیا جا ہے ں م نحر کا ہ ضروری ہے اور جن کی طرف سے قر نی ہے چاہے وا. نقل ان کے یہاں بھی وقت شروع ہوچکا ہو اس کی رعا کر ائمہ سے منقول ہے اور من علیہ الاضحیہ قر نی مالک نصاب ہونے کی وجہ سے وا. ہوجاتی ہے یہی ہے حقیقت میں نفس وجوب جو غنا و ر موقوف ہے۔ افریقہ، طا اور ا یکہ و ہ ممالک مغربیہ کے شندوں کی قر نی مشرقی ملکوں میں یہاں کے وقت کے اعتبار سے صغیر کے شندوں کی قر نی حرمین و ہ عرب ملکوں میں ں کے اوقات کے اعتبار سے شرع کے موافق اور تصر ت فقہیہ کے لکل مطا ہے وهذا هوالمرام. وما علينا الا البلاغ والله الموفق لما يحب ويرضى والصلاة والسلام على حبيبه المصطفىٰ.